

فیوض الباری

فی ثلثہ

صحیح البخاری

کتاب الجہاد

قدس سرہ العزیز

امیر اہلسنت حضرت

علامہ سید محمود احمد رضوی

امیر شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور



شعبہ تبلیغ مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف کتبچہ بخش روڈ لاہور پاکستان

وَمَا أَتَانَا إِلَّا بِالنَّبِيِّينَ فَتَوَلَّى وَقَالَ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْتَاهُ
 اَعَادِثُ بَرِيَّةٍ كَا مَجُوبٌ مَقْبُولٌ فِي خَيْرِ قُرْآنٍ كَجَدِيبٌ مَعَ كِتَابٍ سَمِيعٍ
 اِمَامُ الدُّنْيَا اِمْرُؤُ الْقَوْمَيْنِ فِي الْحَدِيثِ رَأْسُ الْمُتَمِيزِينَ اِشَادَةُ اَلْحَفَظِ اِبْنُ عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْنِ
 قَدَسِ سُرَّةِ اَلْبَارِي كِي تَأْيِيفٌ مَعَ اَلْبَحَارِ كَا سِلْسِلَةُ اَلْاَدْوَارِ جَرِيدَةُ اَلْمَعْرِفَةِ

فیوض الباری

فی شریح

صحیح البخاری

حصہ اول

علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر: مکتبۃ رضوان، داتا دارو، لاہور

مختصر تعارف

مولف فیوض الباری

تحریر — حکیم العلماء علامہ عبدالحکیم صاحب شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور
اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی محجاش نہیں ہے کہ جس شخص کو دین کا فہم حاصل ہو جائے، رحمت الہیہ اس کے شامل حال ہوتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ومن یرد اللہ بہ خیرا یفقهہ فی الدین اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی بصیرت عطا فرماتا ہے۔

پھر اگر اس کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری، حق گوئی اور بے باکی، رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام، تدریس و تصنیف اور اعلاء کلمہ حق ایسے اوصاف بھی جمع ہو جائیں تو سونے پر سہاگہ۔ فضیلۃ الشیخ، جلالتہ العلم و المعرفۃ، محدث عصر، حضرت علامہ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ العزیز ایسی ہی جامع صفات اور نادر روزگار شخصیت تھے، ان کی دینی اور ملی خدمات اس لائق ہیں کہ ان پر علمی اور تحقیقی مقالے لکھے اور شائع کئے جانے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دو قابل صد فخر فرزند عطا فرمائے۔

۱۔ غازی کشمیر علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری

۲۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد قادری

علامہ سید ابو الحسنات قادری نے میدان سیاست، خطابت قومی خدمات اور تصنیف میں وہ گراں قدر خدمات سرانجام دیں جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، ان کی عظمت و جلالت کا یہ عالم تھا کہ مخالف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے نامور علماء بھی ان کے قدموں میں بیٹھنے اور ان کے جوتے سیدھے کرنے کو سرمایہ فخر تصور کرتے تھے، علامہ سید ابو البرکات قادری رحمہ اللہ اپنے دور کے مفتی اعظم پاکستان، یکائے زمانہ محدث اور بے مثال مآثر تھے، اپنے اور بیگانے سب ہی ان کی جلالت علمی اور ژرف نگاہی کے معترف تھے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا۔ اسی دور میں پاکستان کی تاریخ کا سخت ترین مارشل لاء نافذ ہو چکا تھا، کسی کو لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی، اس کے باوجود حضرت سید ابو البرکات ہر روز نماز فجر کے بعد قرآن پاک کا درس دیتے۔ فقہ قادیانیت کے موضوع پر تقریر

کرتے، ختم نبوت کے بارے میں قادیانوں کے شبہات کا جواب دیتے اور قادیانوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی پرزور تائید فرماتے۔ اس انشاء میں کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ آپ کا لاؤڈ سپیکر بند کرادے۔

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء میں جنگ ستمبر کے بعد علماء اہل سنت کا ایک وفد جنرل محمد ایوب خاں سے ملا، جس میں حضرت علامہ سید ابو البرکات قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے، ایوب خاں نے مزاج پرسی کے بعد دعا کے لیے کہا تو سید صاحب نے فرمایا:

دعا کیا کروں؟ آپ نے عالمی آرڈیننس نافذ کیا ہے جس کی بعض دفعات، صریح طور پر قرآن و سنت کے خلاف ہیں، آپ نے شاستری کی ارٹھی کو کندھا دیا، ایک مشرک کی ارٹھی کو کندھا دینا کب جائز ہے؟

جنرل محمد ایوب خاں نے وعدہ کیا کہ عالمی آرڈیننس میں شریعت کے مطابق ترمیم کر دی جائے گی، اور شاستری کی ارٹھی کو کندھا دینے کے متعلق کہا کہ یہ ایک رسمی چیز تھی اور مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس خاندان نے اعلاء کلمۃ الحق میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ اسی عظیم خاندان کے جلیل القدر فرزند، وسیع النظم محدث، عظیم قیہ اور محقق، حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی شارح بخاری ہیں، جو خاندانی وجاہت کے علاوہ قابل قدر خصوصیات کے حامل ہیں۔ اکثر و بیشتر جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انہیں کسی نہ کسی دینی مسئلہ میں غور و فکر کرتے ہوئے پایا، ان کی گفتگو عام انداز سے ہٹ کر، مسائل دہنہ کے بارے میں ہی ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں گہری سوچ بچار کے بعد لکھتے ہیں۔ ان کی تحریرات، مفید عام موضوعات پر ہیں اور عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی کی ولادت باسعادت ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ علمی اور روحانی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اسی میں نشو و نما پائی، درس نظامی کی ابتدائی کتابیں آدنا نامہ گلستان وغیرہ اپنے جد امجد، سید المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ سے پڑھیں، بقیہ کتب، جید اور ستر اساتذہ سے پڑھیں۔ شرح تہذیب، قطبی اور مختصر المعانی وغیرہ کتب منطقی بابا مولانا محمد دین بدھوی سے، ملا حسن، تفسیر بیضاوی وغیرہ کتب ملک المدرسین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی سے پڑھیں۔

ان کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا جن میں حضرت مولانا مراد الدین جماعتی رحمۃ اللہ علیہ شامح مختصر المعانی کا اسم گرامی نمایاں ہے۔ درس حدیث اپنے والد گرامی، مفتی اعظم پاکستان حضرت شیخ الحدیث علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ سے لیا۔ ۱۹۴۷ء میں حزب الاحتاف، لاہور کے سالانہ جلسے میں آپ کی دستار بندی کرائی گئی۔ اس اجلاس میں پاک و ہند کے اکابر علماء مثلاً حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مفتی اگرہ مولانا مفتی عبداللطیف، محدث اعظم ہند، علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا محمد یار، گڑھی شریف، علامہ عبدالغفور ہزاروی، حضرت مولانا سید مختار اشرف کچھوچھوی قدس سرہم تشریف فرما تھے، حضرت صدر الافاضل نے اس موقع پر بطور تبرک اپنی ٹوپی عنایت فرمائی۔

حضرت علامہ رضوی مدظلہ نے ۱۹۴۷ء کو موقر جریدہ ”رضوان“ جاری کیا جو ابتداً ”ہفت روزہ تھا“ پھر پندرہ روزہ ہوا، بعد ازاں ماہنامہ کی صورت میں شائع ہوا اور بحمدہ تعالیٰ آج تک شائع ہو رہا ہے۔ اس جریدے میں وقیع اور گرانقدر مقالات شائع ہوا کرتے تھے، اس جریدے نے دین متین کی حفاظت اور مسلک اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اس رسالے کے کئی قیمتی نمبر، راقم کی نظر سے گزرے ہیں، مثلاً نماز، نمبر، ختم نبوت، نمبر، چکرالویت، نمبر اور معراج النبی، نمبر وغیرہ، مشہور شیعہ مناظر مولوی اسماعیل گوجروی سے متعدد مسائل پر مباحثہ کا سلسلہ جاری رہا۔ ان مباحثوں میں علامہ رضوی مدظلہ کا قلم علمی اور تحقیقی جواہر بکھیرتا رہا۔ علامہ کا استدلال، عالمانہ گرفت، مخالفین کے اعتراضات کے ٹھوس جوابات، یہ سب چیزیں پڑھنے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت علامہ کی تصانیف رضوی گوجروی مکالمہ، بیعت رضوان، باغ فدک، حدیث قرطاس حضور کی نماز جنازہ اسی دور کی یادگار ہیں۔

اس خاندان کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ جب بھی ملی اور ملکی مسئلہ پیش آیا، یہ حضرات راہنمائی میں پیش پیش رہے۔ تحریک پاکستان میں دارالعلوم حزب الاحتاف، لاہور کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جامع مسجد وزیر خاں، لاہور، تحریک پاکستان کا اہم ترین شیخ تھی۔ اس سانچے سے پاکستان کی حمایت میں اٹھنے والی آواز اتنی زوردار تھی کہ اس کی گونج پورے پنجاب بلکہ اس کے ارد گرد تک سنی جاتی تھی۔

۷ ہر تا ۱۰ ہر اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس کے باغ فاطمیں میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی

کانفرنس، تحریک پاکستان کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس اجلاس میں اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ نے اجتماعی طور پر مطالبہ پاکستان کی زبردست حمایت کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ جب تک پاکستان نہیں بن جاتا ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس اجلاس میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، علماء پنجاب کے وفد کے ہمراہ شریک ہوئے، اس وفد میں علامہ سید محمود احمد رضوی بھی شامل تھے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو پاکستان کے کلیدی عمودوں سے ہٹایا جائے اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، اس تحریک کے صدر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری تھے۔ علامہ سید محمود احمد رضوی نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی ذاتی مشین پر پمفلٹ چھاپ کر فوج اور پولیس کے نوجوانوں میں تقسیم کئے اور انہیں تحریک کے مقاصد سے آگاہ کیا اور گرفتار ہوئے، قلعہ لاہور اور سنٹرل جیل لاہور میں مقید رہے۔

۲۲ مارچ ۱۹۷۰ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں نام نہاد کسان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ”مولانا“ بھاشانی مہمان خصوصی تھے۔ اس کانفرنس کا نعرہ تھا، ”ماریں گے۔ مر جائیں گے۔ سوشلزم لائیں گے۔“ اسی کانفرنس میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کا نام لینے گراؤ تجویز کیا گیا۔ اہل سنت کے علماء و مشائخ نے اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے سوشلزم کے پروپیگنڈے کا موثر جواب دینے اور کسان کانفرنس کے اثرات زائل کرنے کے لیے عین اسی جگہ ۱۳، ۱۴ جون ۱۹۷۰ء کو عظیم الشان سنی کانفرنس منعقد کی۔ جس میں حضرت مولانا فضل الرحمن قادری مدنی مدظلہ، مدینہ طیبہ سے تشریف لاکر بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے۔

اس کانفرنس کا منظر دیدنی تھا۔ تاحد نظر پھیلے ہوئے غلامان مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جم غفیر اور تین ہزار علماء و مشائخ کے مبارک اجتماع سے وہ سماں پیدا ہوا کہ باطل کی تمام تاریکیاں چھٹ گئیں۔ اس کانفرنس میں اسلامیان پاکستان کو مقام مصطفیٰ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا نعرہ ملا، اور اعلان کیا گیا کہ اسی منشور کی بنیاد پر دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حصہ لیا جائے گا۔ اس کانفرنس کے کنوینئر حضرت علامہ رضوی مدظلہ اور ان کے رفقاء تھے۔ انہوں نے ملک بھر کے دورے کر کے کانفرنس کے انعقاد کے لیے فضا ہموار کی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مولانا مختار الحق مرحوم اور ان کے رفقاء نے بھی اس کانفرنس کے انعقاد کے لیے کرا افنڈر

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں تمام مکاتب فکر کے اشتراک سے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت معرض وجود میں آئی۔ علامہ رضوی مدظلہ اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ نے ملک کے طول و عرض میں دورے کئے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ بالآخر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اسلامیان پاکستان کے شدید دباؤ کی بنا پر قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

علامہ رضوی مدظلہ ۱۹۷۴ء تک جمعیت العلماء پاکستان کے مرکزی جنرل سیکرٹری رہے۔ ایک مرحلے پر جمعیت داخل انتشار کا شکار ہو گئی، کوشش بسیار کے باوجود اتفاق و اتحاد کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ ۱۹۶۹ء میں حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری قدس سرہ نے حزب اختلاف لاہور میں ملک بھر کے علماء کی ایک میٹنگ بلائی، حضرت سید صاحب کی دعا و برکت سے تمام علماء اہل سنت شیرو شکر ہو گئے۔ علامہ رضوی پہلے سنی بورڈ پھر مجلس عمل جمعیت العلماء پاکستان کے کنوینر مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر جمعیت کو فعال بنانے کے لیے دن رات کام کیا اور گونا گوں مشکلات کے باوجود اپنی مہم میں کامیاب رہے۔

یا رسول اللہ! کانفرنس

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور تعظیم و تکریم اہل سنت و جماعت کا طرہ امتیاز اور سرمایہ ایمان ہے۔ بارگاہ رسالت کی بے ادبی اور گستاخی دیکھ اور سن کر خاموشی سے برداشت کر جانا ان کے نزدیک غیرت ایمانی کے منافی ہے۔ حضرت علامہ رضوی مدظلہ کو یہ عقیدہ ورثہ میں ملا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں برطانیہ کے نام نہاد ڈاکٹر منہاس نے ایک دل آزار کتاب لکھی جس میں اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ اس کتاب کی اشاعت کے خلاف جمعیت علماء پاکستان نے لاہور سے جلوس نکالے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس کتاب کو ضبط کیا جائے۔ لیکن حکومت نے مطالبہ تسلیم کرنے کی بجائے ۱۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو علامہ سید محمود احمد رضوی اور مولانا اکرام حسین مجددی، مولانا فیض القادری اور پیر طریقت میاں جیل احمد شرتپوری کو گرفتار کر لیا۔ پھر ان حضرات کی رہائی کے لیے حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی اور حضرت مولانا حامد علی خاں کی قیادت میں ایک وفد ۱۰ جنوری کو اس وقت کے گورنر پنجاب، جنرل یحییٰ الرحمن سے ملا اور ان راہنماؤں کی رہائی کے بارے میں گفتگو کی۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں محفل قرأت منعقد ہوئی، مصر کے معروف قاری عبدالباسط نے تلاوت کی، سامعین میں ہر کتب فکر کے افراد موجود تھے۔ اسی اثناء میں کسی نے نعرہ رسالت بلند کیا اور اس کے جواب میں کسی بد بخت نے مردہ باد کا نعرہ لگایا، نعرہ لگانے والے حافظ غلام معین الدین کو مارا گیا اور اسے مرزائی کہہ کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

علامہ رضوی نے اس سانحہ کا بوقت نوٹس لیا اور اپریل ۱۹۸۳ء ملک بھر کے علماء و مشائخ اہلسنت کی میٹنگ بلا کر مجلس عمل علماء اہلسنت قائم کی اور طے پایا کہ ۲۴ اپریل کو حزب الاحناف لاہور میں یار رسول اللہ کانفرنس منعقد کی جائے، چنانچہ اس کانفرنس میں ہزاروں علماء و مشائخ اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ سامعین نے شرکت کی۔ اہل سنت و جماعت نے مغرب اور عشاء کی نمازیں شاہی مسجد میں باجماعت ادا کیں اور رات کے ساڑھے بارہ بجے تک یار رسول اللہ کانفرنس کا پروگرام جاری رہا۔ شاہی مسجد کے درو دیوار نعرہ رسالت سے گونجتے رہے۔ چاروں میناروں پر جیون اور مسجد کے چپے چپے پر یار رسول اللہ اور سبز گنبد کے عکس والے جھنڈے لہراتے رہے اور دنیا پر واضح ہو گیا کہ اس زور بے عملی میں بھی مسلمان ناموس رسول کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

مشہور صحافی جناب انور قدوائی نے نوائے وقت لاہور میں لکھا۔

”علامہ محمود احمد رضوی نے جس بات پر علم احتجاج بلند کیا تھا وہ اہم ترین اور سنگین مسئلہ تھا جس سے اختلاف بریلوی کیا؟ کوئی مسلمان بھی نہیں کر سکتا تھا۔“ اس کانفرنس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا

(۱) کہ اس واقعہ کی تحقیق کی جائے اور گستاخ رسول کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

(۲) سنی اوقاف علیحدہ کیا جائے۔

یہ جزل ضیاء الحق کی مارشل کا دور تھا۔ مگر اس کے باوجود لاہور اور ملک بھر میں یار رسول اللہ کانفرنس منعقد ہوئیں۔ مجلس عمل نے ۲۱ مئی کو شاہی مسجد لاہور اور نومبر ۱۹۸۵ء کو دس داتا گنج بخش کے موقع پر یار رسول اللہ کانفرنس منعقد کیں۔ جس کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔

نوائے وقت کے جناب محترم انور قدوائی کا تبصرو ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں ۲۱ مئی کو علامہ

ص
 محمود احمد رضوی نے تمام سرکاری رکاوٹوں کو روند ڈالا اور نہ صرف جلوس نکالا بلکہ بادشاہی مسجد میں جلسہ بھی کیا۔ علامہ محمود احمد رضوی کی اپیل پر جس طرح لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے ناموس رسول کے لیے جس جذبہ و جوش کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے دو فائدہ ہوئے ہیں۔

ایک تو یہ کہ علامہ محمود احمد رضوی جو ایک عرصہ سے غلیل تھے، پھر جوان ہو گئے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ملک کے اندر اور باہر وہ عناصر جو یہ سوچ کر خوش تھے کہ پاکستان میں ایمان کی طاقت کمزور ہو گئی ہے اور یہ کہ روسی ٹینکوں پر بیٹھ کر پاکستان آئیں گے۔ ان کے خواب بکھر گئے ہیں اور یہ کہ اسلام کے ماننے والوں کا ایمان ابھی تک قائم ہے اور اس ملک میں کسی کو اسلام کے خلاف بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

تدریس و تالیف

علامہ رضوی جہاں دقیق النظر محدث، نکتہ رس فقیہ اور مفتی صاحب طرز ادیب اور قادر الکلام خطیب بھی ہیں۔ ان کی تقریر علم و فضل، سنجیدگی اور متانت کا بہترین مرقع ہوتی ہے۔ علامہ رضوی نے زمانے طالب علمی میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالعلوم حزب الاحناف میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور درس نظامی کی اکثر کتب پڑھاتے رہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے تصنیف و تالیف اور دارالعلوم حزب الاحناف کی تعمیر و انتظام کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

علامہ رضوی تمام تصانیف، علم و تحقیق کا منہ بولتا ثبوت اور عوام و خواص کے لیے مفید ہیں اور علمی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کی سب سے اہم تالیف بخاری شریف کی شرح فیوض الباری ہے جس کے اب تک دس پارے پانچ ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں خصائص مصطفیٰ، جامع الصفات، روح ایمان، شان مصطفیٰ، مقام مصطفیٰ، معراج النبی، علم غیب رسول بصیرت، لمحات فکر، دین مصطفیٰ، شان صحابہ، چراغ ہدایت، مسائل نماز، روٹھی، اسلامی تقریبات، جواہر پارے، فتاویٰ برکات العلوم، سیدی ابوالبرکات، بھی آپ کی مشہور مقبول تصانیف ہیں۔

علامہ سید محمود احمد رضوی کو اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادیاں اور سات صاحبزادے عطا فرمائے ہیں۔ صاحبزادوں میں سے سید مصطفیٰ اشرف رضوی بڑے ہونمار اور باصلاحیت نوجوان ہیں جن کے بارے میں توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے قابل صد فخر آباؤ اجداد کے منہ نشین ہوں

ستارہ امتیاز

حضرت علامہ رضوی نے غیر ممالک کے تبلیغی دورے بھی کئے ہیں۔ آپ کی دینی، علمی اور ملی خدمات کی بنا پر حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ امتیاز بھی دیا۔ آپ تقریباً سات سال ۱۹۸۳ء تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے بلامقابلہ چیئرمین بھی رہے اور ۱۹۸۱ء سے ۳۱ اپریل ۱۹۸۳ء تک اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ نے ممالک اسلامیہ کا بھی دورہ کیا اور تین جج اور ایک عمرہ کی سعادت بھی حاصل کی۔

فیوض الباری شرح صحیح بخاری

علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ قلم و قریطاس کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ تحقیق کا مادہ ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان کی تمام تصانیف علم و تحقیق کا بہترین شاہکار اور افادیت عامہ کی حامل ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان کی جملہ تصانیف، عوام و خواص میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی تصانیف کے نام اس سے پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اس وقت ان کی اہم تصنیف فیوض الباری کا مختصر تعارف پیش کرنا مقصود ہے۔

فیوض الباری کا انداز بیان یہ ہے۔

- ۱۔ ہر حدیث کا با محاورہ اور سلیس اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔
- ۲۔ الفاظ حدیث کی لغوی تحقیق پیش کی گئی ہے۔
- ۳۔ حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔
- ۴۔ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فقہی اختلافات کی تفصیل پھر روشن دلائل سے مذہب حنفی کی ترجیح اور تحقیق
- ۵۔ مسلک اہل سنت کو مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ فرق باطلہ اور منکرین حدیث کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کے معقول اور مسکت جوابات دیئے ہیں۔
- ۶۔ امام بخاری اکثر و بیشتر احادیث کی پوری سند بیان کرتے ہیں۔ فیوض الباری میں اختصار کے پیش نظر سندوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۷۔ امام بخاری ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب میں بیان کر جاتے ہیں۔ فیوض الباری میں ابواب کے عنوانات تو باقی رکھے گئے ہیں، لیکن حدیث کو ایک جگہ بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے اور اسی جگہ اس سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۸۔ حسب ضرورت راویوں کے مختصر احوال بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۹۔ ابتداء میں مفصل مقدمہ ہے جس میں بحیث حدیث، مقام رسول عہد نبوی، عہد صحابہ، عہد تابعین میں حدیث کی حفاظت و کثابت وغیرہ امور پر پر مغز علمی گفتگو کی گئی ہے۔ نیز امام بخاری کا تذکرہ مختصر مگر دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ علم حدیث کی چند ضروری اصطلاحات بھی بیان کی گئی ہیں۔

فیوض الباری کو جلیل القدر محدثین نے داد و تحسین سے نوازا ہے۔ قومی اخبارات نے شاندار تبصرے کئے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ فرماتے ہیں بخاری شریف کی ایک بلند پایہ شرح جن خوبیوں کی حامل ہو سکتی ہے وہ تمام خوبیاں ”فیوض الباری“ میں پائی جاتی ہیں.... اکثر و بیشتر اردو تراجم میں جو کمزوریاں اور نقائص پائے جاتے ہیں الحمد للہ! فیوض الباری کا دامن ان سے پاک ہے۔ اس کا مطالعہ عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص اہل علم، طلباء اور مدرسین کے لیے بھی نہایت ہی مفید ہے۔

فاضل مولف نے یہ کتاب لکھ کر وقت کے اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ اور ان کی یہ گران مایہ تالیف اہل سنت پر ایسا احسان عظیم ہے جس کو ہماری آئندہ نسلیں بھی فراموش نہیں کر سکتیں۔ حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی، مولف فیوض الباری، اپنی اس قابل قدر تالیف پر یقیناً شکر یہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری مرحوم فرماتے ہیں اس کتاب نے از اول تا آخر دریائے علم حدیث کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور حدیث پاک کی وہ خدمت کی ہے جس کے متعلق سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **نصرو اللہ عبدہ اسع مقاتلہ فحفظہا ووعا ہا وادھا فرب حملہا فہد لیس بقیہہ ورب حامل فہدہ الی من ہو الفہد منہ** (مشکوٰۃ ص ۲۵) اللہ تعالیٰ اس بندے کو حسن و رونق عطا فرمائے جس نے میری حدیث سنی اور اس کو یاد کیا اور اسے سمجھا اور ادا کیا، اس لیے کہ بہت سے علم اٹھانے والے عالم نہیں اور بہت سے علم کے حامل اسے سناتے ہیں جو اس سے زیادہ قیہ ہے۔

الغرض علامہ سید محمود احمد رضوی زید مجدہ نے فہم و افہام و تقسیم و اتقان و تلیق کا حق ادا کیا ہے اور حقائق و معارف حدیث کے دریا بہا دیئے ہیں اور مشکلیں کے شکوک و شبہات کو دفع کر کے حنیف و عقائد اہل سنت و جماعت کی خوب اور بہت خوب خدمت کی ہے۔ (عبدالمصطفیٰ ازہری، علامہ: تقریظ فیوض الباری ج ۵ ص ۲)

۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء کو روزنامہ نوائے وقت کے تبصرہ نگار نے پہلی جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا آج کے دور میں اکثر تصانیف، محض پرانے مصنفین کی محنتوں کو نئے قالب میں ڈھال کر پیش کی جاتی ہیں اور ایک روش یہ ہو گئی ہے کہ نئے مصنفین، اس محنت، کاوش، وسیع مطالعہ اور عمیق فکر سے کام نہیں لیتے جو کسی تصنیف کو مکمل بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس ماحول میں ”فیوض الباری“ ایک ایسی نئی تصنیف نظر آتی ہے جس میں مصنف نے وسعت علم کے فن پر عبور کے علاوہ محنت کا ثبوت دیا ہے جس سے اس کی افادیت علماء اور عوام سب کے لیے یکساں ہو گئی ہے۔ (فیوض الباری: ج ۳ ص ۳)

روزنامہ جنگ، شمارا ۱۹ ستمبر ۱۹۶۱ء میں تبصرہ نگار تیسری جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ترجمہ و تشریح علمی لحاظ سے بہت بلند اور زبان کے لحاظ سے نہایت سلیجھا ہوا ہے، حضرت مولف کا انداز تحریر درسانہ، قیسانہ اور ناصحانہ ہے، ان کی تحریر میں تعصب، عناد، اور کرختگی نہیں، بلکہ اکثر مقامات پر فروعی مسائل پر تشدد کرنے والوں کو خوف خدا یاد دلایا گیا ہے۔ ان آراء اور تبصروں کے بعد راقم کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے؟ ہاں یہ دعا ضرور ہے کہ ملائے کریم حضرت علامہ کا سایہ تادیر سلامت رکھے اور اس شرح کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادوں کو علم دین میں کمال حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اپنے آباء کی مسند، سنحال سکیں۔

سند حدیث اور سلسلہ سبب

حضرت رضوی کے جد امجد شیخ ... نرت ... بہار علی سادہ ... الوری علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا احمد علی سارہنوری علیہ الرحمہ سے کئی درس حدیث لیا۔ اس کے بعد قسب ... حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ ... دوبارہ حدیث کا

درس لیا اور آپ سے بیعت ہوئے۔ حضرت سمیع مراد آبادی نے آپ کو اپنی خلافت سے بھی نوازا اور سلاسل ازلہاء اللہ کے معمولات و وظائف کی اجازت عطا فرمائی۔

حضرت علامہ رضوی کے والد محترم شیخ الحدیث علامہ ابو البرکات علیہ الرحمہ طریقت میں اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین شاہ صاحب سجادہ نشین کچھوچھ شریف علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں اور ان کے خلیفہ مجاز بھی اور علامہ رضوی کو بھی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے بیعت و خلافت حاصل ہے۔

علامہ رضوی نجیب الرفیقین سید ہیں اور سیدنا امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس لیے علامہ رضوی اپنے نام کے ساتھ رضوی لکھتے ہیں اور سلسلہ اشرفیہ میں مرید و خلیفہ ہیں۔ نیز آپ کو سلسلہ اشرفیہ محمود سجادہ نشین صدر شریعت حضرت ابوالمعور شاہ سید محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھ شریف انڈیا نے بھی اپنی خلافت سے نوازا ہے۔

آخر میں یہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ سید محمود احمد رضوی کا سلسلہ حدیث ایک واسطہ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تک پہنچتا ہے کیونکہ آپ کے والد ماجد قدس سرہ کو امام احمد رضا بریلوی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ (اور امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ تک صرف چار واسطے ہیں۔ ۱۔ استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد صاحب رضوی قادری اشرفی۔ ۲۔ امام المحدثین حضرت مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ صاحب رضوی قادری فضل رحمانی۔ ۳۔ قطب وقت شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب سمیع مراد آبادی۔ ۴۔ سراج المند شیخ الحدیث حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔



، حسب فرمائش، صاحبزادہ سید فواد اشرف رضوی

مختصر فہرست مضامین

فیوض الباری (پہلا اول) شرح صحیح البخاری

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
					مقدمہ کتاب
		۱۸	مختصر حالات سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ، ولادت، عالیہ اخلاق، ہجرت ذہن، حلقہ درس جلاوطنی و وفات، تاریخ و قاتل	۱۸	تہذیب اور مصنف کی سند حدیث خطبہ اور چند اہم گزارشات حجیت حدیث پر تفصیلی گفتگو حضور کے فرائض نبوت اور آپ کا منصب و مقام
۵۳	حدیث مکہ کے بعد ہجرت نہیں اس کے معنی صحابہ کرام کی ہجرت کا پس منظر	۵۴	تذوین بخاری اور بنی ثعلبہ کا پورا نام	۲۵	رسولوں کا منصب مرتبہ و مقام
۸۳	ہجرت کے اکثر و شرق معنی اور اس کے اہم مسائل اعمال و عبادت کا مدار سنتوں	۵۸	احادیث بخاری کی تعداد صحاح ستہ، علم اصول حدیث حدیث کی تعریف حدیث کی قسمیں اختصار بخاری باب	۳۱	وحی متلو و غیر متلو حضور علیہ السلام پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی صحابہ کرام کا حدیث نبوی سے استدلال و اقتال
۹۲	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام حدیث الاعمال... الخ کے مسائل اور آئمہ کرام کے استدلال پر تفصیلی گفتگو نزول وحی کی کیفیت	۶۰	باب حضور پر وحی کی ابتداء کیسے ہوئی رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۳۶	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۸۵	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۶۱	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۳۹	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۸۶	حدیث الاعمال... الخ کے مسائل اور آئمہ کرام کے استدلال پر تفصیلی گفتگو نزول وحی کی کیفیت	۶۲	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۴۲	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۹۱	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۶۳	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۴۴	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۹۲	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۶۴	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۴۵	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۹۳	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۶۵	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۴۶	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۹۴	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۶۶	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۴۷	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۹۵	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۶۷	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۴۸	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۹۶	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۶۸	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۴۹	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۹۷	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۶۹	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۵۰	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۹۸	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۷۰	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۵۱	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۹۹	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۷۱	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۵۲	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا
۱۰۰	نیت پر ہے فساد نیت کا انجام	۷۲	رسول اور نبی کی تعریف تفسیر آیت حضرت نوح آدم ثانی ہیں عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہجرت کی اقسام	۵۳	جمع و تذوین حدیث عبد نبوی و عبد صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کا اہتمام کتابت حدیث کا اہتمام روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط حفاظت حدیث کے قدرتی لیا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۰	نزولِ قرآن کی ابتدا اور کتبِ سادہ کے نزول کی تاریخیں	۱۱۶	ام المؤمنین حضرت خدیجہ	۹۹	وحی کے لغوی معنی
۱۳۱	ہرقل کے دربار میں حضور کے متعلق سوال و جواب	۱۱۷	رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۰۰	وحی کے شرعی معنی
۱۳۷	سلاطین کو اسلام کی دعوت	۱۱۷	ورثہ بن نوفل	۱۰۱	وحی و امام میں فرق
	کتاب الایمان	۱۱۸	عبرانی زبان کی اصل	۱۰۲	حضور کے ساتھ وحی کا آغاز
۱۴۰	اسلام کی ہمہ گیری		عظا ناموس کی تحقیق		غارِ حرا کا مجاہدہ
۱۴۱	عقیدہ کی اہمیت و ضرورت	۱۱۹	لفظ ملک کی تحقیق	۱۰۳	حضور پر سب سے پہلی وحی
۱۴۲	عقیدہ اعمال کی اساس ہے	۱۲۰	لفظ جبریل		نزولِ وحی کی مدت
	ایمان کے بغیر عمل بیکار ہے	۱۲۱	حضرت جبریل کا اعلیٰ نام		وحی کی اقسام وحی کی سات صورتیں
	ایمان اور کفر کی تعریف		فتۃ الوحی		وحی متلوہ و غیر متلوہ ؟
۱۴۳	ثبوت قطعی، ضروری و بالضرورۃ و ضروریاتِ دین کی تعریف	۱۲۲	تفسیر آیت سورۃ مدثر	۱۰۵	بوقتِ وحی حضور کی کیفیت
	اسلام، ایمان، مسلم و کون میں فرق	۱۲۳	حضور کا نام لے کر ندا کرنا ممنوع ہے		وحی کی ابتدا روایتِ صالحہ سے ہوئی
۱۴۸	کتاب اور اس کے فوائد	۱۲۴	نماز میں تکبیر تحریمہ فرض ہے	۱۰۶	روایاتِ صالحہ و صادقہ کا فرق
	کتاب اور اس کے فوائد	۱۲۵	و ثیابک فطہر کے معنی		روایات کے اقسام اور کونسا روایات نبوت کا جزو ہے ؟
	کتاب اور اس کے فوائد	۱۲۶	و المرجز فاہجر کے معنی	۱۰۷	روایاتِ صالحہ نبوت کا ایک جزو ہے - غیر نبی کے خواب کا حکم اور اس کی شرعی حیثیت
	کتاب اور اس کے فوائد	۱۲۷	حضور کے سینہ میں الفاظ کرنے کا اللہ ذمہ دار ہے		غارِ حرا میں جبریل کی آمد
	کتاب اور اس کے فوائد	۱۲۸	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ		غارِ حرا میں جبریل کی شکلِ بشر حاضر ہونے
	کتاب اور اس کے فوائد	۱۲۹	رمضان میں جبریل کے ساتھ قرآن کا دور		سورۃ الزمر کی تفسیر
	کتاب اور اس کے فوائد	۱۳۰	حضور علیہ السلام اجماع ہیں	۱۱۳	لقد خستیت علی نفسی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۸	باب مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں	۱۶۱	ایمان کے متعلق معتزلہ و خوارج کا مسلک ؟	۱۵۰	ضروریات دین میں تاویل مسکت نہیں
۱۷۹	باب کونسا مسلمان افضل ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے حالات	۱۶۲	ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا ؟ ایمان کے متعلق امام اعظم کے مسلک پر شبہ کا جواب	۱۵۱	کفر کے لیے تمام ضروریات دین کا انکار ضروری نہیں ارتداد، زندقہ اور اتحاد کی
۱۸۰	باب کھانا کھلانا علامت ایمان ہے	۱۶۳	حضور کا ایمان اور حضرت جبریل کا ایمان عام لوگوں کے ایمان کے مثل نہیں ہے	۱۵۲	تعریف، فتویٰ تکفیر میں احتیاط بہت ضروری ہے
۱۸۵	سلاہ سلام کی اہمیت سلام کے ضروری مسائل	۱۶۴	باب اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے	۱۵۳	اگر کسی کلام میں نانوے وجوہ کفر کے ہوں ؟ مسئلہ تکفیر اہل قبلہ
۱۸۶	باب مومن کی شان یہ ہے جو اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے	۱۶۵	حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حالات اور آیت ليطعن قلبی کی تفسیر	۱۵۴	اہل قبلہ کی تعریف کفر و شرک و ارتداد کے دینی و دنیوی احکام
۱۸۷	کسی ایک کام کو اسلامی قرار دینے کا مطلب ؟	۱۶۶	حضرت معاذ بن جبل کے حالات حضرت ابن مسعود و ابن عمرو	۱۵۵	ایمان کی تعریف میں آئمہ کا اختلاف
۱۸۸	حضرت قتادہ کے حالات	۱۶۷	امام مجاہد کے حالات	۱۵۶	ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اس کے عقل و نقلی دلائل ؟
۱۸۹	باب حب رسول شرط ایمان ہے	۱۶۸	اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے	۱۵۷	امام شافعی کے نزدیک ایمان کی تعریف
۱۹۱	باب حلاوة الایمان (لذت ایمان کے بیان میں) اللہ و رسول سے محبت کے معنی	۱۶۹	کیا نماز کا تارک کا فرض ہے ؟ باب امور ایمان کے بیان میں آیت لیس البران تولوا وجوہکم کی تفسیر	۱۵۸	ایمان کی تعریف کے متعلق امام ابو حنیفہ و شافعی کے اختلاف کی حقیقت، گناہ کبیرہ کا ترک
۱۹۲	باب انصار سے محبت علامت ایمان ہے	۱۷۰	ایمان کے اثرات و ثمرات کا بیان حضرت ابو ہریرہ کے حالات	۱۵۹	کافر نہیں ؟ گناہ کبیرہ نو ہیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۱۹	کفر کے لغوی معنی اور اس کی قسمیں کفر اور کفرانِ نعمت کے معنی نعت کے معنی اور اس کے احکام	۲۰۹	باب جہاں بھی ایمان کی نشانی ہے باب خان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ تارک صلوٰۃ عدا کا حکم اور عمل کی اہمیت	۱۹۶	صحابہ سے محبت ایمان ہے اور ان سے عداوت منافقت ہے حضور کا صحابہ کو بیعت کرنا عاصی کو سزا دینا اور مطیع کو ثواب عطا فرمانا اللہ پر واجب نہیں ؟
۲۲۰	باب گناہوں کے ترک کے کوکار نہیں کما جائیگا مومن عاصی کا حکم	۲۱۲	باب من قال ان الایمان هو العمل کیا اعمال حقیقت ایمان میں داخل ہیں ؟	۱۹۷	کیا حدودِ شرعیہ گناہ کا کفارہ ہو جاتے ہیں ؟
۲۲۱	حضرت ابو بکر کے حالات	۲۱۳	باب اذا لم یکن الاسلام اعلیٰ الحقیقۃ اسلام معتبر و اسلام غیر معتبر کا بیان	۲۰۰	حضرت عبادہ بن صامت کے حالات
۲۲۲	باب ایک ظلم دوسرے ظلم سے کم تیر کا ہوتا ہے ظلم کے معنی	۲۱۴	باب اذا لم یکن الاسلام اعلیٰ الحقیقۃ اسلام معتبر و اسلام غیر معتبر کا بیان	۲۰۱	باب فتنوں سے بھگانا بھی علامتِ ایمان ہے گوشہ نشینی کا حکم اور حضرت ابوسعید خدری کے حالات
۲۲۳	باب منافق کی علامتوں کے بیان میں	۲۱۵	باب اذا لم یکن الاسلام اعلیٰ الحقیقۃ اسلام معتبر و اسلام غیر معتبر کا بیان	۲۰۲	باب حضور کا فرمانا میں تم سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا ہوں دوسرے کے احکام، دوسرے منافق اسلام نہیں ؟
۲۲۴	نفاق عملی و اعتقادی کی تعریف بعض منافقانہ اعمال و افعال کا بیان	۲۱۶	باب اذا لم یکن الاسلام اعلیٰ الحقیقۃ اسلام معتبر و اسلام غیر معتبر کا بیان	۲۰۳	باب حضرت عاصمؓ انبیا اور آیت لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک کے تفسیر
۲۲۵	باب لیلۃ القدر میں قیام علامتِ ایمان ہے	۲۱۷	باب اذا لم یکن الاسلام اعلیٰ الحقیقۃ اسلام معتبر و اسلام غیر معتبر کا بیان	۲۰۴	باب تفاضل اہل الایمان حضرت عمرؓ کی فضیلت خواب کی تعبیر لینا جائز ہے
۲۲۶	باب لیلۃ القدر کے احکام	۲۱۸	باب اذا لم یکن الاسلام اعلیٰ الحقیقۃ اسلام معتبر و اسلام غیر معتبر کا بیان	۲۰۵	باب تفاضل اہل الایمان حضرت عمرؓ کی فضیلت خواب کی تعبیر لینا جائز ہے
۲۲۷	باب جہاد بھی اسلام سے ہے	۲۱۹	باب اذا لم یکن الاسلام اعلیٰ الحقیقۃ اسلام معتبر و اسلام غیر معتبر کا بیان	۲۰۶	باب تفاضل اہل الایمان حضرت عمرؓ کی فضیلت خواب کی تعبیر لینا جائز ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	مجاہد کو ہر صورت ثواب ملتا ہے	۲۳۲	دینکم کی تفسیر		جن سے ڈرایا جاتا ہے یعنی
	باب رمضان کی راتوں میں	۲۳۳	آیت جس کے دل میں ذرہ	۲۳۴	اصرار علی انفاق اور گناہ
	نفل پڑھنا ایمان کی شاخ ہے		برابر ایمان ہوگا اس کی نجات		بلا توبہ
	باب بامید ثواب رمضان		ہوگی۔ اس کا مطلب و مفہوم		گناہ پر اصرار کے معنی
	کے روزے رکھنا ایمان کی		ایمان میں کمی اور ضعف کا کیا	۲۳۵	بیلۃ القدر کی صحیح تاریخ
	شاخ ہے		مطلب ہے؟ آیت الیوم		اٹھالی گئی اس کا مطلب
	باب دین آسان ہے	۲۳۴	اکملت لکم دینکم کے	۲۳۶	و مفہوم؟
	قرآن نے مغرب، یہودیت	۲۳۵	نزل کا بیان		باب حضرت جبریل کا
	و عیسائیت کی مذمت کی ہے		یوم نزول نعمت کو عید بنا	۲۳۸	حضور سے ایمان، اسلام
	باب نماز بھی ایمان سے ہے	۲۳۶	کا ثبوت		احسان اور قیامت کے
	قیام مکہ کے دوران قبلہ کس		باب زکوٰۃ دینا بھی اسلام		متعلق سوال کرنا
	سمت تھا؟		سے ہے		ایمان، اسلام، احسان اور
	تخلیل کعبہ کی حکمتیں		حضرت طلحہ کے حالات	۲۳۹	قیامت کا بیان ایمان کے معنی
	حضرت برار کے حالات	۲۴۰	کیا نفل شروع کرنے سے	۲۴۰	ایمان باللہ و ایمان بالمالک
	باب اسلام کی خوبی کے		واجب ہو جاتے ہیں		اور مالک کے متعلق قرآن کی
	بیان میں		باب جنازہ کے ساتھ مانا	۲۴۲	تقریرات
	ایک نیکی کا ثواب دس گنا	۲۴۱	ایمان کی ایک شاخ ہے		لقار الہی اور ایمان بالرسول
	ملتا ہے		باب مومن کا اعمال کے متعلق	۲۴۲	اسلام کے معنی اور اس
	باب اللہ عز و جل کو وہ کام	۲۴۲	جو جانے سے ڈرنا		کی حقیقت
	بہت پسند ہے جو ہمیشہ		ابراہیمؑ تمہی اور حضرت ابن ابی	۲۴۳	عبادت کے معنی اور عبادت
	پابندی سے کیا جاتے		لیکہ کے حالات		و تنظیم میں فرق
	باب ایمان کی کمی بیشی کے	۲۴۲	مخافت انفاق علی نفسہ کا		شرک کی تعریف
	بیان میں		مطلب و مفہوم		احسان کے معنی
	آیت الیوم اکملت لکم	۲۴۳	باب ان امور کے بیان میں	۲۴۴	ہر عمل میں احسان، اور کیا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۰۰	علم دین و علمائے دین کے فضائل	۲۹۸	مصرف ہو اور اس حالت میں اس سے سکہ علمی دریافت کیا جائے	۲۹۸	دنیا میں دیدار الہی ممکن ہے؟
۳۰۲	باب حضور علیہ السلام و غلط نصیحت میں لوگوں کو رعایت فرماتے تھے۔	۲۹۹	باب بلند آواز سے سکہ بتانا	۲۹۹	قیامت اور اس کی علامتیں
۳۰۳	باب جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سچھ عطا فرماتا ہے	۲۹۹	باب محدث کا حدثنایا اجزنا یا انبأ نا کہنے کے بیان میں	۲۹۹	کیا قیامت کا علم کسی کو نہیں؟
۳۰۴	باب فخر کی تعریف	۲۹۹	باب امام کا بطور امتحان اپنے اصحاب سے کوئی سکہ پوچھنا	۲۹۹	المستول عنہا با علم من السائل کا مطلب
۳۰۵	باب علم و حکمت کے حصول کے لیے رشک کرنا	۲۹۹	سوال کرنا عدم علم پر دلالت نہیں کرتا	۲۹۹	باب جو دین کی حفاظت کے لیے گناہ سے بچے اس کی فضیلت کے بیان میں
۳۰۶	باب حضرت موسیٰ کا ملاقات	۲۹۹	کھجور کے درخت کے فوائد	۲۹۹	لفظ مشبہات کی تحقیق وفد عبد القیس
۳۰۸	باب حضرت خضر کے لیے دریا کی طرف جانا	۲۹۹	باب محدث کے سامنے بڑھنے اور اس پر عرض کرنے کے بیان میں	۲۹۹	باب مال غنیمت سے پانچواں حصہ دینا ایمان ہے۔
۳۰۹	باب اللہ علم الکتاب کے بیان میں	۲۹۹	باب مساوہ و مکاتیر کے بیان میں	۲۹۹	باب تمام اعمال کا ثواب نیت خالص پر مبنی ہے
۳۱۰	باب چھوٹے بچے کا سامع حدیث کن عمر میں معتبر ہے	۲۹۹	کسریٰ کا انجام، حضور کی پیش گوئی	۲۹۹	حدیث انما الاعمال بالنیات کے چند اہم فوائد و مسائل
		۲۹۹	باب مجلس کے کنارے یا جہاں کٹاؤں کی ہودیاں بیٹھ جانے کے بیان میں	۲۹۹	باب الدین النصیحة
		۲۹۹	باب حضور کا ارشاد کہ بعض اوقات سامع مبلغ سے زیادہ بات کو یاد رکھنے والا ہوتا ہے		کتاب العلم
		۲۹۹	باب علم کا مرتبہ قول و عمل سے مقدم ہے	۲۹۹	علم کی تعریف اور اس کی قسم
				۲۹۹	باب علم دین کی فضیلت کے بیان میں
				۲۹۹	باب جو شخص اپنی بات میں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۴۱	باب علم دین کی طلب میں نکلنے کے بیان میں	۳۲۸	باب حضور نے وفد عبد القیس کو دین کی باتیں یاد رکھنے کی ترغیب دی	۳۱۱	باب علم دین حاصل کرنے اور پڑھانے کی فضیلت کے بیان میں
۳۴۲	باب عورتوں کو مسائل دین تعلیم کرنے کے لیے علیحدہ دن مقرر کرنا	۳۲۹	باب علم سیکھنے کے لیے کافی نہیں ہے؟	۳۱۲	باب علم دین اُٹھ جانے اور جہالت کے ظاہر ہونے کے بیان میں
۳۴۳	باب مسئلہ سُفنہ کے بعد سمجھ میں نہ آئے تو دوبارہ پوچھنا	۳۳۰	باب علم سیکھنے کے لیے باری باری جانا	۳۱۶	باب چار پائے کی پشت پر کھڑے کھڑے جواب دینا
۳۴۴	باب جو حاضر ہو غائب کو دین کی بات پہنچا دے	۳۳۱	باب امام یا محدث کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھنا	۳۱۷	باب ہاتھ اور سر کے اشارہ سے جواب دینا
۳۴۵	باب حضور پر جھوٹا باندھنا گناہ ہے	۳۳۲	باب ایک بات کو تین بار بیان کرنے کے بیان میں	۳۱۹	دجال کے متعلق حدیثی تصریحات
۳۴۶	باب حضرت ربیع بن عراش	۳۳۳	باب اپنی باندی و اہل خانہ کو دین کی تعلیم دینے کے بیان میں	۳۲۱	حضور علیہ السلام نے ساری کائنات کا مشاہدہ فرمایا
۳۴۷	باب حضرت علی کے حالات	۳۳۴	باب امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور ان کو مسائل بتانا	۳۲۵	قبر میں حضور کے متعلق سوال ہونے کی کیفیت
۳۴۸	باب حضرت عبداللہ بن زبیر	۳۳۵	باب امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور ان کو مسائل بتانا	۳۲۶	کیا قبر میں کافر سے بھی سوال ہوگا
۳۴۹	باب حضرت زبیر بن عوام	۳۳۶	باب امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور ان کو مسائل بتانا	۳۲۷	تقلید شخصی پر اعتراض اور اس کا جواب
۳۵۰	باب حضور کے نام و کنیت کو اختیار کرنے کے متعلق بحث	۳۳۷	باب امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور ان کو مسائل بتانا	۳۲۸	باب فضل علم کے بارے میں حضرت اسماء کے حالات
۳۵۱	باب حضور اکرم کو خواب میں دیکھنا	۳۳۸	باب امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور ان کو مسائل بتانا		
۳۵۲	باب کتاب بنہ الحلو	۳۳۹	باب امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور ان کو مسائل بتانا		
۳۵۳	باب کیا حضور تے کتابت حدیث سے منع فرمایا؟	۳۴۰	باب حدیث حاصل کرنے کی		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	سے زیادہ جواب دینا		الاقلیل کے بیان میں	۳۵۴	حضرت ابو جحیفہ کے حالات
			اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے	۳۵۵	کیا ذمی کے بدلے مسلمان قاتل
۳۷۷	کتاب الوضو	۳۶۹	اور حضور کا علم اللہ عز و جل کے		سے قصاص لیا جائیگا
	باب آیت اذا قمتم الى الصلوة		علم سے ایک قطرہ ہے	۳۵۷	حضور اکرم ماکہ شریعت ہیں
	۳۷۸ وضو میں ایک بار اعضا کو		حضور علیہ السلام کو روح کا علم	۳۵۸	حضرت ابو ہریرہ کا حافظ
	دھونا فرض ہے		بھی دیا گیا	۳۵۹	حدیث قرطاس
	باب بغیر طہارت کے نماز		آیت یسئلونک عن الروح	۳۶۰	باب رات میں تعلیم دینا اور
	قبول نہیں ہوتی۔		کے متعلق علامہ عینی علیہ الرحمۃ		وعظ کرنا
			کا ارشاد	۳۶۱	حدیث ماذا افتح من
۳۷۹	فسار و مضار کے معنی	۳۶۱	باب من ترک بعض		الخنزائن کے معنی
۳۸۰	باب وضو کی فضیلت کے		الاختیار الخ	۳۶۲	باب رات کو سونے سے قبل
	بیان میں	۳۶۲	باب علم کی بات بعض کو بتانے		دینی باتیں کرنا
	یہ امت محمدیہ کی خصوصیت		اور بعض کو نہ بتانے کے بیان میں	۳۶۴	باب علم دین یاد رکھنے کے
	ہے کہ ان کے اعضا وضو کی	۳۶۳	کیا اقرار توحید و رسالت نجات		بیان میں
	کے دن نورانی ہوں گے۔		کے لیے کافی ہے	۳۶۶	باب علماء کے وعظ کو خاموشی
	کیا مسجد میں وضو کرنا جائز	۳۶۴	باب الحیاء فی العلم		کے ساتھ کان لگا کر سننا
	ہے ؟		دین کا علم حاصل کرنے میں شرم	۳۶۷	باب یہ سوال ہو کہ سب بڑا
	علامہ عینی نے فرمایا کہ اللہ		نہ کرئی چاہیے۔		عالم کون ہے تو جواب واللہ اعلم
	تعالیٰ نے حضور کو مغیبات باطنیہ	۳۶۹	باب اگر آدمی غود پوچھنے میں		کے ساتھ دینا
	و مستقبل کی اطلاع دی		شرم محسوس کرے تو دوسرے		باب عالم بیٹھا ہو کھڑے کھڑے
۳۸۲	باب جب تک وضو ٹوٹے		کے ذریعے مسئلہ معلوم کرا کے		سوال کرنا
	کا یقین نہ ہو، صرف شک سے		باب مسجد میں علم کی باتیں کرنا اور	۳۶۸	باب رمی جمار کے وقت مسئلہ
	وضو نہ جائیگا۔		فتویٰ دینا		پوچھنا اور جواب دینا
۳۸۳	باب وضو میں تخفیف کے	۳۷۷	باب سائل کو اس کے سوال		باب وما او تینتم من العلم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰۵	باب پانی سے استنجا کرنے کے بیان میں	۳۹۶	باب پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا	۳۸۴	بیان میں انبیاء کرام کے خواب وحی ہونے کے متعلق بحث
۴۰۶	پانی سے استنجا کرنے کے مسائل اور اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو		حضرت ابویوب انصاری کے حالات		انبیاء کرام کے خواب شیطانی تسلط سے محفوظ ہوتے ہیں
۴۰۸	باب ہمارت کے لیے پانی کا ساتھ لینے جانا		بوقت قضا حاجت قبلہ کی طرف منہ دپیٹھ نہ کی جائے	۳۸۷	باب پورا وضو کرنے کے بیان میں
"	باب استنجا کے لیے پانی کے ساتھ نیزہ لے جانے کے بیان میں	۳۹۷	باب دو کچی اینٹوں پر بیٹھ کر پاخانہ کرنا		اسبغ وضو کے معنی
		۳۹۸	بوقت قضا حاجت قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنے کے متعلق تفصیلی گفتگو		پاؤں کو سات بار دھونے کی بحث
۴۰۹	باب دہینے ہاتھ سے استنجا کرنے کی ممانعت میں		حضور علیہ السلام کو قضا حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ دپیٹھ کرنا روا تھا؟	۳۸۸	مزدلفہ میں مغرب و عشا پڑھنے کے متعلق بحث
۴۱۰	باب پیشاب کرتے وقت شرمگاہ کو دہینے ہاتھ سے نہ تھامے		حضور کے فضائل مبارکہ کی کیفیت		باب ایک ہاتھ سے پانی کا چلو
	باب ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بیان میں	۳۹۹	باب عورتوں کا قضا حاجت کے لیے ٹکنا		لے کر دونوں ہاتھوں سے دھونے کے بیان میں
۴۱۱	گوبر و پڑی سے استنجا کرنے کا بیان		پردہ کا حکم حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوا		مضمون کے معنی اور مسائل
۴۱۲	باب گوبر سے استنجا نہ کیا جائے		بوقت ضرورت عورتوں کو باپردہ باہر نکلتا جائز ہے	۳۹۱	باب ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا اور جماع کے وقت بھی؟
	کیا استنجا کے لیے تین عدد ڈھیلوں کا ہونا ضروری ہے؟	۴۰۰	باب گھروں میں قضا حاجت کرنے کے بیان میں	۳۹۲	کیا وضو سے قبل بسم اللہ پڑھنا واجب ہے؟
۴۱۵	باب وضو میں ایک ایک اعضاء کو دھونا				ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کے فوائد و مسائل
	باب وضو میں تین تین بار اعضاء کو دھونا			۳۹۳	باب بیت انخلا جاتے وقت کیا پڑھے
				۳۹۴	باب بیت انخلا کے پاس پانی رکھنا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون							
	دین کا چھپانا حرام ہے وضو کرنے کا طریقہ	۴۱۹	باب وضو میں ناک صاف کرنا بیان وضو کرنے کا طریقہ کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا واجب ہے یا سنت؟	۴۲۰	باب استنجاء طاق ڈھیلوں سے کہا جائے؟ جو سوکر اٹھے ہاتھ بغیر دھوئے پانی میں نہ ڈالے اور اس مسئلہ کی وضاحت							
۴۳۲	سے پانی جاری ہونے کا مجوزہ اور اس کے مسائل کا بیان، زمرم کے پانی سے وضو غسل جائز ہے باب جس پانی میں آدمی کے بال دھوئے جائیں اور آدمی کے بالوں کی رسی وغیرہ بنانے کے بیان میں آدمی کے بال پاک ہیں آدمی کے بالوں اور پٹھی وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے باب کتے کے جھوٹے اور کس کے مسجد میں آنے جانے کے بیان میں کیا امام بخاری کے نزدیک کتے کا جھوٹا پاک ہے؟ صحابہ کرام کا حضور کے آثار شریفہ سے برکت حاصل کرنا حضور کے موتے مبارک کا بیان اور اس کے فضائل حضور کے آثار شریفہ کا ادب احترام واجب ہے جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو تین بار دھویا جائے یا	۴۲۳	نیچے وضو میں پانی بہانے کے مسائل وضو میں پاؤں پر مسح کرنے سے وضو درست نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کی وضاحت حدیث قَمَسَحَ رِجْلَيْهِ کا صحیح مفہوم باب جوتا پینے ہو تو پاؤں دھو چپلوں پر مسح نہ کرے موزوں پر مسح کرنے کے دلائل موزوں پر مسح کرنے کے مکمل احکام ومسائل (چپلوں) جوتوں پر مسح کرنا جائز نہیں اور اس مسئلہ پر تفصیلی بحث اور اس سلسلہ کی حدیث پر نقد و تبصرہ طواف کعبہ میں حجر اسود چومنے کے مسائل زرد خضاب کرنا سنت ہے باب وضو غسل کرتے وقت ابتداء رسیدگی طرف سے کرنا سنت ہے باب صبح کی نماز کا وقت گزرنے پر پانی تلاش کرنا حضور علیہ السلام کی انگلیوں	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۵

۴۹۴	باب، بغیر حدیث کے وضو کرنا	۴۷۹	گرم پانی سے وضو غسل کے مسائل	۴۱۲	علماء پر مسح کرنے کی مکمل بحث
"	بادوجود وضو ہونے کے وضو کرنا مستحب	"	باب، حضور نے اپنے وضو سے بچا	"	چوتھا نیک سر کے مسح کا بیان
۴۹۵	باب، اپنے پیشاب سے نہ بچنا گناہ کبیرہ ہے	۴۸۰	جو پانی ایک بیہوش آدمی پر ڈالا	"	اور دلائل
"	کیا ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے؟	"	کھار کے معنی	۴۱۳	سر کے مسح کرنے کا طریقہ
"	قبول پر پھل ڈالنا جائز ہے؟	۴۸۱	باب، لگن پیائے اور نکشی و پتھر	"	اور اس کے مسائل
"	قبول کے پاس تلاوت قرآن جائز ہے	"	کے برتن سے وضو غسل کرنا	"	کیا سر کا مسح تین بار کیا جائے؟
"	ایضاً ثواب جائز ہے اور اس کی صورتیں	۴۸۳	باب، ایک مذہبی سے وضو کرنے کے	۴۱۴	باب وضو میں پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا
"	انبیاء کرام کے حواس کی کیفیت	"	بیان میں	"	باب وضو کے بچے جو کے پانی کے
"	ہم دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں	"	مذہب اور صاع کے وزن کی تحقیق	"	استعمال کرنے کے بیان میں
"	ہی اور نبی جانتا پہلے ہے پھر دیکھتا ہے	"	وضو اور غسل کے لیے پانی کی مقدار	"	فضل وضو کا مطلب
۵۰۰	باب، پیشاب کو دھونے کے بیان میں	۴۸۸	باب، موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں	"	ماہر متعلق امام اعظم کے
"	باب، حضور کا ایک دیہاتی کو مسجد میں	"	علماء پر مسح کی بحث	۴۱۵	نہیں قول کیوں ہیں؟
"	پیشاب کرنا دیکھنا اور اس کو اتنی	۴۹۰	باب، موزوں کو با وضو پینے کے	"	وضو کرنے سے گناہ دھلتے ہیں کیا رہی؟
"	دیر چھڑو دینا کہ وہ پیشاب کرنے سے	"	بیان میں	"	سیدہ ام اعظم اہل کشف و مشاہدہ ہیں
"	فارغ ہو جائے	"	موزوں پر مسح کرنے کی صورتیں	"	ماہر متعلق کی تعریف نجاست طبعی و حقیقی کا
"	باب، سید میں پیشاب پر پانی ڈالنے	۴۹۱	باب، بکری کا گوشت اور ستر	۴۱۶	فرق۔ ماہر متعلق کی صورتیں
"	کے بیان میں	"	کھانے کے بعد وضو نہ کرنے کے	"	پانی کے متعلق ہونے اور نہ ہونے کی صورتیں
"	باب، پیشاب پر پانی بہانے کے	"	بیان میں	"	اور ان مسائل کا مفصل بیان ماہر متعلق
"	بیان میں زمین کو کھٹکے کے بعد پاک ہو جاتی	"	باب، ستر کھانے کے بعد گلی کر کے	"	کا حکم
۵۰۲	باب، شیر خوار کے پیشاب کا حکم	"	غار چڑھنا وضو نہ کرنا	۴۱۷	مہر نہوت کی کیفیت
"	کیا شیر خوار لڑکے کا پیشاب پاک ہے؟	"	معجزہ رومش کے متعلق امام	"	باب، ایک ہی جگہ سے گلی کرنا اور ناک
"	حضرت امام شافعی و امام احمدی	۴۹۲	باب، کیا دودھ پینے کے بعد گلی کر کے	"	میں پانی ڈالنا
"	طرف اس بات کی نسبت غلط	"	غار چڑھی جائے؟	۴۱۸	باب، سر کا مسح ایک بار کرنا
"	ہے کہ وہ شیر خوار لڑکے کے	"	سوکڑا ٹھنڈے کے بعد وضو کرنا چاہیے	"	سر کا مسح ایک بار اور تین بار کرنے
"	پیشاب کو پاک سمجھتے تھے	"	اور جو لوگ اونگھنے یا ایک آدھ	"	کے متعلق بحث
"	صوب، ریش و نفع کے معنی	"	جھونکا لینے سے وضو لازم نہیں	۴۱۹	باب، دم کا اپنی بوسہ کے ساتھ لک
۵۰۵	باب، کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے متعلق	"	جانتے	"	وضو کرنا
				"	کھار کے کنوئیں اور ان کے برتنوں
				"	کے پانی کا حکم

۵۰۶	باب: آدمیوں، چارپایوں اور بکریوں کے پیشاب اور ان کے پانچھنے کے مقامات کا حکم	۵۱۲	پیشاب کرنا باب: اگر غازی کی پشت پر گندگی مردار یا نور ڈال دیا جائے، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟
۵۰۷	حدیث عربینہ کے فوائد و مسائل	۵۱۳	باب: خنوک و ریٹ کپڑے کو لگ جانے کے بیان میں
۵۰۸	حرام اشیا میں شفاغین اور بطور دوا حرام اشیا کا استعمال کرنا جائز نہیں	۵۱۴	باب: تلبیہ تراویح والی چیزوں سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟
۵۰۹	باب: گھی یا پانی میں نجاست گر جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟	۵۱۵	کیا نمینہ تر سے وضو جائز ہے؟
۵۱۰	حدیث عربینہ کے مزید فوائد و مسائل کیا پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی اس مسئلہ پر تفصیل دیکھئے	۵۱۶	دودھ، کیڑہ، عرق گلاب سے وضو جائز نہیں
۵۱۱	بیر بھاد کے متعلق ضروری تصریحات دو تھلے پانی کے احکام	۵۱۷	باب: عورت کا اپنے والد کے چہرہ سے خون دھونا
۵۱۲	مردار یا نور کے بال و پر اور ہڈی کے احکام	۵۱۸	باب: مسواک کرنے کے بیان میں مسواک کے فضائل اور مسواک کے احکام و مسائل
۵۱۳	مردار کی کھال وغیرہ کے احکام	۵۱۹	باب: بڑی عمر والے کو مسواک دینے کے بیان میں
۵۱۴	ناپاک گھی کو پاک کرنے کا طریقہ باب: ٹھہرے ہوئے پانی میں	۵۲۰	باب: با وضو سونے کی فضیلت کے بیان میں

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ رُكُوعًا وَ سُجَّدًا وَسُكُوتًا مِنْ أَلْسِنَةٍ أَعْجَبَتْ

وَأَعْبَدْ رَبَّكَ حَقَّ عِبَادَتِهِ مَعَهُ



مقدمہ

مجموعہ احادیث کے تراجم اب عام ہو گئے ہیں اور مسلمان انہیں بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے محض اُردو ترجمہ سے اس بہت ہی مقدس کے ارشادات کو ٹھیک طور پر نہیں سمجھا جاسکتا جو معلم کائنات ہے اور جس کا قلب آدمی کے لئے شمار اسرارِ غیب اور لطائف و حکم کا خزانہ ہے اور جس کو کتاب و حکمت ہے کہ مبعوث کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہنے ہی ارشادات ایسے غامض و لطیف و دقیق ہیں کہ جب تک علم حدیث سے باخبر حضرات ان کے کما سر نہ کھولیں اور سیاق و سباق اور اصول و دین کی روشنی میں ان کے معانی واضح نہ کریں۔ ایک عام بخاری کے لیے محض ترجمہ سے ان کی نہ تک پہنچا بہت دشوار ہے۔ احادیث کے اُردو تراجم نے جہاں عوام کی ایک گونہ دینی رہنمائی کا سامان مہیا کیا ہے۔ وہاں ان کو نہایت ہی خطرناک الجھنوں میں مبتلا کر دیا ہے بلکہ عام گمراہوں نے عموماً اور ٹھیکرین حدیث نے خصوصاً غلط ترجمے چھاپ کر بہت سی غلط فہمیاں پھیلانی ہیں۔ میں عرضہ سے محسوس کر رہا تھا کہ حدیث کے لفظی ترجمے کے ساتھ اس کی ایسی ترجمانی و تفہیم بھی کر دی جائے کہ جس سے عام مسلمان اس کے صحیح مفہوم و مدعا تک پہنچ سکیں اور جو الجھنیں ان کو پیش آتی ہیں وہ بھی صاف ہو جائیں۔ احباب نے مشورہ دیا کہ بخاری شریف جو احادیثِ نبویہ کا نہایت ہی مقبول و محبوب ذخیرہ ہے "تفہیم حدیث" کا سلسلہ اسی سے شروع کر دیا جائے۔ احباب کے اس مشورہ کو قبول کرتے ہوئے میں اس بار کو اٹھانے کی جرأت کی ہے۔ مجھے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا پورا پورا احساس ہے۔ احادیثِ بخاری کی جو تفہیم و ترجمانی میں نے کی ہے یہ بہر حال حرفِ آخر نہیں ہے۔ اہل علم کی خدمت میں اتنا اس ہے کہ جہاں کہیں لغزشیں قلم پائیں مجھے مطلع فرمائیں تاکہ اس کی تلافی کر سکوں کیونکہ نقص یا خطا بخاری میں نہیں ہے بلکہ میری تفہیم و ترجمانی میں ہو سکتا ہے۔ خدا ہی پر بھروسہ ہے اور اسی کے اختیار میں ہے کہ مجھ جیسے کم علم کو جتنی چاہے توفیق عطا فرمائے۔ حسبی اللہ و نعم الوکیل نعم المولود و

لحم النصیر

فیوض الباری

ان اوراق میں احادیث بخاری کی تفہیم و ترجمانی کی جو کوشش کی گئی ہے اس کا نام "فیوض الباری" تجویز کرتا ہوں اور اس میں امور ذیل کا خیال رکھا

گیا ہے :-

- ۱- حدیث کا لفظی ترجمہ ۲- الفاظ حدیث کی حسب ضرورت لغوی تحقیق ۳- حدیث کے مسائل و احکام کی تفصیل ۴- ائمہ اربعہ کا حدیث زیر بحث سے استدلال اور ان کے مابین اختلاف آراء کے دلائل کی وضاحت ۵- امام نے ہر حدیث کو پوری سند سے لکھا ہے۔ میں نے بوجہ اختصار ابتداء کی سند کو حذف کر دیا ہے ۶- امام ایک ہی حدیث کو متعدد عنوانات کے ماتحت متعدد بار ذکر کرتے ہیں۔ میں نے بخاری کا ہر عنوان قائم رکھا ہے البتہ حدیث مکرر کو صحت ایک ہی جگہ ذکر کیا ہے ۷- جس عنوان میں حدیث مکرر آتی ہے وہاں میں نے اس کی مناسبت بلکہ بعض اوقات اس کے چلے بھی لکھ دیئے ہیں اور یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ یہاں حدیث مکرر ہے۔ اس کو ترک کیا گیا ہے ۸- ایک جگہ اگر کوئی حدیث مختصر نہ ہو اور دوسری جگہ مفصل ہے تو مفصل حدیث کو بھی جہاں وہ آئی ہے باقی رکھا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عنوانات کے تحت جو حدیثیں ذکر کی ہیں ہم نے تقریباً ہر حدیث کے متعلق یہ تصریح کر دی ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری نے اور امام مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ محدثین کرام علیہم السلام رحمۃ اللہ علیہم نے کون کن ابواب میں ذکر کیا ہے۔ اس کے دو فائدے ہیں۔ اول باب معلوم ہو تو حدیث تلاش کرنے میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ صفحات بعض اوقات بدل جاتے ہیں۔ دوم یہ کہ زیر بحث حدیث کے متعلق جو حضرات مزید توضیح و تشریح چاہیں تو دیگر شروح میں دیکھ سکتے ہیں۔

بحیث حدیث

بحیث حدیث کے متعلق مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک تمام مسلمان حدیث کی حیثیت کے قائل رہے ہیں اور امت کا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث اور قرآن دونوں ہی دین کا جزو اور شریعت کی اساس ہیں اور سنت کی پیروی بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح قرآن یکم کی۔ مگر اس پر آشوب دور میں جہاں اور فتنوں نے سر نکالا ہے ایک فتنہ منکرین حدیث کا بھی ہے جو بحیث حدیث کے منکر ہی نہیں بلکہ اس کو عجمی سازش قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ دیباچہ میں بحیث حدیث کے متعلق گفتگو کی جائے۔

تذیل کتب

حدیث کی حجیت پر بحث کرنے سے پہلے تین باتیں قابل غور ہیں۔ اول۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور رسول کے واسطے کے بغیر خود ہی مخلوق کی ہدایت کیوں نہ فرمائی دوم۔ رسالت کے کام کے لیے صرف انسانوں کو کیوں منتخب کیا۔ فرشتوں یا غیر انسانی ہستیوں کو اس کام کے لیے کیوں نہ مامور کر دیا سوم۔ تمام آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطے سے کیوں نازل کیا صرف کتاب ہی کیوں نہ نازل کر دی۔

ان سوالوں کا جواب یہ ہے | کہ اللہ تعالیٰ غایتہ تجرد اور نہایت تقدس میں ہے یعنی وہ ایک ایسی ہمتی ہے جو کمال کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہے اور انسان

نقصان کے انتہائی درجہ پر ہے اس لیے انسان میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ خدا سے بلا واسطہ ہدایت اور فیض حاصل کرے اور نہ خدا ہی بلا واسطہ اپنے بندے سے تعلق پیدا کرنا ہے اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ خدا قادر نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نقصان انسان میں ہے۔ اس میں یہ صلاحیت اور قابلیت اور استعداد ہی نہیں ہے کہ وہ براہ راست خدا سے فیض لے کیونکہ ناقص، کامل سے اسی وقت بلا واسطہ فیض حاصل کر سکتا ہے جب کہ ناقص اور کامل میں کوئی مناسبت ہو اور خدا اور بندہ میں تو کوئی مناسبت ہے ہی نہیں۔

(وہ خالق ہے اور یہ مخلوق۔ خالق اور مخلوق کا کیا جوڑہ اس لیے اللہ سے فیض لینے اور اس کی رضا اور احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ایک واسطہ کی ضرورت پڑی۔ ایسا واسطہ جس کا تعلق خدا سے بھی ہو اور مخلوق سے بھی۔ پس یہ واسطہ انبیاء کرام ہیں۔ جن کے ذریعے مخلوق کا تعلق خدا سے قائم ہوتا ہے۔

اب یہ سمجھئے کہ انسان تو غایتہ نقصان میں تھا اور وہ اپنی عدم صلاحیت کی وجہ سے خدا سے بلا واسطہ تعلق پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ پھر انبیاء جو انسان ہی ہوتے ہیں وہ اللہ سے کیسے تعلق پیدا کر سکتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء اگرچہ انسان ہی ہوتے ہیں مگر انسانیت کی نہایت بلند سطح پر ہوتے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ ایسی استعداد پیدا فرمادیتا ہے کہ وہ بلا واسطہ اس سے تعلق رکھیں۔ انبیاء میں چند خصوصیات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ انسانوں میں کیا فرشتوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ جیسے خدا اپنی مخلوق کے درمیان تقدس اور تجرد کے نہایت بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ تجرد کی جہت سے وہ خدا سے تعلق رکھتے ہیں اور تعلق کی جہت سے وہ پیغمبات الہی بندوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو واسطہ قرار دیا اور خود بلا واسطہ مخلوق کی ہدایت نہیں فرمائی۔

سوال دوم کا جواب یہ ہے | اللہ کی سنت یہ ہے کہ عام انسانوں کی ہدایت کے لیے رسول

بشری ہی مبعوث فرماتا ہے اور اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتے یا غیر انسانی ہستیاں انسان کی ہدایت اور تزکیہ کا سبب نہیں بن سکتیں کیونکہ انسان کی ہدایت کا سبب وہی بن سکتا ہے جو انسان کے ساتھ مناسب رکھے۔ فرشتے اپنی نورانیت اور ملکیت کی وجہ سے اور غیر انسانی ہستیاں اپنے فطری قصور اور عدم صلاحیت کی وجہ سے انسان کے لیے ہادی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ہر زمانہ کے کفار نے انبیاء و رسولین سے یہی مطالبہ کیا ہے کہ اگر خدا کو پیغام پہنچانا ہی منظور ہے تو ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کرتا کہ ہمیں اس پیغام کے منزل من اللہ ہونے کا یقین آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے جواب میں فرمایا:-

لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا

اگر ہم فرشتے بھی بھیجتے تو ان کو انسانی لباس میں بھیجتے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ انسان کی ہدایت اور تزکیہ و تربیت کے لیے فرشتہ کام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ فرشتے اور انسان میں کوئی مناسبیت ہی نہیں ہے۔ فرشتہ انسانی جذبات سے محروم ہے۔ شہوانی قوتیں اس میں مضمود ہیں۔ انسانی ضرورتوں سے بے نیاز ہے۔ ایسے ملکی اور نوری افراد انسان کی تعلیم و تربیت کے فرائض ادا کر ہی نہیں سکتے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر ہم فرشتوں کو بھیجتے تو بھی ان کو لباس بشریت میں بھیجتے تاکہ انسان اور فرشتہ میں مناسبیت پیدا ہو جاتی بلکہ قرآن کریم نے یہاں تک فرمایا کہ فرشتے اسی صورت میں بھیجے جاسکتے تھے جبکہ ان فرشتے بستے ہوتے۔

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ
مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمُ مِنَ
السَّمَاءِ مَلَكًا سَوَاءً

اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ہم ان کی ہدایت کے لیے رسول ملکی کو مبعوث فرماتے (قرآن مجید)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کی ہدایت و تزکیہ و تربیت کے لیے فرشتوں کی بجائے انسانوں کو ہی رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

سوال سوم کا جواب یہ ہے | اب رہا یہ سوال کہ کتاب کو رسول کے واسطے سے کیوں نازل کیا۔ صرف کتاب ہی کیوں نہ نازل کر دی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی کتابوں کو رسول ہی کے واسطے سے نازل کیا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ صرف کتاب نازل کر دیتا اور کتاب کے مطبوعہ نسخے ہر انسان تک پہنچا دیے جاتے۔ اگر کتاب کی اشاعت کا یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو بلاشبہ یہ ہدایت کا یقینی ذریعہ ہوتا کیونکہ ایسے

صریح معجزے اور بالکل ظاہر خارق عادت کو دیکھ کر ہر شخص مان لیتا کہ یہ کتاب واقعی خدا کی طرف سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے باوجود قادر مطلق ہونے کے یہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ اپنے رسولوں ہی کے ذریعہ کتابیں نازل کیں تاکہ قرآن شریف کی باری آئی تو قرآن بھی بلا واسطہ نہیں دیا بلکہ اس کے نزول سے پہلے بڑے انتظامات فرمائے۔ پھر ایک مقدس ہستی کو ابداً رہی سے قرآن کے لیے مخصوص و منتخب فرمایا۔ جب وہ ہستی دنیا میں جلوہ فرما ہو گئی تو پھر قرآن نازل ہوا اور رسول کریم کے واسطہ سے قرآن بھی دیا گیا۔ آخر کیوں؟ اس کا تسلی بخش جواب خود قرآن ہی نے دیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ اللہ نے جس قدر رسول مبعوث کیے ہیں۔ ان کی بخت کا مقصد یہ رہا ہے کہ فرامین الہی کے مطابق حکم دیں اور لوگ انہی کے احکام کی اطاعت کریں۔ وہ کتاب الہی پر خود عمل کر کے دکھائیں اور لوگ انہیں کے نمونہ کو دیکھ کر ان کا اتباع کریں۔

مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ | ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

دنیا میں جتنے انبیائے کرام تشریف لائے سب نے اپنی امت سے یہی مطالبہ کیا
اِنْفَعُوا لِلّٰہِ وَ اَطِيعُوْنَ | اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضور نبی کریم کی زبان مبارک سے یہ بھی کہلوا گیا۔
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ | اگر اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو
يُحِبِّبْكُمْ اللّٰہَ

ان نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ کتاب کے ساتھ رسولوں کو اور قرآن کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ کتاب اور رسول دونوں کی اطاعت کی جائے اور اللہ کا منشا یہ ہے کہ جس طرح لوگ میری کتاب کی اطاعت کریں ٹھیک اسی طرح لوگ کتاب کے ساتھ جو رسول بھیجا گیا ہے اس کا بھی اتباع کریں۔

اس میں شک نہیں کہ کتاب (قرآن) دین و شریعت کی اصل ہے اور اولیٰ شرعیہ میں معلم کتاب سب سے مقدم اور محکم قرآن ہی ہے مگر یہ بات ممکنہ ترین حدیث کو بھی تسلیم ہے کہ قرآن صرف اصول دیتا ہے اور اپنے اصول کی تشریح و توضیح کسی اور پر چھوڑ دیتا ہے۔ آخر کیوں؟ کیا قرآن ناقص ہے؟ کیا وہ ملت کا دائمی اور آخری ضابطہ حیات نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے تو پھر قرآن میں اصول کیوں ہیں؟ اجمال اور ابہام کیوں ہے؟ تو اس کی وجہ بھی خود قرآن ہی نے بنا دی۔ اس نے ہمیں

بتایا کہ اگر محض کتاب اُتار دی جاتی اور اس کے ساتھ کوئی رسول نہ آتا تو لوگ آیات کے معانی میں اختلاف کرتے۔ اُصول کی جزئیات میں لڑتے جھگڑتے اور کوئی ان کو تسلی دینے والا اور غلطی کی نشاندہی کرنے والا نہ ہوتا اور اس طرح اللہ کی کتاب ہدال و نزاع کا اکھاڑہ بن جاتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مبعوث کیا اور قرآن کو رسول کریم علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ یہ صرف اس لیے تاکہ لوگ اپنے اپنے طور پر نہیں بلکہ رسول کے بیان اور تشریح کی روشنی میں قرآن کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ قرآن کریم نے اپنے ساتھ رسول کے اس تعلق کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے:-

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ
ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ پر اس لیے نازل کیا ہے
تاکہ آپ خوب کھول کھول کر بیان کر دیں اس کو جو
ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ قرآن کے ساتھ رسول کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ رسول قرآن کے شارح ہیں اور ان کا فرض نبوت یہ ہے کہ وہ قرآن کی خوب تشریح و توضیح فرمائیں اور امت کا فرض یہ ہے کہ وہ رسول کا اتباع کرے اور اس کے اُسوۂ حسنہ پر چلے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
تمہارے لیے رسول کریم میں بہترین نمونہ ہے

تلاوت آیات | پھر یہ نہیں کہ قرآن نے صرف ایک ہی جگہ رسول کے اس منصب اور فرض کو بیان کر دیا بلکہ متعدد مقام پر رسول کے فرائض اور اس کے مراتب سے دنیا کو آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا:-

يَسْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
یہ رسول قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کو پاک
کرتے ہیں۔ اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اس آیت میں دو چیزیں الگ الگ ذکر کی گئی ہیں ۱۔ تلاوت آیات ۲۔ تعلیم کتاب آیات کی تلاوت کا مطلب تو بالکل واضح ہے۔ البتہ تعلیم کتاب کی مراد پر غور کرنا ہے۔ اگر تعلیم کتاب سے بھی قرآن کی حیات پڑھ کر سنانا اور یاد کرنا ہی مقصود ہے تو تلاوت آیات سے الگ کوئی چیز نہ ہوتی حالانکہ وہ اس سے الگ چیز ہے اور الگ ہی ذکر کی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ یقیناً تعلیم کتاب سے مراد قرآن کی تشریح اس کے معانی و مطالب کی توضیح ہی ہے۔ جب قرآن مجید سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت میں الفاظ و کلمات قرآن کریم کی تلاوت ہے اسی طرح اس کے

معانی و مطالب کا بیان بھی قرآن میں داخل ہے تو اب لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ جس طرح متن قرآن حجت ہے اسی طرح اس کی نبوی تشریح بھی حجت ہے ورنہ قرآن کا آپ کو معلم کتاب کہنا اور کتاب کی تعلیم کو آپ کا فرض رسالت قرار دینا بالکل بے معنی ہوگا۔ جب قرآن سے حضور علیہ السلام کا معلم اور شارح ہونا ثابت ہو گیا تو جو شخص آپ کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے اس کو بھی یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ جیسے حضور علیہ السلام نے متن قرآن کی تلاوت و تبلیغ کی۔ اسی طرح آپ نے قرآن کے مطالب و معانی بھی بیان فرمائے۔ پھر جب قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تو اب کوئی کتاب آ سکتی ہے اور نہ کوئی دوسرا نبی اور اس آخری کتاب کا اس کے نزول کے وقت سے رہتی دنیا تک باقی رہنا ضروری ہے۔ جب اس کی بقا ضروری ہے تو قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی فولی و فعلی تشریحات و توضیحات کا بھی ہر دور اور ہر زمانہ میں منقول و متداول اور موجود رہنا ضروری ہے۔

الغرض ان دو نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح ہیں ۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح متن قرآن کی تبلیغ کی اسی طرح آپ نے قرآن مجید کے مطالب و معانی بھی بیان فرمائے ۳۔ جب قرآن کریم کو باقی رہنا ضروری ہے تو حضور علیہ السلام کی تشریح کا باقی رہنا بھی ضروری ہے ۴۔ جب قرآن مجید کی دین میں حجت یقینی ہے تو قرآن حکیم کی شرح بھی دین میں حجت ضروری ہے اور قرآن حکیم کے ساتھ اس کی شرح (حدیث) کو ماننا بھی ضروری ہے۔

اب آیہ زیر غور کے دوسرے کڑے پر غور کیجیے۔ تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم حکمت بھی حضور علیہ السلام کا ایک فریضہ بتایا گیا ہے یعنی جس طرح قرآن کریم کے مفہوم و مطالب کو بیان کرنا حضور علیہ السلام کا فرضِ جوت ہے۔ اسی طرح حکمت کی تعلیم دینا بھی آپ کا فرض ہے۔ یہ حکمت کیا ہے؟ قرآن بتاتا ہے کہ حکمت ایک ایسی چیز ہے جو اللہ نے قرآن شریف کے علاوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے :-

۱۔ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ
فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا
۲۔ وَإِذْ كُنَّا مَا يَشَاءُ عَلَيْكَ فِي بُيُوتِكُنَّ
مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ

اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی اور حکمت بھی نازل کی اور سکھا دیا تم کو وہ جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر تو اللہ کا بڑا فضل ہے۔
یاد کرو اس کو جس کی تلاوت ہوتی ہے تمہارے گھروں میں آیتیں اور حکمت

ان دونوں آیتوں سے واضح ہوا کہ جس طرح حضور علیہ السلام پر قرآن نازل ہوا اسی طرح اللہ نے آپ پر حکمت بھی نازل کی۔ اب یہ حکمت کیا ہے؟ جو ازواج مطہرات کے گھروں میں قرآنی آیتوں کے علاوہ پڑھی جاتی تھی؛ وہ کیا چیز تھی جو حضور علیہ السلام ان کو قرآن کے علاوہ سنتے تھے؟ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سنت تھی۔ یعنی قرآن کی تشریح فرمانے کے ضمن میں حکمت و دانائی کی وہ باتیں جو الفاظ قرآن کے علاوہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس یا فعل و عمل سے ظاہر ہوئیں وہی حدیث اور سنت ہے اور اسی کو قرآن نے حکمت سے موسوم کیا ہے اور چونکہ اس آیت سے حکمت کے یاد رکھنے کا وجوب بھی ثابت ہوا۔ پھر یاد رکھنے سے اصل مقصود ہی عمل ہے تو سنت و حدیث پر عمل کا واجب و مامور ہونا بھی ثابت ہوا اور جب سنت ہی کا دوسرا نام حکمت ہے اور حکمت منزل من اللہ ہے تو اس سے سنت کا منزل من اللہ اور وحی الہی ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ اسی لیے حضور سرور عالم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس حکمت کو اللہ کی طرف سے دیے جانے کی تصریح فرمائی۔

اَلَا اِنْتَبِیْتُ الْفُتُوْنَ وَ | خبردار مجھے قرآن حکلا گیا کیا اور اس کے ساتھ
مشلہ معاً (البرادود) | ایک اور چیز اس کی مثل دی گئی ہے

یہ قرآن کی مثل کیا چیز تھی؟ جس کے متعلق آپ نے فرمایا۔ ”مجھے دی گئی“ گویا خود بخود آپ میں وہ چیز موجود نہ تھی بلکہ خدا کی طرف سے تھی۔ وہ چیز حکمت ہی تھی اور حکمت سنت رسول ہے۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن کی جو تشریح و توضیح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے وہ اللہ کی وحی اور اس کی ہدایت کے ماتحت ہوتی تھی۔ جب وہ اللہ کی ہدایت کے ماتحت ہوتی تھی تو پھر اس کا دین کا جزو اور مامور نہ ہونا بالکل ظاہر بات ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح قرآن مجید کو ماننا ضروری ہے اسی طرح سنت رسول کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور سنت کے بغیر قرآن ناممکن ہے۔

رسول کا مرتبہ و مقام | حقیقت یہ ہے کہ منکرین حدیث دراصل منصب نبوت و رسالت کے منکر ہیں۔ اسی لیے وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول کا کام صرف اللہ کی وحی کو بندل تک پہنچا دینا ہے اور بس۔ باقی رہے اس کے اقوال و اعمال، یہ دین نہیں ہیں۔ لیکن قرآن صاف لفظوں میں ان کے اس کافرانہ نظریہ کی تردید کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہی نہیں ہے بلکہ پیغام الہی کے معانی و مفہوم، تشریح و مطالب کو بیان کرنا بھی اس کا فرض ہے۔ رسول صرف قاصد ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ مطاع، ہادی، امام، مرقی، حاکم، مبشر، نذیر، سراج منیر، صاحب حکمت، صاحب خلق عظیم، صاحب مقام محمود، مجتبیٰ، مصطفیٰ، مقبول، مبین، شارح، معلم، حکم،

مرکب، داعی الی اللہ، آمر و ناهی بھی ہوتا ہے۔

رسول کے ان اوصافِ جلیلہ پر قرآن مجید کی آیات شاہد ہیں جن کی تفصیل کے لیے دفترِ دہکار ہے تاہم چند آیات قرآنیہ یہاں درج کی جاتی ہیں جو رسول کے مرتبہ و مقام کی وضاحت کے لیے کافی ہونگی۔

۱۔ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يَطِيعُ | ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے بِإِذْنِ اللَّهِ کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

۱۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

یہ نہیں ہے کہ اس کو اللہ کا رسول مان لیا جائے اور بس ۲۔ پھر اطاعتِ رسول کا حکم جہاں جہاں آیا ہے بالکل مطلق ہے۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ فلاں امور میں تو رسول کی اطاعت کرو اور فلاں میں نہیں۔ جس

یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول ایک حاکم عام ہے۔ جو حکم بھی وہ دے مومنوں کو اس کا ماننا لازمی ہے۔ ۲۔ قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ رسول کی

اطاعت ایک عام انسان کی اطاعت کی طرح نہیں ہے جیسا کہ جاہل کفار کا خیال تھا۔ جو یہ کہتے تھے: هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَ لَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ لَانْكُمْ إِذَا لَخِيسْرٌ | یہ تم جیسا بشر ہی تو ہے۔ اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی تو تم ضرور ٹوٹے میں رہو گے۔

۳۔ قرآن نے جاہل کفار کے اس خیال کی تردید کر دی اور مومنوں کو یہ اطمینان دلایا کہ رسول کی اطاعت عام انسانوں کی اطاعت کی طرح نہیں بلکہ دراصل خدا کی اطاعت ہے۔

مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ | جس نے رسول کی اطاعت کی اسی نے اللہ کی اطاعت کی۔

۴۔ قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ رسول من جانب اللہ امام ہوتا ہے اور ہر اختلاف اور نزاع کی صورت میں رسول کو حکم بنانا اسی طرح ضروری ہے جس طرح خدا کو

وَجَعَلْنَا هُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ | ہم نے انبیاء کو ہدایت کا امام بنایا ہے وہ ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے ہیں

۵۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ | اُولَی الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو تو اس میں اللہ و رسول

۱۔ کی طرف رجوع کرو۔

فَرَّدُوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ كَافَرُهُ خَاصٌ طُورٌ بِرَقَابِلِ غُورِهِ۔ مسائل شرعی میں جب مسلمانوں کے درمیان اختلاف واقع ہو تو حکم ہے کہ خدا اور رسول کی طرف رجوع کریں۔ اس میں خدا اور رسول دونوں کو حکم بنانے کا حکم ہے۔ اگر مرجع بالکل قرآن مجید ہوتا تو فردد وہ الخ اللہ کہنا کافی تھا لیکن اس کے ساتھ والہ رسول بھی کہا گیا۔ جس میں صاف وضاحت ہے کہ قرآن کے بعد رسول کا طریقہ ہی مرجع ہے اور دین کے اصلی دو جزو قرآن اور حدیث ہی ہیں۔

۶۔ قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو دل و جان سے ماننا اہل ایمان کے لیے فرض بلکہ شرط ایمان ہے۔ جو شخص رسول کے فیصلہ کو نہ مانے وہ بے ایمان ہے۔

اے رسول! تیرے رب کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام معاملات میں تمہیں حکم نہ مان لیں کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحْكُمُوا لَكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ۝ ۶

۷۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مَوْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ

یہاں کسی زمانہ کی قید نہیں ہے۔ مومن و مومنہ سے صرف عہد نبوی کے مومن مرد و عورت مراد نہیں ہیں بلکہ قیامت تک کے مومن مراد ہیں اَمْرًا کا لفظ نہایت عام ہے جو ہر قسم کے معاملات پر حاوی ہے مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر بات میں خدا اور رسول کے فیصلہ کو تسلیم کرنا فرض ہے۔

۸۔ قرآن نے یہ بھی اعلان کیا کہ اللہ کی طرح اس کے رسول کو بھی ساری دنیا کی چیزوں سے محبوب رکھنا ضروری ہے۔ جو ایسا نہ کریں وہ فاسقین سے ہیں اور اللہ کی ہدایت سے محروم ہیں۔ جب اللہ اور رسول کسی کام کی دعوت دیں اور پکاریں تو اس پر لبیک کہنا ہر مومن کے لیے فرض ہے۔

أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ

اگر یہ دنیا تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہے تو اللہ کے امر (عذاب) کا انتظار کرو۔

۹۔ اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ

اللہ اور اس کے رسول جب تمہیں آواز دیں تو فوراً لبیک کہو۔

۱۰۔ اور یہ بھی کہ مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہتے ہیں اور اللہ و رسول دونوں کی

اطاعت کرتے ہیں۔

إِذَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ
إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

ایمان والوں کو جب اللہ کی طرف اور اس کے
رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ اللہ اور رسول ان
کے درمیان فیصلہ دیں تو ان کا جواب سوائے اس
کے کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کہیں سمعنا و اطعنا

۱۱۔ قرآن نے یہ بھی بتایا کہ کسی شخص کی کامیابی اور فوز و فلاح کے لیے جس طرح اللہ کی اطاعت
ضروری ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت بھی فرض ہے۔ جس طرح اللہ کی نافرمانی گمراہی و بدبختی ہے اسی طرح
رسول کی نافرمانی کا حال ہے۔

جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی
اس نے بڑی مراد کو پایا۔
جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی ہونے
گمراہی میں ہے۔

مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ
فَوْزًا عَظِيمًا
۱۲۔ وَمَنْ يُعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا

۱۳۔ قرآن نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ مسلمانوں کو رسول کی نافرمانی کی کوئی بات بھی آپس میں نہیں
کرنی چاہیے۔ ایک مومن کا اپنی جان پر قبضنا حق ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی جان پر نبی کا حق ہے اور اللہ
کے ساتھ نبی کو راضی کرنا بھی ضروری ہے بلکہ شرط ایمان ہے۔

اے ایمان والو! جب تم چکے چکے بھی کوئی بات
کرو تو گناہ، زیادتی، ظلم اور رسول کی نافرمانی کی
کوئی بات نہ کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا مِتْنَا جِئْتُمْ
فَلَا تَنَاجُوا بِالْأَشْجَمِ وَالْعَدْوَانِ
وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ
۱۴۔ أَلَسْ بِيْ أَذِلَّةٍ بِالْمُؤْمِنِينَ
مِنْ أَنْفُسِهِمْ

نبی زیادہ قریب ہے مومنوں کی جانوں سے
اللہ کے ساتھ اس کے رسول کو بھی راضی کرنا
ضروری ہے۔

۱۵۔ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ
يَرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ

۱۶۔ قرآن نے ان منافقین کی مذمت بھی کی ہے جو اپنی خود غرضی اور منافقت کی وجہ سے اللہ
اور اس کے رسول کی اطاعت میں کوتاہی کرتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنُذِرَ

اللَّهُ وَالرَّسُولَ رَأَيْتَ الْمَنَافِعِينَ
يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا

جس کو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف آؤ۔
تو اسے رسول تو دیکھئے گا۔ ان منافقوں کو کہ اعراض
کرتے ہیں تیری طرف سے

اس آیت میں رسول کی اطاعت کا جس طرح حکم دیا گیا ہے وہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے
کہ رسول کی اطاعت مستقل طور پر فرض ہے۔ دیکھئے مَا أَسْأَلَ اللَّهُ تَوَكُّابَ هِيَ لِيَكُن وَالْحِ
الرَّسُولِ يَكْتَابُ نِيسَ هِيَ يَتُورِسُولِ كِي مَسْتَقِلَّ طُورِ پَرِ اطَاعَتِ كَا حَكْمِ هِيَ۔

۱۷۔ قرآن نے یہ بھی اعلان کیا کہ کفار دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد جس طرح اللہ کی نافرمانی
پر کف افسوس ملیں گے اسی طرح رسول کی نافرمانی پر بھی افسوس کریں گے۔

يَوْمَ تَقْلُبُ وُجُوهُهُمْ فِي السَّارِ
يَقُولُونَ لَيْسَ لَنَا اطْعَمَنَا اللَّهُ وَ
اطْعَمَنَا الرَّسُولَ (احزاب)

جس دن ان کے منہ اُلٹ کر آگ میں تلے
جائیں گے تو کہتے ہوں گے
طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہے تا اور رسول کا حکم مانا ہوا
اگر رسول کی اطاعت ایک مستقل اطاعت نہیں تھی تو پھر اللہ اور رسول کی اطاعت کو علیحدہ

بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

۱۸۔ قرآن نے یہ بھی بتایا کہ رسول کی اطاعت غیر مشروط اور غیر محدود طور پر ہے۔ اس میں کسی نہانہ
کی قید نہیں ہے اور رسول مستقل طور پر خدا کی طرح مطاع ہے۔ فرق یہ ہے کہ رسول کی اطاعت خدا
ہی کے حکم اور اذن سے کی جاتی ہے۔

اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ | اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔

یہاں اطِيعُوا الرَّسُولَ کو اطِيعُوا اللَّهَ سے ایک مستقل جملہ کی شکل میں لایا گیا ہے جس سے
اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ رسول کی اطاعت بھی مستقل طور پر فرض ہے اور اگر اس کا یہ مطلب ہوتا
کہ بس رسول جو کتاب لائے ہیں اس کو مانا جائے تو صرف اطِيعُوا اللَّهَ کہنا ہی کافی تھا۔ اطِيعُوا الرَّسُولَ کے اضافہ
کی ضرورت نہ تھی۔

۱۹۔ قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ رسول کی مستقل طور پر اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ رسول جو
کچھ کہتا ہے وہ خدا کی ہدایت اور اس کی وحی کے ماتحت کہتا ہے۔ وہ اپنے نفس کی خواہش سے نرل بات
نہیں کہتا۔ اس لیے تم کو مطمئن ہو جانا چاہیے کہ رسول کی پیروی میں کسی قسم کی گمراہی اور غلط روی کا خطرہ
نہیں ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ
 اِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ میں ہو کی ضمیر نطق رسول کی طرف لڑتی ہے جس کا ذکر مآینطق میں کیا گیا ہے۔ اس آیت میں کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے کہ نطق رسول کو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص کیا جائے۔ یہاں تو ہر بات کو وحی الہی قرار دیا گیا ہے جس پر نطق رسول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول کا نطق (بولنا) خالص وحی سے ہوتا ہے اور اس میں رسول کی خواہش کو قطعاً دخل نہیں ہوتا۔

قرآن نے یہ تصریح اس لیے کی ہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ (دین سے متعلق) رسول کی ہر بات خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کسی ایک بات میں بھی شبہ ہو جائے کہ رسول خواہش نفس سے بولتا ہے اور اس کا نطق خدا کی وحی سے نہیں ہے تو پھر تو رسالت پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اس لیے قرآن نے وضاحت کر دی کہ رسول کا نطق وحی الہی سے ہے۔ اس کی زبان سے جو نکلتا ہے خاص خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہی بات حضور علیہ السلام نے خود اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمائی۔

فَرَأَىٰ الَّذِي يُفَسِّدُ بِهِ مَا يُخْرِجُ مِنْهُ إِلَّا حَقًّا
 مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس سے جو کچھ نکلتا ہے۔ حق ہی نکلتا ہے۔ (بخاری)

۲۰۔ قرآن نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اللہ کا اپنے نبی سے عارضی اور نسبی تعلق نہیں ہوتا کہ جب کبھی اس کو اپنے بندوں تک کوئی پیغام پہنچانا ہو اسی وقت یہ تعلق قائم ہو اور اس کے بعد منقطع ہو جائے بلکہ اللہ کا اپنے نبی سے دائمی تعلق ہوتا ہے چنانچہ ذیل کی آیت اس امر پر دال ہے۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ

اے محبوب! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ تم کو راہ راست سے ہٹا دینے کا ارادہ کر ہی چکا تھا۔ مگر وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر کے سوا کچھ نہیں کر سکتے اور تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (کیونکہ) اللہ نے تم پر کتاب

مَا كُنْتُمْ تَكُنْ تَعْلَمُوْا وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ عَظِيْمًا

آبادی اور حکمت نازل کی اور تمہیں وہ سب کچھ
سکھا دیا جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا
فضل ہے۔

اس آیت مبارکہ میں تصریح کر دی گئی کہ حضور علیہ السلام کا نگران اللہ تعالیٰ ہے۔ فضل الہی ہمیشہ
آپ کے ساتھ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ داعی طور پر آپ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام
کے تمام اقوال و افعال اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوتے ہیں۔ اسی مضمون کو اس آیت مبارکہ میں بیان
کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ | اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کی دست برد سے بچائیگا۔
اس آیت کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ جہم نبوی کو دشمنوں سے محفوظ رکھا جائیگا۔ بلکہ یہ بھی ہے
کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک اللہ کی حفاظت میں ہے۔ اس لیے نبی کی آنکھیں اور اس
کی زبان حق دیکھتی اور حق ہی کہتی ہے اور نبی دین سے متعلق جو کچھ فرماتا ہے۔ وہ فلاح ایزدی کی ترجمانی ہوتی ہے
ان آیات قرآنیہ نے بتا دیا کہ نبی صرف پیامبر ہی نہیں ہوتا بلکہ امر و نہی بھی ہوتا ہے اور وہ اپنے قول
و عمل سے نازل شدہ کتاب کے احکام کی تفسیر و تشریح اور توضیح فرماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی منشا کی ترجمانی ہوتی
ہے اور دین سے متعلق رسول کا قول و عمل قرآن کی طرح غیر قابل اور واجب العمل ہوتا ہے۔

وَحٰی مَسْکُوْۤوۡۡۢ وَغَيْرِ مَسْکُوْۤوۡۢ | مَسْکُوْۤوۡۢ بن حدیث یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
پر جو وحی نازل کی وہ قرآن میں بند ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ آپ پر کوئی اور وحی
نازل ہی نہیں ہوتی تھی۔ لہذا صرف قرآن واجب العمل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال
دین اور شریعت نہیں ہیں۔ لیکن ان کا ایسا کتنا عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔

اصطلاح شریعت میں وحی ان مطالب و معارف کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء کرام پر نازل
ہوتے ہیں۔ بنیادی حیثیت سے وحی کی تین قسمیں ہیں۔ براہ راست بلا واسطہ خطاب جیسا کہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام سے ہوا۔ دوسرے فرشتے کے واسطے سے کلام جیسا کہ نزول قرآن کے باب میں ہوا۔ تیسرے
ان دونوں طریقوں سے ہٹ کر مطالب و احکام کا قلب رسول پر نزول۔ یہ تیسری قسم ہی وہ ہے جس کی
روشنی میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے بیشتر امور کی تفصیلی ہیئت و شکل متعین کی اور قرآن
کے اجمال کو اس طرح مفصل کر دیا کہ اس کی تسلیم شرط ایمان ٹھہری۔ مگر بن حدیث اسی تیسری قسم کی وحی کو
تسلیم نہیں کرتے اور دین کو قرآن تک محدود کر دینے کی غرض سے نہ صرف اس کا انکار ہی کر رہے ہیں بلکہ

اس کے خلاف منظم حکم چلا رہے ہیں۔ یہ لوگ اتنی سی بات نہیں سمجھ پاتے کہ جو فادہ و فائدہ پر خدا ہر شے پر قادر ہے اور نہ صرف گنہگار انسانوں بلکہ جانوروں تک صحیح خیالات اور درست فیصلوں کا اہام کرتا رہتا ہے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں کہ وہ جیسے چاہے قرآن کے علاوہ بھی اپنے رسول کو خصوصی رہنمائی عطا فرمائے اور قرآن کے اجمال و ابہام کی صحیح ترین تفصیلات معین کرنے کے لیے اپنے رسول پر محفوظ و معصوم افکار و ہدایات کسی طرح بھی نازل فرمائے۔ اسی رہنمائی کو وحی غیر متوسلہ موسوم کیا جاتا ہے (یعنی وہ وحی جو قرآن کے علاوہ حضور علیہ السلام پر آئی) اور یہ وحی غیر متوسلہ صحت میں قرآن سے کم نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن نے کہا کہ رسول جس سے رو کے ترک جاؤ جس کا حکم دے اس کو مان لو۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر وہ بات جو آپ نے دین سے متعلق فرمائی۔ قرآن ہی کے حکم سے واجب القبول ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن یہ حکم اسی وقت دے سکتا ہے جب کہ رسول کریم کے امرونی میں قطعاً غلطی کا شائبہ بھی نہ ہو۔ سورہ نحل کی ذیل کی آیت پر غور کیجئے۔

وَاَوْحِیْ رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذْ مِنْ الْجِبَالِ بُیُوتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ
مِمَّا یَعْمُرُ شُؤْنَہ ۝

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو اہام کیا کہ پہاڑوں
درختوں اور ان جگہوں میں جہاں لوگ چھت بناتے
ہیں گھر بنائے۔

غور کیجئے کیا اللہ عز و جل نے شہد کی مکھیوں سے بلو راست کلام کیا ہوگا یا فرشتہ کے ذریعہ کمزور کیا ہوگا۔ ظاہر ہے یہاں ان دونوں صورتوں میں سے کوئی سی بھی صورت واقع نہیں ہوئی بلکہ یہاں وہ وحی مراد ہے جو اللہ عز و جل شعور و ادراک پر بلا واسطہ الفاظ وارد فرماتا ہے۔ یہ وحی مکھی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ انسان و میلان کے صد ہا امور ایسے ہیں جو اس کے ذیل میں آتے ہیں۔ بس جس اللہ نے مکھی تک کو سے نوازا اس کے لیے آخر کیا دشوار ہے کہ اپنے آخری نبی کے قلب و ادراک پر وقتاً فوقتاً بلا واسطہ الفاظ مطلب خاص و معارف معنویہ کا نزول فرماتا رہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ صرف عقلی نہیں ہے بلکہ خود قرآن کی نصوص اس کی تائید و توثیق کرتی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ سورہ توبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے ان لفظوں میں منع فرمایا گیا ہے۔

۱۔ وَلَا تَصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا

ان میں سے جو کوئی مرے آپ کبھی ان کی نماز جنازہ
نہ پڑھیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے نماز جنازہ شروع ہو چکی تھی اور حضور علیہ السلام منافقین کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیتے تھے۔ حالانکہ قرآن میں اس سے پہلے نازل ہونے والی ایسی کوئی

(غیر متلو) سے تھی۔ جس کا ذکر قرآن نے بعد میں کیا۔

۵۔ جنگِ اُحد کے بعد حضور علیہ السلام نے غزوہ بدر ثانیہ کے لیے لوگوں کو بھانپنے کا حکم دیا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے مگر اللہ نے بعد میں تصدیق کی۔ یہ بھی اسی کی جانب سے تھا۔
الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ
بَعْدِ مَا اصابَهُمُ الْقَرْحُ | جن افراد نے جنسہم کھانے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مانا۔

۶۔ حضور علیہ السلام نے صدقات تقسیم کیں۔ اس پر منافقین نے اعتراضات کیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ خالو! رسول کے فعل پر اعتراض کرتے ہو۔ حالانکہ یہ تقسیم جو رسول نے کی اللہ کے حکم سے کی تھی اور فرمایا۔

وَكُوْنُوا لِلّٰهِ رَاضِيْنَ بِمَا اَنزَلَ اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهُ | اگر وہ راضی ہو جائے اس حصہ پر جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا۔

۷۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کا واقعہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ تمام صحابہ کرام نے صلح نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا اور صلح کی شرائط ہر ایک کو نہایت دلی ہوئی نظر آتی تھیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شہرِ اُطو کو جو کفار نے مقرر کی تھیں قبول فرمایا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ تصدیق فرمائی۔ یہ صلح اللہ کی ہدایت کے ماتحت تھی۔ جن کو صحابہ کرام نہ سمجھ سکے۔ قرآن نے اعلان کیا۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا | اے رسول ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی

۸۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ سے ایک راز کی بات فرمائی اور اس کے اظہار سے منع فرمایا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان سے اس راز کا افشا ہو گیا۔

حضور علیہ السلام نے اپنی زوجہ مطہرہ سے راز افشا کرنے کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت حفصہ نے عرض کی۔ حضور

مَنْ اَنْبَاكَ اَنْتَ كَرَسْتِ لِيْ خَبْرِيْ كَمَا كَرَسْتَ لِيْ خَبْرِيْ | حضور علیہ السلام نے فوراً جواب دیا۔

اَنْبَاَنِ الْعِلْمِ الْمُحْتَبَرِ (قرآن) مجھے میرے علیم و خیر رب نے بتایا ہے۔ کہ تم سے میرا راز افشا ہو گیا ہے) یہ اور اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً قرآن کے علاوہ بھی وحی ہوتی تھی اور حضور علیہ السلام دین سے متعلق جو ہدایات فرماتے تھے اور اصولِ قرآنی کی اپنے قول و فعل سے جو توضیح و تشریح فرماتے تھے وہ بھی وحی ہی سے ہوتی تھی۔

نماز ہی کو بھیجے۔ قرآن مجید صرف اِقْبِمُوا الصَّلَاةَ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ نماز کا طریقہ اس کے آداب و فرائض بیان نہیں کرتا۔ اب یہ امور کس سے معلوم کیے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوهُنَّ أَهْلًا | جیسے میں نماز پڑھوں ایسے ہی تم پڑھو
ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا یہ طریقہ معاذ اللہ اپنے جی سے نہیں گڑھ لیا
تھا۔ بلکہ اسی وحی کے ذریعے متین فرمایا تھا جو آپ پر قرآن کے علاوہ نازل ہوتی تھی۔ نماز کی تو یہ صرف
ایک مثال ہے۔ آپ عقیقہ، معاملات، حرام و حلال، نکاح و طلاق، غرض کہ دنیا کے کسی بھی معاملہ
کو لے لیجئے، ان کے سمجھنے اور ان کے تفصیلی احکامات جاننے کا مرکز حضور اکرم کی ذات اقدس بنتی ہے۔
جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے قول و عمل سے قرآن کے اصولی احکام کی توضیح اور اس
کے جزئیات کی جو تعین فرمائی وہ اسی وحی سے فرمائی جو آپ پر قرآن کے علاوہ نازل ہوتی تھی۔ یہی وجہ
ہے کہ اگر دین کو سمجھنے کے لیے احادیث نبوی کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے تو خود ہمت سی آیات کا
مفہوم و مطلب مبہم بلکہ بڑی حد تک تشوہ رہ جاتا ہے۔ چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ قرآن میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا حکم ہے۔ مگر کیا صرف قرآن مجید سے ان عبادات کے تفصیل
احکام معلوم ہو سکتے ہیں اور آدمی ان احکامات قرآنی پر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق عمل کر سکتا ہے؟
۲۔ قرآن کریم میں طیب چیزوں کے کھانے کا اصولی حکم دیا گیا ہے۔ کیا صرف قرآن مجید سے
حلال و حرام کی تفصیل معلوم کی جاسکتی ہے؟ اگر کہا جائے کہ ہم خود اپنی عقل و فہم سے حرام و حلال کی فہم
بنالیں گے تو کیا جن چیزوں کو ہم حلال یا حرام قرار دیں گے ان کے متعلق ہمیں یقین بھی ہو جائیگا کہ اللہ
کے نزدیک بھی ان اشیاء کا یہی حکم ہے۔

۳۔ قرآن میں ہے فَلَمَّا فَصَخِي زَيْدٌ
مِنْهَا وَطَرًا وَوَجَّلَكُمَهَا
پھر جب زید اس عورت سے اپنی غرض پوری
کر چکے تو پھر ہم نے اس کو تمہارے نکاح میں دیدیا۔
دیکھتے یہ قرآن شریف کی آیت ہے مگر کیا صرف قرآن مجید سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ زید
کون تھے اور یہ عورت کون تھی۔ لامحالہ یہ بات روایات سے ہی معلوم ہوگی یا مثلاً ارشاد ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اَنْتَ جَاءَهُ الْاَعْمٰی
ایک نابینا آیا۔
تیسری چڑھائی اور منہ موڑا جب اس کے پاس

کیا صرف قرآن شریف سے یہ بتایا جاسکتا ہے کہ یہ نابینا کون تھے اور اصل واقعہ کیا تھا۔ اسی طرح
سورہ توبہ کی آیت کو لیجئے۔ اس میں ہے۔

اَلَا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ
اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَاثِيْنَ اَشْيَیْنِ اِذْ
اگر تم رسول کی مدد نہیں کرو گے تو اس کی مدد
کی ہے اللہ نے جب کافروں نے ان کو نکالا

هَمَّا فِي الْعَارِ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ | جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی
لَا تَحْزَنْ | سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر

کیا صرف قرآن مجید سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو کافروں نے کہاں سے نکالا تھا
نیز یہ رفیق غار کون تھے اور کس غار میں آپ رفیق کے ساتھ روپوش ہوئے تھے۔
۴- وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ (توبہ)
اللہ نے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کی

کیا روایات کے انکار کرنے کے بعد ان بہت سے میدانوں کی تفصیل معلوم ہو سکتی ہے؟
۵- وَ عَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَقُوا | اللہ کی مہربانی ہوئی ان تینوں پر جن کے معاملہ کو
(توبہ) ملتوی رکھا گیا۔

یہ تین شخص کون تھے۔ ان کا معاملہ کیا تھا اور کیوں ملتوی رکھا گیا۔ کیا روایات کے بغیر یہ باتیں حل
ہو سکتی ہیں ۶۔ اسی سورہ توبہ کی اس آیت پر غور کیجئے۔ ارشاد ہے۔

لَمْ سَجِدْ اُسِسْ عَلَى التَّقْوَى مِنْ | جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ اول دن ہی
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُومَ فِيْهِ - فِيْهِ | سے یہ مسجد لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔
رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّبْتَطِشُوا | اس میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں۔

یہ کس مسجد کا ذکر ہے۔ وہ کون لوگ ہیں جن کی اس آیت میں مدح ہے۔ ان کی طہارت پسندی کا
خاص معیار کیا تھا۔ جس کو اس آیت میں سراہا گیا ہے۔ کیا ان امور کا جواب صرف قرآن سے مل سکتا ہے۔
۷۔ اسی طرح سورہ انفال کی آیت کو لیجئے۔

وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ | اور جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو جماعتوں
اَنْهَآ لَكُمْ | میں سے ایک تمہارے قبضہ میں آجائے گی۔

کیا صرف قرآن سے بتلایا جاسکتا ہے کہ یہ دو جماعتیں کون تھیں؟ اور یہ وعدہ کیا تھا۔ قرآن میں
تو ہے نہیں۔ تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ کوئی دوسری قسم کی وحی بھی ہوتی تھی۔ اس قسم کی اور بھی مثالیں دی
جاسکتی ہیں جو بوجہ اختصار چھوڑی جا رہی ہیں۔ ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت
کے احکام معلوم کرنے اور قرآن کو سمجھنے سمجھانے کے لیے روایات و احادیث کا دامن تھامنا ناگزیر ہے
یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام و خلفاء راشدین نے اپنے ہر عمل و حرکت کا محور ہی
صحابہ کرام کا سنت نبوی سے استدلال و امتثال

نہیں بناتے اس کے بعد فرمایا۔

فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ تَذَكَّتْ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهٖ | میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے حکم میں سے کسی کو چھوڑ
أَنْ أَزْبِغَ رَمَدًا أَحْمَدُ جلد ۱ ص ۲۷۰۔ بیہقی جلد ۱ ص ۲۷۰ | دوں گا تو بھیجک جاؤں گا۔

نہ صرف یہ بلکہ یہاں تک فرمایا۔

لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ | میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعمال شریفہ سے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا عَمَلْتَهُ | کوئی عمل ایسا نہ چھوڑوں گا
رَمَدًا أَحْمَدُ جلد ۱ ص ۲۷۰ منتخب کنز العمال جلد ۳ ص ۱۲۸

دیکھئے خلیفہ راشد سیدنا امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مرکز طے بھی تھے ،
قضیہ وراثت میں سنت نبویہ سے فیصلہ فرمایا اور قرآن مجید کی آیت میراث سے میراث نبی کو مستثنیٰ
قرار دیا اور سنت پر عمل کر کے یہ بتا دیا کہ قرآن مجید میں میراث کا حکم عام مسلمانوں کے لیے ہے۔ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہے اور یہ کہ اصول قرآن کی توضیح و تشریح صرف سنت رسول ﷺ
ہی سے ہو سکتی ہے۔

۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر شام
کی مہم پر بھیجے گا حکم فرمایا تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا اور حالات بدل گئے۔ قبائل عرب مرتد ہونے لگے
جو منافق تھے وہ سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ اجلہ صحابہ کرام کی رائے یہ ہوئی کہ ایسے نازک اور پُر فتن
موقع پر مرکز اسلام مدینہ منورہ سے لشکر کو علیحدہ کرنا اور مرکز کو خالی کر دینا قرین مصلحت نہیں ہے۔ اس وقت
تو مدینہ منورہ دار الخلافہ کو ہر طرح مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے۔ جب باہر کے حالات سازگار ہو جائیں
تب اس لشکر کی روانگی عمل میں لائی جائے۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ ٹھیک ہے کہ
حالات ناسازگار ہیں مگر ماحول کے پُر فتن دباؤ کے باوجود لشکر اسامہ ضرور روانہ ہوگا اور اس لیے روانہ ہوگا
کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے۔ انفذ واجیش اسامہ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے
پُر جوش لہجہ میں مزید فرمایا۔ ”بخدا اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اس لشکر کے روانہ کر دینے کی بنا پر مرکز کمزور
ہو جائے گا اور درندے مجھے کھا جائیں گے تو بھی حکم نبوی علیہ السلام کی تعمیل ضرور کروں گا۔“

إِنَّمَا أَنَا مُنْفَذُ أَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ | کیونکہ میں اپنا حکم نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (منتخب کنز العمال جلد ۳ ص ۱۲۸) | کا حکم نافذ کر رہا ہوں۔

دیکھئے ماحول کا تقاضا تھا کہ لشکر اسلام مرکز کی مضبوطی کے لیے مدینہ میں موجود رہے۔ اجلہ صحابہ کی

رانے بھی یہی تھی مگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم نبوی (حدیث) میں ذرا بھی رد و بدل نہ کیا۔
غرض کہ اس نوع کے ایک نہیں سینکڑوں واقعات ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خلفاء اربعہ اور
صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ہر موقع اور محل پر سنت نبوی کو مشعل راہ بنایا اور ہر حادثہ اور
ہر معاملہ میں سنت رسول سے ہدایت حاصل کی۔ بلکہ سنت رسول کے مطابق کاروبار خلافت انجام دینے
کی شرط پر بیعت ہوئی۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت ہوئی تو صحابہ کرام نے
بایں لفظ بیعت کی۔

نَبَايَعُكَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ وَ سُنَّتِ
رَسُولِ اللَّهِ وَ سُنَّةِ الْخَلِيفَتَيْنِ

ہم آپ کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کرتے ہیں
کہ آپ کتاب اللہ، سنت رسول اور دونوں سابق
خلیفوں کے طرز عمل پر بیعت کریں گے۔

قرآن کریم نے انہیں صحابہ کرام کے راستہ پر چلنے کا حکم دیا اور فرمایا۔
بِمَنْ يَتَّبِعْ عَنِو سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ
فَعَلَيْهِ مَا تَوَلَّوْا وَ نُصَلِّهِ جَهَنَّمَ
وَ سَاءَتْ مَصِيرًا

جو مومنین (صحابہ کرام) کے راستہ سے الگ راستہ
اختیار کرے تو ہم اسی راستے پر چلنے دیں گے اور
انجام کار اس کو جہنم میں داخل کریں گے جو بُرا
ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں مومنین سے مراد یقیناً صحابہ کرام ہیں۔ انہیں کے راستہ پر چلنے کی قرآن کریم تاکید کر رہا ہے اور
ان کے خلاف چلنے والے کو جہنمی قرار دے رہا ہے اور سبیل صحابہ یہی ہے کہ وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو دین جانتے تھے اور اخلاق و عبادات و معاملات غرض کہ دین و دنیا کے ہر مسئلہ اور ہر حادثہ میں سنت نبوی
کا اتباع کرتے تھے اور قرآنی اصول کی جزئیات سنت نبویہ سے متعین کر کے اس پر عمل کرتے تھے اور سنت نبویہ
میں ذرا بھی رد و بدل گوارا نہ کرتے تھے۔ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

جمع و تدوین حدیث

اس موضوع پر میں نے ابتداء ایک طویل مضمون لکھا تھا۔ مگر چونکہ اب
اس موضوع پر مستقل کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس لیے بظن اختصار
اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

منکرین حدیث جمع و تدوین حدیث کے سلسلے میں سب سے بڑا مغالطہ یہ دیتے ہیں کہ حدیث کی
موجودہ کتابیں دوسری اور تیسری صدی میں تصنیف ہوئی ہیں اور جامعین حدیث نے سنی سنائی باتوں کو جمع
کے دیا ہے۔ اب یہ کیسے مان لیا جائے کہ اتنے طویل عرصہ کے بعد جو باتیں جمع کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ وہ حضور علیہ السلام ہی کی فرمودہ ہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی کتابت سے صحابہ کو منع فرما دیا تھا۔ لیکن ان کا یہ دعوہ صحیح نہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ کتابت حدیث کا رواج عہد نبوی ہی میں شروع ہو چکا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قولا وفعلا اس میں حصہ لیا ہے اور حفظ و ضبط و کتابت حدیث کا اہتمام عہد نبوی و عہد صحابہ و تابعین تمام ادوار میں جاری رہا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

حدیث کی تبلیغ کا حکم | حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کو ناکیدی حکم تھا کہ جو لوگ میری مجلس میں حاضر ہوں وہ میری حدیثیں خوب اچھی طرح یاد کریں اور بنفسہ دوسروں تک پہنچائیں۔

اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے میرا کلام سنا اور دوسروں تک پہنچایا۔
اور اس شخص کے چہرہ کو روشن رکھے جو ہم سے حدیث سن کر یاد رکھے اور دوسروں تک پہنچا دے۔
میرا جراثمی چالیس حدیثیں یاد رکھے اور ان کو تبلیغ کرے۔ فیامت کے دن میں اس کے ایمان کی شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

(جامع بیان العلم)

مجھ سے جو کچھ سنا اس کو دوسروں کو پہنچا دو۔ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا اس کی جگہ جہنم ہے۔ (بخاری)

جو کچھ مجھ سے سنو عوام تک پہنچا دو اور سچ کو جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کا مقام جہنم ہے۔

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جانا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔ جب تک تم ان دونوں کو

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ كَلَامِي فَوَعَلَهَا
ثُمَّ آذَاهَا كَمَا سَمِعَهَا
نَصَرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِثْلَ حَدِيثِي
فَحَفِظَهُ وَبَلَّغَهُ غَيْرَهُ
مَنْ حَفِظَ مِنْ أُمَّتِي آذْبَيْنِ حَدِيثًا
مِّنَ السَّنَةِ حَتَّى يُوَدِّيَهَا إِلَيْهِمْ
كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا وَشَفِيعًا يَوْمَ
الْقِيَمَةِ

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ كَانَ آيَةً - وَمَنْ
كَذَبَ عَلَى مُتَعَيِّدٍ أَفْلَيْتَبَوَّأُ مُقْعَدَهُ
مِنَ النَّارِ (بخاری)

حَدِّثُوا عَنِّي يَمَا تَسْمَعُونَ وَلَا تَقُولُوا
إِلَّا حَقًّا - وَمَنْ كَذَبَ عَلَى بَنِي لَهْ بَيْتٍ
فِي جَهَنَّمَ يُوَقَّعُ فِيهِ (طبرانی)

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا
تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِي

مضبوطی سے تھامے رہو گے اس وقت تک گمراہ نہ ہو گے

فَمَنْ حَفِظَهُ شَيْئًا فَلْيُحَدِّثْ (مستدرک) | جو میری حدیثوں کو حفظ کرے تو ان کو روایت بھی کرے۔ اور ان ارشادات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی احادیث کو یاد کرنے اور ان کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا۔ حافظ حدیث کے مرتبہ و مقام کو بیان فرما کر حفظ و اشاعت حدیث کی اہمیت کو ظاہر فرمایا۔ جس سے واضح ہو گیا کہ منشاء رسالت یہی تھا کہ حدیث کی حفاظت ہو اور یہ دین کا جزو قرار پائیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ حدیث کے بیان کرتے، اس کے یاد کرتے اور دوسروں تک پہنچانے پر سرسبز رہتے کی دعا نہ فرماتے۔ اب یہ ملاحظہ کیجئے کہ صحابہ کرام و تابعین عظام نے حدیث کے حفظ و ضبط کا کیسا کچھ اہتمام کیا۔ اس کا اندازہ ذیل کی چند مثالوں سے ہو سکتا ہے۔

عہد نبوی میں حفظ حدیث | عہد نبوی میں حدیثوں کے حفظ یا یاد کرنے کا یہ اہتمام تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے حدیثیں سنتے تھے۔ جب آپ مجلس سے اٹھتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا دورہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی کل حدیثیں بیان کر جاتا۔ پھر دوسرا، تیسرا، بعض اوقات ساٹھ ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے تھے اور ساٹھوں باری باری سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ اس کے بعد ہم اٹھتے تو حدیثیں اس طرح یاد ہوتیں کہ گویا ہمارے دلوں میں بودی گئی ہیں (مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۶۱)

۲۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عہد نبوی میں قرص نمازوں کے بعد صحابہ کرام مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور قرآن پاک اور حدیث نبویہ کا اندازہ کرتے تھے (مستدرک جلد ۱ ص ۹۴) حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ صحابہ کرام جب کہیں بیٹھتے تھے تو ان کی گفتگو کا موضوع فقہ یعنی حضور کی حدیثیں ہوتی تھیں یا پھر یہ کہ کوئی آدمی قرآن پاک کی کوئی سورت پڑھے یا کسی سے پڑھنے کو کہے (مستدرک حاکم ص ۹۴) ۴۔ دور کے علاوہ انفرادی طور پر بھی حدیثوں کے یاد کرنے کا بڑا اہتمام تھا اور جن کو کوشش کے باوجود بھی حدیثیں یاد نہ ہوتیں تو وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثوں کو محفوظ رکھنے کی تدابیر معلوم کیا کرتے تھے۔ جیسے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے اپنے حافظہ کے متعلق عرض کیا تھا۔ نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حدیثوں کو دل سے یاد کرتا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ازبر کرنے کے ساتھ ساتھ لکھتے بھی جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ہم حدیثیں یاد کرتے تھے (مسلم جلد ۱ ص ۱۲۱) ابن ماجہ ص ۹۴

اس قسم کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے عہد نبوی میں حفظ حدیث کا اہتمام تبلیغ کر رکھا تھا۔ عہد نبوی کے بعد عہد صحابہ کو لے لیجئے کہ اس دور میں بھی حدیث کی یاد رکھنے

اور اپنے شاگردوں کو یاد کرنے کی برابر تاکید کی جاتی تھی۔

۱- حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: تَذَاكُرُوا هَذَا الْحَدِيثَ عَمَدَ صَحَابَةٍ فِي حِفْظِ حَدِيثٍ لَا يَنْقَلِتُ مِنْكُمْ۔ حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ (دور کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے) (دارمی ص ۵۷) وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کو بار بار دہرایا اور اس کو مستحضر کرو۔ اگر اس طرح یاد نہ کر دو گے تو جاتی رہیں گی (دارمی) حضرت ابن عباس کی یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز کچھ حدیثیں بیان کیا کرو۔

۲- حضرت ابوسعید خدری بھی آپس میں حدیث کا دورہ کرتے تھے (دارمی ص ۹۴) مستدرک جلد ۱ ص ۹۴ بلکہ وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ حدیثیں حفظ یاد کرو (دارمی ص ۶۶) ۳- حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے۔ تَذَاكُرُوا الْحَدِيثَ فَإِنَّكُمْ لَا تَفْعَلُوا أَيْدِي رَسُولِ اللَّهِ (مستدرک جلد ۱ ص ۹۵) ۴- حضرت عبداللہ بن مسعود کی سخت تاکید تھی کہ حدیثوں کا دورہ کرتے رہو۔ یہی اس کے بقا کا سامان ہے (مستدرک جلد ۱ ص ۹۵)۔ (دارمی ص ۹۵) ۵- حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرمایا کرتے تھے۔ تَذَاكُرُوا وَتَذَاكُرُوا رَسُولَ اللَّهِ وَتَذَاكُرُوا وَلَا تَنْتَكِرُوا (کنز العمال ج ۵ ص ۲۴۲ دارمی ص ۹۶) ایک دوسرے سے ملتے رہو اور باہم حدیث کا مذاکرہ کرتے رہو۔ اس کو چھوڑ نہ دو غرض کہ حدیث نبوی کے بعد عہد صحابہ میں بھی حدیث کے حفظ و ضبط اور دور کا باقاعدہ نظام تھا۔ صحابہ کے شاگرد اپنے اساتذہ کے احکام کا پورا احترام کرتے تھے اور حدیث کے دور سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے (دارمی ص ۹۶) اور تذکرہ میں عطا کا بیان ہے کہ ہم جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سن کر اُٹھتے تو ان کا دور کرتے تھے۔ ہمارے ہم سبقوں میں ابوزبیر کا حافظ سب سے اچھا تھا۔ ان کو سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہوتی تھیں (مستدرک جلد ۱ ص ۹۴) امام زہری علیہ الرحمہ عشر کی نماز کے بعد حدیث کے دور کے لیے بیٹھتے تو صبح کر دیتے تھے (دارمی ص ۹۶) دارمی میں بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ تم لوگ آپس میں ملتے رہتے ہو اور ایک جگہ بیٹھ کر حدیث کا دور بھی کرتے ہو؟ شاگردوں نے جواب دیا۔ ہاں اور اگر ہمارا کوئی ساتھی غائب ہو جائے تو وہ کو ف کے آخری سرے پر ملتا ہے تو وہیں جا کر اس سے ملتے ہیں (دارمی ص ۹۶)

عہد تابعین میں حفظ حدیث | صحابہ کے بعد تابعین کا دور آیا تو اس میں بھی حدیثوں کے حفظ کرنے اور اس کے مذاکرہ کے لیے مجالس قائم تھیں۔ چنانچہ دارمی میں ہے کہ عبدالرحمن ابن ابی بکر بن زہری اور علقمہ حدیث کے دور کی تاکید فرماتے تھے۔ انہی تاکیدوں کا نتیجہ تھا کہ حارث، ابن زید، عکلی، قعقاع ابن یزید، مغیرہ اور فضیل عشر کی نماز کے بعد جب حدیث کے لیے بیٹھتے تو صبح ہی

کہوتے تھے (دارمی ص ۱۵۱، تہذیب جلد ۱ ص ۲۶)

یونس کا بیان ہے کہ جب ہم حضرت خن بصری کے پاس سے حدیثیں سن کر اٹھتے تو پھر آپس میں دُور کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اسماعیل بن رجاہ کا دستور تھا کہ جب کوئی نہ ملتا تو مکتب کے لڑکوں کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے حدیثیں بیان کرتے تاکہ حدیث کی مشق میں تاخیر نہ ہو اور مجھوتے نہ پائیں (دارمی ص ۱۵۱، تہذیب ج ۱ ص ۲۹)۔ ان مختصر مثالوں سے آپ نے معلوم کر لیا کہ حفظ حدیث کا عمد نبوی، عمد صحابہ اور تابعین میں کیا کچھ غیر معمولی اہتمام تھا۔

عمد نبوی میں کتابت حدیث | حدیث کے حفظ و ضبط کے اہتمام تبلیغ کے ساتھ کتابت حدیث کا رواج عمد نبوی میں ہو چکا تھا۔ وہ مکاتیب جو مختلف اوقات میں حضور علیہ السلام نے لکھوائے ان میں مسائل شریعہ کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور یہ مکاتیب تحریرات حدیث کی کتابوں میں درج ہیں۔ صحابہ کرام کی متعدد جماعتیں دربار نبوی میں حدیث سننے اور لکھتی تھیں حضرت ابن عباس و عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔

۱۔ بَيْنَنَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ
نَكْتُبُ (دارمی ص ۹۸)

۲۔ میں فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق اور مکہ کی حرمت کے متعلق مسائل بیان فرمائے تو ایک عینی نے عرض کی مجھے یہ احکام لکھوا دیجئے۔ آپ نے حکم دیا۔ اُكْتُبُوهُ لِآفِي سَائِهِ یہ احکام ابو شاہ کو لکھ کر دو (بخاری ابوداؤد) ۳۔ قبیلہ جندیہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مُردہ جانوروں سے متعلق احکام لکھوا کر بھیجے (مشکوٰۃ شریف) ابوداؤد ۴۔ مسلم شریف جلد ۱ ص ۴۹ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ والوں کو دیت (خون بہا) کے احکامات لکھوا کر بھیجوائے ۵۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی حیات مبارکہ میں وہ تمام حدیثیں جن کا تعلق مسائل زکوٰۃ سے تھا ایجا قلم بند کرادیں جس کا نام کتاب الصدقہ تھا مگر اس کو عمال و جنگاہ کے پاس روانہ کرنے سے قبل ہی آپ کا وصال ہو گیا تو خلفائے راشدین میں سے سیدنا صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے زمانہ میں اسے نافذ کیا۔ اس کے مطابق زکوٰۃ کے وصول و تحصیل کا ہمیشہ انتظام رکھا (ابوداؤد کتاب زکوٰۃ ص ۱۵۴)

۶۔ امام بخاری نے اسی کتاب الصدقہ کا مضمون نقل کیا ہے جسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحجرین کا حاکم بنا کر بھیجتے وقت ان کے حوالے کیا تھا۔ اس میں ازبٹوں، بکریوں، چاندی سونے کی زکوٰۃ کے نصاب کا بیان ہے ۷۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات کے آخری ایام میں حدیثوں کا ایک ضخیم مجموعہ صاہل مین کے پاس عمر بن حزم صحابی کی معرفت روانہ فرمایا۔ جس کے الفاظ

یہ ہیں۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ كِتَابًا فِيهِ الْمَقْرَأَةُ وَالسُّنَنُ وَالْمَدِيَّاتُ وَكُنْتُ مَعَ عَبْدِ مَنَافٍ حَزْمٍ (موطا امام مالک ص ۲۳) جس میں فرائض و احکام مندرج تھے (نسائی جلد ۲ ص ۲۴) ۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے حدیثیں جمع کر کے اس مجموعہ کا نام صاؤز رکھا۔ اس میں ایک ہزار حدیثیں تھیں (بخاری ۲ ص ۱۲) ۹۔ حضرت انس نے حدیثیں لکھی تھیں (بخاری تدریب الراوی) ۱۰۔ تحریری احکام اور معابدات مدینہ اور وہ فرائض جو حضور علیہ السلام نے قبائل کو بھیجے تھے (ابن ماجہ، طبقات ابن سعد) ۱۱۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین و امراء کے نام ارسال فرمائے تھے (بخاری، تذکرۃ الحفاظ) ۱۲۔ کتاب الصدقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر بن حزم صحابی و ایسے بحرن کو لکھائی تھی۔ یہ وہ صفحات تھے جن میں زکوٰۃ کے احکام تھے۔ دیگر امراء کو بھی بھیجا گیا تھا (دارقطنی، مسند احمد بن حنبل) یہ تحریر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ابی حرم سے لے لی تھی (دارقطنی) ۱۳۔ مصلین زکوٰۃ کے پاس کتاب الصدقہ کے علاوہ اور بھی تحریریں تھیں (دارقطنی) ۱۴۔ عمر بن حزم کو جب یمن کا حاکم مقرر کیا تو ایک تحریر لکھا دی۔ جس میں فرائض، صدقات، دیات، طلاق، صلوة، مس مصحف وغیرہ کے احکام تھے (کنز العمال مسند امام احمد بن حنبل، مستدرک) ۱۵۔ عبداللہ بن حکم صحابی کے پاس حضور علیہ السلام کا ایک نامہ تھا جس میں مردہ جانوروں کے احکام تھے (معجم صغیر طبری) ۱۶۔ وائل بن حجر صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، روزہ، ربا، شراب وغیرہ کے احکام لکھا دیے تھے (معجم صغیر) ۱۷۔ ضحاک بن سفیان صحابی کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر کرائی ہوئی ایک ہدایت جس میں شوہر کی دیت کا حکم تھا (دارقطنی) اشیم نام تھا اس مفتول کا جس کی پیری کو شوہر کی دیت دلانے کا فرمان تحریر کیا تھا (ابوداؤد) ۱۸۔ حضرت معاذ بن جبل کو ایک تحریر یمن بھیجی گئی جس میں سہزادیوں، نرکاریوں پر زکوٰۃ نہ ہونے کا حکم تھا (دارقطنی) ۱۹۔ مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہے۔ اس کے متعلق حضور علیہ السلام کی تحریر رافع بن خدیج کے پاس تھی (مسند احمد) ۲۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک مجموعہ لکھا تھا جو ان کے صاحبزادہ کے پاس تھا (جامع بیان العلم) ۲۱۔ حضرت سعد بن عبادہ نے ایک مجموعہ حدیث مرتب کیا، اس کا نام کتاب سعد بن عبادہ تھا جو کسی پشت تک ان کے خاندان میں رہا (مسند احمد) ۲۲۔ سعد ابن ربیع انصاری نے حدیثیں لکھی تھیں (اسد الغابہ) ۲۳۔ سمر بن جندب نے ایک نسخہ حدیث مرتب کیا تھا (تندیب) ۲۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک دفتر حدیث لکھا ہوا تھا (فتح الباری) چنانچہ ہمام بن منبہ کا صحیفہ جو حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ چھپ چکا ہے اس مجموعہ کی اکثر احادیث مسند احمد و صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ جن کے دیکھنے سے حدیث کی حفاظت

کا یقین مستحکم ہو جاتا ہے۔ اس صحیفہ میں جن الفاظ کے ساتھ حدیثیں درج ہیں سن و سن صحاح میں بالی جاتی ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلی صدی کے صحیفہ کی احادیث تیسری صدی کے مجموعوں میں نقل در نقل ہو کر آئیں اور ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط جو آپ نے ہر قل کو لکھا تھا۔ اس کا فوٹو بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس خط کی نقل حضور علیہ السلام کے پاس نہیں تھی۔ حضرت صحابہ کرام نے وہ خط سن، حفظ کیا پھر واسطوں کے ساتھ مصنفین صحاح تک پہنچایا اور تیسری صدی میں نقل در نقل کی صورت میں لکھا گیا۔ مگر اس کے مضمون میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے۔

عہد صحابہ میں کتابت حدیث | اس کے بعد عہد صحابہ کو لیجئے۔ اس دور میں بھی کتابت حدیث کے پیشمار واقعات ملتے ہیں۔ تفصیل کے طور پر چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

- ۱۔ دارمی ص ۶۷ و مستدرک حاکم جلد ۱ میں امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان منقول ہے کہ علم کو کتاب میں مفید کر لو۔ ۲۔ دارمی و مستدرک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ علم کو لکھ کر مفید کر لو۔ نیز صحیح مسلم جلد ۴ ص ۴۶ میں ہے کہ حضرت انس نے محمود ابن الربیع صحابی کی زبان پر حضرت عتبہ کی ایک طویل حدیث سنی تو اپنے لڑکے سے کہا اس کو لکھ لو چنانچہ انہوں نے لکھ لیا۔ طحاوی جلد ۲ ص ۴۸۷ میں بھی حضرت انس کا اپنے لڑکے سے حدیث لکھانا مذکور ہے ۳۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر یا کسی دوسرے سے لکھ کر اپنی حدیثوں کو سفیدہ میں محفوظ کر لیا تھا۔ چنانچہ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۴۸ میں حسن ابن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور حدیث نبوی کی کئی کتابیں دکھا کر فرمایا کہ دیکھو یہ میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہیں اور لشیر ابن نسیب کا بیان طحاوی جلد ۲ ص ۳۸۵ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے حدیث کی کتابیں عاریث لے کر نقل کرتا تھا۔ نقل سے فارغ ہو کر ان کو کل سنا جاتا تھا۔ سنانے کے بعد عرض کرتا تھا کہ میں نے آپ کو جو سنایا ہے وہ سب آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے ہاں ۴۔ حضرت ابن عباس کے چند صحیفے تھے جن میں حدیثیں تقلید تھیں۔ چنانچہ ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۸ اور طحاوی جلد ۲ ص ۳۸۵ میں ہے کہ حالف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباس کے پاس ان کے چند صحیفے لے کر حاضر ہوئے کہ آپ ہم کو سنائیں۔ اس وقت حضرت ابن عباس کی نگاہ بہت کمزور ہو چکی تھی اس لیے وہ پڑھ نہ سکے اور فرمایا: تم خود سناؤ، تمہارا سنا اور میرا پڑھنا جوازِ روایت کے حق میں دونوں برابر ہیں ۵۔ دارمی ص ۶۸ میں ہے کہ ابان (تلمیذ) حضرت انس کے پاس بیٹھے ساگو ان کی تختیوں پر حدیثیں لکھتے رہتے تھے ۶۔ جلد ۲ ص ۳۸۵ میں عبداللہ ابن محمد ابن عقیل کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت حابر کی

کی خدمت میں حاضر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو پوچھتے اور لکھ لیتے تھے۔ ۷۔ دارمی ص ۶۹ میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ علم کو قید تحریر میں لاؤ۔ چنانچہ دارمی ہی میں حضرت سعید ابن جبیر کا بیان ہے کہ میں حضرت ابن عمرؓ سے حدیثیں سُنتا اور لکھ لیتا تھا ۸۔ دارمی ص ۱۶۹ اور طحاوی جلد ۲ ص ۳۸۴ میں ہے کہ حضرت سعید ابن جبیر وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حدیثیں لکھتے رہتے تھے بلکہ دارمی میں ہے کہ کاغذ بھر جاتا تھا تو کسی دوسری چیز پر لکھ لیتے تھے۔

عہد تابعین میں کتابت حدیث | اوپر جو واقعات آپؐ نے پڑھے ہیں۔ ان میں صحابہ کرامؓ و اہل اللہؓ نے لکھنے کا سامنے یا سامنے یا صحابہ سے سُن کر حدیث لکھنے کا ذکر ہے۔ اب چند ایسے واقعات، سُنئے جن میں تابعین کے سامنے یا تابعین سے سُن کر حدیث لکھنے کا تذکرہ ہے۔ ۱۔ ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۵ اور دارمی ص ۶۶ میں ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ سالم ابن ابی الجعد مدین لکھا کرتے تھے۔ سالم کی وفات ۱۲ھ میں ہوئی ہے اور انھوں نے بعض صحابہ سے بھی حدیثیں سُنی ہیں۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۰۳ میں ابوالزناد (تابعی) کا بیان ہے کہ ہم زہری کے ساتھ علماء کے پاس حدیثیں سُننے کے لیے جایا کرتے تھے۔ زہری اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ لیے رہتے تھے اور جتنا سُنتے تھے سب لکھتے رہتے تھے۔ زہری کی وفات ۲۴ھ میں ہوئی ہے ۳۔ کنز العمال جلد ۵ ص ۲۳۵ میں صالح بن کیسان کا بیان ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں میرا اور زہری کا ساتھ تھا۔ زہری نے مجھ سے کہا اؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھیں ۴۔ دارمی ص ۶۹ میں ہشام ابن الغار کا بیان منقول ہے کہ عطاء ابن ابی رباح تابعی سے لوگ پوچھتے جاتے تھے اور انہی کے سامنے لکھتے جاتے تھے۔ عطاء کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی ۵۔ دارمی میں سلیمان ابن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے نافع کو دیکھا ہے کہ وہ حدیثیں اپنی زبان سے بولتے جاتے ہیں۔ نافع کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا ۶۔ ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۹ میں ہے کہ ایک شخص حسن بصری کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس آپ کی بیان کردہ کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں۔ میں ان کی روایت آپ سے کر سکتا ہوں؟ تو انھوں نے کہا ”ہاں“۔

تہذیب التہذیب میں ہے کہ حمید طویل نے حسن بصریؒ کی کتابیں نقل کی تھیں (جلد ۳ ص ۳۹) حسن بصریؒ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی ۷۔ ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۹ میں ابن جریرؒ کا بیان ہے کہ ہشام بن عروہ کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی ۸۔ تذکرۃ جلد ۱ ص ۸۸ میں ہے کہ ابو قلابہ وفات کے وقت اپنی کتابوں کی وصیت ایوب سختیانی کے لیے کر گئے تھے چنانچہ وہ کتابیں شام سے اونٹ پر بار کر کے لائی گئیں۔ ایوب فرماتے ہیں کہ میں نے بارہ، چودہ درم ان کا کرایہ ادا کیا۔ ابو قلابہ کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی ۹۔ صحیح بخاری

جلد ۱۲ اسلاف المبطا ص ۵، دارمی ص ۶۸ میں ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز نے تمام اطراف سلطنت میں یہ فرمان بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو جمع کرو، چنانچہ ابو یوسف بن حزم (جو ان کی طرف سے مدینہ کے امیر و قاضی تھے) کے پاس جب یہ فرمان پہنچا تو انھوں نے حدیث کے کئی مجموعے تیار کیے۔ مگر ابھی ان کو دربار خلافت میں بھیجے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ عمر بن عبد العزیز کی وفات ہو گئی۔ نیز عمر بن عبد العزیز کے حکم سے ابن شہاب زہری نے بھی حدیثوں کو مدون کیا تھا۔ (تذکرہ المحفاظ جلد ۱ ص ۱۱۱) میں مقرر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ زہری کی حدیثوں کے دفتر کئی اونٹوں پر بار کئے گئے تھے۔ عمر بن عبد العزیز کی وفات ۳۷ھ میں ہوئی۔ لہذا تابعین کے یہ چند واقعات برسیل تذکرہ میں نے پیش کیے ہیں اور ہر واقعہ کے ساتھ صاحب واقعہ کا سن وفات بھی لکھ دیا ہے۔ سین وفات دیکھ کر آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ واقعات وفات نبوی سے صرف سو برس بعد کے ہیں بلکہ اکثر سو برس کے اندر ہی کے ہیں۔

تابع تابعین کے عہد میں حدیث کی کتابت | اب ذرا اور قریب آئیے اور تبع تابعین کا دور نظر کے سامنے رکھیے تو اور زیادہ کتابت حدیث کے واقعات آپ کی نگاہ سے گزریں گے اور حدیثوں کے دفتر کے دفتر آپ کو دکھائی دیں گے جو اس عہد میں لکھے گئے اور ان میں سے بعض آج بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ اس دور میں حدیثوں کے لکھنے کا یہ دستور تھا کہ استاد سے جو حدیثیں سنیں لکھ لیں چنانچہ محمد ابن بشر کا بیان ہے کہ مسعر المتوفی ۱۵۵ھ کے پاس ایک ہزار حدیثیں تھیں۔ میں نے دس کے سوا ساری لکھ لیں (تذکرہ ص ۱۴۷) عبدالرزاق کا بیان ہے کہ میں نے مسعر المتوفی ۱۵۳ھ سے دس ہزار حدیثیں سن کر لکھی ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۷) حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب تھی (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۷) ثوری یمن گئے تو ان کو ایک تیز لکھنے والے کاتب کی ضرورت ہوئی۔ ہشام ابن بوسف کا بیان ہے کہ لوگوں نے مجھ کو پیش کیا چنانچہ میں ان کے لیے حدیثیں لکھا کرنا تھا (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۱۶) ابو نعیم کا بیان ہے کہ میں نے آٹھ سو ستائیس سے حدیثیں لکھی ہیں۔ شعیب بن حمزہ نے بہت زیادہ حدیثیں لکھی تھیں۔ زہری بولتے اور شعیب لکھتے تھے۔ امام احمد نے شعیب کی کتابیں دیکھی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ شعیب کی کتاب بہت صحیح اور درست تھیں۔ شعیب کی وفات ۱۶۳ھ میں ہوئی ہے (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۱۱)

ابو حنوفہ پڑھنا جانتے تھے لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لیے جب حدیث سننے کے لیے جاتے تھے تو دوسرے سے لکھواتے تھے۔ ابو حنوفہ کی وفات ۱۶۳ھ میں ہوئی (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۱۹) ابن ہیثم کے پاس بھی حدیث کی کتابیں تھیں۔ چنانچہ ابن صالح کا بیان ہے کہ میں نے عمارہ ابن غزیرہ کی حدیثیں ابن ابیہدی کی اصل سے نقل کی ہیں۔ ابن ابیہدی نے ۱۶۲ھ میں انتقال کیا (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۲۷) سلیمان بن ابی بلال التوفی

۱۷۶ھ کے مسوعات کی بھی کئی کتابیں تھیں اور اپنے مرنے کے وقت وصیت کر گئے تھے کہ وہ کتابیں عبدالعزیز ابن حازم کو دے دی جائیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۴۹)

ابن المبارک نے اپنی لکھی ہوئی جن حدیثوں کی روایت کی اور لوگوں کو سنایا ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۵۳) غندر کے پاس بھی ان کی مسوعات کی کتابیں تھیں۔ ابن معین کا بیان ہے کہ ان کی کتابیں سب سے زیادہ صحیح تھیں۔ ابن ہمدی کا بیان ہے کہ ہم شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ غندر کی وفات ۱۶۳ھ میں ہوئی (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۷۱)

بہر حال کتابت حدیث کے اس دستور کے علاوہ باقاعدہ تصانیف کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ابن جریر المتوفی ۱۵۱ھ نے یمن میں معمر بن راشد المتوفی ۱۵۳ھ نے، بصرہ میں سیبہ ابن ابی عروہ المتوفی ۱۵۲ھ اور ربیع ابن صبیح المتوفی ۱۵۱ھ نے حدیث کی کتابیں تصنیف کیں اور اسی عہد میں موسیٰ ابن عقبہ المتوفی ۱۵۱ھ اور ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ نے غزوات اور سیرت نبوی پر کتابیں لکھیں اور ان کے بعد امام اوزاعی المتوفی ۱۵۱ھ نے شام میں۔ امام ابن المبارک المتوفی ۱۵۱ھ نے خراسان میں، حماد بن سلمہ المتوفی ۱۶۱ھ نے بصرہ میں، سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ نے کوفہ میں، جریر بن عبد المجید المتوفی ۱۶۱ھ نے رے میں اور شعیب المتوفی ۱۶۳ھ نے واسطہ میں حدیث کی کتابیں لکھیں اور تقریباً اس زمانہ میں امام مالک نے اپنی شہرہ آفاق کتاب موطا تصنیف کی۔ امام مالک نے ۱۷۱ھ میں وفات پائی۔ اسی زمانہ میں ابو معشر سندی نے غزوات نبوی پر کتاب لکھی۔ ابو معشر نے ۱۷۱ھ میں وفات پائی۔

ان حضرات کے بعد ابراہیم بن محمد اسلمی استاد شافعی نے امام مالک کی موطا کے طرز پر اپنی موطا لکھی جس کی نسبت ابن عدی کا بیان ہے کہ موطا مالک سے وہ چند گز بڑی تھی۔ ابراہیم کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی (تذکرہ)۔ یحییٰ بن زکریا بن زائدہ کو فی شاگرد امام اعظم بھی صاحب تصنیف تھے۔ یحییٰ کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۴۶) معانی بن عمران مروسی المتوفی ۱۸۵ھ نے کتاب الحسن، کتاب الزہد، کتاب الادب، کتاب الفتن وغیرہ تصنیف کیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۵)

عبد الرحیم بن سلیمان کنانی نے بھی کئی کتابیں لکھیں (تہذیب جلد ۶ ص ۳۰۶) — امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ نے کتاب الآثار، کتاب الخراج وغیرہ لکھیں — امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ نے موطا کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ تصنیف فرمائیں۔

ولید بن مسلمہ المتوفی ۱۹۵ھ نے حدیث کے مختلف ابواب و موضوعات پر ستر کتابیں لکھیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۳) ابن وہب المتوفی ۱۹۷ھ نے احوال القیامہ اور جامع وغیرہ تصنیف کیں۔ نیز ایک بہت

ضمیمہ موطا بھی ان کی تصنیفات میں ہے۔

محمد ابن فضیل المتوفی ۱۹۵ھ نے کتاب الزہد کتاب الدعا وغیرہ اپنی یادگار چھوڑی۔ اس دور کی تصنیفات میں سے سفیان کی جامع ابن المبارک کی کتاب الزہد والرقائق - امام مالک کی موطا، ابو یوسف کی کتاب الآثار اور کتاب الخراج اور امام محمد کی موطا کتاب الآثار اور کتاب الحج وغیرہ آج بھی موجود ہیں۔

بطور تمثیل یہ چند واقعات ہم نے ذکر کر دیے ہیں۔ ورنہ اس سلسلہ کے تاریخی حقائق کو یکجا جمع کیا جائے تو مستقل طور پر ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ بہر حال حفظ و کتابت حدیث کے اس اہتمام تبلیغ کے ہوتے ہوئے یہ خیال قائم کر لینا کہ زبانی روایت پر دار و مدار ہونے کی وجہ سے حدیثیں کچھ سے کچھ ہو گئی ہوں گی انصاف کا خون اور حقائق سے چشم پوشی اور محض وہم پرستی سے زائد و فہم نہیں ہے۔

روایت میں محدثین کی بے نظیر احتیاط | حدیث کے حفظ و کتابت کے لیے صحابہ کرام و تابعین عظام کا یہ غیر معمولی اہتمام ملاحظہ فرمائے گے بعد اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی حدیثوں کی اشاعت و تبلیغ کے لیے تاکیدیں فرمائیں وہاں اس کی بھی نہایت سخت تاکید فرمائی کہ کوئی غلط بات آپ کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔ اس لیے ابتداء ہی سے محدثین کا گروہ حدیثوں کی روایت کرنے میں بے حد محتاط رہا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ اس ڈر سے کہ بیان کرنے میں کچھ کمی بیشی نہ ہو جائے بہت کم حدیثیں بھٹکتے تھے جیسا کہ حضرت زبیر کا واقعہ صحیح بخاری جلد ۲۱ میں مذکور ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ہے کہ جس حدیث میں ان کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ یہ حدیث خوب اچھی طرح یاد نہیں ہے تو وہ اس کو بیان نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ غلطی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بیان کرتا (دارمی ص ۲۶)

امام ربانی محمد باقر کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر کو سب سے زیادہ اس بات کا اہتمام تھا کہ حدیث میں ذرہ برابر بھی کوئی کمی بیشی نہ ہو (تذکرہ ص ۳۷) چنانچہ صحیح مسلم جلد ۲ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عمر نے یہ حدیث بیان کی کہ بَشَى الْإِسْلَامَ عَلَى حَمْسٍ شَهَادَةٍ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَأَيَّسَاءَ الزَّكَاةَ وَصِيَامَ رَمَضَانَ وَالْحَجَّ وَكَصَّامَ - حضرت ابن عمر نے فراموشی سے اس حدیث کو دہرایا تو یوں کہہ دیا۔ وَالْحَجَّ وَكَصَّامَ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے۔ غور فرمائیے کہ باوجودیکہ معنی میں کوئی غرالی پیدا نہیں

ہوتی تھی۔ پھر بھی جس ترتیب سے حدیث کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منے تھے۔ اس میں یہ معمولی سا تغیر بھی ان کو گوارا نہ تھا۔ دارمی ص ۱۹۸ میں عبد اللہ بن عمر کا ایسا ہی دوسرا واقعہ ایک دوسری حدیث کے باب میں مذکور ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی نسبت تذکرۃ الحفاظ میں مذکور ہے۔

ان کا شمار ان حضرات میں ہے جن کو اولے حدیث میں بے حد احتیاط اور روایت کے بارے میں بڑا تشدد تھا اور وہ اپنے شاگردوں کو الفاظ حدیث کے ضبط کرنے میں مستی پر بہت ڈالتے تھے۔

کان ممن یتحرى فی الاداء
ولیشد فی الروایت وینجد
تلا مذنتہ عن التہاون وضبط
الالفاظ (جلد ۱ ص ۱۹۸)

امام مالک کا یہ حال تھا کہ وہ یا اور تا کا بھی خیال رکھتے تھے یعنی خطاب وغیبت کا تذکرۃ الحفاظ (جلد ۱ ص ۱۹۸)۔ حضرت زید ابن ارقم کا جب بڑھاپا آیا۔ اس وقت کوئی شخص حدیث بیان کرنے کو کہتا تو فرماتے کہ اب ہم بوڑھے ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے (ابن ماجہ) اسی احتیاط کا تقاضا تھا کہ حضرت ابن عمر اپنے شاگردوں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ جب تم حدیث کی روایت کرنے کا ارادہ کرو تو پہلے تین دفعہ اس کو دہرایا کرو (دارمی ص ۱۹۸) نیز اسی شدت احتیاط کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بڑی تاکید تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی حدیث روایت کی جائیں جن پر سنے والے کو یقین ہو۔

صحابہ کرام کی یہ واقعات پڑھنے کے بعد آپ ہی انصاف سے کہتے کہ جس جماعت کو استقدر احتیاط کا پاس و لحاظ ہو اس کی نسبت یہ خیال قائم کرنے کا تو کسی درجہ میں امکان ہی نہیں کہ انھوں نے جان بوجھ کر غلطی تو درکنار کوئی مشکوک بات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہوگی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جب احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حدیثوں کی روایت سے بھی چارہ کار نہ تھا تو لازمی طور پر حدیثوں کو یاد رکھنے اور ان کو بعینہ حافظہ میں محفوظ رکھنے کا انتہائی اہتمام ہوا۔ اس حالت میں بھول چوک سے حدیثوں کا کچھ سے کچھ ہوتا بعید از قیاس ہے۔ خصوصاً جب کہ تاریخ شاہد ہے کہ شروع ہی سے اس کا بھی اہتمام تھا کہ ایک شخص کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو مزید اطمینان کے لیے کوئی دوسرا اس کا مؤید تلاش کیا جاتا تھا جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۹۸ میں مذکور ہے کہ جب حضرت مغیرہ نے یہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو پتے کی میراث کا چھٹا حصہ دلویا ہے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ کوئی اور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو نقل کرنے میں تمہارا شریک

ہے؟ معلوم ہوا کہ حضرت محمد ابن مسلمہ بھی اس کو جانتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اگر شہادت دی تو حضرت ابو بکر نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث بیان کی تو انھوں نے حکم دیا کہ اس پر کوئی دوسری شہادت پیش کرو۔ حضرت ابو موسیٰ انصار کے مجمع میں گئے اور ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں میں کون سی حدیث صحیحہ ہے؟ انھوں نے کہا ہم سب نے یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے ان میں سے ایک انصاری کو ساتھ لیا اور حضرت عمر کے سامنے ان کی شہادت دلائی (تذکرہ ۶)۔

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ ایک حدیث کو بیان کرنا شروع کیا تو فرمایا کہ ڈر تو لگتا ہے کہ کوئی کمی بیشی نہ ہو جائے لیکن عمار نے بھی میرے ساتھ اس حدیث کو سنا ہے اس لیے بیان کرتا ہوں۔ تم عمار کے پاس آدمی بھیج کر ان سے تصدیق کراؤ۔ چنانچہ عمار کو بلا کر پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کی تصدیق کی (ابوداؤد طیبی)۔

صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین نے حدیث کی حفاظت و کثابت و اشاعت کا اہتمام بلینے اسی لیے کیا کہ حدیث

حدیث کی حفاظت کے اصل اسباب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کا جزو اور قرآن کی طرح اسلام کی اساس اور منبع و ماخذ ہے۔ جب حدیث رسول دین کا جزو و قرار پائی تو قدرتی طور پر بھی حفاظت حدیث کا اہتمام ہونا لازمی تھا۔ حضور رب عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے متعلق قرآن کا حکم تھا کہ آپ کا اتباع کیا جائے اور آپ کے طریقہ کو اختیار کیا جائے۔ چنانچہ اسی ہدایت قرآنی کا یہ اثر تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کوئی بات کہتے یا عمل کرتے تو اس پر عملدرآمد کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ شروع ہو جاتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین کے متعلق جو کچھ فرماتے خود بھی اس پر عمل کرتے اور قوم کو اس پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان امور میں بھی حضور علیہ السلام کے اتباع کی کوشش کرتے جو حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص تھے یا جن کو حضور علیہ السلام نے از خود اپنے لیے مقرر کر لیا تھا جیسے صوم و صلا۔ چنانچہ اس دور میں مومن مسلمان کی پہچان یہی ہو گئی تھی کہ جو زندگی کے ہر معاملہ میں حضور علیہ السلام کی ہدایات کو عملی طور پر قبول کئے ہوتے ہو۔ حضور علیہ السلام پانچ وقت خود نماز پڑھاتے تھے اور ہر مکلف مسلمان کے لیے باجماعت نماز ادا کرنا ضروری تھا۔ جو بھی نماز پڑھتا تھا وہ نماز کے مسائل و احکام حضور علیہ السلام کے قول و عمل سے اخذ کر کے نہ صرف اپنے علم میں لے آتا بلکہ ان پر پانچ وقت عمل بھی کرتا تھا۔ حج کا موسم آتا تو حضور علیہ السلام صحابہ کے ہمراہ حج فرماتے اور اس سلسلہ میں جو امور پیش آتے ان کا تصفیہ فرما دیتے۔ سال گزر جانے پر زکوٰۃ کی وصولی کے لیے قاصدوں کو بھیجتے اور زکوٰۃ وصول کی

جانی۔ جنگ کا موقع آنا تو خود سربراہی کے فرائض سرانجام دیتے اور جنگ کے متعلق قواعد و ضوابط بیان فرماتے۔ جنگ ختم ہوتی تو مالی غنیمت کی تقسیم، قیدیوں کا تبادلہ اور اسی نوع کے متعدد امور سے متعلق ہدایات دیتے۔ معاہدہ یا صلح کی ضرورت پیش آتی تو اس کے احکام و مسائل سے آگاہ فرماتے۔ غرض کہ کوئی معاملہ جو تاخواہ دینی یا سیاسی، معاشی، اقتصادی، داخل و خارجی، زرعی و صنعتی، ملکی یا بیرونی، ان سب کے متعلق ہدایت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر فوری طور پر عمل شروع ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز تقریر کے عمل سے گزر کر روزمرہ کے عمل سے رواج پائے اور قوم کی زندگی کا لائحہ عمل اور دستور حیات بن جائے۔ اس کا یقیناً اور اس میں تغیر و تبدل ہونا محال نہیں تو ناممکن ضرور ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ عہد نبوی میں اسلام نے ریاست کی شکل اختیار کر لی تھی اور اسلامی سٹیٹ کا قانون قرآن اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات تھیں۔ مثلاً جب زکوٰۃ کے احکام جاری کیے گئے تو ہر سال ڈھائی روپیہ سیکڑہ کے حساب سے ۵۶ تو لے چاندی ۱۶ تو لے سونے سے وصول کی جانے لگی۔ اسی طرح گائے، بھینس، بکری، بھیڑ، اونٹ کا نصاب مقرر ہوا اور ان کی وصولی کی شرح بھی متعین کی گئی۔ زرعی پیداوار سے بھی مقررہ زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ یہی حال نکاح، طلاق، عدت، میراث، حدود و قصاص، حقوق و معاملات وغیرہ ذالک امور کا تھا۔ ان امور کے احکامات مرتب کر کے علماء و قضاہ، امار و عمال کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ان امور کی تبلیغ کے لیے مبلغ جایا کرتے تھے اور یہ مبلغین صرف تبلیغ ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان پر عمل کر کے دکھاتے تھے اور وہاں کے باشندوں کو اس سے آگاہ کرتے اور اس طرح حدیثوں کو عملی شکل دے کر ان کی حفاظت کی طرح ڈال دیا کرتے تھے۔ یس جو چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے عہد میں قانون بن گئی اس کا محفوظ رہنا لازمی و لا بدی تھا۔ پھر ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو مبلغ احکام کی تبلیغ و نفاذ کے لیے جاتا تو وہاں کے لوگ خود خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس امر کی تصدیق و تحقیق کر لیتے تھے کہ یہ مبلغ حضور علیہ السلام کا بھیجا ہوا ہے یا نہیں اور اس نے جو احکام ہمیں سنائے ہیں وہ آپ کے ہیں یا نہیں۔ ایسے لوگ جب خدمتِ نبوی میں آتے تو حضور علیہ السلام اپنے مبلغ کی تصدیق فرما دیتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری و دیگر کتب حدیث میں ایسے متعدد واقعات مل جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ رواج بھی تھا کہ اگر کسی کو کسی لفظ میں شبہ گزرتا تو اس کو دوبارہ سنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تصحیح کر لیتا جیسا کہ بخاری کتاب العلم باب القراءۃ والعرض علی المحدث میں مذکور ہے۔ یہ کیفیت تو عہد نبوی کی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں بھی حدیث قانونی ماخذ تھی۔ سیدنا صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ادوار میں قرآن مجید کے بعد سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ خلفاء اربعہ اور تمام صحابہ کرام

کی بالاتفاق یہی روش تھی کہ جب ان کے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو پہلے کتاب میں دیکھتے۔ اگر اس میں حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ اگر قرآن مجید میں نہ پاتے تو پھر سنت رسول میں تلاش کرتے اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ حتیٰ کہ اگر ان کو حدیث یاد نہ ہوتی تو صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے دریافت کرتے کہ کسی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث اس معاملہ میں یاد ہو تو بتاتے۔ بسا اوقات جماعت کی جماعت مطلوبہ حدیث بیان کر دیتی تو اس پر صدیق اکبر فرماتے۔

”الحمد للہ کہ ہم میں ایسے لوگ اللہ نے پیدا کئے ہیں جو حدیث یاد رکھتے ہیں (دارمی ص ۳۲) یہی کیفیت تابعین و تابعین کے زمانہ میں تھی۔ وہ بھی ہر معاملہ اور ہر مقدمہ میں سنت رسول اللہ سے روشنی حاصل کر کے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ غور کیجئے کہ جب حدیث رسول اللہ کی تبلیغ و اشاعت کی یہ کیفیت ہو اور اس کے حفظ و تکرار کی یہ نوعیت ہو کہ ہر جگہ میں اس سے مسائل معلوم کئے جائیں تو ایسی صورت میں حدیثوں میں رد و بدل ہو جانے کا دعویٰ کرنا اور احادیث نبویہ کے ذخیرہ کو جعلی قرار دینا انصاف و دیانت کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے (واللہ یبہدہی من یشاء)۔

مختصر حالات امام بخاری نام مبارک محمد، ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ والد ماجد کا نام اسمعیل ہے جو چوتھے طبقہ کے معتبر محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کی حیثیت اور مرتبہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت امام مالک اور حماد جیسے محدثین کی انھوں نے شاگردی کی اور ابن مبارک جیسے شیوخ کی صحبت میں مدتوں رہے۔ اہل عراق نے اکثر حدیثیں ان سے روایت کیں۔ خود امام بخاری نے تاریخ بکیر میں اپنے والد کے فضل و کمال کو بیان کیا۔

نسب امام بخاری کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ محمد بن اسمعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ۔ آپ کے جد اعلیٰ بردزبہ فارس کے رہنے والے اور ذہبیہا جو سی تھے۔ امام صاحب کے جد امجد مغیرہ پہلے شخص ہیں جو اس خاندان میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس زمانہ کے قاعدہ کے مطابق جس شخص کے ہاتھ پر اسلام لائے اسی کی نسبت سے نو مسلم مشہور ہو جاتے۔ مغیرہ چونکہ امیر بخارا ایمان جعفری کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اس لیے جعفری مشہور ہوئے۔ یہ لقب نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا امام تک پہنچا۔ اس بنا پر امام بخاری جعفری کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ امام صاحب کے نام سے زیادہ ان کی وطنیت مشہور ہے۔ اس لیے اس قدر ہر شخص جانتا ہے کہ ان کا اصل وطن بخارا ہے۔ دوسری صدی کے اواخر میں جب بخارا کو امام صاحب کی پیدائش کا شرف حاصل ہوا۔ خلفاء عباسیہ کے زیر حکومت تھا اور مقامی انتظام کے لیے دربار خلافت سے ایک گورنر رہا کرتا تھا۔

ولادت و یتیمی

۳۔ شوال ۱۹۴ھ بروز جمعہ امام صاحب پیدا ہوئے۔ ابھی کھینک کودکے دن ختم نہ ہوئے تھے کہ آپ کے والد اسماعیل یتیمی کا داغ دے کر ہمیشہ کے لیے آپ سے رخصت ہو گئے۔ آپ کی والدہ جن کی سرپرستی اور توجہ پر ان کی ترقی کا دار و مدار تھا ان کو اور ان کے بڑے بھائی احمد کو لے کر بنارس سے مکہ معظمہ چل آئیں۔ وہیں آپ نے نشوونما پائی اور ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ کہا جاتا ہے کہ ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہیں۔ آپ۔ والد آپ کے لیے دور کو بارگاہ النبی میں دعائیں کرتی تھیں کہ ایک دن، رات کو خواب میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ آپ نے فرمایا: تیری دعا قبول ہو گئی۔ صبح کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں روشن تھیں (استغفر اللغات) اس کے بعد آپ کی بیانی کا یہ عالم تھا کہ چاند کی چاندنی میں کتا ہیں لکھتے تھے۔

حلیہ، اخلاق و عادات

امام بخاری کا حلیہ یہ تھا۔ جسم و بلا پتلا، قد میانہ، رنگ گندمی، طبیعت حد درجہ غیور اور خود راہ تھی کہ تمام عمر امرار و سلاطین سے ذلیف قبول نہیں کیا۔ اپنے پدر بزرگوار سے جو کچھ میراث میں ملا اسی پر آخری عمر تک قناعت کی۔ خود تو علم کی خدمت میں مصروف رہے۔ مضاربت کے طور پر تجارت میں شریک ہوتے اور اسی کی تلیل آمدنی سے ضروریات زندگی پوری کرتے۔ زندگی گوہنہ ہی سادہ تھی مگر صفائی کا اس درجہ خیال فرماتے کہ فرش پر ایک تنکا پڑا رہنا گوارہ نہ ہوتا۔ غذا نہایت سادہ کھاتے۔ ایک بار بیمار ہوئے تو اطباء نے آپ کا فارورہ دیکھ کر کہا۔ یہ تو کسی راہب کا وارو ہے جو روٹی کے ساتھ سالن نہیں کھاتا۔ امام سے پوچھا کیا تو فرمایا۔ چالیس سال سے صرف روٹی پر قناعت ہے۔

جوہد و دہن

امام صاحب فطرۃ نہایت قوی المحافظ تھے۔ فطرت کی اس فیاضی سے انھوں نے فن حدیث کی تحصیل میں بہت فائدہ اٹھایا۔ استاد سے جو حدیث سن لیتے فوراً یاد کر لیتے گیارہ سال کی عمر میں آپ نے اپنے شیخ کی غلطی پکڑی۔ ۵۰ سال کی عمر میں ابن مبارک، امام وکیع اور دیگر محدثین کی کتب حدیث کو مع ان کے راویوں کے حالات کے حفظ کیا۔ ۷۰ برس کی عمر میں قضایائے صحابہ و تابعین تالیف کی۔ پھر روئے نبوی کے ہزار میں بیٹھ کر تاریخ کبیر لکھی۔

امام بخاری کے حافظ کا حال حاشد بن اسماعیل نے یوں بیان کیا ہے کہ بخاری ہمارے ساتھ حدیث سننے کے لیے محدثین کی مجلسوں میں جایا کرتے تھے تو لکھتے نہ تھے۔ بہت دنوں تک ہم یہی دیکھتے رہے۔ ان سے اس باب میں ہم کچھ کہتے تو وہ کچھ نہ بولتے۔ ایک دن انھوں نے کہا۔ تم لوگ مجھ کو بہت کہتے رہے۔ لا ارجحہ کو دکھاؤ تم نے اب تک کتنی حدیثیں لکھی ہیں۔ ہم نے دکھایا تو پندرہ ہزار سے زائد حدیثیں تھیں۔ اس کے بعد ہماری بیاضیں انھوں نے ہم کو دیکھیں اور ان حدیثوں کو اپنی یاد سے زبانی سنانا شروع کر دیا تو کل کی کل سادیں۔ ان کی یادداشت

انتی درست تھی کہ ہم نے ان کی یاد سے اپنی بیاضوں کی غلطیاں ٹھیک کیں۔ اس کے بعد بخاری نے کہا کہ تم لوگ سمجھتے ہو کہ میں اپنا وقت برباد کرنے کے لیے روزانہ آتا ہوں (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۳۲ - مقدمہ فتح الباری) خود امام بخاری فرماتے تھے کہ مجھ کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۳۳ مقدمہ ص ۵۴) بخاری کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب وہ بغداد گئے تو وہاں کے محدثین نے متفق ہو کر ان کے حافظ کا امتحان کرنا چاہا اور اس کی یہ صورت تجویز ہوئی کہ سو حدیثیں چھانٹ کر ان کے سند و متن کو الٹ پلٹ کر دکھایا گیا۔ اس کی سند اس کے ساتھ اور اس کی اس کے ساتھ جوڑ دی گئی۔ پھر دس محدث پُچھے گئے اور ان میں سے ہر ایک کو دس دس حدیثیں دی گئی کہ جب مجلس میں سب لوگ باطلیمان بیٹھ جائیں تو ایک آدمی آگے بڑھ کر ایک حدیث تبدیل پڑھ کر امام بخاری سے پوچھے کہ آپ کو یہ حدیث معلوم ہے؟ اسی طرح دسوں حدیثوں کو پڑھ کر پوچھنا جائے۔ جب وہ فارغ ہو جائے تو دوسرا آگے بڑھے۔ اسی طرح دسوں آدمی پوچھیں۔ یہ طے کر کے بخاری کو ایک مجلس میں دعوت دے کر بلا دیا گیا اور بہت بڑا مجمع کیا گیا۔ اس مجمع میں طے شدہ تجویز کے مطابق جو لوگ مقرر ہوئے تھے انھوں نے پوچھنا شروع کیا۔ بخاری نے ہر سوال کے جواب میں کہا کہ میں اس کو نہیں مانتا۔ جب وہ دسوں آدمی پوچھ چکے تو بخاری نے سب سے پہلے پوچھنے والے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے پہلی حدیث یوں پڑھی ہے حالانکہ وہ اس طرح ہے اور دوسری حدیث کی سند یہ بیان کی ہے حالانکہ اس کی سند یوں ہے۔ اسی طرح فرداً فرداً ترتیب کے ساتھ ہر حدیث کی سند و متن کی صحیح نسبت بیان کر گئے۔ اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کے بے مثال حافظ کے قائل ہو گئے (اکمال فی السمار الرجال ص ۶۲) امام صاحب کی اس وسعت معلومات اور معرفت حدیث کو دیکھ کر اکثر علماء کہہ کرتے تھے۔

انما هو آیتہ من آیات اللہ تمشی علی وجہ الارض ما خلق الا للحدیث

امام بخاری خدا کی نشانوں میں سے ایک نشانی ہیں جو زمین پر چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ خدا نے ان کو صرف حدیث کے لیے پیدا کیا۔

مرتبہ و مقام آپ حدیث کے امام اور اس فن میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ محدثین نے آپ کو امام الدنیا، امیر المؤمنین فی الحدیث، ناصر الاحادیث، سبر المحدثین کے معزز القابات سے یاد کیا ہے اور سب نے آپ کے علم و فضل کو تسلیم کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔ خراسان کی زمین میں بخاری جیسا کوئی پیدا نہ ہوا۔ اسحق بن راہویہ نے فرمایا۔ اگر امام بخاری حسن بصری کے زمانہ میں ہوتے تو حسن بصری حدیث وفق میں آپ کے محتاج ہوتے۔ امام ترمذی نے فرمایا۔ میں نے عراق و خراسان میں بخاری سے زیادہ حدیث کا ماہر کسی کو نہ پایا۔ امام مسلم نے فرمایا۔ بخاری بے نظیر شخصیت ہیں۔ احمد بن حمدون کہتے ہیں کہ

ایک مرتبہ امام مسلم، امام بخاری کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے۔ بخاری مجھے اپنے قدم چومنے دو۔ تم سید المحدثین ہو۔ امام محمد بن اسحق نے فرمایا کہ اس آسمان کے نیچے میں نے بخاری جیسا حافظ حدیث کسی کو نہ پایا۔ غرض کہ ایک عالم نے امام بخاری کے علم و فضل، درع، تقویٰ، بؤدیت ذہن و حنفیہ و ضبط، ثقاہت و درایت کا اعتراف کیا ہے جس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

اساتذہ و شیوخ | اگرچہ اس امر کا تفصیلی حال معلوم نہیں ہوتا کہ امام نے ابتداءً کن کن مشائخ سے فن حدیث حاصل کیا۔ لیکن اس قدر مسلم ہے کہ آپ کا فضل و کمال اسحق بن راہویہ اور علی بن مدینی کے فیضانِ تعلیم کا زیادہ ممتون ہے۔ امام کے شوقِ تحصیل حدیث کا یہ عالم تھا کہ بغداد، مصر، خراسان، خوارزم، حجاز و شام میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے امام نے کچھ نہ کچھ اخذ نہ کیا ہو۔ ان تمام شیوخ و اساتذہ کی تعداد ایک ہزار اسی تک پہنچتی ہے۔

امام بخاری کو زمانہ تحصیل علم ہی میں تصنیف و تالیف کا شوق ہوا اور آخری عمر تک جاری رہا۔ آپ نے اٹھارہ یا سترہ برس کی عمر میں کتاب قضایا کے صحابہ و تابعین لکھی۔ تاریخ کبیر مدینہ منورہ کی چاندنی راتوں میں لکھی۔ تاریخ کبیر، تاریخ اوسط، تاریخ صغیر، خلق افعال عباد، رسالہ فرح الیہدین، قرأت خلف الامام، الادب المفرد، التواہدین، کتاب الغفار، الجامع الکبیر، التفسیر الکبیر، کتاب الاشریہ، کتاب الہب، کتاب المبسوط، کتاب الکتبی، کتاب المناقب، کتاب العلل، کتاب الفوائد بھی آپ کی تالیفات ہیں۔

امام کی شہرت و حلقہ درس | پہنچ چکی تھی۔ بڑے بڑے محدثین جو خود امام فن تھے، ان کے کسی مجرورہ حدیث کو امام صاحب تسلیم کرتے تو وہ فخریہ کہتے۔ ہماری ان حدیثوں کو امام بخاری جیسے نقاد نے صحیح تسلیم کیا۔ امام صاحب کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ اسلامی دنیا کے ہر حصہ سے طلباء کی جماعتیں جوق در جوق آکر شریک ہوتیں۔ آپ کے شاگردوں میں حافظ ابو ثعلبی، محمد بن علی ترمذی، ابو عبد الرحمن نسائی، مسلم بن حجاج جیسے محدث نظر آتے ہیں جو صحاح ستہ کے نین جلیل القدر رکن بھی ہیں۔ ابن حزمہ، محمد بن نصر موزی، صالح بن محمد جو آگے چل کر بہت پائے کے مصنف ہیں۔ امام بخاری کے عام شاگردوں میں شاگرد ہیں۔

۱۸۹۹ء کی وفات میں ترمذان میں ہوئی جو خراسان کا ایک شہر ہے۔ آخر عمر میں آنکھوں سے محذور ہو گئے۔ جامع ترمذی آپ کی مشہور تالیف ہے جو جامع کی حیثیت سے بخاری شریف کے بعد درج رکھتی ہے۔ یہ حدیث کے مشہور امام ہیں۔ پیدائش ۲۴۰ھ وفات ۳۲۰ھ نسائی شریف کے مولف ۳۲۰ھ وفات ۳۸۰ھ ہے۔ آپ کی پیدائش ۲۴۰ھ اور وفات ۳۲۰ھ ہے۔ آپ کا اصل وطن نیشاپور تھا۔ مسلم شریف کے مولف ہیں۔ صحاح میں عام طور پر بخاری شریف کے بعد آپ کی صحیح مسلم ہی کو اصرع سمجھا جاتا ہے۔

تحصیل علم کے لیے سفر امام صاحب نے تحصیل علم حدیث کے لیے دور دراز مقامات کے سفر کیے مصر، شام، عراق، کوفہ اور بغداد تک پہنچے۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں نے نہ سماعت

حدیث کے لیے دو دفعہ شام و مصر کا اور چار دفعہ کوفہ و بغداد کا، چھ دفعہ حجاز کا سفر کیا اور شمار نہیں کر سکتا کہ کتنی دفعہ کوفہ و بغداد آیا ہوں اور گیا ہوں۔ امام نے حجاز میں متواتر چھ سال تک قیام کیا۔ بصرہ میں چار بار گئے اور بعض مرتبہ پانچ پانچ برس تک قیام کیا۔ ایام حج میں مکہ چلے جاتے اور فراغت کے بعد پھر بصرہ آ جلتے۔ ان تمام سفروں میں نیشاپور کا سفر امتیازی شان کا تھا۔ آپ جس شان سے نیشاپور میں داخل ہوئے اور جس جوش سے وہاں آپ کا غیر مقدم ہوا۔ اُن کی تصویر خود امام مسلم نے خود ان لفظوں میں کھینچی ہے۔

”امام بخاری جب نیشاپور تشریف لائے تو اس دھوم دھام سے ان کا استقبال ہوا کہ والیان ملک اور سلاطین کو بھی نصیب نہ ہوا ہوگا۔“

جلا وطنی اور بخارا کو مراجعت لیکن نیشاپور آپ کو بعض حاسدوں کی زیادتیوں کی وجہ سے چھوڑنا پڑا اور پھر آپ بخارا واپس ہوئے۔ اہل بخارا کو جب معلوم ہوا کہ ان کا ہم وطن کمالِ شہرت کی خلعت سے آراستہ ہو کر پھر اپنے وطن کو آ رہا ہے تو جوشِ مسرت میں استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ شہر سے دو کوس کے فاصلہ پر امرار شہر نے خیر مقدم کیا اور درہم و دینار بچھا کر دینے ہوئے نعرۂ بکیر کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ شہر میں لائے۔ بخارا میں کچھ دن تو آرام و راحت سے زندگی بسر ہوئی لیکن آخر میں اپنی غیر طبیعت کی بدولت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ امیر بخارا نے آپ کو جلا وطن کر دیا اور آپ مقام خرتنگ میں مقیم ہو گئے۔

خرتنگ میں قیام اور وفات امام صاحب کے بعض رشتہ دار سمرقند کے چھوٹے سے قریہ خرتنگ میں رہنے لگے تھے۔ امام صاحب بخارا سے نکل کر وہاں چلے آئے اور آخر عمر تک وہیں رہا۔ جلا وطنی کا ان کو سخت صدمہ تھا۔ ایک روز نمازِ تہجد سے فارغ ہوئے تو زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

”الہی باوجود وسعت کے تیری زمین میرے لیے تنگ ہو گئی ہے۔ اس لیے اب مجھے اٹھالے۔“

ابھی پورا مہینہ نہیں گزرا تھا کہ بعد نمازِ عشاء آپ کی رحلت ہوئی۔ آپ شوال کی ۳ تاریخ کو پیدا ہوئے اور شوال ہی میں وفات پائی۔ سالِ پیدائش ۳ شوال ۱۹۴ھ ہے اور سالِ وفات ۱۰ شوال ۲۵۶ھ ہے۔

۵۷ امیر بخارا نے امام صاحب سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ دوبار میں آکر مجھے بخاری و تاریخ کبیر سنائیں۔ نیز قصر شاہی میں ان کے شہزادوں کو تعلیم بھی دیں۔ امام نے اس کی اس خواہش کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میں علم کو ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ میری مجلس عام ہے جس کی چاہے اگر شریک ہو۔ امیر بخارا کو آپ کا یہ استغناء ناگوار گذرا۔ حکم دیدیا کہ ہمارے شہر سے نکل جائیے (اکمال فی اسما الرجال ص ۶۲)

اس حساب سے تیرہ دن کم باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ دوسرے دن جب خبر مشہور ہوئی تو سمرقند میں ہنس مکھ مچ گیا۔ دھوم دھام سے جنازہ اٹھایا گیا اور بیٹے بڑے علماء و امراء باچشم نم نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ نماز ظہر کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ جنازہ کے بعد جب آپ کے چہرہ سے کھن اٹھایا گیا تو مشک و عنبر کی خوشبو سے لوگوں کے دماغ معطر ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ کی قبر سے عرصہ تک خوشبو آتی رہی۔ شیخ الاسلام امام الدیناریس رئیس المحدثین ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ عرض کی گئی حضور علیہ السلام کس کا انتظار ہے؟ فرمایا۔ محمد بن اسماعیل بخاری کا۔

تاریخ ولادت :- آپ کی تاریخ ولادت صدق مدت عمر حمید وفات ۲۵۶ھ کے الفاظ سے نکلتی ہے۔ طاب اللہ ثراہ

مولوی وحید الزمان جو وہابی خیال کے تھے انھوں نے بھی لکھا کہ امام بخاری کی قبر کی مٹی سے خوشبو آتی تھی اور لوگ کئی روز تک ان کی قبر کی مٹی بطور تبرک لے جاتے رہے۔ ۲۔ ۲۶۲ھ میں سمرقند میں قحط پڑا تو لوگ امام بخاری کی قبر مبارک پر آئے وہاں روئے اور آپ کی قبر کے وسیلہ سے پانی مانگا۔ اسی وقت شدت کی بارش ہوئی جو سات روز تک جاری رہی اور غریبوں کے لوگ بارش کی وجہ سے سات روز تک گھروں سے نہ نکل سکے ۳۔ صد ہا متباہ نے تجربہ کیا صحیح بخاری کا ختم ہر مطلب و مقصد کے لیے مجرب ہے ۴۔ امام صاحب کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند موئے مبارک تھے جن کو وہ اپنے لباس میں بطور تبرک رکھتے تھے (فہیبل القاری ص ۳۳ مصنفہ مولوی وحید الزمان صاحب)

تدوین بخاری امام خود بیان کرتے ہیں کہ صحیح بخاری کی تدوین کا محرک ایک خواب ہوا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں اور میں پکچھے سے ہوا کر رہا ہوں۔ معتبرین نے اس کی تعبیر دی کہ بخاری تم حضور علیہ السلام سے جھوٹ کو جدا کرو گے یعنی آپ کے ارشادات کو صحیح جمع کرو گے۔ چنانچہ اس کے بعد میرے دل میں صحیح بخاری کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا اور سولہ سال کے عرصہ میں اس کی تکمیل ہوئی۔ امام نے سب سے پہلے اس کا مسودہ مسجد حرام میں بیٹھ کر لکھا۔ لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ضروری عنوان لکھ لیتے تھے پھر ہر عنوان کے نیچے حدیث درج کرتے۔ ہر حدیث کے اندراج سے پہلے آپ زمرہ سے غسل فرماتے۔ مقام ابراہیم میں دو رکعت نفل استسحار پڑھتے تھے۔ بعدہ حدیث قلمبند فرماتے۔ مسودہ مکمل کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں روضہ مبارک و منیر اقدس کے درمیان بیٹھ کر مسودہ کو دوبارہ لکھا۔ شیخ عبدالحی محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ بعض صلحاء نے خواب میں دیکھا کہ جس

بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قدم مبارک رکھتے ہیں ٹھیک اسی جگہ امام کا قدم پڑتا ہے۔

صحیح بخاری کا پورا نام | یہ ہے۔ "الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ و سنتہ و ایامہ۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)" امام نے جن امور کا اس کتاب میں ذکر کیا ہے ان سب کی طرف نام ہی میں اشارہ کر دیا ہے انجام کتب حدیث کی مختلف قسمیں ہیں جیسے مسند، مستخرج، مسند رک وغیرہ۔ جامع بھی کتب احادیث کی ایک قسم ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں جامع اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل آٹھ باتیں پائی جاتی ہیں:-

۱۔ سیر پیش منقول روایات۔ سیر و ایام فقہاء محدثین کی اصطلاح میں ان روایات کو کہتے ہیں جو غزوہ بدر و جہاد سے متعلق ہوں ۲۔ آداب پیش منقول روایات ۳۔ تفسیر قرآن سے متعلق روایات ۴۔ عقائد یعنی وہ روایات جن میں ایمان کے اصول و فروع کا بیان ہو ۵۔ وہ روایات جن میں فتنوں اور آزمائشوں کی خبریں ہوں ۶۔ احکام یعنی وہ روایات جن میں امر و نہی کی توضیحات ہوں ۷۔ مناقب یعنی وہ روایات جن میں افراد کے یا قبائل کے یا قریلوں اور بستریوں کے مناقب درج ہوں ۸۔ وہ روایات جن میں علامات قیامت کا بیان ہو۔ یہ ہیں وہ آٹھ امور جن کا اجتماع کسی کتاب کو اصطلاحاً جامع بناتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں یہ تمام اجزاء موجود ہیں۔

ب۔ صحیح کے متعلق بس یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے تمام راوی عادل ثقف ہوں۔ مسند متصل ہو۔ مسند یعنی متصل جو منقطع اور مرسل کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ جس کا اصطلاحی مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کوئی راوی نہ چھوٹا ہو۔ امام نے چونکہ نام ہی میں من احادیث رسول اللہ کا لفظ رکھ دیا ہے اس لیے المسند کا مطلب یہ ہوا (مرفوع و متصل احادیث) یعنی وہ حدیثیں جن کے راویوں کا سلسلہ بیان کرنے والے سے لے کر حضور علیہ السلام تک بلاشبہ ملا ہوا ہو اور صحابی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طنائت ہو۔ سننہ و ایامہ یعنی اس مجموعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و ایام درج ہوں۔ امام نے سنن و ایام سے حضور علیہ السلام کی فعلی احادیث اور لفظ احادیث سے حضور علیہ السلام کی قولی احادیث مراد لی ہیں۔ یہ نہیں تو پھر لفظ حدیث کہنے کے بعد خصوصیت کے لیے سنن و ایام کا ذکر کیا ہے۔

احادیث کی تعداد۔ امام بخاری کو کچھ لاکھ حدیثیں مع ان کے راویوں کے نام و حالات کے یاد تھیں۔ سات ہزار دو سو پچھتر مسند حدیثیں آپ نے بخاری میں درج کیں۔ کمرات کو علیحدہ کر دیا جائے تو چار ہزار حدیثیں ہیں۔ صحیح بخاری میں ایک سو ساٹھ کتاب ہیں اور تین ہزار چار سو باب ہیں۔ ان تمام شیوخ کی تعداد جن سے بخاری میں حدیثیں لی گئیں ۲۰۸۹ ہیں۔ تیرہ سو چالیس مشائخ ایسے ہیں جن سے مسلم نے روایت نہیں کی صرف امام بخاری نے روایت

کی۔ صحیح بخاری میں بائیس حدیثیں ثلاثیات ہیں جن پر امام کو فخر ہے اور بخاطور پر فخر ہے۔ ثلاثیات اس حدیث کو کہتے ہیں جو صرف تین راویوں کے واسطے سے حضور علیہ السلام تک پہنچے۔

صاحیح ستۃ۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں۔ جمہور محدثین کے نزدیک صحیح بخاری تمام کتب مصنفہ پر مقدم ہے۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ جمہور صحیح بخاری کو مسلم پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بحث بھی کی ہے کہ ان دونوں میں اصح کون ہے۔ جس کی تفصیل طول و طویل کلام کو چاہیے ہے۔ صحیح کی تعریف میں امام بخاری و مسلم کے مابین جو اختلاف ہے اس کی بحث بھی کافی طویل ہے۔ پھر شذوذ اعلال کا بحث نہایت پیچیدہ اور دقیق ہے جسے عوام کا مزاج بھی چھضم نہ کر پائیگا۔

۲۔ متفق علیہ وہ حدیث ہے جس کو بخاری و مسلم دونوں نے تخریج کیا ہے۔ اسی کو ”اخر جہ الشیخان“ کہتے ہیں۔ تمام احادیث متفق علیہ دو ہزار تین سو چھپیس (۲۳۲۶) ہیں۔ مذہب جمہور یہ ہے کہ سب سے بلند درجہ حدیث صحیح متفق علیہ کا ہے۔ پھر اس کو جسے تنہا بخاری لائے۔ پھر اس کا جس کو تنہا مسلم نے ذکر کیا۔ پھر اس کا جو بخاری و مسلم کی شرطوں پر ہو۔ پھر اس کا جو بخاری کی شرط پر ہو۔ پھر اس کا جو مسلم کی شرط پر ہو۔ پھر بخاری و مسلم کے سوا ان آئمہ کی حدیثوں کا مرتبہ ہے جنہوں نے التزام صحت کا کر کے صحیح کی ہیں۔ شرط بخاری و مسلم کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے راوی ان شرطوں کے ساتھ متصف ہوں۔ جس کی رعایت بخاری و مسلم نے کی ہے جیسے راوی کا ضبط، عدالت وغیرہ۔ بہر حال بخاری حدیث نمبر کا نہایت معتبر ذریعہ ہے اور بہت ہی مقبول کتاب۔ اس کی محبوبیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عربی زبان میں تقریباً ستر سے زیادہ بخاری کی شرحیں موجود ہیں۔ واضح ہو کہ تمام صحیح حدیثیں صرف بخاری میں منحصر نہیں ہیں۔ خود بخاری نے بہت سی ایسی حدیثوں کو چھوڑا ہے۔ جو صحیح ہونے کے باوجود ان کی شرط پر نہیں۔ ان کو امام حاکم ابو عبد اللہ شیخ ابوری نے مستدرک میں جمع کیا ہے اور کہا۔ علی شرط بخاری۔

کتب حدیث کی تعریفات | صحاح ستہ میں مذکور بالا اصطلاح کے مطابق اجماع صرف بخاری، ترمذی اور ترمذی شریف ہے۔ مسلم شریف کو بعض حضرات قلت تفسیر کی وجہ سے جامع نہیں کہتے اور بعض اس قلت کو نظر انداز کر کے مسلم پر بھی جامع کا اطلاق کر دیتے ہیں ۱۔ مسنن جس میں بترتیب ابواب فقہ صرف احکام مذکور ہوں۔ صحاح ستہ میں یابن معنی سنن، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ ۳۔ مسند جس میں صحابہ کرام کی احادیث بترتیب مراتب مذکور ہوں ۴۔ معجم جس میں شیوخ کی احادیث بترتیب مراتب ذکر کی جائیں ۵۔ جزء جس میں صرف ایک مسئلہ کے متعلق احادیث جمع کر دی جائیں ۶۔ مفرد جس میں صرف ایک شخص کی روایت کردہ احادیث ذکر کی جائیں ۷۔ غریبہ

حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صرف ایک تعلیم کے تفادات کا ذکر ہو۔

مصطلحات حدیث اب قارئین کے اضافہ معلومات کے لیے حدیث کے اصطلاحی ناموں اور قسموں کو حسب ضرورت بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی کوئی حدیث جو واقعہ میں حدیث ہے وہ غلط یا ناقابل عمل نہیں ہو سکتی۔ حدیث کی ترجمیں بیان کی جاتی ہیں اور جو احکام بتاتے ہیں وہ صرف راویوں سے متعلق ہیں۔ یعنی یہ کہ راوی کس مرتبہ کا ہے اور یہ کس سے روایت کر رہا ہے اور روایت کا سلسلہ کہاں تک ہے۔ حضور علیہ السلام تک ہے یا صحابیؓ یا تابعیؓ یا تابعیؓ۔ پھر اس حدیث کو بیان کرنے والے بہت ہیں یا ایک یا چند وغیرہ وغیرہ۔

علم اصول حدیث ۱۔ اصول حدیث - ایسے قواعد و ضوابط کا جانا جن سے حدیث کی سند اور متن کے حالات معلوم ہوں ۲۔ متن حدیث - حدیث کے ان الفاظ کو کہتے ہیں جو معانی مقصودہ پر دلالت کرتے ہوں ۳۔ سند - حدیث کے تین راویوں کو کہتے ہیں ۴۔ علم حدیث - وہ علم ہے جس کے ذریعہ حضور سرور کائنات علیہ السلام کے قول، فعل اور تقریر معلوم ہو ۵۔ علم حدیث کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہے۔ اس لحاظ سے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری اور سچے رسول ہیں ۶۔ علم حدیث کی غرض یہ ہے کہ احکام خداوندی پر صحیح طور پر اللہ کی فطرت کے مطابق عمل کر کے دارین کی سعادت حاصل کی جائے۔

حدیث کی تعریف ۱۔ حضور علیہ السلام کے قول فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں ۲۔ افعال سے حضور علیہ السلام کے وہ احوال مراد ہیں جو آپ کی ذات اقدس سے ظاہر ہوئے اور ان کے اتباع کا حکم بھی دیا گیا۔ اس قید سے آپ کے طبعی اور خصوصی امور خارج ہو گئے ۳۔ بعض جمہور نے صحابہ و تابعین کے قول و فعل اور تقریر کو بھی حدیث سے موسوم کیا ہے ۴۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے کسی نے کوئی کام کیا یا حضور علیہ السلام نے کسی کے کام پر اطلاع پائی اور آپ نے انکار نہ فرما کر اس کی تائید فرمادی اور اس پر سکوت فرمایا۔

حدیث کی قسمیں مرفوع موقوف ۱۔ مرفوع وہ حدیث ہے جس کی سند حضور اکرم علیہ السلام تک پہنچ جائے۔ مثلاً کہا جائے حضور علیہ السلام نے فرمایا ۲۔ موقوف وہ حدیث ہے جو کسی صحابی تک پہنچے مثلاً کہا جائے ابن عباس نے فرمایا ۳۔ مقطوع وہ حدیث ہے جس کی سند تابعی تک پہنچے۔

فائدہ ۱۔ اثر، موقوف اور مقطوع حدیث کو کہتے ہیں۔ بعض حدیث مرفوع کو بھی اثر کہہ دیتے ہیں جیسے

ادعیہ ماثورہ و دعار ماثورہ ۲۔ خبر اور حدیث دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ مگر بعض محدثین نے حدیث کو حضور علیہ السلام صحابہ اور تابعین کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور لفظ خبر کا اطلاق بادشاہوں کے قصے اور تاریخی واقعات پر کیا ہے۔

متواتر مشہور | باعتبار اس بات کے کہ راوی ہم اصل حدیث کس طرح پہنچی۔ چار قسم پر ہے۔ ۱۔ متواتر وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی کثرت اس درجہ کو پہنچ گئی ہو کہ عادت ان کے جھوٹ پر متفق ہونے کو محال جانے ۲۔ مشہور وہ حدیث ہے جس کو دو سے زیادہ راوی روایت کریں اسی کو مستفیض بھی کہتے ہیں ۳۔ عزیز وہ حدیث ہے جس کو دو راوی روایت کریں اور تمام اسناد میں کہیں دو سے کم نہ ہوں ۴۔ غریب وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ اسناد میں کہیں نہ کہیں تفرّد یعنی ایک ہونا پایا جائے۔

فائدہ: اور مشہور کے علاوہ، عزیز، غریب کو اخبار احاد کہتے ہیں۔ یعنی خبر واحد وہ ہے جو جامع شروط توازن نہ ہو۔ اور شہرت کو نہ پہنچتی ہو۔

فائدہ: حدیث مرفوع تین قسم پر ہے۔ قول، فعلی، تقریری۔ ان سب کے معنی مائل ظاہر ہیں۔ خبر واحد مقبول کی قسمیں | راجع ہوں اور اس کا سچا ہونا ثابت ہو گیا ہو تو یہ مقبول ہے ورنہ مردود۔ حدیث مقبول عند الجمهور واجب العمل ہے۔ خبر واحد مقبول کی چار قسمیں ہیں ۱۔ صحیح لذاتہ۔ وہ ہے جو از خود عادل تام الضبط کی نقل سے متصل السند ثابت ہو اور اس میں کوئی قصور اور نقصان نہ ہو ۲۔ صحیح لغيرہ۔ جس کی صفات مذکورہ میں کسی قسم کا نقصان ہو اور کثرت طرق سے اس کے نقصان کی تلافی ہو گئی ہو ۳۔ حسن لذاتہ۔ جس کے نقصان کی تلافی نہ ہوئی ہو اور نقصان صرف ضبط میں ہو اور باقی صفات میں اپنے حال پر ہوں ۴۔ حسن لغيرہ وہ ضعیف حدیث ہے جس میں تعدد طرق سے اس کے ضعف کی تلافی ہو گئی ہو۔ مگر اسکی تمام صفات میں نقصان راہ پاتا ہو۔

فائدہ: حدیث ضعیف وہ ہے جس میں وہ شرطیں نہ پائی جاتی ہوں جو صحیح اور حسن میں معتبر ہوں۔ ۱۔ حدیث متصل۔ اگر حدیث کے راویوں سے کوئی راوی درمیان سے نہ چھوٹے تو اس کو حدیث متصل کہتے ہیں ۲۔ منقطع وہ حدیث ہے جس کے ایک یا زیادہ راوی چھوٹ جائیں۔ ایک جگہ سے پیچ چھوٹے ہوں یا دو تین جگہ سے ۳۔ معلق وہ ہے کہ ابتداء کے سند میں ایک یا زیادہ راوی چھوٹ گئے ہوں جیسے کہ دیتے ہیں۔ قال رسول اللہ (حضور علیہ السلام نے فرمایا) اس میں ابتداء سند سے تمام راوی چھوٹ دیئے گئے اور کہہ دیا گیا قال رسول اللہ

۴۔ مرسل وہ ہے جس میں آخر سند سے بعد تابعین کے راوی ساقط کر دیتے گئے ہوں مثلاً تابعی کے قال۔ رسول اللہ ۵۔ مفصل وہ ہے جس میں اثنائے اسناد میں دو راوی پیہم ساقط ہو گئے ہوں ۶۔ مُدَّلس اس فعل کو تدلیس، قائل کو مدلس کہتے ہیں۔ تدلیس یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کا نام نہ لے اور اس سے اوپر کے شیخ سے روایت کرے اور لفظ ایسا لائے جس میں سماع کا وہم ہو۔ تدلیس بعض اوقات مذہبم ہوتی ہے اور بعض موقع پر نہیں ہوتی ۷۔ مضطرب وہ حدیث ہے جس کی اسناد یا اصل متن میں راوی سے اختلاف واقع ہو جائے ۸۔ مدح وہ ہے جس میں راوی کسی غرض یا مصلحت کی وجہ سے اپنا ذاتی کلام حدیث کے درمیان لے آئے ۹۔ روایۃ بالمعنی کا مطلب یہ ہے کہ راوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصل کلمات ذکر نہ کرے بلکہ حضور علیہ السلام کے نشانہ کو اپنے ذاتی لفظوں میں ادا کرے۔

فائدہ: یہ اس وقت جائز ہے جب کہ راوی عربی جانے اور اسالیب کلام، خواص عبارات اور مفہومات خطابات سے واقف ہو تاکہ روایت بالمعنی میں خطا کی یا زیادتی ہو سنے کا امکان نہ رہے۔

۱۰۔ مُسْنَد وہ حدیث مرفوع ہے جس کی سند متصل ہو ۱۱۔ مشاذ وہ حدیث ہے جو ثقہ اور معتبر راویوں کی روایت کے مخالف ہو ۱۲۔ مُشْکُور۔ وہ حدیث ہے جس کا راوی فسق، غفلت کی زیادتی اور غلط گوئی کے ساتھ مطعون ہو ۱۳۔ مُعَلَّل۔ اس اسناد کو کہتے ہیں جس میں ایسے اسباب اور علتیں ہوں جو اس کی صحت کے لیے قاصر ہوں ۱۴۔ عَنْعَنْہ یعنی عن فلان عن فلان کہہ کر روایت کرنا۔ ۱۵۔ مَعْنَعْن جو بطریق عنعنہ روایت کی جائے وہ حدیث معنعن ہے ۱۶۔ مُتَنَایِع۔ جس کو راوی دوسری حدیث کے موافق روایت کرے اس سے حدیث میں قوت پیدا ہوتی ہے ۱۷۔ شَہِد۔ جس کو راوی دوسری حدیث کے موافق روایت کرے اور وہ دونوں دو صحابیوں سے مروی ہوں۔

صحابی | اس شخص ہے جس نے عالم بیداری میں ایمان کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔ ۲۔ تابعی بشرائط مذکورہ صحابی کو دیکھنے والے کو کہتے ہیں۔

صفات قبولیت | یہ ہیں۔ عدالت، تقویٰ، ضبط، اتصالِ سند ۱۔ عدالت اس کیفیتِ راستہ در نفس کا نام ہے جو ملازمت تقویٰ اور استعمالِ مروت پر ہر وقت انسان کو آمادہ کار رکھے۔ مروت سے مراد یہ ہے کہ شہس افعال سے بھی پرہیز کرے جیسے بازار میں کھانا اور شارع عام پر پیشاب کرنا وغیرہ ۲۔ تقویٰ۔ شرک، جلی و خنی اور گناہ و کبیرہ، فسق و بدعت وغیرہ اعمالِ بد سے کنارہ کش رہنے کا نام ہے۔ صغیر گناہ سے بچنا اگرچہ شرط نہیں ہے مگر صغیرہ پر اصرار اور دوام بھی کبیرہ گناہ ہو جاتا ہے

۳۔ ضبط صلہ یہ ہے کہ سنی ہونی بات کو اس طرح یاد رکھنا کہ بوقت ضرورت بلا کسی دقت کے من و عن یاد آجائے اور اس کو راوی زبان سے ادا کر دے۔ ضبط کتاب کا مطلب یہ ہوا کہ جس کتاب میں حدیث نبوی کو لکھا ہے اس کتاب کو کلام کے وقت تک اپنے پاس رکھے اور اس میں تغیر و تبدل نہ ہونے دے۔ ۴۔ اتصال سند۔ سلسلہ روایت میں کوئی بھی راوی چھوٹا ہوا نہ ہو۔ فائدہ۔ تحلل حدیث میں ایسے نقص یا علت کا پایا جانا جو اس حدیث کے رد و قبح کا موجب ہو۔ شذوذ کسی ثقہ راوی کا اپنے سے زیادہ ثقہ اور معتبر راوی کی روایت میں کسی قسم کی مخالفت کرنے کا نام ہے۔ احکام میں خبر صحیح لذاتہ سے حجت پکڑنے پر اجماع ہے۔ اسی طرح حسن لذاتہ ہے اکثر کے نزدیک اور یہ حجت پکڑنے میں صحیح کے ساتھ ملحق ہے اگرچہ مرتبہ میں کم ہے اور چونکہ تعدد طرق سے ضعیف حدیث بھی حسن کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے اس لیے اس سے بھی حجت پکڑی جائے گی اور بعض نے کہا ہے کہ اگر باوجود صدق و دیانت کے بعض رواۃ کے سور حفظ یا اختلاط یا تدلیس کی وجہ سے حدیث میں منعت ہو تو تعدد طرق سے اس کا جبر ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر ضعیف حدیث، اتہام کذب راوی یا شذوذ یا خطا فحش کی بنا پر ہو تو تعدد طرق سے جبر نہیں ہو سکتا۔ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں مقبول ہوتی ہے۔

۱۔ وجوہ طعن۔ وجوہ طعن دس ہیں۔ اول جو عدالت راوی کے متعلق ہیں وہ پانچ ہیں۔ کذب راوی، اتہام راوی، کذب فسق، جہالت، بدعت ۱۔ کذب راوی یہ ہے کہ اس کا حدیث نبوی میں جھوٹ، لوٹنا ثابت ہو جائے۔ اگر کسی سے عمر میں ایک بار بھی حدیث نبوی میں قصد کذب ثابت ہو جائے تو توبہ کے باوجود اس کی روایت کردہ حدیث کبھی مقبول نہ ہوگی۔

فائدہ۔ موضوع حدیث وہ ہے جس کا راوی کذب کے ساتھ مطعون ہو۔

۲۔ اتہام راوی کذب یہ ہے کہ راوی باتیں کہنے میں جھوٹا ثابت ہو گیا ہو۔ اگرچہ اس کا جھوٹ حدیث نبوی میں ثابت نہ ہو۔ ایسا شخص اگر توبہ کر لے اور توبہ کا ثبوت عملی طور پر دے تو اس کی حدیث مانی جاسکتی ہے۔ ہاں اگر بطریق اتفاق، راوی کا حدیث کے سوا کسی اور بات میں کذب ثابت ہو تو ایسے راوی کی حدیث کو موضوع یا متروک نہیں کہہ سکتے۔ حدیث متروک وہ ہے جس کا راوی متہم کذب ہو یا اس کی روایت شریعت کے قواعد معلومہ ضروریہ کے خلاف ہو ۳۔ فسق سے مراد وہ قول یا فعلی فسق ہے جو مرتبہ کفر کو نہ پہنچے اور فسق اعتقاد یا مانند اعتزال اور رفض وغیرہ بدعت میں داخل ہے ۴۔ جہالت۔ راوی کا نام معلوم نہ ہو تو جب نام ہی معلوم نہ ہوگا توبہ بھی معلوم نہ ہو سکے گا کہ راوی ثقہ ہے یا کیا ہے؛ اس کی مثال یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ فلاں نے یہ بات کہی۔ فائدہ۔ حدیث مبہم وہ ہے جس کا راوی مجہول ہو۔ ایسی حدیث مقبول نہیں ہوتی۔

مگر جب کہ وہ صحابی ہو تو پھر مقبول ہیں کیونکہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں۔

۵۔ بدعت یہ ہے کہ کسی امر کی نسبت ایسا اعتقاد کر لینا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ سے ثابت شدہ اعتقاد کے خلاف ہو۔ یعنی دین میں کسی غیر ثابت شدہ امر کو فرض یا واجب قرار دینا۔ بدعت کی حدیث مردود ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو ضروریات دین میں سے کسی امر متواتر کا منکر ہے مردود ہے۔

۲۔ وجوہ طعن | جو ضبط سے متعلق ہیں وہ بھی پانچ ہیں۔ فرط غفلت، کثرت غلط، مخالفت ثقات، دوہم، سورِ حفظ (۲، ۱) فرط غفلت و کثرت غلط کا مطلب یہ ہے کہ راوی حدیث کے سننے

یا سنانے میں غلطی کرے ۲۔ مخالفت ثقات۔ اسناد یا متن حدیث میں ثقہ اور مقبر راویوں کے خلاف ہو۔

۴۔ دوہم، راوی دوہم یا نسیاں کی وجہ سے خطا کرے اور اپنے توہم پر روایت کرے۔

فاسدہ ۵۔ معطل وہ ہے جس حدیث کے متعلق راوی کے توہم پر قرآن دالہ معتبرہ سے اطلاع ہو جائے اور یہ حدیث میں بہت سخت اور دُشوار ہے ۵۔ سورِ حفظ یہ ہے کہ راوی حدیث حافظ کی کمزوری میں مبتلا ہو اور خطا و نسیان اس کو غالب ہو۔ اگر سورِ حفظ کسی کو تمام عمر لازم رہے تو اس کی حدیث معتبر نہیں ہوگی۔

فاسدہ ۶۔ مختلط وہ حدیث ہے جس کے راوی کو بڑھاپے کی وجہ سے سورِ حفظ باریض ہو یا وہ نابینا ہو جائے یا جس میں اس نے حدیثیں لکھ رکھی ہیں وہ کتاب کم ہو جائے۔

واضح ہو کہ ہم نے عوام کی سمجھ کا لحاظ رکھتے ہوئے صرف مقدمۃ الکتاب کی مناسبت سے یہ ضروری باتیں لکھ دی ہیں ورنہ یہاں بڑی علمی بحثیں ہیں اور طویل مباحث ہیں جن کو مجبوراً ترک کرنا پڑ رہا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے

افتتاح کتاب | مصنف کتاب و مؤلف رسالہ کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ اپنی کتاب کو اللہ تعالیٰ و جل کے ذکر اور اس کی حمد و ثناء سے شروع کرے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے

متحدہ احادیث میں اس کی تاکید فرمائی ہے۔

۱۔ كُلُّ امْرِئٍ دُخِيَ بَالِ كَتْمِ نَبْدٍ اَفِيْهِ
يَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَذْكُرُ اللّٰهَ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ فَهُوَ اَقْطَعُ

۲۔ كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَا فِیْهِ بِحَمْدِ
اللّٰهِ فَهُوَ اَجْزَمُ (نسائی)

کسی بھی عزت والے کام کو اللہ تعالیٰ کے ذکر یا بسم اللہ سے نہ شروع کیا جائے تو وہ قطع ہے۔

کسی کلام کو حمد الہی سے افتتاح نہ کیا جائے تو وہ اجزم ہے۔

۳۔ تَحْلِي أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَكَرْيُبًا فَيُحْدِ بِالْحَمْدِ فَهُوَ أَقْطَعُ
کسی عزت والے کام کو حمد الہی سے شروع نہ کیا جائے تو وہ قطع ہے۔

اقتطع اور اجزء کے حاصل معنی یہ ہیں کہ وہ کام قلیل البرکت ہو گا یا اس میں برکت نہ ہوگی۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امر ذی شان کو خدا کی حمد و ثناء سے شروع کرنا چاہیے تاکہ اس میں برکت ہو لیکن امام بخاری نے اپنی تالیف کو صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا ہے۔

شارحین | اس لیے نہیں لکھی تاکہ اللہ اور رسول کے کلام پر تقدیم لازم نہ آئے۔ قرآن مجید میں فرمایا۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو (نہ قول میں اور نہ فعل میں)

اس آیت کی رعایت ملحوظ رکھ کر امام بخاری نے حمد تحریر نہیں کی اور صرف بسم اللہ پر اکتفا کیا جو کلام الہی ہے مگر یہ جواب متعذر و جرح سے ضعیف ہے۔ اولاً اس لیے کہ قرآنی الفاظ سے بھی حمد ممکن تھی مثلاً یوں کہتے الحمد للہ رب العالمین اور اس طرح اللہ اور رسول کے کلام پر تقدیم لازم نہ آتی۔ ثانیاً آیت میں اس تقدیم کی ممانعت ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر ہو اور جو اجازت ہو وہ منوع نہیں ہے اور حمد اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ اطاعت رسول کا حکم اللہ نے دیا اور اللہ کے رسول نے ہر شاندار کام سے پہلے حمد بجالانے کا حکم دیا تو تقدیم حمد اجازت پر مبنی ہوئی۔ لہذا یہاں تقدیم ممنوع نہیں ہو سکتی۔ ثالثاً مذکورہ بالا جواب اس لیے بھی ضعیف ہے کہ اگر اپنے کلام کی تقدیم مطلقاً ممنوع تسلیم کر لی جائے تو پھر تو امام بخاری پر آیت کے خلاف عمل کرنے کا الزام قائم ہو جائے گا کیونکہ انھوں نے خود آیت پر ترجمہ الباب اور حدیث کی سند کو مقدم کیا ہے۔

۲۔ تجمید کے ساتھ ابتداء کا حکم خطبات کے ساتھ خاص ہے۔ ایام جاہلیت میں لوگ خطبہ کو حمد کی بجائے شعرو اشعار سے شروع کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے جب بغیر حمد کے اپنا خطبہ شروع کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ جو کلام حمد سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہے۔ لیکن یہ جواب بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ حدیث تجمید میں خطبہ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر شاندار کام کے متعلق یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اس سے قبل حمد الہی بجالائی جائے خواہ وہ خطبہ ہو یا کچھ اور۔ پس عموم لفظ کا اعتبار کیا جائے گا۔ خصوص مورد کا نہیں۔ لہذا تجمید کو خطبہ کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں ہے۔

۳۔ حدیث تجمید منسوخ ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عام الحدیث میں قریش سے جو صلہ دیکھا۔

کی عبارت یہ تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هَذَا مَا صَالِحٌ عَلَيْهِ الْخ۔ اگر حدیث تحفہ مسوٰخ نہ ہوتی تو حضور علیہ السلام ترک نہ فرماتے لیکن یہ جواب بہت ہی بودا ہے کیونکہ اس کی کیا دلیل ہے کہ حضور علیہ السلام کا حمد کو ترک کرنا نسخ کی بنا پر تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے بیان جواز کے لیے حمد ترک کی ہو۔ ۴۔ بعض علماء نے کہا حدیث تحفہ ضعیف ہے لہذا امام پر کوئی الزام نہیں۔ مگر یہ تو جہدہ صبیح نہیں کیونکہ اول تو روایت کا ضعف تمام علماء کے نزدیک مسلم نہیں۔ علامہ تاج الدین سبکی اس کی سند کو جیدہ بتاتے ہیں علامہ عینی نے لکھا۔ حدیث ہک ضعیف کما صحیح نہیں۔ اس کے علاوہ فضائل میں توضیف بھی مقبول ہوتی ہے۔

۵۔ علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ نے فرمایا ما مر بہ مطلق حمد ہے خواہ زبان سے ہو یا کتابت سے کیونکہ حدیث میں لعید بلاء کا لفظ آیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ آغاز حمد کے ساتھ ہو۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے زبان سے حمد کہہ لی ہوگی۔ یہ جواب اگرچہ اچھا ہے مگر یہی جواب بسم اللہ کے ترک کرنے والے کے لیے بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اب مصنفین کی مخالفت تو بہ صورت باقی رہتی ہے۔

۶۔ علاوہ ثودی نے فرمایا۔ یہ حدیث مختلف الفاظ مکرری ہے کہیں لعید بلاء بحمد اللہ آیا ہے کہیں لا یبدأ بسم اللہ آیا اور کہیں لا یبدأ فیہ بذکر اللہ تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ ترغیب خاص طور پر حمد ہی کی نہیں ہے بلکہ ترغیب اس امر کی ہے کہ آغاز میں اللہ کا ذکر آنا چاہیے چاہے بسم اللہ سے ہو، الحمد للہ سے یا سبحان اللہ وغیرہ سے۔ حافظ ابن حجر نے اس جواب کو قوی قرار دیا ہے (فتح الباری)۔ ۷۔ امام زرقانی فرماتے ہیں کہ کل امر ذمی بال میں واقعی بسم اللہ اور حمد کی ترغیب دی گئی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط میں صرف بسم اللہ ملتی ہے۔ خود قرآن مجید میں بلکہ مقلدین کے نام حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ہے اس میں بھی صرف بسم اللہ ہے۔ اس کے برخلاف حضور علیہ السلام کے خطبات میں بسم اللہ نہیں ملتی۔ صرف الحمد للہ کے لفظ ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ تحریر میں خود حضور علیہ السلام اور سابق انبیاء کرام نے بسم اللہ ہی کو آغاز کے لیے کافی جانا۔ اس لیے امام بخاری نے تحریر میں بسم اللہ پر اکتفا کر کے سنت نبوی کا اتباع کیا ہے۔

۸۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حمد کے بین معنی ہیں۔

لغوئی۔ یعنی زبان سے کسی کی غرض تعظیماً بیان کرنا۔

عرفی۔ یعنی انعام کے باعث منعم کی تعظیم کرنا خواہ دل سے خواہ زبان سے خواہ اعضا سے۔

اصطلاحی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ سب کو ان کے مفہم

تخلیق کے مطابق طاقت بشری صرف کرنا۔

توجب حمد کے یہ تین معنی ہیں تو جو معنی بھی مراد لیے جائیں۔ کسی صورت میں بھی امام بخاری پر بزرگ حمد کا الزام قائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ امام نے صرف زبان سے یا صرف دل سے یا دل و زبان دونوں سے حمد ادا کرنا جو یہ بند نعمتوں کو مقصد تخلیق میں صرف کر کے بخاری کو شروع کیا ہو۔ البتہ اگر حدیث میں حمد لکھنے کا حکم ہوتا تو عدم تعیل حکم کا الزام قائم ہو سکتا تھا؟

۹۔ نیز جب امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تحریر فرمائی تو اس میں اللہ عزوجل کی صفت رحمت کا بیان ہے لہذا بسم اللہ کے تحریر کرنے سے حمد بھی ہو گئی۔ اگر بسم اللہ تحریر کرتے زبان سے بھی پڑھی تھی تو حمد لغوی بھی ادا ہو گئی ورنہ حمد عرفی فافہم

دُرود و سلام | سلف صالحین کی یہ بھی عادت ہے کہ حمد و ثناء کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے ذکر کے ساتھ حضور علیہ السلام کا ذکر بھی ملا ہوا ہے۔ اسی لیے مفسرین نے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے معنی یہ کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ دُکرت حیثما ذکرت محبوب جہاں میرا ذکر کیا جائے وہاں تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ میں امام مجاہد کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا جو شخص لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھے گا وہ محمد و رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پڑھتا ہے۔ یہی معنی رفع ذکر کے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دربار نبوی میں بیان کیے جسے امام نووی نے تہذیب ترمذی میں ذکر کیا ہے۔ یہی جلد ۱ صفحہ ۱ لیکن امام بخاری نے بسم اللہ پر ہی اکتفا کیا ہے اور صلوٰۃ و سلام کی کتابت نہیں کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی حدیث میں یہ حکم نہیں ہے کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے درود و ثناء لکھ لیا کرو۔ لہذا یہ اعتراض ہی باطل ہے۔ ثانیاً حدیث میں درود کے متعلق جو ہدایت آئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :-

رَعِمَ الْفَرَسُ زَكِرْتُ عَنْدهُ فَلَمْ يَصِلْ عَلٰی وَالْبَخِيلُ الَّذِیْ ذَكَرْتُ عَنْدهُ فَلَمْ يَصِلْ عَلٰی (نسائی)

اس شخص کی ناک بخار آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ وہ شخص بہت بد نعیم ہے جس کے سامنے حضور علیہ السلام کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے تو حدیث میں درود پڑھنے کی ہدایت ہے لکھنے کی نہیں۔ اب اگر حضرت

امام بخاری نے درود نہیں لکھا تو معترض کو یہ کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ نے زبان سے بھی درود نہیں پڑھا تھا۔ امام بخاری کا ورع۔ تقویٰ اور عشق رسول یہ سب باتیں تو اس امر پر دلیل ہیں کہ آپ نے افتتاح بخاری سے پہلے ہی نہیں بلکہ ہر حدیث کی کتابت سے پہلے درود پڑھا ہے اور پھر ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے آپ دو رکعت بھی تو پڑھتے تھے جو خدا کی حمد و ثنا بھی تھی اور حضور علیہ السلام پر درود و سلام بھی۔

مقدمۃ العلم | مؤلفین کتاب کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ شروع فی العلم سے پہلے وجہ تالیف، فن کی غایت، کو تفصیل سے بیان کیا کرتے ہیں۔ مگر حضرت بخاری نے ابتداء کتاب میں ان امور کے متعلق کچھ نہیں لکھا اور بسم اللہ کے بعد حضور علیہ السلام کی حدیث بیان کرنی شروع کر دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ عاشق رسول تھے اور قتانی الرسول کے مرتبہ پر فائز تھے۔ انہیں مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب کی لفظی بحثوں سے کچھ مطلب نہ تھا۔ ان کا مقدمہ بھی حضور علیہ السلام تھے اور تعریف بھی۔ موضوع بھی حضور علیہ السلام تھے اور غایت بھی۔ ان کی نظر تو محض محبوب رب العالمین کی صورت و سیرت اور آپ کے کردار اور اقوال پر تھی۔ اس لیے انھوں نے ان لفظی بحثوں سے اپنے دامن کو نہیں اُلجھایا اور فال رسول اللہ سے اپنی تالیف کی ابتداء فرمادی۔

ثانیاً۔ امام بخاری نے فن حدیث کے مبادیات کا ذکر نہ کر کے عملی طور پر اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ علم حدیث ایسا فن نہیں ہے جس کی تعریف اور غرض و غایت اور وجہ تالیف کو بیان کرنے کی ضرورت ہو۔ یہ بخاری میری تصنیف نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کے آخری رسول کے اقوال و اعمال، صورت و کردار کا مجموعہ ہے جو منزل من اللہ ہے وحی خفی ہے۔ انسانیت کی فطرت اور آدمیت کی جان ہے۔ اگر یہ میری تصنیف ہوتی یا میں انسان کے ساختہ فنون پر کوئی تصنیف کرتا تو ضرور فن کے مبادیات کو بیان کر دیتا مگر بخاری تو اللہ کے محبوب کی گفتگو اور سیرت و کردار پر مشتمل ہے جس کی غرض و غایت مجھے بیان کرنا کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی غرض و غایت تعریف اور عظمت و رفعت کو خود خالق کائنات نے اپنی وحی جل قرآن مجید میں تفصیل سے بیان فرمادیا ہے۔ اس لیے علم حدیث کے مبادیات مجھ سے نہیں بلکہ قرآن سے پوچھو۔

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

یہ بخاری کا پہلا عنوان ہے جس کو اصطلاح میں ترجمۃ الباب کہتے ہیں۔ اس عنوان میں آغازِ وحی اور اس کے متعلقات کا بیان کرنا مقصود ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محدثین کرام بالعموم کتاب الایمان، کتاب الاعتقاد بالسنۃ اور کتاب الطہارۃ سے اپنی تالیفات کی ابتداء کون سے ہیں؟ یہ نیا امام بخاری نے اپنی تالیف کی ابتداء آغازِ وحی سے کیوں کی؟ جواب یہ ہے کہ جن محدثین کرام نے مذکورہ بالا عنوانات سے ان کی غفلتِ اہمیت کے پیش نظر کتاب کا آغاز کیا ہے۔ ان سب کے نقطہ نظر کی پاکیزگی و صاحت بھی تسلیم ہے لیکن امام بخاری علیہ الرحمۃ نے جس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سب سے اہم ہے۔ امام نے اپنی تالیف کو وحی سے شروع کر کے یہ بتایا ہے کہ ایمان ہو یا عمل، عقائد ہوں یا احکام ان سب کی بنیاد و اساس صرف وحی ہے اور جب تک یہ چیزیں اصلاً وحی کی طرف منسوب نہ ہوں دین و شریعت نہیں بن سکتیں۔ چنانچہ کشف و الامام اور بڑے سے بڑے مفتخر امام و مجتہد کی ذاتی رائے اور وہ قیاس و اجتہاد جو وحی سے ماخوذ نہ ہو۔ دین کے کسی بھی عقیدہ کے ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ نفسِ ایمان بھی وہی معتبر و مفید ہے جس کو وحی کی توثیق و تائید حاصل ہو۔ خوارج و معتزلہ اور دیگر گمراہ فرقے اور محدثین کو چھوڑ کر ہر مذہب و ملت کے ماننے والوں میں بھی کسی نہ کسی نوعیت کا ایمان پایا جاتا ہے مگر یہ اس لیے ناقابلِ اعتبار اور لاحقہ حاصل ہے کہ وحی الہی سے اس کی مطابقت نہیں ہے۔ غرض کہ امام نے ذکرِ وحی سے کتاب کا آغاز کر کے اس اہم نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اصل الاصول صرف وحی ہے اور جب تک کسی چیز کو وحی کی تائید و توثیق حاصل نہ ہو دینِ اسلام میں وہ نامعتبر ہے۔

۲۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عنوان یہ ہے کہ وحی کا آغاز کیونکر ہوا تو زیرِ عنوان وہ روایات آنی چاہئیں جن میں وحی اور آغازِ وحی کا ذکر ہو مگر آپ دیکھیں گے کہ اس عنوان میں چھ روایتیں ہیں۔ ان میں سے صرف ایک سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں وحی و آغازِ وحی کا ذکر ہے۔ پانچ روایتوں میں سے صرف تین میں وحی کا ذکر آیا ہے آغازِ وحی کا نہیں اور دو روایتیں تو وحی اور آغازِ وحی کے ذکر ہی سے خالی ہیں حالانکہ عنوان کا اقتضا یہ تھا کہ تمام روایتوں میں وحی اور آغازِ وحی کا ذکر ہو۔ جواب یہ ہے کہ امام کی عادتِ کرمیہ یہ ہے کہ وہ کسی چیز کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی ضروری تفصیلات اور اس کے مناسبات کو بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ امام کے اس طرزِ فکر کی متعدد مثالیں خود بخاری میں موجود ہیں۔

مثلاً باب ہے بدء الخلق۔ پیداؤں کی ابتداء کیونکر ہوئی۔ مگر امام نے اس میں جو روایتیں ذکر کیں۔ ان میں صرف آغازِ پیداؤں ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ وسط و آخر تک کے حالات، ملائکہ و آسمانوں وغیرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اسی طرح امام نے باب باندھا ہے بدء الاذان کا تو اس میں صرف

آغازِ اذان ہی کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ اس عنوان میں امام نے وہ روایتیں بھی ذکر کر دی ہیں جن میں اذان کی ابتدائی کیفیت، وسط اور آخر کے حال کا ذکر ہے۔ غرض کہ امام کا اندازِ فکر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کے آغاز کا عنوان قائم کرتے ہیں تو صرف اس شے کے آغاز کے بیان پر ہی اکتفا نہیں فرماتے بلکہ اس کے اسباب و علل اور دیگر تفصیلات کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ جب امام نے آغازِ وحی کا عنوان قائم کیا تو اس کی عظمت و اہمیت کے اظہار کے لیے یہی اسلوب بہتر تھا کہ وحی و آغازِ وحی کے ساتھ ساتھ وحی بھیجھنے والے اور اس کے لانے والے اور جس ہستی مقدس پر وحی نازل ہوئی۔ اس کا تعارف بھی کرائیں اور یہ بھی بتائیں کہ جس کو وحی نبوت کے لیے خاص کیا جاتا ہے اس کی فطرت سلیم ہوتی ہے۔ اس کے اخلاق عمدہ ہوتے ہیں۔ اس کا فہم و ذکاوت، صدق و امانت، عادات و اطوار ایسے ہوتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ امام کے نزدیک وحی صرف قرآنِ کریم ہی نہیں ہے بلکہ سببِ رسول بھی وحی ہے۔ ایسی صورت میں تو صاحبِ وحی کے اوصافِ حمید و کاندہ ذکر و تعارف اور اہم ہو جاتا ہے۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ عنوان اور زبرِ عنوان روایات میں کیا متعلق ہے۔ جس میں وحی یا آغازِ وحی کا ذکر ہی نہیں ہے۔ یہ تو ہے محض عنوان پر گفتگو۔ اب عنوان کے الفاظ پر بحث کی جاتی ہے۔

تشریح الفاظ ترجمہ

۱۔ باب اصل میں "بُعُوبٌ" تھا۔ واؤ کو الف سے بدل دیا باب ہر گیارہ باب کے متعدد معنی آتے ہیں۔ یہاں نوع کے معنی میں ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ من فتوح الباب من المعلوم۔ جس نے علم کا دروازہ کھول دیا۔ یعنی علم کی ایک قسم ظاہر کر دی باب اور کتاب میں فرق ہے۔ کتاب کے ضمن میں متعدد تفصیلات ہوتی ہیں اور باب کے ضمن میں ایک ہی تفصیل ہوتی ہے۔ اس لیے امام بخاری نے باب کہا۔ کیف کا استعمال متعدد معنوں میں ہوتا ہے ۱۔ کیف استفہام حقیقی کے لیے جیسے کیف زیدؓ زید کیسے ہے؟ ۲۔ کبھی تعجب کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے کیف تکفرون باللہ۔ تم اللہ سے کیونکر کفر کرتے ہو؟ ۳۔ کبھی خبر واقع ہوتا ہے جیسے کیف انت ہم کبھی حال واقع ہوتا ہے جیسے کیف جاء زیدؓ زید کس حال میں آیا۔ کَانَ افعال ناقصہ سے ہے جو زمانِ ماضی پر دلالت کرتا ہے۔ کَبَدَ۔ فعل کے وزن پر۔ ب کی زبردال ساکن۔ ہمزہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ابتداء کے ہوں گے اور اگر بغیر ہمزہ کے دال کا پیش۔ واؤ پر تشدید بُدَ۔ و بوزن فَعُولٍ ہو۔ فَعُولٌ۔ تو اب اس کے معنی ظہور کے ہوں گے۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کی ابتداء کیسے ہوئی؟ یا وحی کا ظہور کس طرح ہوا؟ و حُجٌّ کے لغوی معنی تیزی کے ساتھ اشارہ کرنے کے ہیں۔ الاعلام فی خفاء یعنی انتہائی پوشیدگی کے ساتھ اپنے دلِ منہار کو ظاہر کر دینا اور

اصطلاح شریعت میں اللہ کا وہ کلام ہے جو وہ اپنے نبی پر نازل فرماتا ہے۔

نبی و رسول کی تعریف

نبی وہ بشر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو۔
وحی خواہ فرشتہ کی معرفت ہو یا بلا واسطہ مگر نبی ہونے کے لیے وحی ہونا ضروری ہے۔ رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ احکام کے واسطے مبعوث فرمایا اور اس پر کتاب نازل ہوئی ہو یا جدیدہ شریعت رکھتا ہو۔ پس رسول اور نبی میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوئی رسول خاص ہے اور نبی عام یعنی ہر رسول نبی ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ۲۔ لیکن یہ واضح ہے کہ نبی و رسول میں جو فرق تعریفوں سے پیدا ہوتا ہے وہ محض اعتباری ہے۔ حقیقت میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی دونوں ہی اللہ عزوجل کی طرف سے مخلوق خدا کی ہدایت اور تبلیغ احکام کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ دونوں ہی لہ وحی، مطاع، آمر، ناجی اور امت کے لیے روشنی کا مینار ہوتے ہیں۔

رسول ملکی و رسول بشری

اسی طرح رسول ہونا بشری کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ چُن لیتا ہے ملائکہ سے رسول اور انسانوں سے اور (رسول ملکی) اللہ کے دو مقرب ہیں جو اللہ کے امر و نہی کو عوام ملائکہ، انبیاء بشر تک پہنچاتے ہیں۔ (نبراس ص ۲۵)

۱۔ اِنَّ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا قَالِ اللّٰهُ نَعَالٰی ۔ اَللّٰهُ يَصْطَلِيْ مِنْ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنْ النَّاسِ وَّهُمْ لَعٰلَمُونَ الَّذِيْنَ يَّبْعُوْنَ الْاَمْرَ وَالنَّهْيَ الْحَقَّ عَوَامَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَاِلٰى اَنْبِيَآءِ الْبَشَرِ

حضرت شاد عبدالعزیز محدث دہلوی آیت

۲۔ مگر کسکے پسند می کند و آن کس رسول می باشد

خواہ از جنس ملک مثل حضرت جبرئیل و خواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد و موسیٰ و عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام (تفسیر عربی تبارک ص ۲۵)

تفسیر حلالین و مارک و بیضاوی و نظری وغیرہ تفاسیر میں ہے۔

رسول جیسے حضرت جبرئیل و میکائیل و ابراہیم و

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رسول ہونا عام ہے خواہ بشری ہو یا ملکی

۳۔ رسلا کجبرئیل و میکائیل و

ابراہیم و محمد و غیرہم (حلالین)

۴۔ اعم من البشر و الملائكة - نظری (مکمل)

۵۔ رسل اللہ علیٰ ضربین ملک و

لشیر (دارک ۲۵)

علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

اتَّفَقَ أَئِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ
حُكْمَ الْمُرْسَلِينَ مِنْهُمْ أَيْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ
حُكْمَ النَّجِيِّينَ سِوَاءَ فِي الْعَصَةِ وَ
تَوْظِيهِ الْحَرَمَةِ مِمَّا ذَكَرْنَا عَصَمَتَهُمْ
مِنْهُ وَانْتَبِغَ إِلَيْهِمْ كَالْأَنْبِيَاءِ
(شرح شفا ج ۲ ص ۱۵۴)

رسول دو ضرب پر ہے۔ ملکی اور بشری

ائمہ مسلمین کا اس پر اتفاق ہے۔ ملائکہ مرسلین کا حکم وہی ہے جو انبیاء کا ہے اور وہ عصمت اور تعظیم حرمت میں برابر ہیں جیسے انبیاء بشری اپنی امتوں کو احکام خداوندی پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح مرسلین ملائکہ انبیاء بشری کو اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں اور مرسلین ملائکہ کو حقوق انبیاء حاصل ہیں۔

غرضکہ جس طرح اللہ عزوجل نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے رسول بنائے ہیں اور وہ اپنی امتوں کو احکام الہی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے بھی رسول مبعوث کیے ہیں جو انبیاء بشری کو احکام الہی کی تبلیغ کرتے ہیں اور مرسلین ملائکہ کی تعظیم و توقیر اور ان کی رسالت پر ایمان لانا اسی طرح ضروری ہے جیسے انبیاء و مرسلین بشری کی تعظیم و توقیر اور ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا۔

امام بخاری علیہ الرحمہ کی عادت یہ ہے کہ وہ عنوان ہی میں حسب موقع و محل کوئی آیت درج کر دیتے ہیں جس کو ترجمۃ الباب سے مناسبت ہوئی ہے۔ چنانچہ عنوان مذکورہ بالا کے ماتحت یہ آیت لکھی گئی ہے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى
نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس آیت کو انھوں نے کیوں منتخب کیا تو جواب یہ ہے کہ اس رکوع میں مضمون وحی کی جس قدر تفصیل ہے۔ قرآن مجید کے کسی اور جز میں نہیں ہے نیز اس رکوع میں اہل کتاب نے وحی سے متعلق جو سوال کیا تھا اس کا جواب بھی ہے۔ انھوں نے ارادہ عناد و طغیہ کیا تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو ہمارے پاس ایک لکھی لکھائی کتاب لائیے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ وحی کا معاملہ کچھ نیا اور اچھوتا نہیں کہ تم نامعقولیت پر اتر آؤ۔ سلسلہ وحی تمام انبیاء کے زمانوں میں قائم رہا ہے نیز وہ جس پر چاہتا ہے کتاب

بھی اُتار دیتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل، موسیٰ علیہ السلام پر تورات، داؤد علیہ السلام پر زبور نازل فرمائی اور آخر کار سب سے معظم و مکمل کتاب (قرآن) اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التجیۃ والکنازہ پر نازل فرما کر یہ سلسلہ قیامت تک کے لیے بند کر دیا ۲۔ غرض کہ اس مقام پر مذکور آیت کے نقل کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ترجمۃ الباب میں وحی سے وہ وحی مراد ہے جو آیت میں مذکور ہے۔

۲۔ قول - مَا يَنْطِقُ بِهِ اللّٰسَانُ كَوَيْتِمْ هِيَ لِيُحْيِيَ بِلِسَانِهَا مَنْ يَشَاءُ - قول کا اطلاق کلمہ کلام اور کلمہ پر آتا ہے خواہ وہ نام ہو یا ناقص اور مجازاً آرائے اور اعتقاد کو بھی قول کہتے ہیں۔ جیسے برہنہ ہیں۔ يَقُولُ فَلَاذِلْ يَقُولُ ابُو حَنِيفَةَ يَذْهَبُ الْحَقُّ قَوْلَ مَالِكٍ - یہاں قول کا لفظ اعتقاد یا رائے کے معنی میں مستعمل ہوا۔ کبھی قول کا اطلاق غیر نطق پر بھی آتا ہے۔

جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ فرمائیں جو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

تو اس سے اور زمین سے فرمایا دو نوح حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے کہا ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔

۱۔ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَا هُوَ اَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ

۲۔ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اِصْغِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اتَيْنَا طَائِعِيْنَ

ان دونوں آیتوں میں قول کا اطلاق غیر نطق پر آیا ہے۔ کیونکہ خدا انبان سے پاک ہے اور زمین کی زبان نہیں ہے۔ خدا کا حکم فرمانا بے کیفیت ہے اور زمین نے اطاعت کا جو اقرار کیا وہ بھی بے لطف ہے۔

اِنَّمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ فِي كَلِمَةٍ اَنْ تُخَيِّقَ وَتَايِدَ كَيْلَ يَايَا

تفسیر آیت اِنَّا اَوْحَيْنَا

ہے یعنی اِن کسی بات میں جب قوت پیدا کرنا مقصود ہو اس وقت بولا جاتا ہے۔ کَمَا اَوْحَيْنَا مِيْنَا كَيْلَ تَشْيِيْدَ كَيْلَ يَايَا

و السلام پر نازل ہوئی اور مشہدہ وہ وحی ہے جو حضرت نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو ہوئی و جب تشبیہ وحی رسالت ہے۔

مفہوم آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح حضور اکرم علیہ السلام پر وحی رسالت کی جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء پر کی ہے یہ آیت سورۃ نسا کی ہے۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ نے حضور علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا کہ ان کے لیے آسمان سے بجکاری کتاب نازل ہو تو وہ آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے۔ اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اور ان پر حجت تمام کی گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا بکثرت انبیاء ہیں (جن میں سے گیارہ کے نام یہاں آیت میں بیان فرمائے گئے)

اہل کتاب ان سب کی نبوت کو مانتے ہیں۔ حالانکہ ان سب حضرات میں سے کسی پر بھی کیا رنگ کتاب نازل نہ ہوئی تو جب اس وجہ سے ان انبیاء کی نبوت تسلیم کرنے میں اہل کتاب کو کوئی عذر نہیں ہوا تو سید عالم علیہ السلام کی نبوت تسلیم کرنے میں کیا عذر ہے۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد توحید کی معرفت کا درس دینا اور ایمان کی تکمیل اور طریق عبادت کی تعلیم ہے۔ کتاب کے متفرق طور پر نازل ہونے میں یہ مقصد بدرجہ اتم حاصل ہوتا ہے کہ تھوڑا تھوڑا بہ آسانی و نشین ہوتا چلا جائے۔ اس حکمت کو نہ سمجھنا اور اعتراض کرنا کمال حماقت ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہوا بلکہ حسب ضرورت و مصلحت وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو ربیت کیا رنگ نازل ہوئی۔ یہود نے یہی سوال کیا تھا کہ آپ پر کیا رنگ قرآن کیوں نازل نہیں ہوا تو اس پر آیہ مذکورہ میں ان کی حماقت و حماقت پر پیہر لگ گئی کہ کتاب کا کیا رنگ نازل ہونا، یا بجائے بجائے اس کا ارتداد یا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے نبی کی نبوت میں کوئی نقص پیدا ہو سکے۔ وحی نازل کرنا یہ اللہ کی سنت ہے اور صلی اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح پر وحی نازل کی تھی اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں اور نسل انسانی حضرت نوح سے جاری ہوئی ہے | آیت میں حضرت نوح کا نام خصوصیت سے

اس لیے لیا گیا ہے کہ وہ آدم ثانی ہیں اور دوبارہ نسل انسانی انہیں سے چل رہی ہے کیونکہ جب طوفان نوح آیا تھا تو اس وقت روئے زمین کے رہنے والے ہلاک ہو گئے تھے۔ صرف کشتی میں سوار افراد باقی بچے تھے (یعنی)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کشتی میں صرف آٹھ افراد تھے۔ حضرت نوح، ان کی بیوی، ان کے نہیں فرزند سام، حام اور یافث اور ان کی تین بیویاں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کی بیویوں کے علاوہ ۱۰ افراد تھے مقابل کہتے ہیں کہ ۷۲ نفوس تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کل اتسی آدمی تھے۔ بہ حال جب یہ لوگ کشتی سے باہر آئے تو سوائے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے تین فرزند اور ان کی بیویوں کے سب ہی ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت نوح کا بھی وصال ہو گیا۔ صرف آپ کے تین فرزندوں سے نسل انسانی دوبارہ جاری ہوئی۔ قرآن مجید نے کہا۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْبَاقِيْنَ۔ پس حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد سب سے پہلے رسول قرار پائے۔ اس لیے ان کا نام خصوصیت سے لیا گیا۔ اس کا ایک خوب یہ بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام ایسے پہلے رسول ہیں جن کو ان کی امت نے ستایا اور سخت تکلیفیں پہنچائیں اور آپ کی قوم پر اس لیے عذاب آیا کہ اس نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی۔ آپ سے پیشتر

ایسے رسول نہیں گذرے کہ دعوت قبول نہ کرنے کی بنا پر ان کی قوم پر عذاب نازل ہوا ہو۔ اس لیے اس آیت میں ان کا نام خصوصیت سے لیا گیا (فتح الباری وغیرہ)

ترجمہ الباب | اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے سب سے پہلے حدیث انہما الاعمال لکھی ہے۔ جس میں نیت و ہجرت کا بیان ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ترجمہ الباب سے اسے کیا نسبت ہے۔ ذکر تو ظہور وحی کا ہے نیت اور ہجرت کا قصہ بیچ میں کیوں آگیا؟ یعنی عنوان کا اقتضایہ ہے کہ اس میں صرف وہ روایات درج ہوں جن کا تعلق وحی اور اس کے اسباب و علل سے ہو۔ مگر امام نے اس عنوان کے ماتحت جوچھ حدیثیں لکھی ہیں۔ اول میں نیت و ہجرت خالصہ کا بیان ہے اور باقی پانچ میں نزول وحی کی کیفیت، ابتدائے وحی، جبریل علیہ السلام سے قرآن کریم کا دور کرنا اور حضور علیہ السلام کی صفات کا بیان ہے۔ ان پانچوں کی عنوان سے مناسبت تو ظاہر ہے مگر حدیث اول جس میں ہجرت اور نیت کا ذکر ہے وہ عنوان سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ وحی اور نیت و ہجرت میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔ شارحین نے اس سوال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

۱۔ علامہ خطابی نے فرمایا۔ محض برکت کے لیے ذکر کی ہے ۲۔ بعض نے کہا چونکہ یہ حدیث متواتر المعنی ہے اس لیے ذکر کر دی ۳۔ علامہ محمد اسماعیل تیمی نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو خطبہ میں بیان کیا۔ امام نے بطور خطبہ کتاب حدیث ہذا کو ذکر کر دیا ۴۔ بعض نے یہ توجیہ کی چونکہ اسلام میں اعمال کا دار و دار نیت پر ہے اس لیے امام نے یہ حدیث بطور دیباچہ کتاب ذکر کر کے یہ بتایا کہ نیت اصل ہے اور اعمال اس کی فرع ہیں اور یہ کتاب حدیث کی کتاب ہے۔ اس کا پڑھنا پڑھانا عبادت ہے اور عبادت میں نیت درست رکھنا ضروری ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام نے بخاری پڑھنے اور پڑھانے والوں کو نیت درست رکھنے کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس حدیث کا ذکر کیا ۵۔ بعض نے یہ توجیہ کی کہ جیسے سورۃ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بھی احادیث نبویہ کا خلاصہ ہے اس لیے امام نے سب سے پہلے اس کو لکھ دیا ۶۔ بخاری کی تالیف کا مقصد وحی سنت کو جمع کرنا ہے۔ اس لیے وحی کا باب مقرر کیا اور وحی سے چوتھی شرعی اعمال بیان ہوتے ہیں۔ اس لیے اس باب میں سب سے پہلے حدیث اعمال ذکر کی ہے ۷۔ سب سے پہلے عمدہ توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام کے لیے اس حدیث کو یہاں لانے کا محرک وہی انداز فکر ہے جو اس عنوان کے ماتحت بیان کی ہوئی دیگر روایات میں ہو رہا ہے۔ یعنی وحی کے تعارف کے لیے اس مہتمم مقدس کا تعارف جس پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نبوت کے لیے ہر کرد

کا انتہاب نہیں فرماتا۔ بلکہ اس کو منتخب فرماتا ہے۔ جس میں نبوت کی سزاواری کے لیے فطری طور پر صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ جو افراد نبی بنائے گئے وہ قبل نبوت بھی کبار و صغائر سے پاک و صاف اور اخلاق حسنہ سے متصف رہے۔ اب ظاہر ہے کہ تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے تو نیک نیتی بجا کے خود ایک اعلیٰ درجہ کی صفت حسنہ ہوتی۔ امام نے اس حدیث کو ذکر کر کے نبی کی اس صفت حسنہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نبی کے تمام افعال و اعمال اخلاق و کردار خلوص نیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی منفعت یا مادی جاہ و اقتدار کی غرض پر اکرانے کے لیے حسن اخلاق اور نیک کرداری کا مظاہرہ کرے۔ پس مبادیاتِ وحی میں نیت کی درستگی سب سے مقدم ہے ۸۔ نیز اس حدیث میں ہجرت الی اللہ کا ذکر بھی ہے اور عنوان کا مقصد بھی اول شان رسالت کو بیان کرنا ہے (یعنی وحی کا آغاز کیسے ہوا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی ابتداء ہجرت الی اللہ سے ہوگی۔ نزولِ وحی سے قبل آپ سب کو چھوڑ کر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور مناجات میں مشغول رہتے تو غارِ حرا میں خلوت فرماتا اور اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہوتا (ہجرت کرنا) حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مقدمہ نبوت بنانا آئیکہ وحی کا آغاز ہو گیا۔ پس حدیثِ اعمال کو ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں ترجمۃ الباب کا مقدمہ مذکور ہے۔

عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہے

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال صرف نیتوں سے ہیں اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی تو جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اس کو پہنچے یا کسی عورت کی طرف ہو کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔ (بخاری)

۱۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مِمَّا نَوَىٰ فَنَنْتَ هِجْرَتُهُ إِلَىٰ دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَىٰ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَىٰ مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ

تعلق

۱۔ اس حدیث کا آیت سے تعلق یہ ہے کہ وحی بھیجنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور حضور اکرم علیہ السلام پر یہ وحی نازل کی کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے جیسی نیت ہوگی ویسا ہی عمل کا نتیجہ برآمد ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ نے تمام انبیاء پر صحتِ نیت کی وحی بھیجی ہے۔ ۲۔ اس حدیث کو امام نے چھ جگہ ذکر کیا ہے۔ مسلم نے کتاب الحجۃ میں۔

ابوداؤد نے کتاب الطہارت میں، ترمذی نے کتاب الحدود میں، نسائی نے طہارت، طلاق اور عتاق میں ذکر فرمایا ہے۔ امام احمد و سیفی و دارقطنی و ابن حبان نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ | اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کر لیں
نرسے اسی پر عقیدہ لاتے۔

یعنی اخلاص کے ساتھ نماز قائم رکھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ شرک و نفاق سے دُور رہیں اور تمام دینوں کو چھوڑ کر خالص اسلام کے متبع ہو جائیں۔

۲۔ محدثین کرام اپنی تالیفات میں عموماً اس حدیث کو پہلے لکھتے ہیں۔ اس سے ان کی مراد اخلاص، قصہ اور تصحیح نیت اور اللہ کی رضا جوئی ہوتی ہے۔ امام بخاری نے بھی اس کو پہلے لکھ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میری تصنیف خلوص نیت پر مبنی ہے اور یہ بات ان کو حاصل بھی ہوگئی اور بخاری کو ابی شرق و مغرب نے قبول کیا ۳۔ حافظ ابن ہمدی فرماتے ہیں کہ جو شخص کتاب لکھے تو اس کو چاہیے کہ اس حدیث سے اپنی کتاب کا افتتاح کرے ۴۔ ابوداؤد کا قول ہے کہ وہ چار ہزار حدیثیں جن میں مسائل دینیہ کا ذکر ہے انسان کو اپنے دین کے لیے ان میں سے صرف چار حدیثیں کافی ہیں۔

عمل کا دار و مدار نیت پر ہے۔

حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔ آدمی کے حسن اسلام سے یہ بات ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو اس کو نفع نہ دے۔

مومن اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ بھائی دُشمن کے لیے اس چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

۱۔ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

۲۔ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ

۳۔ مِنْ حَسَنِ إِسْلَامِكَ الْمَرْءُ تَوَكُّهُ

مَا لَا يَنْفَعُهُ

۴۔ وَلَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِنًا

حَتَّى يَرْضَى لِذَخِيرِهِ مَا يَرْضَى

لِنَفْسِهِ

ظاہر ہے جو شخص ان چار حدیثوں پر عمل کرتا ہے وہ یقیناً پورے اسلام کو عملی طور پر قبول کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ غرض کہ یہ حدیث ایک ہزار حدیثوں کے برابر ہے اور انتہائی جامع حدیث ہے۔ امام تافہی عیاض کہتے ہیں کہ ائمہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثلث اسلام (دین کا تہائی حصہ) ہے۔ ابن ہمدی کہتے ہیں علم کے تیس بابوں میں اس حدیث کو دخل ہے۔ امام شافعی نے فرمایا۔ ستر باب میں۔

۵۔ یہ حدیث حضور علیہ السلام نے خطبہ میں ارشاد فرمائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کو منبر پر بیان فرمایا۔ حضرت عمر کے سوا صحابہ میں "عمر بن الخطاب" کسی کا نام نہیں ہے اور عمر نامی صحابہ

میں ۲۳ عدد افراد ہوئے ہیں۔ اسی لیے عمر کے آخر میں واؤ زیادہ لکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس عمر سے عمر بن الخطاب مراد نہیں ہے۔

تشریح الفاظ حدیث | اعمال عمل کی جمع ہے نیت کی جمع ہے۔ اس کے معنی قصد، ارادہ اور عزم کے ہیں۔ امام نووی نے فرمایا۔ نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں۔ البتہ اہل تحقیق نے نیت و عزم میں فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں عزم وہ ارادہ ہے جو فعل سے مقدم ہو مثلاً یہ ارادہ کہ کل ہم سفر کریں گے اور قصد وہ ارادہ ہے جو فعل سے متصل اور مقترن ہو مثلاً سفر کا وہ ارادہ جو عین حالت سفر میں پایا جاتا ہے اور نیت وہ ارادہ ہے جو فعل سے مقترن و متصل بھی ہو اور یہ علم بھی اس کے ساتھ پایا جائے کہ فلاں چیز کا ارادہ کس لیے کیا جا رہا ہے۔

ہجرت - فعلہ ہجر کے وزن پر وصل کی ضد ہے۔ پھر اس کے عام معنی ترک وطن یا ایک زمین کو چھوڑ کر دوسری زمین میں چلے جانے کے ہو گئے۔ اصطلاح شریعت میں ہجرت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے دین و ایمان کو بچانے اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے دارالکفر سے دارالاسلام میں چلا جائے گا اور اللہ و رسول کے پسندیدہ افعال و اعمال کو اختیار کرنے۔ صحابہ کرام کو اس لیے مہاجر کہتے ہیں کہ انھوں نے صرف دین کی خاطر اپنے محبوب وطن مکہ کو چھوڑ دیا تھا اور مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ صحابہ کرام اس معنی میں بھی حقیقی مہاجر ہیں کہ انھوں نے باطل کو ترک کیا اور حق کو قبول کیا اور حضور علیہ السلام کا ساتھ دیا اور اسلام کو اپنے خون سے سینچا اور راہ الہی میں ہر قسم کی مصیبتوں اور آفتوں کو اٹھایا اور اسلام پر آنسو نہ آنے دی۔

دُنْیَا - فعلی کے وزن پر ہے۔ امام لغت جوہری نے کہا۔ دنیا کو اس لیے دنیا کہتے ہیں کہ یہ زوال کے قریب ہوتی ہے۔ دنیا کی حقیقت کیا ہے۔ اس میں مشکلیں کے دو قول ہیں۔ جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے دنیا ہے ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تمام مخلوقات جو ہر جویا اعراض، دُنْیَا ہیں۔ قرآن حکیم نے فرمایا وَ هَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَآ مَتَاعُ الْخُرُورِ دنیا کا جینا تو نہیں مگر دھوکے کا مال۔ مگر یہ اس کے لیے ہے جو اس کا سہو جائے اور آخرت کو معمول جائے۔ لیکن وہ شخص جو اسباب دنیوی سے صرف آخرت کے لیے تعلق رکھے اور خدا کے اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرے تو اس کے لیے دنیا کی گائیابی آخرت کا ذریعہ ہے حضرت ذوالنون فرمایا کرتے تھے۔ اے گروہ مریدین! دنیا طلب نہ کرو اور اگر طلب کرو تو اس سے محبت نہ رکھو۔ توشہ یہاں سے لو۔ آرام گاہ اور ہے۔

حدیث انما الاعمال | حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں۔ ہم میں ایک شخص تھا جس نے ام قیس نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ ام قیس نے کہا جب تک تو

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہ کرے میں تیرے ساتھ نکاح نہیں کروں گی۔ آخر اس شخص نے ہجرت کی اور نکاح کیا۔ ہم اس شخص کو اسی لیے مہاجر ائمہ قدیس کہا کرتے تھے (طبرانی) جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اعمال صرف نیتوں سے ہیں اور جو شخص جس نیت سے ہجرت کرتا ہے وہی اس کے لیے ہے۔

ہجرت کے اقسام | اگرچہ اس حدیث کا مورد خاص ہے مگر عزم لفظ کی وجہ سے تمام اقسام کی ہجرتوں کو شامل ہے۔ صحابہ کرام نے جو ہجرت کی وہ پانچ قسم کی تھی۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف، دوسری مکہ سے مدینہ کی طرف۔ تیسری قیابل کی ہجرت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ چوتھی اہل مکہ سے جو مسلمان ہوا۔ اس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ پانچویں اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان سے ہجرت کی۔ بعض نے تین ہجرتوں کا اور ذکر کیا ہے جو یہ ہیں۔

اوّل۔ حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کیونکہ صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت کی تھی۔
دوہ۔ ان افراد کی ہجرت جو دارالکفر میں مقیم تھے اور اپنے ایمان کے اظہار پر قادر نہ تھے۔ ان پر واجب تھا کہ وہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کریں۔

سوسہ۔ وہ ہجرت جو آخری زمانہ میں ظہورِ فتن کے وقت شام کی طرف ہوگی جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ہجرت کے بعد ایک اور ہجرت ہے جب کہ اہل ایمان مکہ مکرمہ کو مہاجر ابراہیم علیہ السلام (شام) میں جمع ہو جائیں گے اور زمین پر شریعہ نافذ ہو جائے گی۔ (ابوداؤد)

صاحبِ نہایہ نے کہا۔ مہاجر ابراہیم علیہ السلام سے ملک شام مراد ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے شام چلے آئے تھے۔

حدیث فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، اسکے معنی

ہیں مثلاً بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
لَا تُجْبِرُونَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ
وَنِيَّةٌ فَإِذَا اسْتَفْرَضْتُمْ فَأَنْقِرُوا
(بخاری)

فتح (کد) کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ لیکن جہاد اور
نیت ہے اور جب امام تم کو کوچ کے لیے (جہاد کے
لیے) بلائے تو اس کے ساتھ کوچ کرو۔

بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں۔

لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ الْيَوْمَ لَا
هِجْرَةَ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ (بخاری)

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عبید بن عمر نے ہجرت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا آج کے دن ہجرت نہیں اور مومن اپنے دین کو ساتھ لے کر اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرتے تھے تو غوف فتنہ کی وجہ سے کھینچے لیکن آج کے دن تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بلند فرمادیا ہے اور ایک مومن سلمان اپنے رب کی عبادت کرتا ہے جہاں چاہتا ہے۔ اس لیے اب تو جہاد اور نیت ہی ہے۔ ہجرت نہیں کی بخاری نیز بخاری دوسرے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ جاشع بن مسعود کہتے ہیں کہ میں ابی معبد کو ساتھ لے کر ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔

اَلْقَضَتْ اِلَیْهِمْ جَزْرَةٌ لَا هِلَاسًا (بخاری دوسم) | ہجرت، ہجرت کر نیا لوں کے ساتھ ختم ہو گئی۔

پھر آپ نے اسلام اور جہاد پر بیعت کی۔ انقطاع ہجرت کے مضمون کی احادیث امام احمد نے ابی سعید خدری، رافع بن خدیج اور زید بن ثابت سے بھی روایت کی ہیں۔ یہ تمام حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اب ہجرت منقطع ہے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن ابو داؤد اور نسائی میں حضرت معاویہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک تو یہ کا دروازہ بند نہ ہو اور تو بہ منقطع نہ ہوگی۔ جب تک کہ آفتاب مغرب سے نہ نکلے۔ اسی طرح امام احمد نے ابن سعدی سے اور جہاد بن ابی امیہ سے مرفوعاً روایت کی جس کا مضمون یہ ہے کہ ہجرت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ کافر مسلمانوں سے جنگ کرنے رہیں یا جہاد ہوتا رہے یہ اور اس مضمون کی احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ ہجرت فتح مکہ کے بعد بھی جاری ہے۔ شارحین نے اس تعارض کو اٹھانے کے لیے متعدد جواب دیئے ہیں۔ ۱۔ ابن الخطابی نے فرمایا کہ وہ ہجرت جو اول اسلام میں تھی وہ فرض تھی۔ لہذا جن احادیث میں انقطاع ہجرت کا ذکر ہے۔ اس سے مراد یہ ہی ہجرت ہے یعنی فرض ہجرت جو اول میں تھی وہ اب نہیں ہے اور فتح مکہ کے بعد جو ہجرت ہے وہ محض نفی لہذا جن احادیث میں ہجرت کے جاری رہنے کا ذکر ہے۔ اس سے منسوب ہجرت مراد ہے اور وہ جاری ہے۔

۲۔ ابن اثیر نے فرمایا۔ ہجرت دو قسم کی تھی ایک تو وہ کہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آتے تھے اور مال و اولاد سے قطع تعلق کر لیتے تھے (یعنی دین کے ہی جو رہتے تھے) اور اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ بھی فرمایا تھا۔ ایسی ہجرت جس کے بدلہ میں جنت کا ملنا یقینی ہے، فتح مکہ کے بعد منقطع ہو گئی۔ دوسری ہجرت وہ ہے جو اعراب کی تھی جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرتے تھے اور اپنے وطن کو چھوڑ دیتے تھے اور جیسے عمل اصحاب ہجرت (صحابہ کرام) نے کیے وہ نہیں کر سکے۔ اس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ یہ ہجرت تو بہ کے منقطع ہونے تک جاری ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہجرت باقیہ سے مراد

ہجرات سیئات ہو یعنی گناہوں کو ترک کرنا اور یہ ہجرت بلاشبہ قیامت تک جاری ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث اس مضمون کی ملتی ہیں۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ہجرت و قوم کی ہے۔ ایک تو گناہوں کو ترک کر دینا۔ دوسری اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرنا اور ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا اور توبہ اس وقت تک قبول کی جائے گی جب تک سورج مغرب سے نہ نکلے (احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص کہتے ہیں۔ ایک اعرابی حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ اس نے عرض کی حضور! ہجرت کہاں پر ہے کس زمین پر ہے؟ کس قوم کے ساتھ خاص ہے۔ کیا آپ کے وصال کے بعد بھی ہجرت ہے؟ حضور علیہ السلام نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ پھر فرمایا۔ جب تو نماز قائم کرے۔ زکوٰۃ ادا کرے تو مہاجر ہے اگرچہ تو یہاں کس زمین پر انتقال کرے (احمد) دوسری روایت کے لفظ یہ ہیں:-

اَلْهَجْرَةُ اَنْ تَهْجَرَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُوْفِيَ الزَّكَاةَ تَتَوَقَّعُ مَهَا جِدَّ

ہجرت یہ ہے کہ تو ظاہری اور باطنی برائیوں سے قطع تعلق کرے۔ نماز قائم کرے۔ زکوٰۃ ادا کرے۔ پھر تو مہاجر ہے۔

(احمد)

شارحین کے جوابات سے اس باب کی تمام حدیثوں میں تطبیق ہوگئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث میں بظاہر بھی تضاد نہیں ہے اور ہر حدیث اپنے موقع و محل پر بالکل صحیح اُترتی ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ احادیث پر غور کرنے سے پہلے ہجرت کے پس منظر کو دیکھنا چاہیے۔

ہجرت کا پس منظر | یہ ہجرت جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی حضور علیہ السلام نے یہی فرمایا تھا کہ اب ہجرت کا حکم آگیا ہے۔ ۱۔ اس ہجرت کا ذکر کتب سہادہ میں بھی تھا۔ چنانچہ وحی کی ابتدائی کیفیت جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دزق بن نوفل کو ثنائی تھی تو انھوں نے کہا تھا کہ یہ وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا اور اے کاشش! میں اس وقت تک زمرہ رہ سکوں جب کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کرے گی۔ ۲۔ نیز سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخری معجزہ عذاب اس وقت نازل فرماتا ہے جب کہ پیغمبر کو مومنین کی جماعت کو ساتھ لے کر ہجرت کا حکم دیتا ہے۔ ایسی ہجرت ہرنبی نے کی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرد کے ملک سے ہجرت کرتے ہیں۔ اِلَیْکَ مَکَاجِجِکَ اِلَیْ رَیْ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کرتے ہیں۔ پھر جب یہ ہجرت ہو جیتی ہے تو معجزہ عذاب آتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام جب تک کشتی پر سوار نہ ہوئے عذاب نہیں آیا۔ حضرت ابراہیم عراق سے نکل کر شام

اور مصر نہ چلے گئے عذاب نہ آیا۔ اسی طرح حضرت لوط، ہود، صالح، شعیب علیہم السلام جب تک اپنی اپنی قوموں کو لے کر الگ نہ ہو گئے عذاب نہ آیا۔ جب ان حضرات نے ہجرت کر لی تو اب عذاب نازل ہو گیا۔ بعینہ اسی سنت الہی کے مطابق حضور علیہ السلام کو بھی ہجرت کرنی پڑی۔ کفار نے انتہائی تنگ کیا یہ صاحبِ دَآلام کے پہاڑ توڑ دیئے۔ طرح طرح کے معجزات طلب کیے۔ تو اب وہ وقت آگیا کہ کفار پر عذاب نازل ہو چنانچہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انا للہ پڑھا تھا اور فرمایا تھا کہ اب قریش کی ہلاکت نزدیک آگئی (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۱۹)

چنانچہ آیہ قتال بھی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور بدر کی لڑائی بھی جو دراصل معجزہ عذاب تھا جس میں مسلمانوں کو فتح اور کافروں کو شکست ہوئی تھی اور جس کی تفصیل سورۃ انفال میں ہے۔ وہ بھی ہجرت کے بعد ظہور پذیر ہوئی۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے مکہ سے جو ہجرت فرمائی یہ سنت الہی کے مطابق تھی اور ہر نبی کو ایسی ہجرت کرنی ہوتی ہے۔

۴۔ پھر اس ہجرت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہجرت کرنے والے انتہائی مخلص تھے اور ان کو ہجرت پر برا بھلا کہنے والی چیز رضا الہی کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ اس امر کا اندازہ یوں بھی کیجئے کہ مکہ میں اسلام غریب تھا کفار نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ وطن اور مال و اولاد کے کس کو محبت نہیں ہوتی۔ پھر بظاہر ایسے حالات بھی نہ تھے جن سے یہ امید باندھی جاسکے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو غلبہ ہوگا۔ مگر صحابہ کرام کا خلوص و ولایت دیکھئے کہ انھوں نے بلاسکی لالچ و طمع کے رسول کریم علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ وطن چھوڑا، مال و دولت اہل و عیال، رشتہ دار سب کو رسول پر قربان کر دیا۔ ایسی خصوصیت والی ہجرت، ایسے پاکیزہ نفوس کی ہجرت اور اس خلوص و ولایت کے ساتھ ہجرت واقع میں بے مثال ہجرت تھی۔ یہ ہجرت مقبول ہجرت تھی۔ اس کے متعلق ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے ان صحابہ کرام کی ہجرت کو قبول فرمایا اور اللہ تعالیٰ ان حضرات سے یقیناً رستگار فرمایا۔ پس ایسی ہجرت جس کے ثواب میں جنت اور رضائے الہی کا حصول یقینی ہے بلاشبہ فتح مکہ کے بعد ختم ہو چکی اور اب قیامت تک ایسی ہجرت نہیں ہوگی۔ ایسی ہجرت کے متعلق حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ | فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

یعنی یہ مخصوص ہجرت اب منقطع ہو چکی ہے۔ البتہ ایسا ہوتا رہے گا کہ مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑے اور یہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ اسلام کے مقابلہ میں کفر موجود ہے مگر اس ہجرت کا حال یہ ہے کہ اگر مخصوص نیت کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے ہے تو ثواب ملے گا مگر اس دنیا میں اس کے متعلق قطعی حکم نہیں دیا جاسکتا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرمایا۔ اس کے برعکس مکہ سے مدینہ والی

ہجرت ہے۔ جواب نہیں ہے اور جن احادیث میں ہجرت کا ذکر ہے اگر ان پر غور کیا جائے تو تضاد و اختلاف کے لفظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دوسری توجیہ | ہوگی صحیح نہیں۔ حدیث ہذا پر غور کرنے سے ہجرت واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح فتح مکہ سے قبل مدینہ چلے آئے والے مسلمان ہجرت نہیں کرتے تھے اور ان کو ہجرت کا ثواب ملتا تھا۔ اس طرح اب فتح مکہ کے بعد مکہ سے مدینہ آئے والے مسلمان ہجرت نہیں کئے جاسکتے کیونکہ اب مکہ و مدینہ دونوں دارالاسلام ہو گئے ہیں اور ہجرت شرعی کے اسباب و علل میں سے کوئی بھی سبب اب موجود نہیں رہا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام ایسا فرماتے تو ہو سکتا تھا کہ بعض لوگ فتح مکہ کے بعد بھی ثواب ہجرت حاصل کرنے کے لیے مدینہ ہجرت کرنے لگتے تو ان کی تنبیہ و تفسیم کے لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اب فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ یعنی اب مکہ سے مدینہ آہنے والے افراد ہجرت نہیں ہو سکتے کیونکہ ہجرت کی تعبدی نوعیت اور حقیقت کا تعلق مکہ اور مدینہ کے ٹھکانوں سے خاص نہیں ہے بلکہ ان خاص حالات سے ہے جن میں ہجرت ہوتی ہے اور یہ حالات کسی بھی ملک میں ہوں حکم ہجرت نافذ ہو جائیگا اور جب یہ حالات ختم ہو جائیں گے تو مکہ اور مدینہ سے حکم ہجرت اٹھ جائیگا۔

ہجرت کے شرعی معنی | باعتبار لغت، ہجرت کے معنی ترک کے ہیں۔ حدیث میں بھی یہ لفظ ترک کے معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ

مہاجر وہ ہے جو اس چیز سے ترک کرے جس سے اللہ تعالیٰ منع فرمایا ہے۔

اور اصطلاح شرع میں ہجرت یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے ٹھکانہ یا اقامت گاہ کو چھوڑ کر کسی اور ٹھکانہ یا ملک میں چلا جائے اور وہاں مقیم ہو جائے۔ اکثر علماء نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ یہ سفر دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہو مگر یہ قید ضروری نہیں ہوتی چاہیے کیونکہ اس قید سے صحابہ کی "پہلی ہجرت" جو حبشہ کی طرف ہوئی۔ "دینہ" اس وقت دارالاسلام نہ تھا۔ بہر حال علماء کی تفصیلی آراء کے مطالعہ کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ شرعی ہجرت میں یہ قید ضروری نہیں ہے کہ ہجرت دارالکفر سے دارالاسلام ہی کی طرف ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک اسلامی ملک میں اہل اقتدار نظریات و عقائد کے لحاظ سے ایسے بگڑ جائیں کہ صحیح العقیدہ مسلمان کی زندگی وہاں دو بھر ہو جائے۔ وہ ملک اگرچہ اسلامی ملک ہی کہلاتا ہو۔ مگر باوجود اس کے وہاں مشکلات و فحاشی کا زور ہو اور اہل اقتدار کی طرف سے حق کہنے اور حق پر چلنے والے سختی و تعزیر ہوں۔ ایسی حالت میں اگر کوئی صحیح العقیدہ مسلمان حیمت و غیرت میں صرف اپنے دین و ایمان کے سلامت لے جانے کی نیت سے اس ملک کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے تو شرعاً یہ بھی ہجرت ہوگی اور انشاء اللہ العزیز اس پر بھی ثواب ملے گا ۲-۱ اسی طرح فرض کیجئے کہ کسی دارالکفر سے مسلمان تنگ آکر ہجرت کرے اور جزا فیائی مصالح اور حالات کی مجبوری کی وجہ سے کسی

قریب دار الکفر میں پہنچ سکتا ہے اور یہ دار الکفر باوجود دار الکفر ہونے کے اسلام کے حق میں آنا ظالم و جابر نہ ہو کہ کسی مسلمان کے لیے رہنا ہی مشکل ہو جائے۔ تو پہلے دار الکفر سے اس دار الکفر کی طرف حفاظت دین و ایمان کے لیے آنا جانا ہجرت شرعی ہی ہوگا۔

اعمال و عبادت کی مقبولیت کا مدار خلوص نیت پر ہے

واضح ہو کہ اسلام میں نیت یعنی ارادہ قلبی ہر عمل کی بنیاد ہے۔ کوئی کام اپنے نتیجہ کے لحاظ سے اتنا اچھا یا بُرا نہیں ہوتا جتنا نیت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے نیت کا معاملہ بڑے نمایاں طور پر بیان کیا ہے اور

جگہ جگہ اخلاص اور حسن نیت کی ہدایت فرمائی ہے۔

۱۔ قَدْ عَمَّوْهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (اعراف)

۲۔ نَاعْبُدُ اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (زمر)

۳۔ مَنْ يَرْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَنُفِثَ مِنْهَا

وَمَنْ يَرْدُ ثَوَابَ الْآخِرَةِ فَنُفِثَ مِنْهَا

(آل عمران)

۴۔ مَنْ كَانَ يَرْيِدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ

ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا

(نساء)

اللہ کی عبادت خلوص کے ساتھ کرو
خدا کی عبادت خلوص کے ساتھ کرو

اور جو شخص دنیا میں اپنے اعمال کا بدلہ چاہے اس کو ہم دنیا ہی میں بدلہ دیں گے اور جو آخرت میں طالبِ ثواب ہو اس کو آخرت میں اجر عطا کریں گے۔

جو شخص دنیاوی اجر کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کے بدلے ہیں اور اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں صبیح و بصیر کے الفاظ اس جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ قادر و قدیر خدا تمہارے دلوں کی آواز سننے والا اور پوشیدہ ارادوں کو جاننے والا ہے۔ لہذا اگر عمل دنیاوی منفعت کی نیت سے کیا گیا ہے تو پس دنیا ہی میں اس کا بدلہ دے دیا جائیگا اور آخرت کا انعام تو صرف انہیں کے لیے ہے جو آخرت کے ارادہ سے نیک کام کریں اس لیے علماء نے فرمایا کہ مومن کا ہمیشہ کے لیے جنت میں داخلہ اس کے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ حسن نیت کی وجہ سے ہوگا کیونکہ عمل کا تقاضہ تو صرف یہ ہے کہ اسی مقدار میں ثواب دیا جائے جتنا اس کا عمل ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کے نیک اعمال کا وزن اور مدت ایسی نہیں ہے کہ اس کے بدلہ میں خلود فی الجنۃ کا انعام مل سکے۔ یہ خلود فی الجنۃ تو دراصل نتیجہ ہے مومن کے اس قصد و ارادہ کا کہ اگر اللہ نے مجھے ہمیشہ زندہ رکھا تو ہمیشہ اس کی خوشنودی کے لیے اس کی اطاعت کروں گا۔ چونکہ عمر و ارادہ میں ہمیشگی پائی گئی ہے اس لیے اس کے بدلہ میں خلود فی الجنۃ کا انعام دیا جائے گا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیت درست رکھنے اور یاد و سماع سے بچنے کی ترغیب کے لیے متعدد اسباب اختیار فرمائے۔ کہیں فرمایا۔ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ کہیں فرمایا۔ جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا دکھاوے کو صدقہ دیا۔ شکر کیا۔ کہیں فرمایا۔ سب سے زیادہ خطرناک چیز جس سے مجھے تمہارے بارے میں خوف ہے شکر اصغر ہے۔ پرتھوہ صورت شکر اصغر کیا ہے؟ فرمایا قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں

کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ تو دکھاوے کی نیت رکھنے والوں سے فرمائے گا۔ انہیں کے پاس جاؤ جنہیں دکھانے کے لیے تم نے فلاں فلاں عمل کیا تھا۔ دیکھیں؛ ان کے پاس تمہیں دینے کے لیے کیا ہے؟ کہیں فرمایا جس نے نیک عمل کا ارادہ کیا اور پھر نہ کر سکا تو محض نیت پر ثواب ملے گا۔ ایک حدیث میں فرمایا۔ میرا ایک صحابی ایک مدینہ انصاف مد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے اور تم (یعنی صحابی) سونے کا ایک پورا پہاڑ راؤ خدا میں دے دو تب بھی صحابی کے ایک مد کی برابری نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ سونے کے ایک پورے پہاڑ کے مقابلے میں ایک مد کی حیثیت ہی کیا ہے۔ مگر چونکہ اعمال میں بنیادی اہمیت نیت کی ہے اور اخلاص نیت میں کوئی بھی صحابی کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس لیے صحابی کا حضور اعمل بھی ہمارے بڑے بڑے نیک عملوں کے مقابل خدا تعالیٰ میں ارفع و اعلیٰ ہو گیا۔

پھر خلوص نیت کا تعلق صرف اعمال ہی سے نہیں ہے بلکہ خیالات و جذبات، افکار و معتقدات کے مفید و مقبول ہونے کے لیے خلوص نیت کی ضرورت ہے۔ اگر ہم کسی سے بدگمان ہیں یا اس کے مخالف ہیں تو یہ دیکھا جائیگا کہ یہ مخالفت آیا اس لیے ہے کہ یہ اللہ کا فرمان ہے اور اس جیسے لوگوں سے اللہ نے بدگمانی کا حکم دیا ہے یا یہ بدگمانی اور مخالفت اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قطع نظر کر کے ہمیں کسی گروہ کا ساتھ دینا ہے یا کسی شخص کی خوشنودی سے اپنے نفس کی تسکین مقصود ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو بیشک ہماری بدگمانی اور مخالفت نہ صرف حق ہے بلکہ اس پر ثواب کی امید بھی ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو یقیناً ہماری یہ مخالفت و بدگمانی گناہ ہے۔ اس لیے ہر عمل، ہر عقیدہ اور ہر جذبہ کو جانچ کر دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کی تہ میں کس مذہب رضائے مولا کی طلب ہے اور کس جذبہ کوئی اور جذبہ۔

فسادِ نیت کا انجام | یہی وجہ ہے کہ فسادِ نیت کے باعث بہتر سے بہتر اور افضل سے افضل عمل کرنے والے جان ہو جائیں گے۔ مسلم شریف میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن لوگوں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب سے پہلے کرے گا۔ ان میں ایک شخص نوہ ہونگا جسے اللہ کی راہ میں شہید کیا گیا۔ یہ لایا جائیگا اور اللہ تعالیٰ فرمایگا۔ یہ یہ نعمتیں ہم نے تمہیں دیں۔ وہ جواب دے گا بیشک دی تھیں۔ اللہ کے گا پھر تو نے ان کی سپاس گزاری میں کیا کیا؟ وہ کہے گا میں تیری خاطر لڑا۔ یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمایگا کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ میری خاطر تو کہاں لڑا بلکہ تو اس لیے لڑا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں۔ پس لوگوں نے بہادر

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَىٰ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
رَجُلٌ اسْتَشْهَدَ فَإِنِّي فَعَرَفْتُهُ نِعْمَةً
فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتُ فِيهَا قَالَ
قَتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتَشْهَدْتُ قَالَ كَذَبْتُ
وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتُ لَأَنْ يَقَالَ جَرِي فَقَدْ
قَبِلَ شَرَّ أَمْرٍ بِهِ فَسَجَّ عَلَى وَجْهِهِ
حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَسَلَّمَ الْعِلْمَ
وَقَرَعَ الْقُرْآنَ فَأَتَى بِهِ فَعَرَفْتُهُ نِعْمَةً

فَعَرَفَهَا قَالَتْ مَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَتْ تَعَلَّمْتُ
الْحِسْمَةَ وَكَعَلْتُهَا وَفَرَأْتُ فِيهَا
الْقُرْآنَ قَالَتْ كَذَبْتَ وَلَٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ
الْحِسْمَةَ لَيْسَ قَالَتْ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ
شَرُّ أَمْرِ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ حَتَّى
الْتَقَىٰ فِي الْمَنَارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ
عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ
فَنَافَتْ بِهِ فَعَرَفَتْهُ يَوْمَ ذَلِكَ فَعَرَفَهَا
قَالَتْ مَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَتْ مَا تَرَكَتُ
مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُتَّفَقَ فِيهَا إِلَّا
أَنفَعْتُ فِيهَا لَكَ قَالَتْ كَذَبْتَ وَلَٰكِنَّكَ
فَعَلْتَ لَيْسَ قَالَتْ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ شَرُّ
أَمْرِ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ثُمَّ الْتَقَىٰ
فِي الْمَنَارِ -

(مشکوٰۃ، کتاب العلم)

کہا اور تجھے تیرا انعام مل گیا، پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے
میں حکم صادر فرمائے گا اور اسے منہ کے بل کھینچ کر آگ میں
ڈال دیا جائیگا۔ اور ایک شخص وہ ہو گا جس نے علم
سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا۔ یہ لایا جائیگا اور اللہ تعالیٰ
کے گا۔ یہ یہ نعمتیں ہم نے تجھے دی تھیں وہ کسے کا بیشک
دی تھیں اور اللہ فرمائیگا۔ پھر تو نے ان کی پاس گزاری۔
کیا گیا؟ وہ کسے کا میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں تک
پہنچایا اور تیرے لیے قرآن پڑھا اور اللہ فرمائے گا تو جھوٹا
علم تو نے اس لیے سیکھا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور تلاوت
قرآن اس لیے کہ تھی کہ لوگ تجھے قاری کہیں۔ پس انھوں
نے کہا اور تیرا جبر تجھے مل گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے
میں حکم صادر فرمائے گا اور اسے منہ کے بل کھینچ کر آگ میں
جھونک دیا جائیگا اور ایک شخص وہ ہو گا جس پر اللہ
نے روزی کو کشادہ کیا اور ہر قسم کا مال و منافع اسے عطا کیا۔

یہ لایا جائیگا اور اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ یہ نعمتیں ہم نے تجھے
دی تھیں۔ وہ کسے کا بیشک دی تھیں۔ اللہ کسے کا پھر تو نے ان کی پاس گزاری میں کیا کیا؟ وہ کسے کا۔ میں نے ہر اس
راہ میں مال خرچ کیا جس میں خرچ کرنا آپ پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو دروغ گو ہے میری پسند کے خیال
سے کہاں۔ تو نے تو اس لیے مال خرچ کیا کہ لوگ تجھے سخی کہیں۔ پس انھوں نے کہا اور تیرا جبر تجھے مل گیا۔ پھر اللہ
تعالیٰ اس کے بارے میں حکم صادر کرے گا اور اسے منہ کے بل کھینچ کر آگ کے حوالے کر دیا جائیگا۔

غور فرمائیے! جہاد جیسا عمل خیر، شہادت جیسی جلیل القدر نعمت، تعلیم و تعلم جیسا پاکیزہ مشغولہ، صدقہ و نیرات جیسا
نفیس کام اللہ کی خوشنودی کی بجائے دنیا کی ناموری اور شہرت کے جذبے میں مٹی کر دیا۔ صرف اتنی سی بات پر کہ دلی کے
اند بہادر کھلانے کا شوق تھا۔ عالم مشہور ہونے، قاری اور سخی پکارے جانے کی تشہی۔ سب کچھ اکارت کیا اور آگ
میں جلتا پڑا۔

اس لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور تمام عقائد و اعمال، جذبات و
خیالات کا بارگاہ الہی میں مقبول ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ ان کی تہ میں حد درجہ کا خلوص اور سناہ الہی کے حصول کی
خالص نیت کا فرما ہو۔ نیت کی مثال بیج کی طرح ہے اور اعمال و افعال گویا زمین میں جوٹنے اور پانی دینے کے درجہ ہیں۔
ہم عمل تو کریں دنیا کو کھانے کے لیے اور امید رکھیں انعام آخرت سے نوازے جانے کی تو یہ بالکل ایسے ہی ہے

جیسے بوتیں تو غموں اور نیم کے بیچ گمراہید لگائیں کھجور اور آم کے پیدا ہونے کی۔

تو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے آغاز ہجرتی حدیث انما الاعمال ذکر فرما کر اسلام کے اس بنیادی مسئلہ کو بیان فرمایا ہے کہ تمام اعمال و عقائد کے مفید ہونے کا لازماً خلوص نیت پر ہے۔ نیت میں خلوص اور ملکیت ہے تو عمل عند اللہ مقبول اور باعث اجر و ثواب ہے ورنہ ریاء و سمع کی آمیزش اچھے سے اچھے عمل کو رکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔

حدیث انما الاعمال کے مسائل اور ائمہ کا اختلاف

اسی حدیث سے وضو اور غسل میں نیت کو فرض قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ الاعمال میں الف لام استغرائی ہے تمام

اعمال، روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، وضو و غسل ہے۔ لہذا ان سب میں نیت فرض ہونی چاہیے۔ ان کے نزدیک تقدیر

حدیث یہ ہے کہ ”صحۃ الاعمال بالغیات“ اعمال کی صححت نیتوں سے ہے۔ جس سے اس امر کی وضاحت

ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر نیت کے وضو کر لیا تو ان ائمہ کے نزدیک صحیح نہ ہوگا اور نماز اس سے جائز نہ ہوگی۔ حضرت

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حدیث سے وضو میں نیت کو سنت قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تقدیر

حدیث یہ ہے: ثواب الاعمال لایکون الا بالنیۃ۔ عملوں کا ثواب بغیر نیت کے نہیں ملے گا۔ لہذا مسئلہ

یہ ہوا کہ اگر کسی شخص نے بغیر نیت کے غسل یا وضو کر لیا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس کا غسل

وضو صحیح ہو گیا اور اس غسل وضو سے نماز بھی صحیح ہوگی البتہ غسل اور وضو کا ثواب اس وقت ملے گا۔ جب کہ نیت

عبادت ملے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جن کاموں سے ثواب متعلق ہوتا ہے وہ دو قسم پر ہیں۔

عبادات مقصودہ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ عبادات مقصودہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت جو کسی دوسری

عبادت کے لیے ذریعہ اور وسیلہ نہ ہو۔ اس کا مقصود ہی ثواب ہو۔ اگر ثواب کو اس سے علیحدہ کر لیا جائے تو اس کا مقصد

ہی فوت ہو جائے۔ مثال کے طور پر نماز کو لیجئے۔ یہ عبادت مقصودہ ہے۔ اس کا مقصد ہی ثواب ہے اور یہ کسی دوسری

عبادت کے لیے ذریعہ اور وسیلہ نہ ہو۔ اس کا مقصود ہی ثواب ہو۔ اگر ثواب کو اس سے علیحدہ کر لیا جائے تو اس کا مقصد

ہی فوت ہو جائے۔ مثال کے طور پر نماز کو لیجئے۔ یہ عبادت مقصودہ ہے اس کا مقصد ہی ثواب ہے اور یہ کسی دوسری عبادت

کے لیے ذریعہ یا آلہ نہیں ہے۔ جب بھی نماز کے افعال ادا کیے جائیں گے۔ ثواب اس کے ساتھ ضرور متعلق ہو جائے

گا تو چونکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی حقیقت ہی ثواب ہے۔ اس لیے ان میں نیت فرض ہے۔ نیت کے بغیر چاہے

آپ لاکھ نمازیں پڑھیں بیکار ہیں۔

اس کے برعکس عبادات کی دوسری قسم عبادات غیر مقصودہ ہیں جن کی حقیقت ثواب نہیں ہوتی بلکہ وہ عبادات

مقصودہ کے لیے ذریعہ اور آلہ ہوتی ہیں۔ اگر ثواب کو ان سے علیحدہ بھی کر لیا جائے تو بھی وہ عبادات مقصودہ کے لیے

آلہ رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر وضو و غسل کو لیجئے۔ فی نفسہ ان کی حقیقت محض ثواب نہیں ہے بلکہ وضو و غسل بننا ہے نماز

کا بعضی اصل چیز نماز ہے اور وضو نماز کے لیے آلہ اور ذریعہ ہے تو اگر بغیر نیت کے وضو کر لیا جائے تو وضو صحیح ہو

ہو جائے اور نماز کے لیے آگاہ بن جائیگا گو ثواب نہیں ہوگا۔

ممکن ہے قارئین کو یہ شبہ پیدا ہو کہ نیت اور عدم نیت کا یہ اختلاف فضول معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو شخص وضو و غسل کرتا ہے ارادہ ہوتا ہے سچی تو کرتا ہے اور یہ ارادہ ہی نیت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیت سے ہماری مراد یہ ہے کہ کسی کام کو ثواب کی نیت سے کرنا اور یہ اسی وقت مل سکتا ہے جب کہ ثواب کی نیت کی جائے

فرض کیجئے زید بے وضو ہے۔ اتفاقاً یا ریش ہو گئی اور اس کے تمام اعضائے وضو بارش کے پانی سے دھل گئے تو ایسی صورت میں زید کا قصد نہیں ہے مگر وضو ہو گیا اور امام اعظم کے نزدیک اس وضو سے نماز جائز ہوگی لیکن امام شافعی کے نزدیک چونکہ نیت نہیں پائی گئی۔ اس لیے وضو درست نہ ہوا۔

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تم بھی عبادت غیر مقصودہ ہے حالانکہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تیمم بغیر نیت کے درست نہیں ہوتا تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ تیمم میں جو نیت فرض ہے وہ حصول ثواب کے لیے نہیں ہے بلکہ تیمم کو وضو کے قائم مقام کرنے کے لیے ہے اس لیے تیمم میں نیت فرض ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ اسی حدیث سے طلاق، عتاق اور تمام اعمال میں نیت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحت اعمال شرع میں نیت پر موقوف ہیں۔ لہذا تمام اعمال دینیہ خواہ وہ اقوال ہوں یا افعال۔ فرض ہوں یا نفل۔ سب کے سب درست اور شرعاً مجرب ہونے کے لیے نیت ضروری ہے۔ پس اگر کسی شخص نے بغیر نیت کے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو ان کے نزدیک یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن حضرت امام اعظم فرماتے ہیں کہ حدیث انما الاعمال بالنیات کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ اعمال کا وجود نیت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا حالانکہ یہ معنی بالا جماع منسوخ ہیں اور یہ بات بدیہی ہے کہ اعمال کا وجود بغیر نیت کے پایا جاتا ہے نہ صرف یہ بلکہ بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کو شریعت نے بغیر نیت کے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً قرض ادا کرنا، وعیث واپس کرنا، اذان، تلاوت قرآن مجید، درود و طاعت، ہایۃ الطریق اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا وغیرہ۔ ذالک افعال سب کے سب عبادات ہیں اور بغیر نیت کے صحیح ہو جاتے ہیں تو اسی طرح طلاق عتاق بغیر نیت کے صحیح ہونے چاہئیں۔ دوسرے طلاق صریح لفظ ہے اور صریح میں نیت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

تحقیق مقام | یہ ہے کہ حدیث انما الاعمال کے ظاہری معنی تو بالا جماع مراد نہیں بلکہ مجازی معنی امیراد ہیں اور یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا حکم نیت پر موقوف ہے۔ اب حکم دوم ہے کہ ہوتا ہے ایک وہ جس کا تعلق آخرت سے ہے اور وہ ثواب ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو دنیا سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ عمل جائز ہو یا مکروہ، فاسد ہو یا عرام حکم کی یہ دونوں قسمیں آپس میں متضاد ہیں۔ کیونکہ اول کی بنیاد صدق ارادہ اور خلوص نیت پر ہے۔ اگر نیت پائی گئی تو ثواب پایا جائیگا ورنہ نہیں اور دوسری کا مبانی یہ ہے کہ اس عمل کے ارکان و شرائط پائے گئے یا نہیں تاکہ اس کی صحت یا عدم صحت کا حکم کیا جائے خواہ اس میں نیت ہو یا نہ ہو تو جب لفظ حکم دوم پر مشتمل ہوا تو یہ بحسب وضع کے مشترک ہو گیا اور تنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ مشترک میں عموم نہیں ہوتا۔

یعنی لفظ مشترک کے دونوں معنی ایک دم لینا جائز نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی مجاز میں عموم کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں دونوں میں سے ایک معنی لینا لازم ہے۔ لہذا امام شافعی نے نوع ثانی کو اختیار کر لیا۔ اس بنیاد پر کہ حضور علیہ السلام کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ آپ اعمال کی صحت و فساد، حلال و حرام کے متعلق حکم صادر فرمائیں۔ اس لیے انھوں نے حدیث انما الاعمال کے معنی یہ کہیے کہ صحت اعمال نیت پر موقوف ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہ نے نوع اول کو اختیار فرمایا اور تقدیر حدیث یہ قرار دی کہ اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ نوع اول کو اختیار کرنے کی ان کے پاس دو دلیلیں ہیں جو نہایت محقول ہیں۔ اول یہ کہ یہ بات تو بالاتفاق تسلیم ہے کہ نیت کے بغیر ثواب نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں اگر صحت کو بھی مراد لے لیا جائے تو مشترک میں عموم لازم آئے گا جو باطل ہے۔ دوم یہ کہ ثواب کو مقدر ماننے میں یہ فائدہ ہے کہ یہ ثواب اپنے عموم پر باقی رہتا ہے اور کسی بھی نوع میں اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ یہ بالا جماع ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ثواب اعمال نیت ہی پر موقوف ہیں۔ اس کے برعکس اگر صحت کو لیا جائے تو اس میں لامحالہ تخصیص کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس میں بعض اعمال مثلاً نکاح، بیع و شراہ وغیرہ کی صحت بلا نیت بھی بالاتفاق تسلیم کی جاتی ہے۔

غرض کہ شواہد تفصیح مقدر مانتے ہیں جس سے اس رائے کو تقویت پہنچتی ہے کہ بلا نیت کے وضو سے نماز درست نہ ہو اور احناف ثواب مقدر مانتے ہیں تو اس سے اس رائے کو مدد ملتی ہے کہ بلا نیت کے وضو پر ثواب تو نہ ملے گا لیکن اس وضو سے نماز درست ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ بدیہی بات ہے کہ اگر کوئی شخص بدن کو پاک کرے یا سحر لبا سے پہنے اور مقصود صرف فرحت حاصل کرنا اور صاف پوشی ہو۔ بدن کو نجاست سے پاک کر کے وقت اور تبدیل لباس کے وقت یہ تصور بھی نہ ہو کہ دونوں کام نماز پڑھنے کی نیت سے کیے جا رہے ہیں۔ پھر نماز کا وقت آجائے اور وہ شخص وضو کر کے نماز پڑھ لے تو بتدییہ نماز ہوگی یا نہیں تو ظاہر ہے کہ شواہد بھی یہ کہیں گے کہ نماز ہو جائے گی تو ہم کہیں گے کہ جیسے بدن اور لباس کی پاک نماز کے لیے شرط ضروری ہے اور وہ نیت کے بغیر ہو سکتی ہے تو اس طرح وضو بھی ایک شرط ہے۔ جسے نیت کے بغیر مقرر ہونا چاہیے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ پانی طاهر و مطہر (پاک اور پاک کر کے والا ہے) قرآن کریم نے مارطورا فرمایا ہے تو پانی سے بدن یا کپڑا جو کچھ بھی دھلے گا غدا بخود پاک ہو جائے گا۔ نیت ہو یا نہ ہو۔ یہی حال وضو کا ہے کہ پانی چونکہ اصلاً طاهر و مطہر ہے اس لیے بلا نیت کے وضو سے بھی وہ پاک حاصل ہو جائے گی جو نماز کے لیے شرط ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مسلک بہت قوی معلوم ہوتا ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد پر امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ اور ائمہ ثلاثہ کے مابین متعدد مسائل میں اختلاف ہو جاتا ہے جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ زیر تفصیل حدیث سے متعلق یہ امر بھی قابل وضاحت ہے کہ جب حدیث میں ”الی دنیا“ آگیا تو

تو اس میں عورت بھی آگئی۔ پھر ائی امراۃؓ فرمائے کی کیا ضرورت تھی؟ علامہ قسطلانی و دیگر شارحین نے جواب دیا چونکہ عورت ہی دنیا میں سب سے زیادہ فتنہ و فساد کا سبب بنتی ہے۔ لہذا تخصیص بعد التعمیم کے طور پر اسے خصوصیت سے ذکر کر دیا جیسا کہ قرآن کریم میں لفظ ملائکہ کے بعد جبریل کا ذکر آیا ہے اور حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَا تَرَكْتُ بَدَنِي فِتْنَةً اَصْرَعَ عَلَى
الرُّجُلِ مِنَ النِّسَاءِ (یعنی جلد ۳۲)

میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر فتنہ انگیز چیز کوئی نہیں چھوڑی۔

تو اگرچہ لفظ دنیا میں عورت آگئی تھی مگر خصوصی تنبیہ کے طور پر عورت کا پھر ذکر فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ تو بہتر ہے ایک طرف ہے اور سوال تو پھر بھی باقی رہتا ہے کیونکہ دنیا میں جو چیز فتنہ و مصیبت کا سبب بنتی ہے وہ صرف عورت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ مال و دولت اور اولاد بھی ہے جس کا ذکر خود قرآن حکیم نے کیا ہے پھر عورت مطلقاً ایسی چیز نہیں ہے جو فتنہ و فساد کی جڑ بنے۔ حدیث میں یہ بھی تو ہے کہ عورت صالح ہو تو دنیا کی بہترین مساعیج اور یہ بھی کہ الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتْلَعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْعُوهُ الصَّالِحَةُ دُنْیَا پوری کی پوری سراہ ہے اور اس سراہ کا سبب سے بہترین حصہ صالح عورت ہے۔

بعض شارحین نے یہ جواب دیا کہ یہ حدیث مہاجر ام القیس کے متعلق آئی۔ مدینہ میں قبیلہ نامی ایک عورت تھی جن سے ایک صاحب نے نکاح کرنا چاہا تو قبیلہ نے کہا کہ اس سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آؤ تو نکاح منظور ہے چنانچہ انھوں نے ہجرت کر کے نکاح کر لیا۔ لوگ انھیں مہاجر ام القیس کہنے لگے لہذا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کے طور پر خصوصاً عورتوں کا ذکر بھی فرمادیا۔

۲۔ اب یہی بات کہ عمل مخلوط یعنی ایسے عمل کا کیا حکم ہے جس میں دین و دنیا دونوں کی غرضیں مل جل گئی ہوں۔ مثلاً ایک شخص حج کے لیے جاتا ہے اور تجارتی منفعت کا بھی کوئی پہلو اس کے پیش نظر ہے تو ثواب ملے یا نہیں۔ واضح ہو کہ اصطلاح شرع میں خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کر لے کو نیت کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض وہ اعمال و افعال جو عبادت نہیں ہیں اگر ان کے کرنے والا قرعہ کی نیت کر لے تو ان پر بھی ثواب ملتا ہے چنانچہ عمل کی چند صورتیں ہیں:-

- ۱۔ عمل کا باعث اور اصل محرک صرف دنیا ہے تو ثواب نہیں ملے گا۔
- ۲۔ عمل کا باعث تو صرف آخری ہے مگر مضمناً کوئی دنیوی منفعت بھی ملحوظ ہے تو یہ عمل عبادت ہی سمجھا جائیگا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جس نسبت سے دنیاوی نیت شامل ہے اسی نسبت سے ثواب میں کمی ہو جائیگی۔
- ۳۔ پھر اس میں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ دوسرا مقصد جو عبادت کے ساتھ ملایا گیا وہ حلال ہے یا حرام۔ اگر حرام ہے تو عمل ضائع ہو جائے گا اور اگر حلال ہے تو بقدر نیت دنیاوی ثواب کم ہو کر رہ جائیگا۔
- ۴۔ اور اگر عمل کا اصل محرک صرف رضا کے الٰہی ہے اور مضمناً بھی کوئی دنیاوی منفعت ملحوظ نہیں ہے تو ہر عمل

اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور ثواب کامل اس پر دیا جائیگا۔ اب انکی مثالیں لیجئے۔

ایک شخص حج کے لیے روانہ ہوا۔ عزم دارودہ توفریقہ حج کی ادا کیگی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی ہے کہ موقع ملا تو تجارت بھی کر لوں گا اور عزم بزاد قارب سے بھی مل لوں گا تو اس کا یہ فعل عبادت ہی قرار پائے گا قرآن حکیم میں اس کے متعلق فرمایا ہے۔

لَئِنْ عَلَيْنَا مِثْلُ الْبَلَاءِ | تَمَّ بِكَ كَيْفَ لَمْ يَكُنْ لَكَ نِيَّةٌ أَنْ تَقْتَتُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض مسلمانوں نے خیال کیا کہ راو ج میں جس نے تجارت کی اس کا حج ہی کیا ہے پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ راو ج میں تجارت کرنا مباح ہے جس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ عمل مخلوط میں یہ دیکھنا پڑے گا کہ دوسرا مقصد حرام ہے یا حلال۔ اگر حرام ہے تو عمل بھی ضائع ہو جائے گا پیسے حج کرنے والا یہ نیت بھی کرے کہ حج کر کے حاجی کہلاؤں گا اور دوسروں کی ٹھکانہ میں عمرت و دعا حاصل کروں گا تو چونکہ یہاں سمعہ حرام ہے اس لیے یہ حج بھی ضائع ہو جائے گا اور اگر دوسرا مقصد حلال ہے تو بقدر حصہ ثواب مل جائیگا مثلاً حج ہی کو لیے لیجئے کہ نیت توج کی کی ہے مگر اس کے ساتھ تجارت کا بھی خیال ہے تو تجارت چونکہ حلال ہے اس لیے ثواب حج تو ملے گا مگر چونکہ اس میں تجارت کی نیت بھی ہے تو جس نسبت سے دنیاوی نیت شامل ہے اسی نسبت سے ثواب کم ہو کر ملے گا۔ بہر حال یہ نیت کا معاملہ ایسا ہے کہ عمل میں جس قدر زیادہ خلوص ہوگا۔ اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوگی اور خلوص میں جس قدر کمی ہوگی ثواب میں بھی کمی ہو جائے گی اور سب سے برتر وبال العمل وہی ہے جس میں شروع سے لے کر اخیر تک حسن نیت بجاں قائم رہے اور غمنا بھی کسی دنیاوی منفعت کا خیال نہ کرے ہو۔

نزول وحی کی کیفیت۔ وحی کی حقیقت اور اس کے اقسام

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ حادث بن ہشام نے پوچھا۔ یا رسول اللہ۔ آپ پر وحی کیونکر آتی ہے۔ فرمایا کبھی گھڑیاں کی آواز کی طرح میرے پاس آتی ہے اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے اور پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے در آنحالیکہ میں اس سے مفہوم اخذ کر لیتا ہوں اور کبھی وہ فرشتہ (جبریل) میرے لیے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور مجھ سے باتیں کرتا کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں اسے محفوظ کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وحی اتارنے کی

حدیث نمبر ۲۔ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَانًا يَأْتِيَنِي مِثْلُ صَلَاسَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّ عَلَيَّ فَيَفْصِمُ عَنِّي وَهَذَا وَغَيْثُ عَنْهُ مَا قَاتَلَ وَأَحْيَانًا يَتَشَبَّهُ لِيَ الْمَلَكُ وَحَبْلًا

کی حالت میں میں نے آپ کو دیکھا کہ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تھی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی جبین مبارک سے پسینہ بہتا تھا۔

(بخاری)

فِي مَنِيٍّ فَأَنجَىٰ مَا لَمْ يَمُوتْ فَوَلَّاتْ عَائِشَةُ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَلَمَّا رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ
عَلَيْهِ الْوَسْطَىٰ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ
فَيَقْصِرُ عَنْهُ وَإِنْ جَبِينُهُ لَيَتَفَصَّدُ
عَرَقًا

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام نے باب بدر الخلق میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے فضائل میں ۲۔ حضرت عارث بن ہشام حضرت خالد بن ولید کے چچا زاد بھائی تھے۔ بحالت کفر جنگ بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ پھر فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت ام ہانی نے حضرت عارث کو امان دی تھی حضرت علی انھیں قتل کرنا چاہتے تھے۔

حضرت ام ہانی نے بھنور نبوی عرض کی۔ سرکار حضرت علی ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہیں جس کو میں امان دے چکی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے امان دی۔ یہ سن کر حضرت علی بھی دستکش ہو گئے۔

حضرت عارث کے تیس سال بچہ رہے تھے۔ جن میں سے ابوبکر مہینہ منورہ کے فقہار سید میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت عارث نہایت مہمان نواز، شریف اور سخی تھے۔ عہد فاروقی میں مکہ معظمہ سے شام کی طرف اس عزم سے روانہ ہوئے کہ باقی عمر جہاد میں صرف کر دوں گا۔ ماورج ۱۵ھ جنگ یرموک میں شہید ہوئے (استیعاب)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر لفظ ام المومنین کا اطلاق، قرآن مجید کے ارشاد اذْوَاجُہٗ اُمَّهَاتُھُمْ سے ماخوذ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری مقدس بی بی ہیں۔ آپ کا نام عائشہ اور کنیت ام عبد اللہ ہے۔ آپ کی کنیت ام عبد اللہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رکھی تھی۔ جب کہ آپ کے بھانجے عبد اللہ بن زبیر کو بغرض تنہیک بحضور نبوی پیش کیا گیا تو حضور نے فرمایا۔ یہ عبد اللہ ہے اور تم ام عبد اللہ (فتح الباری)

والدہ کا نام امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور والدہ کا نام ام رومان زینب بنت عامر ہے جن کا انتقال ۸۱ھ میں ہوا۔

حضرت عائشہ بنت ابی بکر کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ نبوت کے دسویں سال حضور علیہ السلام کے عقد نکاح میں آئیں۔ آپ کی عمر شریف اس وقت ۶ سال کی تھی۔ حضرت عبد المجتہد الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد نولہ بنت حکم کی واسطے سے نکاح ہوا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے بعد حضور علیہ السلام تین سال مکہ میں مقیم رہے۔ ۸۱ھ ہجری میں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو حضرت ابوبکر ساتھ تھے۔ اہل و عیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے۔

جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال کو مدینہ بلا لیا۔ حضور علیہ السلام نے بھی حضرت فاطمہ، ام کلثوم اور حضرت سودہ وغیرہ کے لانے کے لیے حضرت عبداللہ بن ابیطالب کو بھیج دیا۔ ماہ شوال میں ۹ سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔

وفات: حضرت عائشہ صدیقہ نے ۹ سال تک حضور علیہ السلام کے ساتھ زندگی بسر کی۔ جب حضور علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ کی عمر شریف ۱۸ سال تھی۔ حضور علیہ السلام کے بعد حضرت عائشہ ۴۸ سال زندہ رہیں اور ۶۷ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۶ سال تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ اس وقت مروان بن حکم کی طرف سے حاکم مدینہ تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

فضائل ازواج مطہرات میں حضرت ام المومنین سیدہ عقیقہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل و مناقب، آپ کا ورع تقویٰ، علم و فقاہت اور اجتہاد بصیرت انہی اعلیٰ ہے کہ جس کے بیان کے لیے دفتر ذکر کا حصہ مختصر یہ کہ آپ ام المومنین ہیں۔ آپ سے حضور علیہ السلام کی بہت محبت تھی۔ اسی محبت کی وجہ سے آپ نے اپنے مرض وفات میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے کر اپنی مقدس زندگی کے آخری ایام سیدہ عائشہ کے نوری حجرہ میں بسر فرمائے۔ اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا۔ ان کے متعلق احادیث و سنیوں کی کثیر واقعات ہیں جو بوجہ اختصار چھوڑے جا رہے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود ہی تحدیثِ نعمت کے طور پر فرماتی ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے نو خوبیاں ایسی عطا فرمائی ہیں جو کسی عورت کو نہ ملیں۔

۱۔ عقد سے پیش میری تصویر حضرت جبریل امین نے بحضور نبوی پیش کی (یہ تصویر قدرتی تھی کسی انسان کی بنائی ہوئی نہ تھی) ۲۔ حضور علیہ السلام نے بجز میرے کسی اور کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا ۳۔ میں آپ کے خلیفہ اور صدیق کی صاحبزادی ہوں ۴۔ مجھ کو پاکیزہ کے گھر پاکیزہ پیدا فرمایا ۵۔ بوقت وصال حضور علیہ السلام کا سر اندس میری گود میں تھا ۶۔ حضور میرے گھر میں دفن ہوئے، حضور میرے گھر میں ہوتے تو بھی وحی نازل ہو جاتی تھی ۸۔ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا لَھُمْ مَغْفِرَةٌ وَ رِزْقٌ کَرِیْمٌ

۹۔ میری برأت آسمان سے نازل ہوئی۔ بعض اہل تحقیق نے فرمایا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام پر بہت رکھی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے آپ کی برأت ظاہر فرمائی۔ حضرت مریم کو مطہون کیا گیا تو ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بجات شیر خوار کی آپ کی برأت کا اظہار فرمایا گیا لیکن جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو متہم کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت کسی بچے یا کسی نبی کی زبان سے نہیں کرائی بلکہ اپنے محبوب کی زوجہ محترمہ کی خود برأت فرمائی اور سورہ نور نازل فرما کر جناب عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی پر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ علم و فضل کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں۔ علمی زندگی

حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہ آپ کے علم و فضل کے معترف تھے اور مسائل میں آپ سے استفسار کرتے تھے۔ آپ سے ۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۱۷۴ احادیث پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے۔ بخاری نے ان سے منقولاً ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں ۶۵ حدیثیں امام مسلم نے منقولہ طور پر روایت کی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کو جب کوئی مشکل سوال پیش آتا تو اس کو حضرت عائشہ صدیقہ ہی حل کرتی تھیں۔ تفسیر حدیث، اسرار شریعت، خطابت، ادب اور انساب میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

مختصر یہ کہ ایک مسلمان کے لیے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت عائشہؓ حضور علیہ السلام کی محبوب بی بی ہیں۔ ام المومنین ہیں۔ صدیق اکبرؓ کی صاحب زادی ہیں اور حضور علیہ السلام بیٹا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد ہیں یعنی صدیق وہ ہیں جن کے داماد کو کم رسول، نہ صرف رسول بلکہ رسولوں کے رسول اور اللہ کے محبوب اور خاتم النبیین ہیں۔ سبحان اللہ!

حضور اکرم کی ازواج المؤمنین ہیں | بخاری و کتب حدیث میں ازواج مطہرات کے ساتھ ام المؤمنین کا لفظ بھی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے اور حضور علیہ السلام کی ازواج کی فضیلت دراصل خود حضور علیہ السلام کی فضیلت کا ایک شعبہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

لَسْتَنَّا كَآخِذٍ مِنَ النَّسَاءِ | اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو
النَّسَاءُ میں الف لام حقیقی ہے۔ لفظ احد بھی موجود ہے جیسے لَعْنُیْکُنْ کَفَوَاحِدٍ میں ہے جس سے
واضح ہوتا ہے کہ ازواج رسول کا درجہ و مقام ہر عورت سے بالاتر ہے۔ ————— البتہ یہ ظاہر ہے کہ ازواج
رسول جلد احکام میں مسلمانوں کی باتیں نہیں ہیں ورنہ امتیوں سے پردہ کیوں ہوتا؟ ماں چونکہ بے حد معظم و محترم
ہستی ہوتی ہے اور کسی طرح غلط خیالات و جذبات ان کے بارے میں انسان کے اندر پیدا نہیں ہوتے اس
لیے بطور تخلیف و تکریم ازواج رسول کو اہمات المؤمنین فرمایا گیا۔

۱۔ اِنَّا اَخْلَقْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ (قرآن کریم) | اے محبوب! ہم نے تمہاری ازواج کو تمہارے لیے حلال کر دیا
اس آیت سے یہ فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام کی بیویوں کا ازواج النبی ہونا بمنظوری رب العالمین
ہے اور ظاہر ہے کہ بمنظوری فی الواقعہ ان کے لیے فضیلت علیہ السلام ہے۔

۲۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ
وَلَا أَنْ تَكْفُرُوا أَنْفَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ
أَيُّدًا

اے ایمان والو! تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ تم رسول کو
ایذا دو اور یہ بھی جائز نہیں کہ رسول کے بعد ان کی
ازواج مطہرات سے نکاح کرو۔

اس آیت میں ان کی حرمت دوام کا اعلان ہے۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ پہلے اس آیت میں حضور علیہ السلام کو

ایذا دینے سے روکا گیا۔ اس کے بعد حقوق ازواج بیان کیے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایذا رسول کے جس قدر اقسام ہو سکتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ سخت صورت وہ ہوگی جس میں حضور علیہ السلام کی ازواج کی شان کے خلاف کوئی رویہ اختیار کیا گیا ہو اور یہ اس لیے کہ اس آیت میں ایذا رسول کے تحت یہ خصوصیت سے اسی جرحی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

۴۔ اَلَّتَّيْئَةُ اَوَّلُهَا لِمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
وَ اَزْوَاجِهِمْ اُمَّهَاتُهُمْ
مومنین سے نبی ان کی جانوں سے بڑھ کر نزدیک ہے اور
نبی کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ازواجہم و انفسہم کی ضمیر مومنین کی طرف ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ ازواج النبی کا لقب امہات المومنین ہے نہ کہ امہات الامت، لفظ مومنین کے استعمال کا راز یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے۔
اول۔ مومن وہ ہے جو نبی علیہ السلام کو اپنی جانِ شیریں سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔

دوم۔ مومن وہ ہے جو ازواج النبی کو اپنی ماں جانتا ہے وہ ماں نہیں جس سے حرمِ عسریٰ کا ظہور ہوا بلکہ وہ ماں جس کی فرزندگی کا شرف اس کو ملتا ہے جس کو (ولاء) محبت نبی اور ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

مسئلاً: اگر بوقتِ وحی حضرت عائشہ موجود تھیں تو حدیثِ ہذا مسند قرار پاتے گی۔ اسی بنا پر بعض علما نے حدیثِ ہذا کو حضرت عائشہ کے مسند میں خرچ کیا۔ اگر موجود نہ تھیں بلکہ حضرت حارث نے انھیں جواب و سوال کی خبر دی تو حدیثِ ہذا مرسل صحابی ہے جو جوہور کے نزدیک منہ کے حکم میں ہے چنانچہ مسند امام احمد و مجمع بغوی وغیرہ سے احتمال ثانی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان میں عن عائشہ عن الحارث بن ہشام قالت سالت کے الفاظ ہیں مگر احتمالِ اول مشہور ہے۔

کیف یا تیک الموحی۔ حضور علیہ السلام سے سوال ہوا آپ پر وحی کیسے آتی ہے؛ فرمایا دو طرح ایک تو مانند آوازِ جرس کا آنا دوم فرشتہ کا انسانی شکل میں آکر کلام کرنا۔

سوال۔ حضور علیہ السلام کے اس جواب میں وحی کی کیفیت کا بیان ہے۔ ابتداء وحی کی کیفیت کا بیان نہیں ہے اور ترجمۃ الباب ابتداء وحی کی کیفیت ہے لہذا یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں۔

جواب۔ ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ حدیث میں ایثارِ وحی کی دو صورتوں کا بیان ہے اور ظاہر ہے کہ ابتداء وحی کی کیفیت انہیں دو صورتوں میں سے ایک ہوگی لہذا حدیثِ ہذا ترجمہ کے مطابق ہے۔

سوال۔ سائل نے وحی کی کیفیت دریافت کی تھی۔ حاملِ وحی کی صفت دریافت نہیں کی تھی اور جواب میں حاملِ وحی کی صفت کا بھی بیان ہے کہ کبھی فرشتہ بشکل انسانی حاضر ہو کر کلام کرتا تھا۔ لہذا جواب سوال کے مطابق نہیں۔

جواب۔ اگر کسی سوال کے جواب میں سوال سے زائد امر کو بھی بیان کر دیا جائے تو ایسے جواب کو سوال کے غیر مطابق نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ یہ جواب مع الزیادہ کہلاتا ہے۔ جواب میں اضافہ نہ کرتے رہتے ہوئے دیکھتے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوا تمہارے ہاتھ میں کیسی ہے عرض کی اھی عصا یہ مبرا صلب ہے جواب

تو اسی عہد پر ختم ہو گیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کے مزید فوائد بھی عرض کر دیے۔

اَنَّا وَكُنَّا عَلَيْهَا وَاهْنًا عَلٰی غَشِيٍّ | میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں۔ اپنی جگہوں کے لیے دخت
وَلِيٍّ فِيْهَا مَا رِبٍّ اُخْتَلٰی | سے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اس میں دوسرے کام
(قرآن مجید) بھی ہیں۔

دیکھئے جواب موسیٰ میں یہ اضافے اس نکتہ پر مبنی ہیں کہ آپ کے عصا کے فوائد کا اضافہ بطور تسکیر کیا کیونکہ نعمتوں کا شمار بھی تسکیر ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے بھی جواب میں اضافہ اظہار تسکیر کے لیے کیا کہ بشکل انسانی فرشتہ کا وحی لے کر آنا بھی نعمتِ عظیمہ ہے یا آپ نے بھی جواب میں اضافہ اس لیے فرمایا کہ معصیت وحی کے بیان کے بعد مسائل کے ذہن میں حاملِ وحی کے متعلق بھی سوال پیدا ہوتا تو حضور علیہ السلام نے پہلے ہی سے حاملِ وحی کی صفت بھی بیان فرمادی تاکہ مسائل کو سوال کی زحمت ہی نہ ہو۔

صلصلة مسلسل اور متصل آواز کو کہتے ہیں اور جس میں گھڑیل کو جو اسکولوں اور دفاتر وغیرہ میں چھٹی کے وقت بجایا جاتا ہے اس پر جب ضرب پڑتی ہے تو آواز میں گونج ہوتی ہے۔ اسی طرح بلا مثیل حضور علیہ السلام کو ہاتھ غیب سے آواز آتی تھی ذکوئی صورت نظر آتی اور نہ یہ کلام صریح ہوتا۔ سمجھانے کے لیے اس غیبی آواز کو ہانگہ جس سے تشبیہ دی گئی۔ چنانچہ اسی مقصد کے وحی کی دوسری قسم یہ بیان فرمائی کہ بلنے والا فرشتہ مجھ ہو کر سامنے آگیا تھا اور باتیں کرتا تھا۔

وہوا شدہ علیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ صللصلة الجرس والی وحی بہت شدید و ثقیل ہوتی تھی اور دوسری قسم کی وحی میں اتنی شدت نہیں ہوتی۔ اس کی اصل وجہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ پھر حکمرانِ انسانی میں یہ طاقت ہی کہاں ہے کہ وہ ناقابلِ تشریح امور کی حقیقت و ماہیت کو پاسکے۔ البتہ یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ صللصلة الجرس والی وحی آواز جرس کی طرح ایک کلام تھا۔ اس لیے اس کا دشوار و سخت ہونا قدرتی بات ہے۔ اس لیے اس نوع کی وحی میں آپ دشواری محسوس فرماتے ہوں گے اور دوسری صورت میں تو فرشتہ بے شکل ہو کر کلام صریح پیش کرتا تھا۔ اس لیے اس میں وہ دشواری نہ ہوتی ہوگی۔

فیفصصوعنی۔ قسم کے معنی قطع ہونے، جدا ہونے کے ہیں وقد وعبیت عندہ کے معنی جمع کرنے، حفظ کرنے اور سمجھنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب جرس کی طرح مسلسل آواز آتی تو پھر وہ منقطع ہوا تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے مطلب اخذ فرما چکے ہوتے تھے۔

بیشکل فی الملئک۔ یہ وحی کی دوسری کیفیت کا بیان ہے کہ کبھی فرشتہ بشکل انسانی حاضر ہو کر کلام کرتا۔ ملک سے مراد جبریل امین ہیں۔ رجلا سے معلوم ہوا کہ جبریل امین مروانہ شکل میں حاضر ہوتے تھے۔ اس حدیث سے فرشتہ کا وجود ثابت ہوا۔ یہ نوللی مخلوق ہے اور کسی بھی شکل و صورت میں آسکتی ہے۔ حضرت جبریل امین عموماً حضرت دجہ صحرانی کی شکل میں حاضر ہوتے تھے اور کبھی کسی اعرابی کی صورت میں۔

فائدہ علامہ قسطلانی نے بحوالہ تفسیر ابن عادل لکھا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کو

حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں بارہ مرتبہ

حضرت ادریس علیہ السلام کی خدمت میں چار مرتبہ

حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں پچاس مرتبہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بیالیس مرتبہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں چار سو مرتبہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں دس مرتبہ اور

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت آٹھ سو چوبیس ہزار مرتبہ باریابی کا شرف حاصل ہوا۔

۲۔ اس حدیث میں وحی کی دو صورتوں کا بیان ہے مگر مقصود حصر نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کو ان صورتوں

کے علاوہ بھی وحی ہوتی تھی چونکہ ان دو طریقوں سے اکثر و بیشتر وحی سے نوازا جاتا تھا۔ اس لیے ان دو صورتوں کو خصوصیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔

۳۔ وحی کی دو صورتیں اس حدیث میں بیان ہوئیں۔ اول۔ صلصلة الجرس۔ گھڑیاں کی طرح

آواز آنا۔ دوم۔ فرشتہ کا آدمی کی صورت میں آنا اور پیغام الہی پہنچانا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صلصلة

الجرس والی وحی قرآن میں نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کلام صریح ہوتا ہے اور یہ صرف ایک آواز تھی جس سے

حضور علیہ السلام مفہوم اخذ فرماتے تھے۔

۴۔ عجیب و غریب امور کی تحقیق و تفتیش کا شوق انسان کی جبلت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ حضرت

حارث نے وحی کے متعلق جو سوال کیا وہ بھی اسی فطری داعیہ کے ماتحت تھا۔ یہ نہیں کہ آپ کو وحی کے بارے

میں کوئی شک و شبہ تھا (۲) اسی سے علمائے یہ مسئلہ نکالا کہ سوال کرنے کا جواز صرف مسائل شریعت ہی کے ساتھ

خاص نہیں ہے بلکہ پوشیدہ حقائق و اسرار کے بارے میں سوال کرنا بھی جائز ہے۔

بند جن امور کی معرفت کے مکلف نہیں انہیں زیر بحث لائیں | چنانچہ فقہار کرام نے اس سلسلہ

میں یہ ہدایت دی ہے کہ وہ

باتیں جن کی تحقیق و تفتیش کے ہم مکلف نہیں اور جن کی معرفت ضروری نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں زیر بحث

نہ لایا جائے۔

رد المحتار میں ہے۔ مثلاً یہ سوال کہ جبریل امین کس طرح اُسے کس شکل میں حضور نے ان کو دیکھا کہ جب حضور

نے ان کو بشری شکل میں دیکھا تو وہ فرشتے سے یا نہیں اور جنت و دوزخ کہاں ہے۔ قیامت کب ہوگی۔

عیسے علیہ السلام کس تاریخ کو نازل ہوں گے۔ حضرت اسماعیل افضل ہیں یا حضرت اسحاق۔ ان دونوں میں پہلے

کون ہے؟ حضرت فاطمہ افضل ہیں یا حضرت عائشہ۔ حضور علیہ السلام کے والدین کس دین پر تھے اور ابو طالب

کا کیا دین تھا؟ حمدی کون ہیں۔

یَنْبَغِي أَنْ لَا يَسْتَلِ إِلَّا فَنَاسَ عَمَلًا حَاجَةً
إِلَيْهِ مِمَّا لَا يَجِبُ مَعْرِفَتَهُ وَلَوْ مِيرَد
التَّكْلِيفِ بِهِ (رد المحتار ج ۵ ص ۵۷۲)

اس قسم کی اور باتیں جن کی معرفت ضروری نہیں
بندہ ان کے ساتھ مکلف ہے۔ انہیں زیر بحث
لانا چاہئے۔

بلکہ میرے نزدیک تو فی زمانہ اس نوع کے مسائل کو زیر بحث نہ لانا ضروری ہے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے
کہ اس نوع کے مسائل میں بحث و تجسس سے فقہوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پارٹیاں اور فرقے بن جاتے
ہیں اور سخت انتشار و افتراق پیدا ہو جاتا ہے۔

فَأَعِ مَا يَقُولُ؛ حضور ربہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب فرشتہ مراد شہل میں ظاہر ہو کر کلام
کرتا تو میں اس کو محفوظ کر لیتا۔ صحیح ابن عوامہ میں یہ لفظ بھی ہیں وَهَوَا هَوْنَهُ عَلَيَّ اور وحی کا اس کیفیت
سے آنا مجھ پر آسان ہوتا تھا۔ یعنی اس کو محفوظ کرنے میں مجھے آسانی ہوتی تھی۔

لِيَتَفَصَّدَ؛ تفصد کے معنی بہنے کے ہیں۔ فصد کو اسی لیے فصد کہتے ہیں کہ خون بہانے کے لیے ٹس
کو کاٹتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ بوقت وحی حضور علیہ السلام کو جبیں یا قدس
سے پسینہ بہتا تھا۔

یہ پسینہ کا بہنا دراصل وحی الہی کی ہیبت و عظمت کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ متعدد احادیث کا مضمون ہے کہ
وحی کی شدت و ثقات

عالم ہونا کہ جبیں اقدس پسینہ سے تر ہو جاتی۔ چہرہ مبارک شرف ہو جاتا۔ آپ
اوشی پر جا رہے ہوتے اور وحی نازل ہوتی تو اوشی بوجھ سے بیٹھنے لگتی۔ حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے کہ

حضور علیہ السلام کا سر مبارک میری ران پر تھا کہ اس حالت میں آیت کا یہ ٹکڑا نازل ہوا عَيْنُ الْمُؤْمِنِ الضَّرِيرِ
تو میری ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ میرا خیال ہو گیا کہ ران کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ حضور علیہ السلام غارِ ارا
سے تشریف لاتے تو قلب اقدس دھڑکتا ہوتا۔ سردی محسوس فرماتے تو چادر اوڑھا دینے کا حکم دیتے اس

سے اندازہ کیجئے کہ وحی کس قدر شدید و ثقیل ہے اور اس کے تحمل و برداشت کے لیے کیسے مطمئن قلب کی ضرورت ہے

قرآن پاک نے وحی کو قَوْلٌ لَّيْقٌ لِّالْعَالَمِينَ قَوْلٌ لِّقَبِيلٍ فرماتے۔ اس کے نقل و شدت کا کیا

ٹھکانہ ہے۔ ایک دوسرے مقام پر قرآن حکیم نے وحی کی شدت و قوت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

لَوْ أَنزَلْنَاهُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاكَ
خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

اللہ اکبر! جس وحی سے پہاڑ پارہ پارہ ہو جائیں، جن کی شدت و ثقات کو پہاڑ جیسی سخت چیز برداشت
نہ کر سکے۔ اسے انبیاء کرام برداشت کرتے ہیں۔ جس کا معمولی سا مغاہرہ دیکھنے کے اوشی یا حضرت زید بن ثابت کا

کا زانو جس کو وحی سے براہ راست تعلق نہیں تھا۔ صرف مہبطِ وحی کے جسدِ مبارک سے اس کا اتصال تھا مگر پھر بھی وحی کی شدت کو محسوس کر رہا تھا۔ اس سے قلوبِ انبیاء کی زبردست قوتِ برداشت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اقدس پر جو کچھ نازل ہوا۔ ہمارے دل اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

وکیف یکون لمورد الموحی ومنزل القرآن
نسبة مع رجل من امنه هیہات ذالک
(جہتہ البانہ جلد دوم ص ۵۶۳)

اور وہ ذاتِ اقدس جس پر وحی نازل ہوئی اور قرآن اُترا اس کی اپنی امت کے ایک شخص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ان دونوں کی حالت میں بڑا فرق ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسری و برابری کا دعویٰ کرنے والے اگر صرف نفسِ وحی کی شدت اور قوت ہی کو ذہن میں رکھ کر غور کریں تو یہ بات کھل جائے گی کہ انبیاء کے کرامِ عظیم اسلام باوجود انسان ہونے کے عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتے۔ ان کی بشریت و انسانیت نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ان کے قواعدِ بشریت پر کوبہ ریزہ ریزہ کر دینے والی چیز کو برداشت کر لیتے ہیں۔

بشر ضرور ہیں پر داخلِ انام نہیں
وحی کے لغوی معنی

وحی کے لغوی معنی اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، خفیہ بات کرنا کے ہیں (لسان العرب) امام کسائی عرب کا محاورہ بتاتے ہیں۔

وحیت الیہ بالکلام و اوحیت الیہ وهو
ان تکلمہ بکلام تخفیہ من غیہم
ابو اسحاق امام لغت کہتے ہیں۔

کسی سے اس طرح بات کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاؤ۔

وَأَصْلُ الْوَحْيِ فِي الْلُغَةِ كَلْمُهَا أَعْلَاهُ
فِي حِفْظِهَا

قرآن حکیم میں وحی کا لفظ متعدد مقام پر آیا ہے۔ مثلاً

۱- وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ
۲- يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ أَوْحَىٰ لَهَا

تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کو وحی کی
تیرے رب نے زمین کو وحی کی۔

ان دونوں آیتوں میں وحی "قطری" حکم کے معنی میں آیا ہے۔
۳- وَإِذَا أَوْحَيْتُ لِيَ الْغَوَايِيسِ أَنْ
أَعْمُوا لِي وَيَعْمُوا لِي

اور ہم نے حواریوں کو وحی کی کہ ہم پر اور ہمارے پیغمبروں پر ایمان لاؤ

۴- وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أَرْمُؤَاسٍ أَنْ ارْضَعُوا
ان دونوں آیتوں میں وحی کا لفظ (اسام کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی دل میں بات ڈالنا)

۵۔ یُوحٰی بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرَفٍ

الْقَلَمِ

۶۔ وَاِنَّ الشَّيَاطِیْنَ لَیُوحُوْنَ

اِلٰی لٰی اِنَّهُمْ

ایک دوسرے کو چکنی چوڑی باتوں سے وحی

کرتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں لفظ وحی پر شیدہ طور پر بات کرنے میں استعمال ہوا ہے۔ جب ان تمام مقامات کو جہاں قرآن میں لفظ وحی آیا ہے ایک جگہ جمع کیا جائے تو یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ وہ کلام ہمنہ اور کان کے بغیر کسی تک پہنچا ہو وحی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو فرزند کی بشارت دی تو انہیں یہ علامت بتائی کہ تم تین رات دن کلام نہیں کر سکو گے۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب حجرہ سے باہر گئے تو بات نہ کر سکے، اس لیے انھوں نے اشارہ سے لوگوں کو سمجھا دیا کہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہو۔

فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بِكُورَةِ وَعَبَسْتِیْآ۔

اس آیت میں مندرجہ کان کی مدد کے بغیر ایک بات کے سمجھا دینے کو وحی کہا گیا (یعنی جلد اصحا) امام راغب نے فرمایا۔ الاشارة السریعة فی خفیہ۔ گویا تین چیزیں جو ہیں۔ اشارہ، نمرت، خفا۔ کسی بیسوط اور مفصل مضمون کو کم از کم عنوان سے ادا کر دینے کا نام اشارہ ہے۔ یہ کئی طرح کا ہوتا ہے۔ کبھی زبان سے ہوتا ہے کہ ایک دو لفظ کہہ دیئے۔ کبھی ہاتھ یا انگلی وغیرہ سے کبھی آنکھ یا گردن سے کبھی کسی اور ذریعہ سے جیسے آج کل بجلی اور ایجنفر وغیرہ سے اشارات کا کام لیا جاتا ہے ۲۔ سرلیجہ کے معنی بہت تیز ۳۔ فی خفیہ یعنی اشارہ مخصوص و پوشیدہ طور پر ہوتا ہے جیسے آپ شارٹ ہینڈ کو دیکھتے ہیں کہ مخصوص مخفی قواعد کے تحت چند الفاظ و خطوط میں لمبی عبارتوں کو سمویا جاتا ہے یا جیسے جہازوں کے سگنل میں خاص قواعد کے تحت اشارے ہوتے ہیں یا جیسے ٹیلیفون آپریٹر کے دفاتر میں ٹک ٹک کی آواز سے مفہوم اخذ کیا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ وحی نام ہے ایک ایسے تیز رفتار اشارے کا جو اپنے مخصوص و مخفی قواعد کے تحت مفصل باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

وحی کے شرعی معنی اور اصطلاح شرع میں وحی ان مطالب و معارف کا نام ہے جو خدا کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے ہیں۔ بنیادی حیثیت سے وحی کی تین

قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندے سے بلا واسطہ براہ راست خطاب جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ دوسرے فرشتہ کے واسطے سے کلام۔ تیسرے ان دونوں طریقوں سے ہٹ کر کسی اور طرح کلام یا مطالب و احکام کا قلب نبی پر نزول۔ یہ تیسری قسم ہی وہ ہے جس کی روشنی میں حضور علیہ السلام نے دین کے بارے میں بے شمار امور کی تفصیلی ہدیت و شکل متعین فرمائی اور قرآن حکیم کے اجمال و ابہام کی تمییز و تشریح کی۔ واضح ہو وحی جلی جیسے قرآن کریم، توریت، زبور و انجیل۔ یہ کلام صریح ہے اسی

علماء نے وحی جلی کی تعریف یہ کی :-

هُوَ كَلَامُ اللَّهِ الْمُنَزَّلُ عَلَى نَبِيِّهِ مِنْ
أَنْبِيَائِهِ (یعنی)

(وحی جلی) اللہ کے اس کلامِ مرتج کو کہتے ہیں جو وہ اپنے
انبیاء میں سے کسی نبی پر نازل فرماتا ہے۔

وحی اللہ کی سنت ہے اور انبیاء کرام کا خاصہ ہے۔ بلکہ قرآن کریم نے جس اہمیت سے وحی کو بیان کیا ہے
اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وحی نبوت کے مترادف ہے اور نبی کے سوا کسی کو وحی ہوتی ہی نہیں ہے۔

لغت کے لحاظ سے وحی اور الہام میں کچھ فرق نہیں ہے کیونکہ وحی کا اطلاق کائنات
اشارات، الہام، خفیہ کلام، اشارہ سرلیہ (تیزی سے اشارہ کرنا) دل میں

کسی بات کا ڈال دینا۔ بھی پر آتا ہے لیکن شرع میں وحی نبوت کے مترادف ہے اور الہام یا اشارہ یا انفا
جو نبی کو ہوتا ہے اسی کو وحی کہتے ہیں اور جو الہام یا اشارہ غیر نبی کو ہوتا ہے اس کو الہام کہتے ہیں۔

وحی و الہام کے متعلق قارئین کرام کو خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل امور کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔
اولے۔ وحی کے لیے فرشتے کی وساطت نہ شرعاً ضروری ہے اور نہ لغتاً۔ مطلقاً انفا ربانی کو
وحی کہتے ہیں۔

دوہ۔ اصطلاح شرع میں وحی کا مفہوم ہے وہ اب منقطع ہو چکا ہے اور قیامت تک ایسی وحی
کوئی نہیں پاسکتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ نبوت و رسالت آپ
ختم ہو چکی ہے اس لیے اب وحی کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا ہے۔

سومہ۔ الہام، یہ اب بھی جاری ہے۔ اولیائے کرام اور صالحائے امت کو ہوتا ہے۔ جس کی مختلف
شکلیں ہوتی ہیں۔ کبھی غیب سے آواز آتی ہے کبھی ٹکوتی اسرار اس پر شکف ہوتے ہیں اور غیب کے امور
ان کو صفائی باطن کی وجہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں مگر حجت نہیں ہوتے اور وحی رسول سے جو حکم بھی ثابت ہو
وہ لازم القبول ہوتا ہے اس کے برعکس الہام اولیاء ہرگز ہرگز کسی حکم اور امر و نہی کے صادر کرنے یا نافذ کرنے
کی مجاز نہیں اور نہ ہمارے لیے حجت اور سند ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں :-

”وحی انبیاء میں احکام اور امر و نہی ہوتے ہیں اور وحی (الہام) اولیاء میں یہ کبھی نہیں ہو سکتے۔ جو دلی
اس کا دعوے کرے اُس کی گردن مار دینی چاہیے کیونکہ درپردہ وہ نبوت کا دعوے کرتا ہے۔“

پھر الہام اولیاء میں عصمت بھی ضروری نہیں۔ ممکن ہے اُس میں شیطان کا دخل ہو۔ اسی لیے الہام کی دو
قسمیں ہو گئیں۔ روحانی و شیطانی۔ جو الہام کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو وہ روحانی ہے اور جو اس کے
خلاف ہو وہ شیطانی ہے۔ پھر اگر الہام واقع میں روحانی بھی ہو تو بھی دین میں حجت نہیں بن سکتا اور نہ اس
ماں ضروری ہوتا ہے اور نہ الہام کی بنیاد پر کسی عقیدے یا کسی امر و نہی کا نفاذ ثابت ہو سکتا ہے۔ اب سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب غیر نبی کے الہام شریعت میں حجت و سند نہیں تو پھر اس کا فائدہ ہی کیا ہوا۔ اس کا

جواب یہ ہے جو علم غور و فکر و استدلال کے بغیر طرق مذکورہ سے حاصل ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔ اب اگر کسی کا دل الہام ربانی کا محزن بننا ہے اور اسرار ملکوتیہ اس پر منکشف ہوتے ہیں تو یہ بات اس کے دل کی صفائی اور مقرب بارگاہ الہی ہونے کی دلیل بنتی ہے اور اس الہام سے علم اپنی منزلوں کو طے کرتا ہے اور معرفت الہی میں زیادتی پاتا ہے گویا اس الہام سے علم کی ذات کو یقیناً فائدہ پہنچتا ہے اور بعض اوقات دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام غزالی نے الہام کو اللہ کی رحمت قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس باب میں جو کچھ فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :-

”وحی و الہام الطاف ربانی کے جھونکے ہیں جو قلب کی آنکھوں سے حجاب کو دور کرتے ہیں اور پھر حقائق علوم آئینہ لوح محفوظ سے آئینہ قلب عارف پر عکس آنا ہوتے ہیں اور ملکوتی اسرار کے دراک کرنے کی راہ سعادت کھلتی ہے۔“ (احیاء العلوم ص ۸)

حضور علیہ السلام کے ساتھ وحی کا آغاز | حضور اکرم صلی علیہ وسلم کے ساتھ وحی کا آغاز روایتاً صاف

تھا۔ عنہما فرماتی ہیں کہ آپ جو خواب بھی دیکھتے تھے۔
فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ
فَلَقْنِي الصُّبْحِ (بخاری)
گویا ابتدائے وحی یہ تھی کہ خواب میں آپ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوں۔ کچھ ملاحظہ فرمائیے
میںے بعینہ وہی پیش آتا تھا۔

غار حرا کا مجاہدہ | مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک غار تھا۔ جس کو حرا کہتے ہیں۔ آپ
ہو جاتا تو پھر گھر واپس تشریف لاتے اور پھر واپس باکرہ مصروف مراقبہ فرماتے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ غار
میں حضور علیہ السلام تہنث (عبادت) فرمایا کرتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ سوال کیا کیا
کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟

اجیب بان ذلک کان بالتفکر والاعتبار | جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری تھی۔
ایک دن جب آپ حسب معمول غار حرا میں مصروف مراقبہ تھے کہ فرشتہ غیب نظر آیا۔ فرشتہ کی ربانی سب
سے پہلی وحی غار حرا میں ہوئی۔

حضور علیہ السلام پر سب سے پہلی وحی | جب کہ آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ غار حرا میں پہلی بار سورہ
سلسلہ رکا رہا۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ سلسلہ وحی کے رک جانے کے بعد سب سے پہلے سورہ

مذکر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ آپ حرا سے واپس آ رہے تھے کہ ایک آواز سنائی دی۔ آپ نے ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ جبریل نظر آیا۔ حضور علیہ السلام حضرت خدیجہ کے پاس آئے۔ فرمایا مجھے چادر دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈال دو۔ اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں :-

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ قُمْ فَأَنذِرْ ۚ
وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ ۚ

اے باولہ پیش (محبوب) اٹھ ! اور لوگوں کو خدا سے ڈرا اور اپنے رب کی کبریائی بیان فرما۔

تمام قرآن حکیم یکدم نازل نہیں ہوا بلکہ حسب ضرورت اور وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اول نزول شب قدر میں ہوا۔

شب قدر رمضان المبارک کی آخری راتوں میں سے ایک طاق تاریخ کی رات ہے۔ غار حرا میں سب سے پہلے وحی سورت افراہ کی پانچ آیتیں ہیں۔ اس کے بعد قرآن مجید نجماً نجماً وصالِ اندس سے کچھ دن پہلے تک نازل ہوتا رہا۔ بلکہ بعد از نزول کے قرآن مجید کی آخری آیت واقفوا یومئذ ترجعون فیہ الحاکمہ ہے۔ اس حساب سے چالیس برس کے سن سے لے کر تریسٹھ سال کے سن تک کل ۲۳ برس نزولِ وحی کے ہیں یعنی تکمیلِ قرآن کی کل مدت ۲۳ سال ہے۔

قرآن حکیم نے وحی کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔
۱۔ وحی، اشاروں سے مات کرنا۔ یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا۔ یہ اگر حالتِ بیداری میں ہے تو کشف ہے اگر خواب میں ہے تو رویا ہے۔ ۲۔ خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا یعنی حکم نظر نہیں آتا مگر غیب سے آواز آتی ہے الفاظ سنائی دیتے ہیں اس کو الہام کہہ لیجئے۔ ۳۔ فرشتہ کے ذریعہ بات کرنا یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لے کر سامنے نظر آتا ہے اور اس کے منہ سے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ جن کو سن کر نبی محفوظ کر لیتا ہے۔ قرآن پاک کا نزول اسی طریقہ سے ہوا ہے۔ وحی کے یہ تین اقسام خود قرآن پاک نے بیان فرمائے ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید نے ان تینوں قسم کی وحی کا علیحدہ علیحدہ نام نہیں رکھا ہے۔ ان اقسام کا ذکر سورۃ شوریٰ کی اس آیت میں ہے :-

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا
أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا
فَيُنْصِتُ بِأَذْنِهِ مَا يَشَاءُ

کسی بشر میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بات کرے لیکن وحی کے ذریعہ یا پردہ کی آڑ سے یا وہ کسی فرشتہ کو بھیجے جو اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے بشر کو پہنچا دے۔

(سورہ شوریٰ)

انبیاء کرام کی وحی کی تین قسمیں ہیں۔
اول۔ کلام قدیم کا سننا جیسے نبض قرآن موسیٰ علیہ السلام نے سنا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح آثار کے ساتھ۔ دوم۔ وحی رسالت یعنی فرشتہ کی وساطت سے کلام کرنا سوم۔ تلقی قلب جس کو حضور علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا :-

ان روح القدس نفث فی رُوحی | روح القدس نے میرے دل میں ڈالا
وحی کی سات صورتیں | امام سیل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی سات صورتیں بیان کی
ہیں جو سب کے سب احادیث سے مستخرج ہیں :-

اول :- روئے صاف، بچے خواب دیکھنا دوم :- صلۃ الجہس، گھڑیاں کی طرح آواز آنا سوم :-
الغبار فی القلب، دل میں پھونکنا یا دل میں ڈالنا چہارم :- تمثیل، فرشتہ کا کسی شکل میں متشکل ہو کر آنا
جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جبریل حضرت وحی کی شکل میں حاضر ہوتے تھے۔ پنجم :- فرشتہ کا اپنی اصلی
صورت میں نمودار ہونا ہشتم :- وہ طریق مکالمہ جو حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پیش آیا اور اس شب اللہ نے
آپ پر وحی فرمائی اور بلا واسطہ مکالمہ جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :-

لَتَأْتِيَ رُوحِي فِي أَحْسَن صُورَةٍ فَتَأْتِي | میرے رب نے بہترین صورت میں تجلی فرمائی اور
نیم یختصم الملاء الاعلیٰ (بخاری) کہا ملائکہ اعلیٰ کے فرشتے کس بات میں جھگڑا کرتے ہیں۔
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ حضور اکرم پندرہ سال مکہ میں مقیم رہے اور آپ کو سات برس منازر
غیب سے آوازیں آتی رہیں اور آپ روشنی دیکھتے رہے لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی اور آٹھ سال آپ پر
وحی نازل ہوئی (مسلم)

ہفتم :- وحی اسرافیل، منہ احمد میں صحیح حدیث ہے۔ حضرت شیعی کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم علیہ السلام
کی عمر مبارک ۴۰ سال کی ہوئی۔ اس وقت وحی نازل ہونا شروع ہوئی (ابتداء میں تین سال تک حضرت اسرافیل (قرآن
کے علاوہ) وحی لاتے رہے) ۱۰ سال مکہ میں اور ۱۰ سال مدینہ میں اور حضور علیہ السلام کا وصال ۶۳ برس کی عمر میں ہوا (یعنی
جلد ۱ ص ۴۲) اس روایت کی رو سے نزول قرآن کی کل مدت ۲۰ سال ہوئی ہے۔

وحی متلو وغیر متلو | احادیث میں طریقہ وحی کی متعدد صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا :-

أَنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوحِي | روح القدس نے میرے دل میں پھونکا
کہیں یہ صیغہ جہول بھی آیا ہے۔ نَفَثَ میرے دل میں پھونکا گیا۔ بہت سی حدیثوں میں یہ تصریح ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا۔ یا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا۔ ان میں ایسی وحی بھی ہے جو قرآن مجید کے اجزاء نہیں ہے
اس لیے فقہار نے وحی کی دو قسمیں کر دیں۔ وحی متلو یعنی جس کی تلاوت کی جیسے قرآن کریم۔ اس کی خصوصیت
یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف تلاوت روایت سے منقول ہے اور قرآن کے لفظ اور معنی دونوں خدا کا کلام ہیں۔ وحی
غیر متلو :- جو تلاوت نہیں کی جاتی اور قرآن کریم کے علاوہ ہوئی ہے جیسے وہ احکام شرعیہ و نصائح و دہیہ جو
بروایت صحیح احادیث میں مذکور ہیں۔ یہ تو اتر سے بہت کم مروی ہیں۔ وحی غیر متلو یعنی حدیث :- یہ الفاظ کے
محاط سے خدا کا کلام نہیں مگر معنی لغوی کے لحاظ سے یقیناً اللہ کا ارشاد ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غشا پر وحی

کے ترجمان ہیں اور آپ کی زبان اقدس سے وہی کچھ خارج ہوتا ہے جو وحی الہی ہوتی ہے۔

بوقت وحی حضور علیہ السلام کی کیفیت | بوقت وحی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ صلۃ الجرس والی وحی مجھ پر بہت زیادہ سخت ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو اس کی شدت سے جانوں میں آپ کی بیشانی اقدس سے موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرے ڈھکنے لگتے۔ (بخاری واقعہ انک)

صحابہ کرام کا بیان ہے کہ اس حالت میں جسم مبارک بہت بخاری ہو جاتا۔ اگر آپ کسی سواری پر ہوتے تو وہ بیٹھ بیٹھ جاتی (مسند احمد ضعیف) حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ پر وحی آئی اور میرا پاؤں زانو سے سارک کے نیچے دبائٹھا۔ مجھے یہ معلوم ہونا تھا کہ میرا پاؤں بوجھ سے پس جائیگا۔ (بخاری)

یعلیٰ بن أمیہ کہتے ہیں کہ وحی کی حالت میں آپ کا چہرہ مبارک مٹخن ہو جاتا تھا۔ (بخاری)

عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہو جاتی تو آپ مضطرب ہوتے۔ چہرہ کا رنگ بدل جاتا۔ آپ سر اقدس جھکا لیتے۔ صحابہ بھی اپنے سر نیچے کر لیتے۔ وحی کے بعد آپ سر اٹھا لیتے (صحیح مسلم باب عرق نبی)

وحی کی ابتداء روایے صالحہ سے ہوتی | حَدِثَنَا عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ سبیدہ سحر کی طرح (سچا ہو کر) نمودار ہوتا۔ پھر آپ کو تنبیہ پسندیدہ کیا گیا اور آپ غار حرا میں خلوت گزرتی فرماتے لگے اور وہاں متعدد راتیں عبادت فرماتے۔ بغیر اس کے کہ اپنے اہل و عیال کی طرف جائیں اور آپ اپنے ہمراہ تشریف لے جاتے جب وہ ختم ہوتا تو آپ حضرت خدیجہ کے پاس آتے اور مزید تشریف لے جاتے یہاں تک کہ حق آپ کے

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةِ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَدْرِي رُؤْيَا أَمْ حَقًّا مِثْلَ قُلْتِ الْبُصْبُحَ شَوْحَبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَمْنُونًا بِذَلِكَ أَرِحْرَاءَ فَيَتَحَنَّنُ فِيهِ وَهُوَ لَتَعْبَدَ اللَّيْلَانِ ذَوَاتِ السَّدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَيْكَ أَهْلِيهِ وَيَتَزَوَّدُوا لِنَالِكَ شَمًّا يَرْجِعُ إِلَى خَلْدِ نَجْمَةٍ فَيَتَزَوَّدُوا لِمِثْلِهَا حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ (بخاری)

سامنے آگیا اور آپ غار حرا میں تھے۔

قولہ وسائل | ۱۔ اس حدیث کو امام نے تفسیر میں، مسلم نے ایمان میں اور ترمذی و نسائی نے کتاب التفسیر میں ذکر کیا ۲۔ یہ سوال نہ کیا جائے کہ حضرت عائشہ تو حضور علیہ السلام کے مجاہدہ حرا کے موقع پر موجود ہی نہ تھیں پھر نزول وحی کے واقعہ کو کیسے بیان فرما رہی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام

سے سن کر ہی اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے جس پر حدیث کے الفاظ **قَالَ قَاتَلَ قَاتَلَ** فَنَظَنِّي دَالٍ ہیں۔ البتہ اول ما جلدی پہلے... الخ یہ عائشہ صدیقہ کے اپنے الفاظ ہیں جن سے نبوی کلام کی حکایت فرمائی ہے لہذا حدیث ہذا مرسل نہیں بلکہ مسند ہے۔

۲۔ من الوجہ بتقدیر مصنفات یعنی من اقسام الوجہ کیونکہ من براے تبصیر ہے اور اس کے مدلول کے لیے ذی اباض جو نامزدوری ہے۔ نبوی خواب چونکہ وحی ہوتے ہیں اس لیے ان کو اقسام وحی میں شمار کرنا درست ہے۔

۳۔ رؤیا صَادَقَ اس خواب کو کہتے ہیں جو انشاؤں اور شبیبانی عمل دخل سے پاک ہو۔ جو اپنی تعبیر خود ہو۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ صالحہ

اور صادقہ انبیاء کرام کے حق میں بنظر آخرت تساوٰی ہیں مگر دنیوی لحاظ سے ان میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے رویا دنیوی اعتبار سے صادقہ تو سمجھے جاتے ہیں لیکن سب کے سب کا صالحہ ہونا ضروری نہیں جیسے یوم احد کا رویہ کہ دنیوی حیثیت سے صالحہ نہ تھا اگرچہ صادقہ ضرور تھا لہذا ان میں عموم خصوص حلق کی نسبت ہوتی۔ صالحہ خاص اور صادقہ عام ہے۔

۴۔ فی المنام: رؤیا نیند کے ساتھ خاص ہے۔ رویت آنکھ کے ساتھ اور رأی دل کے ساتھ۔ لہذا یہاں فی المنام کے الفاظ بغرض مزید توضیح کے لیے ہیں یا دفع وہم وجمہ جو زکے لیے اس لیے کہ کبھی رویت عینی پر بھی رویا کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں مَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي فِي... الخ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے جو حضور علیہ السلام کو شب اسرار دکھایا گیا (عامہ تفسیر)

رویا کے اقسام اور کونسا رویا نبوت کا جز ہے؟ واضح ہو کہ رویا کی دو قسم ہیں۔ باطلہ۔ حقہ۔ پھر رویا کے باطلہ سات قسم پر ہے۔

۱۔ حدیث نفس: وہ باتیں جو آدمی اپنے نفس سے کہتا رہتا ہے خواہ وہ کسی چیز کے منصوبے ہوں یا کسی چیز کی آرزویں اسی کو عربی میں اصغاث اور فارسی میں پریشان خواب کہتے ہیں۔

۲۔ تحذیر شیطان: جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اگر بیدار ہو کر آدمی باتیں جانب تین مرتبہ تھوک دے تو مصرت رساں نہیں ہوتے۔

۳۔ حلقہ: یعنی خواب میں جماع کرتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھنا جو موجب غسل ہوتا ہے اور اس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

۴۔ ساحری: جو کسی جن یا انسان کی وجہ سے نظر آتا ہے۔

۵۔ شیطانی: وہ خواب جو شیطان دکھائے۔

۶۔ خلطی: جو اخلاط الاربعہ میں سے کسی ایک کے غالب ہونے سے نظر آتا ہے مثلاً سودا کے غلبہ سے

قبریں، سیاہی، صنفر کے غلبہ سے آگ، چراغ، غُون وغیرہ۔ غم کے غلبہ سے سبیری، پانی، مریض وغیرہ، دم کے غلبہ سے مشروبات، پھول، آفات، مزاجیہ وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔

۷۔ رجعی :- جو ایسے زمانہ میں نظر آئے جس میں دیکھنے والا موجود تھا اور اس کو بیس ہزار سال کا عرصہ گزر گیا ہو۔ رویا کے حق پر پانچ قسم پر ہے۔

۱۔ شاہدی :- وہ خواب جس کی صحت پر شاہد ہو جو شرکے خیر اور خیر کے شر ہونے پر دلالت کرے جیسے کوئی دیکھے کہ مسجد میں طنبورہ بجا رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بے حیائی کی باتوں سے اور بُرے افعال سے توبہ کرے گا یا کسی نے دیکھا کہ حمام میں قرآن پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ کسی بُرے کام میں مشغور ہو گیا اور اس پر شاہد یہ ہے کہ حمام ستر کھلنے کی جگہ ہے اور جہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور مسجد میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

۲۔ مرموزہ :- وہ خواب جس میں تعبیر کی طرف اشارہ ہو جیسے کسی نے فرشتہ کو دیکھا کہ وہ کہتا ہے کہ تیری بیوی تیرے قتل دوست کے ذریعہ نچھ کر زہر پلانا چاہتی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ یہ دوست اس کی بیوی سے زنا میں مبتلا ہوگا۔ اس خواب میں تعبیر کی طرف اشارہ یوں ہے کہ جیسے زہر پوشیدہ طور پر کھلایا جاتا ہے۔ اسی طرح زنا بھی مخفی طور پر کیا جاتا ہے۔

۳۔ ملکی :- وہ خواب جو ملک رویا کے توسط سے ہو۔ جن کا نام صدیقیوں ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی میں اشیاء نظر آتی ہیں۔ اسی طرح صدیقیوں نور الہی کی روشنی میں اشیاء کی معرفت کراتے ہیں۔ صدیقی و اغروی خیر و شر کی تلقین کرتے ہیں۔ گزشتہ باب آئندہ عمل خیر کی بشارت دیتے ہیں۔ گزشتہ معصیت یا آئندہ معصیت پر ڈالتے ہیں اگر رویا کا خواب دکھائیں تو اسی وقت ہو جاتا ہے تاکہ دیکھنے والا متغوم نہ رہے اور اگر مسرور کن خواب دکھائیں تو چند دنوں کے بعد ظاہر ہوتا ہے تاکہ اس وقت تک دل مسرور رہے۔

۴۔ صالحہ :- جو اللہ عز و جل کی طرف سے بشارت ہوتا ہے۔

۵۔ صادقہ ظاہرہ :- وہ خواب جس کی تعبیر نہیں ہوتی بلکہ وہ خود اپنی تعبیر ہوتا ہے جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا رویا جس کو قرآن نے بیان کیا۔ **يَا اِبْنِي ارْجِعْ اِلٰى فِى الْمَسَاجِدِ** یا حضور علیہ السلام کا وہ رویا جو سورہ فتح میں مذکور ہے جس کو یوں بیان فرمایا گیا **لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّوْیَا بِالْحَقِّ** الخ یہی رویا یعنی صادقہ ظاہرہ نبوت کے ۲۶ اجزاء میں سے ایک جز ہے اور یہ رویا نہ صرف انبیاء کرام کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ عام انسانوں کو بھی نظر آ جاتا ہے۔

روایات صالحہ نبوت کا ایک جز ہے۔ غیر نبی کے خواب کا حکم اور اس کی شرعی حیثیت اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ پاکیزہ خواب ہے۔

بھی نبوت کا جز وہیں اور اس اتفاق کی بنیاد قرآن حکیم کے فیصلے پر ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محض خواب کی ہدایت پر ہی ذبح فرزند کا اہتمام فرمایا تھا اور اللہ عز و جل نے ان کے اس اقدام کو غلط نہیں ٹھہرایا بلکہ اس

کچھ اس طرح لگتی ہیں کہ قدرتاً مجھ پر بن گیا ہے۔ مختصراً تاکہ دو آدمی اس میں تنگی سے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ داخلہ کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ بھی سیدھا نہیں ہے بلکہ سسکو سمٹ کر جانا پڑتا ہے۔ خلوت نشینی و یکسوئی کے لیے یہ ایک بہترین جگہ تھی۔ جس میں غلٹ نشینی کی محبت آپ کے قلب مبارک میں ڈال گئی۔ فیلتحنت: حث باب لفعول سے ہو تو اس میں سلب و نفی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے ناشتر گناہ سے دور ہونا تو تحنت کے معنی ہوتے خلاف شان کام سے اجتناب و دوری اور شایان شان کام میں انہماک و مستعدی۔ ابن شہاب زہری نے تحت کی تفسیر تجدد سے کی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ حضور علیہ السلام غایہ حرائین کیا عبادت فرماتے تھے؟ اس کے متعلق قطعی یقینی فیصلے کی تو کوئی صورت نہیں کیونکہ واقعات کا تعین خالی قیاسات سے نہیں ہو سکتا تاہم شارحین نے متعدد احتمالات نکالے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

اس معرفت کا طریقہ حضور علیہ السلام کو اپنے نور معرفت سے ہوا۔ بذریعہ الہام اس کا طریقہ بتایا گیا یا رویا صالحہ میں طریقہ عبادت بتایا گیا (یعنی جلد ۱ ص ۲) یسترق۔ تزد کے معنی نوشہ بیفہ کے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اپنے ساتھ نوشہ یعنی سامان ضرورت رکھنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ حتیٰ جاء الہ الحق یعنی غایہ حرائین خلوت نشینی کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا کہ آپ پر وحی آگئی۔

پس فرشتہ آپ کے پاس آیا اس نے کہا پڑھو میں نے کہا۔ میں نہیں پڑھتا۔ حتیٰ کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور اتنا دبا کہ وہ تھک گیا۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو۔ میں نے پھر کہا میں نہیں پڑھتا۔ فرشتے نے پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور اتنا دبا کہ وہ تھک گیا۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو میں نے پھر وہی جواب دیا۔ میں نہیں پڑھتا۔ فرشتے نے تیسری بار مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھئے اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنائے والا ہے جس نے انسان کو بسنے لہو سے پیدا

فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالِ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُحْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالِ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الشَّالِشَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ

(بخاری)

کیا۔ پڑھئے تمہارا رب بڑا ہی کریم ہے..... الخ

۱۔ یہ بھی غایہ حرائین حضور السلام پر سب سے پہلی وحی اور ایک پیامبر کی حیثیت سے جبریل کی پہلی حاضری۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس فرشتہ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہی ہیں اور قرآن کریم جبریل ہی لے کر نازل ہوئے۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح کی گئی۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ ۲۔ رویا کے صالحہ اور حرائین میں خلوت گزینی کے بعد تیسری کیفیت یہ پیدا ہوئی کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ اقرار کی پانچ آیتیں سنائیں۔ یہ ۷ رمضان پیر کا دن تھا۔ اس وقت حضور علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

غابر حرا میں جبریل الشکل بشر حاضر ہوتے تھے | اس حدیث سے پیشتر جو حدیث تھی۔ اس میں وحی کی دو صورتوں کا بیان تھا ۱۔ مانند آواز جرس ۲۔ فرشتہ کا شکل بشر حاضر ہو کر کلام کرنا اور حدیث زیر بحث میں چونکہ آمد وحی کی ابتدائی کیفیت کا ذکر ہے تو لامحالہ یہ آمد انہیں دو صورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوگی اور یہ تو ظاہر ہے کہ یہ وحی مانند جرس نہ تھی۔ تو جب پہلی صورت کا انتشار ثابت ہوا تو دوسری صورت متعین ہوگئی کہ حضرت جبریل الشکل بشر حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ تین بار اقرار کرنا اور فطرتی کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

فَعَالِ اِشْرَءُ۔ حضرت جبریل امین نے عرض کی اقرار پڑھیے۔ حضرت جبریل امین نے تین مرتبہ اقرار کیا اور حضور نے تیس بار مَآ اَنَا بِفَارِیْعٍ میں تو نہیں پڑھنا فرمایا۔ تین بار اقرار کئے میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس وحی کا آغاز ہو رہا ہے وہ تین چیزوں پر مشتمل ہوگی۔ توحید، احکام، قصص۔ مَآ اَنَا بِفَارِیْعٍ۔ حضور علیہ السلام نے جواب فرمایا۔ میں نہیں پڑھنا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے پڑھنے سے انکار کیوں فرمایا؟ تو حق یہ ہے کہ حضرت جبریل امین کا تین بار اقرار کرنا اور حضور کا مَآ اَنَا بِفَارِیْعٍ کے الفاظ سے جواب دینا اللہ ہی جانے اس میں کیا حکمتیں تھیں۔ اس کے متعلق کوئی فیصلہ کن بات کہنے کی گنجائش تو نہیں ہے۔ البتہ بظاہر انکار کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام غابر حرا میں ذکر الہی سے لذت اندوز تھے کہ قلب اقدس پر کبید کا عالم طاری تھا کہ اچانک حضرت جبریل امین نے حاضر ہو کر استدعا کی، پڑھیے تو ظاہر ہے کہ جب آپ کا قلب مبارک محبوب حقیقی کی یاد میں سرشار تھا اور ایک استغراق کی کیفیت طاری تھی تو ایسی صورت میں آپ نے دوسری جانب توجہ مبذول نہ فرمائی۔ حضرت جبریل امین نے تین بار اپنی طرف منوجہ کرنے کے لیے معانقہ بھی فرمایا مگر حضور علیہ السلام کا قلبی اقتضائے یہی رہا کہ ذکر حبیب سے لطف اندوز ہوتا رہوں نا آنکھ سیدنا جبریل امین نے اسی محبوب کے نام کی برکت سے پڑھنے کی استدعا کی جس کے مشاہدہ جمال میں حضور مستغرق تھے۔ غرض کہ کہ اب حضور علیہ السلام ادھر توجہ

لے چنانچہ شارحین نے کہا کہ مَآ اَنَا بِفَارِیْعٍ میں مَآ نافیہ ہے انا اس کا اسم ہے اور بقاری خبر ہے ب زائد نفی ل تاکہ کہتے ہیں مَآ اَنَا بِفَارِیْعٍ میں راستہ ہے جہ میں مَآ استفادہ میر ہے جیسے هَاتِلْكَ يَمِينُكَ یا مَوْسَعِي میں ہے اور اس کی تائید روایت ابن الاسود نے منادیہ بھی کرتی ہے جس میں مَآ اَنَا بِفَارِیْعٍ کی جگہ کیف اقرع یا مَآ اَفَارِیْعُ آیا ہے میں جلد اصرار چنانچہ ابن اسحق نے بردار بیت عبید بن عمیر مَآ اَفَارِیْعُ اور ابوالاسود نے اپنے معافی میں کیف اَفَارِیْعُ روایت کیا اس صورت میں ترجمہ ہوگا کیا پڑھوں؟ کیسے پڑھوں، ہوگا (یعنی ج ۱ ص ۶) میرے والد محترم حضرت علامہ ابوالبرکات، قدس سرہ العزیز نے حلقہ درس بخاری شریب، ۱۹۸۱ء میں مَآ اَنَا بِفَارِیْعٍ کی ایک ترجمہ یہ بیان فرمایا کہ لفظ مَآ برائے نفی مشبہ بلیس ہے اور ب زائد نافیہ تاکہ کہتے ہیں اور یہ کہ مَآ اَنَا بِفَارِیْعٍ میں نفی جنس قرأت میں ہے ہے ثواب ترجمہ یہ ہوگا میں تو میں پڑھتا حضرت صدیق اکبر مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ نے خزان القرآن میں مَآ اَنَا بِفَارِیْعٍ کا ترجمہ ہم پڑے نہیں ہیں کیا ہے۔

اَقْرَبُ اِسْمٍ رِبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ - اس رب کے نام کی برکت اور مدد سے پڑھیے جس نے یہ کیا۔ امام راعب مفادات میں رب کے معنی بیان کرتے ہیں کہ رب وہ ہے جو کسی چیز کو تدبیراً اس کے مدد کمال تک پہنچا دے وہ مدد کمال جس کی وہ شے لائق ہے اور جس کی اس میں استعداد ہے ۲۔ خلق کیا یا کریم؟ ذکر نہیں کیا گیا کہ کس چیز کو پیدا کیا؟ تو اگر تخلیق کو نکرہ چھوڑ دینے سے یہ واضح ہوا کہ کائنات و موجودات کی ہر شے ہاں صرف ایک رب ہے۔ گویا رب اور خلق کے لفظ سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ گویا ہر اقدار (پڑھیے) جبرلی کی زبان سے ادا ہر رہا ہے مگر یہ تو وسیلہ اور واسطہ میں ہمارے حکم کی تعمیل میں اقرار کہہ رہے ہیں ورنہ حقیقت میں اقرار کرنے والا اور وحی کے پڑھنے کی آپ میں استعداد و ہمت پیدا فرمانے والا بھی آپ کا رب ہی ہے۔ لہذا اسی کا نام لے کر پڑھیے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ - ہاں وہ رب جس نے انسان کو جسے ہوئے لمو سے پیدا کیا تو اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ انسان کامل محمد مصطفیٰ علیہ الخیرۃ و النبیۃ کو اپنے تلمذ میں لے کر ان کے سبب کو علم و عزت ان سے بھر دے۔

اَقْرَبُ وَ رِبِّكَ الْاَكْرَمُ بِالْفِعْلِ پڑھیے اور آپ کیوں نہ پڑھیں گے جب کہ آپ کا رب کریم ہی نہیں بلکہ اکرم ہے و فیض کے لائق ہے غرض ان کی بلا شرکت غیرے مالک ہستی فیض پہنچانا چاہ رہی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں فیض قبول کرنے کی پوری استعداد بھی موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فیض پہنچے میں کوئی کسر و حلق۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ — ظاہر ہے کہ اگر اللہ عز و جل انسان کو قلم سے کام لینے کا سلیقہ و شعور نہ عطا فرماتا تو آج علم و عزت ان کے یہ تھا نہیں مارتے ہوتے سمندر قلب انسانی کی گھاٹیوں میں ہی کھوئے رہتے لیکن اللہ عز و جل نے قلم سے کام لینے کا سلیقہ عطا فرمایا اور اس کے ذریعہ انسان نے علوم و معارف کے دریابہا دیئے۔

یہیں سے اس امر کی وضاحت بھی ہو گئی کہ گو وحی کا نزول بندہ ربیعہ جبرلی ہوا اور زبان ہبریل نے بحضور نبوی علیہ السلام اقرار کیا۔ مگر جبریل حضور علیہ السلام کو جبریل بھی نہیں ہوتا اور ان نادانوں کے خیال کی تردید اسی چھوٹے سے جملے نے کر دی کہ حضور علیہ السلام کو جبریل کا شاگرد قرار دیتے ہیں (معاذ اللہ)

غور کیجئے کہ قلم علم کے سکھانے کا واسطہ بنتا ہے لیکن کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ قلم خود صائب قلم سے افضل ہو گیا یا جس شخص نے قلم کے ذریعے علم حاصل کیا وہ شاگرد اور قلم اس کا استاد ہو گیا؟ نہیں بلکہ جبریل رحمہ اللہ کا لکھا کہ کتا جانتا مانتا ہے کہ استاد قلم نہیں ہے بلکہ وہ شخص ہے جو قلم کے ذریعے کسی دوسرے کو علم سکھا رہا ہے پس جبریل کہاں اور کیسے استاد تو وہ رب کریم ہے جو جبریل کے واسطے سے حضور علیہ السلام کو علم دے رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قلم ایک بے جان آلہ ہے جس کی بجائے خود کوئی حیثیت نہیں ہے اور حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے مہمّس رسول ہیں۔ ملک مقرب ہیں۔ واجب تعظیم ہیں۔ مرسَل ملائکہ میں بھی ممتاز درجہ رکھتے ہیں لیکن بایں ہمہ حضور علیہ السلام کے مقابل ان کی حیثیت معلم اور حاکم کی ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے وحی پہنچانے کے سلسلہ میں انہیں حضور علیہ السلام کا استاد قرار دینا یا کسی نہ کسی درجہ میں انہیں حضور علیہ السلام

پرفضیت دینا باطل محض ہے۔

یہاں یہ شبہ وارد نہیں ہو سکتا کہ قرآن حکیم میں علم سکھانے کی نسبت جبریل کی طرف کی گئی ہے اور بہت سے مفسرین نے بھی وہاں جبریل امین کو ہی مراد لیا ہے۔ جیسے اس آیت میں علمہ شدید القوی۔ تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں قرآن میں علم سکھانے کی نسبت جبریل امین کی طرف کی گئی ہے وہ مجاز ہے حقیقت نہیں ہے حقیقتہً اس کا معلم اللہ عزوجل ہی ہے۔ جبریل امین کی طرف علم سکھانے کی نسبت مجازاً کر دی گئی ہے چنانچہ اُردو کا محاورہ ہے ”اس کا قلم موتی بکھیرتا ہے“۔ اُس کے قلم نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے۔“ غرض ہے کہ اس قول میں حقیقتاً تعریف اس قلم کی نہیں جس سے آدمی مضمون لکھتا ہے بلکہ تعریف خود اس شخص کے ملکہ تخریر پر اور حسن بیان کی، کی جا رہی ہے جس کے ہاتھ میں قلم ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی تلوار نے کتنے ہی ممالک زیرِ نگیں کر لیے۔ تو حقیقت میں یہ تعریف لوہے کے اس تیز و تار والے ٹکڑے کی نہیں ہے جسے تلوار کہتے ہیں بلکہ صاحبِ تلوار کی جگہ جو یا نہ قابلیت اور اس کی شجاعت و بسالت کی تعریف ہوتی ہے۔ ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں جن میں معنی مجازی مراد ہوتے ہیں تو اسی طرح جہاں کہیں بھی کتاب و سنت میں حضور علیہ السلام کو تعلیم دینے کی نسبت حضرت جبریل کی طرف کی گئی ہے وہ نسبت بھی مجازی ہے حقیقی نہیں ہے۔ علما الانسان مالم یعلم آدمی کو وہ سکھا یا جو وہ نہ جانتا تھا۔ یہ فقرہ بھی بے شمار لطائف و حکم پر مشتمل ہے۔ مگر سب سے عمدہ حقیقت جس کی طرف اس فقرہ میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔

کہ یہ امت سمجھنا کہ وہ رب کائنات صرف وسائل و ذرائع ہی سے علم سکھاتا ہے اور اس کی قدرت (معاذ اللہ) اسی حد تک محدود ہے۔ نہیں بلکہ وہ تو یہاں تک قادر ہے کہ بلا کسی واسطہ اور وسیلہ کے انسان کو وہ کچھ سکھا دے جو وہ نہیں جانتا۔ پھر اس میں اس اہم حقیقت کی طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ اللہ عزوجل نے نزولِ وحی کے لیے جبریل امین کو وسیلہ و واسطہ بنایا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول پر صرف بذریعہ جبریل ہی وحی نازل کی ہے اور بلا واسطہ جبریل کچھ نازل نہیں کیا ہے یا حضور علیہ السلام تک جو ہدایات خداوندی پہنچی ہیں وہ صرف بذریعہ جبریل ہی پہنچی ہیں اور جبریل کے واسطہ کے بغیر اللہ عزوجل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ہدایت دی ہی نہیں ہے۔ ایسا کہنا اور سمجھنا بالکل مغرور و باطل ہے۔ اس لیے کہ وہ قادر و قادرِ مددِ جبریل کے وسیلہ کا محتاج نہیں ہے اور نہ اس کا پابند ہے کہ وہ وسائل و ذرائع ہی سے اپنے رسولوں پر اپنے احکام نازل فرمائے بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ علما الانسان مالم یعلم کہ وہ بلا واسطہ و وسیلہ بھی انسان کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔ چنانچہ علما بالقلم کے بعد علما الانسان مالم یعلم فرمایا یعنی پہلے قلم نے ذریعہ علم سکھائے کا مستقل ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ سکھا یا آدمی کو وہ کچھ جو وہ نہیں جانتا۔ اسی اہم حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَرْجِعُ فَرَادَهُ فَدَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ آیت کے واپس
گھر تشریف لائے۔ قلب مبارک مضطرب تھا۔ دریا۔

بُنْتُ خُرْلَيْدٍ فَقَالَ زَمَلُونِي زَمَلُونِي فَمَلُونِي فَزَمَلُونِي
حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوَغُ فَقَالَ لِيَخْلُو نَجَّةً
وَ أَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى
نَفْسِي (بخاری)

مجھے کبل اڑھاؤ مجھے کبل اڑھاؤ۔ آپ کو کبل اڑھا۔
یہاں تک کہ وہ کیفیتِ اضطراب جاتی رہی پھر حضور
علیہ السلام نے (حضرت خدیجہ) کو (غیر حرا) کا تمام ماجرا
بیان کر کے فرمایا مجھے تو اپنی حالت کا خطرہ ہو گیا تھا۔

بِزَجْبِ فَوَادِه، رجف، باب نصر ینصدم سے لازم و شندی دونوں آتا ہے اس کے اصل معنی ہلنے
ہلانے کے ہیں۔ یہاں اس جملہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی کیفیت کو اضافہ حرکت سے ظاہر کیا گیا کہ جب
آپ غارِ حرا سے تشریف لائے تو قلبِ مبارک مضطرب تھا اور جب آپ کو چار اڑھا دی گئی تودہ اضطراب کی کیفیت
جاتی رہی جس پر حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوَغُ کا جملہ نص صریح ہے اور جب یہ اضطراب کی کیفیت رُفِع ہو گئی تو اس کے
بعد حضور اکرم نے غارِ حرا کی پیش آمدہ سرگزشت بیان کر کے فرمایا کہ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہوا۔ لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى
نَفْسِي کا ترجمہ بعض لوگوں نے "حال" کا کیا ہے۔ "یعنی مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے"۔ لیکن جب خشیت ماضی کا صیغہ
ہے۔ قد بھی یہاں موجود ہے اور سیاقِ حدیث فاجہیں ہوا الخ میں بھی اس پر دال ہے کہ واقعہ ماضی کا ہے تو ترجمہ
"ہے" کی بجائے "ہوا" کرنا چاہیے۔ معروف محاورہ ہے کہ جب آدمی کسی استثنائی تکلیف دہ چیز سے دوچار ہوتا ہے تو اس
موقع پر وہ کہتا ہے کہ بھئی مجھے تو جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔ اس جملہ سے مقصود صرف واقعہ کی اہمیت اور تکلیف کی
شدت کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ بلا تخیل ایسے ہی غارِ حرا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وہی نازل ہوئی اور
انوارِ برکاتِ صمدیت منوجہ نمائش ہوئے اور اللہ عزوجل نے اپنی سب سے زیادہ ثقیل و شندید چیز کا بار دوش
نبوی پر رکھا تو اس کی سرگزشت سنانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
سے فرمایا کہ وحی کی ثقافت اور کلامِ الہی کی ہمیت کا یہ عالم تھا کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب جان چلی۔ چنانچہ
وحی کو خود قرآن نے قولِ ثقیل کہا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اگر وحی کسی پہاڑ پر اتار دی جاتی تودہ جلالِ الہی سے
پاش پاش ہو جاتا مگر یہ تو ذاتِ نبوی ہی تھی جس نے بتوفیقِ الہی پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دینے والی چیز کی شدت کو
برداشت کر لیا۔

انقض لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي کہ جملہ سے حضور علیہ السلام نے وحی کی اس تکلیف اور شدت کو بیان فرمایا،
جو غارِ حرا میں آپ کو پہنچی اور جس کے اثرات گھر تشریف لانے اور چادر اوڑھا دینے تک رہے اور جب چادر اوڑھا
دی گئی تودہ اضطراب کی کیفیت ختم ہو گئی۔ اور اس کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غارِ
حرا کا واقعہ سنایا چنانچہ ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوَغُ کا جملہ اس امر کی تصریح کر رہا ہے کہ خوف دُور ہو جانے کے بعد آپ نے
قصہ سنایا۔ یہ نہیں افسوس سنانے وقت بھی آپ اپنی جان کے خوف میں مبتلا تھے۔

۲۔ اور اگر لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي کا ترجمہ حال کا کیا جائے یعنی مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ تب بھی اس کا
مطلب ومعنی بالکل واضح ہے۔ یعنی اس جملہ سے حضور علیہ السلام کا مقصود بارِ نبوت اور رسالت کی عظیم ذمہ داریوں کو

بیان کرنا ہے اور بالکل ابتدائی مرحلہ میں نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کو نبی جانے کے متعلق حضور کو عارضی فکر ہر جانا قدرتی تھا اس وقت کے حالات کو ذہن میں لائیے۔ آپ کو نبی بنایا گیا آپ تنہا ہیں اور پوری انسانی کائنات آپ کی مخاطب ہے اور سارے عالم میں جہالت و معیشت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ دُشدد و دہانت کی تمام تشلیحیں مغل ہو چکی ہیں اور ایک جہاں گیر تاریکی عالم پر مسلط ہے۔ ساری دنیا کشتہ جہالت میں سرشار ہے غرض کہ ایک پوری دنیا اور اس کی مسلح جہالتیں ہیں اور ایک طرف صرف ذات نبوی ہے جس کے ذمہ اس تحریک الہی کی ذمہ داری عائد کی جا رہی ہے جس کا ضعیف سے ضعیف ذوق بھی مخاطبین میں نہیں ہے۔ ان کے جذبات، ان کی عقیدتیں اور ان کے صدیوں سے جے ہوئے اعتقاد اس تحریک کے بحر خلاف ہیں۔ پھر یہ تحریک بھی کسی ایک شہر ایک مٹربے یا ملک کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام عالم کو دعوت دینی ہے۔

نبوت کی یہی عظیم ذمہ داریاں تھیں جن سے آپ فکر مند ہوئے اور اسی کا اظہار آپ نے لفظ خشیت علی نفسی کے جملہ سے فرمایا کہ اب تم تو ہیں الصادق الامین کے لقب سے مشہور ہوں۔ پوری قوم میری دیانت و امانت خلوص و لطیفیت، ورع، تقویٰ اور حسن سیرت و صورت کی معترف، ہ اور مجھ سے بے پناہ محبت رکھتی ہے لیکن نزول و دعا کے بعد اب مجھے فرائض نبوت ادا کرنے ہیں۔ دین کی تبلیغ و اشاعت کرنی ہے اور باطل کی جہاں گیر قوتوں سے ٹکھو یعنی ہے اور پوری دنیا کی مسیح جہالتوں اور مصیبتوں سے تنہا مقابلہ کرنا ہے۔ یہی وہ خطرات و حوادث ہیں جن کے پیش نظر حضور نے لفظ خشیت علی نفسی فرمایا۔

یہ بالکل ایک سبب ہی سی بات ہے جس میں کسی قسم کا انجھاؤ نہیں ہے۔ نبی کو نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کو نبی جانے کا عارضی فکر ہر جانا نشان نبوت کے خلاف نہیں ہے مگر سنّت کا اس معصوم جملہ کو غلط دھمک دے کر یہ کہنا کہ بخاری سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کو اپنی نبوت سے ہی میں انکس تھا ہدایت بے ایمانی کے ساتھ حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کی تحریف معنوی کرنا ہے کیونکہ پوری مذہب میں کوئی لفظ تو درکنار اشارہ تک نہیں ہے کہ معاذ اللہ آپ نبوت کے معاملہ میں ذرا بھی ریب و شک میں مبتلا تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت ملی تو حکم ہوا کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اُس نے طغی بیشک اس نے سُراٹھا یا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی :-

دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔

قَالَ رَبَّنَا إِنَّا نَفَعْتُكَ أَنْتَ يَغْفِرُ حُطَّ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَىٰ (طہ)

دیکھئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوف ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے خوف کی علت یہ نہیں تھی کہ جناب کلید علیہ السلام کو اپنی نبوت میں انکس تھا بلکہ یہ خوف فرض نبوت کی ادائیگی کے سلسلہ میں تھا کہ مجھے فرعون جیسی عظیم طاقت کے مقابلہ کے لیے بھیجا جا رہا ہے تو میں تنہا فرائض نبوت سے کیونکر عمدہ برآ ہوں گا۔ یہی فکر تھا جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو

خوف میں مبتلا کر دیا اور انھیں عرض کرنا پڑا کہ الہی میں قدرتاً ہوں کہ کہیں فرعون زیادتی نہ کرے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کا نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کی ادائیگی اور رسالت کی ذمہ داریوں کے متعلق عارضی طور پر ذرا دیر کے لیے باقتضای بشریت خوف واضطراب میں مبتلا ہو جانا منافی نشان نبوت نہیں ہے۔

۳۔ اسی طرح لقد خشیت علی نفسی کا یہ مطلب لینا بھی باطل ہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ خوف پیدا ہوا کہ فرشتے کو دیکھنے سے بوجہ رعب کے عاجز رہوں گا۔ اولاً اس لیے کہ اگر اس موقع پر جبریل امین ملکی شکل میں حاضر ہوتے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ ملکی شکل کے دیکھنے سے رعب طاری ہو گیا اور اس رعب کی وجہ سے یہ خوف ہوا کہ آئندہ ان کو دیکھنے سے عاجز رہیں گے لیکن حضرت جبریل کا اس موقع پر ملکی شکل میں حاضر ہونا ثابت نہیں اور حدیث زیر بحث میں تو خود اشارات موجود ہیں کہ وہ انسانی شکل میں حاضر ہوتے تھے۔ لہذا روایت ملک سے عاجز رہنے کے خود کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ثانیاً۔ اگر طاری شدہ رعب کا سبب حضرت جبریل امین کی ذات ہوتی تو یہ رعب شدت ملاقات ہی میں پیدا ہو جاتا مگر اس وقت پیدا نہیں ہوا بلکہ اس وقت تو حضور علیہ السلام کو اس قدر سکون تھا کہ سہرت جبریل امین کے بار بار اقرار عرض کرنے اور معائنہ کرنے کے باوجود آپ نہایت ہی سکون و وقار کے ساتھ مامانا بقاری فرماتے رہے۔ اس سے واضح ہوا کہ رعب واضطراب کا سبب حضرت جبریل کی رویت نہ تھی بلکہ کلام الہی کا نزول اور وحی کی شدت ثقالت ہی تھی۔

فَقَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ
اللَّهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَ
تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُورَ
وَلَتَقْضِيَ الْوَعْدَ وَ تَكُونُ عَلَا
لَوَائِبِ الْحَقِّ۔

حضرت خدیجہ کہنے لگیں۔ ہرگز نہیں بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان و دشمنہ نہ نہیں کرے گا۔ آپ فرامتا رہاں کا خوب حنی ادا کرتے ہیں۔ بے سہاروں ابو جہل اٹھاتے ہیں۔ ضرور تمہارے کی ضرورت پوری کرے گا میں میاؤں کی میزبانی کرتے ہیں اور لوگوں کو ایمان میں پیش آئے

والے حوادث پر مدد دیتے ہیں۔

حضور نے خشیت علی نفسی سے وحی کی شدت و ثقالت یا نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کا انہار فرمایا غافل جناب خدیجہ جن کو حضور علیہ السلام سے والمانہ محبت تھی وہ اپنی جان میں حضور علیہ السلام کو تسلی رہنے لگیں اور آپ کی اخلاقی خوبیوں کو گناہ نے نہیں کہ ایسی خوبیوں کے مالک ہستی کو جان کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے اور آپ کو درود بن نوفل کے پاس لے گئیں۔

پھر حضرت خدیجہ آپ کو درود بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ اپنے چچا زاد بھائی کے پاس لے گئیں۔ ورقہ

حَتَّى آتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلٍ بْنِ أَسَدٍ
بْنِ عَبْدِ الْمَوَدِّ ابْنِ عَمِّ خَدِيجَةَ وَ

كَانَ امْرَأً مَتَّصِرًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ
الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنْ
الْاِنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا سَمِعَ اللَّهُ اَنْ
يَكْتُبُ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَلِمَ
فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمِعْ
مِنْ ابْنِ آخِيكَ فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ يَا ابْنَ
اَخِي مَاذَا نَرَى فَاخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْرُ مَا رَأَى فَقَالَ
لَهُ وَرَقَةُ هَٰذَا الشَّيْءُ الَّذِي نَزَلَ
اللَّهُ عَلَى مُوسَى يَا لَيْتَنِي فِيهَا جِدْعًا
يَا لَيْتَنِي اَكُنْتُ حَيًّا اَوْ يَخْبِرُكَ قَوْمُكَ
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَوْ يَخْبِرُنِي هُمْ قَالُوا نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَيْبًا
قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ اِلَّا عَوْدِي وَ
اِنْ يَنْدِرْكَ يَوْمَكَ اَنْتَ صَدْرُكَ نَحْصًا
مُؤَزَّرًا نَعَمْ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ وَرَقَةُ اَنْتَ
تَعْرِفُ وَفَتَرَ النُّجَى

بن نوفل زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور وہ
عبرانی زبان لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی میں لکھتے
تھے جو اللہ چاہتا اور بہت بوڑھے تھے اور آنکھوں کی
روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ نے درقہ سے فرمایا۔
اے ابن عم، اپنے بیٹھے کا ماجرا سنئے، اور قہر نے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہے میرے بیٹھے! ہاں بتاؤ تم
کیا دیکھتے ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا
تھا بیان فرمایا۔ درقہ نے کہا یہی وہ ناموس (محرّم اسرار)
ہے جسے مردانے مری پرانا تھا۔ اے کاش میں آپ
کے زمانہ دعوت میں براں ہوتا۔ کاش میں اس وقت
تک زندہ ہی رہتا۔ جب کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے
ہجرت پر مجبور کر دے گی۔ حضور نے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ درقہ نے جواب دیا
ہاں! جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں اس کو لے کر کوئی آدمی
نہیں آیا۔ جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر اس نامہ
میں میں زندہ رہا تو آپ کی ہر طرح مدد کروں گا۔ اس واقعہ
کے غور سے دنوں بعد ہی درقہ نے وفات پائی اور اس
کے بعد وحی رکی رہی۔

سورہ انفار کی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد جبریل کی آمد رکی رہی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سلسلہ وحی کے
رک جانے کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ حضور علیہ السلام غار حرا سے واپس تشریف لا رہے
تھے کہ فرشتہ نظر آیا جس کا قصہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔ اس کے بعد جبریل امین کی پہلے درپے آمد شروع ہو گئی اور
حیات مبارک کے آخری لمحات تک جاری رہی بلکہ آخر عمر شریف میں وحی کی کثرت ہو گئی تھی (بخاری)

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا | اس حدیث میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کا نام خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ یہی حضور علیہ السلام
کی اول محرم راز ہیں اور ابتدائے وحی کے موقع پر آپ ہی حضور علیہ السلام کو درقہ بن نوفل کے پاس لے گئی تھیں۔ آپ کا
نام خدیجہ اور لقب طاہرہ ہے۔ آپ حضور علیہ السلام کی پہلی مقدس بی بی ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے
والد کا نام عامر بن لوی ہے۔ حضرت خدیجہ کی پہلی شادی ابوالہریرہ بن زرارہ نبی سے ہوئی اور دو لڑکے مہندہ اور حارث پیدا

ہوئے۔ ابوہالہ کے انتقال کے بعد آپ عتیق بن عامر خزومی کے عقد میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکی بنام ہند پیدا ہوئی اسی لیے آپ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ سیدہ المرسلین علیہ السلام کے عقد میں آئیں۔ اس وقت حضور علیہ السلام کی عمر شریف ۲۵ برس اور حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ حضرت خدیجہ کھج کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں۔ ان کی زندگی میں حضور علیہ السلام نے دوسری شادی نہیں فرمائی۔ حضور علیہ السلام چھ اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے جو کہ بچپن ہی میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ، زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت ام المومنین خدیجہ بصری اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور علیہ السلام کو بے انتہا محبت تھی۔ ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا۔ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ حضرت خدیجہ کی ملنے والی عورتوں کے پاس گوشت ضرور بھجوانے۔ خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت خدیجہ پر بہت رشک آتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ السلام جب تک ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے اس پر آپ کو کچھ کہا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا نے مجھے خدیجہ کی محبت دی ہے (مسلم شریف، فضل خدیجہ) ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ آپ ایک برصا کی یاد کرنے ہیں جو مر چکی ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہرگز نہیں لیکن جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو خدیجہ نے میری تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی عیب نہ تھا انھوں نے میری مدح کی۔

یہ حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور کتب ورقہ بن نوفل | سماویہ کے عالم اور ایک آدمی تھے۔ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت سے قبل ہی وفات پا گئے۔ مگر نزول وحی کا واقعہ سن کر انھوں نے حضور علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔ چنانچہ منہ رک کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ ورقہ بن نوفل نے نزول وحی کا واقعہ سن کر عرض کی۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنَّكَ بَرَاءٌ | مجھے اس کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آپ تو نبی ہیں۔ (مسند رک)

نیز ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے پوچھا کہ حضور ورقہ نے آپ کی تصدیق نہ کر لی تھی۔ مگر آپ کے اظہار نبوت سے قبل ہی وہ وفات پا گئے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے خواب میں ان کو سفید لباس میں دیکھا ہے۔ اگر وہ دوزخی ہوتے تو ان کا لباس سفید نہ ہوتا۔ ان احادیث کی روشنی میں شراح حدیث نے ورقہ بن نوفل کو مسلمان قرار دیا ہے۔ بہر حال اتنا تو ظاہر ہے کہ ورقہ عیسائی تھے۔ کتب سماویہ کے عالم تھے، نیک تھے اور حضور علیہ السلام کی نبوت کی انھوں نے تصدیق کی تھی۔ حضور علیہ السلام کی کیفیت سن کر عرض کی تھی کہ یہ تو وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا۔

عبرانی زبان کی اصل | اس حدیث میں آیا ہے کہ ورقہ عبرانی زبان جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی زبان میں لکھتے تھے۔

بعض روایات میں یہ ہے کہ عربی میں لکھتے تھے۔ عبرانی عبر کی طرف منسوب ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ جب غرود سے چھا ہوا کہ آپ نے نمرات کو جو کر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان عبرانی کر دی کیونکہ غرود نے اپنی پولیس سے کہہ دیا تھا کہ جو شخص تمہیں سریانی بولتا ہو ایلے اس کو مار کر رو تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرات کو جو کر کیا تو اس کے بعد اس زبان کا نام عبرانی ہو گیا۔ یہی نے کہا ہے کہ تمام عہد سلاویہ انجیل و توریت عبرانی زبان میں تھیں۔

علامہ عینی کہتے ہیں۔ انجیل اور توریت عبرانی زبان میں تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی دو اولاد جو نبی ہوئی ان سب کی زبان سریانی تھی۔ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرات کو جو کر کرنے کے بعد عبرانی بولتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام عربی بولتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام تمام لغات کے عالم تھے۔ حضرت صالح و شیب علیہما السلام کی زبان بھی عربی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اصلی زبان عربی تھی۔ پھر سریانی ہو گئی مگر قبولِ توبہ کے بعد پھر عربی بولنے لگے۔

سفیان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی وحی نازل فرمائی وہ عربی میں تھی اور انبیاء کرام اپنی قوموں کی زبان میں اس وحی کی ترجمانی کرتے تھے۔ سریانی زبان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ بہتر سے شق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے پرشیدہ حضرت آدم علیہ السلام کو بہر زبان سکھائی تھی۔ اس لیے اسے سریانی کہنے لگے۔

لفظ ناموس کی تحقیق | لفظ ناموس، جاسوس کے وزن پر ہے۔ دونوں کے معنی رازدار کے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔ ناموستہ اسی مسودتہ اس نے راز کو چھپایا۔

ناموس اور جاسوس میں فرق یہ ہے کہ ناموس خیر و برکت کا رازدار ہوتا ہے اور جاسوس برائی کا جبریل ایہیں کو ناموس اکبر اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انبیاء کرام کے رازدار ہوتے تھے۔

لفظ ملک کی تحقیق | حدیث ہذا میں لفظ ملک ہے۔ لفظ ملائکہ کا واحد ملاک ہے جو بقاعدہ صرف ملک مخلوق کے درمیان قاصد ہوتے ہیں۔ قرآن پاک نے ان کو رسل اور رسل اللہ قاصدان الہی فرمایا ہے۔

اللَّهُ يَخْطُبُكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا | اللہ فرشتوں میں سے اپنے پیغامبر منتخب فرماتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کارخانہ الہیہ کو چلاتے ہیں۔ اسی لیے ان کو مہربات امر کہا گیا ہے۔ سورہ والنزعات میں ملائکہ کی صفات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سر ایا مطیع ہیں اور اس کے حکم کے تابع و فرمان ہیں اور حکم الہی سے کبھی رد گردانی نہیں کرتے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتیں، ان کی آمد سے متور ہیں اور کتب سماویہ کے نام کے ساتھ ان کا نام ضرور آتا ہے۔ ملائکہ کے سرخیل اور شمشہ حضرت جبریل ہیں۔ جو وحی رسالت کے لانے پر مامور ہیں اور دیگر امور کو سرانجام دینا ان کے فرائض ہیں۔

لفظ جبریل | عبرانی لفظ ہے جس کے معنی مرد خدا کے ہیں لیکن اصطلاح شرع میں جبریل اس ملک مقرب کا نام ہے

جو خدا اور خالصانِ خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے اور جو رسولِ ملائکہ سے ہے۔ کتبِ عنان میں لکھا ہے
 رسل الملائکہ هم المبلغون لاحکام
 الوحی الی الانبیاء من البشر و افضلهم
 جبرئیل علیہ السلام کما اخرجہ الطبرانی
 مرفوعاً
 علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے لکھا :-

تمام ائمہ مسلمین کا اتفاق ہے کہ جو انبیاءِ کرام کا حکم ہے
 وہی مرسلین ملائکہ کا حکم ہے اور وہ عصمت و عظیمِ حرمت
 میں برابر ہیں اور بے شک مرسلین ملائکہ کو حقوقِ انبیاء
 حاصل ہیں اور جیسے انبیاءِ کرام انہوں کو احکام پہنچاتے
 ہیں۔ اسی طرح مرسلین ملائکہ حضرات، انبیاء کو احکام الہیہ
 پہنچاتے ہیں۔

اتفق ائمۃ المسلمین ان حکم المرسلین
 منہم ای من الملائکہ بحکم النبیین
 سواء فی العصمة و تعظیم الحرمة مما
 ذکرنا عصمتہم منہ وانہم فی
 حقون الانبیاء والتبلیغ الیہم
 کالانبیاء مع الامم
 (شفا فی تسمیہ الریاض و شرح علی تباری ج ۲ ص ۱۵۸)

قرآنِ حکیم میں جبریل علیہ السلام کو الروح الامین (امانت دار روح) بھی کہا گیا ہے اور روح القدس بھی اور
 قرآن پاک میں جبریل کا نام تین مقام پر آئے ہے۔ آغازِ وحی کی اس حدیث میں جو ملک کا لفظ آیا ہے اور جس کو وہ رتے
 ناموس کے لفظ سے موسوم کیا ہے وہ یہی جبریل ہیں۔

۱- فَاتَّزَلَّكَ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ
 ۲- تَزَلَّكَ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ
 يَا لِحَقِّ

۱- جبریل نے آپ کے دل پر قرآن نازل کیا۔
 ۲- تم فرماؤ اس کو روح القدس نے تیرے رب کی
 طرف سے سچائی کے ساتھ آنا ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ جبریل وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد وحی لانے کی خدمت ہے۔ حضرت جبریل ہی مذا
 نزلے، ہدم و مرق و غیرہ امور انجام دیتے ہیں۔ جس سرپائی زبان میں عہدہ کو کہتے ہیں اور ایل اللہ تعالیٰ کے سمار
 میں سے ایک اسم ہے۔ حضرت جبریل کا نام عبد اللہ ہے اور میکائیل کا نام عبید اللہ ہے۔

حضرت جبریل کا اصل نام
 ۱- بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا اصلی نام عبد الجلیل
 ہے اور ان کی کنیت ابو الفتوح ہے۔

۲- میکائیل کا نام عبد الرزاق اور کنیت ابو الغنیم ہے۔

۳- اسرافیل کا نام عبد الخالق اور کنیت ابو المنافع ہے۔

۴- عزرائیل کا نام عبد الجبار اور کنیت ابو یحییٰ ہے علیہم السلام (یعنی جلد ۵ ص ۸)

لفظ جبریل نو نعمتوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں :- جبریل، جبرائیل، جبرین، جبرائ، جبرئیل وغیرہ وغیرہ۔

بارگاہ نبوی میں جبریل امین کی حاضری کے لیے وقت مقرر نہ تھا، صبح و شام، روز و شب، صلح و جنگ، جبریل کی حاضری ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو ان کی اصلی شکل میں قیام و دفعہ ملاحظہ فرمایا۔ جبریل امین انسانی شکل میں حاضری دیتے تھے اور حقارت و حیكلی جو ایک حسین صحابی تھے ان کی شکل میں اکثر آیا کرتے تھے

ابن شہاب نے کہا کہ مجھے خبر دی ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری فترۃ وحی کے متعلق حدیث بیان کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (غبارِ حرار) سے آ رہا تھا کہ آسمان سے ایک آواز میں نے سنی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غبارِ حرار میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ تو مجھے اس سے خوف آیا۔ میں گھر واپس ہوا اور میں نے کہا مجھے چادر اٹھا دو مجھے چادر اٹھا دو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ یَا اِیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ

فَإِنَّ الْوَحْيَ أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ وَهُوَ يَخْبَثُ عَنْ فِتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِي حَدِيثِهِمْ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَفَرَعْتُ بِمَصْرِي فَإِذَا الْمَلِكُ جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٍ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مِنْ فُرُوعِ شَجَرَةٍ فَكُنْتُ قُلْتُ رَمَلُونِي فَمَلَوْا فَنَزَلَ فَأَشْرَكَ اللَّهُ تَعَالَى يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبِّكَ فَكَيْفَ وَشِيبَاكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْبِطْ فَحِجِّي الْوَحْيَ

۱۔ سورہ انفراہ کی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد وحی آنا بند ہو گئی تھی جس کی مدت تین سال سنائی جاتی ہے۔ اس کے بعد جبرائیل امین حاضر ہوئے تو سب سے پہلے سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں جن کا ذکر حدیث زیر بحث میں ہے۔ اس کے بعد وحی آنا شروع ہو گئی اور ۲۳ سال تک قرآن حکیم کا نزول برتنا ہوا۔

۲۔ فترۃ کے معنی سستی، کمزوری اور رک رک کے آنے کے ہیں۔ باری کے بخاریں وہ دن جن میں بخاریں نہیں آتا یا ساری روح و زمانہ جو دو نبیوں کے درمیان ہوتا ہے اس کو بھی فترۃ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب عارضی طور پر وحی آنا بند ہو گئی تو آپ بہت طول چہتے تھے تا آنکہ رحمت الہی پھر متوجہ ہو گئی اور وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ فترۃ رحمی کیوں نہ ہو اس کی اصل حکمت تو اللہ ہی جانتا ہے۔ البتہ بعض شارحین نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے وحی آنا سس لیے بند ہوئی کہ پہلی بار جو آپ پر وحی کی شدت اور ثقالت کے اثرات مرتب ہوئے تھے وہ دور ہو جائیں اور آپ کی نوق اور بڑھ جائے۔

۳۔ حدیث زیر بحث میں وحی کے رکن کے بعد پھر وحی کی ابتداء کا ذکر ہے یعنی اس امر کا بیان سے کہ وحی کے رکن

جانے کے بعد سب سے پہلے سورہ یا ایہا المدثر کی مذکورہ بالا آیات کے نزول سے وحی کی ابتداء اس کیفیت کے ساتھ ہوئی کہ مکی البیہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے ہوئے تھے اور یہی ترجمۃ الباب تھا کہ وحی کی ابتداء اس کیفیت کیابھی؟ یعنی ترجمۃ الباب میں جہاں ابتداء کا لفظ ہے وہ ابتداء قبل اعتبار اس اور ابتداء بعد اعتبار اس دونوں کو شامل ہے۔ اور حدیث زیر بحث میں ابتداء وحی بعد اعتبار اس کی کیفیت کا ذکر ہے۔ لہذا حدیث زیر بحث اور ترجمۃ الباب میں مناسبت ظاہر ہے۔

تفسیر آیات سورہ مدثر

یا ایہا المدثر۔ قدش بمعنی دثار۔ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو گرمی حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے جیسے چادر رضائی، کبیل وغیرہ اور شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو بدن سے ملا ہوا جو جیسے تہبند، بنیان، پاجامہ وغیرہ۔ نزول وحی کے وقت چونکہ حضور علیہ السلام چادر اوڑھے ہوئے تھے اس لیے اسی لباس کے ساتھ حضور کو مخاطب کیا گیا جس سے واضح ہوا کہ اللہ عز وجل کو اپنے محبوب رسول کی ہر ادا محبوب ہے۔ حتیٰ کہ استعمال لباس کی ہیئت کذا فی بھی اس درجہ پسند ہے کہ اس کے ساتھ ندا فرمائی گئی۔ اس میں است کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انبیاء کرام کو ان کا نام لے کر ندائی نہ کیا جائے بلکہ ادب و احترام تعظیم و توقیر کے ساتھ معزز و پر عظمت اوصاف و القابات سے یاد کیا جائے۔ پھر اس خصوص میں حضور مرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ خصوصیت ہے کہ دیگر انبیاء کرام کو تو رب العزت جل مجدہ نے نام خطاب کیا ہے۔ یا آدم، یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا داؤد، یا عیسیٰ کی بنائیں قرآن میں موجود ہیں لیکن جب اپنے حبیب مکرم کو ندا فرمائی تو ان کی کمال عظمت و رفعت کے انبار کے لیے ان کے نام پاک کے ساتھ ندا نہیں کی گئی بلکہ ان کے معزز اوصاف و القابات کے ساتھ یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول، طہ، یسین کے الفاظ سے خطاب فرمایا گیا ہے۔

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب

یا ایہا النبی خطاب محمد است

قرآن نے آداب بارگاہ نبوت کے سلسلہ میں فرمایا:-

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ

كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

رسول کو اس طرح مت پکارو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو

حضور کا نام لے کر ندا کرنا ممنوع ہے

علامہ صادقی علیہ الرحمۃ نے تحت آیت فرمایا کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ حضور کو ان کا نام لے کر یا محمد یا ابو القاسم کہہ

کر ندا نہ کرنا چاہئے بلکہ تعظیم و توقیر کے ساتھ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا امام المسلمین، یا رسول رب العالمین، یا خاتم النبیین الفاظ کے ساتھ ندا کیا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کو ایسے الفاظ

کے ساتھ ندا جائز نہیں۔ جس سے تعظیم معنوم نہ ہوگی ہو۔ نہ نبوی حیات میں اور نہ وصال کے بعد

واستفید من الایۃ انہ لا یجوز تداءع

النبی بغیر ما یفید التعظیم لافی حیاتہ

ولا بعد وفاتہ

لہذا تحریر و تقریریں جب بھی نام اقدس لیا جائے تو تعظیم و توقیر کے ساتھ لیا جائے اور درود و سلام لکھا جائے اور محض نام اقدس اور وہ بھی ایک عام انداز میں اور بغیر درود و سلام کے لکھنا اور بولنا انتہائی درجہ کی شقاوت و بد نصیبی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آداب نبوی کے پاس و لحاظ کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ بعض علمائے نے یہ معنی کیے۔

المتدثر بلباس النبوة والمعارف | لے ہماری معرفت اور نبوت کی پوشاک زیب تن
الانسلیہ (تفسیر ابو اسود) | فرمانے والے۔

۳۔ متدثر کے معنی "خاطر کا اپنے گھونٹے کو درست کر لینا" کے بھی آتے ہیں تو اب یا ایہا المدثر کے معنی یہ ہوں گے کہ اے کا شانہ عالم کو درست و محکم بنانے والے رسول، کا شانہ عالم حضور کے علوم و مراتب کے مقابلہ میں ایک آشیانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور کا اس آشیانہ کو درست و محکم بنادینا، اہل عالم کی ضروریات مادی و اخلاقی و روحانی کو مکمل فرمادینا ہے۔ یہ تکمیل انداز اور تکمیل ربانی اور تطہیر خلقت از علایق مادی و قلبی کی تدابیر سے فرمائی گئی۔ رجز و جبرس کو دور فرما کر ہمارے ظاہری و باطنی سے اہل عالم کو حضور ہی نے مطہر بنایا ہے۔

۴۔ متدثر کے معنی کو ذکر گھوڑے پر سوار ہونے کے بھی آتے ہیں جیسے بولتے ہیں متدثر فرسہ ای و شب علیہ فربکہ تو اب یا ایہا المدثر کے معنی یہ ہوں گے کہ نہایت ہی جوانمردی، تیزی اور احتیاط کے ساتھ نصیب نبوت کو ادا کرنے والے رسول۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضور علیہ السلام نے نہایت ہی حزم و احتیاط کے ساتھ اور انتہائی جوانمردی، صداقت و امانت کے ساتھ فرائض نبوت کو ادا فرمایا اور قرآن نے حضور علیہ السلام کو شریک کے نتیجہ کاروں اعلان فرمایا۔

رایت الناس یدخلون فی دین اللہ اخواجاً

فقہار نے اس آیت کو بکثیر تحریر کی کہ فرضیت کے ثبوت میں پیش کیا ہے جس کی

وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ

تقریر یہ ہے کہ لفظ کبیر کبھی بمعنی تعظیم آتا ہے اور آیت مذکورہ میں کبیر کا معنی بزرگبیر بمعنی تعظیم سے ماخوذ ہے اور ماوربہ مطلقاً تعظیم نہیں بلکہ وہ تعظیم ہے جو بکثیر تحریر کے ضمن میں حاصل ہوئی ہے اس سے بکثیر تحریر مراد ہونے پر اہل تغیر متفق ہیں۔ اور اس مراد پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے اور بکثیر تحریر صرف اللہ اکبر کو نہیں کہتے بلکہ اس سے مراد ذکر الہی ہے۔ جس کے بعد بلا فصل نماز شروع ہو جاتی ہے تو اللہ اکبر اس کا ایک فرد ہوا تو آیت سے بطریق مذکور بکثیر تحریر بمعنی ذکر مذکور کی فرضیت ثابت ہوئی نہ لفظ اکبر۔

البتہ بکثیر تحریر کا اس فرد مخصوص (اللہ اکبر) کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا یہی مذہب ہے اور یہ وجہ حدیث سے مستفاد ہے لہذا اگر بکثیر تحریر میں اللہ اکبر نہ کہا اور اس کی جگہ لہ اکبر وغیرہ الفاظ کے جو تعظیم خداوندی پر دلالت کرتے ہیں تو فرضیت ادا ہو گئی، کیونکہ ماوربہ بکثیر بمعنی تعظیم

لہ ما فی الافلاح اور اس کے حاشیہ طحاوی مثلاً پر جامع المسلمون علی ان المراد بہ تکبیر الافلاح و علیہ

تعقد الاجماع لہ والذکر الذی تنقبضہ الصلوٰۃ بلا فصل ہون تکبیر الافلاح پانچ ج ۱۳۲

ہی تھی جو ان الفاظ سے حاصل ہو جاتی ہے البتہ وجوب سے بری الذمہ نہ ہوگا۔

تکبیر تحریمہ نماز میں فرض ہے

اور کبھی لفظ تکبیر، اللہ اکبر کے معنی میں بھی آتا ہے تو اللہ اکبر کتنا مامور بہ ہوا اور امر وجوب کے لیے ہے لہذا اللہ اکبر کتنا واجب قرار پایا اور چونکہ یہ امر فکر کتاب کا جز ہونے کی وجہ سے قطعی ہے اور امر قطعی کے مامور بہ کو اصطلاح میں فرض کہتے ہیں اس لیے اللہ اکبر کتنا فرض ہوا اور اللہ اکبر کہنے کی فرضیت اجماعاً بجز تحریمہ اور کہیں نہیں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ یہ حکم تحریمہ کے لیے ہے ورنہ نص معطل ہو جائے گی۔ بس بوقت تحریمہ خاص لفظ اللہ اکبر کتنا فرض ثابت ہوا۔ لیکن اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ امر فکیر کے مامور بہ سے مراد تکبیر تحریمہ ہے تو اللہ اکبر کہنے کی طلب سے مراد تکبیر تحریمہ بجالانا ہوا جو اللہ اکبر کہنے سے عام ہے لہذا اس تقریر سے بھی تکبیر تحریمہ کی فرضیت ثابت ہوئی۔

فائدہ

یہ نہ کہا جائے کہ اس آیت کے نزول کے وقت نماز فرض ہی نہ تھی۔ پھر تکبیر تحریمہ کی فرضیت کسی تکبیر ممکن ہے کہ اس وقت حضور نفل ادا فرماتے ہوں تو اس میں تکبیر تحریمہ کا حکم آگیا (تفسیر کبیرا) نیز یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول متاخر ہے اور ان کے حکم کا نفاذ مقدم تھا جیسے آیت وضو کہ یہ بالا جماع مدنی ہے اور اس کا حکم پہلے ہی مکہ میں نماز کے ساتھ ہو چکا تھا۔ اسی طرح آیت جمعہ کہ مدنی ہے حالانکہ نماز جمعہ کے حکم کا نفاذ ہجرت سے قبل ہو چکا تھا اور بعض آیات ایسی ہیں جن کا نزول مقدم اور حکم کا نفاذ مؤخر ہے جیسے سورہ مزمل میں **وَاتُوا الزَّكَاةَ** کہ یہ آیت مکہ میں ہے اور اس کے حکم پر عہد آمد مدینہ منورہ میں ہوا (التقان) اس لیے ممکن ہے کہ آیت **رَبِّكَ فُكِّرْ** کا نزول مقدم ہوا اور حکم پر عہد آمد مؤخر ہو۔

وَتِيَابَكَ فَطَهِّرْ

”تیباب“ ثوب کی جمع ہے اور طہر، تطہیر سے مشتق ہے۔ ان دونوں لفظوں میں چار احتمال ہیں۔ اول: یہ کہ ثوب اور تطہیر کے حقیقی معنی مراد ہوں تو اب معنی یہ ہوں گے کہ کپڑوں کو نجاست سے پاک رکھیے۔ اندرون نماز یا بیرون نماز؟ آیت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن آیت **رَبِّكَ فُكِّرْ** میں جب اجماعاً تکبیر تحریمہ مراد ہے اور یہ پہلی آیت کے بعد بلا فصل واقع ہے تو بقرینہ سابق آیت **تِيَابَكَ فَطَهِّرْ** کے معنی یہ ہوں گے کہ بجائے نماز کپڑے پاک رکھے جائیں۔ چنانچہ کپڑوں کا پاک رکھنا اندرون نماز فرض ہے۔ بیرون نماز مستحب ہے فرض نہیں۔ اور بر تقدیر بیرون نماز مادیہ

لے واضح رہے کہ مکہ میں نماز کے ساتھ وضو کا حکم اس وقت قرآن میں کسی آیت میں نازل نہیں ہوا بلکہ بعد میں مرینہ شریف میں وضو کا حکم آیا۔ اس سے واضح ہوا کہ مکہ میں ہجرت سے قبل وضو کا حکم اس وحی کے ذریعے نازل ہوا تھا جو حضور پر قرآن کے علاوہ نازل ہوتی تھی۔ لے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ قرآنی احکام کے نفاذ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ قرآن کے علاوہ حضور پر وحی فرماتا تھا۔ اور حضور اس وحی کے مطابق جو قرآن کے علاوہ ہوتی تھی قرآنی احکام کو نافذ و جاری فرماتے تھے اور یہ بات حضور کی ذات مقدس کے ساتھ خاص تھی حضور کے وصال کے بعد قرآن کا کوئی مؤخر مقدم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضور کے بعد کسی پر وحی کا آنا اور کسی کو نبوت ملنا ممکن ہی نہیں ہے۔ نا فہم

ہو کہ مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک نہیں رکھتے۔ آپ ان کی عادت اختیار نہ کریں۔ تو یہ حکم بیرون نماز کے لیے ہوا کیونکہ اس وقت تک نماز فرض نہ ہوئی تھی۔ لہذا یہ امر استحباب کے لیے ہوا۔ یعنی بیرون نماز کپڑوں کو نجاست سے پاک رکھنا مستحب ہے۔

دوہرہ یہ کہ ثوب کے حقیقی معنی اور تطہیر کے مجازی معنی ملد ہوں تو اس صورت میں اگر تطہیر بمعنی تعصیل یا جابہ ثوب معنی یہ ہوں گے کہ کپڑوں میں تعصیر کی جائے یعنی اہل عرب کی طرح اتنے لمبے نہ ہوں کہ زمین سے لگیں کیونکہ یہ منکرین کا طریقہ ہے۔ اور اگر تطہیر بمعنی ازالہ نجاست معنوی ہو تو اب معنی یہ ہوں گے کہ کپڑوں کو نجاست معنوی سے پاک رکھتے یعنی حلال طریقہ پر حاصل کئے گئے ہوں مخصوص نہ ہوں۔

سورہ یہ کہ ثوب کے معنی مجازی اور تطہیر کے حقیقی معنی مراد ہوں۔ اس احتمال پر ثیاب بمعنی جسد ہوگا تو اب معنی یہ ہوں گے۔ مشرکین بوقت استحفاظت کا خیال نہیں کرتے ان کی اس عادت سے اجتناب چاہیے۔

چہارم۔ یہ کہ ثوب اور تطہیر دونوں میں مجازی معنی مراد ہوں۔ اس احتمال پر اگر لفظ ثیاب بمعنی نفس ہوگا تو معنی یہ ہوں گے کہ اپنے نفس کو اخلاق ذمیرہ سے پاک رکھتے۔ ۲۔ ثوب بمعنی دین بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے خواب میں لوگوں کو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا (بخاری) پھر آپ نے اس کی تفسیر دین سے فرمائی۔ ۳۔ ثوب بمعنی عمل و اخلاق اور بمعنی عورت (بیوی) اور بمعنی خلق و نیت بھی استعمال ہوتا ہے تو اب معنی یہ ہوں گے۔

”اپنے اخلاق اچھے رکھتے۔ اپنے عمل کو درست رکھتے۔ اپنے دین کو پاک رکھتے۔ اپنی بیویوں کو بذریعہ وعظ و نصیحت و نادیب پاک رکھیے۔ اپنے قلب اور اپنی نیت کو پاک رکھیے۔“

۲۔ امام بیضاوی نے فرمایا کہ معنی یہ ہیں۔ فطہر دشار النسمۃ یعنی پوشاک نبوت کو ایسی چیزوں سے پاک رکھتے جو اس کے مناسب نہیں۔ جیسے کینہ، بغض و حسد وغیرہ۔

واضح ہو ان سب احتمالات میں اول بہر حال راجح ترین ہے۔ کیونکہ اس صورت میں لفظ ثیاب اور لفظ تطہیر اور امرتینوں اپنے حقیقی معنی پر رہتے ہیں۔ اس کے برعکس باقی احتمالات میں بلا ضرورت حقیقت سے عدول لازم آتا ہے۔ اسی لیے فقہائے احناف نے آیت مذکورہ میں حقیقی معنی اختیار کیے ہیں اور

لہ واضح ہو کہ تطہیر کا بمعنی تعصیر مجاز ہونا ظاہر ہے اور تطہیر بمعنی ازالہ نجاست معنوی میں دو قول ہیں اول یہ کہ نجاست معنی جیسے پانہ پیشاب وغیرہ اور نجاست معنوی جیسے زنا، چوری، شراب خوری، گناہ وغیرہ میں تطہیر حقیقت ہے۔ دوم یہ کہ تطہیر باسست حسی کے ازالہ میں حقیقت اور نجاست معنوی کے ازالہ میں مجاز ہے۔ احتمال دوم کی دوسری صورت اسی قول پر مبنی ہے (نافع) ۱۔ اہل عرب لفظ ثیاب کو بمعنی جسد استعمال کرتے ہیں۔ عرب کا مشہور شاعر عترہ کہتا ہے۔ فکملکک بالومح الا صھر ثیابہ ای طعنت جسدہ بالومح الا صھر اہل عرب ایسے شخص کو جو بڑے اخلاق سے متصف ہو طاهر الثیاب کہتے ہیں نیز

بآل الخلفہ پر

بحالت نماز طہارت ثوب کی قرصیت کا اثبات اسی آیت سے فرمایا ہے۔

وَالرَّجْزُ فَاهْجُرْ

رجز کے چند معنی ہیں۔ اصنام، عبادت اصنام، معصیت، شرک، پلیدی، عذاب، شیطان۔ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اخلاق عالیہ و صفات حسنہ سے خلقاً موصوف ہوتے ہیں اور اخلاق رذیلہ و ذمیرہ، عمدہ سستی، کمزور یا وغیرہ سے پاک صاف ہوتے ہیں۔ اسی طرح رجز کے پانچوں معنی سے بھی انبیاء کرام کا پاک و صاف ہونا بدیہی امر ہے اور مذکورہ بالا احتمالات کی بنا پر و ثیابك فطہر کا ترجمہ ہوگا کہ اپنے اخلاق اچھے رکھتے۔ عمل کو درست رکھیے۔ دین کو پاک رکھیے؟ تو کیا اس حکم کے نزول سے قبل آپ کے اخلاق اچھے دھتھے؟ یا عمل درست نہ تھا؟ اسی طرح رجز کے معنی اگر عبادت اصنام کے لیے جائیں تو ترجمہ ہوگا۔ ”بتوں کی عبادت ترک کر دیجیے“ معصیت کے لیے جائیں تو ترجمہ ہوگا۔ ”معصیت ترک کر دیجیے“ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ جس وقت حضور علیہ السلام کو ترک کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت آپ عبادت اصنام کرتے تھے یا معصیت کے ساتھ متصف تھے۔ غرض کہ رجز کے جو بھی معنی لیے جائیں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بروقت حکم آپ اس معنی کے ساتھ متصف ہوں؟ حالانکہ یہ محال ہے۔ جواب یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں تمام معانی مراد ہو سکتے ہیں اور کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ اس لیے دونوں جگہ فطہر و فاہجر کا امر مداومت کے لیے ہے۔ لہذا و ثیابك فطہر کے معنی یہ قرار پائیں گے کہ اخلاق حسنہ کے ساتھ تو آپ پہلے ہی سے متصف ہیں لیکن اخلاق حسنہ کے اختیار کرنے پر مداومت فرمائیے۔ اسی طرح والبرجز فاہجر کے معنی یہ ہوں گے کہ اصنام کی عبادت اور معصیت کا ارتکاب تو آپ سے ممکن ہی نہیں ہے لیکن عبادت اصنام وغیرہ کے ترک پر ہمیشگی (مداومت) کیجیے۔ یعنی جیسے اب ہم آپ ان سے علیحدہ رہے ہیں آئندہ بھی علیحدہ رہیں اور اس کی مثالیں قرآن میں اور بھی ہیں مثلاً یا ایہا النبی اتق اللہ لے اللہ کے نبی اللہ سے ڈریئے۔ ولا تطع الکافرین کافروں کی اطاعت نہ کیجیے یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمانا۔ لا تتبع سبیل المفسدین مفسدوں کا راستہ اختیار نہ کیجیے تو ان سب آیتوں میں امر مداومت کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سے تو آپ ڈرتے ہیں۔ آئندہ بھی ڈرتے

نبیث العمل آدمی کو خبیث الثیاب کہا جاتا ہے لہ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے غیب میں فرمایا۔ علی ان المراد بہ حقیقت الظہیر و بیدار ایضاً حال ارادة الصلوة لیکون الامر علی حقیقتہ ایضاً و ما قیل ان المراد فقصر خفیہ عدول عن الحقیقتہ من غیر ضرورۃ۔ وقال الامام الطحاوی فی حاشیۃ در مختار ص ۱۹ فان الاظہر ان المراد ثیابك الملبوسۃ فی الصلوة و تطہیرها من النجاسۃ و هو قول الفقہاء و ارجح التفاسیر (من) لہ ایک جواب علامہ نے یہ دیا ہے کہ اس نوع کی جملہ آیات میں کو خطاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر مراد امت ہے۔

رہیں۔ مفسدوں کے راستہ کو اختیار کرنا آپ کے لیے ممکن ہی نہیں ہے آئندہ بھی اس راستہ کو اختیار نہ کیجئے۔

حضور علیہ السلام کے سینہ میں الفاظ اور معانی قرآن کے جمع کرنے کا اللہ ذمہ دار ہے

حدیث لا حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ جَبْرِ عَنْ
ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى لَا تَحْرِيكَ
بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ قَالَ كَانَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُعَاجِلُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً وَكَانَ
مِمَّا يُحَرِّكُ شَفْتَيْهِ فَقَالَ ابْنُ
عَبَّاسٍ فَإِنَّا أَحْرَكْنَا هُمَا لَكَ كَمَا كَانَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُحَرِّكُهُمَا وَقَالَ سَعِيدٌ أَنَا أَحْرَكْتُ
هُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَضَعَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهُمَا يُحَرِّكُهُمَا فَحَرَّكَ
شَفْتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى لَا تَحْرِيكَ
بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا
جَنَّةَهُ وَفَرَادَةَ قَالَ جَنَّةَهُ لَكَ
صَدْرَكَ وَتَفَرَّاهُ فَإِذَا قُرِئَتْ فَاسْتَمِعْ
قُرْآنَهُ قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ
شُعْرَانِ عَلَيْنَا بَيَانَهُ شُعْرَانِ عَلَيْنَا أَنْ
تَفَرَّاهُ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا آتَاهُ
جِبْرِئِيلٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ اسْتَمِعَ فَإِذَا
انْطَلَقَ جِبْرِئِيلٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَرَأَهُ
الشَّيْءَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا
قَرَأَهُ (بخاری)

سعید ابن جبیر نے حضرت ابن عباس سے آیت لا تحرک بہ لسانک کی تفسیر میں یہ بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے نازل ہونے سے شدت محسوس فرماتے تھے۔ بسا اوقات اپنے لبوں اور زبان کو حرکت دیتے تھے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں میں بھی اپنے لبوں کو اسی طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرکت دیتے تھے۔ سعید نے کہا میں بھی اسی طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح حضرت ابن عباس اپنے لبوں کو حرکت دیتے تھے۔ پھر سعید نے اپنے لبوں کو حرکت دی تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اے محبوب تم وحی اپنی زبان پر ادا کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ بیشک اس کا مجھ کو کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا تمہارے سینہ میں جمع کرنا اور پڑھا دینا ہمارے (یعنی اللہ تعالیٰ کے) ذمہ ہے تو جب ہم اسے پڑھ چکیں تو اس وقت اس پر چڑھو گے کی اتباع کرو۔ اتباع کی تفسیر میں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس کو سنیں اور خاموش رہیں پھر یقیناً وحی کے مطلب کا سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ بیان کی تفسیر میں ابن عباس نے فرمایا۔ پھر بے شک ہمارے ذمہ ہے کہ آپ اس کو پڑھتے رہیں گے اور اس کے بعد جب حضور کی خدمت میں جبرئیل حاضر ہوتے تو حضور لبوں کو حرکت دینے کے بجائے سنتے رہتے پھر جب وہ چلے جاتے تو پھر حضور اس کو ویسا ہی پڑھ لیتے جیسا

انہوں نے پڑھا تھا۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام نے کتاب التفسیر و باب فضائل القرآن میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے ۲۔ بوقت وحی کھلیفہ محسوس فرمانے کی وجہ اس کی ثقالت اور کلام الہی کی ہیبت تھی۔ اسی لیے قرآن نے وحی کو قول ثقیل کہا۔ یوں کہ حضور علیہ السلام اس لیے ہلاتے تھے تاکہ وحی یاد نہ ہو جائے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ بھولیں گے نہیں۔ یعنی تن قرآن کا آپ کے سینہ میں ضبط کرنا اور آپ کے حافظہ میں محفوظ کرنا ہمارا کام ہے ۴۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام جب وحی سُناتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ یاد کرتے کے لیے اپنی زبان مبارک کو ہلاتے اس پر فرمایا کہ آپ ایسا نہ کیجئے۔

- ۱۔ اِنَّ عَلَيْنَا جُمُعَهُ وَ قُرْآنَهُ
 - ۲۔ فَاِذَا قُرْآنُہٗ فَاتَّبِعْ قُرْآنَہٗ
 - ۳۔ سَتَعْلَمُ عَلٰی مَا یُنَادِیْکَ (قرآن)
- ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کا کوئی حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے محمل و مبسم نہیں ہے۔ اللہ عزوجل نے جس طرح سینہ نبوی میں قرآن مجید کو محفوظ کر دینے کی ذمہ داری لی ہے۔ اسی طرح اس کے مطالبہ معانی اور اس کے اصولوں کے جزئیات کے تعین و تبیین کی ذمہ داری بھی لی ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے۔
- وَسَدَدْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تَبٰیٰنًا لِکُلِّ شَیْءٍ (قرآن)
- ہم نے تم پر کتاب اُناری جس میں ہر شے کا روشن بیان ہے۔

یہ ہر شے کا روشن بیان ہر ایک کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے لیے ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کے اصولوں کی حضور علیہ السلام نے جو تبیین و توضیح فرمائی ہے اور جو مطالب و معانی اپنے قول و عمل سے اُمت کو تعلیم دیتے ہیں وہ سب وحی الہی سے ہے اور وہ (سُنّت) بھی قرآن مجید کی طرح دین ہے اور قرآن حکیم کی طرح ہی واجب العمل ہے۔

فائدہ | حدیث زیر بحث میں راوی سے نقل تفسیر میں سموا وقع ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے ان فقرہ کو بیان نہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے حالانکہ وہ بیان نہ کی تفسیر ہے اور قرآن نہ کی تفسیر یہ نہیں بلکہ اس کی تفسیر ان یسئلہ علی لسانہ کہ جیسا کہ بخاری کتاب التفسیر میں مذکور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما | آپ عبد صحابہ کے سب سے کمسن مفسر قرآن ہیں حضور علیہ السلام کے چچا زاد بھائی ہیں حضور علیہ السلام نے آپ کو دعادی تھی کہ الٰہی ان کو حکمت اور تاویل قرآن سکھا۔ یہ اسی دُعا کا اثر تھا کہ جلیل القدر صحابہ کرام نے آپ

کے فلم و فضل کا اعتراف کیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے مشکل مسائل میں مشورہ دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما لکھولہ لسان ستول | ابن عباس رضی اللہ عنہما کا برکت بران ہیں ان کو خدا نے
و قلب عقول (استیعاب) | سوال کرنے والی زبان اور سمجھنے والا دل دیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اس دور کے ایک بلیبل القدر مفسر تھے۔ ان کا جو مرتبہ ہے اس کا اندازہ اس سے
کیجئے کہ وہ خود اپنی نسبت یہ فرماتے ہیں کہ میں قرآن کریم کی ہر آیت کی بابت جانتا ہوں کہ وہ کس کے ہاں ہے جس
نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اگر مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ چلتا جو مجھ سے زیادہ قرآن کا علم رکھنے والا ہے اور سواریوں
کے ذریعے اس تک پہنچنا ممکن ہوتا تو اس کے پاس ضرور پہنچتا۔ لیکن اس جلالت مرتبہ کے باوجود حضرت ابن عباس
کے ہاں میں ان کا ارشاد یہ ہے:-

نعم ترجمان القرآن ابن عباس لودارک | عبداللہ ابن عباس کی ناخوب مفسر ہیں اگر وہ ہمارے
اسفلنا ما عاشره منارجل | ہم عمر ہو تو ہم میں سے کوئی بھی ان کی ہمسری کی حرات
نہ کر سکتا۔

حضرت عکرمہ کا قول ہے کہ سیدنا ابن عباس جس راستے سے گزر جاتے۔ وہ خوشبو سے معطر ہو جاتا۔ حضرت
ابن عباس عبادہ ابن ربیع سے ایک ہیں۔ عبادہ ابن ربیع کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن عباس،
عبداللہ ابن عمرو بن العاص، عبداللہ بن زبیر، امام احمد نے فرمایا کہ ذیل کے چھ صحابہ کثیر الروایت ہیں

اور ان میں سب سے زیادہ کثیر الروایت حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر، حضرت انس
حضرت ابن عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت ابن عباس سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۵۵ حدیثیں پر بخاری و
مسلم نے اتفاق کیا ہے اور ۱۲۰ پر صرف بخاری نے اور ۴۹ حدیثیں پر صرف مسلم نے اتفاق کیا ہے۔
وصال نبوی آپ کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال تھی (یعنی جلد ۱۳)۔ ستر سال تک عمر میں مقام جنت میں تھے۔
فرمایا۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے نماز جنازہ پڑھانے کے بعد کہا آج امت کا مفسر اٹھ گیا۔

حدیث نمبر ۵۔ رمضان میں جبریل کے ساتھ قرآن کا دور
عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَحْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور تمام
اوقات سے زیادہ آپ رمضان میں زیادہ سخی ہو

جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْحَنَيرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ (بخاری)

جاتے تھے جب کہ جبریل علیہ السلام سے ملاقات کرتے تھے۔ حضرت جبریل امین رمضان کی ہر رات میں آتے تھے اور آپ کے ساتھ قرآن حکیم کا دور کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔

تشریح الفاظ حدیث

اجود الناس۔ اجود اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو دسے مشتق ہے۔ اس کے معنی (اعطاء ما یبغی لمن یبغی) یعنی مناسب چیز مناسب شخص کو دینے کے ہیں۔ یہی معنی سخاوت کے ہیں تو اجود الناس کے معنی ہوتے تمام لوگوں سے زیادہ سخی۔ ایک حدیث میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جو دفرمانے والا ہے۔ پھر تمام انسانوں سے سخی تر میں ہوں۔ میرے بعد وہ شخص جو علم دین کو پھیلائے۔"

حضور علیہ السلام اجود الخلق ہیں

یہاں الناس کی قید اس لیے ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے ظاہر ہے کہ جب بہ نسبت اشرف المخلوقات حضور اجود ہیں تو بلحاظ غیر اشرف تو ہر جہ اولیٰ اجود قرار پائیں گے جس سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام صرف اجود الناس ہیں بلکہ اجود الخلق ہیں اور وہ بھی ایسے کہ دنیا و آخرت آپ کے خوانِ جو دکا ایک ٹکڑا ہے۔ امام ابو صیری قدس سرہ القوی نے اس لیے عرض کیا ہے

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَرَ تَهَا وَمِنْ مَلُوكِكَ عِلْمُ النَّوْحِ وَالْقَلَمِ

حضور! دنیا و آخرت آپ کے خوانِ جو دکا ایک ٹکڑا ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کا ایک حصہ ہے۔

رَمَضَانَ سے رمضان کا مہینہ مراد ہے۔ یہ رمضان سے مشتق ہے۔ رمضان کے معنی جل جانے کے ہیں چونکہ اس وقت جب اس مہینہ کا نام رکھا گیا تھا گرمی تھی۔ اس لیے اس کا نام رمضان ہو گیا۔ یہ دارسلہ باب مفاعلہ ہے۔ درس کے معنی سرعت کے ساتھ پڑھنے کے ہیں۔ یعنی رمضان المبارک میں حضور اکرم اور جبریل امین قرآن پاک کا دور فرماتے تھے۔

الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ۔ وہ ہوا جو لوگوں کے نفع کے لیے بھیجی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقع پر تھوہر بیت کے ساتھ بیٹنا چاہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً قیاض اور سخی تھے لیکن رمضان المبارک میں حضور علیہ السلام کی سخاوت اور دنوں سے زیادہ ہو جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو جبریل سے ملاقات ہوتی تھی جو اللہ کے پیامبر تھے دوسرے رمضان مبارک وہ عظیم الشان مہینہ ہے کہ اس میں سیدہ القدر ہے اور رمضان کے مہینہ میں نیک کاموں کا ثواب دوگنا ملتا ہے۔

۲۔ امام زہری نے فرمایا کہ رمضان میں ایک مرتبہ اللہ کی تسبیح کرنا ستر مرتبہ تسبیح کرنے کے مترادف ہے۔

پھر جبریل کی حاضری اور قرآن پاک کا دور یہ وہ باتیں ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی کیف حاصل ہوتا تھا اور اس کے شکریہ میں حضور علیہ السلام بہ نسبت دیگر ایام اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ حضرت جبریل کے ساتھ قرآن کے دور میں متعدد حکمتیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم پڑھائیں گے اور پھر آپ پھولیں گے نہیں۔ اس لیے جبریل امین رمضان کی ہر رات میں حاضر ہو کر دور فرماتے اور رمضان کے مہینہ کو درس کے لیے اس لیے بھی مقرر فرمایا کہ اسی ماہ میں قرآن کریم لوح محفوظ سے سمار دنیا پر نازل ہوا اور پھر یہاں سے حسب مصلحت ۲۳ سال تک نازل ہوتا رہا۔

مسائل حدیث

- ۱۔ سخاوت بہر صورت بہتر ہے اور مومن فیاض ہے۔ ۲۔ رمضان مبارک کے مہینہ میں زیادہ سخاوت کرنی چاہیے کیونکہ ثواب زیادہ ملتا ہے۔ ۳۔ صلوا اور اہل خیر کی زیارت بار بار کرنا باعث برکت ہے۔ جیسے جبریل امین علیہ السلام بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔ ۴۔ رمضان المبارک میں قرآن حکیم خصوصیت کے ساتھ زیادہ پڑھنا بھی مستحب ہے۔
- ۵۔ قرآن حکیم کی تلاوت تمام اذکار و وظائف سے افضل ہے کیونکہ تمام وظائف کی اصل قرآن مجید ہی ہے۔ ۶۔ قرآن مجید کے دُور کرنے اور بار بار پڑھنے سے قرآن یاد رہتا ہے اور حفاظ کے لیے قرآن مجید کا دُور ناگزیر ہے۔ دُور کے بغیر قرآن مجید بھول جاتا ہے۔ ۷۔ وکان یلقاہ من کُل لیلۃ من رمضان میں ابتدائی نزول کی بیفیت کی جانب اشارہ ہے تو ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہوئی کہ وحی کی ابتداء رمضان المبارک کے مہینہ سے ہوئی۔

۱۔ واضح ہو کہ قرآنی وحی کے نزول کی ابتداء رمضان المبارک کی تاریخیں

موم دو شنبہ میں ہوئی۔ جیسا کہ حدیث زیر بحث کے مذکورہ جملہ میں بر صراحت مذکور ہے کہ جبریل امین رمضان کی ہر شب میں حاضر ہو کر ایک مرتبہ قرآن کا دور کیا کرتے تھے تو قرآنی دور کے لیے بارہ مہینوں میں رمضان کا انتخاب ہی مناسب سے ہوا کہ زمین پر نزول کی ابتداء رمضان سے ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں خود قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ۲۔ اسی طرح لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر قرآن کا بیکارگی نزول بھی رمضان میں ہوا یعنی جبریل امین لوح محفوظ سے پورا قرآن اخذ کر کے آسمان دُنیا پر آئے اور وہاں فرشتوں کو اطا کرایا۔ فرشتوں نے موجودہ ترتیب کے مطابق اپنے صحیفوں میں لکھ کر بیت العزہ میں رکھ دیا جو آسمان دُنیا پر ایک مقام ہے۔ پھر جبریل امین یہاں سے وقتاً فوقتاً حسب اقتضا کے حکمت جتنا مٹا منظرِ الٰہی ہوا۔ بحضور ربوبی پیش کرتے رہے حتیٰ کہ بذریعہ جبریل امین نزولِ قرآن تیس سال کی مدت میں پورا ہوا ۳۔ علماء فرماتے ہیں کہ صحیفہ ابراہیم رمضان کی تکمیل کو ——— تو ریت ۲۰ رمضان کو ——— انجیل ۱۲ رمضان کو اور قرآن حکیم ۱۴ رمضان کو نازل ہوا۔ پھر حنا قرآن مجید نازل ہوتا ایک رمضان سے دوسرے

۵۸ دو سبب تھا اور جس سال حضور علیہ السلام کا وصال ہوا اس سال دوبارہ زور ہوا۔

ہر قل کے دربار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کے متعلق ابوسفیان کا بیان

حديث نبي مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ
أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُوَيْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ
إِنَّ هِرْقُلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رُحْبٍ مِنْ
قَرْنِشٍ وَكَانُوا تُجَادُوا بِالشَّامِ فِي
السَّيِّئَةِ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَارِفَ فِيهَا أَبَا سُوَيْيَانَ وَ
كَفَّارَ قَرْنِشٍ فَأَتَوْهُ وَهُمْ بِإِيلِيَاءَ
فَدَعَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ وَحَوْلَهُ عِظَمَاءُ
الرُّومِ ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا تَرْجَمَانَهُ
فَقَالَ أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا بِهَذَا
الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيُّ
فَالِ أَبَا سُوَيْيَانَ فَقُلْتُ أَنَا أَقْرَبُهُمْ
نَسَبًا فَقَالَ أَذْنُوهُ مِنِّي وَقَرَّبُوا
أَصْحَابَهُ فَاجْعَلُوهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ
ثُمَّ قَالَ لِتَرْجَمَانِهِ قُلْ لَهُمْ إِنِّي
سَائِلٌ هَذَا عَنْ هَذَا الرَّجُلِ فَإِنْ كَذَبَنِي
فَكُذِّبُوهُ فَوَاللَّهِ لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ
يُتَاشَرُوا عَلَيَّ كَذِبًا لَكُنْتُ عَنْهُ ثُمَّ
كَانَ أَوَّلُ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَنْ قَالَ كَيْفَ
نَسَبُهُ فِينَكُمْ قُلْتُ هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ
تَالِ أَفْهَلُ هَذَا الْقَوْمِ مِنْكُمْ أَحَدٌ قَطُّ
سَلُّهُ قُلْتُ لَا قَالَ هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ
مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ لَا قُلْتُ فَتَشَارَكَ النَّاسُ
بِشَعْرِهِ أَمْ ضَعَفَتْ لَهُ قُلْتُ بَلْ ضَعُفَتْ لَهُمْ

حضرت امین عباس سے روایت ہے کہ ابوسفیان بن
عرب نے ان سے بیان کیا کہ ہرقل (شاہ روم) نے
ان کے پاس ایک آدمی بھیجا۔ جب کہ وہ قریش کے چند
سواروں میں (بیٹھے) تھے اور یہ لوگ شام میں تاجرین کو گئے
تھے اور یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب کہ حضور اکرم نے
ابوسفیان اور کفار قریش سے ایک محمّد و وحیہ کیا تھا۔
چنانچہ یہ لوگ ہرقل کے پاس آئے جب کہ یہ لوگ ایلیام
میں تھے تو ہرقل نے ان لوگوں کو اپنے دربار میں بلایا ہرقل
کے گرد روم کے رئیس بھی جمع تھے۔ ہرقل نے ان کو
اپنے پاس بلایا اور ترجمان کو بھی بلایا۔ پھر ابوسفیان اور
ان کے ساتھیوں سے کہا کہ تم میں اس شخص کا قریب القرب
کون ہے۔ جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے (یعنی
حضور اکرم)؟ ابوسفیان نے کہا۔ میں حضور اکرم کا
قریبی رشتہ دار ہوں۔ ہرقل نے کہا۔ ابوسفیان کو میرے
سامنے کھڑا کر دو اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے
کھڑا کر دو۔ پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے
کہو میں ابوسفیان سے اس شخص کا حال معلوم کرتا ہوں
(جس نے نبوت کا دعوے کیا ہے) اگر یہ (ابوسفیان)
جھوٹا ہو تو تم ان کی تکذیب کر دینا۔ ابوسفیان
کہتے ہیں کہ اگر مجھے اس بات کی شرم نہ ہوتی کہ میرے
ساتھی میرے جھوٹ کو ظاہر کر دیں گے تو میں حضور اکرم
کے متعلق غلط بیانی سے کام لیتا۔ پھر سب سے پہلا
سوال ہرقل نے مجھ سے یہ کہا؟ قیصر، مدعی نبوت کا
خاندان کیسا ہے؟ ابوسفیان وہ (حضور اکرم) ہم

قَالَ أَيْزِيدُونَ أَمْرِي مَقْصُودٌ قُلْتُ بَلْ
 يَزِيدُونَ قَالَ هَلْ يَزِيدُ أَحَدٌ مِنْهُمْ
 سَخَطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ
 قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كُثُتُمْ تَتَّهِمُونَ
 بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَتْ قُلْتُ
 لَا قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ
 مِنْهُ فِي مَدَّةٍ لَا نَذَرُ مَا هُوَ فَاعِلٌ
 فِيهَا قَالَ وَلَكِنْ تَسْكِي حِكْمَةً
 أُدْخِلَ فِيهَا شَيْئًا غَيْرَ هَذِهِ الْكَلِمَةِ
 تَأْتَلْتُمُوهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ
 كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ - قُلْتُ الْمُعَرَّبُ
 بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سَبَاحٌ يَتَأَلَّ مِنْهَا
 وَتَسَالُ مِنْهُ قَالَ مَا يَأْمُرُكُمْ
 قُلْتُ يَقُولُ اعْبُدُوا اللَّهَ وَحْدَهُ وَلَا
 تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَاشْرِكُوا مَا يَقُولُ
 آبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ
 وَالصَّدَقِ وَالْعَنَاقِ وَالصَّلَاةِ فَقَالَ
 لِلْمُرْجَمَانِ قُلْ لَهُمَا لَسْتُكَ عَرَبٌ
 نَسَبُهُ قَدْ كَرُمْتَ أَنْتُمْ إِنَّهُ فِيكُمْ دَوْلَسٌ
 كَذَلِكَ الرَّسُلُ تَبَعْتُ فِي نَسَبِ
 قَوْمِهَا وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ
 مِنْكُمْ هَذَا الْقَوْلَ قَدْ كَرُمْتَ أَنْ لَا
 قُلْتُ لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ
 قَبْلَهُ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَأْتِي بِقَوْلٍ
 قِيلَ قَبْلَهُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ
 مِنْ آبَائِهِ مَنْ مَلَبَّ قَدْ كَرُمْتَ أَنْ
 لَا قُلْتُ فَلَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ

میں شریف خاندان سے ہیں۔ قیصر، اس خاندان میں
 کسی اور نے بھی نبوت کا دعوے کیا، ابوسفیان نہیں
 قیصر، جن لوگوں نے اس کا (یعنی حضور کا) اتباع کیا ہے
 وہ کمزور (مغریب) لوگ ہیں یا اشرف (صاحب اثر)؟
 ابوسفیان، کمزور لوگ۔ قیصر، اس کے پیرو بڑھ
 رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں ابوسفیان، بڑھتے
 جاتے ہیں۔ قیصر، اس کے پیروؤں میں سے کوئی اس
 کے دین کو بُرا جان کر مُرتد بھی ہو جاتا ہے یا نہیں؟
 ابوسفیان، نہیں؛ قیصر، کیا تم نے اس کو نبوت کے
 دعوے سے قبل جھوٹ کے ساتھ متہم بھی کیا ہے؟ ابوسفیان
 نہیں۔ قیصر، وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی
 کرتا ہے یا نہیں؟ ابوسفیان، ابھی تک تو اس نے
 بد عہدی نہیں کی اور اب ہمارا اس کا معاہدہ ہوا ہے
 نہیں معلوم وہ اس میں کیا کرے گا؟ (ابوسفیان کہتے
 ہیں کہ سوائے اس کلمہ کے میں حضور کے خلاف اور کوئی
 بات نہ کہہ سکا) قیصر، تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ
 بھی کی ہے؟ ابوسفیان، ہاں۔ قیصر، جنگ کا نتیجہ کیا
 رہا؟ (یعنی فتح کس کو ہوئی ہے) ابوسفیان، ہماری اس
 کی لڑائی فوٹوں کی طرح ہے۔ کبھی ڈول ہماری طرف
 آتا ہے اور کبھی ہم سے اس کی طرف (یعنی کبھی ہمیں فتح
 ہوئی کبھی اس کی)۔ قیصر، وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا
 ہے۔ ابوسفیان، اس کی تعلیم یہ ہے کہ ایک خدا کی
 عبادت کرو۔ کسی کو خدا کا شریک مت بناؤ اور وہ باتیں
 ترک کرو جو تمہارے ماں باپ کہتے ہیں (یعنی میت پرستی)
 وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے
 اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ اس کے بعد قیصر نے مترجم
 کے ذریعہ سے کہا کہ۔ میں نے تم سے اس کے نسب کے

مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ لِيَطْلُبُ مُلْكًا
 اَبِيهِ وَ سَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّبِعُونَهُ
 يَا نَكِذِبَ قَبْلَ اَنْ يَقُولَ
 قَالَ فَهَ كَذَتْ اَنْ لَا فَقَدْ اَعْرِفُ
 اَنْتُمْ لَكُمْ يَكُنْ لِيَذَرَ النَكِذِبَ عَلَى
 النَّاسِ وَيَكْذِبُ عَلَى اللَّهِ وَ سَأَلْتُكَ
 اَشْرَافَ النَّاسِ اتَّبِعُوهُ اَمْ رَضِعُوا
 هُمَا اتَّبِعُوهُ وَ هُمَا اَتَّبَعُوا الرُّسُلَ
 وَ سَأَلْتُكَ اَيُّنِي دُونَ اَمْرٍ لِيَقْصُصَ
 فَذَكَرْتَ اَنْهُمْ يَزِيدُونَ وَ كَذَلِكَ
 اَشْرَافُ الْاَيْمَانِ حَتَّى يَتِمَّ وَ سَأَلْتُكَ
 اَيُّنِي دُونَ اَحَدٍ سَخَطَ لَدَيْنِهِ بَعْدَ
 اَنْ يَدْخُلَ فِيهِ فَذَكَرْتَ اَنْ لَا
 وَ كَذَلِكَ الْاَيْمَانُ حِينَ تَخَاطَبُ
 بِشَأْنِهِ الْقُلُوبَ وَ سَأَلْتُكَ هَلْ
 يَنْدِرُ فَذَكَرْتَ اَنْ لَا وَ كَذَلِكَ
 الرُّسُلُ لَا تَنْدِرُ وَ سَأَلْتُكَ بَيِّنَاتٍ
 يَا مُرْكُ فَذَكَرْتَ اَنْتُمْ يَا مُرْكُ
 اَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ
 يَبْنَاهَا كُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ يَا مُرْكُ
 بِالصَّلَاةِ وَالصَّدَقِ وَالصَّغَاتِ
 فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَلِّكُ
 مَوْضِعَ قَدَمِي هَاتَيْنِ وَ قَدْ كُنْتُ
 اَعْلَمُ اَنْتُمْ خَارِجٌ وَ كُمْ اَكُنْ اَطْنُ
 اَنْتُمْ مِنْكُمْ فَلَوْ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَنْتُمْ
 اَخْلَصُ اِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاعَهُ وَ لَوْ
 كُنْتُ عِنْدَهُ لَقُلْتُ عَنْ قَدَمِي

متعلق پوچھا تم نے اس کو شریف النیب بتایا اور
 پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے ہوتے ہیں۔ میں نے تم
 سے یہ بھی پوچھا کہ اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت
 کا دعویٰ کیا ہے تم نے کہا نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں
 سمجھتا یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ میں نے تم سے پوچھا
 کہ کیا اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے تم نے کہا
 نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو اپنے باپ کی
 حکومت مطلوب ہے (یعنی حکومت کی ہوس ہے) میں نے
 تم سے سوال کیا تم نے بھی اس کو نبوت کے دعویٰ سے قبل جھوٹ
 سے متهم کیا ہے تم نے کہا نہیں۔ پس جو شخص کسی آدمی سے جھوٹ
 نہیں بولتا وہ حمار پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ میں نے
 تم سے پوچھا تھا کہ ضعیف لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں یا
 اشراف اور مالدار تم نے جواب دیا غریب لوگ تو پیغمبروں کے
 ابتداء ہی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ تم سے میں نے
 پوچھا کہ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں ؟
 تم نے کہا کہ بڑھ رہے ہیں تو ایمان کا یہی حال ہے یہاں تک
 کہ پورا ہو جائے (یعنی سچا مذہب بڑھتا ہی جاتا ہے) میں
 نے تم سے پوچھا کہ اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد
 دین کو برا سمجھ کر کوئی پھرتا ہے؟ تم نے کہا نہیں؛ تو ایمان کی
 یہی حالت ہوتی ہے۔ جب کہ اس کے دل میں سما جاتی ہے
 کہ جب وہ پختہ ہو جائے (یعنی جب ایمان کامل ہو جائے تو
 پھر کفر سے نفرت ہو جاتی ہے) میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس
 نے کبھی بدھند ہی کی ہے؟ تم نے کہا نہیں تو انبیاء کا یہی
 حال ہوتا ہے وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ میں نے تم
 سے اس کی تعلیم کے متعلق پوچھا تھا تم نے کہا وہ ہم کو ایک
 خدا کو پوجنے اور اس کا کسی کو شریک نہ بنانے کا حکم دیتا ہے اور
 بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے۔ نماز پکائی اور پاکدامنی کا

کھم دیتا ہے۔ پس اگر جو کچھ تم نے جواب میں کہا ہے، صحیح ہے تو میری قدم کا مکہ اس کا قبضہ ہو جائے گا اور میں جانتا تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں ہوگا (یعنی قریش میں پیدا ہوگا) اور اگر مجھے یہ امید ہوتی کہ اس تک پہنچ جاؤں گا تو ضرور اس سے ملنے کی کوشش کرتا۔ اگر میں اس کے پاس جوتا تو اس کے پاؤں دھو تاں۔

پھر قصہ نے حضور علیہ السلام کا خط طلب کیا جو حضور علیہ السلام نے حضرت وحیدہ کلبی کے ہاتھ بصرے کے رئیس کو ارسال فرمایا تھا اور رئیس بصری نے ہرقل کے پاس بھیج دیا تھا (یہ خط سترہ میں صلح حدیبیہ کے بعد بھیجا گیا تھا) ہرقل نے اس نام مبارک کو پڑھا۔ فرمان رسالت کے یہ الفاظ تھے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ الْإِبْرَاهِيمُ
الْمَدِينُ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى
أَمَّا بَعْدُ فَأَنْتَ أَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ
إِسْلَامٍ أَسْلَمَ تَسْلِيْمُ يَوْمَ بَدَا
أَجَلَكَ مَدَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ
عَلَيْكَ إِثْمَ الْإِسْرَافِ وَإِذَا هَذَا الْكِتَابُ تَلَا
إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ
إِلَّا اللَّهَ وَلَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَجْعَلُ بَعْضُنَا
بَنْدًا لِّأُخْرَانِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعُولُوا
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم (بادشاہ) ہے۔ اس کو سلامتی جو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام لا۔ سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دو گنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔ اسے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آد جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو) چھو کر خدا نہ بناتے۔ اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو ہم تو ایک خدا کے تابع ہیں۔

قَالَ أَبُو سَفْيَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الْقَعَبُ فَإِنْ لَقِيتِ الْأَصْوَاتَ وَأَحْبَرَجْنَا فَقُلْتُ لِأَوْحَايَ حِينَ أُحْرَجْنَا لَقَدْ آمَدَ مُرَبَّنِ الْخَيْلَ كَبَشَةً إِنَّهُ يَخَافُهُ مَخَافَةً سَبِي الْأَصْفَرِ فَمَارِلْتُ مُوقِنًا أَنَّهُ سَيُطَهَّرُ حَتَّى ادْخَلَ اللَّهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَ

ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب ہرقل نے یہ باتیں کیں اور نامہ آفدس پڑھنے سے فارغ ہوا تو دربار میں بڑا شور ہوا اور آوازیں بلند ہوئیں اور ہم دربار سے باہر نکال دیئے گئے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب ہم دربار سے نکال دیئے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابوبکر کے بیٹے کا درجہ بڑھ گیا ہے۔ بنی امیہ کا بادشاہان سے ڈرتا رہے (ابوبکر حضور کے رضاعی والد ہیں، بنی امیہ

كَانَ ابْنُ السَّاطُورِ صَاحِبَ الْإِلَاءِ
 هَرَقَلَ سَقْمًا عَلَى نَصَارَى الشَّامِ
 يُحَدِّثُ أَنَّ هَرَقَلَ حِينَ قَدِمَ
 أُبَيْلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيثًا
 النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدْ
 اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ السَّاطُورِ
 وَكَانَ هَرَقَلُ حَرَّاءَ يَنْظُرُ فِي
 الشَّجَرِ فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ إِنِّي
 رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِينَ نَظَرْتُ فِي الشَّجَرِ
 مَلَكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ
 يَحْتَسِبُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَالُوا
 لَيْسَ يَحْتَسِبُ إِلَّا الْيَهُودُ فَذَلَا
 يَهْمُكَ شَأْنُهُمْ وَكَتَبَ إِلَى
 مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَلْيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ
 مِنَ الْيَهُودِ قَبِيلًا هُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ أَتَى
 هَرَقَلَ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مُلْكُ
 غَسَّانٍ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَحْبَرَهُ
 هَرَقَلَ قَالَ أَذْهَبُوا فَإِنَّا نَنْظُرُ
 أَمْحَتَيْنِ هُوَ أَمْرٌ لَا تَنْظُرُوا إِلَيْهِ
 فَعَدَّتْهُ أَنَّهُ مُحْتَسِبٌ وَسَأَلَهُ
 عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَحْتَسِبُونَ
 فَقَالَ هَرَقَلَ هَذَا مِلْكُ هَذِهِ
 الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هَرَقَلَ
 إِلَى صَاحِبِ لَهُ بِرُومِيَّةٍ وَكَانَ نَظِيرُهُ
 فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هَرَقَلَ إِلَى جَمْعٍ فَلَمْ
 يَرِهِمْ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ

سے روم کے کوسہ اویس، ابوسفیان سے جس کو پھر
 مجھے یقین ہو گیا کہ مسرورہ علیہ برکاتہ اللہ نے مجھے
 اسلام نصیب کر دیا اور ابن ساطور جو اہل کیا کامیر تھا اور
 ہر قتل کا مصاحب تھا اور شام کے نصاری کا سرور (بادی)
 بھی تھا وہ کہتا ہے کہ جب ہر قتل ایلیا میں آیا تو ایک صبح کو
 پریشان حال اٹھا تو ہر قتل کے بھارتہ (معاہدوں) نے
 کہا کیا بات ہے آج ہمیں تمہاری طبیعت غراب دکھائی
 دیتی ہے۔ ابن ساطور کہتا ہے کہ۔ ہر قتل کا من بھی تھا اور
 ستاروں کو دیکھ کر تا تھا تو ہر قتل نے مصاحبوں کے سوال
 پر جواب دیا میں نے رات ستاروں کو دیکھا تو مجھے معلوم
 ہوا کہ غفرہ کرنے والوں کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے تو بتاؤ
 اس امت میں کونسی قوم غفرہ کرانی ہے تو مصاحبوں نے جواب
 دیا۔ یہودی قوم کرتا ہے لیکن آپ کو ان سے ڈرنے کی
 ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنے علاقہ کے شہروں کے حاکموں
 کو حکم دے دیجئے کہ ان شہروں میں جو بھی یہودی ہیں ان
 کو قتل کر دیں۔ ابھی ہر قتل اور اس کے مصاحب کی گفتگو
 میں مصروف تھے کہ ہر قتل کے حضور ایک شخص لایا گیا جس کو
 غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے حالات کی اطلاع دیتا تھا۔ جب ہر قتل نے اس شخص سے
 حضور علیہ السلام کے حالات معلوم کیے تو اپنے مصاحبوں
 کہا۔ جاؤ دیکھو وہ غفرہ شدہ ہے یا نہیں تو انھوں نے حضور
 علیہ السلام کا حال دیکھ کر واپس آکر بتایا کہ آپ غمخون ہیں
 پھر ہر قتل نے عرب کے متعلق پوچھا تو جواب دیا گیا کہ وہ بھی
 غفرہ کرتا ہے۔ ہر قتل نے کہا۔ بس یہی شخص حضور اکرم
 علیہ السلام اس امت کے بادشاہ ہیں جو ظاہر ہو چکا
 ہے۔ پھر نجوم اور علامات کے ذریعہ ہر قتل نے جو رائے
 قائم کی تھی اس کی مزید تائید کے لیے ہر قتل نے اپنے ایک

صَاحِبِهِ يُؤَافِقُ رَأَىٰ هِرَقْلَ عَلَىٰ
خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَنَّهُ سَبَّحَ فَأَوْدَنَ هِرَقْلَ لِعَطْمَةِ
الرُّومِ فِي دَسَكْرَةٍ لَهُ بِحِمَصَ
شَمْرَ أَمْرًا بِأَجْرَائِهَا فَعَلَّقَتْ ثَمَرُ الْأَطْلَعِ
فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ
فِي الْفَلَاحِ وَالرَّشَدِ وَأَنْ يَتَّبِعَتْ
مُلْكُكُمْ فَتَبَايَعُوا هَذِهِ النَّبِيَّ فَمَا صَوَّرُوا
حِيَصَةً حُسْرًا لَوْ حُشِرَ إِلَى الْأَبْوَابِ
فَعَجَبُوا هَذَا قَدْ عَلَّقَتْ فَلَمَّا رَأَىٰ
هِرَقْلُ لَفَسَرَتْهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الْإِيمَانِ
قَالَ رُدُّوهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قَتَلْتُ
مَقَالَتِي أَنِفًا اخْتَبَرْتُ بِهَا شَيْءَ تَكْثُرِ
عَلَيَّ دِينِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ فَسَجَدُوا لَهُ
وَرَضُوا عَنْهُ فَكَانَ ذَلِكَ آخِرَ
شَأْنِ هِرَقْلَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ
رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ وَيُوسُفُ بْنُ
وَمَعْنَرُ عَنِ الزُّهْرِيِّ

فوائد مسائل حدیث

۱۔ حدیث مذکور امام نے ابواب ذیل میں جو رد جہد ذکر کیا ہے تفسیر، جہاد، شہادت
جزیرہ، مغازی، استیذان، ادب، علم، احکام، خبر، وعد وغیرہ ابواب میں اور
امام مسلم نے مغازی میں۔ ۱۔ ابرو اڈونے ادب میں۔ ترمذی نے استیذان میں اور نسائی نے تفسیر میں ذکر کیا۔ ابن ماجہ نے
اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔ ۲۔ ہر قتل روم کا قیدی قیصر ہے یہ بہت بہادر جنگجو اور جبار بادشاہ تھا۔ یہ لفظ ان
کی لغت میں قطع سے مشتق ہے۔ اس کی والدہ مرحمت تھی اور پیٹ کا آپریشن کر کے اس کو نکالا گیا تھا۔ قیصر خود یہ کہتا
کہ تھا کہ میں شرمگاہ کے راستہ پیدا نہیں ہوا۔ ۳۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیصر
روم کی ہلاکت کے بعد دوسرا قیصر نہ ہوگا اور کسری کے مرنے کے بعد دوسرا کسری نہ ہوگا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔
اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ملک شام میں دوسرا قیصر نہ ہوگا۔ اور عراق میں کوئی کسری نہ ہوگا۔ چنانچہ حضور
علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے مطابق شام میں قیصر اور عراق میں کسری آج تک کوئی نہیں ہوا اور نہ ہوگا مگر یہ حدیث

نجومی دوست کو تجرود میں تھا (یہ تمام حال لکھا) یہ شخص
ہر قتل کا علم میں شل تھا۔ پھر ہر قتل محسوس کیا۔ ابھی وہاں
پہنچا ہی تھا کہ دوست کا جواب آگیا جس میں ہر قتل کی
راستے ۱۲ اور حساب نجوم کی تائید کی گئی تھی کہ حضور علیہ السلام
عرب میں پیدا ہو چکے ہیں۔ آخر ہر قتل نے محسوس میں اپنے
محل میں روم کے رئیسوں کو جمع کیا اور محل کے دروازے بند
کروا دیئے۔ پھر ان پر ظاہر ہوا اور ارکان دولت و روسے
مملکت کو خطاب کر کے کہا۔ اے رؤسوا کیا تم اپنا نادمہ اور
بھلائی چاہتے ہو اور یہ بھی چاہتے ہو کہ تمہارا ملک سلامت
رہے؟ تو اس نبی کی بیعت کرو جو عرب میں ظاہر ہوئے ہیں
یہ کلمات سنئے ہی تمام سرداران روم وحشی گورخر کی طرح
دروازہ کی طرف پکے تو دروازہ کو بند پایا۔ ہر قتل نے جب
ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے دایوس
ہو گیا تو کہا کہ میں نے ابھی ابھی تم سے جو بات کہی تھی وہ
تو صرف اس لیے کہی تھی تاکہ مجھے یہ معلوم ہو سکے کہ تم اپنے
دین پر کس قدر ثابت قدم ہو اور وہ مجھے ظاہر ہو گیا۔ یہ
بات سن کر تمام سردار سجدہ میں گر گئے اور ہر قتل نے رضی
ہو گئے۔ پس یہ اخیر حال ہے ہر قتل کا۔

سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ کا نام صحیح کثرت ابو خطلہ ہے۔ واقعہ عام فیل سے دس سال قبل پیدا ہوئے اور فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ طاقت، حین اور جنگ یرموک میں شریک ہوئے۔ غلام حنین یہ حضور علیہ السلام نے ان کو ایک سوارنٹ اور چالیس اوقیہ سونا عطا فرمایا تھا۔ ان کی ایک آنکھ یرموک طاقت میں اور دوسری جنگ یرموک میں خراب ہو گئی تھی۔ آخری ایام مدینہ میں گزارے اور وہیں مسکن میں وفات پائی۔ ۸۸ برس کی عمر پر۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ سے حدیث معاویہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ سفیان نامی متعدد دوسرے ہوتے ہیں مگر سفیان بن حرب صرف یہی ہیں۔

۵۔ مختلف ملکوں کے بادشاہوں سے لقب۔ یہ ہیں۔ جیشہ نجاشی۔ ترک خاقان۔ قبط، فرعون۔ مصر، عزیز۔ یمن۔ تیج۔ فارس، کسرن۔ ایران، خسرو۔ یونان، بطیمکوس۔ یہود، قیطن۔ بربر، جالوت۔ روم، قیصر ۶۔ قیصر نے ۱۳ سال حکومت کی اور اسی کے عہد حکومت میں حضور علیہ السلام نے وصال فرمایا۔ ہرمل کے نام حضور علیہ السلام نے صلح حدیبیہ کے بعد شہر میں بدریہ حضرت وحید کلبی رضی اللہ عنہ دعوت اسلام کا خط بھیجا تھا۔ علامہ قطلانی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ہرمل نے ازراہ تعظیم اس خط کو سونے کے ڈبے میں رکھا اور یہ خط برابر ایک بادشاہ سے دوسرے بادشاہ تک منتقل ہوتا رہا اور یہ سب نامہ اقدس کی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ بادشاہ فرنگ نے ملک منصور تغلق صاحبی کے زمانہ میں سیف الدین خلج کو ایک سونے کا صندوق دکھایا اور اس میں سے ایک خط نکالا جس کے آخر ہرمل کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے کہا یہ تمہارے پیغمبر کا خط ہے جو انھوں نے ہمارے دادا قیصر کے نام بھیجا تھا۔ ہمارے باپ دادا کی یہ وصیت تھی کہ اس کو اختیار سے رکھا۔ جب تک یہ خط تمہارے پاس رہے گا۔

۸۔ حدیث دجیہ علی رضی اللہ عنہ ایک نہایت حسین صحابی ہیں۔ ان کا نام مذکور ہے۔ حضرت جبریل ابن علیہ السلام حضور نبوی علیہ السلام اشعیں کی صورت اختیار کر کے حاضری دیا کرتے تھے۔ آپ قدیم الاسلام ہیں۔ بدر کے علاوہ تمام معرکوں میں شریک ہوئے۔ آپ نے امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ دیکھا۔ صحابہ میں دجیہ نامی صرف ہی ہیں۔

۹۔ شہد حدیبیہ کی صلح کے بعد وہ وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانون تک پہنچا دیا جائے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تمام صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ دیا۔ اے لوگو! خدا نے مجھے تمام دنیا کے لیے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیز مصر اور روسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔ جو لوگ خطوط لے کر گئے اور جن کے نام لے کر گئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

۲۔ عبد اللہ بن حذافہ سمی، خسرو پوزیر کچلاہ ایران

۱۔ حضرت وحید کلبی، قیصر روم

۴۔ عمرو بن أمیہ، نجاشی بادشاہ حبش

۳۔ طاہب بن بلتہ، عزیز مصر

۵۔ سلیمان بن مدین عید شمس، روسائے یامام اتاریخ ابن جشام وطبری

۶۔ شجاع بن وہب بن الاسدی، رئیس حدودِ شام حادثِ غسانی

ہزقل کے نام جو حضور علیہ السلام نے نحرِ رفر فرمایا تھا۔ وہ حضرت وحید کلبی کے ذریعہ ارسال فرمایا تھا۔ ایرانیوں نے چند برس پہلے بلادِ شام پر حملہ کر کے وہابیوں کو شکست دی تھی۔ جس کا ذکر کتابِ مجید کی اس آیت غلبتِ روم میں ہے۔ ہزقل نے اس کے انتقام کے لیے بڑے سروسامان سے فوجیں تیار کیں اور ایرانیوں پر حملہ کر کے ان کو شکست دی۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہزقل حص سے بیت المقدس آیا تھا اور اس شان سے آیا تھا کہ جہاں چلنا تھا زین پرفروش اور چوچ بچھاتے جاتے تھے (فتح الباری)

شام میں عرب کا جو خاندان قیصر کے زیرِ حکومت رہا تھا وہ غسانی خاندان تھا اور اس کا پایہ تخت بصری تھا جو دمشق کے علاقہ میں ہے اور آج کل حوران کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں اس علاقہ کا تخت نشین حادثِ غسانی تھا۔ حضرت وحید کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کا نام مبارک ہمیں سے بصری میں حادثِ غسانی کو لاکر دیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ قیصر کو جب حضور علیہ السلام کا نام مبارک ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لاؤ۔ اتفاق یہ کہ ابوسفیان (جو اس وقت ایمان نہیں لاتے تھے) تجارتِ عرب کے ساتھ غزوہ میں تعین تھے۔ قیصر کے آدمی ابوسفیان کو غزوہ سے جا کر لاتے۔ پھر قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا۔ خود تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا۔ تخت کے چاروں طرف بھارت و قیس اور رومیان کی حریفیں قائم کیں۔ پھر اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ حضرت ابوسفیان نے کہا۔ میں ہوں۔ پھر قیصر نے ابوسفیان سے سوالات کئے جن کا ذکر حدیث بالا میں ہے۔ اس کے بعد قیصر کو یقین ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔ اور آپ وہی ہیں جن کی آمد کا ذکر کتبِ سماویہ میں ہے۔ اس لیے اس نے رومیوں سے کہا کہ دین و دنیا کی بھلائی چاہتے ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لو۔ پھر اس نے حضور علیہ السلام کا نام اقدس دربار میں بڑھ کر سنایا۔ قیصر کی زبان سے یہ کلمات سن کر وہ سارے دم پر ہم ہو گئے۔ قیصر نے جب یہ صورت دیکھی تو نزاکتِ وقت کو محسوس کر کے کہنے لگا۔ دو میو! میں تمہارا امتحان لینا چاہتا ہوں کہ تم اپنے مذہب پر کس قدر ثابت قدم ہو۔ پرسن کر دو میو مجھ میں گر گئے اور قیصر سے راضی ہو گئے۔ قیصر کے دل میں گواہ اسلام کا نور آچکا تھا اور اس پر اسلام کی حقانیت آفتاب کی طرح روشن ہو گئی تھی مگر تخت و تاج کی تارکی میں وہ روشنی مجھ گئی اور قیصر نے اسلام قبول نہیں کیا۔

۱۰۔ حدیث ہذا کا باب سے تعلق یہی ہے کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ و خصائلِ حمیدہ کا بیان ہے۔ امام نے دعویٰ کے باب میں اس حدیث کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ جس منہی مقدس پر وحی آئی ہے اس کے یہ اوصاف ہوتے ہیں۔ وہ شریفِ النسب ہوتا ہے اور اس کا اخلاق بلند اور سیرت بے داغ ہوتی ہے وہ کذب و دغ و عہد شکنی و غیرہ ذالک عیوب سے پاک و منزہ ہوتا ہے اور دوست و دشمن اس کی پاکدامنی، راستبازی و صفاتِ حسنہ کے معترف ہوتے ہیں۔ نبی کے تمام ظاہری افعال و اعمال اور کردار کے پیچھے نیت بھی جماعتِ پاک اور اہل حق ہوتی ہے۔ وہ کسی دنیاوی منفعت اور مادی جاہ و اقتدار کے لیے حُبِ خلق و نیک کرداری کا مظاہر نہیں کرتا۔

مسائل حدیث

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ ایک کافر کو اگر دعوت اسلام دی جائے تو اس کے دنیاوی اعزاز کا لحاظ رکھ کر خطاب کیا جائے اور دعوتی خط میں نرم الفاظ لکھے جائیں جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرہ روم کو عظیم الشان خطاب کیا۔ یعنی لے دو کہ روی جس کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ مکتوب اور اس کی ساری عبارت ”أَنْتَ الْحَقُّ سَيِّدُ الْكَرِيمَةِ وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ“ کے مطابق ہے ۲۔ خط کی ابتداء بسم اللہ سے کی جائے اگرچہ مکتوب الہیہ کا فرضی ہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط کی ابتداء جو انھوں نے بلیق سے نام بھیجی یوں کی تھی۔ اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَ اِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے خط میں پہلے اپنا نام اس لیے لکھا تھا کہ اگر بلیقیں گالی دے تو انہیں اسی اس کی زد سے بچا رہے (یعنی جلد اصل) ۳۔ خبر واحد پر عمل کا وجوب ثابت ہو اور نہ حضور علیہ السلام صرف حضرت دجلی کو نہ بھیجتے ۴۔ خطبہ میں اور خطوط میں اَمَّا بَعْدُ لکھنا مستحب ہے ۵۔ اہل کتاب میں سے جو شخص حضور علیہ السلام پر بھی ایمان لے آئے تو وہ دواجر کا مستحق ہے ۶۔ علامہ خطابی نے کہا کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور علیہ السلام نے جرنیل فرمایا ہے کہ دشمن کے ملک میں قرآن کو ساتھ لے کر سفر نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا قرآن پاک یا اکثر آیات کا مجموعہ جیسے بجنسورہ وغیرہ کے ساتھ سفر نہ کیا جائے۔ البتہ ایک دو آیتیں لکھی ہوئی جو تو سفر کر سکتے ہیں یقیناً یہ اس صورت میں منع ہے کہ کافر حکومت سے یہ خطرہ ہو کہ وہ قرآن پاک کی توجہ نہ کرے گی یا اس کو چھین لے گی ۷۔ جنگ سے پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے۔ دعوت سے قبل جنگ کرنا حرام ہے اور اگر ان کو دعوت اسلام پہنچ چکی ہے تو پھر جنگ سے قبل دوبارہ اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے ۸۔ بعض علماء نے اسی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کافر اور بے وضو شخص کو ایسی کتاب یا خط کا چھونا جائز ہے جس میں ایک دو آیات قرآنیہ لکھی ہوں۔ جیسے حضور علیہ السلام کے مکتوب بنام ہر قتل میں قرآن پاک کی آیت لکھی ہوئی تھی صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ حاکمہ عورت اور عینی قرآن پاک کا ایک لفظ بھی نہ پڑھے اَشْيَا مِنْ اَنْفُسِ اِنِّ اَمَدِیْثَ کے یہ مطلق الفاظ ہیں۔ جو اس امیر و مال ہیں کہ حاکمہ و عینی کو ایک پوری آیت تو درکنار آیت سے کم کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ کتب شرعیہ و فقیہہ میں آیات قرآنیہ بھی لکھی ہوتی ہیں۔ محدث اس کو اسنن کے دامن سے پکڑ سکتا ہے۔ اسی طرح بچوں کو پڑھنے کے لیے قرآن دے سکتے ہیں اگرچہ وہ بے وضو ہوں کیونکہ بار بار وضو کی تکلیف دینے میں حرج ہوتا ہے ۹۔ خطبہ یا تقریر یا خط میں فصیح و بلیغ الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہے جیسے حضور علیہ السلام کا یہ خط فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے ۱۰۔ جھوٹ برامت میں عیب سمجھا گیا ہے یعنی اس کی قباحت میں الاقوامی چیز ہے ۱۱۔ انبیاء کرام افضل ترین افراد انسانیت سے ہوتے ہیں ۱۲۔ یہ کہ اہل کتاب کو اسلام کا علم غلطی کا حس تھا کہ حضور علیہ السلام نبی صادق ہیں اور علامات نبوت بھی ان کے علم میں تھیں۔ کتب سماویہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قصائص فضائل کا بالتصریح ذکر تھا مگر بغض و عناد اور ذاتی مفاد نے ان لوگوں کو قبول حق سے باز رکھا۔

کتاب الایمان

۱۔ چونکہ وحی خواہ وہ جلی ہو یا نخی دین کی اصل ہے اس لیے بآب برد الوحی کو امام بخاری نے بطور متعدد کتاب ذکر کیا اور اب اس کے بعد سب سے پہلے ایمان کی بحث شروع کر دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے لیے سب سے پہلا واجب ایمان ہے۔ ہر خیر کا مبداء اور ہر کمال کا غلتا۔ ایمان ہے۔ ایمان کو تمام امور پر فضیلت مطلقہ حاصل ہے اور دارین کی نجات ایمان پر موقوف ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ایمان کو بیان کرنا ضروری ہے۔

۲۔ کتاب الایمان کے بعد بخاری میں کتاب الصلوٰۃ ہے۔ کیونکہ نماز کا مرتبہ ایمان کے بعد ہے اور قرآن وحدیث میں بھی نماز کو ایمان کے بعد رکھا گیا ہے۔ نماز دین کی بنیاد ہے اور دین میں پانچ وقت ہر مسلمان کو اس سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لیے ایمان کے بعد صلوٰۃ کا بیان ضروری ہے۔

۳۔ صلوٰۃ کے بعد بخاری میں کتاب الزکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ ایمان کے تیسرے اور نماز کے بعد دوسرے درجہ پر ہے اور شارح نے زکوٰۃ کا ذکر صوم سے زیادہ کیا ہے اس لیے کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الزکوٰۃ لائے۔

۴۔ زکوٰۃ کے بعد حج کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت تو محض مالی ہوگی یا پنی یا مالی اور پنی دونوں سے مرکب ہوگی۔ نماز محض پنی عبادت ہے۔ زکوٰۃ محض مالی عبادت ہے اور حج مالی اور پنی دونوں سے مرکب ہے اور مفروضہ مرکب سے پہلے جو ثابت ہے اس لیے نماز اور زکوٰۃ کے بعد حج کا ذکر کیا۔

۵۔ بخاری میں حج کے بعد صوم کا ذکر ہے۔ حالانکہ فقہار زکوٰۃ کے بعد صوم کا ذکر کرتے ہیں۔ فقہار نے صلوٰۃ کے بعد صوم کو اس لیے ذکر کیا کہ یہ عبادت ہر سال ادا کرنی پڑتی ہے۔ برخلاف حج کے کہ وہ عمر میں ایک بار ہی فرض ہے اور امام بخاری نے حج کو صوم سے پہلے ذکر کیا کیونکہ احادیث مشورہ میں ان دونوں کا اسی ترتیب سے ذکر ہے۔

اسلام کی ہمہ گیری دنیا کے مذاہب میں وہ کا طیت نہیں ہے جو اسلام میں ہے۔ دنیا کے مذاہب دین دنیوی کے کسی ایک شعبہ پر زور دیتے ہیں اور دوسرے شعبہ کو تشکیلیں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مذاہب اپنے دینی و دنیوی مسائل کی تکمیل کے لیے مذاہب سے باہر کسی تعلیم کو اپنانے اور اس سے ہدایت لینے کی ضرورت پڑتی ہے مگر دین اسلام ایک کامل قانون اور مکمل شریعت ہے اور اس کی ہر گز کمی کا یہ عالم ہے کہ یہ حیات انسانی کے ہر شعبے پر حاوی ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کی تکمیل اپنے ارشاد و عمل سے نہ کر دی ہو۔ اسلام میں حضور علیہ السلام کے سوا اور کچھ نہیں۔ عبادات ہونے اخلاق انسان کے ساتھ معاطہ ہو یا خدا کے ساتھ۔ ان سب کا ماخذ و مرکز ذات نبوی ہے۔

لَكَ كَرُوفٌ وَسُؤْلٌ اللّٰهُ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے چار ابواب پر

منقسم ہے۔

- ۱۔ خالق و مخلوق کے درمیان جو رابطہ ہے اس کا تعلق صرف دل سے ہے تو اس کا نام عقیدہ اور ایمان ہے۔
- ۲۔ اور اگر قلبی حالات کے ساتھ جسم و جان اور مال و جائداد سے بھی ہے تو اس کا نام عبادت ہے ۳۔ یا ہم انسانوں میں یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو تعلق ہے اور اس حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہوتے ہیں اگر ان کی حیثیت قانون کی ہے تو اس کا نام معاملہ ہے ۴۔ اور اگر قانون کی حیثیت نہیں بلکہ روحانی نصیحتوں اور بزرگانہ ہدایتوں کی ہے تو اس کا نام اخلاق ہے۔

غرض کہ دین اسلام عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق انہیں چاروں کا مجموعہ ہے اور ان میں ایمان اور عقیدہ تمام اعمال و افعال کی اصل ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ سب سے پہلے ایمان کے متعلق گفتگو کی جائے کیونکہ یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت اور ضرورت | یہ ایک بدیہی بات ہے کہ عقیدہ و خیال کے بغیر حیات انسانی کی بقا ناممکن ہے۔ عقیدہ کے عام معنی غیر متزلزل اور پختہ اصول خیالات کے ہیں۔ یہی اصولی خیالات انسان کے ارادہ اور عمل کے محرک ہوتے ہیں۔ خیال کے بغیر ارادہ اور عمل کا تصور ناممکن ہے ایک معمار مکان بناتا ہے تو پہلے اس کے ذہن میں خیال ہوتا ہے۔ وہ خیال اس کو ارادہ پر مجبور کرتا ہے اور ارادہ عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ جس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ عمل اور ارادہ کا دار و مدار خیال اور عقیدہ پر ہے۔ جسم انسانی میں دل ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام تعلیم بدن پر مگرانی کرتا ہے۔ یہی گوشت کا وہ ٹکڑا ہے جس کو عقیدہ، خیال یا ضمیر سے موسوم کرتے ہیں۔ معلوم کائنات نے بھی دل ہی کو تمام اعضاء انسانی میں نیکی و بدی کا مرکز قرار دیا ہے۔

اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا۔ بدن وہ ٹکڑا دل ہے۔

قرآن حکیم نے دل کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں ۱۔ قلب سلیم، جو ہر گناہ سے پاک رہ کر نجات کے راستہ پر چلتا ہے ۲۔ قلب اشیم، یہ وہ ہے جو گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے (قَاتِلْهُ اَوْ قَاتِلْهُ) ۳۔ قلب منیب، رجوع ہونے والا دل جو اگر کبھی جھٹکتا ہے تو فوراً نیکی کی طرف پلٹ آتا ہے۔ غرض کہ انسانی شہین کا ہر پُرزہ اکی دل کے ارادہ و نیت کی طاقت سے چلتا ہے۔ اسی لیے حضور اکرم علیہ السلام نے فرمایا۔ تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے۔ علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بڑھتہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کے عمل و ارادہ پر کوئی چیز مگر ان ہی ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے۔ انسان کی عملی اصلاح کے لیے اس کی قلبی و دماغی اصلاح مقدم ہے لہذا اجماع اور صالح عمل کے لیے ضروری ہے کہ چند اصول اس طرح مان لیے جائیں کہ وہ دل کا غیر متزلزل اور غیر مشکوک عقیدہ بن جائیں اور انہی

عقیدہ کے تحت ہم اپنے تمام کام انجام دیں۔

عقیدہ اعمال کی اساس ہے | قرآن پاک نے ایمان کا ذکر عمل کے ذکر سے لازمی طور پر پہلے کیا ہے اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں قرار دیا کیونکہ ایمان و عقیدہ کے عدم سے اس منحصلاً ارادہ کا عدم ہو جاتا ہے۔ جس پر عمل کا مدار ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن جعدان کے متعلق پوچھا۔ جس نے جاہلیت کے زمانہ میں نیکی کے کام کئے تھے۔ کیا اس کو ثواب ملے گا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نہیں کیونکہ اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ الہی میرے گناہوں کو قیامت کے دن بخش دے۔ یعنی اس نے عمل کو نیک کیے مگر عمل کا جس عقیدہ پر مدد بخدا وہ اس میں نہ پایا گیا۔ معلوم ہوا کہ عقیدہ عمل کی اساس ہے اور عقیدہ کے بغیر عمل بے فائدہ ہے۔

ایمان کے بغیر عمل بے کار ہے | قرآن حکیم نے تمام اعمال کی اساس ایمان کو قرار دیا ہے اور ایمان سے محروم افراد کے کاموں کی مثال راگھ سے دی ہے جس کو ہوا کے جھونکے اڑا اڑا کر فنا کر دیتے ہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں رہتا چنانچہ ارشاد ہے :-

۱- مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ
كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ
لَّا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ (ابراہیم)
۲- وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ
بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْثَانُ مَاءً حَتَّى إِذَا
جَاءَهُ لَوْ يَجِدُوا مِثْيَاً (نور)

جنہوں نے اپنے رب سے کفر کیا۔ ان کے اعمال کی مثل اس راگھ کی ہے جس پر آندھی والے دن زور سے ہوا چلی۔
جنہوں نے خدا کا انکار کیا ان کے کام اس سُرَاب کی طرح ہیں جو میدان میں ہو جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو وہاں کسی چیز کا وجود اس کو نظر نہ آئے۔

یہ اور اسی مضمون کی متعدد آیات ہیں جن میں اس امر کی تصریح ہے کہ ایمان کے بغیر عمل بیکار ہے اور ایمان سے محروم افراد خواہ کتنے ہی نیک عمل کریں وہ سب اب اور راگھ کی طرح ہیں جیسے سُرَاب سے پیاسا پانی نہیں پاتا۔ راگھ کے ڈھیر سے کچھ نہیں مل سکتا۔ اسی طرح بے ایمان کے اعمال کا حال ہے۔

ایمان اور کفر کی تعریف | خدا کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور خدا کی اطاعت اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ جب کہ ہمیں اس کی پسند و ناپسند کا علم ہو ہم اپنے کسی عزیز یا دوست کی پسند و ناپسند کو اس وقت تک نہیں جان سکتے جب تک کہ وہ خود اپنے کلام سے یا طرز عمل سے اس کا اظہار نہ کر دے تو جب عقل انسانی اپنے ہم جنس کی پسند و ناپسند کے ادراک سے قاصر ہے تو اس بستی متمدن کی پسند و ناپسند کو صرف عقل کیسے جان سکتی ہے جس کا ادراک ہی مد عقل سے باہر ہے۔ دنیا میں انبیاء کرام کے پیچھے کی حکمت یہی ہے کہ انسان ان کے ذریعے اللہ کی پسند و ناپسند سے واقف ہو جائے۔

پس اس دنیا میں اللہ کے ماننے کا صرف یہی ایک ہے کہ اس کے رسول کی لائی ہوئی ہدایت کو دل و زبان سے تسلیم کیا جائے کیونکہ رسول خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں کے ذریعہ مخلوق کی ہدایت فرماتا ہے اور انھیں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے قبول کرنے کا نام اسلام ہے اور ان کی ہدایت کو قبول نہ کرنے کا نام کفر ہے۔

مذہب کا بنیادی سکہ کفر و ایمان ہے۔ اسی لیے قرآن کی سب سے پہلی سورہ بقرہ میں اس کو بیان کیا گیا اور پھر عالم کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ مومن، کافر، منافق۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیتوں میں مومنین کی شان کا بیان ہے اور بعد کی دو آیتیں کفار کے بارے میں ہیں۔ اس کے بعد تیرہ آیتیں منافقین کے حال میں ہیں۔ اگرچہ کافر و منافق اصل میں ایک ہی گروہ ہے۔ لیکن چونکہ منافق کی ظاہری صورت عام کفار سے مختلف ہوتی ہے اور منافقین کا گروہ بہ نسبت کھلے ہوئے کافروں کے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ خطرناک ہے۔ اس لیے ان کے حالات کا بیان تیرہ آیتوں میں زیادہ تفصیل سے کیا گیا۔

۱۔ اَلَّذِينَ هُمْ يُؤْمِنُونَ۔ یہ پانچ آیتوں میں مومن اور ایمان کا اجمالی ذکر ہے۔ الذین یؤمنون بالغیب یعنی وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غیب سے اس جگہ وہ تمام اعتقادات مراد ہیں جو انسان کی نظر اور مشاہدہ سے پوشیدہ ہیں۔ جیسے قیامت، جنت، دوزخ، پلصراط، میزان، عدل وغیرہ (خازن و ابن اثیر)۔ اس ایمان اجمالی کی تفصیل بعد کی تیسری آیت میں کر دی۔

وَالَّذِينَ يَوْمِنُونَ بَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ جو حضور پر نازل شدہ کتاب اور شریعت پر ایمان لائے اور گذشتہ انبیاء پر نازل شدہ وحی اور شریعت پر بھی اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

یہاں ایمان کے سب سے پہلے جزو ایمان باللہ کا صراحتاً ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ جب اللہ ہی پر ایمان نہ ہوگا تو اس کے اصولوں اور وحی پر ایمان کیونکر ہو سکے گا۔ اسی سورۃ کے ختم پر جب کہ ایمان کے مفہوم کی تشریح فرمائی گئی تو وہاں ”ایمان باللہ“ کو صریح لفظوں میں ذکر کیا گیا۔ ”كُلٌّ اٰمَنٌ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ...“ الخ چنانچہ ایمان مجمل و مفصل جو مشہور ہیں اس کا مٹی یہ ہے کہ ایمان مجمل سورہ بقرہ کی پہلی آیات سے اور ایمان مفصل اس کی آخری آیات سے اخذ کیا گیا۔

پس آیت مذکورہ سے ایمان کے تین بنیادی اصول معلوم ہوئے۔ اللہ پر ایمان لانا، رسول اللہ اور انبیاء سابقین اور ان سب کی وحیوں پر ایمان لانا، آخرت پر ایمان لانا۔ یہی تین چیزیں دراصل ایمان کے اصول ہیں باقی سب فروغ ہیں امام غزالی نے فیصل التفرق فی الاسلام والزندہ قہم لکھا۔

اٰصُوْلُ الْاِيْمَانِ ثَلَاثَةٌ اَلِاِيْمَانُ بِاللّٰهِ۔ ایمان کے اصول تین ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ اَسْوَءُ مَا لَبَسُوا الْاِحْسِرَ وَمَا۔ اس کے رسول پر ایمان لانا اور قیامت پر ایمان اس

۱ | کے سوا سب فروغ ہے۔

علاء فروع

اور ان امور کو کبھی مختصر کرنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ”ایمان بالرسول“ میں سب اصول آجاتے ہیں کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ ہو رسول پر ایمان ہو ہی نہیں سکتا اور رسول پر ایمان ہو جائے تو یوم قیامت پر ایمان خود اس کے اندر داخل ہے کیونکہ ”ایمان بالرسول“ کا مطلب یہ ہے کہ رسول کی تمام ہدایتوں پر ایمان لایا جائے اسی لیے ائمہ اسلام نے ایمان کی تعریف یوں فرمائی۔

ایمان ان امور کی تصدیق کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے آئے یعنی اجماعی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرنا ہر اس چیز میں جو آپ اللہ کی طرف سے لائے جس کا ثبوت آپ سے قطعی طور پر ہو۔

هُوَ التَّصَدِّيقُ بِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ تَعَالَى أَيْ تَصَدِّيقُ النَّبِيِّ بِالْقَلْبِ فِي جَمِيعِ مَا عَلِمَ بِالضَّرُورَةِ مَجِيئُهُ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ اِجْمَاعًا

ثبوت قطعی ضروری وبالضرورة
وضروریات دین کی تعریف

۱۔ ثبوت قطعی :- یعنی وہ امور جو حضور علیہ السلام سے ہم تک بطریق تواتر پہنچے، کا ثبوت قطعی ہے جیسے تعداد رکعت، زکوٰۃ کی مقدار، قرآن مجید وغیرہ۔ قوات کے معنی یہ ہیں کہ حضور میں سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں رہے ہوں کہ ان سب کا غلط یا کذب پر متفق ہو جانا عقلاً محال ہے۔

۲۔ ضروری وبالضرورة :- عرف فقہاء و متکلمین میں ضروری وبالضرورة کا مطلب یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ ساتھ اس بات کی شہرت عام خاص و عام مسلمانوں میں اس درجہ کی ہو جائے کہ عوام تک اس سے واقف ہوں جیسے نماز روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا، نبوت کا حشر علیہ السلام پر ختم ہونا وغیرہ۔

۳۔ ضروریات :- جو امور حضور علیہ السلام سے بذریعہ تواتر اس درجہ شہرت و بدایت کے ساتھ ثابت ہوں کہ ہر خاص و عام اس سے باخبر ہو۔ ان کو فقہاء و متکلمین نے اصطلاح میں ضروریات دین سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ضروریات دین وہ امور ہیں جن کو ان کی شہرت کی وجہ سے خواص و عوام سب جن دین کی ضروری باتیں سمجھتے ہیں جیسے توحید، رسالت، پنج نمازیں اور اسی کے مثل اور باتیں جن کا منکر کافر ہوتا ہے۔

هُوَ مَا يُعْرِفُ الْغَوَّاصُّ وَالْعَوَّامُ أَتَمَّ مِنَ الَّذِينَ يُوجِبُ الْأَعْتَادُ التَّوْحِيدَ وَالرَّسَالَةَ وَالصَّلَاةَ الْحَمِيسَ وَأَخَوَاتِهَا يَكْفُرُ مُنْكَرُهُ (رد المحتار ج ۲، ص ۲۶۱، جلد ۱)

۴۔ علامہ شہاب الدین ابن حجر اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں :-

پھر ضروریات دین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جو عام و خاص ہر خاص و عام کو معلوم ہو اور دوسری وہ ہے جو بعض عوام پر خفی رہتی ہے۔

۱۔ شعرا المعلوم بالضرورة من الشريعة
قسمان احدهما مما يعرفه الخاصة
والثاني ما قد يخفى على بعض العوام

ولایتانی فی هذا اقرونا انه معلوم بالضرورة
لان المراد من مارس الشریعة علم منها ما
یحصل به العلم الضروری کذلک وهذا یحصل
بعض الناس دون بعض بحسب الممارسة و
کثرتها او قلتها او عدمها فالقسم الاول من
انکره من العوام والخواص فقد کفر لانه
کالمکذب للنبی صلی الله علیه وسلم فی خبره
۲- والقسم الثاني من انکره من
العوام الذین لم یحصل عندهم من
ممارسة الشرع ما یحصل به العلم
الضروری لم یکفروا ان کانت کثرة
الممارسة توجب للعلماء العلم الضروری
(فتاویٰ حدیثہ ص ۱۴۳)

۳- الا اذا ذکر له اهل العلم انه
من الدین وانہ قطعی قتما دی فیما
هو علیه عناداً فیکفر بظہور التکذیب
منہ حیث شد

(فتاویٰ حدیثہ ص ۱۴۳)

اس کے باجود اسے معلوم بالضرورة کہا جائیگا کیونکہ معلوم
بالضرورة سے وہ مسائل مراد ہیں جن کا مابین شریعت
کو علم ضروری ہے اور یہ قلت و کثرت مہارت کی وجہ سے
بعض و معلوم ہوتا ہے اور بعض اس سے بے خبر رہتے
ہیں۔ قسم اول کا انکار عوام و خواص ہیں سے جو شخص
بھی کرے وہ کافر قرار پائے گا اس لیے کہ وہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی خبریں حضور کی تکذیب کرتا ہے۔
اور قسم ثانی کا انکار اگر عوام ہیں سے وہ لوگ کریں جنہیں
شریعت میں مہارت تامہ حاصل نہیں جس کی وجہ
سے انہیں علم ضروری حاصل ہو جاتا تو وہ کافر
نہیں ہوں گے۔ اگرچہ کثرت مہارت عمار کے لیے
اس کے علم ضروری کو واجب کرتی ہے۔

لیکن جب اہل علم قسم ثانی کے منکر کو یہ بتا دیں کہ یہ
مسند دین سے ہے اور قطعی ہے۔ اس کے باوجود
وہ منکر اپنی بات پر عناداً اڑا رہے تو اب اس کی بھی
تکفیر کی جائے گی کیونکہ (معلوم ہو جانے کے بعد) انکار سے
حضور علیہ السلام کی تکذیب کا ظہور ہو گیا۔

ان عبارات سے واضح ہوا کہ ضروریات دین کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول تو یہ ہے جس کا دینی ضروری ہونا خواص
کو معلوم ہوتا ہے اور ان عوام کو بھی معلوم ہوتا ہے جو علماء سے ربط و ربط رکھتے ہیں تو قسم اول کا انکار خرد عوام کریں
خواص بہر حال یہ کفر قطعی سے اور دوسری قسم وہ ہے جس کا ضروری دینی ہونا بعض عوام پر مخفی ہوتا ہے تو اگر عوام میں
سے کوئی انکار کر دے تو اسے کافر قرار نہیں دیں گے لیکن جب کہ علماء اس کو بتا دیں کہ یہ مسند بھی ضروری و قطعی ہے اور
اس پر بھی وہ ازاد عناداً انکار پڑا رہے تو اب اس کی تکفیر کی جائے گی۔

الغرض ضروریات دین اصطلاح شریعت میں انہیں امور کو کہا جاتا ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے
بطریق توازن ثابت ہوں اور عام طور پر مسلمان ان امور کو جانتے ہوں۔ اسلام و ایمان کے لیے ان امور کا تسلیم کرنا لازم
ضروری ہے اور ان کا انکار کفر ہے۔

فائدہ

ضروریات دین پر ایمان کے لیے ان کی پوری تفصیل کا معلوم ہونا ضروری نہیں۔ نفس ایمان کے لیے

اجمال تصدیق بھی کافی ہے۔ ایمان اجمال کے الفاظ یہ ہیں:-

أَمَنْتُ بِاللّٰهِ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَ قُلْتُ جَنِّعَ أَحْكَامِهِ

میں اللہ پر مبدء اور اپنی ذات و صفات میں بے ایمان
لیا اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کئے۔

اس کلمہ میں کفر خدا پر مبدء کہ وہ اپنی ذات و صفات میں ہے۔ ایمان لانے کا مجمل طور پر اقرار ہے مگر ایمان
اب سے کفر خدا کی ذات و صفات کے متناقض دین سے جو بھی تفصیل معلوم ہوگی اس پر ایمان لانے کا اعتراف بھی ہے
اسی طرح یہ جملہ کہ اس کے تمام احکام قبول کرتا ہوں۔ یہ بھی مجمل ہے مگر ایمان طور پر کہ ہر وہ حکم جس کا حکم الہی ہو نجات
ہوگا۔ اس پر ایمان لانے کا بھی اقرار ہے اس سے واضح ہو گیا کہ ایمان مجمل میں ایمان مفصل بہر حال داخل ہوتا ہے
اور ایمان مفصل کے الفاظ یہ ہیں:-

أَمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَ الْيَوْمَ الْآخِرِ وَ الْقَدَرِ خَيْرِهِ وَ شَرِّهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی
کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت پر،
نیکی و بدی پر اللہ کی طرف سے اور مرنے کے بعد
حی اٹھنے پر ایمان لاتا ہوں۔

الغرض نجات کے لیے مجمل طور پر ایمانیات کو قبول کر لینا کافی ہے۔

واضح ہوا کہ امور ایمانیہ کی جو تشبیح و تفصیل کتاب و سنت نے کر دی ہے۔ اس کو بعینہ تسلیم کرنا ضروری
ہے اور ان کا اپنی طرف سے کوئی نیا مضمون و معنی متعین کرنا یا کسی قسم کی ترمیم کرنا گمراہی دے دیتی
ہے ۲۔ ایمان بہت سی مجبوز کی تصدیق کا نام ہے۔ تو کفر میں تمام ایمانیات کا انکار و تکذیب ضروری نہیں۔
بدرمان میں سے کسی ایک چیز کی تکذیب و انکار بھی کفر ہے۔ خواہ باقی تمام امور ایمانیہ کو وہ حق دل سے قبول لیا جائے۔
اس تفصیلی مسئلہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ

ایمان۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کو کہتے ہیں۔ ہر اس
چیز میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی و بدیہی طور پر ہو چکا ہے۔

مومن۔ وہ شخص ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرے۔ ہر اس امر میں جس کا ثبوت
آپ سے قطعی طور پر ہوا ہے۔

اسلام۔ اللہ و رسول کی اہمست و فرمانبرداری کا اقرار بشرطیکہ اس کے ساتھ ایمان تصدیق قلبی ہو جو
مسلمان۔ وہ شخص جو اللہ و رسول کی اطاعت کا اقرار کرے بشرطیکہ اس کے ساتھ تصدیق قلبی بھی ہو۔
کفر۔ جن امور کی تصدیق ایمان میں ضروری ہے۔ ان میں سے کسی ایک امر کی تکذیب و انکار کفر ہے۔
کافر۔ وہ شخص ہے جو ایمانیات میں سے کسی ایک چیز کا دل سے انکار یا زبان سے تکذیب کر دے۔

اسلام، ایمان، مسلم و مومن میں فرق | لفظ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام اطاعت و فرمانبرداری

کا۔ ایمان کا محل قلب ہے اور اسلام کا محل قلب اور سب اعضاء و جوارح ہیں۔ لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں۔ یعنی اللہ و رسول کی محض دل سے تصدیق کر لینا شرعاً اس وقت معتبر نہیں۔ جب تک زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نہ کرے اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک اس کے ساتھ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔ غرض کہ از روئے لغت ایمان و اسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بنا پر ایمان و اسلام کے اختلاف کا ذکر ہے لیکن خود قرآن و حدیث ہی کی تصریحات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً کوئی ایمان بدون اسلام کے یا اسلام بدون ایمان کے معتبر نہیں ہے۔ اسی مضمون کو یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ ایمان و اسلام کی ساخت تو ایک ہے۔ ذوقِ مہذب کا ہے۔ ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر پر منتہی ہوتا ہے اور اسلام ظاہر سے شروع ہو کر قلب پر منتہی ہوتا ہے۔ اگر قلبی تصدیق ظاہری اقرار تک نہ پہنچے تو وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں۔ اسی طرح ظاہری اقرار و اطاعت اگر تصدیق قلبی تک نہ پہنچے تو وہ اسلام معتبر نہیں۔ چنانچہ قرآن نے کہا۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَنْ يُبْتَغِ عَمَّا دِ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ اس۔
سے واضح ہو گیا کہ اللہ کا دین اسلام ہے اور ہر وہ چیز جو اسلام نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان بھی دین ہی ہے تو اگر ایمان، اسلام کا غیر ہوتا تو وہ مقبول نہ ہوتا لہذا اسلام اور ایمان کا ایک ہونا ثابت ہوا۔ شرح عقائد لسانی میں ہے۔
الْإِسْلَامُ وَالْإِيمَانُ وَاحِدٌ | اسلام و ایمان شے واحد ہیں

علامہ شیخ کمال الدین جہام شارح ہدایہ نے شرح مسامرہ میں فرمایا :-

وَقَدْ اتَّفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ وَهُوَ قَرِيبًا الْأَشَافِقَةُ
وَالْحَنِيفِيَّةِ عَلَى تَلَاوُظِ الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ
بِمَعْنَى أَنَّ لَا إِيْمَانَ يُعْتَبَرُ بِلَا إِسْلَامٍ
وَعَكْسُهُ

اہل حق نے اتفاق کیا اور وہ دونوں گروہ اشاعرہ و حنفیہ ہیں کہ ایمان و اسلام باہم متنازع ہیں یا ہیں معنی کہ اسلام بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے معتبر نہیں۔

یعنی یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

اگر اس موقع پر یہ شبہ پیدا کیا جائے کہ قرآن پاک میں ہے۔ قالت الاعراب ائمانا
ایک شبہ کا ازالہ | قُلْ لِمَ تَقُولُوا وَلَمْ تُغَالِبُوا اِسْلَمَنَا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ

اسلام بغیر ایمان کے بھی پایا جاتا ہے۔ جمعی تو قرآن حکیم نے اسلام کا اثبات اور ایمان کی نفی کر دی۔ جواب یہ ہے کہ کثرت میں جس اسلام کا ذکر ہے۔ وہ جس میں تصدیق قلبی نہ ہو۔ جیسے جو شخص زبان سے کلمہ پڑھے اور دل میں تصدیق نہ ہو تو اس کا ایمان معتبر نہیں۔ تو آیت میں اعراب کے اتفاق کا بیان ہے کہ تم لوگ ظاہری طور پر اطاعت کر رہے ہو مگر تمہارے دلوں میں تصدیق نہیں ہے اور شرعاً وہ اسلام معتبر ہے جس میں تصدیق قلبی ہی ہو۔ لہذا آیت کا مفہوم یہی ہے کہ اسلام بغیر ایمان کے پایا جاتا ہے بلکہ اعراب کی منافقت کا بیان ہے۔ اگر کہا جائے کہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ

اسلام صریح ایمان، عزت و شرف دینی، امن و تحفظ تصور معاشرہ کے درجہ پر ہے۔ تو محمدؐ سے ملاقات نام کرے زکوٰۃ ادا کرے۔ رمضان کے روزے رکھے رجب بھرے۔ جواب دے کہ درمیت نہ مل اسلام ثمرات و علامات کا بیان ہے۔ یعنی ایمان و اسلام کی علامت یہ ہے کہ اسلام فرائض اسلامی میں تعمیل کرتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا۔ تم جاننے ہو۔ ایمان کیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ کی شہادت دے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ کو ادا کرے۔ یہاں ایمان کی تعریف میں اس کو صرف اس لیے داخل کیا تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اعمال صالحہ ایمان و اسلام کی علامتیں اور اس کے ثمرات ہیں تو اسی طرح مذکور بالا حدیث میں اسلام کے ثمرات و علامات کا بیان ہے۔

کفر کی تعریف اور اس کے اقسام | کفر شریعت میں ایمان کی ضد ہے یعنی ایسے احکام شریعہ جو ہم کو
 قطعی اور یقینی طور پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذریعہ پہنچے ہیں
 انہیں نہ ماننا کفر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ دیجئے کہ کفر تکذیب رسول کا نام ہے پھر تکذیب کی چند صورتیں ہیں:-
 ۱۔ صراحتہ حضور علیہ السلام کو اللہ کا رسول ہی تسلیم نہ کرنا جیسے مندو، سکھ و عیسائی تسلیم نہیں کرتے۔
 ۲۔ رسول تسلیم کرنے کے باوجود آپ کے کسی قول کو صراحتہ غلط یا جھوٹ قرار دینا۔ یعنی آپ کی بعض ہدایات کو
 ماننا اور بعض کی تکذیب کرنا۔

۳۔ یہ کہ کسی قطعی اثبوت قول یا فعل رسول کو یہ کہہ کر رد کر دینا کہ یہ حضور علیہ السلام کا قول یا فعل نہیں ہے۔
۴۔ یہ کہ قول و فعل رسول کو تسلیم کرتے ہوئے قرآن و حدیث میں اسی تاویلات باطلہ کرنا جو ان کے اجماعی مفہوم کو بدل دیں اور امت کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہو جائے۔ ایسی تاویل بھی مکذیب رسول علیہ السلام کے حکم میں ہے۔

کفر و ارتداد کا معیار کیا ہے ؟ واضح ہو کہ کفر و ارتداد اس صورت میں عائد ہوتا ہے جب کہ حکم قطعی سے انکار کر دے۔ مثلاً یہ کہے کہ نماز فرض نہیں ہے۔ جنت کا کوئی وجود نہیں ہے یا کوئی شخص پانچ وقت کی نمازہ تو سنہ سن سے پابند ہے مگر وہ واجب نہیں مانتا تو یہ بھی کفر ہے اور دوسرا شخص جو غفلت کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا مگر نماز کی فرضیت کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ مسلمان ہے اگرچہ فاسق و فاجر۔ سخت گنہگار ہے۔

دوسرے کہ ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہیں۔ تمام اقسام کا حکم ایک نہیں ہے تو کفر و ابداد و سرفرازی ان احکام کے انکار سے عامہ ہوتا ہے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت بھی ہوں۔

قطع الثبوت کے معنی | کرنے والے حضور علیہ السلام سے لے کر آج تک ہزاروں سال میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہیں کہ ان سب کا جمعہ پر اتفاق کر لینا محال سمجھانا ہے۔

اسی کو اصطلاح حدیث میں تواتر اور ایسی حدیث کو حادث متواتر کہتے ہیں۔

ہوئے یا یہ معادب ہے کہ جو عبارت قرآن مجید میں اس کے متعلق دافع ہوئی ہے
یا حدیث متواتر سے ثابت ہوئی ہے وہ اپنے منہم مراد کو صرف صاف ثابت کر
کتی ہے کہ اس میں کسی قسم کا الجھاد اور الجھاد بھی نہیں۔

پھر اس قسم کے احکام قطعیہ اگر عوام و خواص میں مشہور و معروف ہوں جیسے ساز و ساز، زکوٰۃ، بکری، جوار، شراب اور زنا کا گناہ ہونا۔ حضور علیہ السلام کا خاتم الانبیاء ہونا وغیرہ تو ایسے احکام قطعیہ کہ ضروریات دین سے موسوم
کرتے ہیں جو اس درجہ مشہور نہ ہوں وہ صرف قطعیات کہلاتے ہیں۔

ضروریات دین اور قطعیات کے حکم میں کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے کہ ضروریات دین کا انکار جائز

امن مطلقاً کفر ہے۔ ناواقفیت و جهالت کو اس میں عذر قرار دیا جائے گا اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جائے گی۔ اور
قطعیات محض جو مشہور ہیں اس وجہ کو نہیں پہنچے تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی آدمی بوجہ ناواقفیت
جہالت کے انکار کر بیٹھے تو ابھی اس کے کفر و ازنا کا حکم نہ کیا جائیگا۔ بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائیگی کہ یہ حکم اسلام کے
بعضی اثبوت اور قطعی الدلائل احکام سے ہے۔ اس کا انکار کفر ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے تب
کفر نہ دیا جائیگا۔ علامہ ابن الحام نے لکھا۔

۱۰۰۰۔ ثبت قطعاً ولم يبلغ حد الضرورة
استحققت انت الذین السدس مع البنت
الصلبة ما جماع البسبين فظا هر
ظلام الحنفية الكفار بحدده بانهم لم
يستقرطوا في الذلعة سوى الذلعة في الثبوت
الى قوله، ويجب حملها على ما اذا عد المنك
ثبوت قطعاً

(مسار ص ۱۳۹، شامی جلد ۳ ص ۳۹۹)

اور جو حکم قطعی اثبوت ہو مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچے جو
جیسے میراث) ہیں اگر بونی اور حقیقی مینی بسج جو بونی کو
چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماع امن سے ثابت سے لڑا ہو
کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم نہ
جائے بلکہ انھوں نے قطعی اثبوت ہونے کے سوا اور کوئی
شرط نہیں لگائی دالی قولہ بحدہ واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کا
کو اس صورت پر محمول کیا جائے کہ جب منکر کو اس کا عدو ہو
یہ حکم قطعی اثبوت ہے۔

لہ عوام سے مراد علماء کی صحبت میں رہنے والے عوام مراد ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ حدیث میں ہے۔
وہ قطعی ایسا مشہور ہو کہ علماء سے اختلاف رکھنے والے
عوام پر بھی نہ ہو یا یہ طریقہ کہ نظر و استدلال کی طرف اجتہاد
کے بغیر وہ اسے بجا نہ جانتے ہوں۔

وہو ان یکون قطعاً مشہوراً بیعت لا یجلی
على العامة المحالطین للعلماء بان یسرفوا
بداہن من غیر فتقارالی نظام واستدلال

خاصہ کلام یہ ہے کہ کفر و ارتداد کی ایک قسم تو تبدیل مذہب ہے۔ اسی طرح دوسری قسم یہ ہے کہ ضروریات دین اور تعلیمات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے یا ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے ان کے معروف فی الشرح معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں اور غرض معروف بدل جائے۔ بنا بریں اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا کوئی ایسی تاویل و تحریف کرے جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف ہوں تو اس شخص کے کفر میں کوئی تاویل نہیں کیا جائیگا۔

ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہے واضح ہو کہ تاویل وہاں معتبر ہے جہاں کوئی اشتباہ ہو اور قواعد عربیت اور قواعد شریعت میں اس کی واقعی گہنی نش

جو معنی وہ تاویل کتاب و سنت اور اجماع اُمت کے خلاف نہ ہو اور جو حکم شرعی ایسی دلیل سے ثابت ہو جو قطعی ثبوت اور قطعی الدلالت ہو اس پر تاویل معتبر نہیں ہے بلکہ ایسے امور میں تاویل کفر ہے۔ مثلاً کوئی عین نصف النہار کے وقت جب کہ ابرو غبار بھی ہو اور دھوپ نکل رہی ہو یہ کہے اس وقت دن نہیں ہے بلکہ رات ہے کیونکہ ممکن ہے کہ آسمان پر کوئی بجلی کو نہر سی ہو اور یہ روشنی اسی کی ہو جسے لوگ دھوپ سمجھ رہے ہوں تو کیا کوئی مائل اس تاویل کو تاویل کہے گا؟ بلکہ یہی کہا جائیگا کہ یہ محسوس اور مشاہدہ کا انکار کر رہا ہے لہذا ضروریات دین میں ایسی تاویل معتبر نہیں ہوگی کیونکہ اس طرح کی تاویلیں معتبر ان لی جائیں تو پھر تو دنیا میں کوئی کافر نہ رہے گا۔ مُشکِرین توحید و رسالت اور دہرہ بیک کافر نہ ہوں گے۔ آفرود بھی تو کسی دلیل اور تاویل ہی کی وجہ سے توحید و رسالت کے مُشکِرین۔ چنانچہ علامہ عبدالحکیم حاشیہ خیالی میں لکھتے ہیں۔

وَالْتَّائِبُ إِلَى اللَّهِ وَلِلَّهِ يَرْجِعُ الْأَمْرُ وَالْكَافِرُ لَا يَرْجِعُ إِلَى اللَّهِ (حاشیہ ص ۶۷)

ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر سے نہیں بچا سکتا۔

التَّائِبُ وَالْمُتَّائِبُ إِلَى اللَّهِ لَا يَرْجِعُ الْأَمْرُ وَالْكَافِرُ لَا يَرْجِعُ إِلَى اللَّهِ (ج ۲ ص ۸۵)

حضرت امام غزالی نے المتفرق بین الاسلام والزندقة میں اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور آئمہ دین فقہاء و متکلمین نے اپنی تصانیف میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

”قرآن و حدیث میں ایسی تاویلات باطلہ کرنا جو ان کے اجماعی مفہوم کو بدل دیں اور امت کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہو جائے تو ایسی تاویل بھی مکذیب رسول ہی کے حکم میں ہے اور اس کا کفر ہونا ظاہر ہے تفصیل کے لیے اہل علم و دین ذیل کتب کا مطالعہ فرمائیں۔“

التفرقة، مسوئی ۲۰ ص ۱۲، جوہر التوحید، رد المحتار ج ۳ ص ۶۹، شفا ص ۱۲۱، ایشار الحق علی الملحق ص ۲۴

کفر کے لیے تمام امور ایمانیہ کا انکار ضروری نہیں ہے واضح ہو کہ ایمان بہت سی مجموعی چیزوں کی تصدیق و تسلیم کا نام ہے لیکن کفر میں ان سب

تینوں کی تلمذ یا انکار ضروری نہیں ہے، بلکہ ایمان! ت میں سے کسی ایک چیز کا انکار بھی کفر ہے مثلاً تمام امور ایمانیہ و
تعمیم کر کے مکر صرف نماز کی فرضیت کا انکار کرے تو کافر ہی قرار پائیگا۔ اس صورت میں باقی امور اسلامی کا ایمان اس کو
کفر سے نہیں بچا سکتا۔ ۲۔ اسی طرح دائرہ اسلام سے نکلنے یا کافر ہونے کے لیے اس کا قصد و ارادہ ضروری نہیں ہے شیطان
نے کافر ہونے کا ارادہ نہیں کیا تھا مگر اس کی حرکت نے اس کو کافر بنا دیا اور قرآن میں فرمایا گیا۔ **كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ**
اور وہ کافر تھا۔ اہل بیت پر ضرور ہے کہ مسلمان سے بے خبری میں کوئی کلمہ کفر نہ لے جائے تو اس کی ذرا کفریہ نہی جائے
بلکہ اس کو بتایا جائے کہ یہ کلمہ کفر کا ہے تو یہ کہو۔ اس پر بھی اگر وہ توبہ نہ کرے اور اپنی بات پر اڑ جائے تو اب تکفیر کی جائے
گی کیونکہ لزوم کفر کفر نہیں، التزام کفر کفر ہے۔ فافهم

ارتداد، زندق اور الحاد کی تعریف | ارتداد کے معنی لغت میں مٹ جانے اور پھر جانے کے ہیں اور اصطلاح
شریعت میں ایمان و اسلام میں داخل ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹ

جانے کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں۔

هُوَ الرَّجُوعُ مِنَ الْإِسْلَامِ | اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے۔

ارتداد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اصل مذہب پر مذہب تبدیل کر لے۔ مثلاً اسلام کو ترک کر دے اور یہودی، عیسائی
یا سکھ ہو جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نہ تو مذہب تبدیل کر لے اور نہ توحید و رسالت کا انکار کرے لیکن ضروریات دین میں
سے کسی امر کا انکار کر دے مثلاً یہ کہ نماز فرض نہیں۔ روزہ واجب ضروری نہیں تو ایسا شخص کافر و مرتد دائرہ اسلام سے خارج
ہے اگرچہ وہ سب دن دل کے ساتھ اللہ کی تمام صفات پر اور حضور علیہ السلام کی رسالت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس لیے کہ
ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے۔ اسی طرح ضروریات دین میں سے کسی ایک کا ناپاک کرنا اور ان کے ایسے
معنی بیان کرنا جو اجماعی عقیدہ کے خلاف ہوں۔ قرآن حکیم میں اس کا نام الحاد ہے۔

ان الذین یلحدون فی امیان | جو ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ
لا یخفون علینا | نہیں سکتے۔

اور حدیث میں اس کا نام زندق رکھا گیا ہے۔ صاحب مجمع البحار نے جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے
کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت کے پاس چہ زندق لائے گئے۔

ہی جمع زندیق (الی قولہ) شر استعمل فی کل ملحد فی الدین والسراد منہ قوم
ارتداد و عن الاسلام (مجمع البحار ص ۶۹)

مترجمہ اصطلاح شریعت میں ملحد اور زندیق اس شخص کو کہتے ہیں جو الفاظ تو اسلام کے کہے مگر معنی ایسے بیان
کرے جن سے اس کی حقیقت ہی بدل جائے جیسے صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں یہ تاویل کرے کہ قرآن میں مطلقاً ذکر خدا
ذکر مراد ہے اور اس خاص صیغہ سے نماز پر مقرر نہیں اور زکوٰۃ سے تزکیہ نفس مراد ہے۔ اہم معین نصاب سے مال

کی خاص مقدار دینا مراد نہیں۔ ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ اسلام میں اس نوع کی تاویلات کرنا زندق و الحاد ہے اور زندق و الحاد منافقت سے بھی زیادہ اشد ہے۔ جس طرح منافق طمع کاری سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح زندیق اپنے عقائد کفریہ پر تاویلِ فاسدہ کے ذریعہ اسلامی بیبل لگا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ تاکہ لوگ اسلام کے دھوکے میں اس کے باطنی کفر کو قبول کر لیں۔ علامہ شامی نے لکھا ہے۔

فان الزندیق یموه کفره و یروح

عقیده الفاسدہ و میخرجہا فی المصورۃ

الصحیحۃ (شامی ج ۳ ص ۳۳۴)

تحقیقِ محد و زندیق اپنے کفر پر اسلام کا ملمع کرتا ہے تاکہ اپنے عقیدہ فاسدہ کو اس طمع کاری کے ذریعہ لوگوں میں رائج کر سکے۔ اور اپنے اس عقیدہ کو عمدہ طریقہ پر پیش کر سکے۔

اس لیے کہ الحاد و زندقہ در حقیقت نفاق کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ العزیز نے لکھا۔

اور اگر ضروریاتِ دین کا اقرار تو کرے مگر بعض ان چیزوں کو جو دین میں ثابت ہیں ایسی تفسیر بیان کرے جو صحابہ و تابعین اور اجماع امت کے خلاف ہو تو وہ زندیق ہے مثلاً یہ تو اقرار کرے کہ قرآن حق ہے اور اس میں جو حقیقت و نزخ کا ذکر ہے وہ بھی حق ہے۔ لیکن جنت سے مراد وہ خوشی اور فرحت ہے جو اخلاقی حمیدہ سے پیدا ہوتی ہے اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے جو اخلاقی مذمومہ کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ ویسے نہ کوئی جنت ہے اور نہ دوزخ۔ (تو ایسی تاویل کرنے والا) زندیق ہے۔

وان اعترف بہ ظاہراً و لکن یفسر بعض ما ثبت من الدین ضرورۃ بخلاف ما فسرہ الصحابة والتابعون واجمعت علیہ الامة فهو الزندیق کما اعترف بمان القرآن حق و معانیہ من ذکر الجنة والنار حق لکن المراد بالجنة الابتهاج الذي يحصل بسبب الملكات المحمودۃ والمراد بالنار السدامة التي تحصل بسبب الملكات المذمومة وليس فی الخارج حجه ولا ناز

فهو زندیق

(مسوئی شرح موطا ج ۲ ص ۱۱۱)

واضح ہو کہ کفر و اتقاد کی یہ صورت چونکہ دعویٰ اسلام کے ساتھ اور شعارِ اسلامی کی ادائیگی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں اکثر لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے اور وہ بہک جاتے ہیں۔ اس لیے یاد رکھیے کہ اسلام کے قطعی اور یقینی احکام میں قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ مفہوم کے خلاف کوئی مفہوم قرار دینا الحاد و زندق ہے اور ایسے لمحدین سے بچنا فی زمانہ تمام فرائض سے اہم ہے۔

فتویٰ تکفیر میں احتیاط نہایت ضروری ہے

خوب یاد رکھیے کہ تکفیر میں کبھی عجلت نہیں کرنی چاہئے اور اس سلسلہ میں کامل غور و فکر سے کام لینا چاہئے اور جب تک کسی کا کفر واقعی طور پر ثابت نہ ہو جائے تکفیر نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ معاملہ بڑا سخت ہے اور فتویٰ تکفیر سے پوری ملتِ اسلامی متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کسی امر کا کفر حوالہ واقعی ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں تکفیر نہ کرنا یا تاویلاتِ فاسدہ سے کام لینا یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ کسی کافر کو مسلمان کہہ دینا یا کسی کلمہ کفر کو اسلام قرار دے دینا محض ایک لفظی سخاوت و تہمت ہے۔

بلکہ ملت اسلامیہ پر ظلم عظیم ہے کیونکہ اس کے نتائج و عواقب ملت کے لیے بڑے عظیم خطرات کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں اور کفر و اسلام ایک بے معنی سی حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اگر کسی کے کلام میں ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں؟ چنانچہ حضرات فقہاء کرام نے اس معاملہ میں اس درجہ احتیاط کا حکم دیا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی مشتبہ کلام سرزد ہو جائے جس میں سوا احتمال میں سے نمانوے احتمالات مضمون کفر ہونے کے ہوں اور ایک احتمال عبارت میں اس کا بھی ہو کہ اس کے کوئی صحیح و جائز معنی بن سکیں تو مفتی پر لازم ہے کہ نمانوے احتمال کو چھوڑ کر اسی ایک احتمال کی طرف مائل ہو اور تکفیر نہ کرے لیکن یہ درہے کہ یہ احتیاط اسی صورت میں ہے جب کہ واقعی اس عبارت کے ایک صحیح و جائز معنی بن سکیں اور قائل بھی خود اپنے کسی قول و فعل سے اس کی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد وہی معنی ہیں جن سے کفر عائد ہوتا ہے ورنہ اگر صحیح و جائز معنی بن سکیں تو وہ کلمہ کفر قرار پائے گا اور اگر قائل خود ہی یہ تصریح کر دے۔ میری مراد یہی معنی کفری ہیں تو پھر اس کی تکفیر کی جائے گی۔ علامہ شامی نے لکھا :-

اذا كان في المسئلة وجوه قوجب الكفر و
وجہ واحد يمنع فعلی المفتی ان
یمیل الی ذلك الوجه الا اذا صرح
بارادة ما يوجب الكفر فلا ينفعه
التاويل حبثاً

جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ مانع کفر تو مفتی پر لازم ہے کہ اس ایک وجہ کی طرف مائل ہو مگر جب کہ قائل اس وجہ کی تصریح کر دے جو موجب کفر ہے تو پھر تاویل سے اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (شامی)

واضح رہے کہ فقہاء کے اس کلام کے بعض جملانے یہ معنی لیے ہیں کہ اگر کسی شخص کے عقائد میں ایک عقیدہ یا قول بھی ایمان کا ہو تو اسے مومن سمجھ کر وہ کلمے ہی واضح کفری عقائد کیوں نہ رکھتا ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ فقہاء کے کلام کا یہ مطلب لینا قطعاً و حتماً مردود ہے۔ اگر یہ مطلب لیا جائے تو پھر تو شیطان بھی کافر نہیں رہتا۔ کیونکہ ہر کافر کا کوئی نہ کوئی عقیدہ اور قول تو ضرور ہی ایمان کے موافق ہوتا ہے۔ شیطان بھی تو، توحید و رسالت، حشر و نشر سب کا قائل تھا اسی طرح یہود و نصاریٰ محض ایک اسلامی عقیدہ رکھنے کی بنا پر مسلمان قرار پائیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ فقہاء کی مذکورہ بالا عبارت کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر کسی کی زبان سے کوئی کلمہ جو لغت و عرف کے اعتبار سے مختلف معانی پر محمول ہو سکتا ہے۔ جن میں ایک معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ عقیدہ کفر سے منسلک جاتا ہو اور دوسرے تمام معانی اس کو عقیدہ کفر یا کفر محمول ہوں تو ایسی صورت میں مفتی احتیاط کرے اور اس کلام کو صحیح معنی پر محمول کر کے تکفیر سے باز رہے۔ بشرطیکہ وہ خود ایسی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد وہی معنی کفری ہیں اور کلام میں واقعی یہ گنجائش بھی ہو کہ وہ صحیح معنی پر محمول ہو سکے۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ یہ بات بہت مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے اور کتب عقائد و فقہ میں اس کی تصریح ہے۔ اسی تصریح کے پیش نظر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر کلمہ کو اہل قبلہ سے اس کی تکفیر ممنوع ہے لیکن سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل قبلہ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

اصطلاح شریعت میں اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو تمام قطعیات اسلام اور ضروریات دین پر ایمان رکھتے ہوں لیکن وہ لوگ جو ضروریات دین کے منکر ہوں مثلاً شراب و زنا و دیگر محرّمات قطعہ کو حلال جانیں یا ضروریات دین میں تاویل کریں اور اسلام کے قطعی و یقینی احکام کے ثابت شدہ منہم و معنی میں ایجاد سے کام لیں تو ایسے لوگ ہرگز ہرگز اہل قبلہ نہیں ہیں۔

۲۔ اور فقہانے جو یہ فرمایا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل قبلہ کی گناہ کبیرہ کے ازکتاب تکفیر نہ کی جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اہل قبلہ اگر ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کریں تو بھی ان کو کافر نہ کہا جائے چنانچہ ان امور کی تصریح خود ائمہ دین و فقہاء کرام نے فرمائی ہے۔ چند اقوال ائمہ پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ لا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں :-

اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروریات الدین
۲۔ فمن واطلب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفى المحشر ونفى علمه سبحانه وتعالى بالجزئیات لا يكون من اهل القبلة

جاننا چاہئے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین پر متفق ہیں۔

پس جو شخص تمام عمر طاعات و عبادات کا پابند ہونے کے باوجود قدم عالم اور نفی محشر یا نفی علم اللہ بالجزئیات کا معتقد ہو۔ وہ اہل قبلہ نہیں ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۸۹)

محقق ابن امیر الحاج شرح تحریر الاصول میں فرماتے ہیں۔

اہل قبلہ وہ ہیں جو تمام ضروریات اسلام میں موافق ہوں (شرح تحریر الاصول)

اہل قبلہ کی تعریف

۱۔ علی ما هو من ضروریات الاسلام
۲۔ شرح عقائد نسفی کی شرح نمبر اس میں ہے۔
۳۔ اهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروریات الدین (نبراس ص ۱۵۸)
۴۔ شرح مقاصد بحث سابع میں ہے :-

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرے۔

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں سے اس شخص کو کافر کہا جائیگا جو اگرچہ تمام عمر طاعات و عبادات میں گزارے مگر عالم کے قیدم ہونے یا قیامت و محشر کا انکار کرے۔

اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے گی مگر اس صورت میں کہ اس میں ضروریات دین کا انکار یا ایسی چیز کا انکار لازم ہے جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے جیسے حرام اشیاء کو حلال سمجھنا۔ جو شخص ضروریات اسلام کا مخالف ہو اس کے کفر میں

فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفى المحشر الخ
۴۔ لا یکفر اهل القبلة الا فیما فیہ انکار ما علم بحیثہ به بالضرورة او اجمع علیه کاستحلال المحرمات (موافق)
۵۔ لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات

الاسلام و ان كان من اهل القبلة اشأى (۱۶) ^{۲۴۴}

۸۔ ومعنى عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بازتكاب المعاصي ولا بانكار الامور الخفية غير المشهورة (نبراس ص ۵۷)

۹۔ فتح المغیث شرح الفیہ المحدث میں ہے :-
اذلا نکفر احدا من اهل القبلة الا بانكار قطعی من الشریعة (شرح الفیہ ص ۱۲۷ وعقائد حصہ ۲)

۱۰۔ امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات میں فرماتے ہیں :-

و چون این فرقه بدعتیه اہل قبلہ اند و تکفیر آنہا جرأت نیاید نمود تا زمانے کہ انکار ضرورت دینیہ نمایند و متواترات احکام شرعیہ کنند و قبول ماعملو بحیثہ من الدین بالضرورۃ کنند۔

(مکتوبات ۳۸ ج ۲ ص ۹)

فقہار کرام اور ائمہ متکلمین کی ان تصریحات سے واضح ہوا۔

۱۔ اہل قبلہ وہ نہیں جو صرف کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں بلکہ اہل قبلہ وہ ہیں جو تمام ضروریات دین اور اسلام کے قطعی و یقینی امور پر ایمان رکھتے ہوں اور انہیں تسلیم کرتے ہوں اور دین کی کسی بھی ضروری بات کے منکر نہ ہوں۔
۲۔ فقہار نے جو فرمایا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے تو اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ اگر وہ کفر و شرک کے علاوہ کسی گناہ میں ملوث ہو جائیں مثلاً شراب پینے یا زنا کریں تو گناہ و کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے ان کی تکفیر جائز نہ ہوگی جیسے فحاش و معتزلہ مرکب کبیرہ کی تکفیر کرتے ہیں۔

۳۔ لیکن اگر اہل قبلہ جو نماز بھی پڑھیں اور تمام عمر عبادات و طاعات میں گزاریں اور اس کے باوجود ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کر دیں تو اب ان کی تکفیر کی جائیگی۔

کفر و شرک و ارتداد کے دنیوی و اخروی احکام کتاب و سنت کے حسب ذیل دنیوی و اخروی ہری

پرتما اہل اسلام کا اتفاق بھی ہے۔ ۱۔ کفر کا اخروی حکم یہ ہے کہ اس کی سزا دوزخ کا دائمی عذاب ہے اور کافر و شرک کی بخشش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ | اللہ تعالیٰ مشرک کی بخشش نہیں فرمائیگا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ
جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کیا۔ انہیں اللہ تنہا ہرگز نہیں بخشنے گا۔

۲۔ کفار و مرتدین، محدثین و نادقہ سے میل جول سلام کلام موالات وغیرہ حرام و ممنوع ہے ۳۔ کفار سے مناکحت حرام ہے ۴۔ کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا ۵۔ کافر کی نماز جنازہ میں شریک ہونا یا اس کی قبر پر جانا یا اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا :-

لَا تَقْرُبُوا أَمْوَالَهُمْ أَبَدًا وَلَا قَبْرَهُمْ
ان کی نماز جنازہ نہ پڑھئے ان کی قبر پر کھڑے نہ ہو جائے اس لیے کہ وہ اللہ و رسول کے منکر ہوئے اور نافرمان مرے۔
قَبْرِهِمْ لَسَبِي وَالَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْتَغْفِرُوا
نبی کو اور مسلمانوں کو نہ چاہیے کہ وہ مشرکوں کی مغفرت کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ ان کے قرا تدار ہوں۔
وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قَرْبَىٰ

۷۔ کافر کا ذبیحہ اور شکار مسلمان کے لیے حلال نہیں ۸۔ کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں ۹۔ جو کافر دارالاسلام میں مسلمانوں کی رعایا ہوں ان کو فوج میں بھرتی کر کے جہاد میں لے جانا جائز نہیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ سازش کر کے دارالخراب سے کفار سے جا ملیں ۱۰۔ جو کافر اسلامی حکومت میں رہتے ہوں ان سے جزیہ لیا جائیگا۔ قرآن مجید میں فرمایا :-

حَتَّىٰ يَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ
یہاں تک کہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر
۱۱۔ کسی کافر و مرتد کو کوئی وزارت یا فوجی یا افسری کسی قسم کا کلیدی عہدہ دینا اور اس کو مسلمانوں کا سردار بنادینا اور کفار سے سیاسی و ملکی امور میں مشورہ لینا جائز نہیں۔
حضرت فاروقی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ کو ہدایت کی تھی۔

وَلَا تَكْرِهْهُمْ وَقَدْ أَمَّا لَهُمُ اللَّهُ - وَلَا
کافروں کا اعزاز و اکرام نہ کرو ، اللہ نے ان کی امانت کا حکم دیا ہے۔ ان کو امین اور امانت دار نہ سمجھو اللہ نے ان کو خائن بتلایا ہے۔ یسود و نصاریٰ کو کوئی عہدہ نہ دو۔
اهل الكتاب ۱۲ (قرطبی ج ۴ ص ۱۹۸)
حضرت فاروقی اعظم کا یہ حکم قرآن مجید کی اس آیت سے مانع ہے۔ اللہ تنہا فرماتا ہے۔

إِنِ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدَاوَةً مُّبِينًا
بے شک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔
نظاہر ہے کہ دشمن کو کلیدی آسامیوں پر فائز کر دینے کا نتیجہ بہر حال اسلام و مسلمین کی ذلت و رسوائی ہوگا اور تاریخ گواہ ہے۔ جب بھی کسی مسلمان حکمران نے کافر و مشرک یا مرتد کو کسی عہدہ پر فائز کیا ہے تو بے وقت میں اس نے عداوت ہی کی ہے۔ مجھے یہاں مرتدوں و منافقین کی نشاندہی کی ضرورت نہیں۔ تاریخ کا مطالعہ ہی آپ کو بتا دے گا کہ ممالک اسلامی کی تباہی و بربادی میں اصل ہاتھ ان کفار و مرتدین کا ہی رہا ہے بلکہ کھلے ہوئے کافر ہندو و سکھ عیسائی وغیرہ انہما نقصان اسلام کو نہیں پہنچائے جتنا کہ مرتدوں اور منافقوں نے پہنچایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب و سنت کی تعویض و انحراف میں مرتد

کی سزا موت ہے اور قتل مرتد پر عطا کیے امت کا اجماع ہے۔

۱۔ حافظ عسقلانی شیع البخاری صفحہ ۷۷، جلد ۱۲ میں فرماتے ہیں۔

قال ابن دقيق العبد الردة مسبب لا باحة
دمر المسلم بالاجماع في الرجل وأما
المرأة ففيها خلاف

(فتح الباری صفحہ ۷۷، جلد ۱۲ کتاب الایات)

۲۔ حافظ بدر الدین عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

وقال شيخنا في شرح الترمذي وقد اجمع
العلماء على قتل المرتد اذا لم يرجع الى
الاسلام واصر على الكفر و اختلفوا في
قتل المرتدة فجعلها اكثر العلماء كالرجل المرتد
وقال ابو حنيفة لا تقتل المرتدة لعسوم
قوله نهى عن قتل النساء والنسب
(عمدة القاری صفحہ ۴۱ جلد ۲ کتاب الایات
باب قتل تالی النفس بالنفس والعین بالعين)

۳۔ شیخ عبد الوہاب شعرائی رحمہ اللہ تعالیٰ میزان کبریٰ میں فرماتے ہیں۔

قد اتفق الاثثة على ان من ارتد عن الاسلام
وجب قتله

ائمہ نے اتفاق فرمایا ہے کہ جو شخص اسلام لاکر اس سے
پھر جائے تو اس کا قتل واجب ہے۔

حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

ان الایمان ایمان دل سے تصدیق کرنے اور زبان سے اقرار
کرنے کو کہتے ہیں۔

ایمان کی تعریف میں ائمہ کا اختلاف

اقرار باللسان ومعرفۃ القلب

معرفۃ قلب کے معنی پختہ اور غیر متزلزل اعتقاد کے ہیں یعنی ایمان فقط دل کے اعتقاد جازم کا نام ہے اور زبان
سے اقرار کرنا شرط ہے۔ چنانچہ شرح عقائد میں ہے۔

وذهب جمهور المحدثين الى ان
هو التصديق بالقلب والافعال شرط
لاجزاء الاحكام في الدنيا لما ان تصديق
القلب امر باطن لا يبد من علامۃ

جمہور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلب یا القلب کا
نام ہے اور اقرار سانی صرف دنیوی احکام جاری ہونے
کی ایک شرط ہے کیونکہ تصدیق قلبی ایک امر پوشیدہ ہے
اس لیے لازمی طور پر اس کے لیے کوئی علامت ظاہر کرنی

چاہیے۔ لہذا جو شخص دل سے (تمام ضروریات دین کی) تصدیق کرے اور زبان سے (کسی کے سامنے) اس کا اقرار و اظہار نہ کرے وہ اللہ کے نزدیک مومن ہے۔

ذَٰمِنٌ صَدَقَ بِقَلْبِهِ وَلَمْ يُقَيِّرْ
يَلْسَانَهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ بِعِزَّةِ اللَّهِ تَعَالَى
(شرح عقائد)

معلوم ہوا کہ زبان سے اقرار کا نہ صرف اس لیے ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص مومن ہے کیونکہ جب تک کوئی شخص اپنے مانی الضمیر کا اظہار نہیں کرے گا۔ اس کے دل کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہو سکتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان محض تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار لسانی صرف شرط ہے۔

ایمان دل کے اعتقاد کو کہتے ہیں اس کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے
اس کے عقلی و نقلی دلائل

۱۔ عربی زبان میں امنوا باللہ کا اولین مفہوم تصدیق ہی سمجھا جاتا ہے اور اس معنی سے عدول کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی۔ اس سے ثابت ہوا

کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ ۲۔ ایمان کا محل دل ہی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں دل کو ایمان کا محل قرار دیا گیا ہے۔

یہ وہ ہیں جن کے دل میں ہم نے ایمان کو پختہ کر دیا۔
ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر دل سے ایمان نہیں لاتے۔

۱۔ اَوَّلَٰئِكَ كَتَبَ اللَّهُ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ
۲۔ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ
وَلَمْ تُؤْمِنُ قُلُوبُهُمْ

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان دل کی تصدیق کا نام ہے۔

۳۔ حضرت اسامہؓ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے زبان سے کلمہ پڑھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ شخص دل سے کلمہ نہیں پڑھ رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ لے فرمایا۔ اسامہؓ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ لہذا دل کی تصدیق کا نام ایمان ہے۔ ۴۔ اہل کتاب اور فرعون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی جانتے تھے حالانکہ وہ مومن نہ تھے۔ اس کی وجہ یہی تو تھی کہ وہ دل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

۵۔ کفر ایمان کی ضد ہے اسی لیے قرآن مجید میں کفر کے مقابل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے جیسے اس آیت میں هُنَّ يُكْفَرْنَ بِالطَّاغُوتِ وَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ اور یہ ظاہر ہے کہ کفر کے معنی جھٹلانے اور انکار کرنے کے ہیں اور یہ دل ہی کا فعل ہے۔ لہذا جب کفر دل کا فعل ہے تو کفر کی ضد ایمان بھی دل کا فعل ہی ہونا چاہیے اور دل کا فعل عبارت ہے نصیحت سے اور مکرذیب کی ضد تصدیق ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ایمان دل کی تصدیق کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل

نوٹ ۱۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث ۱۱۔ اس پر تفصیل گفتگو انشاء اللہ العزیز فیوض الباری کے آخری حصے میں اپنی جگہ پر پیش کی جائیگی

۶۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَابْيُوْهُرَ الْاَحْسِرِ اس آیت میں منافقین سے ایمان کی نفی کی گئی ہے حالانکہ منافق زبان سے اقرار کرتے تھے۔ مگر چونکہ دل سے تصدیق نہیں کرتے تھے اس لیے ایمان کی نفی کر دی گئی۔

۷۔ اَلَا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاٰیْمَانِ۔ اس آیت میں مکرہ کے لیے یہ جائز کیا گیا کہ وہ جان بچانے کے لیے زبان سے انکار کر دے مگر اس زبانی انکار کے باوجود اس کو مومن قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اس میں نصبر بن قلبی پائی جا رہی ہے۔

۸۔ (۱) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۲) الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ مَوَدَّتِ وَيَقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ ۳۔ اِنَّمَا يَعْصِرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ... الخ ان آیات میں ایمان کا عطف اعمال صالحہ
پر کیا گیا اور معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے یعنی معطوف معطوف علیہ میں داخل نہیں ہوتا۔ اس سے یہ
ظاہر ہوا کہ اعمال صالحہ حقیقت میں ایمان میں داخل نہیں۔

۹۔ وَهَنْ يَعْصِلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذِكْرِ اَوْ اُنْشَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ اس آیت میں اعمال کی صحت ایمان پر موقوف قرار دی گئی ہے اور مشروط شرطیں داخل نہیں ہوتا ورنہ اسْتَوَاطَ الشَّيْءِ فِي نَفْسِهِ لازم آئیگا جو باطل ہے۔
۱۰۔ قرآن میں منکب حرام کو مومن مکمل کیا جیسے اس آیت میں وَلَئِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا حالانکہ یہ امر قطعی ہے کہ کسی رکن کے بغیر مستحق نہیں ہوئی تو افعالِ صالحہ حقیقت ایمان میں داخل ہونے تو مرتکب حرام کو مومن نہ کہا جاتا۔

۱۱۔ قرآن میں جہاں روزہ، نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے وہاں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کے الفاظ سے خطاب کیا ہے۔ اس کے بعد ان کو عمل کی تکلیف دی ہے۔ یہ بات بھی ایمان میں عمل کے خروج پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ تکلیف تجسّیل حاصل لازم آئے گی جو باطل ہے۔

۱۲۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو توبہ کا حکم دیا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ**
تَوْبَةً الخیز بات بھی اس امر پر دولت کوئی ہے کہ معصیت ایمان کے منافی نہیں۔ معصیت کے ساتھ ایمان
 بھی ہوتا ہے کیونکہ توبہ گنہگار کے لیے ہوتی ہے۔ نیز گنہگار کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومن قرار دیا ہے۔ اس سے بھی
 ثابت ہوتا ہے کہ اعمال حقیقت ایمان میں داخل نہیں۔

امام شافعی کے نزدیک ایمان کی تعریف

الْإِيمَانُ فُضِّلَ الْقَلْبُ وَاللِّسَانُ مَعَ سَائِرِ الْجَوَارِحِ (یعنی) ایمان دل سے تصنیف کرنے زبان سے اقرار کرنے اور جوارح مامورہ پر کرا داکر کرنے کو کہتے ہیں۔

ایمان کی تعریف کے متعلق امام ابو حنیفہ وامام شافعی علیہما رحمۃ اللہ کے اختلاف کی حقیقت

واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ وامام شافعی علیہما رحمۃ اللہ کے نزدیک ایمان کی تعریف میں جو اختلاف نظر آ رہا ہے۔ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہی ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ ایمان دو طرح کا ہوتا ہے

اولے وہ ایمان جو انسان کو خدا و فی النار سے نجات دے۔ (خلود فی النار سے نجات کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گناہوں کی پاداش میں کچھ عرصہ کے لیے بطور سزا جہنم میں داخل کیا جائے۔ اس کے بعد پھر جنت ہی میں داخل ہو) دوم۔ وہ ایمان جو انسان کو دخولِ نار سے نجات دے یعنی خدا و میر کے لیے بھی وہ جہنم میں نہ جائے تو ظاہر ہے کہ خدا و فی النار سے نجات دینے والے ایمان کی تعریف یہ ہوگی کہ انسان دل سے تمام ضروریاتِ دین کے اقرار و تصدیق کرے اور زبان سے اقرار کرے اور دخولِ نار سے نجات دینے والے ایمان کی تعریف یہ ہوگی کہ ضروریاتِ دین کے اقرار و تصدیق کے ساتھ ساتھ احکام شرعیہ کی پابندی کرے۔ جب آپ نے اس تقریر کو اچھی طرح سمجھ لیا تو اب غور کیجئے کہ حضرت امام ابو حنیفہ وامام شافعی میں ایمان کی تعریف میں جو اختلاف نظر آتا ہے۔ وہ صرف نزاعِ لفظی رہ جاتا ہے کیونکہ امام شافعی اعمال کو ایمان کا رکن قرار دیتے ہیں تو اس سے وہ قسم دوم کے ایمان کی تعریف کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اعمال کو دین کا رکن نہیں قرار دیتے تو اس سے وہ قسم اول والے ایمان کی تعریف فرما رہے ہیں۔ چنانچہ وہ ایمان جو خدا و فی النار سے نجات دے۔ امام شافعی اور تمام ائمہ کے نزدیک اس کی تعریف صرف یہ ہے کہ دل سے ضروریاتِ دین کی تصدیق کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص دل سے ضروریاتِ دین کی تصدیق کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے گناہ بھی ہو جائے یا وہ تصدیق تو کرے مگر عمل نہ کرے تو ایسا شخص تمام ائمہ کے نزدیک کافر نہیں ہوتا۔

گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں

جب آپ نے یہ سمجھ لیا کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے اور اعمال حقیقتِ ایمان میں داخل نہیں ہیں تو اب ثمرہ یہ نکلے گا کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے۔ اس موقع پر چند باتیں ذہن میں رکھیے۔

اولے۔ گناہ کبیرہ سے مراد کفر و شرک کے علاوہ گناہ ہے دوم۔ جب ایک مسلمان بشری کمزوری کی بنا پر گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ گناہ کو گناہ ہی سمجھتا ہے اور حرام کو حرام ہی قرار دیتا ہے مگر پھر بھی گناہ میں ملوث ہو جاتا ہے تو ایسا شخص اہل سنت و جماعت کے نزدیک مسلمان ہے دوسرے یہ کہ گناہ کرتا ہے اور حرام کو حلال جان کر اختیار کرتا ہے تو ایسا شخص بلا اختلاف بے ایمان ہے۔ کیونکہ اب اس میں تصدیقِ قلبی جو ایمان کی حقیقت تھی وہ نہیں پائی گئی۔

گناہ کبیرہ تو ہیں

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ گناہ کبیرہ نو ہیں ۱۔ شرک باشد ۲۔ ناحق قتل کرنا ۳۔ آزاد و الدین کی نافرمانی کرنا ۷۔ جادو کرنا ۸۔ جہاد سے بلاوجہ شرعی بھاگ آنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں سود لیبنا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت میں چری ما

اور شراب پینا بھی گناہ و کبیروہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اوطالب کی سے روایت ہے کہ گناہ و کبیروہ سترہ ہیں۔ چاروہ جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے ۱۔ شرک ۲۔ گناہوں پر اصرار ۳۔ اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہو جانا ۴۔ اَلَا مَنْ مِنْ مُكْبِرٍ چاروہ ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے ۱۔ جھوٹی گواہی دینا ۲۔ عقیقہ کو تہمت لگانا ۳۔ جادو کرنا ۴۔ حرم میں گناہ کرنا ۵۔ تین وہ ہیں جن کا تعلق پیٹ سے ہے ۱۔ شراب پینا ۲۔ یتیم کا مال ناحق کھانا ۳۔ سود لینا، دودہ ہیں جن کا تعلق شرم گاہ سے ہے ۱۔ زنا ۲۔ لواطت ۳۔ ایک وہ ہے جس کا تعلق پاؤں سے ہے ۱۔ بلا وجہ شرعی جہاد سے بھاگ جانا ۲۔ ایک وہ ہے جس کا تعلق تمام بدن سے ہے ۱۔ والدین کی نافرمانی کرنا ۲۔ دودہ ہیں جن کا تعلق ہاتھ سے ہے ۱۔ ناحق قتل کرنا ۲۔ چوری کرنا (شرح عقائد ص ۸۲)

واضح ہو کہ روایات میں جن امور کو گناہ و کبیروہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ بطور حصر نہیں ہے بلکہ بطور مثال ہے یعنی مذکورہ گناہوں کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں جو گناہ و کبیروہ ہیں مثلاً بلا عند شرعی نماز ترک کرنا، روزہ نہ رکھنا، زکوٰۃ نہ دینا، مالدار ہو کر حج نہ کرنا، ظلم کرنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، دھوکہ دینا، چالی دینا، ڈاکہ ڈالنا، دو مسلمانوں میں لڑائی لگنا، عورتوں کا بے پردہ پھرنا، فحاشی و عبرانی کو اختیار کرنا، ناسخ رحمت کی مجالس قائم کرنا، نا محرم عورت پر بلا ضرورت شرعی نظر ڈالنا، سودا کم تولنا، حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرنا، بغیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنا بھی گناہ و کبیروہ ہیں۔

ایمان سے متعلق معتزلہ و خوارج کا مسلک یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام شافعی کو اعمال کو ایمان میں داخل مانتے ہیں مگر اس کے باوجود مرتکب کبیروہ کو کافر نہیں کہتے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ خوارج و معتزلہ کے نزدیک اعمال حقیقت ایمان میں داخل ہیں اور ان کا مسلک یہ ہے کہ مرتکب کبیروہ نہ کافر ہے اور نہ مومن اور نہ خوارج یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیروہ کافر ہے۔ معتزلہ و خوارج کا مذہب باطل ہے اور حق یہی ہے کہ مرتکب کبیروہ گناہ کا ضرور ہے مگر کافر نہیں ہے یا امام شافعی کے مسلک کے مطابق مرتکب کبیروہ کامل لایمان نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں عامی پر مومن کا اطلاق آیا ہے جیسے ان آیات میں یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۲۔ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا ۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ اگر مرتکب کبیروہ کافر ہو تو اس پر قرآن حکیم میں مومن ہونے کا اطلاق نہ کیا جاتا اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک ہر اہل قبلہ کی خواہ اس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ مرتکب کبیروہ تھا اور بغیر توبہ کے مرا ہے) نماز جنازہ پڑھی گئی ہے۔ اس کے لیے بخشش کی دعا کی جاتی رہی ہے حالانکہ یہ تفتہ بات ہے کہ کافر کے لیے دعا و استغفار اور نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے۔ اگر گناہ و کبیروہ کا مرتکب کافر ہو تو حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام ایسے شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھتے۔ نیز حدیث ابو ذر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھ لیا ہو اور اسی اعتقاد پر مر گیا تو وہ جنتی ہے۔ حضرت ابو ذر نے عرض کی کہ اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔

يُخْرِجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ | وہ شخص بالآخر دوزخ سے نکالا جائیگا جس کے دل میں

مُتَقَالٌ ذَرَّةً مِنْ الْإِيمَانِ

ایک ذرہ بھی ایمان کا ہوگا۔

یہ اور اس مضمون کی متعدد احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مرتکب کبیرہ کا فرہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تعریف میں کہیں اعمال کو ایمان میں داخل فرمایا ہے اور کہیں نہیں مثلاً آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، ملائکہ پر، اس کے رسولوں پر ایمان لا اور وفد عبد القیس کی حدیث میں فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ایمان کیا ہے۔ پھر فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ تو توحید و رسالت کی شہادت دے اور نماز پڑھے اور روزہ رکھے وغیرہ وغیرہ تو پہلی حدیث میں اعمال کو ایمان میں شامل نہیں فرمایا کیونکہ یہاں حضور علیہ السلام نے صرف اہل اسلام کی تعریف فرمائی ہے یعنی وہ ایمان جو انسان کو مخلوق فی النار سے نجات دے اور وفد عبد القیس کی حدیث میں اعمال کو ایمان میں شامل فرمایا ہے تو اس سے مراد ایمانِ کامل ہے جو انسان کو جنت کا مستحق بنا دیتا ہے اور دخولِ نار سے بچاتا ہے چنانچہ اس حدیث میں :-

لَا يَزِيْ فِي الْمَرْءِ حَيْثُ يَزِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ | زانی زانیہں کرتا مرگہ مومن ہو

اس میں زانی سے ایمان کی نفی فرمائی گئی ہے تو اس سے ایمانِ کامل ہی کی نفی مراد ہے۔ اصل ایمان کی نفی مراد نہیں ہے۔ اسی طرح احادیث میں آیا ہے کہ جس نے قصہ نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا۔ قرآن میں ہے۔ مَنْ لَعَنَ يَحْكُمُ مَا أَسْرَلَهُ اللَّهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ۔ اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ کا فرہ ہے تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ کی مخالفت و موافق تمام احادیث و آیات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف تصویر کے ایک ٹک کو دیکھ کر حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔ یہ آیات و احادیث اپنے ظاہری مضمون پر محمول نہیں ہیں بلکہ ان کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو حکم الہی کو حکم الہی اعتقاد نہ کرے یا نماز کی فرضیت کا منکر ہو جائے تو وہ کافر ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی آیات و احادیث کا جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے اس پر اجماع ہے۔

ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا

ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے اور اس کے ۱۲ دلائل بھی لکھ چکے ہیں جن کو آپ دوبارہ ذہن میں لے آئیے کیونکہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے تو اس سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا جس کی تقریر یہ ہے۔

ایمان کی زیادتی و نقصان کے اختلاف کا بلنی اس امر پر ہے کہ اعمالِ صالحہ جزوِ ایمان ہیں یا نہیں؟

جن لوگوں نے اعمالِ صالحہ کو حقیقتِ ایمان میں داخل مان کر ان کو جزوِ ایمان قرار دیدیا۔ ان کے نزدیک اعمالِ صالحہ کی کمی بیشی کی وجہ سے اصل ایمان میں کمی بیشی کا واقع ہونا بدیہی امر ہے کیونکہ جب اعمالِ صالحہ جزوِ ایمان قرار پائیں گے تو اعمال کی کمی بیشی کی وجہ سے اصل ایمان میں بھی لامحالہ کمی بیشی ہو جائے گی۔

لیکن ————— متفقین و متکلمین اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تصدیقِ قلبی کا نام ایمان ہے جس کی بیشی کو قبول نہیں کرتی۔ اقرارِ سانی اور دیگر اعمالِ صالحہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جزوِ ایمان نہیں بلکہ دونوں ایک دوسرے کا خیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمان کو اعمالِ صالحہ کا غیر قرار دیتے

ہوئے اعمال کا عطف ایمان پر فرمایا۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ الدِّينَ أَصْنَاوُ وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ

عطف میں حقیقت یہ ہے کہ معطوف علیہ معطوف کا معارف ہو جہاں مغایرت نہ ہو وہاں مجاز ہوگا اور ظاہر ہے کہ تعذر حقیقت کے بغیر مجاز صحیح نہیں۔ جن آیات میں ایمان پر اعمال صالحہ کا عطف وارد ہے۔ وہاں تعذر حقیقت پر کوئی دلیل قائم نہیں اس لیے بلاوجہ مجاز مراد لینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ توجہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ایمان محض تصدیق قلبی کا نام ہے تو ایمان کا کسی کو زیادتی کو قبول نہ کرنا بالکل واضح ہے۔ کیونکہ ظن و یقین میں یفرق ضرور ہوتا ہے مگر یقین اور یقین میں اس تفاوت کا وجود کسی طرح تصور نہیں۔

پس ایمان کی تفسیر جب تصدیق یقینی کے ساتھ کی جائے تو اس میں کمی بیشی اور قوت و ضعف کا پایا جانا ممکن نہیں کیونکہ یقین میں احتمال نفیض نہیں ہوتا۔ مگر یقین میں ادنیٰ ترین کمی بیشی بھی پائی جائے تو وہ محض نفیض ہو کر یقین نہ رہے گا۔ جب وہ یقین ہی نہ رہا تو اس کو ایمان کیسے کہا جائیگا۔ معلوم ہوا کہ اصل ایمان زیادتی و نقصان اور قوت و ضعف کو قبول نہیں کرتا۔

قائدہ بعض لوگ کمالات ایمان اور امارات تصدیق کی کمی بیشی کو نفس ایمان کی کمی بیشی سمجھ لیتے ہیں۔ ان کا یہ سمجھنا صحیح نہیں کیونکہ ایمان و تصدیق ایک علیحدہ چیز ہے اور اس کے کمالات و امارت دوسری چیز ہے ایک کی کمی بیشی کو دوسرے کی کمی بیشی سمجھ لینا صحیح نہیں۔

جن آیات میں ایمان کی زیادتی مذکور ہے وہاں نفس ایمان یعنی تصدیق یقینی مراد نہیں بلکہ لفظ ایمان سے وہ ایمان کامل مراد ہے جو اپنے کمالات و امارات اور اعمال صالحہ کے ساتھ ہو۔ اس لیے ان آیات سے نفس ایمان کی زیادتی ثابت نہ ہوئی بلکہ اعمال صالحہ اور کمالات و امارات ایمان کی زیادتی ثابت ہوئی جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی بہترین تائید و تصدیق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیات زیادتی ایمان میں ثمرات ایمان کی زیادتی مراد ہو مثلاً وقت قلب اور تزکیہ نفس و قرب الی الخ سبحانہ و تعالیٰ وغیرہ اُلک۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آیات مبارکہ میں مطلقاً ایمان کی زیادتی مراد نہیں بلکہ اشیاء مصدقہ مومن ہما کی زیادتی کے لحاظ سے ایمان کی زیادتی بیان فرمائی گئی ہے۔

بنا بریں جن آیات و احادیث میں ایمان کی زیادتی و نقصان یا قوت و ضعف وارد ہے۔ ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اصل ایمان کم و بیش یا قوی و ضعیف ہوتا ہے بلکہ ان سے علامات و کمالات ایمان جو اصل ایمان پر زائد امور ہیں اثمرات ایمان کی کمی بیشی اور تفاوت مراد ہے یا ایمان تفصیل مراد ہے جو اپنے متعلقات کی کثرت کے اعتبار سے ایمان جمالی کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

۲۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ اجمالی اور تفصیلی۔ ایمان اجمالی یہ ہے کہ جو کچھ شارع اسلام اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے لے کر آئے مجمل طور پر ان کی تصدیق کرنا اور ایمان تفصیلی یہ ہے کہ جن چیزوں پر ان لانا ضروری ہے ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ تصدیق کرنا اور ہر چیز پر تفصیلاً ایمان لانا۔ صحابہ کرام اولاً

جہاں و تفصیل کا فرق اب بھی ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ ایک شخص جو اولاً ایمان لایا اسے تمام احکام شرعیہ پر

اجمال ایمان لاتے تھے۔ پھر وقتاً فوقتاً جو آیات و احکام نازل ہوتے تھے ان کی تصدیق علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایمان اجمالی اور مطلق (مجاہد بہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق ہے اور ایمان تفصیلی امور مفصّلہ (احکام مفصلہ) سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اگر ایمان منصل کو باعتبار اس کے متعلق کے زیادہ کہہ دیا جائے تو یہ بالکل صحیح ہے۔ بنا بریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن آیات میں زیادتی ایمان وارد ہے۔ وہاں ایمان تفصیل کے متعلقات کے اعتبار سے زیادتی مراد ہے۔ اعتبار نہ کر کے قطع نظر کر کے نفس ایمان کی زیادتی مقصود نہیں۔

العرض ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور حقیقت تصدیق شی و احد ہے جو زیادتی و نقصان کو قبول ہی نہیں کرتی لہذا جن آیات و حدیث میں ایمان کی کمی یا زیادتی کا بیان ہے وہاں نفس ایمان بمعنی محض تصدیق قلبی مراد نہیں ہے بلکہ لفظ ایمان سے وہ ایمان مراد ہے جو اپنے کمالات و امارات اور اعمال صالحہ کے ساتھ ہو لہذا اس سے نفس ایمان میں کمی زیادتی ثابت نہ ہوتی بلکہ اعمال صالحہ اور ایمان کے کمالات اور اس کی علامتوں میں زیادتی ثابت ہوتی۔

ایک شبہ کا ازالہ یہاں اگر امام اعظم کے مسلک پر مشہور ارد کیا جائے کہ جب امام صاحب کے نزدیک اصل ایمان زیادتی و نقصان اور قوت و ضعف کے تفاوت کو قبول نہیں کرتا تو پھر تو تمام مومن ادنیٰ اعلیٰ، نبی غیر نبی اصل ایمان میں مساوی ہو گئے اور اعلیٰ و ادنیٰ، نبی غیر نبی میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ اس صورت میں ادبیار اللہ اور حضرات انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ حضور ربہ عالم نور محمد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یر قدح پیدا ہوتی ہے اور ان کے فضائل و کمالات بھی باقی نہیں رہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں کمی بیشی منظور نہیں وہاں مساوات کیونکر منظور ہو سکتی ہے اور اگر ہو بھی تو یہ مساوات ہی گمراہی و ہستی کے حق میں موجب قدح یا اس کی فضیلت کے کب منافی ہے — دیکھئے ماہیت نبوت میں تشکیک میں یعنی نفس نبوت کی بیشی کو قبول نہیں کرتی مگر اس کے باوجود قرآن مجید میں فرمایا۔

لَكَ الرَّسُولُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ | یہ رسول ہیں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ اسی طرح مخلوقیت اور وحدت وغیرہ ایسے اوصاف ہیں جن میں کمی بیشی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ لیکن بایں عبد اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مخلوق و حادث اپنے کمالات مخلوقیت کے اعتبار سے بھی مساوی ہے اور ایک دوسرے پر سی اعتبار سے بھی امتیاز و فوقیت حاصل نہیں ہے۔ ایسا ہو تو پھر تو نبی و غیر نبی تو علیحدہ رہے مومن و کافر میں بھی کوئی

نفع و اذیہ اطلاع نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کا وہ ایمان اجمالی ہے۔ اس کے بعد جب اسے احکام شرعیہ کی تفصیلاً علم نہ دیا ہوا اور اس نے الگ الگ ان کی تصدیق کی تو یہ ایمان اس کے لیے ایمان تفصیلی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ماہاجا۔ یہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام مفصلہ ایک ہی چیز ہیں لیکن وہ اجمال کے اعتبار سے امور کثیرہ اور اعتبارات کا لحاظ ضروری ہے۔ لولا الاعتبار لبطلت الحکمۃ

انتیازاتی نہیں رہے گا۔ پس اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ جس طرح اصل مخلوقیت میں مساوی ہونے سے کمالات مخلوق میں مساوی ہونا لازم نہیں اسی طرح نفس ایمان و تصدیق میں مساوات کمالات ایمانیہ کی مساوات کو مستلزم نہیں ہے۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک ایمان تفصیلی بہ اعتبار اپنے تعلق کے ایمان اجمالی سے زیادہ ہے کیونکہ ایمان اجمالی امر واحد سے متعلق ہے اور ایمان تفصیلی کا تعلق امور کثیرہ سے ہے۔

عارف کامل پر جب شیون الہیہ (اللہ تعالیٰ کی شانوں) کا انکشاف ہوتا ہے تو اس پر جو شان ایزدی مشکشف ہوتی ہے وہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر جب دوسری شان کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ اس پر ایمان لاتا ہے۔ شیون الہی غیر متناہی ہیں۔ اس لیے ان کی معرفت کی بھی کوئی حد نہیں۔ اس صورت میں عارف کا ایمان معرفت کے ہر درجہ پر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے تمام انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام کا یہی حال ہے۔ جس کا عرفان زیادہ ہوگا۔ اس کا ایمان تفصیلی بھی زیادہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب عارفوں کے سردار ہیں۔ اس لیے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان سب سے زیادہ اور تمام عالم سے اکمل و اقویٰ اور بزرگوار ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ | پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی آئندہ گھڑی گزشتہ گھڑی سے بہتر ہوتی رہے گی۔

عارفین اور حضرات انبیاء کرام کے کمالات ایمانی کو ان کا غیر کسی طرح نہیں پاسکتا۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان مبارک کے کمال کو کوئی پہنچ سکے۔
مَنْزَرَةٌ عَنْ شَرِّئِلَيْهِ فِي مَحَاسِنِهِ | مَنْزَرَةٌ عَنْ شَرِّئِلَيْهِ فِي مَحَاسِنِهِ | مَنْزَرَةٌ عَنْ شَرِّئِلَيْهِ فِي مَحَاسِنِهِ | ترجمہ:- ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خوبیوں میں شریک سے منزور ہیں۔ آپ نے حسن کا جو ہر ہے وہ قابلِ تعظیم نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نفس ایمان میں مساوات ایمان تفصیلی میں مساوات کو مستلزم نہیں ہے۔ نفس ایمان میں گو کمی بیشی منظور نہیں ہے لیکن ایمان تفصیلی میں ہر حال کمی و بیشی لازمی ہے اور یہی سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مسلک ہے اور اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا امام اعظم کے نزدیک عام مومنین کا ایمان عارفین کے ایمان کے من کل الوجوہ مساوی نہیں ہے۔ کیونکہ امام کے نزدیک ایمان تفصیلی بہ اعتبار اپنے تعلق کے ایمان اجمالی سے زیادہ ہے اس لیے کہ ایمان اجمالی امر واحد ہے اور ایمان تفصیلی کا تعلق امور کثیرہ سے ہے اور ظاہر ہے کہ نفس ایمان میں مساوات کمالات ایمان میں مساوات کو مستلزم نہیں ہے شرح فقہ اکبر میں ہے:-

وَرَوَى عَنْ الْجَبْرِ حَنِيفٌ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ قَالَ إِيْمَانِي كإِيْمَانِ جَبْرِئِيلَ وَلَا أَقُولُ مِثْلَ إِيْمَانِ جَبْرِئِيلَ لِأَنَّ الْمَثَلِيَّةَ تَقْتَضِي

اور جناب ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ فرمایا میرا ایمان جبریل کے ایمان کی طرح ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ جبریل کے ایمان کی مثل ہے کیونکہ مثلیت تمام صفات میں ہوتی ہے اور

تشبیہ تمام میں نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے اطلاق کے لیے بعض وجوہ سے مساوات کافی ہے۔ پس عام لوگوں کا ایمان ملائکہ کرام اور انبیاء کرام کے ایمانوں کے من کل الوجوہ مساوی نہیں ہے۔

المساوات فی کل الصفات والتشبیہ لا تقتضیہ بل یکفی لا طلاقہ المساوات فی بعضہ فلا احد یساوی بین ایمان احاد الناس وایمان الملائکۃ والانبیاء علیہم السلام من کل وجہ (شرح فقہ اکبر علی قاری ص ۱۱۳)

(شرح فقہ اکبر)
بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
باب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد

کے بیان میں کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ایمان قول و فعل کو کہتے ہیں اور یہ کم اور زیادہ ہوتا ہے

بُئِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ وَهُوَ قَوْلٌ وَفِعْلٌ يَبْتَغِي وَيَنْقُصُ

تشریح ایمان کی تعریف اور ایمان سے متعلق پوری بحث اوپر گزر چکی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے نزدیک ایمان کی تعریف وہی ہے جو امام شافعی کے نزدیک ہے اور چونکہ ان کے نزدیک اعمال حقیقت ایمان میں داخل ہیں اس لیے امام بخاری ایمان کی کمی بیشی کے قائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھائیں۔

۱- قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِيَزِدْكُمْ إِيْمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ

ہم نے ان کی ہدایت بڑھادی۔

۲- وَزِدْنَاهُمْ هُدًى

جنہوں نے ہدایت پائی اللہ ان کے ایمان کو بڑھاتا ہے جنہوں نے ہدایت پائی اللہ نے ان کے ایمان و تقویٰ میں زیادتی فرمائی۔

۳- وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى

تاکہ ایمان والوں کا ایمان زیادہ ہو جائے۔

۴- وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَاتَّخَذُوا هُدًى

تم میں کس کا ایمان بڑھایا اس صورت نے انہیں کا جو ایمان لائے۔

۵- وَيَزِدْكُمْ إِيْمَانًا

۶- أَيْكُمُ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيْمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ

۷- فَاتَّخَذُوا هَذِهِ إِيْمَانًا

۸- مَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيْمَانًا وَتَسْلِيمًا (بخاری)

ان کو ڈرایا تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا

نہیں بڑھا ان کا مگر ایمان اور تسلیما

تشریح ان آیات میں پہلی آیت سورہ فتح کی ہے اور دوسری سورہ کہف کی۔ تیسری سورہ مریم کی، چوتھی سورہ قتال کی۔ پانچویں سورہ مدثر کی، چھٹی سورہ قہر کی، ساتویں سورہ آل عمران کی اور آٹھویں آیت سورہ مزاب کی ہے۔ یہ آٹھ آیتیں امام بخاری اس امر کے ثبوت میں لائے ہیں کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا۔ جس کا جواب ہم در تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں نفس ایمان کی کمی یا زیادتی کا بیان نہیں ہے بلکہ

ایمان کے ثمرات و علامات کی زیادتی کا بیان ہے۔

۲۔ ان آیات کے بعد امام بخاری علیہ الرحمہ اپنے دعوے کے ثبوت میں آثارِ صحابہ و اقوالِ علمائے مذکور فرماتے ہیں جو

یہ ہیں :-

وَالْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُعْثُ فِي اللَّهِ
مِنْ الْإِيمَانِ (بخاری)

تشریح : اسی مضمون کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے :-

أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُعْثُ
فِي اللَّهِ (بخاری)

اس حدیث میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ مومن کے عمل کی غرض و غایت رضائے الہی ہونی چاہیے اور حُب و

بُعْث کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے بیان فرمایا کہ حُب و بُعْث پر ہی تمام معاملات دینی و دنیوی کا مدار ہے۔ جب یہ

دونوں ہی خدا کے لیے ہوں گے تو پھر انسان سعادت و دارین حاصل کرے گا۔ امام بخاری غالباً اس حدیث کو بھی

ایمان کی کمی و زیادتی پر بطور دلیل لاتے ہیں۔ وجہ استدلال ان کا یہ ہے کہ حُبُّ فِي اللَّهِ اور بُعْثُ فِي اللَّهِ بھی

ایمان میں داخل ہے اور دوستی و دشمنی کم یا زیادہ ہوا کرتی ہے تو کمی و زیادتی ایمان میں نہ ہوتی بلکہ ایمان کی علامتوں

اور اس کے ثمرات میں ہوتی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان

کے لیے فرائض و عبادتِ محدود اور سُنتیں ہیں تو جس نے

ان کو پورا کیا اس نے ایمان کو پورا کیا اور جس نے ان کی

پروانہ کی اس نے ایمان کو پورا نہ کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو

تم سے ان سب امور کو بیان کروں گا کہ تم اس پر عمل کرو اور

اگر میں زندہ نہ رہا تو مجھے تمہاری ہم نشینی کی آرزو نہیں ہے

وَكَلَّمَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى عَدِيِّ

ابْنِ عَدِيٍّ أَنِ الْإِيمَانَ فَرَائِضٌ

وَمُشْرَاعٌ وَحُدُودٌ وَسُنَنٌ فَمَنْ

اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ وَمَنْ لَمْ

يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلْ الْإِيمَانَ فَإِنْ أَعْيَشَ

فَسَأَلِيْنَهَا لَكُمْ حَتَّى تَعْمَلُوا بِهَا وَإِنْ أَمُتَ

فَمَا أَنَا عَلَى صَحْبَتِكُمْ بِحَرِيصٍ

یہاں چند امور قابل ذکر ہیں۔ ۱۔ فرائض سے مراد وہ اعمال جو فرض کئے گئے جیسے نماز، زکوٰۃ و غیرہ،

تشریح : شرائع سے مراد عبادتِ دینیہ، حدود یعنی محرمات اور ممنوعات، سُنتیں یعنی مندوبات و مستحبات ۲۔ امام بخاری

نے عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کو ایمان کے کم و زیادہ ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز تابعی ہیں۔ آپ نے حضرت انس اور عبداللہ بن جعفر وغیرہ

سے ملاقات کی ہے۔ حضرت انس نے عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے اس وقت نماز

پڑھی جب کہ آپ غلیف نہ ہوئے تھے تو اس وقت حضرت انس نے فرمایا تھا عمر بن عبدالعزیز کی نماز حضور اکرم صلی اللہ

عید و مسلم کی نماز کے مشابہ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے اور دو سال کچھ دن آپ کی خلافت ہی آپ نہایت نیک، پرہیزگار عادل خلیفہ تھے۔ دو پر حکمان جو محض میں ہے۔ رجب کے مہینہ میں سلسلہ میں وفات پائی۔ آپ کو پندرہ دین امت میں شمار کیا گیا ہے۔ آپ نے بوقت وفات یہ وصیت کی تھی کہ حضور اکرم علیہ السلام نے مرے مبارک و ناعن مبارک قبر میں ان کے ساتھ رکھے جائیں۔

فائدہ ۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت تک تمام صحابہ وفات پا چکے تھے ۲۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مذکورہ بالا احکام عدی بن عدی کو لکھے جو آپ کی طرف سے موصل میں گورنر تھے ۳۔ عدی بن عدی بھی تابعی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد اور اپنے چچا عمر بن وہب بن عیمرہ سے روایت کی ہے جو دونوں اصحاب تابعی تھے۔ خود عدی سے ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔ لیکن بخاری و مسلم و ترمذی نے ان سے کوئی روایت نہیں کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی، یقین کیوں نہیں۔ مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسرار آئے۔ (بخاری)

اَبَرِ يَطْمِئِنَّ قَلْبِيْ كِي تَفْسِيْرُ (فَتَالَ
مَلِكِيْهِ السَّلَامُ) وَلَكِنْ لِّيَطْمِئِنَّ قَلْبِيْ

۱۔ اس آیت کو امام بخاری ایمان کے کم و بیش ہونے کے ثبوت میں لائے ہیں ۲۔ اس آیت کی مختصر تفسیر یہ ہے کہ سندر کے کنارے ایک آدمی مرا پڑا تھا۔ جو اب بھاٹے میں پانی چڑھتا اترتا ہے۔ جب پانی چڑھتا تو مچھلیاں اس لاش دکھاتیں۔ جب اُتر جاتا تو جھگل کے ورنہ سے نکالتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ ملاحظہ فرمایا تو آپ کو نوح ہوا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ مردے کس طرح زندہ کیے جاتے ہیں گے۔ آپ نے بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ اے رب مجھے یقین ہے کہ نومردوں کو زندہ فرمایا گیا اور ان کے اجزا اور پانی جانوروں اور درندوں کے پیٹ اور پرندوں کے ٹوں سے جمع فرمائے گا لیکن میں یہ عجیب و غریب منظر دیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ جب اللہ مالنے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تو ملک الموت حضرت رب العزت سے اذن لے کر آپ کو بر بشارت فرمائے۔ آپ نے بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور ملک الموت سے فرمایا کہ اس خلعت کی علامت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی یہ کہ اللہ آپ کی دعا قبول فرمائے گا اور آپ کے سوال پر مردے زندہ فرمائے گا تب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا (خازن) — جب آپ نے یہ دعا کی کہ لے رب نومردے کیسے زندہ کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَوَلَمْ نُنْجِ كِي تَحْيِيْ لَيَقِيْنْ نَبِيْسْ؟ مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم غیب و شہادت ہے۔ اس کو حضرت ابراہیم کے ایمان و یقین کا علم ہے باوجود اس کے کہ یہ سوال فرمایا تھا لیکن نہیں، اس لیے ہے کہ سامعین کو سوال کا مقصد حق کی سبلی، کیوں نہیں۔ مگر چاہتا ہوں کہ میرے دل کو طمانیت حاصل ہو جائے۔ حضرت شیخ ابن امام سامہ کہتے ہیں کہ طمانیت کے معنی سکون، قرار اور بھروسہ ہے جس۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سوال ہی ایسا تھا جیسے کوئی بے منورہ اور مکہ معظمہ کے حالات بیان کرنے لگے اور تمہیں مکہ یا مدینہ خود جا کر ان کے حالات کو دیکھنے کا اشتیاق

پیدا ہو جائے تو جس طرح اشتیاق کا مطلب یہ نہیں کہ تمہیں بیان کرنے والے کے بیان میں شک ہے بلکہ اس کا
 یہ ہے کہ تم نے بوری طرح یقین کر لیا ہے۔ اس لیے تو بہت کم خود ان حالات کو دیکھنے کا شوق و اضطراب پیدا ہو گیا۔
 یہ ہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے اندر کام کرنے والے شوق و اضطراب کا حال ہے کہ انہیں شک و خدشہ فطری
 تھا۔ بلکہ یقین کامل تھا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور اسی یقین کے تحت شوق و غماز سوال بن کر ابھرا
 حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لَيْسَ طَمَعٌ خَلِيقِي کے معنی یہ ہیں کہ اس علامت سے میرے دل کو تسکین
 جائے کہ تو نے مجھے اپنا خلیل بنایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ چار پرندے لے کر اپنے ساتھ بلا لیجئے۔ آپ
 مور مرغ، کبوتر، کوا یہ چار پرندے لیے۔ انہیں حکم الہی ذبح کیا۔ ان کے پر اکھاڑے اور قہر کر کے ان کے
 باہم غلط کر دیے اور اس مجموعہ کے کئی حصے کیے۔ ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھا اور ان کے سر اپنے پاس ختم
 رکھے۔ پھر فرمایا چلے آؤ حکم الہی سے۔ یہ فرماتے ہی وہ اجزاء اڑے اور ہر ہر جانور کے اجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر
 ترتیب سے جمع ہوئے اور پرندوں کی شکلیں بن کر اپنے پاؤں سے دوڑتے ہوئے اپنے اپنے سروں سے مل کر اپنے
 پہلے کی طرح مکمل پرند بن کر اڑ گئے اور اس طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کو قرار آیا اور ان کے غم
 ایمان میں زیادتی ہو گئی۔

وَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ سَأَلْتُ مِنْ
 سَاعَةٍ (بخاری)

اور معاذ نے کہا ہمارے ساتھ بیٹھو تاکہ ایک جگہ

۱۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جملہ حضرت اسود بن بلال سے کہے تھے ۲۔ امام بخاری
 حضرت معاذ کے اس قول کو اس امر کے ثبوت میں لائے ہیں کہ ایمان کم و بیش ہوتا ہے۔ تقدیرات
 یہ ہے کہ حضرت معاذ مومن ہی تھے۔ پھر ان کا یہ فرمانا کہ مومن ہوں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ذکر خیر کریں اور اپنا
 بڑھائیں یعنی احکام دین بیان کریں اور ذکر خیر میں مشغول ہوں۔ یہی تو معاذ سَاعَةٍ کا مفہوم ہے۔

تشریح

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کنیت ہے۔ نہایت خوبصورت، جوانمرد اور سخی تھے۔ آپ انصار کے ان ستر اشخاص میں سے ہیں جو بیعت عقبہ
 میں حاضر ہوئے تھے۔ ۸ سال کی عمر میں ایمان لائے۔ غزوہ بدر اور دوسرے تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار آپ کی تعریف فرمائی ہے۔ کبھی آپ نے فرمایا کہ قرآن حکیم چار آدمیوں سے بڑھ
 ابن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے۔ کبھی فرمایا کہ حلال و حرام کے سب سے
 زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ معاذ قیامت کے دن علماء کے آگے بہ مقدار ایک
 بڑے ٹیلے کے آئیں گے۔ اور کبار صحابہ بھی معاذ بن جبل کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ حضرت عمر فاروق
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ عورتیں عاجز ہو گئی ہیں کہ اب معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا پوچھیں۔ اگر معاذ نہ ہیں

برہان کہ جانا۔۔۔ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسرت سے ترفاروق
اللہ تعالیٰ اعز کے کس قدر گہرے مشیر تھے۔

الغرض حضرت معاذ کے مناقب و فضائل بہت ہیں۔ جب حضور علیہ السلام نے ان کو مین کا ماسی بنا کر بھیجا تو
وعداؤں سے سرفراز فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ معاذ بن جبل امام الفقہاء تھے اور قیاس پر عمل کرنے کی انھوں نے ہی
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پہلے اجازت حاصل کی تھی۔ عہد رسالت کے بعد حضرت ابوبکر و حضرت عمر ان سے
انبیاء مملکت اور امور جہاد میں مشورہ اور مدلیتے رہے اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد
شام کی افواج اسلامیہ کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے۔ طاغون عوااس میں حضرت ابو عبیدہ کی وفات کے چند
بعد آپ صلوات اللہ علیہ میں آپ نے جولائی ہی میں ۳۳ سال یا کسی قدر زائد عمر میں وفات پائی۔ آپ سے ۱۵۰
میں مروی ہیں۔ ۲۰ حدیثیں ایسی ہیں جن پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا اور تین ایسی ہیں جن کو صرف بخاری نے ذکر
رایک ایسی ہے جو صرف مسلم نے ذکر کی۔

قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ اَيُّ قَوْمٍ اَلْيَسَانُ | حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ یقین پورا ایمان
ملکہ (بخاری) ہے۔

اس اثر کا دوسرا ترجمہ ہے۔ وَالصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ۔ صبر نصف ایمان ہے۔ اس سے بھی
ہوا کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے۔ یقین اس علم کو کہتے ہیں جس میں شک نہ ہو ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود
نقد را صحابی ہیں۔

مرتب ابن مسعود | کہ میں قدم سے ایمان لائے۔ دونوں ہجرتوں میں شریک ہوئے۔ بدر اور دیگر تمام
لڑائیوں میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ رہے۔ یہ بڑے خوش قسمت صحابی ہیں۔ حضور
سلام کی نعلین برداری کا شرف انہیں کو حاصل ہوا۔ جب حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوتے تو یہ نعلین مبارک
ستین میں رکھ لیتے۔ آپ کا مدینہ شریف میں ۳۲ھ میں انتقال ہوا۔ حضرت عثمان یا حضرت زبیر با حضرت
یا مرسے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی عمر شریف کچھ اوپر ساٹھ برس کی ہوئی۔ آپ سے ۸۴۸ حدیثیں مروی ہیں۔
۶۴ حدیثوں پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا اور ۲۱ حدیثیں ایسی ہیں جن کو صرف بخاری نے اور ۳۵ ایسی
کو صرف مسلم نے ذکر کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن عمر لا یبلغ العبد | اور حضرت ابن عمر نے فرمایا۔ انسان تقویٰ کی حقیقت
ت الشفوی حتی یدع ما حاک | کو تب تک پاسکتا جب تک اس بات سے کنارہ کشی
الصدور (بخاری) نہ کرے جو دل میں کھٹکے

تفویض۔ خشیت الہی کا نام ہے یعنی اللہ سے ڈر کر معاصی کو ترک کرنا۔ حاک یحیٰک اس کے معنی
تاثر کے ہیں جیسے کہتے ہیں صرَبکَ فَمَا حَاکَ فِیْهِ السَّیْفُ۔ اس نے تلوار چیلانی مارتا ہے

ناشر نیکی۔ امام بخاری اس اثر کو بھی اس امر کی دلیل لائے ہیں کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: بندہ حقیقت تقویٰ (ایمان) کو اس وقت تک نہیں پاسکتا جب تک ان امور کو ترک نہ کر دے جو دل میں کھٹکیں یعنی جس کام کے متعلق یہ شبہ ہو جائے کہ شاید خلاف شرع ہو۔ اس کو بھی چھوڑ دے جس سے واضح ہو کہ بعض لوگ حقیقت ایمان کو پالیتے ہیں اور بعض نہیں جانتے ان کا ایمان ناقص ہوتا ہے۔ لہذا ایمان میں کمی بیشی ہونا ثابت ہوا۔

حضرت ابن عمرؓ | حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن الخطاب قرشی عدوی مکی۔ آپ مکہ میں اپنے والد مکرم جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ ایمان لائے۔ جب کہ آپ صغیر السن تھے۔

آپ خندق اور اس کے بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ آپ مسلمانوں کے امام اور مشہور مفتیوں میں سے ہیں اور عبداللہ اربعہ میں اول ہیں۔ آپ سے دو ہزار چھ سو تین حدیثیں مروی ہیں۔ صحاح ستہ میں آپ سے کل ۱۲۳ حدیثیں روایت کی گئی ہیں جن میں سے ۷۰ پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے اور ۸۰ حدیثیں ایسی ہیں جن کو صرف بخاری نے اور ۳۱ ایسی ہیں جن کو صرف مسلم نے ذکر کیا۔ آپ نے موضع فح میں ۳۷ یا ۳۸ھ میں حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے تین ماہ بعد یا ۳۸ھ میں وصال فرمایا اور حجاج نے نماز جنازہ پڑھائی۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ سَرَّحَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوْحًا أَوْ صَيَّنَاكَ يَا مُجَاهِدٌ وَإِيَّاهُ وَنِسَاءَ وَاحِدًا

اور امام مجاہدؒ نے کہا: ”تمہارے لیے وہی دین ہے جس کی وصیت کی تھی۔ حضرت نوحؑ کو“، کی تفسیر میں فرمایا یعنی حکم دیا ہم نے تم کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نوحؑ کو ایک ہی دین کا۔ (بخاری)

اس آیت اور اس کی تفسیر سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ جس دین کا حکم اللہ عزوجل نے حضرت نوحؑ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو دیا۔ اسی دین کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔

امام مجاہدؒ | یہ فقہ تفسیر اور حدیث میں امام مانے گئے ہیں۔ ان کے والد کا نام جبر تھا۔ یہ عبداللہ بن سائب مخزومی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ امام مجاہد حضرت ابن عباسؓ و ابن عمرؓ و ابوہریرہؓ و جابرؓ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم جلیل القدر صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ حضرت ابن عباسؓ پر قرآن پیش کیا ہے۔ آپ کی عمر ۸۳ سال کی ہوئی۔ آپ نے مکہ میں بحالت سجدہ ۳۷ یا ۳۸ھ یا ۳۸ھ میں وفات پائی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سَرَّحْتَ وَ مَهَّجَا سَبِيلًا وَ مَسْنَةً

اور حضرت ابن عباسؓ نے آیہ مبارکہ شریعت و منهاجا کی تفسیر سبیل اور مسنت سے کی۔ (بخاری)

۱۔ یعنی آیہ مبارکہ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَ مَهَّجَا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کا راستہ ۲۔ طریقہ بنایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے شریعت کی تفسیر لفظ سبیل سے کی۔ جس کے معنی راستہ کے ہیں اور منهاج کی تفسیر لفظ سنت سے کہ جس کے معنی طریقہ کے ہیں ۲۔ یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے

کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے اور دوسری آیت یعنی لَحُلَّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ مِشْرَعًا وَمِنْهَا جَاءَ سَبِيلُہِ ثابت ہے کہ ہر نبی کا دین علیحدہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں اس امر کا بیان ہے کہ اصول دین میں تمام انبیاء متحد ہیں اور دوسری آیت میں فروغ دین میں اختلاف کا بیان ہے۔ لہذا دونوں آیتوں میں تناقض نہیں۔ ۳۔ ان دونوں آیتوں کا باب سے کیا تعلق ہے۔ شارحین نے اُس کی مناسبت کے بیان سے سکوت کیا ہے۔ وَدُعَاءُكُمْ اِيْمَانُكُمْ (بخاری) | ”دُعَاءُ“ کے معنی ”ایمان“ کے ہیں۔

یعنی حضرت ابن عباس نے دعاء کے معنی ایمان کے کہے ہیں۔ امام بخاری اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دعائیں کی وزیادت ہوتی ہے لہذا ایمان میں ہوگی۔ پوری آیت یہ ہے :-

فَلَّ مَا يَوْعَاءُ بِكُمْ رَجِي كَو لَا | تم فرمادو تم کچھ قدر نہیں میرے رب کے ہاں اگر تم
دُعَاءُكُمْ | اسے نہ پوچھو (توجہ رضویہ)

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اہل مکہ کو کہلوا گیا تھا کہ جب تک اللہ عزوجل کی پرستش نہ کرو اس وقت تک اس کی جناب میں تمہاری کوئی قدر نہیں۔

واضح ہو کہ لفظ دعاء کے متعدد معنی ہیں اور یہ لفظ قرآن پاک میں بھی متعدد معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً پکارنا، دُعا کرنا، دُعَا مَنَّا، بُلَانَا، پرجنا، بتایا کر زور کرنا وغیرہ۔ لہذا ہر جگہ کی مناسبت کے لحاظ سے اس لفظ کے معنی کیے جائیں گے۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت میں دُعَا کے معنی ایمان کے کیے ہیں تو اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب تک تم ایمان نہ آؤ اس وقت تک خدا کے ہاں تمہاری کوئی قدر نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے۔ گواہی دینا اس بات کی کہ خدا کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے
حَدِثُ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ

تشریح الفاظ حدیث
بُنی - بنی یعنی سے ہے اس کے معنی بنیاد کے ہیں۔ لفظاً صَلَاةٌ سولہ لفظوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اصل لغت میں اس کے معنی سرین لانے کے ہیں اور شریعت میں ارکان خصوصہ کے یعنی نماز پڑھنا زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی و طہارت کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ شَرَكَكَ اس کے معنی نشوونما کے بھی آتے ہیں جیسے کہتے ہیں۔ وَكَانَ الذَّرْعُ یعنی کھیتی برہنہ شاداب ہوگئی اور شریعت میں زکوٰۃ کا مفہوم یہ ہے کہ سال گزر جانے پر صرف خدا کے لیے شائع کی مقرر کردہ مدوں

اور مقدار میں اپنے مال کا ایک حصہ دینا۔ حج لغت میں قصد کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں حج کا مفہوم یہ ہے کہ مخصوص مکان کی طرف مخصوص ایام میں شارع کے مقرر کردہ نظام کے مطابق قصد کرنا۔ صوم کے معنی لغت میں رکنے کے ہیں خواہ کسی بھی چیز سے رک جائے اور شریعت میں صوم کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان کا بہ نیت عبادت صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے آپ کو قصد اُکھانے پینے اور جماع سے باز رکھنا۔ روزہ اور زکوٰۃ سہ میں فرض ہوتے۔

مسائل حدیث

۱۔ اللہ عز وجل کی طرف سے اسلام کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا۔ اس میں توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بیت اللہ کو ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے۔ نماز فرض ہے اور اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ جو قصد اچھوڑے اگرچہ ایک ہی وقت کی ہو وہ خاص ہے اور جو نماز نہ پڑھتا ہو اسے قید کیا جائے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے اور نماز پڑھنے لگے۔ ائمہ ثلاثہ مالک وشافعی و احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سلطان اسلام کو اس کے قتل کا حکم ہے۔ واضح ہو کہ ائمہ ثلاثہ تارک صلوٰۃ کے لینے قتل کا جو حکم دیتے ہیں توبہ بطور تعزیر ہے۔ اس لیے نہیں ہے کہ ان کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر ہے۔ بچہ کی جب سات برس کی عمر ہو۔ تو اس کو نماز پڑھنا سکھایا جائے اور جب دس برس کا ہو جائے تو مار کر پٹھانا چاہئے (زندی) زکوٰۃ بھی فرض ہے اس کا منکر کافر ہے اور نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مستحق ہے اور ادا میں تاخیر کرنے والا گنہگار مردود الشہادۃ ہے۔ روزہ بھی فرض عین ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔ بلا عذر شرعی روزہ رکھنے والا سخت گنہگار ہے اور عام طور پر کھلے بندوں روزے کا احترام نہ کرنے والا مستحق تعزیر ہے۔ حج سہ میں فرض ہوا اس کی فرضیت بھی قطعی ہے اس کا منکر بھی کافر ہے۔ عمر بھر میں حج صرف ایک بار فرض ہے۔

۲۔ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز روزہ، حج، زکوٰۃ میں سے کسی کا بھی تارک مسلم نہیں ہے۔ لیکن اجماع اس پر مستغفد ہو چکا ہے کہ ان میں سے کسی چیز کا محض تارک کافر نہیں ہوتا جب تک ان کی فرضیت کا انکار نہ کر دے۔ چنانچہ وہ حدیث جس کا مضمون یہ ہے کہ جس نے قصد نماز ترک کی وہ کافر ہے۔ یہ دو عید زجر و توبیخ پر محمول ہے یا اس سے مراد کفران نعمت ہے یا یہ حدیث ہٹائی ہے یعنی معنی حدیث یہ ہے کہ جو شخص ان کے ترک کو حلال جانے وہ کافر ہے۔ (یعنی جلد ۱۴۲) ۳۔ ارکان اسلام کے پانچ امور میں بندہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عبادت یا قولی ہوگی توبہ شہادت ہے۔ یعنی توحید و رسالت پر ایمان لانا یا غیر قولی ہوگی۔ اس کی دو صورتیں ہیں ترکی ہوگی توبہ روزہ ہے۔ فعلی ہوگی توبہ اس کی دو صورتیں ہیں۔ بدنی ہوگی توبہ نماز ہے یا مالی ہوگی تو زکوٰۃ ہے یا مالی اور بدنی دونوں سے مرکب ہوگی توبہ حج ہے ۴۔ ان ارکان اسلام میں رکن اصلی صرف ایمان ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا دار و مدار بھی ایمان پر ہے اور یہاں نماز روزہ کو رکن اصلی کے ساتھ صرف اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ یہ اعظم شتا تر اسلام ہیں ۵۔ اس حدیث میں ایمان بالانبیاء، کتب سماویہ و ملائکہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادۃ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے لاتے اس کی تصدیق کرنا تو اس میں تمام عقائد اسلامیہ آگئے۔ گویا اس حدیث میں عقائد اسلامیہ کی تفصیل نہیں ہے اور دوسری حدیثوں میں عقائد اسلامیہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

نوٹ :- اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب التفسیر میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے کتاب الایمان میں اور یہ حدیث رباعیات بخاری سے ہے۔

بَابُ أُمُورِ الْإِيمَانِ

یہ باب امور ایمان کے بیان میں

ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لو۔ نیکی تو یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ (آخر آیت متقون تک پڑھیے) اور اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ مومن فلاح یافتہ ہیں (آخر آیت تک پڑھیے) (ترجمہ بلغظہ ہے)

وَقَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَوَلَّوْا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ الْإِلَهِ قَرْلَهُ الْمُتَّقُونَ وَقَوْلُهُ تَعَالَى قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (بخاری)

۱۔ واضح ہو کہ مرجع اس امر کے قائل ہیں کہ ایمان تو صرف قول کا نام ہے۔ عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد چاہے انسان کتنے ہی گناہ کر لے اس سے کسی قسم کا مواخذہ نہ ہوگا۔ چونکہ مرجع کا یہ نظریہ کتاب وسنت کے خلاف ہے اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اس لیے امام بخاری نے ان ابواب کو قائم کر کے ان کی تردید فرمائی ہے اور کتاب وسنت کی نصوص سے یہ واضح کیا ہے کہ نجات کے لیے ایمان کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے اور یہ کہ کتاب وسنت سے بھی ایمان کے کاموں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے ۲۔ امام بخاری نے اس باب میں دو آیتیں ذکر کی ہیں۔ پہلی آیت کا مکمل ترجمہ یہ ہے۔ ”کچھ اصلی نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو۔ ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے۔ رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور مسالوں کو اور غلام آزاد کرانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر کرنے والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت۔ یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں“ (بقرہ پٹ) یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی۔ کیونکہ نصاریٰ نے بیت المقدس کے مشرق کو اور یہود نے اس کے مغرب کو قبلہ بنا رکھا تھا اور ہر فریق کا گمان تھا کہ صرف اس کی طرف منہ کرنا ہی کافی ہے۔ اس آیت میں اس کا رد فرمایا گیا کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو گیا (مدارک) مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ خطاب اہل کتاب اور مومنین سب کو عام ہے اور معنی آیت یہ ہیں کہ ”صرف قبلہ کی طرف منہ کر لینا اصل نیکی نہیں۔ جب تک عقائد درست نہ ہوں اور دل اخلاص کے ساتھ رب قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ دوسری آیت کا مکمل ترجمہ یہ ہے۔ ”بے شک ایمان والے مرد کو کچھ جو اپنی نمازیں گرا گڑا تے ہیں اور وہ جو کسی یہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ جو زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم حجابوں کی حفاظت کرتے ہیں (المؤمنون پٹا رکوع ۱)

ان آیتوں میں اہل ایمان کے ضروری اوصاف معلوم ہوئے۔ نمازیں خشوع و خضوع بے کار باتوں سے احتراز

زکوٰۃ وغیرات دینا، عفت، پاک دامنی، امانت، ایفائے عہد، نمازوں کی پابندی۔ یہ گویا ایمان کے ثمرات و نتائج ہیں واضح ہو کہ قرآن پاک سے بھی ایمان کے اثرات و نتائج کی تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً فرمایا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۖ
معلوم ہوا کہ محبت الہی ایمان کی بہت بڑی علامت ہے۔ اسی طرح سورہ نور کو ح ۷ میں فرمایا۔
ایمان والوں کا حال یہ ہے کہ جب ان کو فیصلہ کرنے کے لیے اللہ اور رسول کی طرف بلایا جائے تو کہیں۔ ہم نے
سنا اور پہنے مانا۔ (سورہ نور کو ح ۷)

اس سے ظاہر ہوا کہ ایمان کا ایک نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلے کے سامنے سر جھکانا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (سورہ حجرات ح ۱۰) | ایمان والے تو آپس میں بھائی ہیں۔
اس سے نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں میں باہمی محبت و شفقت کا ہونا بھی ایمان کی نشانی ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔
وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (سورہ آل عمران کو ح ۱۷)
خدا تمہارے پر چاہئے کہ ایمان والے بھروسہ کریں۔

معلوم ہوا کہ خدا پر بھروسہ اور توکل ایمان والوں کی نشانی ہے۔ اس قسم کی بہت سی آیات مل جاتی ہیں۔ جن میں ایمان کے نتائج و ثمرات کا ذکر ہے۔ تو جیسے قرآن پاک نے ایمان کے نتائج و ثمرات اور ایمانداروں کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم کے شارح حضور سید عالم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایمان کے نتائج و علامات کو بیان فرمایا ہے۔ جن کی تفصیل ابھی آپ کے سامنے آ رہی ہے۔

حدیث ۷۷ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيْمَانٌ
بِضَعٍّ وَتِسْعُونَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ
مِنْ الْإِيْمَانِ (بخاری)
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان کے کچھ اوپر ساٹھ
شعبے ہیں اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اس حدیث کو مسلم و نسائی نے کتاب الایمان میں اور ابوداؤد و ابن ماجہ نے سنن میں ذکر کیا ہے۔

فوائد و مسائل | بضع کے لفظ کا استعمال تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے۔ شعبۂ ۹ ش کے زیر زبر اور

بیش تینوں طرح پڑھا جائز ہے۔ اس کے معنی ٹکڑے کے ہیں۔ شعب درخت کی
کھنڈیوں اور ٹہری کہ بھی کہتے ہیں۔ یہاں اس کے معنی خصلت کے ہیں۔ یعنی ایمان کی متعدد علامتیں اور خصلتیں ہیں ۲۔ یہ
ظاہر ہے کہ ایمان اصل ہے اور اعمال اس کی فرع ہیں اور اس حدیث میں فرع پر ایمان کا اطلاق بطور مجاز کیا گیا ہے
کیونکہ اعمال صالحہ ایمان کی علامتیں ہیں۔ بعض احادیث میں بضع و سبعون کا لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی ایمان کی کچھ اوپر

ستر شاخیں ہیں۔ لیکن اس تعداد سے مراد حصر نہیں ہے کہ ایمان کی صرف اتنی ہی شاخیں ہیں بلکہ مراد تکثیر ہے یعنی ایمان کی کثرت سے شاخیں اور خصلتیں ہیں ۳۔ حیار انسان کی ایک فطری صفت ہے اور اس سے وہ حیار مراد ہے جو انسان کو بُرائیوں سے روکے۔ چنانچہ ترمذی کی حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے پوری حیار کرنے کا مطلب یہ ہے :-

مَادَعَا وَتَذَكَّرَ الْمَوْتَ وَالْبَلَىٰ | مَرُوخًا بِهَاشَاتٍ وَبِطَيْتٍ | اور اس کے اندر جو ہے اس کی حفاظت کر اور بلا و مصیبت کو یاد رکھ

ایمان کے اثرات و ثمرات | علماء کی ایک جماعت نے ایمان کے کچھ اوپر ستر ثمرات و اثرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثلاً شیخ عبد الجلیل نے اپنی تصنیف ”شعب الایمان“ میں۔ اسحاق

بن قرطبی نے ”کتاب النصائح“ میں۔ امام ابو حاتم نے اپنی کتاب ”وصف الایمان“ میں امام ابو عبد اللہ حبیبی نے اپنی کتاب ”فوائد المنہاج“ میں اور امام حافظ بیہقی نے مختصر شعب الایمان میں مختلف حدیثوں سے ایمان کے ان ستر اثرات کو ایک ایک کر کے گنایا ہے۔ علامہ عینی نے اختصار کے ساتھ اثرات ایمان کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے ایمان تصدیق قلبی و اقرارسانی کا نام ہے مگر نجات کامل کے لیے تصدیق، اقرار اور عملِ صالح کی ضرورت ہے۔ یہ تین میں سے جو ہیں۔

اول :- اعتقادات - اس کے تین شعبے ہیں ۱۔ ایمان باللہ - اس میں توحید اور خدا کی ذات و صفات بھی شامل ہیں ۲۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے سوا کچھ ہے حادث ہے ۳۔ فرشتوں پر ایمان ۴۔ رسولوں پر ایمان ۵۔ کتبِ سماویہ پر ایمان ۶۔ ملائکہ پر ایمان ۷۔ تقدیر پر ایمان ۸۔ یومِ آخرت پر ایمان - اس میں سوالِ قبر۔ عذابِ قبر۔ بعث و نشور، حساب - میزان و پل صراط پر ایمان لانا بھی داخل ہے ۹۔ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت یا نار کا وعدہ فرمایا ہے اس پر ایمان لانا اور وعیدِ نار پر ایمان لانا ۱۰۔ اللہ سے محبت کرنا ۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت کرنا اور عداوت رکھنا - اس میں صحابہ کرام، مہاجرین و انصار اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی داخل ہے ۲۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ۱۰۔ اس میں نماز اور اتباعِ سنتِ نبوی داخل ہے ۱۳۔ اخلاص اس میں ریاہ اور تفتق کا ترک بھی شامل ہے ۱۲۔ توبہ ۱۵۔ خوفِ الہی ۱۶۔ خدا سے اُمید ۱۷۔ خدا سے کسی حال میں ناامید نہ ہونا ۱۸۔ شکر ۱۹۔ وفا ۲۰۔ صبر ۲۱۔ تواضع ۲۲۔ بڑوں کا ادب کرنا ۲۳۔ تقدیر پر راضی ہونا ۲۴۔ توکل ۲۵۔ رحمت و شفقت ۱۰۔ اس میں چھوٹوں پر رحم کرنا بھی شامل ہے ۲۶۔ غضب کا ترک کرنا ۲۷۔ جوگانی سے بچنا ۲۸۔ عجب و تفاخر سے پرہیز کرنا ۲۹۔ ترکِ الخمر ۳۰۔ حُبِ دنیا کا ترک - اس میں حُبِ مال اور جاہ شامل ہے۔ دوسرے وہ جن کا تعلق زبان سے ہے اس کے چھ شعبے ہیں ۱۔ زبان سے توبہ کا اقرار کرنا ۲۔ قرآن پاک کی تلاوت ۳۔ علم دین کی تعلیم دینا ۴۔ دُعا ۵۔ ذکرِ الہی میں استغفار بھی شامل ہے ۶۔ لغو سے پرہیز کرنا مسوہر - بدن کے اعمال - اس کے چالیس شعبے ہیں اور پھر ان کی تین نوبتیں ہیں اول - وہ جن کا عیان سے تعلق ہے اس کے ۱۶ شعبے ہیں ۱۔ پاک، اس میں بدن کپڑا، مکان کی طہارت، وضو، غسل جنابت و نجس میں

شامل ہے ۲۔ اقامۃ الصلوٰۃ۔ اس میں فرض، نفل اور قضا داخل ہے ۳۔ صدقہ، اس میں ادا کے زکوٰۃ، صدقہ فطر، جو دو کرم، کھانا کھلانا اور مکان کی تکریم بھی شامل ہے ۴۔ صوم، اس میں فرضی، نفلی روزے داخل ہیں ۵۔ حج، اس میں عمرہ بھی داخل ہے ۶۔ اعتکاف، اس میں لیلۃ القدر کا قیام بھی داخل ہے ۷۔ دینی و دیر سے ہجرت کرنا ۸۔ نذر کو پوری کرنا ۹۔ غلاموں کو آزادی دلانا ۱۰۔ کفارہ کراہ کرنا ۱۱۔ نماز اور خارج نمازیں ستر عورت ۱۲۔ قربانی کرنا ۱۳۔ انقیام بامر الجائز ۱۴۔ قرض ادا کرنا ۱۵۔ معاملات میں سچائی کو اختیار کرنا اور سؤ سے بچنا ۱۶۔ حق کی شہادت دینا اور اس کو نہ چھپانا۔

دوہر۔ وَمَا يَخْتَصُّ بِأَكْثَرِ النَّاسِ۔ اس کے چھ شیعے ہیں ۱۔ نکاح کے بعد زنا سے بچنا ۲۔ اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا۔ اس میں خادموں کے ساتھ نرمی بھی شامل ہے ۳۔ والدین سے نیک سلوک کرنا ۴۔ اولاد کی تربیت کا خیال کرنا ۵۔ صلہ رحمی کو اختیار کرنا ۶۔ اپنے آقا کی اطاعت کرنا۔

سور۔ وہ جن کا تعلق عام لوگوں سے ہے۔ اس کے اٹھارہ شیعے ہیں ۱۔ حاکم ہونے کی صورت میں عدل و انصاف کرنا ۲۔ سوادِ اعظم کے ساتھ رہنا ۳۔ نیک و صالح حاکموں کی اطاعت کرنا ۴۔ اصلاح بین الناس۔ اس میں قتال، خراج و بناوت داخل ہے ۵۔ نیکی پر تعاون ۶۔ اچھی باتوں کا حکم کرنا بُرائی سے روکنا ۷۔ حد و کو قیام رکھنا ۸۔ رادِ قد میں بہادر کرنا ۹۔ امانت کو ادا کرنا ۱۰۔ قرض وعدہ پورا کرنا ۱۱۔ ہمسایہ کی عزت کرنا ۱۲۔ معاملہ کی صفائی ۱۳۔ اصراف و تبذیر سے بچنا ۱۴۔ سلام کا جواب دینا ۱۵۔ چھینک کا جواب دینا ۱۶۔ رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لینا ۱۷۔ اہو و لعب سے پرہیز کرنا ۱۸۔ راستہ سے ایذا دینے والی چیز کو ہٹانا۔ یہ ۱۷ شیعے ہیں جو ایمان کے اثرات و نتائج ہیں (یعنی جلد ۱ ص ۱۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ | اس حدیث کے راویوں میں حضرت ابو ہریرہ بہت اہم ہیں۔ آپ ازدی، دوسی، یمنی اور پھر مدنی ہیں۔ آپ کا اصل نام

عبد اللہ یا عبد الرحمن بن صخر الدوسی ہے۔ بعض نے کہا۔ ایام جاہلیت میں ان کا نام عبد شمس تھا۔ اسلام لانے کے بعد عبد الرحمن رکھا گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ان کے اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے اور اس میں تیس قول ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام میمرہ یا امیہ ہے۔ آپ کی والدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے مشرف بہ اسلام ہوئیں آپ کو بلبلوں سے بہت محبت تھی۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آستین میں بٹی کو دیکھا تو فرمایا۔ ابابہریرہ (بلبلوں کے باپ) حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد آپ ابو ہریرہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ممکن ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کے ارشاد ہی کا اثر ہو کہ لوگ ان کا اصل نام ہی قبول کئے۔ حتیٰ کہ ان کے والد کے نام میں بھی اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے بہت زیادہ روایتیں آئی ہیں۔ آپ نے حضور علیہ السلام سے عرض کی تھی کہ مجھے حدیثیں بتھوئی جاتی ہیں جس پر حضور علیہ السلام نے ان کی بھولی میں کچھ ڈال دیا اور فرمایا سمیٹ لو۔ بس اس وقت سے آپ جو حدیث سنتے یاد رہتی تھی۔ آپ قبیلہ ادس سے تعلق رکھتے تھے۔ مکہ میں مغزوۃ خیبر کے بعد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کر کے آئے اور آدھان حضور علیہ السلام کی صحبت میں رہے اور آپ سے بکثرت حدیثیں روایت کیں۔ صحاح ستہ میں ان کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چہتر ہے۔ تین سو پچیس کی تخریج پر بخاری و مسلم متفق ہیں۔ تین سو نوے کی تخریج امام بخاری اور ایک سو نوے کی تخریج پر امام مسلم منفرد ہیں اور ان سے آٹھ سو تالیفیں نے روایات حدیثیں اور بیان کیں۔ سب سے زیادہ سعید ابن المسیب ان کے داماد اور ان کے مولیٰ اعجاز نے اور عبد بنہ کے کبار تابعین نے ان سے بکثرت حدیثیں لیں۔

آپ بڑے جلیل القدر، عبادت گزار اور متواضع و خاکسار تھے اور صحابہ میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث تھے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ تم ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور تم ہم سب سے زیادہ آپ کی حدیثوں کا علم رکھتے ہو۔

ابن سعید کا بیان ہے کہ روزانہ بارہ ہزار نقل پڑھتے تھے واندی کے قول کے مطابق ۷۸ سال کی عمر میں انتقال کیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے (یعنی جلد ۱ ص ۱۲۶)

بابُ الْمُسْلِمِ مَنِ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ

حدیث نمبر ۹۔ باب مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان

مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنِ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ

اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الرقاق میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم و نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ۲۔ ہجر کے لغوی معنی چھوڑنے کے ہیں۔ اسی لیے جو شخص اپنے اہل خیال و دین سے جدا ہو جائے اس کو مہاجر کہنے لگے۔ ہجرت شرعی کے متعلق تفصیلی گفتگو گزارشہ اوراق میں ہو چکی ہے۔

حدیث زہرہ بخت میں مسلمان کی دو علامتوں کا بیان ہے۔ اول اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو ایذا نہ پہنچے اگرچہ ایذا ہاتھ کے بغیر بھی پہنچائی جاسکتی ہے۔ مگر چونکہ افعال کا صدور زیادہ تر ہاتھ ہی سے ہوتا ہے۔ اس لیے ہاتھ کا خصوصیت سے ذکر فرمایا اور زبان کو ہاتھ سے پہلے اس لیے ذکر کیا کہ زبان کے ذریعے ایذا پہنچانا عامۃ الفروع ہے اور زیادہ آسان ہے۔ اس کے علاوہ زبان سے جو ایذا پہنچائی جاتی ہے۔ وہ زیادہ اشد اور خلیفہ ہوتی ہے اور یہ بھی کہ زبان سے حاضر و غائب، فریب و بعید سب کو ایذا پہنچائی جاسکتی ہے۔ برخلاف ہاتھ کے کہ وہ موجودین کے ساتھ خاص ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد پوری ملت کے لیے امن و چین کا ضامن ہے۔ اس پر اگر عمل کیا جائے تو پھر کسی پولیس و عدالت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ افسوس اگر ہم اپنے موجودہ حالات اور اپنے

گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو ایسا معلوم ہوگا کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی زبان یا ہاتھ سے محفوظ نہیں ہے (الامان اللہ) خود غرضی، ملج، دھوکا فریب، خیانت، ظلم و حسد ہمارے معاشرہ کی جڑی بڑی خرابیاں ہیں۔ جو حدیث زیر بحث پر عمل کرنے سے دور ہو سکتی ہیں۔ جب ایک مسلمان اپنا یہ دستور بنالے گا کہ بحیثیت مسلمان میرا فرض یہ ہے کہ دوسرے مسلمان کو میری کسی حرکت سے نقصان نہ پہنچے تو پھر معاشرہ امن و عافیت کا گمراہ بن جائیگا۔ ————— حدیث زیر بحث کا دوسرا کڑا ہمیں سماج کی صحیح تشریف، بتاتا ہے کہ صحیح معنوں میں مجاہد وہ ہے جو ان تمام باتوں سے باز آجائے۔ جن کی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔ خدادان میں کتنی ہی کشش کیوں نہ ہو غرض کہ پوری حدیث پر عمل کرنے سے ایک تو انسان کی اپنی روح کی صفائی ہوتی ہے۔ دوسرے معاشرہ میں امن و سکون قائم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے۔

۳۔ علمائے اس حدیث کو جامع الکلم میں شمار کیا ہے اور واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات طیبہ مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع و مانع ہیں۔ ————— فرمایا مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہے۔ اس جملہ میں تمام حقوق العبد آگے خدادان کا تعلق دوست و احباب سے ہو یا غریب و اقارب سے سب ہی کے حقوق پورا کرنے کی ہدایت۔ اس مختصر جملہ سے ملتی ہے جس کو اگر پھیلایا جائے تو سینکڑوں صفحات بھر جائیں۔ اسی طرح یہ ارشاد کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ باتوں کو چھوڑ دے۔ حقوق اللہ کی تمام صورتوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

بَابُ آتَى الْإِسْلَامَ أَفْضَلُ

حدیث نمبر ۱۰

باب کون سا مسلمان افضل ہے۔ حضرت

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا مسلمان افضل ہے۔ فرمایا۔ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ
آتَى الْإِسْلَامَ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ
سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ
وَيَدِهِ -

قوائد و مسائل حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے آپ کو زبید، عدن اور ساحل، بین کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ کو کوذ و بصرہ کا حاکم مقرر کیا۔ آپ علماء صحابہ سے ہیں۔ مفتی بھی ہیں۔ ابو موسیٰ نامی چار صحابہ ہوئے ہیں۔ ابو موسیٰ انصاری، ابو موسیٰ نافی، ابو موسیٰ عکی اور جو تھے یہ بھی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ آپ سے کل ۳۶۰ حدیثیں روایت ہیں۔ جن سے بخاری و مسلم نے ۵۰ پر اتفاق کیا اور ۱۵ حدیثوں کو مسلم نے منفرداً روایت کیا۔ آپ سے حضرت انس بن مالک و طارق بن شہاب تابعین کی کثیر تعداد اور آپ کے بیٹوں ابو بردہ، ابوبکر، ابراہیم و موسیٰ نے حدیثیں روایت کیں۔ مکہ یا کوذ میں آپ کا انتقال ہوا ۲۔ اس حدیث کو مسلم و نسائی نے کتاب الایمان میں اور ترمذی نے کتاب الزہد میں درج کیا ہے۔ مسلم تشریف میں اسی مضمون کی جس دوسری روایت میں اسی الاسلاہ کی بجائے اسی المسلمین افضل آیا ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمانوں میں وہ مسلمان افضل ہے

جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہے ۲۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کی زبان یا ہاتھ سے مسلمان کو ایذا پہنچے وہ مسلمان ہی نہیں ہے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ کامل مسلمان یا افضل مسلمان وہی ہے کہ جس میں یہ صفت پائی جائے۔

باب اطعام الطعام من الاسلام

باب کھانا کھلانا اسلام کی خصلت ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ الْأَسْلَمُ خَبِيرٌ قَالَ نَطْعِمُ الطَّعَامَ وَنَقْرِي السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتُمْ وَمَنْ لَمْ نَعْرِفْ

حضرت عبد اللہ بن عمر سے ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ اسلام کی کونسی خصلت بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کھانا کھلانا اور سلام کرنا ان کو جس کو تو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔

قوائد مسائل

۱۔ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الایمان اور باب اسلام للمعرفۃ میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نسائی نے کتاب الایمان میں اور ابوداؤد نے کتاب الادب میں اور ابن ماجہ نے کتاب الاطعمہ میں ذکر کیا۔ ۲۔ اسلام کی کونسی خصلت بہتر ہے۔ یہ سوال غالباً حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں دو باتوں کو اسلام کی بہترین خصلت قرار دیا۔ کھانا کھلانا اور سلام کرنا مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف دو ہی بہترین خصلتیں ہیں بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ اسلام کی بہترین خصلتوں میں سے یہ دو بھی ہیں۔ کھانا کھلانے کی اہمیت و افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ خصوصاً عزیز و نادار کو کھانا کھلانا ایک ایسا عمل ہے جو اللہ عز و جل کو بہت ہی محبوب ہے۔ کتاب مجید میں یتیموں، مسکینوں، غریبوں کے لیے عموماً حکم دیا کرتے ہیں مختلف و موثر انداز میں ترغیب دی گئی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستی اور پُر غلوصل تعلقات کے فروغ کے لیے کثیر آداب و مراسم کی ترغیب دی ہے۔ ان میں ایک سلام بھی ہے۔ کتاب مجید میں فرمایا:۔

إِذَا حَيَّيْتُمْ بِسَلَامَةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا

جب تمہیں کوئی سلام کرے تو اس سے بہتر انداز میں جواب دو۔

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا

اگرچہ دیگر اقوام میں بھی یہ طریقہ رائج ہے کہ جب دو شخص ملنے میں یا ایک دوسرے کے گھر جاتے ہیں تو کسی اور گفتگو سے قبل کوئی لفظ یا فقرہ ایسا کہتے ہیں جو دوستی اور تسکین کو پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً انگریزوں میں وقت کے تقابل سے ”گڈ مائننگ“ اور ”گڈ نائٹ“ وغیرہ رائج ہیں اور متوجہ کرنے کے لیے ”بل“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور اہل ہندو میں رام رام یا اسی طرح کے اور الفاظ رائج ہیں۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کہ ان میں وہ وسعت اور عمومیت نہیں ہے جو اسلام کے سلام میں پائی جاتی ہے۔ ”گڈ مائننگ“ کا مطلب روز بخیر ہے مگر یہ جملہ کہنے والا دُعا دے رہا ہے کہ آپ کا دن خیریت سے گزرے۔ اسی طرح دوسرے الفاظ بھی وقت کے ساتھ مفید

ہیں۔ لیکن نسطہ اسلام کے مفہوم میں ہر طرح کی خیر و برکت، مسرت و راحت داخل ہے۔ اس میں نہ وقت کی قید ہے نہ زمانے کی۔ اسلام علیکم کہہ کر گویا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حق میں بطور دُعا بہترین جذبات و خواہشات کا اظہار کرتا ہے۔ اور "سلامتی ہو تم پر" کے ذیل میں دین و دنیا کی تمام راحتیں اور برکتیں آجاتی ہیں۔ غرض کہ اسلام کے سلام میں جو وسعت و عمومیت ہے۔ وہ دنیا کے کسی ضابطہ، تہذیب و نظام، تمدن کے مترکذہ الفاظ میں نہیں ہے۔

"سلام کا وسیع پس منظر" ۱۔ پھر جہاں سلام یا بھی ربط و ضبط بڑھانے کا مفید ذریعہ ہے۔ وہاں ایک وسیع ذہنی پس منظر اور بنیادی فکر کا اعلانیہ اور آئینہ بھی ہے۔ اسلام اپنے

ماننے والوں کو تعلیم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَحَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ (ابوداؤد)

تم میں سے کوئی جب اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو چاہے کہ سلام کرے۔

ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت دراصل اس امر کی طرف توجہ دلا رہی ہے کہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں مسلمان بھی خواہی تعاون اور محبت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے بھائی ہوں۔ جس طرح ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے غم سے غم اور خوشی سے خوشی ہونا خون کے رشتہ کی وجہ سے فطری امر ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی تکلیف سے تکلیف، راحت سے راحت محسوس ہونا اسلام کے تعلق سے لازمی امر ہے۔ دو مسلمانوں میں خواہ ظاہری و مادی طور پر کوئی تعلق نہ ہو صرف اسلام کا مقدس رشتہ ہی انہیں ایک دوسرے کا دوست مونس و غمگسار، ہمدرد و مشیر بنانے کے لیے کافی ہو۔ لہذا اس شان کے معاشرے والے ایک دوسرے کے قریب سے بالکل خاموش گزر جائیں تو یہ نہایت ہی غیر مناسب روش ہوگی۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ گویا "سلام" اس رشتہ کا آئینہ دار ہے کہ ایک مسلم کو دوسرے مسلم سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر اسلام میں اس کی وسعت و عمومیت کا یہ عالم ہے کہ حدیث زیر بحث میں فرمایا۔

۲۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُ الْمَسْلَمَةَ عَلَى مَنْ عَرَفْتُ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ

جس سے تم واقف ہو اسے بھی سلام کرو اور جس سے تمہاری شناسائی نہیں ہے اسے بھی۔

یعنی سلام کرنے کے لیے پہلے سے شناسائی اور مادی و رسمی تعارف شرط نہیں ہے۔ صرف اسلامی رشتہ کافی ہے کیونکہ "سلام" اسلام کے تعلق سے بڑھ کر کسی اور تعلق کو نہیں مانتا۔ نسلی، جغرافیائی، طبقاتی اور لسانی وغیرہ رشتے اس کی نگاہ میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اور اسلام کا رشتہ سب پر مقدم اور سب سے بزرگ و اعلیٰ ہے۔ جہاں بھی ہو گا ان میں حقیقتہً کوئی اجنبیت نہ ہوگی۔ لہذا ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے شناسائی ہو، یا نہ ہو۔ وہ برصورت اس کو سلام کرے اور ہر موقع و محل پر اس حقیقت ثابتہ کی یاد دلاتا رہے کہ اسلام و ایمان کا تعلق محض دین و ایمان سے ہے۔ یہ تعلق تمام تعلقات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر اسلام علیکم کے جملہ پر غور کیجئے۔ یہ اپنے اندر کتنا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ جہاں اس کا

یہ مطلب ہے کہ سلام کرنے والا مخاطب کو یقین دلارہا ہے کہ تم اجنبی نہیں ہیں بلکہ ہمارے درمیان ایک مضبوط تعلق ہے۔ وہیں یہ بھی ہے کہ زندگی کے میدان میں اپنے کو نہ مات سمجھو۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ رنج و راحت میں شریک ہوں تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو میرا تعاون لو۔

اور مخاطب کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ جواب میں واؤ کے اصافہ کے ساتھ یہی الفاظ دہرائے یعنی وعلیکم السلام لے۔ گویا جواب دینے والا یہ کہہ رہا ہے کہ تم جو میری سلامتی کے خواہشمند ہو۔ تو میں بھی تمہاری سلامتی کا خواہشمند ہوں۔ غور کیجئے کتنی راحت و محبت مضمر ہے اس سوال و جواب میں اور کتنا بڑا امن اور راحت بیز جو سکتا ہے وہ معاشرہ جہاں واقعہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کی سلامتی اور خیر و فلاح کا دل سے خواہشمند ہو۔ اسی لیے قرآن پاک نے بھی مومنوں کو ایک دوسرے کا بھائی بطور تشبیہ نہیں بلکہ بطور اہل و اقارہ کہا ہے۔

۳۔ انسوس بعض جدیدہ تعلیم یافتہ حضرات نے اسلام علیکم کے الفاظ کو وجعت پسندانہ قرار دے کر ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ جدیدہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلامی تصورات سے بُد اور غیر اسلامی تہذیب و تمدن سے قرب و شیفگی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ عقلاً بھی اسلام علیکم سے بہتر اور جامع الفاظ کسی اور نظام تمدن میں رائج نہیں ہیں۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت جابر ایک مرتبہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور کہا۔ **عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ** حضور نے فرمایا **لَا تَقُولُ عَلَيْكَ السَّلَامُ** ظاہر ہے کہ علیک السلام میں لفظی تبدیلی کوئی نہیں صرف ترتیب الفاظ بدل دی گئی ہے مگر حضور علیہ السلام نے یہ بھی گوارا نہ فرمایا۔ لہذا **لَا تَقُولُ** کی واضح نہی سے معلوم ہوا کہ الفاظ تو کیا ترتیب بدلنا بھی جائز نہیں ہے۔

۴۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ عمر بن حصین کہتے ہیں۔ ہم اسلام سے پہلے بوقت ملاقات یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ **اَلْعَمَلُ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَ اَنْعَمَ صَبَاحًا** (ابوداؤد) تیری آنکھوں کو اللہ ٹھنڈا رکھے اور تیری صبح نعمتوں کے ہجوم میں طلوع ہو۔

ظاہر ہے باغبار مفہوم و معنی آداب تسلیمات کڈ مار ڈنگ وغیرہ سے یہ جملے زیادہ مبارک اور خوشگوار ہیں لیکن حضور علیہ السلام نے ان کی جگہ اسلام علیکم مقرر فرما کر بتا دیا کہ اسلام علیکم نہایت جامع ہے اور یہ کہ مسلمان کو ان خیال کے طریقوں کو چھوڑ کر اپنے اسلامی طریقہ کو اپنانا چاہیئے۔

۵۔ سلام ہی مصلحت رسماً کونارسع علیہ السلام نے کبر و نخوت، علو پسندی، طبقاتی تفاوت اور اس طرح کے فاسد رجحانات کی آبیاری میں استعمال ہونے سے کس نشان سے روکا ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کی ہدایت سے ہو سکتا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں فرمایا:

لَيَسْلُمَنَّ الرَّائِبُ عَلَى الْغَائِبِ | سوار پیادے کو سلام کرے

جب آدمی گھوڑے یا کسی سواری پر سوار ہوتا ہے تو نفسیاتی طور پر پیدل چلنے والوں کے مقابل میں اس نے اندر برتری اور شان کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر پیادے کو حکم دیا جاتا کہ وہ سوار کو سلام کرے تو لازماً

سواروں کے غلط احساس برتری و نخوت و تکبر کو غذا ملتی۔ اس لیے ہادی کا صلہ اللہ علیہ وسلم نے سوار کے غلط احساس برتری کا علاج یوں فرمایا کہ وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کرے اور پیدل چلنے والوں پر نفسیاتی طور پر یہ اثر ڈالے کہ وہ خود کو صرف پیدل ہونے کی وجہ سے کمتر نہ سمجھیں کیونکہ اسلام میں بزرگی و بڑائی صرف تقویٰ و طہارت پر ہے نہ کہ دولت و ثروت اور دنیاوی وجاہت و عزت پر

وَالْمَاشِي عَلَى الْفَعَالِ وَالْفَعَالِ عَلَى الْكَنِيزِ
چلنے والا بیٹھنے والے کو اور کھڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

گویا اس کا لحاظ نہیں کیا جائیگا کہ چلنے والا کوئی ذی وجاہت اور با شوکت آدمی ہے لہذا واجب وہ گزرے تو ہر وہ شخص اس کو سلام کرے جو عرف عام میں اس سے کم حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس گزرنے والے پر لازم ہے کہ وہ سلام میں پہل کرے۔ اسی طرح قلیل کثیف کو سلام کریں۔ اس میں بھی سلام کی پہل کو طبقاتی تفاوت اور فرق مراتب سے شرط نہیں کیا بلکہ ایسا طریقہ مقرر فرمایا کہ "سلام" کی پاکیزہ رسم سے کسی حال میں بھی کمتری و برتری کی آیاری نہ ہو۔ اسی لیے فرمایا:۔
يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ | چھوٹا بڑے کو سلام کرے

یعنی کم عمر سلام میں پہل کرے مگر یہ نہ دیکھئے کہ زیادہ عمر والا زہد و حیثیت میں بڑھا ہوا ہے یا گھٹا ہوا۔ چنانچہ مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام لوگوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام کیا۔ بظاہر حضور علیہ السلام کا یہ طریقہ عمل سابقہ حدیث کے متعارض ہے مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں۔ اولاً اس لیے کہ حضور علیہ السلام استفادہ فضیلت تھے کہ ہر چھوٹے بڑے کے لیے دعائیں سبقت کرنا گویا آپ کے قلب اقدس کا تقاضا تھا۔ چنانچہ بار بار آپ نے ان صحابہ کو سلام کیا جو بڑے آپ سے کم عمر تھے۔ دوسرے آپ کا فرض نبوت یہ تھا کہ صرف قول ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی اسلامی آداب و ضوابط امت کو سکھائیں۔ چنانچہ لوگوں کو سلام کی پاکیزہ رسم پر خصوصی توجہ دینے کے لیے آپ نے انہیں سلام کیا جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جس پر آداب اسلامی کی رو سے سلام میں سبقت ضروری ہو سبقت کو فروکش کر دے تو ہمیں اس کے انتقام میں سلام سے گریز نہ کرنا چاہیے بلکہ سلام ہے کہ خود سلام کر کے اسے بھولا ہوا سبق یاد دلادیں۔ اس لیے فرمایا:۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللَّهِ مَنْ بَدَأَ
یا سَلَامُ
لوگوں میں اللہ سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (ابوداؤد)

یعنی سلام میں پہل کرنا کسی کمتری و بے حیثیتی کی علامت نہیں ہے بلکہ تقرب الی اللہ اور نیکی کا منظر ہے۔
۶۔ سلام کی مقدس رسم اسلام کو جس درجہ پسند ہے اس کا اندازہ حدیث ذیل سے کیجئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔
جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کو ملے تو سلام کرے۔

فَإِنْ خَالَتَ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ
أَوْ حَجَرٌ شَوْ كَعْتِيهِ
پھر اگر اس یا بھی سلام کے بعد درمیان میں کوئی درخت، دیوار یا پتھر آجائے اور اس کے بعد پھر ملاقات ہو تو پھر

۱ | سلام کرنا چاہیے۔

(ابوداؤد)

فَلْيَسَلِّمْ عَلَيْهِ

گویا ہر ملاقات کے آغاز میں تجدید سلام ہونا چاہیے۔ خواہ وہ ملاقات چند لمحوں کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مسلمان کو ہر صورت میں دوسرے مسلمان کے ساتھ ہمدردی، ایسی خواہی و عافیت طلبی کی نیک خواہش کا اظہار ضرور کر دینا چاہیے اور سلام جیسی پاکیزہ دعا سے نہ چوکنا چاہیے۔

افسوس ہمارے معاشرہ میں یہ عمل تقریباً متروک ہے۔ صرف اس وقت تو سلام کر لیتے ہیں جب سفر سے واپسی ہو یا پہلی بار ملاقات ہو۔ ورنہ ایک لمحہ کے بعد دوسرے لمحہ کی ملاقات میں اسے نظر انداز ہی کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت قریہ ہے۔

يَا بَنِي إِدَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ

فَسَلِّمْ يَكُونُ بَرَكَتٌ عَلَيْكَ وَ

عَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ (ترمذی)

اے بیٹے! جب تو اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے تو

سلام کر یہ سلام تیرے اور تیرے گھر والوں کے لیے

برکت کا باعث ہوگا۔

بیہقی کی حدیث میں فرمایا۔

إِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهِ

وَإِذَا خَرَجْتُمْ خَاوْ دَعُوا أَهْلَهُ

بِسَلَامٍ (بیہقی)

جب گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر اور

جب گھر سے چلنے لگو اور انہیں سلام ہی سے

رخصت کرو۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلم پر مسلم کے چہرہ حقوق ہیں۔ جب اس سے ملے تو سلام کرے جب

وہ بیمار ہو عیادت کرے۔ جب چھینے جواب دے۔ جب بلائے اس کے پاس جائے۔ جب وہ مر جائے اس کے جنازہ

کے ساتھ جائے اور جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی اس کے لیے پسند کرے (ترمذی) ۲۔ جو شخص پہلے سلام کرے وہ رحمت

الہی کا زیادہ مستحق ہے (ترمذی) ۳۔ جو پہلے سلام کرتا ہے وہ بکتر سے بری ہے (بیہقی) ۴۔ ایک ملاقات کے بعد دوسری

ملاقات کے موقع پر بھی سلام کرو (ابوداؤد) ۵۔ آدم علیہ السلام نے جب فرشتوں کو سلام کیا تو فرشتوں نے جواب

میں السلام علیکم کہا تھا (بخاری و مسلم) ۶۔ سلام بات چیت کرنے سے پہلے کیا جائے (ترمذی) ۷۔ مجلس میں پہنچنے

کے بعد اور مجلس سے واپسی پر دونوں مواقع پر سلام کرے (ابوداؤد) ۸۔ بچوں کو سلام کرو (مسلم) ۹۔ چھوٹا بڑے کو،

سوار پیدل کو، گزرنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے زیادہ آدمیوں کو سلام کریں (مسلم) ۱۰۔ اہل کتاب سلام کریں تو

ان کے جواب میں صرف علیکم کہہ دیں (مسلم) ۱۱۔ راستہ کا حق یہ ہے کہ نظر نیچا رکھنا تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا

جواب دینا، اچھی بات کا حکم اور بُری باتوں سے روکنا (مسلم) ۱۲۔ السلام علیکم کہنے والے کے لیے دس نیکیاں (مسلم)

و رحمة اللہ کہنے والے کے لیے بیس (مسلم) ۱۳۔ دو نصاریٰ سے تشبیہ نہ کرو۔ یہود کا سلام آنکھیں کھلے اشارہ سے ہے اور نصاریٰ

کا سلام بھٹیلیل کے اشارہ سے (ترمذی) ۱۴۔ ایک سلام صحت کو یہ مڑوں کی تحیت ہے بلکہ السلام بلیک کہا کرو (ابوداؤد)

سلام کے ضروری مسائل

یہ اور اس مضمون کی احادیث سے فقہانہ بہت سے مسائل اخذ کیے ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں ۱۔ سلام کرنے میں مسلم کی عزت و آبرو اور مال و جان کی حفاظت کی نیت کرے ۲۔ ایک شخص کو سلام کرے تو اس کے لیے بھی صحیح کا لفظ استعمال کرے یعنی السلام علیکم کہے۔ جواب دینے والا بھی علیکم السلام کہے۔ رحمۃ اللہ و برکاتہ کے الفاظ کا اضافہ بہتر ہے۔ صرف علیکم یا علیک نہ کہا جائے ۳۔ سلام کا جواب فوراً دینا واجب ہے۔ بلا عذر تاخیر کی تو گنتہ گار ہوگا اور یہ گناہ جواب دینے سے دفع نہ ہوگا بلکہ توبہ کرنی ہوگی ۴۔ مجلس میں سے کسی ایک شخص کا جواب دے دینا اہل مجلس کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے ۵۔ فاضلی جب کہ عدالت میں اجلاس کر رہا ہو اس کو کسی نے سلام کیا تو اس پر جواب دینا واجب نہیں ۶۔ جو شخص تلاوت میں یا درس و تدریس یا علمی گفتگو یا سب کی تکرار کر رہا ہو یا عالم دین و عارف کر رہا ہے یا تعلیم میں مشغول ہے یا کوئی شخص ذکر میں مشغول ہے یا تقریر ہو رہی ہے اور لوگ سن رہے ہیں ان صورتوں میں سلام نہ کیا جائے ۷۔ جو شخص پیشاب یا خانہ، کبوتر اڑانے یا گانے یا حمام یا غسل خانہ میں نہنگا نہ رہا ہے اس کو بھی سلام نہ کیا جائے۔ اگر کیا تو اس پر جواب واجب نہیں۔ پیشاب کے بعد ڈھیلے کے استنجہ سکھاتے ہیں۔ اس موقع پر بھی سلام نہ کیا جائے۔ فاسق کو بھی سلام نہ کرے۔ گمراہ و بے دین کو سلام کرنا گناہ ہے ۸۔ کسی کو سلام پہنچانے کا وعدہ کر لیا ہے تو سلام پہنچانا واجب ہے ۹۔ ہتھیلی یا انگلی کے اشارے سے سلام کرنا ممنوع ہے ۱۰۔ یونہی اشارہ سے جواب دینا بھی ناکافی ہے منہ سے علیکم السلام کہنا واجب ہے ۱۱۔ رکوع کی مذہک جھک کر سلام کرنا حرام ہے اور اس سے کم جھکنا مکروہ ہے ۱۲۔ بندگی عرض ہے ان لفظوں سے سلام کرنا ناجائز ہے ۱۳۔ آداب عرض ہے۔ گو اس میں اتنی بُرائی نہیں مگر سنت کے خلاف ہے نیابت و تسلیم اور سلام۔ یہ سلام ہی کے معنی ہیں ہے مگر السلام علیکم کہنا بہر حال افضل ہے ۱۴۔ بچے جب سلام کرتے ہیں تو عام طور پر جواب میں جھینے ہو کر کہا جاتا ہے یہ کافی ہے۔ یہ جواب ایام جاہلیت میں کفار دیا کرتے تھے۔ اسی لیے اسلام نے سلام کے جواب میں علیکم السلام کا لفظ مقرر کیا ہے ۱۵۔ جب کوئی کسی کو سلام پہنچائے تو جواب میں اسی طرح کہا جائے علیک وعلیہ السلام ۱۶۔ نبی و فرشتہ کے نام کے علاوہ کسی اور کے نام کے ساتھ علیہ السلام نہیں کہنا چاہیے۔ ۱۷۔ خط یا سلام لکھا ہوتا ہے اس کا جواب دینا بھی واجب ہے اور جواب کی دو صورتیں ہیں۔ یہ کہ زبان سے جواب دے یا دوسری صورت یہ ہے کہ سلام کا جواب کہہ کر بھیج دے۔ مگر چونکہ جواب سلام فوراً دینا واجب ہے اور تحریری جواب میں بہر صورت تاخیر ہوتی ہے اس لیے فوراً جواب دے نا کہ تاخیر سے گناہ نہ ہو۔ کافر کو سلام نہ کیا جائے۔ اگر وہ سلام کریں تو جواب میں صرف علیکم یا علیک کہا جائے اور بقصد تعظیم کافر کو ہرگز نہ کہ سلام نہ کیا جائے کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہے۔ (در مختار) ۱۸۔ اگر ایسی جگہ ہرگز ہو جہاں مسلم و کافر دونوں ہوں تو اسلام علیکم کہے اور مسلمانوں کو سلام کا ارادہ کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلام علی من اتبع الهدی کہے — غیر مسلموں کو ابتداءً سلام نہ کیا جائے۔ حضور علیہ السلام فرمایا: لَا تَبْدَأُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ — یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔

ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں۔ جب انہیں سلام کرنے کی مخالفت ہے تو غیر اہل کتاب کفار توبہ پر

اولی اس حکم میں شامل ہوں گے۔ اس طرح بد مذہب و بے دین خصوصاً جن کے عقائد حد تک پہنچ چکے ہیں، ان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ البتہ جب غیر مسلم ہمیں سلام کریں تو صرف وَعَلَيْكَ سَلَامٌ کی ہدایت دی گئی ہے اور یہ حکم کوئی تنگ نظری تنگ دلی اور بد اخلاقی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ انصاف و دیانت اور خلوص و ملیت کا آئینہ دار ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اسلام علیکم میں جس سلامتی کا ذکر ہے وہ اس محدود و پیمائش کی سلامتی نہیں ہے جو صرف دنیاوی عیش و آرام، امن و عافیت تک محدود ہو بلکہ اس میں آخرت کی فلاح و نجات، عافیت و غیریت بھی شامل ہے یعنی اسلام علیکم یا علیکم السلام کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ عزوجل تمہیں دنیا و آخرت دونوں میں امن و عافیت عطا فرمائے۔ بظاہر ہے کہ جب اہل کفر کے لیے قرآنی تصریحات کے مطابق آخرت کی فلاح و نجات ہے ہی نہیں تو انہیں سلامتی کی دعا دینا کیسے درست ہو سکتا ہے کیونکہ جس سلامتی کے ہم اہل کفر کے لیے قائل ہی نہیں ہیں۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ قائل ہو جائیں تو مسلمان ہی نہیں رہ سکتے۔ اسی سلامتی کی دعا اگر ہم اہل کفر کو دے دیں تو یہ منافقانہ رواداری ہوگی اور مسلمان منافقانہ رواداری کا قائل نہیں ہے اور اس کو شرافت و نجابت اور اخلاق کے خلاف سمجھتا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پہل نہ کریں۔ یعنی ان کو اسلام علیکم نہ کہیں اور اگر وہ سلام کریں تو ہم صرف وَعَلَيْكَ سَلَامٌ کہہ دیں اور اس وعلیک کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم پر سلامتی ہو بلکہ ”سلام“ کو حذف کر دینے کے بعد وَعَلَيْكَ سَلَامٌ کا مطلب یہ ہے کہ تم پر بھی وہی کچھ ہو جس کے تم مستحق ہو۔ البتہ جہاں غیر مسلموں کے ساتھ مل جل کر رہنا پڑتا ہے یا ان کی حکومت ہوتی ہے یا ان سے ربط و ضبط ناگزیر ہوتا ہے۔ وہاں ”آداب عرض“ ہے ایسے جملے استعمال کر سکتے ہیں۔ جن میں کوئی شرعی غرائی کا پہلو نہ نکلتا ہو۔ لیکن اسلام علیکم کے الفاظ بہر صورت نہیں کہیں گے۔ اسی طرح وہ الفاظ بھی نہیں استعمال کر سکتے جو غیر اسلامی ثقافت کا جرم و جنم گئے ہیں۔ جیسے غصے رام رام یا بے بھارت وغیرہ۔

حَدِیث نمبر ۱۲ بَابُ مَنِ الْإِيْمَانِ أَنْ يُحِبَّ

باب مومن کی شان یہ ہے کہ جو اپنے لیے

پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے
حضرت قتادہ، حضرت انس سے راوی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ جو اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے چاہے۔

لَا حِيْنَهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ عَنْ قِتَادَةَ
عَنْ النَّسِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ لَا يُوْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى
يُحِبَّ لِرَاحِلِهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ
(بخاری)

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام مسلم و ترمذی و نسائی نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ ۲۔ محبوب کے لغوی معنی کسی چیز کی طرف دل کے مائل ہونے کے ہیں۔ میلان قلب کی متعدد وجوہات ہوتی ہیں۔ حسن، علم و فضل، احسان ظاہر ہے۔ یہ میلان طبعی و فطری ہوتا ہے۔ یعنی جب کسی میں حسن پایا جائے یا کمال موجود ہو یا کوئی شخص احسان کرے تو انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ یہ محبت کم اور زیادہ ہوتی رہتی

ہے۔ جب احسان بڑھے گا محبت بڑھ جائے گی۔ جب احسان کم ہوگا محبت کم ہو جائے گی۔ علمائے فرمایا کہ اس حدیث میں محبت اختیاری مراد ہے۔ اور فطری نہیں ۳۔ لامومن میں لافنی کے لیے ہے لیکن علمد یہاں کا۔ وناما جیسے الفاظ مقدر مانتے ہیں اور معنی یہ کرتے ہیں کہ مومن کامل وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے کیونکہ اگر کسی میں مذکورہ بالا صفت نہ پائی جائے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

کسی ایک کام کو اسلامی قرار دینے کا مطلب
یہاں یہ امر قبل ذکر ہے کہ اکثر احادیث میں کسی ایک کام کو اسلام یا اسلام کی علامت قرار دیا گیا ہے مثلاً یہی حدیث کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہے یا مومن کی شان یہ ہے کہ جو بات وہ اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے یا اسی مضمون کی متعدد حدیثیں آگے آ رہی ہیں۔ جن کا مضمون یہ تھا نہ کھانا کھانا اسلام ہے۔ سلام کرنا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان احادیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس مسلمان میں صرف سلام کرنے کی صفت پائی گئی وہ مومن کامل ہے اگرچہ یقیناً اعمال و ارکان اسلامی کی وہ پابندی نہ کرتا ہو۔ اسی طرح ان احادیث کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بس یہ ایک کام ہی اسلامی ہے اور باقی اعمال و ارکان اسلامیہ غیر ضروری ہیں بلکہ کسی ایک کام کو خصوصیت کے ساتھ بیان کر دینے سے شارع علیہ السلام کا مقصد اس عمل کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی واضح مثال یہ حدیث ہے۔ لَا صَلَوةَ اِلَّا بِطَهْوَر طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحت نماز کے لیے صرف طہارت کافی ہے بلکہ مقصد صرف طہارت کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے تو جیسے طہارت کو محض اس کی اہمیت کے لیے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرما دیا۔ اسی طرح اعمال اسلامیہ میں سے کسی ایک عمل کی اہمیت و عظمت کے اظہار کے لیے ذکر دیا جاتا ہے۔ تاکہ لوگوں میں اس عمل کو اختیار کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ لہذا مومن کامل وہی مسلمان قرار پایا گیا۔ تمام افعال و اعمال اسلامیہ کو بجالائے۔

اسی طرح
حدیث کے پڑھنے والوں کو یہ اصولی بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ وہ حدیثیں جن میں خاص خاص بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ ان کے ترکب ہوں ان میں ایمان نہیں یا وہ مومن نہیں نیز وہ حدیثیں جن میں بعض اعمال صالحہ اور اخلاقی حسنہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ان کا ناک ہو وہ ایمان سے خالی ہے یا وہ مومن نہیں ہے۔ ان کا منشاء و مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ شخص دائرہ اسلام سے بالکل خارج ہو گیا اور اب آخرت میں اس سے کافروں والا معاملہ ہوگا بلکہ مطلب صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ ایسا مسلمان اس درجہ اور مقام سے محروم ہے جو ایک مومن کی اصلی شان ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر زبان کا یہ عام محاورہ ہے کہ جس کسی میں کوئی صفت بہت ناقص اور کمزور ہوتی ہے تو اس کو کالعدم قرار دے کر اس کی بالکل نفی کر دی جاتی ہے۔ خصوصاً دعوت و خطابت اور ترغیب و ترہیب میں یہی طریق بیان زیادہ موزوں اور زیادہ مفید مطلب ہوتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ کو کسی فعل یا عمل کی انتہائی تباحث یا بے حد افادیت کا اظہار منظور ہوتا ہے تو آپ اپنا خاص طرز کا کلام اختیار فرماتے جس میں حقائق کا بیان اس انداز سے ہوتا کہ سننے والا فرمائی سے خوف کھائے اور اطاعت پر مائل ہو جائے علمدار

کی اصطلاح میں ترجیب و تخریب و تہذیر و ترہیب کہتے ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا۔

۱۔ جس نے ظالم کو ظالم جانتے ہوئے بھی اس کی مدد کی وہ اسلام سے خارج ہو گیا ۲۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو ۳۔ یا آپ خطبہ میں فرمایا کرتے تھے۔ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دین میں حصہ نہیں ۴۔ یا زبیرؓ کہ حدیث ہی کے لیے لیجئے جس سے پہچ فرمایا کہ تم میں کئی مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ جو بات اپنی ذات کے لیے پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے ۵۔ یا اسی نوع کی اور متعدد حدیثیں آگے آ رہی ہیں۔ جن میں کسی ایک عمل یا فعل کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ ایمان دار نہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس نوع کے تمام ارشادات کا مقصد وفتابہ نہیں ہے کہ جو مسلمان پڑوسی کو ایذا دے یا بددیانتی کرے یا ظالم کو مدد دینے والے وہ دارن اسلام سے خارج ہو جاتا ہے بلکہ اس طرز کلام سے مقصود صرف اس فعل کی انتہائی تہذیب یا اس عمل کی بے حد افادیت بیان لینی ہوتی ہے۔ چنانچہ علمائے حق اس پر متفق ہیں کہ وہ روایتیں جو ترہیب و تہذیر و تہذیر کے سلسلہ میں آئی ہیں وہ ظاہری معنی پر محمول نہیں ہیں اور نہ ان سے کوئی شرعی عقیدہ یا حکم اخذ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اسی حدیث کے لیے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں جس کا ہمارا اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔ یا فرمایا کہ جس وقت زنا کار زنا کرتا ہے، شرابی شراب پیتا ہے، چور چوری کرتا ہے۔ اس وقت میں وہ مومن نہیں ہوتا (بخاری) ظاہر ہے کہ اس طرز کلام سے حضور علیہ السلام کا غنائہ فتویٰ دینا اور قانون شرعی بیان کرنا نہیں ہے بلکہ پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے، زنا کرنے و شراب پینے کی بدترین قباحات پر متنبہ کرنا ہے تاکہ لوگ برائیوں کو ترک کر دیں اور اعمالِ حسنہ کی طرف راغب ہوں۔ لہذا اس نوع کی حدیثوں کو ”کفر کے فتوے“ اور قانونی فیصلے سمجھنا اور اس بنا پر ان جتنا ہوں کے ترکیبیں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینا جیسا کہ معتزلہ و خوارج نے گمان کیا ہے، دراصل ان حدیثوں کے اصل مفہوم اور حضور علیہ السلام کے طرز کلام کی خصوصیات سے ناواقف و ناآشنائی کا نتیجہ ہے۔ علماء کا یہ فرض ہے کہ جب وہ اس نوع کی روایات کو بیان کریں تو ان کی حقیقی پوزیشن کو اجمال یا تفصیل کے ساتھ ضرور بیان کر دیا کریں تاکہ خالی الذہن عوام کسی بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

حضرت قتادہ و انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما | اس حدیث کے راویوں میں حضرت قتادہ و حضرت انس رضی اللہ عنہما قابل ذکر ہیں۔ حضرت قتادہ سدوسی، بصری تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت انس و عبداللہ بن مسرج اور ابوطیفل عامر سے حدیث سنی ہے۔ بڑے جلیل القدر عالم فاضل مفسر تھے۔ علم و فضل و شرف والے تھے کہ آپ نے ۱۰ سال کا ل حضور علیہ السلام کی خدمت کی اور خادم رسول اللہ مشہور ہوئے۔ آپ کی والدہ نے دبا ربوت میں دعا کے لیے درخواست کی۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! انس کی عمر، مال اور اولاد میں برکت عطا فرما۔ حضور علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی۔ آپ کا بیٹا مالدار ہوئے۔ آپ کے باغ میں ایک پودا تھا جس کے پھولوں سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی تھی۔ آپ نے کنواں کھودا تو

پانی کھار نکلا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور علیہ السلام نے اپنا لعاب دین مبارک ڈال دیا۔ کنوئیں کا پانی مدینہ کے تمام کنوئوں سے زیادہ میٹھا ہو گیا (خصوصاً نص کبریٰ سیرطی) اولاد کی کثرت کا یہ حال ہر اکہ خود ہی فرماتے ہیں کہ اپنے بیٹے پرتے وغیرہ جن کو میں نے اپنے ہاتھ سے دفن کیا ان کی تعداد دو کم سو تک پہنچتی ہے آپ کی عمر شریف ایک سو سال کی ہوئی۔ صحابہ کرام میں سب سے آخر میں آپ کا ہی وصال ہوا۔ آپ نے بصرہ میں وفات پائی۔ حضرت محمد بن سیرین نے آپ کو غسل دیا۔ ۹۳ھ میں حجاج کے زمانہ حکومت میں بمقام بصرہ آپ کا وصال ہوا اور حجاج کے محل کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ صحاح ستہ میں آپ سے ۲۲۸۶ حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری و مسلم نے ۱۶۸ حدیثوں پر اتفاق کیا ۸۳ حدیثوں کو صرف بخاری نے اور ۹۱ حدیثوں پر صرف مسلم نے اتفاق کیا ہے۔

بَابُ حُبِّ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْإِيمَانِ

باب محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم شرط ایمان ہے

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اس ذات مقدس کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے والدہ اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ جانے۔

۱۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللَّهِ نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ مِنْ أَحَدِكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ

(بخاری)

قَوْلُهُ وَمَسَائِلُ

اس حدیث کو امام مسلم و نسائی نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ نسائی کی روایت میں من مآلہ و اہلہ و الناس اجمعین کے الفاظ آئے ہیں ۲۔ الرسول میں الف لام عدی ہے اور اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے محبت رکھنا، ان کی تعظیم و توقیر کرنا اور ان کی نیتوں پر ایمان لانا واجب ہے۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا انبیاء کرام علیہم السلام سے محبت کو مستلزم ہے بلکہ حضور علیہ السلام سے محبت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے محبت کو بھی مستلزم ہے وَاللَّهِ بِيْنِ وَاوَقْعِمْ كَيْفَ يَكُنْ هِيَ غَايَةِ بَيَانِ كَيْفَ يَكُنْ هِيَ۔ أَحَبُّ إِلَيْهِ تَفْضِيلُ كَا صِيغَةُ هِيَ اَوْ قِسْمُ كَلَامٍ بِيْنِ تَاكِيدُ اَوْ قِسْمُ پيدا کرنے کے لیے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی اہم امر کو بیان کرنے کے لیے قسم کا استعمال جائز ہے بیدہ اللہ تعالیٰ ہاتھ وغیرہ سے پاک ہے اور یہ لفظ تشابہات سے ہے۔ قرآن کریم میں بھی اللہ عز و جل نے اپنی طرف بید وغیرہ کی نسبت کی ہے۔ تشابہات سے متعلق علما کی دو رائیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اس لفظ پر ہمارا ایمان ہے اور اس کے اصل معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ دوسرے طبقہ مولین کا ہے جو اس قسم کے الفاظ کا ایسا معنی کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے شایان شان ہو۔ مثلاً جہاں یہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتے تو اس سے مراد وہ طاقت و حکومت اور اختیار لیتے ہیں تو اب حدیث کا ترجمہ ہو گا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے اختیار میں

میری جان ہے۔

حضور اکرم علیہ السلام کی محبت عین ایمان ہے | لَا يُؤْمِنُ مَنْ - تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھ کو ساری کائنات سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔ اس کا مطلب قطعاً یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بغیر ایمان کا پایا جانا نامکن ہے۔ ہر شخص جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم و عقل کی دولت دی ہے وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ جس کے ساتھ عقیدت دینا زندگی ایمان میں داخل ہو اور بغیر اسکے ماننے ہوئے آدمی مومن نہ ہو سکے۔ اس کی محبت ساری کائنات سے زیادہ ضروری ہوگی۔ ماں باپ اولاد عزیز و اقارب کے انسان پر حقوق ہیں اور ان کا ادا کرنا لازم ہے لیکن اگر کوئی شخص ان سب کو بھول جائے اور اس کے دل میں ان کے لیے بالکل محبت و اُلفت باقی نہ رہے اور ان سب سے بے تعلق ہو جائے تو اس کے ایمان میں خلل نہ آجیگا کیونکہ ایمان لائے میں ماں باپ عزیز و اقارب کا ماننا ضروری نہیں ہے لیکن رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ماننا مومن ہونے کے لیے ضروری ہے۔ جب تک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا متفق نہ ہو ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔ تو اگر اس کا رشتہ محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹا تو یقیناً ایمان سے خارج ہو گیا کیونکہ تصدیقِ رسالت محبت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے اسلام میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کو سارے عالم سے زیادہ ضروری اور اسلام و ایمان کی شرط اول قرار دیا گیا ۲۔ محبت کسی قسم کی ہوتی ہے۔ محبت اجلال و احترام جیسے والدین سے محبت، رحمت و شفقت جیسے اولاد سے محبت (رحمت و شفقت جیسے اولاد سے محبت) محبت احسان کی قسم کی ہوتی ہے۔ محبت احسان کسی نے آپ پر احسان کیا تو آپ کا دل اس کی طرف مائل ہو گیا تو اس حدیث میں یہ بتایا گیا کہ تمام قسم کی محبتوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہونی چاہئے کیونکہ مخلوقات میں آپ سے زیادہ شفیق مہربان، فیاض، محسن اور محترم ہستی اور کون ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں کوئی مومن نہیں ہو تا جب تک میں اس سے اس کے والد، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہوں۔

۱۴۔ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَحَبَّ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ قَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

فوائد و مسائل | مسلم اور نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ پہلی حدیث اور اس حدیث کا مضمون ایک ہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث میں وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کا لفظ نہ تھا۔ لہذا اصل مفہوم و نزول حدیثوں کا یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک سارے جہاں سے پیارے و محبوب نہ ہوں اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں والد اور ولد کا ذکر محض اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کو ان سے لامحالہ محبت ہوتی ہے۔ چنانچہ ان احادیث کی توشیح و تائید قرآن پاک کی متعدد آیات سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر تمہارے باپ، بیٹے، عورتیں، کنبہ، کمالی کا مال تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہاری پسند کے مکان یہ چیزیں تمہیں (أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام اور اس

کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہوں تو انتفا کر کو کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔ یہ اور اس مضمون کی متعدد آیات میں یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آباد اجداد، اولاد، عزیز و اقارب، دوست، احباب، مال و دولت، شہر کریم، حکومت، مسکن و وطن سب چیزوں کی محبت سے اور خود اپنی جان کی محبت سے زیادہ ضروری و لازم ہے۔ اگر ماں، باپ یا اولاد یا رشتہ دار اللہ و رسول کے ساتھ رابطہ عقیدت و محبت نہ رکھتے ہوں تو ان سے دوستی و محبت جائز نہیں۔

بَابُ حَلَاوَةِ الْإِيمَانِ

باب حلاوت ایمان کے بیان میں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین چیزیں ہیں جن میں ہوں۔ ایمان کی لذت اور شیرینی کو پالینا ہے۔ ۱۔ جس کو اللہ و رسول سارے عالم سے پیارے ہوں ۲۔ اور جو کسی بندہ کو خاص اللہ کے لیے محبوب رکھتا ہو ۳۔ جو اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے پھرنے کو ایسا بُرا جانے لے جسے کہ آگ میں ڈالے جانے کو بُرا جانتا ہے۔

۱۵۔ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَلْتُ مَنْ كُنْتُ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الدِّينَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنْ يَكْفُرَ أَنْ يَكْفُرَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْفُرُ أَنْ يُقَدِّفَ فِي النَّارِ (بخاری)

اللہ و رسول سارے عالم سے پیارے ہونے چاہئیں

ہیں۔ یہ (مُر) کڑوے کی مانند ہے۔ حلاوت الایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو ایمان کی ایسی لذت حاصل ہو جائے اور خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس درجہ غالب ہو کہ خدا و رسول کی اطاعت میں لذت محسوس کرے۔ سیکرہ جیسے کہتے ہیں کڑھٹا لٹھی۔ میں نے فلاں چیز کو بُرا جانا یعنی اس سے میں راضی نہیں۔ يُقَدِّفُ قَذَفَ مے شتن ہے اس کے معنی پھینکنے کے ہیں۔ خاذف اور قاذف دونوں کے معنی پھینکنے والے کے ہیں۔ لیکن اگر پیغمبر پھینکا جائے تو قذف بولیں گے اور اگر کنکریاں پھینکی جائیں تو خذف بولیں گے۔

۵۔ ملازمین علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ یہ حدیث اصول اسلام سے ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا بیان ہے۔ جو اصل ایمان بلکہ عین ایمان ہے اور اللہ و رسول سے محبت اور کفر سے کڑا اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ انشراح صدر ہو جائے اور ایمان غن اور گوشت میں رس پس جائے تو وہ شخص ایمان کی حلاوت کو پالینا ہے اور کسی سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنا (الْحُبُّ فِي اللَّهِ) یہ اللہ سے محبت کرنے کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے۔

۶۔ شاہین کرام نے محبت اللہ کے معنی یہ کیے ہیں کہ اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے منہیات سے پرہیز کیا جائے۔ بعض نے اس کو بولیں ادا کیا کہ محبت اللہ کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے دل ان کو پسند کرے جو اللہ کو پسند نہیں اس سے

پرہیز کیا جائے۔ بعض نے اسی کو یوں ادا کیا کہ محبت اللہ کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے دل ان کو پسند کرے۔ جو اللہ کو ناپسند ہیں دل ان کو ناپسند کرے۔ علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا محبت اللہ کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استقامت اور اس کے اوامر و نواہی کا التزام ہو۔ محبت میلان قلب کا نام ہے حسن، اخلاق، احسان یہ محبت کرنے کا سبب بنتے ہیں اور یہ تمام امور حضور علیہ السلام میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام عن عالم ہیں۔ ظاہری و باطنی حق کے مجسم ہیں۔ اخلاقی عالیہ اور محاسن غیر متناہیہ کے پیکر ہیں۔

۷۔ ان یحب المرء میں المحب فی اللہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بجائی بھائی قرار دیا ہے۔ فاصبحتمو بنعمتہ اخوانا۔ لہذا احلاوت ایمان کا درجہ اسی مسلمان کو حاصل ہوگا جو دوسرے مسلمان سے محض اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے اور اس میں کسی دنیاوی غرض کو دخل نہ ہو۔ وان یکسرہ یعنی جس کے دل میں ایمان گھر کر جائے اور اسلام کے محاسن اور کفر کے خباثت سے اچھی طرح واقف ہو جائے تو پھر اس کو کفر دوبارہ اعتبار کرنا ایسے ہی کڑوہ و ناپسندیدہ ہوگا جیسے آگ میں ڈالا جانا۔

۸۔ اس حدیث میں ایمان کو شہدے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مشبہ ایمان ہے مشبہ بعمل ہے۔ وجہ تشبیہ دونوں میں لذت ہے۔ یہ استعارہ بالکنایہ ہوا۔ پھر مشبہ پر کو ذکر کیا اور خواص و لوازم مشبہ پر کی طرف اس کی اضافت کر دی۔ یہ استعارہ تخیلیہ ہوا۔ گویا جیسے شہدے کے ذائقے سے جو واقف ہو جاتا ہے تو شہدہ میں محاسن اور ذائقہ اور فائدہ کسی دوسری چیز میں نہیں پاتا۔ اسی طرح جو مسلمان ایمان کی حلاوت پالیتا ہے تو اس پر چند اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جن میں سے تین اس حدیث میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سادے عالم سے زیادہ پیارے ہو جاتے ہیں۔ المحب فی اللہ اس شخص کی طبیعت تاثیر بن جاتی ہے اور اسلام سے بغاوت اس کے لیے ایسے ہی دشوار ہوتی ہے جیسے آگ میں اپنے جسم کو ڈالنا۔

۹۔ امام مسلم نے حدیث کے اس ٹکڑے ان یقذف فی النار سے اس مومن کی فضیلت کا استدلال کیا ہے۔ جسے کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور وہ تفتید نہ کرے بلکہ جان دیدے۔ نوٹ۔ حدیث نمبر ۲۰ کا بھی یہی مضمون ہے۔

باب علامة الایمان حب الانصار

ایمان کی علامت انصار سے محبت ہے

۱۶۔ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَبَيَّةُ الْإِسْقَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض رکھنا کفان کی علامت ہے۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے فضائل الانصار میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم و نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ۲۔ آیت کے معنی علامت کے ہیں۔ انصار ناصر کی جمع ہے۔ انصار کو انصار سے یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی اور آپ کا ساتھ دیا تھا اور اسلام کی سرسبزی و نادی کے لیے نہایت ایثار سے کام لیا تھا۔ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان افراد کو ناصر اور مومن فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَسَّعُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَوَسِّطُونَ حَقًّا۔ اتفاق کے معنی یہ ہیں کہ زبان سے اسلام کا اظہار کرنا اور دل میں کفر چھپانا ۳۔ اس حدیث میں انصار کے ساتھ محبت رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یوں تو ہر مومن سے محبت رکھنا ضروری ہے۔ مگر انصار کی اسلامی خدمات اور دوسری خصوصیات کی وجہ سے ان سے محبت رکھنے کو خاص طور پر بیان کیا گیا خصوصیت کے ساتھ انصار سے محبت رکھنے کی تاکید قرآن نے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوں گے جو ہمارے انصار و صحابہ کرام کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے۔ اسی لیے دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا: میرے اصحاب کے حق میں اللہ سے ڈرو جس نے ان کو محبوب رکھا تو میری محبت کی وجہ سے محبوب رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے بیشک خدا کو ایذا دی اور جس نے خدا کو ایذا دی تو خدا اس سے باز پرس فرمائے گا (ترمذی) ۴۔ اس مضمون کی بکثرت احادیث ہیں۔ جن سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام انصار و مہاجرین سے محبت رکھنا اور ان کی تعظیم و توقیر کرنا ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ یہ وہ نفوس قدیرہ ہیں جنہوں نے بلا واسطہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا اور آپ پر جان و مال قربان کیا اور دین اسلام کو اپنے خن سے پیچھا اور اسلام کے لیے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ یہ افراد ساری قوم کے محسن اور مخدوم ہیں اور ان سے محبت رکھنا یقیناً اسلام ہے اور انی سے بغض و عداوت منافقت ہے ۵۔ حدیث ہذا میں ایۃ الایمان بتلدا ہے اور حب الانصار اس کی خبر ہے اور حب مبتدا اور خبر دونوں معر فہوں کو تصرف کا فائدہ دیتے ہیں تو اگر صرف حقیقی مراد لیا جائے جس کا حدیث کا اقتضا بھی ہے تو اس کا صاف و صریح مطلب یہی ہوگا کہ انصار و مہاجرین و صحابہ کرام سے محبت رکھنا اس لحاظ سے کہ وہ صحابی رسول اللہ ہیں یا انصار رسول اللہ ہیں ایمان ہے اور ان حضرات سے اس لحاظ سے بغض و عداوت رکھنا کہ یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یقیناً نفاق ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کے ساتھ بغض صحابہ کرام کا جمع ہونا ناممکن ہے۔

بَابُ اِنْ عِبَادَةِ ابْنِ الصَّامِتِ وَكَانَ شَهِدًا

باب حضرت عبادہ بن صامت جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے

اور لیلۃ العقیب میں تعقیب بنائے گئے تھے سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ کے ارد گرد صحابہ کی ایک جماعت تھی۔ مجھ سے بیعت کرو (ان امور پر) کہ ۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے ۲۔ چوری نہیں کرو گے ۳۔ زنا نہیں کرو گے ۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے ۵۔ کسی پرستان نہیں باندھو گے جس کو تم ملحد اور پادوں کے درمیان سے افرار کرتے ہو ۶۔ معروف میں نافرمانی نہ کرو گے۔ پس جس نے اس عہد و پیمان کو پورا کیا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو کوئی ان

بَدْرًا وَاحِدَ النَّقْبَةِ لَيْلَةَ النُّقْبَةِ
۱۴۔ اَحْبَبَهُ اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهُ عَصَابَةٌ مِّنْ اَصْحَابِهِ بَايَعُونِي عَلَى اَنْ لَا تَشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَنْزِلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ اَيْدِيكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَنْفُسُوْا فِيْ مَعْرُوفٍ مِّنْ وَّعَا مِنْكُمْ فَاَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَمَوْقِبٌ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ

كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا
شَرَّ سِرِّهِ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ إِنْ
شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ سَاءَ عَاقِبَتُهُ ذَبَا
يَعْتَاهُ عَلَى ذَلِكَ

ترجمہ بخاری

گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھے اور اس کو دنیا میں اس کی سزا
مل جائے تو یہ اس کے لیے گناہ ہے اور جس نے ان گناہوں
میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اللہ نے اس کے گناہوں کو چھپا
رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے چاہے تو اس کو معاف
فرمادے یا محاسب فرمائے۔

فوائد مسائل

اس حدیث کو امام نے پانچ جگہ بخاری میں ذکر کیا ہے۔ مغازی، وفود الانصار۔ حدود اور احکام میں
نیز مسلم نسائی و ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

شہد۔ حضرت کے معنی میں ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد قرار دیا گیا ہے جس کے
معنی حاضر کے ہیں۔ اصل الشہود الحضور (یعنی جلد ۱۸) یہ باب علم تعلیم سے ہے جیسے بولتے ہیں قوم مشہود ای
حضور مشہود مصد۔ ہے اور شہادت کے معنی یقینی خبر کے ہیں جیسے بولتے ہیں شہد الرجل علی کذا یہاں
شہد۔ بسر کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت بدر کی لڑائی میں حاضر تھے ۳۔ بدر ایک گاؤں کا نام ہے۔
جہاں سال کے سال میل گلتا تھا۔ یہ مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ بدر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بدر ایک شخص
کا نام تھا جس نے کنواں بکھ دیا۔ اسی کے نام سے اس کا نام بدر ہو گیا۔ ۴۔ احد النقباء یعنی حضرت عبادہ بن صامت
بارہ نقیبوں میں سے ایک ہیں۔ نقیب قوم کے سردار اور معلم یا قوم کے دتہ دار کہتے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا
معمول تھا کہ حج کے موسم میں رسول کے قبائل کے پاس جا کر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے۔ جب سلسلہ میں آپ نے عقبہ کے
پاس جہاں اب مسجد عقبہ ہے۔ خوزج کے چند اشخاص کو دعوت اسلام دی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے یہ دے سن رکھا
تھا کہ ایک نبی پیدا ہونے والے ہیں۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا یہ وہی نبی ہیں اور یہ بھی کہا کہ دیکھو یہ
ہم سے اسلام لانے میں سبقت دے جائیں۔ یہ کہہ کر ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ چھ اشخاص تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔
۱۔ ابو ایمن بن تیمان ۲۔ اسد بن زرارہ جنہوں نے سارے میں وفات پائی ۳۔ عوف بن حارث ۴۔ رافع بن مالک بن ناض
یہ جنگبہ احمد میں شہید ہوئے ۵۔ قطبہ بن عامر یہ میامہ میں شہید ہوئے ۶۔ جابر بن عبد اللہ۔ اسلام لانے کے بعد یہ لوگ اپنے
گھروں میں چلے گئے اور انہوں نے اسلام کی تبلیغ کی۔ دوسرے سال موسم حج میں بارہ اشخاص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی۔
اور اس کے ساتھ یہ خوشی کی کہ احکام اسلام سکھانے کے لیے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ حضور علیہ السلام نے حذت
مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ پھر اگلے سال ۵۰ یا ۵۱ میں شخص حج کے زمانہ میں آئے اور انہوں نے
بمقام منیٰ عقبہ حضور علیہ السلام کے دستِ اقدس پر بیعت کی اور آپ نے اس گروہ میں سے ۱۲ اشخاص نقیب منتخب فرمائے ان
میں نو خوزج کے اور تین اوس کے تھے۔ انہیں میں ایک نقیب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور یہ بیعت
عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھے جو ہجرت کے بعد ہوئی۔ جب کہ حضور علیہ السلام
عمرہ کے لیے مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ حضور علیہ السلام نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی تھی ان کا ذکر اس حدیث میں

لے بہ بیعت عقبہ ۱۱۸

۷۔ عصابہ کے معنی جماعت کے ہیں (ع کے زیر کے ساتھ) اس کا مطلق دس افراد سے لے کر چالیس افراد تک ہوتا ہے۔ عصابہ اس بچی کو بھی کہتے ہیں جو ماتھے پر باندھی جاتی ہے۔ اس کے معنی احاطہ کرنے کے بھی ہیں ۸۔ مباہیونی مباہیث کے معنی خرید و فروخت کے ہیں۔ مباہیثہ علی الاسلام کا مطلب محمد و پیغمبران ہے۔ اس وعدہ و پیمان کو جو حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام سے لیا۔ بیع تے شہید دی گئی۔ کیونکہ ہر ایک نے جو اس کے پاس تھا اس کو بیچا صحابہ کرام نے عہد کیا کہ ہم احکام اسلام کی اطاعت کریں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عوض ان سے ثواب کا وعدہ فرمایا۔ ۹۔ بھستان۔ اس جھوٹ کو کہتے ہیں جس کو سن کر انسان حیران ہو جائے۔ کسائی نے کہا۔ بہتان کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ بہتان کے اصل معنی ایرانی کے ہیں بہتان کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو اس میں نہیں ہے۔ خطابی نے کہا کہ یہاں بہتان کے معنی پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگانے کے ہیں ۱۰۔ عصبیان یہ ضد ہے اطاعت کی ۱۱۔ معروف۔ ہر نیک کام کو کہتے ہیں علامہ بیضاوی نے فرمایا۔ معروف اس کام کو کہتے ہیں جس کو شارع علیہ السلام نے نیک قرار دیا ہو۔ معروف اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھی کہتے ہیں۔ معروف کے عمومی معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ہیں۔

مسائل حدیث | اس سے پہلی حدیث میں انصار سے محبت رکھنے کا بیان تھا اور یہ کہ انصار کو فیغیبت اسلجے حاصل ہوئی کہ انھوں نے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا اور آپ کی جان و مال سے مدد کی۔ جب کہ ساری دنیا آپ کے خلاف تھی۔ اس میں انصار کی وجہ تسمیہ کا بیان ہے کہ پہلے اس قوم کو نبی قیل کہتے تھے لیکن جب ان کے سرداروں نے اسلام قبول کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تو ان کا لقب انصار ہو گیا یعنی دین کے مددگار۔

انصار نے جن امور پر بیعت کی وہ یہ ہیں۔

- ۱۔ شرک نہیں کریں گے ۲۔ زنا کے قریب نہ جائیں گے ۳۔ چوری نہیں کریں گے ۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے یوں تو مسلمان کو ناجائز قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے مگر قتل اولاد کی قید اس لیے ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنی اولاد کو مغلس ہو جانے کے خوف سے قتل کر دیا کرتے تھے یا یہ کہ اولاد کو قتل کر دینا بہ نسبت دوسروں کے اشد کبیرہ ہے کیونکہ اس میں قطع رحم بھی ہے۔
- ۵۔ بہتان نہیں باندھیں گے۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ جو عورت کئی کئی مردوں سے ملتی تھی۔ وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف بچہ کو منسوب کر دیا کرتی تھی یا بچہ کو اپنا کہہ کر شوہر کی طرف منسوب کر دیا کرتی تھی۔ عام مردوں کی یہ حالت تھی کہ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگایا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان لوگوں کو بیعت فرمایا تو ان لوگوں سے عہد لیا کہ آئندہ کسی پر افتراء و بہتان نہیں باندھیں گے۔ حدیث ہذا میں بہتان کی نسبت ہاتھ اور پاؤں کی طرف کی گئی ہے۔ حدیث کے لفظ بہ ہیں۔ "بہتان نہ باندھیں گے۔ جن کو ہاتھ اور پاؤں کے درمیان سے افرار کرنے ہیں۔" شرح احادیث نے اس لے متعدد معنی کئے ہیں۔ بعض نے کہا۔ "ہاتھ اور پاؤں" کنایہ ہے نفس سے اور عبارت بہ ہوگی۔ لا تاتوا ببہتان من قبل الفسفسہ یعنی اپنی ذات سے اور دل سے کسی پر بہتان نہ باندھیں گے کیونکہ دل ہاتھ پاؤں کے درمیان ہوتا ہے۔ محمد بن جریر نے فرمایا کہ بین ایک کم کے معنی یہ ہیں کہ فی الحال کسی پر بہتان نہ باندھیں گے اور جب کم

کے معنی یہ ہیں کہ زمانہ آئندہ میں کسی پر بہتان نہ باندھیں گے۔

۶۔ ولا تصوفی معروف اور اچھی بات میں نافرمانی نہیں کریں گے۔ اچھی بات کی قید صرف ان کے نفوس کی تطیب کے لیے ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معروف ہی کا مکم فرماتے ہیں۔

عاصی کو سزا دینا اور مطیع کو ثواب عطا فرمانا اللہ پر واجب نہیں ہے

کربشتا اور عاصی کو سزا دینا یہ بھی اللہ پر واجب نہیں ہے وہ فعال لمایرید ہے۔ چنانچہ حدیث ہذا کے اس ٹکڑے سے کہ جس نے گناہ کیا تو اگر خدا چاہے تو اس کو بخش دے اور چاہے تو سزا دے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ پر عاصی کو سزا دینا واجب نہیں ہے۔ جب عاصی کو سزا دینا اس پر واجب نہیں ہے تو مطیع کو ثواب عطا فرمانا بھی اس پر واجب نہیں ہے۔ لہذا مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ مطیع کو جزا ثواب عطا فرمائے گا وہ محض اس کا فضل و کرم ہوگا یعنی یہ

اگر بخشے نہ بخشے تو شکایت کیا تبریکم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

۲۔ فَمَوْءِدُ اللَّهِ یعنی مومن کو ثواب عطا فرمانا اور عاصی کو عذاب دینا خدا کے قبضہ میں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اہل کبار سے جو شخص بغیر توہرے مرگیا تو اللہ تعالیٰ چاہے تو اہل مرتبہ ہی اس کو جنت میں داخل فرمادے اور اگر چاہے تو سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمائے۔ یہ ہی عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہے کہ اجر و عذاب موقوف الی اللہ ہے۔ اسی حدیث سے معتزلہ اور خوارج کے خیال کی تردید کی گئی ہے۔ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ ترک کبیرہ اگر بغیر توہرے کیے مگر گیا تو اللہ تعالیٰ پر اس کو عذاب دینا واجب ہے اور اگر توہرے کر کے مرے تو اللہ تعالیٰ پر اس کو معاف کر دینا واجب ہے اسی طرح اس حدیث سے خوارج کے اس خیال کی بھی تردید ہوگئی جو یہ کہتے ہیں کہ ترک کبیرہ مافری ہے۔ کیونکہ اگر ترک کبیرہ کافر ہو جاتا تو اس کی بخشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ نیز فہو الی اللہ یعنی گناہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے بخشے اور چاہے تو سزا دے۔ اس میں توہرے کے مرنے والے اور بغیر توہرے کیے مرنے والے دونوں شامل ہیں۔ نیز اسی جملہ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی کے جہنمی یا جنتی ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بخشا یا سزا دینا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ البتہ جن جن افراد کے جہنمی یا جنتی ہونے پر نص وارد ہو چکی ہے ان کے جہنمی یا جنتی ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔

اس موقع پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ حدیث ہذا میں عموم ہے۔ لفظ حدیث یہ ہیں۔ من اصاب من ذلک مشیئاً۔ جس میں شرک، زنا، قتل، بہتان وغیرہ تمام گناہ داخل ہیں۔ تو اب عموم حدیث کا فشا یہ ہوگا کہ اگر کوئی شرک کر کے مرتد ہو گیا اور اس کو خدا قتل کر دیا گیا تو یہ قتل اس کے لیے کفارہ ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ بات قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔ لہذا حدیث ہذا کا عموم آیت ان اللہ لا یغفران بيشرك به سے مخصوص ہے اور معنی حدیث یہ ہے کہ جس نے شرک کے علاوہ کوئی گناہ کیا اور اس پر عذاب

ہو گئی تو یہ کفارہ ہوگا۔

۳۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذالک کا لفظ اشارہ ہے۔ غیر شرک کی طرف اور لفظ ستراس پر قرینہ ہے۔ کیونکہ ستراس چیز کا ہونا ہے جس کا اظہار اور اخفا ہو سکے۔ یہ امر یہی ہے کہ کفر و شرک امور باطن سے ہیں کیونکہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے لہذا اس تقدیر پر حدیث میں خصوص کی بھی حاجت نہیں رہتی۔

۴۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ شرک سے مراد ہی یہاں شرک خفی، ریا، سمعہ وغیرہ ہے مگر ان کا ایسا فرمانا کسی وجہ سے غلط ہے۔ ان اس لیے کہ جب مطلقاً شرک کا لفظ بولا جائے تو اس سے توحید کا مقابل ہی مراد ہوتا ہے یعنی شرک جلی۔ دوم اس لیے کہ جس زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی تھی۔ یہ اوائل بعثت کا زمانہ تھا اور اس دور میں کثرت سے بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ ان دو فریضوں کے ہوتے ہوئے شرک خفی مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ سوم، یہ کہ فقوب لفظ بھی اس کی تزیید کرتا ہے کیونکہ ریا سمعہ جو شرک خفی ہے اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ فاقم

کیا حد و شرعیہ گناہ کا کفارہ ہیں | حدود و کفارات گناہ کا کفارہ ہوتے ہیں یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ حد و شرعیہ گناہ کا کفارہ ہیں یعنی جس پر حد قائم ہو گئی اس کا گناہ معاف ہو گیا۔ یہ حضرات اپنے مسلک پر حدیث ہذا کے اس جملے سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ أَصَابَ مِنْ ذَالِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارٌ لَهُ | جس سے کوئی گناہ ہوا پھر دنیا میں اس کو سزا دی گئی اس پر حد قائم کر دی گئی تو یہ حد آخرت کے گناہ کا کفارہ ہو جائیگی

چنانچہ اس مسلک کی تائید میں وہ اور بھی حدیثیں پیش کرتے ہیں جو متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے نزدیکی و محاکمے، ابو نعیم عینی سے طبرانی نے (باسناد حسن) اور حضرت حمزہ بن ثابت نے امام احمد سے (باسناد حسن) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے طبرانی نے مرفوعاً اس مضمون کی حدیث روایت کی:-

مَنْ أَصَابَ ذَنْبًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَلَهُ أَكْرَمُ مِنْ أَنْ يَشْتَقِيَ بِالْعُقُوبَةِ عَلَى عَبْدِهِ فِي الْآخِرَةِ (یعنی جلد ۱۸۷)

لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ حدود و کفارات اس عالم کے قیام کے لیے ہیں۔ حد سے آخری سزا کی معافی نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ مجرم اسی دنیا میں توبہ نہ کرے۔ احناف اپنے مسلک پر حدیث ابو ہریرہ سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

لَا أَدْرِي الْخُدُودُ وَذُكُورٌ رَهْلٌ | میں انکل سے نہیں کہتا کہ حدود اس کے اہل کے لیے کفارہ ہوتے ہیں یا نہیں۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ صحیح ہے اور شرط شیخین پر ہے اس کو حاکم و ابوداؤد

نے روایت معمر بن ابی ذؤب عن سعید المقری عن ابی ہریرۃ روایت کیا ہے، وراہم احمد نے عبد الرزاق سے انہوں نے معمر سے روایت کیا ہے۔ لہذا احاف حدیث ابی ہریرہ سے حجت پکڑتے ہوئے اس معاملہ میں توقف فرماتے ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جو ابی علم حدیث عبادہ بن صامت سے استدلال کرتے ہوئے اس امر کے قائل ہیں کہ حدود و کفارہ میں وہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی صحیح مانتے ہیں اور دونوں

حدیثوں میں تطبیق یہ دیتے ہیں کہ حدیث ابو ہریرہ سابق ہے یعنی یہ بات کہ حد کے قائم ہو جانے سے گناہ معاف ہو جاتا ہے انہیں؛ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا جب کہ اس کے متعلق اللہ عزوجل کی طرف سے کوئی ہدایت نہ آئی تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ حد کے قائم ہو جانے سے آخرت کا گناہ معاف ہو جاتا ہے جس کا بیان حدیث عبادہ میں ہے۔ ان کی اس تقریر پر یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ سابق نہیں ہو سکتی کیونکہ حدیث عبادہ اس وقت کی ہے جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو مکہ معظمہ میں بیعت فرمایا تھا۔ یہ بیعت اولی کہلاتی ہے اور حضرت ابو ہریرہ اس بیعت کے سات سال بعد عام خیبر میں ایمان لائے تھے لہذا

حدیث ابو ہریرہ سابق کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ عام خیبر میں بیعت کے سات سال بعد ایمان لائے مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے خود حضور علیہ السلام سے حدیث نہ سنی ہو بلکہ کسی اور صحابی سے سُن کر بیان کی ہو۔ جس نے قدیم سے حضور علیہ السلام سے یہ حدیث سُن رکھی ہوگی۔ حافظ ابن حنبلہ جواب دیا کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ حدیث عبادہ میں وہ بیعت مراد نہ ہو جو لیلۃ العقیقہ میں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کے بعد بھی کئی بیعتیں ہوئیں جن میں حضرت عبادہ شریک ہوئے تھے ان میں سے کوئی بیعت مراد ہو۔ لیکن میری گزارش یہ ہے کہ اس تمام منقول کی بنیاد محض امکان پر ہے یعنی یہ حضرات یہی تو کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس بیعت سے بیعت لیلۃ العقیقہ مراد نہ ہو ممکن ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود حضور علیہ السلام سے حدیث نہ سنی ہو اور اس امکان پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ لہذا صحیح یہ ہے کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابق ہی ہے اور حدیث عبادہ بن صامت سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ حدود سے آخرت کا گناہ معاف ہو جاتا ہے کیونکہ بیعت لیلۃ العقیقہ کے زمانہ میں حدود و قصاص کے احکام نہیں نازل ہوئے تھے اس لیے عقوبت سے حد مراد ہی نہیں ہے۔

اس کے برعکس حدیث ابو ہریرہ میں حدود کا لفظ موجود ہے۔ لہذا حدیث مذہب کے لفظ سے عقوبات نہ تھیں یعنی مصائب و آلام مراد ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو جو رنج و غم پہنچتا ہے حتیٰ کہ جو کانٹا اس کو پہنچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ لہذا جب عقوبت سے مصائب و آلام مراد ہوتے تو اب مسلک امام اہل علم علیہ الرحمہ ہی ثابت رہا۔ نیز طحاوی میں حدیث موجود ہے کہ دربار نبوی میں ایک چور پکڑ کر لایا گیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد پھر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اپنے گناہوں سے توبہ کر لی۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر حد کے جاری ہونے سے اصلی گناہ معاف ہو جاتا ہے تو پھر حضور علیہ السلام حد جاری فرمانے کے بعد توبہ کراتے ۳۔ اب رہی وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ جس سے کوئی گناہ ہوا اس پر حد قائم ہو گئی تو اللہ بہت عادل ہے کہ اس کو دوبارہ آخرت میں سزا دے۔ یہ حدیث ترمذی کی

ہے اور اس کے اصل لفظ یہ ہیں۔ **فَاللّٰهُ اَعْدَلُ مِنْ اَنْ يُّشَاقَّ عَلٰى عَبْدِهِ الْعُقُوبَةُ فِي الْاُخْرَةِ**۔ حدیث کے ان الفاظ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نشانہ قطعی حکم لگانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جو عادل و حقیقی ہے جو رحمن و رحیم ہے اس کی بارگاہ سے اس امید کا اظہار فرمانا ہے کہ وہ اپنے فضل سے اس شخص سے آخرت میں دوبارہ مواخذہ نہ فرمائے جس پر دنیا میں مد شرعی قائم ہو چکی ہے۔ لہذا اس حدیث سے بھی قطعی طور پر ثابت نہیں ہوا کہ جس پر مد شرعی لگ گئی اس کا گناہ بھی معاف ہو گیا۔

ضروری نوٹ :- اس سلسلہ میں ہر جہی قابل غلط ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں میں تقویٰ و خیریت کا یہ عالم تھا کہ جب ان سے باقتضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو فوراً نادم ہوتے۔ حتیٰ کہ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اگر عرض کرتے کہ ہم سے گناہ ہو گیا ہے پاک کر دیجئے (حد لگا دیجئے) ظاہر ہے کہ جن کی خیریت کا یہ حال ہو کہ وہ اپنی ذات کو خود سزا کے لیے پیش کر دیں اور اپنے گناہ پر منفعّل ہوں تو ان کا نادم ہونا اور خود حاضر ہو کر جرم کا اقرار کرنا ہی توبہ ہے۔ چنانچہ حضرت ماعز اسلی نے خود حاضر ہو کر اقرار جرم کیا اور ان پر حد لگی۔ اسی طرح ایک خاتون نے اسراف جرم کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ماعز ہے۔ وضع حمل کے بعد آنا۔ وہ وضع حمل کے بعد پھر آئیں تو فرمایا ابھی بچہ کے دودھ پینے کا زمانہ ہے جب وہ ختم ہو جائے تو پھر آنا۔ چنانچہ وہ خاتون مدت رضاعت پورا کرنے کے بعد پھر آئیں اور بچے کے دودھ پینے روٹی کا ٹکڑا اٹھا۔ جس سے انھوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ اب بچہ میرے دودھ کا محتاج نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے حد لگانے کا حکم دیا اور اس خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق فرمایا :-

مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ نا جائز طور پر ٹیکس لینے والا بھی اگر توبہ کرے تو بخشا جائے۔

وَاللّٰهُ لَيُغْفِرَ بِسَيِّئِهِ لَقَدْ تَابَتْ قَوْمُكُ
لَوْ تَابَتْهَا صَاحِبُ مَكْسِبٍ لَغْفِرَ لَكَ

اور حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا۔

اِسْتَعْفُوْا اِلٰى عَزَبِ بْنِ مَالِكٍ لَقَدْ تَابَ قَوْمُكُ
لَوْ قِسِمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ لَوْ سَمِعْتُ هُمْ
(مشکوٰۃ شریعت کتاب الحدود)

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حد شرعی ان کے گناہ کا کفارہ ہو گئی بلکہ گناہ کی معافی تو ان کے منفعّل ہونے سے ہوئی ہے۔ فاقلم

۳۔ حضرت ملا علی قاری نے فوقتب کی ایک اور تفسیر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص نے کوئی جرم کیا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کو سزا دیدی تو اس جرم کی سزا آخرت میں اس کو نہیں دی جائیگی۔ البتہ توبہ کرنے کی سزا اس کو ضرور ملے گی کیونکہ ترک توبہ ایک علیحدہ جرم ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ **وَمَنْ لَّعَنَ يَتُوبْ فَلَا يَلِكُ هُمْ الظَّالِمُونَ** (مراقات ج ۱ ص ۸۷) (واللہ اعلم)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ | اس حدیث کے راویوں میں حضرت عبادہ قابل ذکر ہیں۔ آپ حسین و جمیل قد آور نہایت مضبوط ہل کے صحابی تھے۔ عقبہ اولی و ثانیہ مرو احذ بیت الرضوان اور نام شاہد میں شریک ہوئے۔ سب سے پہلے فلسطین کے حاکم یہی بنا کے گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو شام کا قاضی بھی بنایا تھا۔ یہ حص میں مقیم ہو گئے پھر فلسطین میں آ گئے اور وہیں ۳۴ھ میں انتقال فرمایا اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔ عبادہ بن صامت نامی صرف ایک ہی صحابی ہیں لیکن عبادہ نامی بارہ صحابی ہوئے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت سے ۸۱ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے صرف ۶ حدیثوں پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے اور دو کو صرف مسلم نے اور دو ہی کو بخاری نے منقول ذکر کیا۔

باب من الدین القرار من الفتن
باب فتنوں سے بچنا بھی دینداری ہے

باب فتنوں سے بچنا بھی دینداری ہے

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آجیگا کہ مسلمان کل ہنہرین مال بکریاں قرار پائیں گی۔ جن کو سناٹھنے کے اپنے دین کو فتنے سے بچانے کے لیے وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے فحشات پر چلا جائیگا۔

١٨- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْمَطَرِ يَفْرُغُ بِدِينِهِ مِنَ الْفَنَنِ (بخاری شریف)

فوائد ومسائل

۱۔ اس حدیث کو امام نے ان ارباب میں ذکر کیا ہے۔ فتن، رفاقی، علامات نبوت اور ابو داؤد،

مسائل حدیث

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔ جب فتنہ و فساد کا دور دورہ ہو۔ حق کا

کہنا اور حق پر چلنا مشکل ہو جائے تو ایسے وقت میں صرف اپنے دین و ایمان کی سلامتی کے لیے گوشہ نشین ہو جانا بہتر ہے لیکن جو شخص فتنہ کے مٹانے پر قادر ہو اس کو گوشہ نشینی جائز نہیں ہے۔ اس پر نفاذ واجب ہے کہ حق پر رہے اور لوگوں کو چلائے۔ اس میں اختلاف ہے کہ جب فتنہ نہ ہو تو ایسی صورت میں گوشہ نشین ہونا جائز ہے یا نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ ایسی صورت میں گوشہ نشین نہیں ہونا چاہیے کیونکہ گوشہ نشینی کی صورت میں تعلیم و علم کا سلسلہ جاری نہ رہے گا اور اس کے وجود سے حق کی جو اشاعت ہوتی تھی اور خود اس کو جمعہ و جماعات میں شرکت نصیب ہوتی تھی وہ بند ہو جائے گی۔ حضرت امام غزالی نے عزالت اور صحبت دونوں کے فوائد و نقصان پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے اور اہل علم کی اس باب میں مختلف رائیں ہیں۔ بہر حال حدیث ہذا سے اتنی بات ہی ثابت ہوتی ہے کہ فتنہ و فساد عام ہو جائے اور دین پر نظام رہنا مشکل ہو جائے تو ایسے نازک وقت میں گوشہ نشین ہو جانا بہتر ہے تاکہ انسان اپنے دین کو سلامت رکھ سکے۔ اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبر دی ہے۔ جو آپ کا معجزہ ہے یعنی ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ مومن کو دین کی حفاظت کے لیے پہاڑوں کی چوٹی پر پناہ گزین ہونا پڑے گا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جماعت صحابہ سے یہ روایت کرتے ہیں۔ جس میں خلفائے اربعہ اور آپ کے والد مالک بھی شامل ہیں۔ صحابہ کرام حضرت عمر و ابن عباس اور شہر تابعین کرام نے ان سے روایت کی ہے۔ آپ نے پینہ میں ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں وفات پائی۔ آپ نے ۶۰ھ میں روایت کی ہیں جن میں سے ۴۶ حدیثوں پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا اور ۱۶ حدیثیں صرف بخاری نے اور ۵۲ حدیثیں صرف مسلم نے ذکر کیں۔

بَابُ قَوْلِ الشَّيْبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ

باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہوں

وَأَنَّ الْمَعْرِفَةَ فَخْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَلَئِنْ يَسْأَلُوكَ فِيمَا كُنتُمْ بَيْنَكُمْ قُلُوبُكُمْ

اور معرفت دل کا فعل ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ لیکن اللہ اسی پر مواخذہ فرمائے گا جو تمہارے دلوں لے گیا یا ایسی جس چیز کا تمہارے دل نے اعتقاد کیا۔ (بخاری)

۱۔ فرقہ کرامیہ کا خیال ہے کہ ایمان مجرد اقرار کر کہتے ہیں۔ لہذا منافق ظاہر میں مومن ہے اور باطن میں کافر اور یہ کہ دنیا میں منافق پر سامانوں کے احکام جاری کیے جائیں گے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ان المعْرِفَةَ فَخْلُ الْقَلْبِ کا عنوان قائم کر کے کرامیہ کے اس خیال کی تردید کی ہے اور آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ کسبت کے معنی عزم و ارادہ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسی پر مواخذہ فرماتا ہے جس کو آدمی دل سے قبول کرے۔ لہذا مومن ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ضروریات دین کو دل سے قبول کیا جائے۔ محض زبان سے اقرار کافی نہیں۔

۲۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسی آیت سے دوسرے کے منافی ایمان نہ ہونے کی دلیل بھی ملتی ہے۔ آدمی کا دل افکار و خیالات کا گنجینہ ہوتا

ہے۔ ماحول کے اثرات سے متاثر ہو کر دل میں طرح طرح کے خیالات آیا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ کبھی کبھی ایسے خیالات و خطرات بھی آدمی کے دل و دماغ کو پریشان کرتے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے کافرانہ و ملعانہ ہوتے ہیں۔ ایسے خیالات و خطرات کے منتقلی علم یہ ہے کہ جب تک یہ خیالات و وسوسہ کی مذمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مواخذہ و محاسبہ نہیں ہوتا لیکن جب یہی خیالات و خطرات و وسوسہ کی حد سے بڑھ کر اس شخص کا قتل و حمل اور عقیدہ بن جائیں تو پھر ان پر مواخذہ ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں بخاری، ابوداؤد و مسلم کی مندرجہ ذیل احادیث کو پیش نظر رکھ لیجئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِيْ مَا وُسْوَسَتْ بِهٖ صُلُوْهَا مَا لَكُمْ فَعَمَلٌ بِهٖ اَوْ تَشْكَلُكُمْ (رواہ البخاری و مسلم)
 ۲۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَالُوْهُ اِنَّ بَعْضَ فِىْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَحَاظَرُ اَحَدُنَا اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ ؟ قَالَ اَوْقَدْ وَجَدْتَ مَوَهُ فَاَكُلُوْا فَعَمَلُكُمْ ! قَالَ ذٰلِكَ صَبْرٌ عَلَی الْاِيْمَانِ
 فرمایا کیا واقعی تمہاری یہ حالت ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ ہاں یہی حال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو خاص ایمان ہے۔

یعنی اگر کسی شخص کی یہ کیفیت ہو کہ وہ دین اور شریعت کے خلاف و سادس سے آٹھ گھبرائے اور ایسا پریشان ہو کہ زبان سے ادا کرنا بھی اس کو گراں ہو تو یہ ناص ایمانی کیفیت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ کبھی کبھی میرے دل میں ایسے بُرے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ان کو زبان سے نکالوں؟ اس پر آپ نے فرمایا اللہ کے لیے حمد ہے جس نے اس کے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا۔

۳۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّيْ اُحَدِّثُ نَفْسِيْ بِالشَّيْءِ لِاَنْ اَكُوْنَ حُمَمَةً اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَتَكَلَّمَ بِهٖ . قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَدَّ اَمْسِرَهُ اِلَى النُّوْسُوْسَةِ (رواہ ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ جب تمہارا یہ حال ہے کہ تم کو خلاف اسلام خیالات و خطرات استدر تکلیف پہنچاتے ہیں تو اس پر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے رب کریم کا شکریہ ادا کرو کہ اس کے فضل و کرم اور اس کی دیکھ بھری نے تمہارے دل کو ان بُرے خیالات کے قبول کرنے سے بچالیا اور بات و وسوسہ کی حد سے آگے نہ بڑھنے دی۔

۴۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ | حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَ
كُفْرًا فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ
مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ
رَبَّكَ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ
بِاللَّهِ وَلْيَسْتَعِذْ (رواه البخاری ومسلم)

علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا
ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز
کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے
متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے کہ جب ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے
والا ہے تو پھر اللہ کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ پس سوال کا
سلسلہ جب یہاں تک پہنچے تو چاہیے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے اور رک جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے دوسرے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور جب شیطان اس قسم کے جاہلانہ
سوالات دل میں ڈالے تو اس کا علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے پناہ مانگے اور اس مسئلہ کو قابلِ توجہ و لائقِ غور بھی نہ
سمجھے ایک اور حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے اس میں فرمایا ہے۔

لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يَمُوتُوا
هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَسَمِ خَلَقَ اللَّهُ؟
هَمَّ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ
أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون و چرا کا سلسلہ جاری
رہیگا۔ بیانِ تک کہ یہ احفاظ نہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ
تعالیٰ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا
کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات
ختم کر دے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔

(رواه البخاری ومسلم)

مطلب یہ کہ بعض اوقات یہی سوالات ملحدانہ نظریات رکھنے والے افراد کی طرف سے ہوتے ہیں اور مومن کو چاہیے
کہ جب اسے ایسے لوگوں اور ایسے سوالوں سے سابقہ پڑے تو بات یہ کہہ کر ٹال کر دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر میرا
ایمان ہے اس لیے تمہارے لایعنی اور بھل سوالات بالکل قابلِ غور نہیں جس طرح کسی آنکھ والے کے لیے یہ سوال قابلِ
غور نہیں ہے کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں؟ ۲۔ امام بخاری نے یہ جو فرمایا ہے کہ معرفتِ دل کا فعل ہے
اس سے معرفتِ اختیاری مراد ہے کیونکہ معرفتِ اضطراری کو اہلِ لغت فعل سے موسوم نہیں کرتے۔ نیز مومن ہونے کے لیے
معرفتِ اختیاری کا ہونا ضروری ہے۔ قرآن نے کہا۔ یَعْرِضُونَ كَمَا يَعْجِفُونَ ابْنَاهُمْ۔ یہ کافر حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے ال باپ کو پہچانتے ہیں حضور علیہ السلام کی معرفت کے باوجود ان کو کافر کہا گیا۔ کیوں؟
اس لیے کہ ان میں معرفتِ اضطراری پائی گئی ہے اختیاری نہیں اور شریعت میں جس معرفت کا نام ایمان ہے وہ معرفتِ اختیاری ہے

۱۹۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ
أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ
قَالُوا إِنَّا لَنَسْنَاكَ كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ فَدَّ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صحابہ کو جب کوئی حکم دیتے تو انہیں کاموں کا حکم دیتے جن
کو وہ کر سکتے۔ صحابہ کرام عرض کرتے یا رسول اللہ ہم آپ کی
طرح نہیں ہیں آپ کے صدقے تو اللہ نے آپ کے اگلے دو چھدن تک
گناہ بھی بخش دیتے ہیں تو حضور ناراضگی کا اظہار فرماتے جس کا

اثر آپ کے چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتا پھر فرماتے ہیں
تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس کی
معرفت رکھتا ہوں۔

مِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضِبُ حَتَّى
يُعَذِّبَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ يَقُولُ إِنَّ
أَشْأَكُمْ وَأَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ أَنَا (بخاری)

۱۔ یہ حدیث افراد بخاری میں سے ہے اور مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

فوائد مسائل

۲۔ اذا امرهم كما ينبغي به کہ حضور علیہ السلام صحابہ کو انہیں کاموں کا حکم فرمانے تھے جو
وہ مل الدوام کر سکیں۔ انما لکسنا۔ اس پر صحابہ کرام عرض کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام آپ تو مغفور ہیں۔ آپ کو عمل کی
ضرورت نہیں ہے۔ اس کے باوجود آپ اعمال خیر پر مواظبت فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم معصوم نہیں ہیں اس لیے ہمیں
کثرت عبادت اور زیادہ سے زیادہ اعمال خیر میں حصہ لینے کی اجازت دی جائے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا
از فرمایا اور فرمایا میں عمل کا زیادہ سزاوار ہوں کیونکہ علم واقعی ہوں اور تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ میں جس بات کا حکم دوں اس
کی تعمیل کرو۔

مسئلہ عصمت انبیاء
اتقوا واعلموا اسم تفضیل کے صیغے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی
قوت علیہ وعلیہ سب سے برتر و افضل ہے حضور علیہ السلام تمام اقسام تقویٰ کے جامع
ہیں۔ عبادت اللہ کی رضا کے مطابق عمل کرنے کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوگا۔ اس کی
عبادت بھی سب سے افضل و اعلیٰ ہوگی۔ لہذا آئی کا تشریح کے تشریح بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے قلیل سے قلیل عمل کی
براہی نہیں کر سکتا۔ نبی کا ایک مسجد اتنی ہے کہ کروڑوں مسجدوں سے افضل و برتر ہے۔ واضح ہو کہ جمہور مفسرین و محدثین
و ائمہ دین اس امر پر متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ تفسیرات احمدیہ میں آیت، لا ینال علیہ
الظالمین کے تحت لکھا ہے کہ:-

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک لمحہ کے لیے بھی قبل نبوت و بعد نبوت
کسی معبود و کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ جیسا کہ فتنہ
ابہر میں سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ نے تصریح فرمائی ہے۔

لا خلاف لاحد فی ان نبینا صلی اللہ علیہ
وسلم لم یرتکب صغیرۃ ولا کبیرۃ
طرفۃ عین قبل الوحی و بعدہ کما
کرہ ابو حنیفہ فی الفہم الا کبر

نیز علامہ قاضی عیاض، ابواسحاق و علامہ نقی الدین سبکی و دیگر علماء و ائمہ دین نے تصریح کی ہے کہ حضور علیہ السلام
سے کوئی گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ سہواً ہو یا عمدتاً صادر نہیں ہوا۔ چنانچہ آیت، لیخسر لک اللہ ما تقدم من
انبل و ما تاخر کے علماء نے متعدد معنی کیے ہیں۔

۱۔ علامہ سبکی و شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اس معنی کی تحسین و تعریف کی کہ آیت کسی الغریش یا گناہ کے
زرع کی اطلاع نہیں دیتی بلکہ ازراہ مجریم و تشریف یہ فرمایا گیا کہ اگر کسی گناہ کا امکان بھی فرض کر لیا جائے تو وہ بھی بخش دیا گیا
دکتے ہیں۔ مقصود و کلام اثبات ذنب اور اس کا غفران نہیں بلکہ اس جہد مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

معصیت نہیں ہے تو ایسی صورت میں کیا ضروری ہے کہ یہاں ذنب کے معنی گناہ کے لیے جائیں۔ پس اس تشریح کی روشنی میں ذنب کے معنی الزام قوم کے ہیں۔ غفر کے معنی مٹانے کے۔ ماقدم سے مراد وہ الزامات ہیں جو کفار نے حضور علیہ السلام پر قبل ہجرت لگائے یعنی یہ کائناتیں۔ شعو و ساحر ہیں وغیرہ وغیرہ اور ماسا خاص سے مراد وہ اتہامات ہیں جو انہوں نے بعد از نبوت لگائے کہ یہ فریادی ہیں۔ کہ کو اُچاڑنے والے اور جھاتی جھاتی میں جھاتی ڈالنے والے ہیں وغیرہ (امعان اللہ) تو اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بیک کی فتح میں کاپلا ٹرو یہ ہوگا کہ وہ اگلے پچھلے تمام الزامات مٹ جائیں گے جو آپؐ نے لگا رکھے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ نتائج اس صلح سے بہت جلد مرتب ہو گئے۔

صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد جو تبلیغ قریش اور غلام قریش میں رکی ہوئی تھی۔ وہ موانع دور ہو گئے۔ لوگ اسلام کو سمجھنے لگے۔ بصارت کھلی، بصیرت بیدار ہوئی اور ان تمام الزامات و اتہامات کی لغویت کا خرد ان لوگوں کو بہ بندامت الافعال اقرار کرنا پڑا۔

آیت کی یہ توجیہ بہت ہی نفیس ہے اور اس توجیہ پر فتح میں اور مغفرت ذنب کے درمیان نہایت نفیس مناسبت پیدا ہو جاتی ہے کہ مختصر یہ کہ آیت کا مفہوم یہ ہے :-

”ہم نے آپ کو فتح میں عطا فرمائی۔ اس کے ذریعے اللہ نے آپ کے لیے پہلے اور پچھلے الزامات و اتہامات کو مٹا دیا۔“

بَابُ تَفَاضُلِ أَهْلِ الْإِيمَانِ فِي الْأَعْمَالِ

باب اہل ایمان کے اعمال میں تفاضل کے بیان میں

۲۰۔ حدیث نمبر ۲۰ کا وہی مضمون ہے جو کہ حدیث نمبر ۱۵ کا ہے جو مع تفہیم و ترجمانی اور پرگزریں ہے اس لیے یہاں نہیں لکھی یعنی اس باب میں اعمالِ صالحہ کی وجہ سے جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر فضیلت ہوتی ہے اس کا بیان ہے۔ اسلام میں دولت و حکومت ماری فضیلت نہیں ہے۔ ماری فضیلت صرف تقویٰ ہے۔ قرآن حکیم نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم و افضل وہ ہے جو تقویٰ کو اختیار کیے ہوئے ہے۔

حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں اور اہل نار دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر اللہ عزوجل فرمائیگا کہ جس کے دل میں رانی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو۔ پس وہ نکالے جائیں گے (اور وہ جل کر کولے کی طرح اُکالے ہو گئے ہوں گے۔ پھر ان کو نہ حیار یا نہ جیوہ میں ڈالا جائیگا (ماک کو جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس میں شک ہے کہ حضور نے جیاً فرمایا یا جیوہ فرمایا، پھر اُگے گا دان کے جسم پر گوشت) جیسے سیلِ آب کے کسے۔ جنتی

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ هَلْ الْجَنَّةِ الْجَنَّةُ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَحْرَجُوا مَنْ كَانَ فِي لِبْسِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرَدَلٍ مِنَ الْإِيمَانِ يَخْرُجُونَ مِنْهَا فَتَذْأَسُوذًا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهْرٍ الْحَيَاءِ أَوْ الْحَيَلِ يَشْكُ مَا لَمْ يَنْتَبَهُنَّ كَمَا تَنْتَبَهُنَّ الْحَيَّةُ فِي ذَائِبِ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفَرَاءَ

مُلْتَوِيَةً قَالَ وَهَيْبٌ حَدَّثَنَا عُمَرُ وَالحِجَاؤُ
وَقَالَ حَزْكَلٌ مِنْ حَظِيرٍ

(بخاری)

اگ آتا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ وانا پہلے حکمتاً ہے زرد
پینا ہوا۔ وہیب نے کہا روایت عمر میں لفظ حیات آتا
ہے اور خزول من ایمان کی جگہ خزول من غیر وارد ہوا ہے۔

اس حدیث کو امام نے باب صفۃ المجتہد والنار میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم و ترمذی نے
کتاب الایمان میں درج کیا ہے ۲۔ اسی مضمون کو ایک حدیث باب زیادة الایمان و
نقصانہ میں بھی آئی ہے۔ فارین اس کی تفہیم و ترجمانی کو بھی بغور پڑھیں۔

الفاظ حدیث کی لغوی تفہیم | مشقال - ثقل سے ہے۔ اس کے معنی مقدار اور وزن کے ہیں جیسے قرآن
پاک میں آیا۔ مشقال ذرة - اسی ذرة ذرة - مشقال فقہی حسب تصریح

فقہاء ایک سو عدد جو یعنی چار ماشہ چار رتی کا ہوتا ہے۔ حیاء بالمد کے معنی مذمت و شرمندگی کے ہیں اور حیاء
بالنقص کے معنی بارش ہیں جس سے بھیتی سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔ روایت کریمہ میں یہ لفظ بالقصر مروی ہے اور یہی
مناسب بھی ہے۔ فہر الحیاء وہ نمر ہے جس میں غوطہ کھلے والے وزن کی گئی جائے۔ حیۃ کی جمع جب ہے۔
اس کے معنی بیج ہیں۔ حبہ کا لفظ گندم کے دانے اور ہر قسم کی تاریوں وغیرہ کے بیج پر ہوتے ہیں۔ امام کاشانی نے
پچھولوں کے بیج مراد لیے ہیں۔

تفہیم حدیث - ظاہر ہے کہ ایمان کیفیت نفسانیہ کا نام ہے۔ یہ جسم نہیں کہ ناپا تو لا جائے لیکن معنویات
کو محسوسات سے تشبیہ دے کر سمجھایا کرتے ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جس شخص میں اصل ایمان موجود ہوگا وہ غلہ
کیسا ہی گندگار کیوں نہ ہو بالآخر جسم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائیگا۔ جب سے تشبیہ محض اس امر میں دی گئی ہے کہ
جیسے جڑی بوٹیوں کے بیج نہر کے کنارے ذرا سے ذرا سے وقت میں اگ آتے ہیں اور یہ جڑی بوٹیاں پھول وغیرہ نہایت صاف و
شفاف ہوتے ہیں۔ ایسے ہی نافرمان مسلمانوں کو ان کے اعمال بد کی سزا دینے کے بعد جب جسم سے نکال کر نہر حیات میں غوطہ
دیا جائیگا تو ان کے جلے بھنے جسم اور جھیلے ہوئے بدن انتہائی سرعت کے ساتھ اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے اور نہایت تیز
تازہ ہو جائیں گے۔ اس حدیث سے اہل سنت و جماعت کے اجماعی عقائد نہایت وضاحت سے ثابت ہوتے ہیں۔

اولے - ایسے لوگ بھی ہوں گے جو باوجود مومن ہونے اور کلمہ پڑھنے کے اپنی بد اعمالیوں کے سبب جہنم میں ڈالے
جائیں گے۔ دوسرے - جس کے دل میں اصل ایمان ہوگا وہ بالآخر دوزخ سے ضرور نکالا جائیگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ادنیٰ وجہ
کا مومن عذاب وہ کیسا ہی فاسق فاجر گندگار کیوں نہ ہو۔ کافروں اور مشرکوں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے۔

سومے - مرجعہ کے اس خیال کی تردید ہوگئی کہ مومن خواہ کتنا ہی گندگار ہو دوزخ میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جائیگا۔
چہارمے - اس حدیث نے معتزلہ کے اس خیال کی بھی تردید کر دی کہ گندگار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

پنجمے - اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنین اعمال کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔
حضرت عمر کی فضیلت | ۲۲ - عَنْ اَبِي | حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ
انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو

أَمَّا عَنْ أَبِي سَهْلٍ ابْنِ حَنِيفَةَ أَتَتْهُ سَمْعَةُ
أَبَا سَعِيدٍ ابْنِ الْخُدْرِيِّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَنَا أَنَا نَائِمٌ وَرَأَيْتُ
النَّاسَ يُعْرِضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قَمَصٌ
مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الشَّدْحَ وَمِنْهَا مَا ذُنْتُ دَائِدَ
وَعُرِضَ عَلَيَّ عَمَّتُ ابْنُ الْخُدْرِيِّ وَعَلَيْهِ قَمِصٌ
يَجْرُهُ قَالُوا فَمَا أَرَأَيْتَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
قَالَ السَّيِّئُ

یہ فرماتے ہوئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ بحالت خواب لوگ میرے سامنے لاتے
گئے۔ وہ قمیص پہنے ہوئے تھے۔ کسی کا قمیص سینہ
تک اور کسی کا اس سے نیچے تھا۔ عمر بن الخطاب
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب لاتے گئے تو وہ ایسا کرتے
پہنے ہوئے تھے جس کو وہ سمیٹ رہے تھے (یعنی بہت
نیچا) صحابہ نے عرض کی آپ نے اس سے کیا تعبیر کی۔
فرمایا۔ دین (بخاری)

امام بخاری نے اسی حدیث کو کتاب التفسیر اور باب فضل عمر میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم و نسائی
و ترمذی نے فضائل میں۔

تشریح و توضیح

۲۔ يُعْرِضُونَ کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ قمص۔ قمیص کی جمع ہے۔ شِدْحَی دال کے برابر اور ی کی
تشدید کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ اَدْنٰی تاویل سے مشتق ہے۔ یہاں اس کے معنی تعبیر کے ہیں ۳۔ حدیث ہذا سے
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام صحابہ کرام پر ماسوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضیلت ثابت
ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ ہر کتاب کے ان کا ذکر حضرت فاروق اعظم سے بھی زیادہ
چلا ہو۔ دوسرے حضرت ابوبکر کا تمام صحابہ سے افضل ہونا جماعی سلسلہ ہے اور آپ کی فضیلت میں وارد شدہ احادیث
مؤثر ہیں اور یہ حدیث غیر واحد ہے اور خبر واحد متواتر کے معارض نہیں ہو سکتی ۴۔ اس حدیث میں تفاضل فی الایمان سے
تفقیقِ ایمان میں تفاضل مراد نہیں ہے بلکہ اعمال میں تفاضل مراد ہے جس سے نور ایمان زیادہ ہوتا ہے ۵۔ حدیث ہذا میں
رایا گیا۔ بہت افراد میرے سامنے پیش ہوئے قمیص پہنے ہوئے تھے۔ مگر فاروق اعظم کا قمیص سب سے نیچا تھا۔ اور اس کی
بیر حشر علیہ السلام نے فرمائی یعنی حضرت فاروق اعظم سب سے زیادہ کامل الایمان اور صاحبِ غیر کثیر ہیں ۶۔ اس حدیث
میں دین کو قمیص سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وجہ تشبیہ ستر ہے۔ جیسے قمیص بدن انسان کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ اسی طرح دین و
بان یہ آتش و وزخ سے بچانے کا سبب ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا۔ خواب میں قمیص پہنے ہوئے دیکھنا اس سے دین مراد ہوتا
ہے اور قمیص کا نیچا ہونا کہ پہنے والا اس کو سمیٹ کر چلے اس کی تاویل یہ ہے کہ صاحبِ قمیص کے آثار جمید اور حسنِ حسہ اس کی
فات کے بعد باقی رہیں گے تاکہ مسلمان اس کی اقتداء کریں ۷۔ اس حدیث سے خواب کی تعبیر لینے کا جواز ثابت ہوا ۸۔ امام
اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے قمیص کے چھوٹے بڑے ہونے
دین سے تعبیر کیا یعنی جس کا قمیص چھوٹا تھا اس میں ایمان کم تھا جس کا لمبا تھا اس میں ایمان زیادہ تھا۔
علامہ معنی نے جواب دیا۔ حدیث ہذا میں نفسِ ایمان میں تفاضل کا بیان نہیں ہے بلکہ اعمالِ حسنہ میں تفاضل کا بیان
مقصود ہے جس سے نورِ ایمان زیادہ ہوتا ہے۔

۹۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر بسبب اعمال فضیلت ہے۔

بَابُ الْحَيَاءِ مِنَ الْإِيمَانِ

باب اس امر کے بیان میں کہ حیا بھی ایمان کی نشانی ہے

۲۳۔ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ
فِي هُوَ بَعْضُ أَحْبَابِهِ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْنِي فَإِنَّ الْحَيَاءَ
مِنْ الْإِيمَانِ

سالم بن عبد اللہ وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے قریب سے گزرے۔ وہ اپنے بھائی کو حیا کے متعلق نصیحت کر رہے تھے (یعنی حیا سے منع کر رہے تھے) اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جانے دو (یعنی جیا کرنے سے منع نہ کرو، کیونکہ حیا بھی ایمان کی نشانی ہے۔) (بخاری)

فوائد ومائل

امام نے اس حدیث کو کتاب البر والصلہ میں بھی ذکر کیا ہے اور ابو داؤد، نسائی و ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے ۲۔ وعظ کے معنی نصیحت کرنے یا دہلانے۔ کسی چیز سے ڈرانے سے آتے ہیں وہ انصاری اپنے بھائی کو حیا نہ کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسا مت کرو۔ کیونکہ حیا ایمان کی نشانی ہے یعنی جیسے ایمان معاصی سے روکتا ہے۔ اسی طرح حیا بھی روکتی ہے۔ یہاں اصل اس کیفیت کا نام ہے جو انسان میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ اسے اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ کوئی اسے عیب لگائیگا یا اس کی مذمت کریگا اور ترک فعل حیا کے لوازم سے ہے۔ غالباً اسی لیے بعض علماء نے ترک فعل کا نام حیا رکھا ہے۔ سلیم طبعیتیں اس کام کے کرنے میں حیا کرتی ہیں۔ جو قبیح ہوتے ہیں۔ لیکن جاہل دُک نیک کاموں کے کرنے میں بھی حیا کرتے ہیں اور اب تو زمانہ کا یہ عالم ہے کہ لوگ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے میں حیا کرنے لگ گئے ہیں۔ بہ حال جس حیا کو علامت ایمان قرار دیا گیا ہے وہ وہی حیا ہے جو آدمی کو بُرائیوں کے اختیار کرنے سے روکے۔ مومن حق کئے اور حق پر چلنے میں یا نہیں کرتا۔ (من الایمان) میں لفظ من تمہیضیہ ہے اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے جس کے لفظ یہ ہیں۔ الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب حیا ایمان کا جزو ہے تو جس میں حیا نہ ہو اس میں بعض ایمان بھی ہوگا اور جب بعض ایمان نہ رہے گا تو حقیقت ایمان کی نفی ہو جائے گی اور ایمان کی نفی غریبہ تو ان مقدمات سے نتیجہ نکالے گا کہ جس میں حیا نہ ہو وہ کافر ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حیا حقیقت ایمان سے ہے بلکہ حیا تو مکملات ایمان ہے اور نفی کمال کی مستلزم نفی حقیقت نہیں ہوتی۔ فافہم

بَابُ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ

باب کہ اگر یہ کافر توبہ کریں اور نماز قائم کریں

وَاتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا مَسَاجِدَهُمْ

۲۴۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُصْرِتَ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ
حَتَّى يَبْشَهُلُوا وَأَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنَّ
مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا
الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي
وَمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ
وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ

(رواہ مسلم و بخاری)

توضیح

نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ
وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یہ کہ وہ نماز پڑھیں
اور زکوٰۃ ادا کریں تو مجھ سے وہ ایسا کر لیں تو مجھ سے اپنی
جان و مال کو محفوظ پائیں گے۔ مگر اسلام کے حق سے اور
ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (یعنی ان کی فرضیت کے
قائل ہو جائیں۔)

مرجہ فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد عمل کی ضرورت نہیں ہے۔ امام بخاری نے اس باب میں ایک آیت
اور حدیث کو ذکر فرما کر مرجہ کے اس خیال کی تردید کی ہے۔ آیت میں تین باتوں کا ذکر ہے۔ کفر سے توحید کی
طرف رجوع، نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دینا۔ حدیث میں بھی انہی تین امور کا بیان ہے۔ پھر جس طرح آیت میں اس امر کا بیان ہے
کہ جو شخص ان مذکورہ بالا امور کو بجالائے گا۔ اس کا جان و مال محفوظ ہو جائیگا۔ اسی طرح حدیث میں اسی کا بیان ہے۔ میری
گواہی مبارکہ کی تفسیر بھی ہے۔ مگر امام بخاری نے حدیث کو آیت کی تفسیر کرنے کی غرض سے ذکر نہیں کیا۔ ان کا مقصد مرجہ
کے خیال کی تردید ہے اور یہ بتانا ہے کہ اعمال بھی ایمان کا شیعہ ہے۔ کیونکہ حضرت انس سے مروی ہے کہ باعتبار نزول کے
پیر سب سے آخری آیت قرآن ہے اور حضور علیہ السلام نے قتال کا جو حکم دیا تھا وہ ابتداء بعثت میں دیا تھا اور مستقیم متاخر
کے لیے تفسیر نہیں ہوتا ۲۔ اُصْرِتَ بِصِيْغَةِ مَجْمُولِ امر کا صیغہ ہے۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے
سوا کوئی امر اور احکام نہیں ہے۔ اس لیے جب حضور علیہ السلام یہ فرمائیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے تو اس سے مراد اللہ رب العزت
جل مجدہ کی ذات اقدس ہوگی۔ کیونکہ حضور علیہ السلام دین کے شارح اور امت کے حاکم آمرانہ ہی ہیں اور آپ کے
سوا کوئی اور شارح نہیں ہے اور جب صحابی یہ کہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے تو اس سے مراد حضور علیہ السلام کا حکم ہوگا، اس کی
ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام کا مطیع رسول ہونا بدیہی بات ہے۔ لہذا جب صحابی یہ کہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے تو اس سے
حضور علیہ السلام ہی مراد ہونے چاہئیں ۲۔ اُصْرِتَ اِنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ میں الف لام جنسی ہے۔ مشرک اور
اہل کتاب سبھی اس میں داخل ہیں۔ جو لوگ جزیہ قبول کر لیں وہ اس میں شامل نہیں رہیں گے۔ نسائی کی روایت
میں اُصْرِتَ اِنْ اُقَاتِلَ الْمُشْرِكِيْنَ کا لفظ آیا ہے۔ اسی بنا پر اکثر شراح حدیث نے الناس سے صرف مشرک
مراد لیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب جزیہ قبول کر لینے کی وجہ سے اس حکم سے خاص ہو گئے۔ مطلب حدیث یہ ہے
کہ جو لوگ توحید و رسالت پر ایمان لے آئیں وہ بھی اور جو کفر پر قائم رہتے ہوئے جزیہ قبول کر لیں وہ بھی اپنے جان و مال کو
محفوظ کر لیں گے اور اگر دونوں باتوں میں سے کسی کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے ہمارا کیا جائے گا۔ اُفَاتَرُ الصَّلَاةَ کا مطلب
نماز پر مدامت ہے اور اس کے پورے ارکان و واجبات کے ساتھ ادا کرنے کے ہیں۔ یہ تو الزکوٰۃ یعنی ال کا مختص
صہ ثمر بعت کی مقرر کردہ ہدایت کے مطابق مستحقین کو دینا۔ یَقِيْمُوا الصَّلَاةَ و یؤتوا الزکوٰۃ کا دیگر دلائل شرعیہ پر

پر نظر رکھتے ہوئے معنی یہ ہوں گے کہ وہ توحید و رسالت پر ایمان لانے کے بعد نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کو بھی تسلیم کر لیں۔ عصمہ۔ عصم کے معنی اصل لغت میں روک کے ہیں۔ اسی لیے عصام اس رسی کو کہتے ہیں جو مشک کے منہ پر باندھی جاتی ہے تاکہ پانی باہر نہ نکل سکے۔ یہاں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب وہ ان امور پر ایمان لے آئیں گے تو اب ان کا جان و مال محفوظ ہو جائیگا۔ الا بحق الاسلام کا مطلب یہ ہے کہ باوجود مسلمان ہونے کے اگر کوئی کسی کو ناحق قتل کر دے یا کسی اور جرم کا مرتکب ہوگا تو اس کو سزا دی جائے گی۔ یہ نہیں کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو کھلی چھٹی دیدی جائے کہ جو چاہے کرے۔ حتیٰ شہدو سے واضح ہوا کہ کسی کو مسلمان اسی صورت میں قرار دیا جائیگا۔ جب کہ وہ زبان سے کلمہ پڑھے اور تمام ضروریات دین کو تسلیم کرے۔ حسابہم علی اللہ کا معنی یہ ہے کہ ظاہر پر حکم لگائیں گے اور دلوں کی کیفیت کا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ عصمت احکام دنیوی سے متعلق ہوگی۔ رہا اعمال کا ثواب دینا یا بد اعمالیوں کی سزا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

فائدہ اس حدیث میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز و زکوٰۃ پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔ باقی ارکان اسلامیہ کا ذکر نہیں ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نماز و زکوٰۃ کی اہمیت کی وجہ سے ان دونوں کا ذکر کر دیا ہے ورنہ مومن ہونے کے لیے ان تمام باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں چنانچہ اسی مضمون کی بخاری میں جو حدیث ہے اس کے لفظ یہ ہیں۔ **حَتَّىٰ كَيْشَهُذَا إِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ يُؤْمِنُونَ بِحُجَّتِ بِلَهُ كَوُكُلٍ كَلَهُ**۔ جب کہ وہ توحید کے اقرار کے بعد مجھ پر ایمان لائیں اور جو چیزیں لایا ہوں اس پر بھی ایمان لائیں۔ بما جئت بہ میں تمام امور اسلامیہ آگئے۔ **تَارِكٌ صَلَوةٍ عَمْدًا كَا حَكَمٌ** یقیناً صلوٰۃ و یقیناً صلوٰۃ و یقیناً صلوٰۃ کے الفاظ سے امام شافعی یہ استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص نماز کی فرضیت کے قائل ہوئے کہ باوجود قصداً عمدہ نماز ترک کرے۔ کونہ اسے حداً قتل کر دیا جائیگا۔ اب یہ کہ فی الفور قتل کر دیا جائے یا اس کو تین دن کی محنت دی جائے اس میں صحابہ شافعی کا اختلاف ہے (کہما قالہ السنودی) لیکن جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کے متعلق وہ قتل کا حکم نہیں دیتے۔ بلکہ جبراً اس سے زکوٰۃ وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن ان کے اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث مذکورہ میں صلوٰۃ و زکوٰۃ دونوں کا ذکر ہے۔ لہذا دونوں کا ایک ہی حکم ہونا چاہیے۔ لیکن آپ (شافعی) تارک صلوٰۃ کو حداً قتل کر دینے کا حکم فرماتے ہیں مگر تارک زکوٰۃ کے لیے یہ حکم نہیں دیتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ حدیث ہذا میں اکتساب کا لفظ آیا ہے جو باب مفاعلہ ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں فعل جانبین سے ہوتا ہے اور حدیث میں قتال کا لفظ آیا ہے۔ قتل کا نہیں۔ لہذا اباحت قتال سے اباحت قتل کیسے ثابت ہوگا۔

یہاں تک کہ وہ توبہ

پس تارک صلوٰۃ عمدہ کی تعزیر یہ ہونی چاہئے کہ اس کو قید کر دیا جائے کرے اور نماز کا پابند ہو جائے۔

بَابُ مَنْ قَالَ الْإِيْمَانُ هُوَ الْعَمَلُ

باب اس امر کے بیان میں جنہوں نے یہ کہا کہ ایمان عمل کا نام ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جنت جس کے تم وارث ہوئے ہو اپنے اعمال کی وجہ سے اور بعض اہل علم نے آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ تیرے رب کی قسم ضرور سوال کرے گا۔ اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کرتے ہیں۔ عمل کی تفسیر انہوں نے لا الہ الا اللہ سے کی ہے۔

لَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ الَّتِي أَوْثَقْتُمْ هَٰذَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ الَّتِي أَوْثَقْتُمْ هَٰذَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ الَّتِي أَوْثَقْتُمْ هَٰذَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ الَّتِي أَوْثَقْتُمْ هَٰذَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

امام بخاری نے یہ باب بھی فرقہ حریجی کے اس خیال کی تردید کے لیے باندھا ہے کہ "ایمان کے لیے عمل کی ضرورت نہیں ہے" اور آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ایمان عمل کہتے ہیں جس کی تقریر یہ ہے کہ ایمان دخول جنت کا سبب بنتا ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ تم جنت کے سخی عمل کی وجہ سے ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان عمل کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسری آیت میں یعملون کے لفظ کی تفسیر بعض منسبین نے لا الہ الا اللہ سے کی۔ گویا قول پر عمل کا اطلاق آیا اور یعملون کے معنی ہوئے تو منمنون تو اس سے واضح ہوا کہ ایمان عمل کا نام ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ مرہبہ کا یہ کہنا کہ ایمان کے ساتھ عمل کی ضرورت نہیں ہے باطل محض ہے۔ دلائل شرعیہ سے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نجات کامل کے لیے ایمان کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے۔ بین الامم فی علیہ رجوع آیات یہ استدلال فرماتا کہ اعمال حقیقت ایمان میں داخل ہے قابل نظر ہے کیونکہ آیت عا کا ترجمہ یہ ہے کہ ایمان میں داخل ہیں۔ معنی آیت یہ ہے کہ قیامت کے دن عقیدہ و عمل دونوں کے متعلق سوال ہوگا۔ اسی صورت میں یعملون کی تفسیر صرف عقیدہ سے کرنا تخصیص بلا دلیل ہے۔ ثانیاً عمل کا اطلاق ایمان پر اس حیثیت سے تو صحیح ہے کہ ایمان عمل قلبی یعنی تصدیق۔ لیکن جب عمل کا اطلاق ایمان پر اس حیثیت سے کیا جائے کہ اس سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوئی کہ عمل حقیقت ایمان میں داخل ہے یا اس کا جزو ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عسا کا نوا یعملون سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی اسناد میں بیث بن ابی سلیم ضعیف ہے لہذا اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

وَقَالَ لِمِثْلٍ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے عمل کریں عمل کرنے والے اس آیت سے بھی امام یہی استدلال کرتے ہیں کہ یہاں عمل سے مراد ایمان ہے لیکن یہ دعویٰ تخصیص بھی بلا دلیل ہے۔

۲۵ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيْ الْعَمَلِ أَفْضَلُ فَقَالَ إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قَبِيلَ شَرِّ مَا ذَا قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَبِيلَ شَرِّ مَا

حضرت ابو ہریرہ سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے۔ فرمایا اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پھر پوچھا گیا۔ اس کے بعد فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ پوچھا گیا۔ اس کے بعد فرمایا۔

ذَاتَا كَيْفٍ مِّنْ مَّوْجٍ

| حج مبرور

اس حدیث کو مسلم ترمذی و نسائی نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے۔

قَوْلُهُ مَسَائِلُ

۲۔ اَفْضَلُ۔ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ سب سے زیادہ ثواب والا افضل کو نہا ہے؛ اسی پر اہل استفہام میرے۔ شَرُّ مَا ذَا مِثْرٍ عِلَّة۔ رتیب کے لیے ہے اور مَا استفہام میرے اور ذَا اسم اشارہ ہے۔ عبارت یوں بنے گی۔ اَحْسَنُ شَيْءٍ اَفْضَلُ بَعْدَ اِيْمَانٍ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ۔ جَحَاذٌ جَهْدٌ ہے۔ حج کے زبر کے ساتھ۔ اس کے معنی لغت میں مشقت کے ہیں اصطلاح شرع میں کافروں سے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے لڑنے کا نام جہاد ہے۔ حج کے معنی لغت میں قصہ ہیں۔ اصطلاح شرع میں مکان مخصوص کی زبان مخصوص میں فعل مخصوص کے ساتھ زیارت کرنے کو حج کہتے ہیں۔ مَبْرُور۔ بسر۔ ب کے زیر کے ساتھ اس کے معنی قبول و عتق کے ہیں صبیحہ برتتے ہیں۔ بر اللہ حجک۔ اللہ تعالیٰ تیرا حج قبول کرے۔ اصل لغت میں بسر کے معنی خیر کے جمع ہونے کے ہیں۔ اسی لحاظ سے مبرور مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔ وہ کام جس میں گناہ نہ ہو۔ مبرور یہی سہل یعنی اس نے اپنی قسم کو پورا کر دیا جس میں زیادہ ہو۔ ہر عمل صالح کو بھی یہ کہتے ہیں۔ البیہ شاعر نے بر کو تقویٰ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

وما البر الا مضمرات من التقى

وما البر الا مضمرات من التقى

بر بھی تقویٰ کے مضمرات سے ہے اور مال مدت عمر میں تو دو بعیت ہوتا ہے اور مرنے کے بعد وارثوں کو مل جاتا ہے۔ بر کے معنی نیکی کے بھی آتے ہیں جیسے اَنَا مَسْرُورٌ النَّاسِ بِالنَّبِيِّ اور كُنْ تَنَالُوا الْبِرَّ میں بسر جنت کے معنی میں بھی لہجہ نے لیا ہے۔ بر احسان و صلہ کے معنی میں بھی آتا ہے صلیہ لہجہ میں۔ بَرَّوْتُ وَالِدِيَّ۔ مَبْرُور کے معنی وہ کام جو گناہ سے پاک ہو جو مقبول عند اللہ ہو، جو شہادت سے پاک ہو۔ جس میں ریا نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ حج مبرور کی علامت یہ ہے آدمی پہلے سے زیادہ پابند شریعت ہو جائے۔

توضیح

حدیث ہذا میں عمل پر ایمان کا اطلاق بایں معنی ہوا ہے کہ ایمان فعل قلب ہے یعنی دل کا کام ہے اس لیے ایمان کو بھی عمل کہہ دیا گیا ورنہ حقیقت ایمان مجرد تصدیق ہے اور افضل الاعمال ایمان کو قرار دینا باہمی معنی ہے کہ ایمان اصل ہے اور عمل اس کی فرع ۲۔ اس حدیث میں ترتیب یہ ہے سب سے افضل ایمان باللہ و رسولہ۔ اس کے بعد جہاد، اس کے بعد حج مبرور۔ لیکن حدیث ابن مسعود میں افضل عمل نماز پھر والدین سے نیکی کرنا۔ اس کے بعد حج مبرور کا ذکر ہے۔ حدیث ابن عمر میں افضل اسلام کھانا کھلانا اور سلام کرنے کو قرار دیا گیا ہے اور حدیث ابی موسیٰ میں افضل اسلام اس بات کو بتایا گیا ہے کہ جس کی زبان سے اور ہاتھ سے سلمان سلامت رہیں۔ اسی طرح حدیث ابو ذر میں افضل عمل ایمان باللہ اور جہاد کو بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد غلام آزاد کرنے کو۔ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے تو شبہ پیدا ہوتا ہے کہ احادیث متعارض ہیں۔ کہیں کسی عمل کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے اور کہیں کسی کو۔ جواب یہ ہے کہ اس مضمون کی احادیث کو پڑھتے وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ حضور سید عالم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے

حکیم بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ آپ صاحبِ حکمت ہیں اور حکمت کے معنی ہیں کہ اشیاء کو ٹھیک اپنے محل میں رکھنا تو یہ جو فطریہ اختلاف سا نظر آ رہا ہے۔ یہ بوج اختلاف احوال و اشخاص کے ہے یعنی جب حضور علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ بہترین عمل نماز ہے۔ کبھی فرماتے ہیں کہ بہترین عمل اسلام کو پھیلانا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ کام من جمیع الوجوہ تمام حالات و تمام اشخاص کے لیے ہر ایک سے بہترین ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک حال میں یہ عمل سب سے بہتر ہے اور دوسرے وقت میں دوسرا عمل اس سے بہتر ہے۔ دیکھئے نماز بہتر عمل ہے لیکن ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور ایک نابینا کنوئیں میں گرا چا ہنس رہا ہے تو ایسے وقت میں اس نماز پڑھنے والے کے لیے بہترین عمل یہ ہے کہ نماز کو توڑ دے اور اندھے کی جان بچالے۔ تو یہی مطلب مذکور بالا احادیث میں کسی ایک عمل کو افضل الاعمال قرار دینے کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ زبیرؓ میں حج سے پہلے حجام کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ حج سے صرف ایک وقت کو قطع پینپتا ہے اور جہاد سے پورے اسلام کی شاد بانی ہوتی ہے حالانکہ حج رکن اسلام سے ہے اور جہاد رکن اسلام سے نہیں ہے۔ غلامہ جواب یہ ہوا کہ احادیث مذکورہ بالا میں قطعاً تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ یہی بات ہے کہ ہر عمل اپنے موقع و محل احوال و اشخاص کی بنیاد پر افضل الاعمال کہلایا جاسکتا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضور علیہ السلام کو مختلف قسم کے اشخاص سے واسطہ پڑتا تھا تو آپ اپنے نورِ نبوت سے جس عمل کی کسی یا اس سے لا پر واجبی ملاحظہ فرماتے تھے۔ اس کے لیے خصوصیات کے ساتھ اسی عمل کو افضل الاعمال قرار دیتے تھے تاکہ اس شخص کے دل میں اس عمل کی اہمیت جاگزیں ہو جائے اور یہی حکم کا اتنا مضامین تھا۔

يَابْ إِذَا السَّمَدُ: كُنِ الْوَسْلَامُ عَلَى الْحَقِيقَةِ

باب اس امر کے بیان میں کہ جب اسلام حقیقت نہ ہو بلکہ (ظاہر میں)

جان کے دُور سے جو (تو وہ آخرت میں کچھ فائدہ نہ دے گا) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے (ایسے لوگوں کے حق میں فرمایا) کہ یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو لے محبوب ان سے فرما دو ہم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ بظاہر اسلام کے تابعدار ہو گئے اور اگر اسلام حقیقی طور پر ہو تو یہی مراد ہے اس آیت میں کہ دین تو اللہ کے ہاں صرف اسلام ہی ہے۔

وَكَانَ عَلَى الْإِسْلَامِ آوَخُوفٌ مِّنْ تَمَثُّلِ
لِقَوْلِهِ تَعَالَى قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمَّا قُلُ
لَمْ تُؤْمِسُوا وَلَكِنَّ قَوْلُكُمْ أَسْلَمْنَا فَإِذَا
كَانَ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَهُوَ عَلَى قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ
إِنَّ الْيَدَيْنِ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ الْأَدِيَّةُ

(بخاری)

اسلام معتبر اور اسلام غیر معتبر کا بیان

۱۔ واضح ہو کہ نفس الامری جو اسلام اللہ کے نزدیک معتبر و مقبول ہے وہ یہی ہے کہ آدمی خلوص دل کے ساتھ ضروریات دین پر ایمان لائے بیان آیہ مبارکہ **إِنَّ الْمَدِينَةَ** عِنْدَ اللَّهِ **إِلَاسْلَامٌ** میں ہے ۲۔ اور ف اور تصدیق نہ کی جائے محض رسمی طور پر یا صلح کے طور پر یا حکایت م غیر معتبر ہے اور اس کا بیان آیہ مبارکہ **قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا** کے ان افراد کے حق میں نازل ہوئی جو خطہ سال کے زمانہ میں منہ آئے

اسلام قبول کیا اور حضور علیہ السلام سے کہنے لگے ہم بغیر لڑے آپ کے مطیع ہو گئے ہیں۔ اس لئے آپ ہمارا زیادہ خیال کیجئے جس پر انہیں کہا گیا کہ تم صرف زبانی طور پر دعویٰ اسلام کرتے ہو۔ صمیم قلب کے ساتھ تم نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس لیے تم مومن نہیں ہو۔ البتہ مسلم باہی مئے ہو کہ تم نے ظاہری طور پر اطاعت قبول کی ہے ۳۔ امام بخاری نے یہ باب محض اسلام معتبر و اسلام غیر معتبر میں فرق کو بیان کرنے کے لیے باہم حاسبہ۔ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نفس لاکر میں دہی اسلام خدا کے نزدیک مقبول و معتبر ہے جو صمیم قلب کے ساتھ قبول کیا جائے اور اس کی حقانیت کا اعتراف کیا جائے ۴۔ اِذَا لَمْ يَكُنْ اِلَّا سُلَامٌ عَلَى الْحَقِيقَةِ میں حَقِيقَةً مجاز کے مقابل میں ہے بلکہ اس کے معنی انفس کے ہیں ۵۔ اَوَ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ کے معنی بعض شارحین نے یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کے نزدیک حالت خوف میں قبول کیا ہوا اسلام معتبر نہیں ہے لیکن یہ بات غلط ہے اور امام بخاری کی شان سے بعید ہے کہ یہ حدیث میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افراد کے اسلام کو قبول فرمایا جنہوں نے جان کے خطرہ کی بنا پر اسلام قبول کیا تھا۔ بلکہ وہ لوگ جنہوں نے یہ کہنا پسند نہیں کیا تھا کہ ہم اسلام لائے بلکہ انہوں نے یہ کہا تھا (صلبنا صلبنا) اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے اسلام کو رد کرتے ہوئے ان کو قتل کر دیا تھا۔ جس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ الہی میں خالد کے فعل سے بری ہوں۔ معلوم ہوا کہ مطلقاً خوف کی حالت میں قبول کئے ہوئے اسلام کو غیر معتبر نہیں قرار دیا جاسکتا ۶۔ اسلام لانے کی متعدد صورتیں ہیں یہ کہ جبراً اسلام قبول کر لے مگردل سے برا جائے۔ یہ اسلام معتبر نہیں کیونکہ ایسے شخص نے طعن قلب سے اسلام کی حقانیت کی تصدیق نہیں کی۔ دوم یہ کہ اس کے نزدیک کسی بھی دین میں رہنا جائز ہو اور وہ اسی بنیاد پر اسلام قبول کرے۔ اس لیے نہیں کہ اسلام حق ہے یہ اسلام بھی غیر معتبر ہے اور لَمْ يَكُنْ اِلَّا سُلَامٌ عَلَى الْحَقِيقَةِ سے امام بخاری کی یہی مراد ہے میرا شکل یہ ہے کہ خوف جان کے وقت اسلام قبول کر لیا اور پھر اس کی حقانیت کی تصدیق کرے۔ گویا اس نے خوف جان کے وقت صمیم قلب کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تو یہ اسلام معتبر ہے اور ایسا شخص مومن ہے اور امام بخاری نے ایسے شخص کے اسلام کو غیر معتبر قرار نہیں دیا ۷۔ اَوْ كَانَ عَلَى الْاِسْلَامِ یہ سلمہ شتق ہے۔ اس کے معنی صلح کے ہیں۔ یعنی صلح کے طور پر مجبوراً اسلام لے آئے مگر اس کی حقانیت کا قائل نہ ہو۔ یہ اسلام بھی غیر معتبر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بحالت خوف جو اسلام قبول کرے اور دل سے اس کی حقانیت کا معترف ہو تو وہ اسلام معتبر مقبول ہے اور اگر تصدیق قلبی نہ ہو تو پھر نامعتبر ہے ۲۔ اس آیت سے کراہیہ اور جہاد سے اس قول نہ تردید ہوتی ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام ہے اور تصدیق قلبی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اعراب کو بغیر مومن اسی بنا پر قرار دیا گیا کہ ان میں تصدیق قلبی نہ تھی۔

حضرت سعد سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال گدوں میں تقسیم فرمایا۔ سعد وہاں بیٹھ ہوئے تھے اور آپ نے ایک شخص کو چوزہ دیا۔ کچھ نہیں دیا۔ حالانکہ یہ شخص مجھے بہت پسند تھا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ

عَنْ سَعْدِ بْنِ رَسُوْلٍ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ اَعْطٰی رَہْطًا وَّسَعْدًا جَالِسًا فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ رَجُلًا هُوَ اَعْجَبُہُمْ اِلَیَّ فَقُلْتُ

يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتَ
 قَلِيلًا غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعَدْتُ مَقَالَتِي
 فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ
 مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتَ قَلِيلًا ثُمَّ
 غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعَدْتُ مَقَالَتِي وَ
 عَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 ثُمَّ قَالَ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ
 أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةً أَنْ يَكُفَّهُ اللَّهُ
 فِي السَّارِ (بخاری)

نے اس شخص کو کیوں نہیں عطا فرمایا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو
 مومن ہی جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مسلمان؛ حضرت سعد
 کہتے ہیں پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا لیکن جو حال اس کا
 مجھے معلوم تھا اس نے مجھے پھر سوال کرنے پر مجبور کیا۔ میں نے
 عرض کی۔ حضور اس کو آپ نے کیوں نہیں عطا فرمایا۔ خدا
 کی قسم میں تو اس کو مومن سمجھتا ہوں۔ حضور نے فرمایا اور مسلمان!
 پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا۔ لیکن جو حال مجھے اس کا معلوم
 تھا اس نے مجھے پھر سوال کرنے پر مجبور کیا اور میں نے وہی سوال
 پھر دہرایا۔ جس پر آپ نے فرمایا اے سعد! میں ایک شخص
 کو کچھ دیتا ہوں حالانکہ دوسرا (شخص جس کو نہیں دیتا) مجھے
 زیادہ عزیز ہوتا ہے (میں جس کو دیتا ہوں) تو اس خوف سے کہیں اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں اوندھا نہ گر دے۔

فوائد مسائل

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الزکوٰۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔ نیز ابو داؤد و ابو نعیم نے بھی اس حدیث
 کو روایت کیا ہے۔ ۲۔ ابتداء اسلام میں یہ قاعدہ تھا کہ جو لوگ نئے نئے اسلام لاتے تھے۔ ان کی تالیف
 قلوب کے لیے ان کو کچھ دیا جاتا تھا۔ اس قسم کے چند افراد تھے جن کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مالی امداد فرما رہے تھے۔ آپ نے ان
 میں سے ایک شخص کو کچھ دیا۔ جس پر حضرت سعد نے عرض کی؛ حضور! بخدا میں تو اس کو بھی مومن سمجھتا ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ
 کے اس معروفہ کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ بھی مومن ہے تو حضور اس کو کیوں نہیں عطا فرماتے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اصل حقیقت سے ان کو آگاہ کیا کہ جن کو میں کچھ دے رہا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ضعیف الایمان ہیں۔ اگر ان کی تالیف نہ کی گئی تو
 ممکن ہے یہ اسلام سے پھر جائیں اور اللہ ان کو دوزخ میں ڈال دے۔ لیکن جن کو میں نہیں دیتا وہ اسلام کی لذت کو چاہتے ہیں
 اور ان کے اسلام سے پھر جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ اس حکمت کی بنا پر میں ان کو دے رہا ہوں اور جس کی تم نے سفارش
 کی ہے اس کو نہیں دیا۔ حالانکہ یہ مجھے ان سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ کامل الایمان ہے۔

۱۔ ابتداء اسلام میں مَوْلَیْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ کو زکوٰۃ سے دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ براجماع صحابہ ساقط ہو گئے کیونکہ
 جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو آپ اس کی حاجت نہ رہی۔ یہ اجماع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منسوخ ہوا۔
 ۲۔ اس حدیث سے گمان غالب پر قسم کھانے کا جواز ثابت ہوا کیونکہ حضرت نے اپنے گمان غالب پر ہی اس شخص کے
 مومن ہونے کی قسم کھائی تھی۔

۳۔ جاترہ سفارش کا جواز ثابت ہوا۔ حضرت سعد نے اس کے لیے سفارش کی۔

۴۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر سفارش خلاف مصلحت ہو تو اسے قبول نہ کیا جائے جیسے حضور علیہ السلام نے قبول نہیں فرمائی۔

۵۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جب تک دل سے اعتقاد نہ ہو زبانی اقرار کافی نہیں ہے اور مومن ہونے کے لیے نصیحتی قلبی ضروری ہے۔

۶۔ حضرت سعد نے عرض کی واللہ میں اس کو مومن جانتا ہوں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اَوْفَیْکَ لَیْمَانٍ یٰہَا
ہَمَزہ استفہامیہ ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ تقدیر عبارت میں ہوگی۔ اَقُولُ حَکْدًا وَهُوَ مَسْرُوعٌ بِمَنْزِلَةِ مُرِّ بَاطِنٍ
پر حزم و یقین کے ساتھ حکم لگاتے ہوئے اور وہ مسلم ہو تو حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کا مقصد نہ کہ شخص نے ایمان کی نفی
کرنا ہے اور نہ حضرت سعد کی مذمت بلکہ صرف ایک اُمّول بتانا ہے کہ اُمّور باطنہ کا جب مسلم ہو جائے اس وقت تک حرم
یقین کے ساتھ حکم نہیں لگانا چاہئے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جب ایک انصاری کے چھوٹے بچے کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا نے فرمایا :-

طُوبٰی لَہٗ عُصْفُوْرٌ مِّنْ عَصَافِیْرٍ اَلْبَحْتِ
اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-
مَهْلًا یٰۤاَعَائِشَہُ !
عائشہ ! ٹھہر جاؤ !!

حالانکہ وہ بچہ مسلمان تھا اور اولادِ مسلمین کا جنت میں ہونا معلوم ہے۔ تو اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
حضرت سعد کو ایک اچھل بات بتائی کہ اُمّور باطنہ پر حزم و یقین کے ساتھ حکم نہ لگایا جائے۔ صحابہ کرام کی یہ حالت تھی کہ جب
حضور علیہ السلام ان سے سوال فرماتے تو عرض کرتے۔
اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ
اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اس حدیث کے راویوں میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قابل ذکر ہیں۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ قدیم الاسلام
میں۔ چودہ برس کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بدر اور اس کے بعد کے تمام مشاہد میں شریک ہوئے۔ آپ تاج الدعوات
میں۔ لوگ آپ سے دعائیں کراتے تھے اور قبول ہوتی تھیں۔ آپ کا لقب فارس الاسلام ہے۔ اسلام کے لیے سب سے پہلے
نیزہ چھینکنے والے اور سب سے پہلے خون بہانے والے آپ ہیں۔ آپ ان مہاجرین میں سے ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام
مدینہ ہجرت فرمانے سے پہلے مدینہ ہجرت کی عشرہ مبشرہ میں سب سے پہلے آپ نے ہی انتقال فرمایا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں آپ
نے مدائن کسریٰ کو فتح کیا اور حضرت عمر نے آپ کو عراق کا گورنر مقرر کیا۔ آپ نے تھریث میں جو مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے
۵۷ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کی عمر شریف ستر سال کے قریب ہوئی۔ آپ کو مدینہ لا کر جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ مروان بن
حکم نے ناز جنازہ پڑھائی۔ آپ سے ۲۷ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۵ حدیثوں پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ۵۷ حدیثیں
صرف بخاری نے ۱۹ حدیثیں صرف بخاری نے اور ۱۹ حدیثیں صرف مسلم نے منفرداً ذکر کیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بَابُ اِفْتِئَاءِ السَّلَامِ مِنَ الْاِسْلَامِ

باب سلام کرنا علامات اسلام سے ہے

وَقَالَ عَمَّا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ثَلَاثُ
مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْاِیْمَانَ الْاِنْصَافُ
حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ تین باتیں
جس نے جمع کر لیں اس نے ایمان کو جمع کر لیا (یعنی یہ

تین باتیں علاماتِ ایمان سے اس نے اپنے اندر جمع کر لیں
۱۔ اپنے نفس سے انصاف کرنا ۲۔ ہر ایک کو سلام
کرنا ۳۔ باوجود احتیاج کے خرچ کرنا

مِنْ نَفْسِكَ وَبَذَلَ السَّلَامَ لِلْعَالَمِ
وَالْاَوْصِيَانِ مِنَ الْاَقْسَارِ
(بخاری)

فوائد ومسائل
۱۔ انصاف مدل کو کہتے ہیں۔ بذل کے معنی خرچ کرنے کے ہیں۔ عالم سے مراد تمام لوگ ہیں
دیہ عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ اقسار کے معنی مغربی و مشرقی کے ہیں۔

۲۔ معنی حدیث یہ ہیں کہ جس میں یہ صفات پائی جائیں وہ کامل الایمان ہے۔ اول یہ کہ اپنے نفس کے ساتھ عدل کرنا۔
نفس کے ساتھ عدل کرنے کا مطلب یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اللہ و رسول کے احکام کے مطابق گزارے۔ یعنی نفس کی
جائز خواہشات کو ریا کے بغیر پورا کرے۔ بَذَلَ السَّلَامَ یعنی ہر مسلمان کو سلام کرنا۔ جو عالم کے لفظ میں کافر بھی داخل ہیں
لیکن حدیث میں کافر کو سلام کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس لیے یہاں عالم سے مراد مسلمان ہوں گے۔
۳۔ باوجود احتیاج و تنگدستی کے خرچ کرنا۔ یعنی مفلسی و محتاجی کے عالم میں ہمان کی تواضع کرنا اور دوسروں کی
حاجتوں کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا۔ یہ احسان و کرم کی انتہا ہے اور مسلمان میں ان صفات کا پایا جانا کامل الایمان ہونے
کی علامت ہے۔

نوٹ :- اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث لکھی ہے جو باب اطعام الطعام من الاسلام میں گزرتی
ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت عمار جلیل القدر صحابی ہیں۔ اسلام کے لیے آپ نے
بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ ان کو کفار اسلام لانے کے
بین سخت سے سخت تکلیف دیا کرتے تھے۔ انہیں کے حق میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِي هَكَرَ
الْحَمْدُ اَوَّلُ كُفْرًا لَہُ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو آگ میں ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ
ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے جانے لگے اور یہ فرماتے تھے۔ يٰۤاِمَارُ كُفُوْنِيْ بِسُزُوْدٍ وَسَلَامًا عَلٰى اَسْمَارِہُ یعنی آگ
عمار پر ٹھنڈی ہو جا۔ آگ ٹھنڈی ہو گئی (یعنی جلد ۲۳)

آپ بدر اور اس کے بعد کی تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے اور حبشہ و مدینہ کی طرف ہجرت کی اور جنگ صفین کے زمانہ
پر شہداء میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھی ہو کر شہید ہوئے۔ آپ سے ۶۲ حدیثیں مروی ہیں جن میں
سے تین حدیثوں پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا اور تین کو بخاری نے اور ایک حدیث مسلم نے منفرداً ذکر کی۔

بَابُ كُفْرَانِ الْعَشِيرِ وَكُفْرُ دُونِ كُفْرِ فِيهِ

یہ باب غاوند کی ناشکری کے بیان میں ہے اور یہ کہ ایک گھر دوسرے گھر سے کفر ہے

عَنْ اَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اس باب میں حضرت ابو سعید نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم سے روایت کی ہے۔

کُفر کے لغوی معنی اور اُس کی قسمیں

لغت میں کفر کے معنی چھپانے اور ڈھانپنے کے ہیں۔ کافر کو اسی لیے کافر کہتے ہیں کہ وہ توحید کو چھپاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتا ہے۔

کسان کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین میں بیج کو چھپاتا ہے۔ کفر کا لفظ دین کے متعلق بولا جاتا ہے اور کفران کا لفظ نعمت کے لیے۔ کفر کے معنی انکار کے بھی آتے ہیں۔ کفر شرک کی ضد ہے اور ایمان کی نقیض ہے۔ نیز کفر کے معنی برات یعنی کسی چیز سے بیزاری کے اظہار کے بھی آتے ہیں جیسے یہ آیت مبارکہ :-

اِنَّكَ فَكَّرْتُ سُبْحًا اَشْرَكَتُ مَعِيَ مِنْ قَبْلُ | میں اس سے بیزار ہوں جو تم نے اس سے قبولِ شرک کیا
یہ مقولہ شیطان کا ہے جو قرآنِ حکیم نے نقل کیا ہے۔ اس میں کفر کے معنی برأت و بیزاری کے آئے ہیں اور بشر کا لفظ
خاند کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ کفر مطلق اللہ و رسول سے کفر کرنا۔ اس کی چار قسمیں ہیں :-

اول: کفر انکار یعنی زبان و دل سے صراحتاً انکار کر دینا جیسے عام کافر کرتے ہیں۔

دوم: مجددی معرفتِ قلب کے ساتھ زبان سے اقرار نہ کرنا جیسے کفر ابلیس و امیہ بن صلت

سوم: عناد یعنی زبان و دل سے معرفت کے باوجود ایمان کو قبول کرنا جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کے زمانہ کے اہل کتاب جنہوں نے باوجود اسلام کی حقانیت کے اعتراض کے اسلام قبول نہیں کیا۔

چھایم۔ نفاق یعنی دل سے انکار اور زبان سے اقرار جیسے منافقین۔

یہ چار قسم کے کفر وہ ہیں کہ ایک بھی جس میں ہو گا وہ ابدی جہنمی ہے اور اس کی بخشش نہ ہو گی۔

کُفر اور کُفرانِ نبوت کے معنی

اس کے بعد کفر کی ایک قسم اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ صدقِ دل سے ایمان لانے کے بعد گناہوں میں مبتلا ہو جائے۔ مگر گناہوں سے باز رہ کر اس کے بعد کفر سے

اور یہ کُفر و نہی ہے جو ایمان کے مقابل ہے اور جس کے پائے جانے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس تفصیل سے ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں کتاب و سنت میں تارکِ صلوٰۃ یا زانی و شرابی وغیرہ ذالک مرتکب

کبار پر کفر کے لفظ کا اطلاق آیا ہے اور اس سے کفر حقیقی جو ایمان کی ضد ہے مراد نہیں ہے بلکہ وہ کفر مراد ہے جو انسان کو صرف مجرم قرار دیتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مجھے دوزخ دکھائی گئی تو میں نے وہاں

عورتیں زیادہ دیکھیں۔ اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتی ہیں۔

کہا گیا۔ کیا وہ خدا سے کفر کرتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمایا (نہیں) بلکہ خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں

اور احسان نہیں مانتیں تو اگر ان کے ساتھ ایک زمانہ تک

٢٨- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْكَ وَسَلَّمَ أُرِيتُ السَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ
أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرُونَ قِيلَ أَيْ يَكْفُرُونَ
بِاللَّهِ قَالَ يَكْفُرُونَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرُونَ الْإِحْسَانَ
كُنَّا أَحْسَنَتْ إِلَى أَحَدِهِنَّ الدَّهْرَ شَعْرَ
رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ

حَبْرًا (بخاری) | احسان کرے اور پھر وہ تجھ سے کوئی غلاف مزاج بات دیکھیں تو یہ کہیں کہ میں نے تجھ سے کبھی جھگڑائی نہیں پائی۔

قائد مسائل | ۱۔ حدیث زیر بحث کو امام نے باب صلوٰۃ الکسوف۔ پدر الخلق وعشرة النساء و کتاب العلم میں بھی ذکر کیا ہے ۲۔ احسان قبیح کی ضد ہے۔ دھوکے معنی زمانہ کے ہیں دھوکا اس کی جمع ہے ابلہ کے معنی مدت دنیا کے ہیں۔ اس حدیث سے متعدد امور پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھے دوزخ دکھائی گئی جس سے ثابت ہوا کہ دوزخ جو دارالنداب ہے وہ اب بھی موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا فرمادیا ہے جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔

۲۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دنیا میں تشریف رکھتے ہوئے دوزخ کو ملاحظہ فرمایا جو آپ کی خصوصیت سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں اکثر عورتوں کو پایا جو خاندانوں کی احسان فراوانی کے جرم میں دوزخ میں دکھلائی گئیں۔ معلوم ہوا ناشکری و احسان فراوانی (کفرانِ نعمت) کبیرہ گناہ ہے کیونکہ دوزخ کی منزل از کتاب حرام کی صورت میں ہی ملتی ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کسی کے احسان کا اعتراف کرنا واجب ہے۔

۳۔ یہ بھی واضح ہوا کہ کفر کا اطلاق ناشکری پر بھی آتا ہے۔

۴۔ ناشکریوں میں خاندان کی ناشکری کو بیان فرما کر خاندان کے حق کی عظمت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

۵۔ حضرت ابوسعید کی روایت جس کی طرف امام نے اشارہ کیا ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ صدقہ دیا کرو۔ میں نے جہنم میں عورتوں کو کثرت سے پایا ہے۔ مستورات نے عرض کی حضور (علیہ السلام) اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاندان کی ناشکری کرتی ہو۔

لعنت کے معنی | لعنت میں لعنت کے معنی دُوری اور چھینکنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں لعنت کے معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُوری کے ہیں۔ امام نووی نے فرمایا۔ لعنت کرنا مصیبت ہے کبیرہ گناہ ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ | مومن پر لعنت بھیجنا اس کے قتل کر دینے کے برابر ہے
علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کو معین کر کے اس پر لعنت کرنا خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان جائز نہیں۔ البتہ جن کا کفر پر مبنی ناص سے ثابت ہے جیسے ابوجہل ابولہب وغیرہ ان پر لعنت کی جاسکتی ہے۔

بَابُ الْمَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ

باب اس امر کے بیان میں کہ جاہلیت کے گناہ کے مرتکب

کو کافر نہیں کہا جائیگا۔ جب تک وہ شرک نہ کرے۔
کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ابوذر) سے فرمایا۔ تم ایسے شخص ہو کہ تم پر جاہلیت کی بات پائی

وَلَا يَكْفُرُ مَا جَاءَ بِكُمْ مِنْكُمْ
إِلَّا بِالسُّبْحَةِ يَفْضُلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ إِنْ مَرَّ فِيكَ

جَاهِلِيَّةً

(بخاری)

۱ جاتی ہے۔

توضیح فرقہ ابا حیرہ اور بعض غوارج و روافض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مومن عاصی کی بخشش نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اہم بخاری نے اس باب میں ان کی تردید کی ہے اور نصوص شرعیہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ مومن عاصی کی بخشش بہر حال ہوگی۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ گناہوں کی سزائیں وہ چند روز کے لیے جہنم میں داخل کیا جائے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کافروں کی طرح ہمیشہ کے لیے جہنم میں رکھا جائے۔

۲۔ معاصی۔ معصیت کی جمع ہے۔ معصیت عرف شرع میں شارع کی مخالفت یعنی واجب کو ترک کرنے اور فعل حرام کو اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ معصیت کا لفظ کیا تر و صغائر چھوٹے بڑے تمام گناہوں کے لیے مقرر ہے۔ جاہلیت سے زمانہ فطرۃ مراد ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جو ظہور اسلام سے قبل تھا۔ اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں جہالت کی کثرت تھی۔ لَا یُکْفِرُ یعنی جو مسلمان افعال جاہلیت زنا، شراب، چوری وغیرہ کا مرتکب ہوگا تو اس کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ اَلَا بِالشِّرْکِ مگر یہ کہ وہ شرک کرے یعنی شرک کے ارتکاب پر کافر ہوگا۔ علامہ نووی نے فرمایا۔ ارتکاب کے لفظ سے یہ بتا دیا کہ جو مسلمان حرام کو حلال جان کر اختیار کر لیا وہ کافر ہو جائے گا۔

مومن عاصی کا قر نہیں اس کے ثبوت میں اہم بخاری نے ایک حدیث اور دو آیتیں لکھی ہیں۔ حدیث کا تعلق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ انہوں نے ایک بار کسی کومان کی گالی دیدی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوذر تم میں جاہلیت کی خصلت پائی گئی۔ ظاہر ہے کہ گالی دینا گناہ ہے اور جاہلیت کے اخلاق و عادات سے ہے۔ تو اگر گناہ کا مرتکب کافر ہو جائے تو حضور علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر کو کافر قرار دیتے۔ ثابت ہوا کہ گناہوں کے ارتکاب سے خواہ وہ صغائر ہوں یا کبار یا جاہلیت کے اخلاق و عادات سے پہلی آدمی کافر نہیں ہوتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمانہ جاہلیت کے اخلاق و عادات سے صرف کفر و شرک ہی ایسا گناہ ہے جو آدمی کو کافر بنا دیتا ہے اور جاہلیت سے صرف کفر و شرک ہی مراد لینا سخت غلطی ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ (دیکھو لڑنے والوں کو) اللہ تعالیٰ نے مسلمان فرمایا۔

وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَمَسَّاهُمُ الْمُؤْمِنِينَ

یہ دونوں آیتیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ پہلی آیت میں اس امر کا بیان ہے کہ جو کفر پر مرے اس کی بخشش نہیں ہے۔ اس کے لیے ہمیشگی کا عذاب ہے اور جس نے کفر نہ کیا ہو وہ خواہ کتنا ہی گنہگار ہو اور بے توبہ بھی مر جائے تو اس کے لیے غلو نہیں۔ اس کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے چاہے معاف فرمائے یا اس کے گناہوں پر عذاب کرے پھر اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے۔ دوسری آیت میں لڑنے والوں کو مومن فرمایا گیا۔ حالانکہ مسلمانوں سے لڑنا

گناہ ہے۔ معلوم ہوا کہ گناہ کرنے والا کافر نہیں ہے۔

۲۹۔ عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ
لَا نَصْرَ هَذَا الرَّجُلِ فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرَةَ
فَقَالَ آيَنَ شَرِيْدُ قُلْتُ أَنْصُرُ هَذَا
الرَّجُلَ قَالَ ارْجِعْ فَإِنِّي سَمِعْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
إِذَا اتَّخَذَ الْمُسْلِمَانِ بَيْنَهُمَا خَالِفًا بَيْنَهُمَا
وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ
كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ (بخاری)

حضرت احنف بن قیس نے کہا کہ میں اس شخص (یعنی حضرت
علی) کی مدد کو نکلا تو مجھے ابوبکرہ رضیع بن حارث بن کلاب
صحابی ملے۔ انھوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے
کہا اس شخص کو مدد کرنے جا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا لوٹ
جاؤ! کیونکہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے
سنا ہے کہ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر بڑھیں
تو قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ میں نے عرض کی حضور
قاتل تو خیر دوزخی ہوگا مگر مقتول دوزخی کیوں؟ فرمایا مقتول
اس لیے کہ وہ اپنے مد مقابل کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

فوائد ومسائل

۱۔ اس حدیث کو امام نے کتاب الفتن میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم و نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت
کیا ہے ۲۔ احنف بن قیس قبیلہ بنی تمیم کے رئیس تھے۔ آپ اسلام لانے سے قبل حضور علیہ السلام
کی نیابت سے مشرف ہوئے ہیں (فتح الباری) جب جبل کے موقع پر یہ اپنی قوم کے ساتھ حضرت علی کریم اللہ تعالیٰ
وجہہ الکریم کی مدد کے لیے تیار ہوئے تو اس وقت حضرت ابوبکرہ نے ان کو مذکورہ بالا حدیث سن کر لڑائی میں شریک
ہونے سے روک دیا ۳۔ علامہ قاضی عیاض نے فرمایا۔ فالقاتل والمقتول فی النار کا مطلب یہ ہے کہ یہ جرم
ایسا ہے کہ اس کی سزا جہنم ہے۔ خدا چاہے تو سزا دے چاہے تو معاف فرما دے جیسا کہ دوسری روایتوں میں آیا ہے۔
انشاء عفا عنهما۔ وانشاء عاقبہما ۴۔ یہ حدیث اس قتال پر محمول ہے کہ جو بلاد پر شرعی ہدایات کے ساتھ تاولع تھا
گی بنا پر شہر ہو یہی وجہ ہے کہ باغی سے غراہ وہ مسلمان ہی جو لڑنا جائز ہے۔“ رچیں صحابہ کرام کی باہم لڑائیاں جیسے جبل و صفین
جسٹھ چین فریقین کے آدمی مارے گئے۔ ان پر اس حدیث کو چپاں نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ حضرات مجتہد تھے۔ انھوں نے
معصیت کا قصد نہیں کیا اور نہ محض دنیاوی مفاد کے لیے لڑے بلکہ ہر ایک ان میں مخلص تھا۔ جو ایک فریق حق پر تھا اور
دوسرا حق پر تھا مگر مجتہد کو خطا را اجتہادی پر بھی ثواب ملتا ہے اور مجتہد معصیب و گئے ثواب کا حقدار ہے۔ اس لیے
مشاہرات صحابہ پر اس حدیث کو حمل کرنا سخت درجہ کی نادانی ہے۔ نیز اصحابیہ کہم عدول کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہم مشاہرات
ابہ کے متعلق کسی فریق پر طعن نہ کریں۔

حکایت ابوبکرہ

یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ان کا اصلی نام رضیع یا مسروح ہے بفضلہ
صحابہ میں ان کا شمار ہے۔ بڑے عبادت گزار تھے۔ ۲۵ھ میں بصرو میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ سے
کل ۱۳۷ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۹۶ بخاری و مسلم نے اتفاق کیلئے اور ۴۰ کوفہ بخاری نے اور ایک کو صرف مسلم نے منفرداً ذکر کیا ہے۔

۳۔ عَنِ الْمُعْتَوِرِ قَالَ لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ

حضرت معرو کہتے ہیں۔ میں مقدم ربذہ میں حضرت ابو

بِالزَّجْدَةِ وَعَلَيْهِ حَلَّةٌ وَ عَلَى غُلَامِهِ
 حَلَّةٌ فَتَسَا لَتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَعَالَ إِنِّي سَابَيْتُ
 رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأَمْرِهِ فَقَالَ لِي الشَّيْخُ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ عَيَّرْتَهُ
 بِأَمْرِهِ إِنَّكَ أَمَرُؤُوفٌ فِينِكَ جَاهِلِيَّةٌ
 اخْوَانُكُمْ حَوْلَكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ فِتْنَةً
 أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ فَخَنَتْ يَدُهُ
 فَلْيُطْعِمُهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلَا يُطْلِسْهُ مِمَّا
 يَلْبَسُ وَلَا تَكْفُؤْهُمْ مِمَّا يَعْزُبُ عَنْهُمْ فَنَافٍ
 كَقَتْمُ مَوْهَمٍ فَأَعْيَنُوهُمْ

سے ملا۔ انھوں نے اور ان کے غلام نے (ایک سا) جوڑا
 پہنا ہوا تھا۔ تو میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو
 ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے ایک دفعہ ایک
 شخص کو ماں کی گالی دی۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا۔ ابو ذر! تم نے ماں کی گالی دی۔ تم ایک ایسے
 آدمی ہو جس میں جاہلیت کی بات پانی ٹکئی۔ تمہارے
 خدمت گزار تمہارے بھائی کی طرح ہیں۔ اللہ نے ان
 کو تمہارے قبضہ میں دیا ہے۔ جو تم کھاؤ ان کو بھی وہی
 کھاؤ اور جو تم پہنو، ان کو بھی وہی پہناؤ اور ان کو زیادہ
 مشقت کا کام نہ دو اور اگر دو تو پھر خود بھی ان کا ہاتھ بٹاتا۔

(۱) اس حدیث کو امام نے عتق و ادب میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے ایمان و فہر میں اور ابوداؤد نے بھی اس
 حدیث کو روایت کیا ہے ۲۔ ربذہ مدینہ شریف سے تین منزل پر ایک جگہ کا نام ہے۔ مَسَابِيْتُ کے معنی
 گالی دینے کے ہیں۔ حَلَّةٌ دو کپڑوں کو کہتے ہیں ایک تہبند اور ایک کرتا۔ فَعْيَسَ فَنَهْ۔ عاری ہیں۔ اس کے معنی عجیب نکالنے
 کے ہیں۔ خَوْلُكُمْ۔ خول کا اطلاق لونڈی، غلام، نوکر، ملازم پر آتا ہے۔ خول کے اصل معنی کسی چیز کو سنوارنے اور فرینے
 سے رکھنے وغیرہ کے ہیں۔

توضیح حضرت معمر نے یہ دیکھا کہ حضرت ابو ذر اور ان کا غلام دونوں ایک جیسا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ غلام پر ہے عام
 طور پر غلام و آقا کا لباس ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اس پر انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت ابو ذر نے مذکورہ بالا
 حدیث سنائی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ غلاموں سے اچھا سلوک کرو۔ جو خود کھاؤ ان کو بھی کھاؤ جو خود پہنو ان کو بھی
 پہناؤ.... الخ

۲۔ حضرت ابو ذر نے حضرت بلال کو یہ کہہ دیا تھا۔ "او کالی عورت کے بچے" جس پر حضرت بلال نے دربار نبوی میں
 شکایت کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں جاہلیت کی خصلت ایک بات ہے یعنی اسلام میں کالو راہنا
 کوئی خصلت کی بات نہیں ہے۔ فضل و اعلیٰ وہ ہے جس میں تقویٰ پایا جاتا ہے۔ حضرت ابو ذر نے دراصل یہ لفظ حضرت بلال کو اس
 وقت کہے تھے جب کہ آپ کو گالی دینے کی عہد تھا۔ ورنہ ان کا دور اور تقویٰ، زہد و عبادت کلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ار
 حضور علیہ السلام نے ان کو تنبیہ فرمائی تو حضرت ابو ذر نے حضرت بلال سے فرمایا میں اپنا رخسارہ زمین پر رکھتا ہوں اور اس وقت
 تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک تم میرے رخساروں کو اپنے قدموں سے نہ روندو۔ ابن بلقن کہتے ہیں کہ حضرت بلال نے اپنا پاؤں
 حضرت ابو ذر کے منہ پر رکھ دیا۔ تب جا کر حضرت ابو ذر کو تسکین ہوئی۔ (قسط لانی)
 ملازموں سے نیک سلوک کا حکم اس حدیث سے مندرجہ ذیل ائمہ پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ مسلمان کو کالی دینا جائز نہیں۔ اسی طرح اسلام لومٹی کو بھی کالی نہ دی جائے۔ ایسے ہی اپنے ماتحت ملازموں سے بھی نیک سلوک روا رکھا جائے۔ احادیث میں غلام اور لونڈیوں سے سلوک اور نرمی کی بڑی تاکید آئی ہے ۲۔ ان کو اور اپنے ماتحت ملازمین کو ایسا کام نہ سپرد کیا جائے جو ان کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی مشقت کا کام دیا بھی جائے تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ۳۔ غلاموں اور ملازموں کو ذہل نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا صرف وہ شخص ہے جس میں تقربی پایا جاتا ہے ۴۔ غلام اور لونڈیوں کو لباس و خوراک وہی دیا جائے جو آقا خود کھاتے مگر یہ امر استحبابی ہے واجب نہیں مگر اس سے بے ضرر ثابت ہوتا ہے کہ غلاموں کو بالکل ردی خوراک دینا ظلم ہے بلکہ ان کو اپنی حیثیت کے مطابق مناسب غذا دینا واجب ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ | اس حدیث کے راویوں میں حضرت ابو ذر قابل ذکر ہیں۔ بڑے عابد و زاہد، منہی پرہیزگار صحابی ہیں۔ ان کا اصلی نام جناب یابریم ہے۔ قبیلہ کنانہ سے ہیں۔ قدیم سے اسلام لائے یہ کمپن پانچویں شخص تھے جو اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد یہ اپنے قبیلہ میں واپس چلے گئے۔ پھر وہ خندق کی لڑائی کے بعد پھر مدینہ میں آگئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں موت تک رہے۔ یہ نہ تو رافعہ میں مشہور ہیں۔ احادیث میں ان کے زہد کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے زہد سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ان کے زہد و اعراض عن الدنیا تا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو اپنی حاجت سے زیادہ روپیہ کھانا ناجائز ہے۔ یہ ان کا اجتہاد تھا جس کو جمیع صحابہ کرام نے رد کر دیا۔ ان سے کل ۸۱ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۲ پر بشاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے اور ایک حدیث کسوف بخاری سنہ ۱۷ اور ۱۸ حدیثوں کو صرف مسلم نے منفرداً ذکر کیا ہے۔ ایک مقل کثیر نے ان سے حدیث روایت کی ہے جن میں حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما و تابعین کرام شامل ہیں۔ مقام زہد و تعلقہ میں آپ کا افعال ہوا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے غار جنازہ پڑھائی۔

بَابُ ظُلْمِ دُونِ ظُلْمٍ

باب اس امر کے بیان میں کہ ایک ظلم دوسرے ظلم سے کم درجہ پر ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود

فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ "و جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے امن ہے تو احباب نبی میرا سلام لے کہ۔ ہم میں کون ایسا ہے جو نہ انہیں کرنا تو پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بیک شرک ظلم عظیم ہے۔

أَمَّا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ الْيَمِينِ
مَسْتَوْوًا لَكُمْ يَلْبِسُوا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
سَأَلَ اصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَسْتَأْذِنُ لِيُظْلِمُوا فَنَزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ
لَا يَشْرِكُ لَكُمْ ظُلْمًا عَظِيمًا بخاری

ظلم کے معنی | ظلم کا لفظ نہایت سختی خیز ہے۔ یہ لفظ قرآن حکیم میں بھی متعدد معنی میں استعمال ہوا ہے جن کی اکثر دو عصبان کے معنی میں بھی آیا ہے۔

باب گزشتہ میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی تھی کہ گنہ پر بھی کفر و شرک کا اطلاق ہوتا ہے لیکن ہر گنہ وایسا نہیں جس کے

از کتاب سے آدمی کافر ہو جائے تا وقتیکہ کفر و شرک اسے گناہ کو اختیار کرے۔ تو اسی طرح ظلم کا لفظ بھی مستند معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عام گناہوں کو بھی ظلم سے تعبیر کرتے ہیں اور کفر و شرک پر بھی ظلم کا لفظ بولا جاتا ہے ۲۔ لَمْ يَكِلَ سُوا (البس) کے معنی (اختلاط) ملانے کے ہیں۔ تو سب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی کہ وہی لوگ امن میں ہیں جو اپنے بیان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملانے تو صحابہ کرام نے اس عموم پر محمول سمجھا اور کہنے لگے ہم میں کون ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ اس نے گناہ نہیں ہوا۔ اس پر وہی آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا۔ یہ مذکورہ میں ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہے بلکہ ظلم سے مراد شرک ہے۔ تو اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ امن میں وہی لوگ ہیں جو ایمان لا کر شرک و کفر کا ارتکاب نہیں کرتے۔ غلام

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مومن کے گناہوں پر بالکل مواخذہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ مرجعہ کا خیال ہے بلکہ طلب آیت یہ ہے کہ مومرا کا فساد کی طرح ہمیشہ و درخ میں نہیں رہے گا ۳۔ آیت اور حدیث سے ترجمہ باب نکل آیا کہ ایک گناہ دوسرے گناہ سے

بَابُ عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ

اس باب میں منافق کی علامتوں کا بیان ہے

۳۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُؤْتِيَ خَانَ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ سے ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے۔

(۱) آیت سچ کے معنی علامت کے ہیں۔ آیہ القرآن کو آیت اسی لیے کہتے ہیں کہ کلام حق ہونے کی علامت ہے کذب خلاف واقعہ کہتے ہیں۔ کذب کے معنی حق سے انحراف کے بھی آتے ہیں۔ کذب صدق کی ضد ہے اؤتمن کے معنی کسی شخص کو امین بنانے کے ہیں۔ خان، خیانت کے معنی شے میں ناجائز تصرف کے ہیں اور اصل لغت میں اس سے معنی نقص کے ہیں ۲۔ وعدہ اور عہد میں فرق یہ ہے کہ وعدہ ایک طرف سے ہوتا ہے اور عہد جانیبن سے ۳۔ امام نے اس حدیث کو کتاب الوصایا، ادب اور شہادت میں بھی ذکر کیا ہے۔ مسلم و ترمذی و ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے ۴۔ حدیث ہذا میں منافق کی تین خصلتوں کا ذکر ہے۔ جو قول اور عمل اور نیت سے متعلق ہیں۔ کذب فسادِ قول ہے۔ خیانت فسادِ عمل ہے اور عہد شکنی فسادِ نیت ہے ۵۔ اس پر اجماع ہے کہ اگرچہ یہ ائمہ علاماتِ نفاق ہیں لیکن اس کے باوجود کسی مومن شخص میں یہ علاماتِ نفاق جمع ہو جائیں تو اس کو کافرا یا منافق نہیں کہا جائیگا ۶۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ حدیث ہذا میں منافق کی خصلتوں کا ذکر ہے تو اگر یہ عادتیں مومن صادق میں باقی عادتیں تو اس کے متعلق یہ کہا جائیگا کہ اس میں منافقانہ عادتیں باقی تھیں۔ لیکن یہ نہیں کہیں گے کہ وہ مومن صادق منافق حقیقی ہو گیا۔

۷۔ علامہ قرطبی نے فرمایا۔ نفاق دو قسم پر ہے۔ عملی اور اعتقادی۔ نفاق اعتقادی یہ ہے کہ آدمی زبان سے اسلام کا اہتمام کرے اور دل میں کفر کو چھپائے۔ یعنی دل سے اسلام کا منکر و مخالف ہو۔ یہی وہ نفاق ہے جو دوسرے تہذیبی کفر کا ترجمہ ہے اور جب

مُتْلَقِ قُرْآنِ عَکِیْمَہِ کے کہ ۱۔ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ هُمْ اَنْفُسُهُمْ۔ منافق ہی منافق ہیں یعنی دین سے خارج ہیں اور منافق یہ ہے کہ جیسے کذب خیانت بدعتی ایسے خصائل تو اس حدیث میں نفاقِ عملی کا بیان ہے کہ جس شخص میں مذکورہ بالا خصوصیات میں سے کوئی نہایت پائی گئی تو اس میں نفاقِ عملی پایا گیا۔ گویا ایک نفاقِ تو ایمان و عقیدہ کا نفاق ہے جو بدترین قسم کا کفر ہے لیکن اس کے علاوہ کسی شخص کی سیرت کا منافقوں والی سیرت ہو نا بھی ایک قسم کا نفاق ہے مگر وہ عینیت سے کا نہیں بلکہ سیرت و کردار کا نفاق ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت حذیفہ سے پوچھا تھا کہ کیا تم مجھ میں نفاق پاتے ہو تو اس گمان کی مراد نفاقِ عملی کے متعلق سوال تھا ۱۰ عقائدی کے متعلق نہیں۔

بعض شایعین نے یہ کہا کہ حدیث مذکورہ نفاقِ زمانہ نبوت کے منافقین سے ہے جو اسلام کے دعویٰ میں جموٹے تھے دین میں خیانت کرتے تھے۔ جو ہمہ کرتے اس کو پورا کرتے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس و ابن عمر و سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عطاء و یابح حسن بصری و اکثر شارح حدیث کی یہی رائے ہے اور اس سلسلے میں حضرت سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ حضرت ابن عباس و ابن عمر نے حضور علیہ السلام سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ جو میں نے فرمایا ہے جب بات کرے جموٹ ہوئے۔ اس کا بیان اس آیت میں ہے۔ اِذَا جَاءَ الْمُنَافِقُونَ.... الخ اور یہ جو میں نے فرمایا ہے وہ عہد کرے اس کا خلاف کرے۔ اس کا بیان اس آیت میں ہے۔ وَهَئِذَا هُم مِّنْ عَاہِدِ اللّٰہِ لَیْسَ اَنْتُمْ بِہِمْ فَضْلًا اور یہ جو میں نے فرمایا ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جاتے تو خیانت کرے تو اس کا بیان اس آیت میں ہے۔ اَسَاعَرَ ضُنَّ اَلْمَآئِنَۃَ عَلَی السَّکُوْمِ وَالْاَنْضٰۃِ.... الایہ۔ تو ہر آدمی دین کا امین ہے اور ظاہر و باطن نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہے لیکن منافق صرف ظاہری طور پر نماز پڑھتا ہے تو کیا تمہاری بھی یہی حالت ہے۔ ہم نے عرض کی نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔

لَا عَیْنُہُمْ اَنْتُمْ مِّنْ ذٰلِکَ بَرِیۡءٌ (یعنی ج ۲۵۴) | یہ تمہارے متعلق نہیں ہے تم اس سے بری ہو
تو گویا مطلب حدیث یہ ہوا کہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے منافقوں کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ان میں خیانت کذب عہد شکنی جڑبازی ایسی بدعات ہیں اور خصوصیتیں تھیں۔ یہ تفصیل کے لیے عینی و فتح الباری دیکھئے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس میں یہ چار باتیں ہوں لی۔ وہ منافقِ فاعل ہے یعنی منافقِ عملی ہے اور جس میں ان خصائل میں سے ایک نہ ہو لی۔ اس میں ایک نسبت نفاقِ عملی کی پائی جائے گی۔ اس کو ترک کر دے۔ جب امانت رکھی جائے۔ جب بات کرے جموٹ ہوئے۔ اگر یہ اور۔۔۔ جموٹے ہو گالی و۔۔۔

۳۲۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ
عَلَامَاتِ نِفَاقٍ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قَالَ اَرَبَعٌ مِّنْ کُلِّ فِیْہِہٖ اَنْ مَّنَافِقًا خَالِصًا وَّمَنْ کَانَتْ دِیْنُہٗ خُصْلَۃً مِّنْہُمْ کَانَتْ فِیْہِہٖ خُصْلَۃٌ مِّنْ اَلْمُنَافِقِیْنَ حَتّٰی نَسَدَ عَنْہَا اِذَا وُثِّنَ حَانَ اِذَا حَدَّثَ کَذِبًا اِذَا عَاہَدَ عَدُوًّا اِذَا خَاصَمَ عَدُوًّا

نفاق حقیقی کی تعریف

۱۔ اس حدیث کو امام نے کتاب الجہاد میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے کتاب الایمان میں واضح ہو کہ نفاق دو قسم پر ہے۔ نفاق اصلی و حقیقی جس کو نفاق اعتقادی بھی کہتے ہیں۔ وہ تو یہ ہے

۔ زبان سے تو اسلام کا اظہار ہو اور دل میں کفر کو چھپایا جائے یعنی آدمی دل سے تو اسلام قبول نہ کرے بلکہ دل سے اس کا مخالفت اور منکر ہو لیکن کسی وجہ سے وہ اپنے کو مومن ظاہر کرتا ہو جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عبداللہ بن ابی وجیہ مشہور منافقین کا حال تھا کہ یہ لوگ بظاہر بگڑ بھٹکتے تھے اور نماز و روزہ کی پابندی بھی کرتے تھے مگر دل سے اسلام کے منکر اور دین کے دشمن تھے۔ یہ نفاق تو ایمان و عقیدہ کا نفاق ہے جو کفر کی بدترین قسم ہے اور اسی کے بارہ میں قرآن حکیم نے اعلان کیا ہے۔

۱۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

۲۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّلٰوَةِ الْاَسْفَلِ مِنَ السَّارِ

منافقی ہی فاسق ہیں (یعنی دین سے خارج ہیں)

تحقیق منافق جہنم کے بدترین گوشہ میں ڈالے جائیں گے۔

دوسری قسم نفاق عملی ہے جس کا تعلق ایمان و عقیدہ سے نہیں بلکہ عمل و کردار سے ہوتا ہے یعنی منافق عملی وہ ہے جس کے ایمان و عقیدہ میں تو خرابی نہیں ہوتی مگر سیرت و کردار میں نفاق ہوتا ہے اور وہ منافقوں کی کسی عاقبت اور خصلتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس نفاق اعتقادی کفر کی ذیل ترین قسم ہے اور نفاق عملی معصیت اور گناہ و کبیرہ ہے اور ایک ملمان کے لیے جیسے بی ضروری ہے کہ وہ کفر و شرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے۔ اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ منافق سیرت و منافقانہ اعمال اخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

بعض منافقانہ اعمال و افعال

کچھ بری عاقبتیں اور خصلتیں ایسی ہیں جن کو منافقین کے سامع خاص نسبت اور مناسبت ہے۔ اسلام چونکہ سچائی، امانت، دیانت، ایقانے عہد اور حق پسندی ایسے اعمال حسنة

کرنے کی تاکید کرتا ہے اس لیے کتاب و سنت میں منافقانہ اعمال و کردار کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ مسلمان منافقانہ اعمال و اخلاق سے اپنے آپ کو بچائیں مثلاً سورۃ توبہ رکوع ۳۲ میں جن منافقانہ اعمال و کردار کا بیان ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:-

۱۔ چما دینی اقامت دین کی جہ و جہد کو غنہ کر کے گریز کرنا ۲۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں کراہت کرنا۔ مگر مستقیم پر چلنے روکنا اور باطل کی راہوں پر چلنے کا مشورہ دینا ۳۔ نماز کی ادائیگی میں تساہل کرنا ۴۔ دین کے دشمنوں سے مل کر سازشیں کرنا ۵۔ عہد پیمان کو توڑ دینا ۶۔ جھوٹے وعدے کرنا ۷۔ جھوٹی قسمیں کھانا ۸۔ دین کے دشمنوں سے دوستی اور رابطہ قائم کرنا وغیرہ۔ ان سب کو نفاق اکوہ عادات و خصائل قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں نفاق عملی سے بچنے کے لیے متعدد امور کی نشاندہی کی گئی۔

حدیث بدینہ میں خصائل نفاق میں سے چار کا ذکر فرمایا۔ خیانت، جھوٹ، عیش کشی، بدزبانی اور ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو اس کو کھجنا پانچنے کہ اس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں چاروں خصلتیں ہوں وہ اپنی سیرت میں خالص منافق عملی ہے۔

۱۔ جھوٹ میں ہر بات داخل ہے جو حق جاننے کے بعد اس کے خلاف کہی جائے اور سنی ہوئی بات بغیر تحقیق کے اس طرح روایت کر دی جائے جیسے وہ تحقیق شدہ ہے۔

۲۔ دوسری علامت نفاق 'خیانت' ہے۔ اس سلسلہ میں ملحوظ رہنا چاہیے کہ امانت میں ہر وہ چیز داخل ہے جو کسی مالک کی نیا سے کسی اور کے قبضہ و اختیار میں بغرض حفاظت دی جائے اور وہ باوجود اس پر اختیار رکھنے کے مالک کے منشاء کے خلاف یا اسکی جائزہ کے بغیر استعمال کا کوئی حق نہ رکھتا ہو۔ پس جس طرح انسان ایک دوسرے کے پاس امانتیں رکھتے ہیں۔ اسی طرح کچھ امانتیں اللہ کے بندوں کے پاس رکھی ہیں اور یہ مال و دولت یہ عقل فہم یہ جہالتی قوت و اختیار وغیرہ یہ سب اللہ ہی کی تو ملکیت ہیں جنہیں اس لئے بندوں کے پاس رکھا ہے اور وہ تمام صورتیں متعین کر دی ہیں جن میں ان امانتوں کا استعمال جائز یا ناجائز ہو سکتا ہے۔

بالخصوص مومنین سے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جان و مال کو حجت کے عوض خرید لیا ہے۔ اس لئے اللہ ہی ان کی دولت و عقل و فہم کا مالک ہے۔ پس جس طرح دنیاوی معاملات میں امانت رکھنے والا امانت رکھی ہوئی شے کو مالک کے منشاء کے خلاف استعمال کر کے خائن بن سکتا ہے۔ اسی طرح ایک مومن اپنے مال، عقل، فہم، صلاحیت و اختیار کو مالک کے منشاء کے خلاف استعمال کر کے خائن بن سکتا ہے۔ غرضیکہ خیانت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس میں خیانت ہر ایسی شے کے لئے کو افشاء کر دیا جائے یا کسی عمدہ اور منصب پر فائز ہرگز فہم کیا جائے۔ یہ سب خیانت کی صورتیں ہیں۔

تیسری علامت محمد سکتی ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ اول یہ کہ مکروہ تحریمیہ ہے۔ دوم یہ کہ مکروہ تنزیہیہ ہے۔ مہاتر النہوی لیکن حدیث ترمذی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی سے اس نیت کے ساتھ وعدہ کیا کہ اس کو پروا نہ کرے گا۔ پھر پورا نہ کرے گا تو اس پر گناہ نہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں مسئلہ یہ ہوا کہ وعدہ کرنے وقت محمد سکتی کا عزم ہو تو یہ ممنوع ہے لیکن صدق دل کے ساتھ وعدہ کیا جائے اور اس عزم کے ساتھ وعدہ کیا جائے کہ پروا نہ کرے گا۔ پھر غفلت یا بھول یا کسی مانع کی وجہ سے پورا نہ کرے گا تو اُمید ہے کہ مؤخذہ نہ ہوگا۔

چوتھی بد زبانی ہے۔ پھر بد زبانی بھی مومن کے ساتھ ہوتی تو اس کی قیامت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جہاں مسلمان بھائی کو دیکھ کر مسکرا نا عبادت ہو۔ وہاں اس کے ساتھ بد زبانی سے چیش اگر اس کا دل دکھانا اس کی بُرائی کا کیا ٹھکانہ ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

راہِ خدا میں جہاد

مَنْ مَاتَ وَكَلَّمَ يَكُونُ
وَكَلَّمَ يَحْدِثُ بِهَا نَفْسُهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ
مِنَ الشِّمَاقِ (رواہ مسلم)

جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے جہاد کیا اور نہ کبھی جہاد کی تجویز ہی سوچیں اور نہ شاک کی تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مہر۔

مطلب یہ ہے کہ جس نے ایمان کے دعویٰ کے باوجود نہ تو جہاد کیا اور نہ کبھی اس کے دل میں نہ ہو کا شوق اور اس کی نیت پیدا ہوئی تو نہ نفاق کی زندگی ہے اور جو اس حال میں مرجعاً تو نفاق کی ایک صفت کے ساتھ دنیا سے گیا۔ ایک اور حدیث میں فرمایا یہ تو منافق کی سی مارتے کہ بے پروا ہی سے بیٹھا آفتاب دیکھتا رہے۔ یہاں تک کہ وہ زرد ہو گیا تو نماز کے لیے کھڑا ہو گیا (اور چڑیا کی طرح چار چرخیں مار کر نماز ختم کر دی اور اللہ کا ذکر بھی اس میں بہت کم کیا

عَاذٌ فِي
بِجَلْسِ سِرْدُ الشَّيْءِ حَتَّى إِذَا اضْمَرَّتْ
وَكَاثَتْ بَيْنَ قُلُوبِ الشَّيْطَانِ قَاهَرَتْ فَتَنَرُ
أَرْبَابَ لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا

اس حدیث میں یہ بتایا گیا کہ مومن کی شان قرینہ سے مد شوق کی بجائے عین سے نماز کے وقت کا منتظر ہے اور جب وقت گئے تو خوشی اور مسند ہی سے نماز کے لیے کھڑا ہوا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت مجھے مالک ملک کے حضور حاضری نصیب ہے۔ پورے اطمینان اور شوق کے ساتھ نماز ادا کرے۔ قیام قیود رکوع و سجود میں خوب نوب اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس سے اپنے دل کو شاد کرے۔ یہ توجہ مومن کے نماز پڑھنے کی شان ————— لیکن منافق کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز کو بوجھ سمجھتا ہے۔ وقت آ جانے پر ہی آنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً عصر کی نماز کے لیے اس وقت اٹھتا ہے جبکہ سورج بالکل ڈوبنے کے قریب ہو جاتا ہے اور پھر جلد ہی جڑیا کی طرح چاچر پچس یا کر نماز پوری کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بس برائے نام ہی کرتا ہے۔ پس یہ منافق کی نماز ہے۔ جو کوئی مسلمان اس سستی کا بلی سے نماز ادا کرتا ہے تو اس کو کچھ لینا چاہئے کہ اس نے مومن والی نہیں بلکہ منافقوں والی نماز پڑھی ہے۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا | ایک حدیث میں فرمایا کہ جو شخص مسجد میں ہوا اور اذان ہو جائے اور وہ اذان کے بعد بھی بلا کسی خاص ضرورت کے مسجد سے باہر چلا جائے۔

وَهُوَ لَا يَرْيِدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ (ابن ماجہ)

اور نماز میں شرکت کے لیے واپسی کا ارادہ بھی نہ رکھنا جو تو منافق ہے۔

مطلب یہ کہ اذان ہو جانے کے بعد جد سے نکل جانا اور شرکت نماز کے لیے واپسی کا ارادہ نہ رکھنا منافقانہ طرز عمل ہے اور ایسا کرنے والا کو منافق حقیقی تو نہیں مگر منافق عملی ضرور ہے۔ الغرض حدیث میں نفاق عملی کی تیس مثالیں موجود ہیں جن میں سے چند کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ہر قسم کے نفاق سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

يَا بَقِيَّةُ الْقَدْرِ مِنَ الْإِيمَانِ

باب بقیۃ القدر میں قیام ایمان کی علامت

۳۴۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَقُمْ كَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بیلۃ القدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ قیام فرمایا۔ اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الصیام میں مکرر ذکر کیا۔ اسی طرح ابوداؤد، نسائی و ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ۲۔ واضح ہے کہ مقصود ان ابواب کا ہے کہ ایمان اور خدائے ایمان کا بیان کرنا تھا۔ اس لیے اب پھر ہم نے ان امور کے بیان کا سلسلہ جاری فرمایا جو ایمان کے اثرات و ثمرات ہیں یعنی قیام بیلۃ القدر، جہاد، صوم رمضان وغیرہ وغیرہ۔

قیام کے معنی۔ قیام کے معنی ایک توقیام فی الصلوٰۃ کے ہیں یعنی بیلۃ القدر میں نماز پڑھنا یا قیام منید کے مقابل ہے۔ یعنی بیلۃ القدر کو جاکر گزارنا خواہ نماز کے ساتھ یا ذکر کے ساتھ۔ قیام سے مراد رات کا قیام ہے یا بعض کا۔ اکثر

شاجین نے اس سے بعض حصہ رات کا قیام ملا دیا ہے لیکن علامہ معینی فرماتے ہیں کہ جب مَن یَقُومُ تو نماز کا جائزے تو اس سے بعض یوم کا روزہ مراد نہیں ہوتا۔ اسی طرح مَن یَقُومُ کا لفظ آیا ہے تو یہاں بھی تمام رات کا قیام مراد ہونا چاہئے اور یہ اس لیے بھی کہ ”لیلۃ القدر“ مَن یَقُومُ کا مفعول واقع ہوا ہے اور مفعول کی شان یہ ہے کہ وہ فاعل کے فعل کو شامل ہوتا ہے لہذا قیام کو تمام رات کے ساتھ متصف ہونا چاہئے۔

ایمان و احتساب کے معنی۔ احادیث میں احتساب کے لفظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے برعکس کا مدار زبان پر نہ اور اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ لیکن نیت مرتبہ علم کا ہے اور احتساب علم الحکام کا مرتبہ ہے یعنی احتساب نیت سے بھی اوپر ایک درجہ اور مراد اس سے نیت کا استحضار اور نیت کی زیادتی ہے۔ یہ نیت ہے کہ اس لفظ کا استعمال شارع نے ذہول و مشقت کے مواقع پر کیا ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جس کا بچہ مر جائے تو اس کو چاہئے کہ صبر کرے اور احتساب کرے۔ اب دیکھئے بچہ کا مر جانا آفتِ سماوی ہے۔ اس میں انسان کے اعتبار کو کچھ دخل نہیں ہے اور یہ کہ اس مصیبت کے وقت آدمی کو وہ بھی نہیں ہوتا کہ مجھے ثواب مل سکتا ہے تو یہ دہوں کی نگہ تھی اس لیے شارع نے فرمایا کہ اگرچہ یہ آفتِ سماوی ہے لیکن غلوس نیت کے ساتھ اگر کوئی اس مصیبت پر صبر کرے تو اس کا ثواب مل جائیگا۔

مشقت و مجاہدہ کے موقع پر بھی شارع نے اس کا استعمال فرمایا جیسے لیلۃ القدر میں جب انسان عبادت میں مغموم ہوتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہے تو ایک جہت سے اس کو دھوکا ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری یہ عبارت و طاعت بے فائدہ ہے اور اس وقت وہ پر محسوس نہیں کرتا کہ اس حاجت کی توفیق بھی خدا ہی نے دی ہے تو ایسے موقع پر اس کو توبہ کی بات ہے کہ وہ نیت میں ازدیاد پیدا کرے اور غلوس کو اور زیادہ بڑھائے تاکہ اجر میں اضافہ ہو۔

اسی طرح اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا یا نماز کے لیے دُور سے چل کر آیا یہ ایسے باب کام ہیں جن کو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ان کرنے سے کیا ثواب ہوگا کیونکہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ میری بچوں پر خرچ کرنا ایک طبعی چیز ہے۔ اس موقع پر بھی احتساب کا لفظ استعمال کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اس میں زیادہ سے زیادہ غلوس ہو۔ چنانچہ حدیث مسند احمد سے اس کی تائید ملتی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

جس نے ایک نیکی کی تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جب کہ اس کے دل میں اس کا شکر اور حرص ہو (یعنی استحضار نیت)

مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ كَتَبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ إِذَا أَشْعَرَ بِهِ قَلْبُهُ وَكَرَّصَ (مسند احمد)

حدیث ہذا سے واضح ہوا کہ غلوس نیت سے اوپر بھی ایک درجہ ہے جس کو غلوس و خلوص سے تعبیر کر لیتے۔ غفر کے معنی چھپانے کے ہیں مغفرا سی سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس سے سرچھپ باتاب اور آدمی تلوار کی ضرب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ معنی حدیث یہ ہیں کہ جس نے لیلۃ القدر میں اس کے حق ہونے کے اعتقاد کے ساتھ صرف اللہ عزوجل کی توشہ نودی کے لیے عبادت کی تو اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

لیلۃ القدر کے احکام | صراحہ کسی حدیث میں شب قدر کی تاریخ متعین نہیں فرمائی گئی۔ علما نے فرمایا کہ

اس شب کے احبار ہیں حکمت یہ ہے کہ مسلمان ہر رات اس خیال سے عبادت میں گذارے کہ شاید یہی رات شب قدر ہو اور اسی طرح عشرۂ آخر کی راتیں خصوصیت کے ساتھ عبادت و ریاضت تسبیح و تہلیل میں گزاریں۔ البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ سید عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام فرمایا:

تَحْدُ وَاللَّيْلَةُ الْقَدْرُ فِي الْوَسْطِ مِنْ الْعَشْرِ الْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (بخاری)

شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

جس سے اتنا معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان مبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آیا کرتی ہے۔ بعض علماء نے اپنے کشف و علم کے اعتبار سے مختلف تاریخیں بیان کی ہیں مثلاً

سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک کی سائیسویں رات ہے۔ سورۃ قدر میں اس کی جانب و طرح اشارہ فرمایا۔ اول یہ کہ سورہ قدر تیس کللوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سائیسواں کلمہ لفظ ہی ہے جو بلبلۃ اللہ کی تعبیر ہے۔ دوسرے یہ کہ لیلۃ القدر میں نو حروف مکتوبی ہیں اور لفظ بلبلۃ اللہ کو سورہ قدر میں تین مرتبہ بیان فرمایا۔ نو کو تین میں ضرب دینے سے سائیس حاصل ہوئے۔

ہمارے امام اعظم ابو عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ رمضان المبارک ہی میں ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر رمضان کی آخری دس، بیچ میں حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سے بالغ ہوا ہوں رمضان میں شب قدر پانا ہوں میرا تجربہ ہے کہ اگر پہلی تاریخ رمضان المبارک کی اتوار یا بدھ کو ہوتی ہے تو شب قدر سائیسویں رات کو ہوتی ہے اور جب پہرہ کو پہلی ہوتی ہے تو اسی سوئیں شب کو شب قدر ہوتی ہے اور جمعہ یا منگل کی پہلی ہونے سائیسویں رات کو شب قدر ہوتی ہے اور جب جمعرات کی پہلی ہوتی ہے تو پچیسویں کو لیلۃ القدر ہوتی ہے اور جب ہفتہ کی پہلی ہوتی ہے تو بیسویں شب کو لیلۃ القدر ہوتی ہے۔ ————— مگر ظاہر ہے کہ شب قدر کی تاریخ سے متعلق بزرگوں سے جو کچھ منقول ہے وہ ظن و تخمین کے درجہ میں ہے۔ کوئی حتمی و قطعی بات نہیں ہے۔ اگر اس مقدس رات کی تلاش میں رمضان کے عشرہ آخر کی تمام راتوں میں شب بیداری کی جائے تو کچھ عجیب نہیں کہ وہ رحمن و رحیم خدا اس عشرہ کی برکت سے ہر رات کی عبادت کا ثواب شب قدر کے برابر ہی عطا فرمادے۔

واللہ واسع علیم

ہر شب شب قدر است اگر بدانی

۷۔ شب قدر میں عبادت کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ احادیث صحاح میں تو ہے کہ رات کو قیام کرو یعنی نوافل پڑھتے جاؤ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ نے عرض کی یا رسول اللہ اگر میں شب قدر کو جان لوں تو اس رات میں کیا پڑھوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ وظیفہ پڑھا کرو۔

اللَّهُمَّ ارْزُقْنَاكَ عَقْفًا وَتَحِبَّ الْعَقْفُ فَاعْتَمِدْ عَقْفًا

وایسے بزرگان دین و صالحین امت سے ذکر اور نوافل کے متعدد طریقے منقول ہیں۔ مثلاً امام ابواللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شب قدر کی نماز تین قسم پر ہے۔ اقل، اوسط، اکثر۔ اقل دو رکعتیں، اوسط سو رکعتیں، اکثر ایک ہزار رکعت۔ جو قسم چاہے اختیار کرے۔ ہر رکعت میں سورہ الحمد شریف کے بعد سورہ آنا ازناہ ایک مرتبہ اور سورہ

قل ہوا اللہ تین مرتبہ پڑھے اور ہر رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد بارگاہ رسالت میں ہدیہ درود و ہمیشہ کرسے۔ اجنبی علمائے فرمایا کہ اس شب میں چار رکعت اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورۃ الحمد شریف کے بعد سورۃ الماکم الشکار ایک مرتبہ اور سورۃ قل ہوا اللہ تین مرتبہ پڑھے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر میں بعد نماز عشاء سات مرتبہ سورۃ اِنَّا اَنْزَلْنٰہَا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بلاؤں سے محفوظ رکھے گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے جنت کی دعا کریں گے اور جو شخص جمعہ کے دن نماز سے پہلے اس کو تین مرتبہ پڑھے گا تو اس کے نامہ اعمال سے ان لوگوں کی تعداد کے برابر نیکیاں نکھی جائیں گی جنہوں نے اس دن نماز جمعہ ادا کی۔ اس سے مقصد ان بزرگان دین کا یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت اس رات میں ذکر الہی میں مشغول و مصروف رہے۔ خواہ مذکورہ بالا نماز ادا کرے خواہ درود شریف یا تسبیح یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ یا تہلیل یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا تحمید یعنی اللّٰہُ اَکْبَرُ یا استغفار یعنی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ جب تک ممکن ہو پڑھتا رہے۔

۳۔ سورہ قدر میں شب قدر کے مندرجہ ذیل خصائص کا بیان ہے۔

۱۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ کَیْسَلِہٖ الْقَدْرِ بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اُتارا یعنی قرآن مجید کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یکبارگی اس شب میں اُتارا گیا۔

۲۔ اَیْسَلُ الْقَدْرِ حَیْثُ مِّنْ اَلْفِ شَہْرِ۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی شب قدر میں نیک عمل کرنا ہزار راتوں کے عمل سے بہتر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے اس رات میں ایمان و اخلاص کے ساتھ شب بیداری کی اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیتا ہے (مسلم شریف) نیز حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امم سابقہ کے ایک صالح شخص کا ذکر فرمایا۔ جو تمام رات عبادت کرتا تھا اور تمام دن جہاد میں مصروف رہتا تھا۔ اس طرح اس نے ہزار مہینے گزارے تھے۔ مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا۔ اس پر اللہ عز و جل نے حضور علیہ السلام کو شب قدر عطا فرمائی اور یہ آیت نازل کی کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (ابن جریر بن طریق مجاہد) یہ حضور علیہ السلام پر اللہ عز و جل کا کرم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی شب قدر کی ایک رات عبادت میں گزاریں تو ان کا ثواب پچھلی امت کے ہزار ماہ عبادت کرنے والوں سے زیادہ ہو۔

۳۔ سَنَزِلُ الْمَلَائِکَۃُ وَالْمُرُوحَ فِیْہَا..... الخ اس میں فرشتے اور جبریل اُترتے ہیں۔ اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے اور سلامتی ہے صبح چلنے تک۔ یعنی اس رات زمین پر جو بندہ کھڑا یا بیٹھا عبادت الہی میں مشغول ہو تو فرشتے اس کو سلام کرتے ہیں اور اس کے حق میں دعاء استغفار کرتے ہیں۔ یہی حق کی حدیث میں ہے کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل امین ملائکہ کی جماعت کے ساتھ اُترتے ہیں۔

یُصَلُّوْنَ عَلٰی کُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ | تو ہر قیام و قعود کرنے والے بندے کے لیے جو ذکر و عبادت الہی میں مشغول ہو دعا کرتے ہیں۔

۴۔ مِنْ کُلِّ اَمْرِ لِّیْنِ اس شب میں سال بھر کے احکام نافذ کئے جاتے ہیں اور ملائکہ کو سال بھر کے وظائف و عبادت پر مامور کیا جاتا ہے۔

بَابُ الْجِهَادِ مِنَ الْإِيْمَانِ عَنِ النَّبِيِّ

باب اس امر کے بیان میں کہ جہاد بھی اسلام کے کاموں سے ہے

٣٥ - مَلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَدْبَ
اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا
يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيْمَانٌ بِي أَوْ تَصَدِّقٌ بِرُسُلِي
أَنْ أَرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ
أَوْ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَلَوْ لَا أَنْ أَمْسَقَ عَلَى
أُمْتِي مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَلَوْ دُرْتُ
أَتَى أُمْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أُحْجِي ثُمَّ أُقْتَلُ
ثُمَّ أُحْجِي ثُمَّ أُقْتَلُ (بخاری)

سَمَّ أَحْيَا سَمَّ أُقْتَلُ (بخاری)

جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔

فوائد و مسائل | مَنْ أَجْرَ أَوْ غَنِمَةٍ مِنْ أَوْ تَرَدُّهُ أَوَّلَ النَّهْرِ فَلَهُ جُزْءُهَا كُلُّهَا وَكَانَ خَطْبَتُهُ أَوْ تَرَدُّهُ يَوْمَ وَقَفَعَهُ لَخْلِيفَتُهُ أَوْ تَرَدُّهُ يَوْمَ وَقَفَعَهُ لَخْلِيفَتِهِ
اگر شہید ہو گیا تو اس کو اجر و ثواب ملے گا اور زندہ رہا تو اس کو غنیمت ملے گی حالانکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ

مجاہد کو بصورت میں ثواب ملتا ہے اس لیے علامہ طہسی نے فرمایا کہ اصل عبارت حدیث یوں ہوگی۔

مِنْ أَجْرِ أَوْ غَنِيمَةٍ كَمَجَاهِدٍ أَوْ شَيْءٍ مَوْجَبٍ نَفْسَ كُتُوبٍ مِلَّتَافَے اور اگر زندہ رہے تو ثواب کے ساتھ
 ساتھ اس کو مالِ غنیمت بھی ملتا ہے۔ مَجَاهِدُ مِنْ أَجْرِ أَوْ غَنِيمَةٍ کا لفظ محض اختصار کے لیے فرمایا گیا اور سائن پر اعتماد
 کہ کیا ہے کہ وہ اصل مفہوم کو خود سمجھ لے گا۔ فافهم

۱: کیا ہے کہ وہ اصل علوم کو خود سمجھ لے گا۔ فائیم

مجاہد کو بہر صورت ثواب ملتا ہے | الجہاد من الایمان کے معنی یہ ہیں کہ جہاد بھی ایمان کی نشانی ہے انستہ اللہ کے معنی اوعا کی قبولیت کے ہیں گویا جب ایک مسلمان جہاد فی سبیل اللہ

کے لیے نکلنا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے جہاد کو قبول فرما کر ثواب جزیل عطا فرماتا ہے۔

سربراہ لشکر کے ایک حصہ کو کہتے ہیں۔ خیر السرایا اربعۃ مائۃ رجل یعنی بہترین سربراہ وہ ہے جس پر چار سو فوجی ہوں واقعہ خلف سوریۃ حضور علیہ السلام میں تانا بجا پتے ہیں کہ میری آرزو تو یہی ہوتی ہے کہ نہاد میں شریک ہوں مگر امت پر شفقت کی وجہ سے بعض مرا یا میں شرکت نہیں فرماتا کیونکہ میری وجہ سے سب کو نہاد میں شریک ہونا پڑتا ہے۔

اس حدیث میں جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت کا اظہار فرمایا گیا ہے اور یہ کہ جہاد کی تمنا کرنا، شہادت فی سبیل اللہ کی آرزو رکھنا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ اسی لیے فرمایا :-

مومن کا کسی نیک کام کرنے کی نیت کرنا اس کے عمل سے بہتر ہے

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ أَنْ يَبْلُغَ مِنْ عَمَلِهِ

ایماناً و احتساباً کی قید لگا کر یہ بتا دیا گیا کہ جہاد فی سبیل اللہ صرف یہ ہے کہ آدمی خلوص نیت کے ساتھ محض اللہ کے حکم کی بندگی کے لیے جہاد کرے اور اس میں کوئی دنیاوی غرض نہ ہو۔

مسائل حدیث

۱۔ جہاد فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں ہے۔ جب دو مصلحتیں متعارض ہوں تو اہم کو اختیار کرنا چاہیے اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض سرزمینوں میں اس لیے شمولیت نہیں فرماتے تھے کہ آپ کی وجہ سے سب کو شل ہونا پڑتا۔ ۲۔ جنت میں تو بہر حال تمام مسلمان داخل کئے جائیں گے۔ لیکن شہید کو خصوصیت کے ساتھ جنتی اس لیے فرمایا کہ وہ بلا حساب کتاب سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ شہادت اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ شہادت تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے مگر قرض کا نہیں یا یہ کہ مجاہد کی دو حالتیں ہوتی ہیں شہادت اور سلامت۔ شہادت کا ثواب جنت ہے اور سلامتی کی صورت میں اس کو غنیمت ملتی ہے اور لفظ او میاں اس معنی میں ہے کہ جو شخص جہاد میں سلامت رہے تو اس کو ثواب ملے گا یا غنیمت ملے گی لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غنیمت بھی ملے اور ثواب بھی یعنی لفظ او امتناع مع اسکان الجمع کے لیے ہو (یعنی) ۳۔ اس حدیث کو امام نے کتاب الجہاد میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم و نسائی نے بھی کتاب الجہاد میں ذکر فرمایا ہے۔

بَابُ تَطَوُّعِ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْإِيمَانِ

باب رمضان کی راتوں میں نفل پڑھنا ایمان کی خصلت ہے

۳۶۔ اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان میں قیام کیا ایمان اور خلوص نیت کے ساتھ تو اس کے اگلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یہ گناہوں کی مغفرت اس شخص کے ہے جو رمضان کے مہینہ کے تمام روزے رکھے۔ کیونکہ جو رمضان کا ایک روزہ رکھ لے اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے رمضان کے روزے رکھے ہیں۔ یہ خوشخبری اس شخص کے لیے بھی ہے جو بوجہ عذر شرعی رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھ سکا۔ لیکن نیت اس کی یہی ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادی وہ ضرور چھوڑے ہوئے روزے رکھ لے گا۔ کیونکہ وہ مریض جو مرض کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ثواب مل جاتا ہے (واللہ و اسع علیم)

بَابُ الدِّينِ يُسْرُ

باب دین آسان ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو وہ دین پسند ہے جو حلیف اور سبھ ہو۔ (بخاری)

قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ الْخَفِيفُ الشَّدِيدُ

احب الدین کلام اضافی مبتدا ہے اور خلیف اس کی خبر ہے۔ حلیف کے معنی باطل سے حق کی طرف مائل ہونے کے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حلیف اسی لیے کہتے ہیں آپ نے باطل

قوائد مسائل

سے حق کی طرف میل فرمایا۔ ملتہ خنیفیہ سے ملتہ ابراہیمی مراد ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے ماخوذ ہے۔ بحر کے معنی آسان کے ہیں۔ ملتہ سنہجہ یعنی وہ دین جس میں حرج نہ ہو اور جس کے احکام پر چلنا انسان کے اعتبار میں ہر علامہ عینی فرماتے ہیں۔ احب بمعنی محبوب ہے اور اگر الف لام مضمی مانا جائے تو نقدیر عبارت یہ ہوگی۔ احب الدیان الح اللہ الخ اور اریان سے شرائع ضامیر اور ہوں گی تو اب احب الدین کے معنی یہ ہوں گے کہ گزشتہ شریعتوں میں ان کے نسخ و تبدیل سے قبل دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اگر الف لام مضمی لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کو تمام خصال دین اسلام محبوب ہیں یعنی دین اسلام کے تمام کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں مگر ان میں وہ کام تو بہت پسند ہیں جو آسان ہیں۔ ۲۔ واضح ہو کہ قرآن نے یہودیت و نصرانیت کو خنیفیہ کا مقابل بٹھرا دیا جائے چنانچہ فرمایا:

قَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (قرآن حکیم)

انھوں نے کہا یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے تم کہہ نہیں بلکہ ملتہ ابراہیم خنیفہ (کو اختیار کرو تو ہدایت پاؤ گے)

قرآن نے محرف عیسائیت و نصرانیت کی مذمت کی ہے

اس موقع پر شہر پیدا ہوتا ہے کہ توریت کے ماننے والے یہودی کھلانے ہیں اور انجیل کو ماننے والے نصرانی ہیں تو پھر قرآن نے یہودیت و نصرانیت کی مذمت کیوں کی ہے اور اس کے مقابل دین خنیفہ اسلام کو قبول کرنے کی تاکید کی ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہود نے توریت میں اور نصرانی نے انجیل میں تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ اس کے احکام میں کثرت برون کر دی تھی۔ اس لحاظ سے یہودیت و نصرانیت نام ہے توریت محرف اور انجیل محرف کے متبعین کا اور قرآن شریف نے اسی منہج شدہ نصرانیت و یہودیت کی مذمت فرمائی ہے۔ توریت و انجیل میں حضور رب عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک، آپ کی شریف آوری، آپ کی نبوت و رسالت کا ذکر تھا اور یہ ہدایت بھی موجود تھی کہ جب وہ آخری رسول علیہ السلام تشریف لے آئیں تو ان پر ایمان لے آنا اور ان کی شریعت کو قبول کر لینا لیکن یہود و نصرانی نے نہ صرف ان پیشگوئیاں کو ان کتابوں سے خارج کر دیا بلکہ ان کتب میں مطورا احکام کو بھی بدل دیا اور اب یہ لوگ نئے توریت محرف اور انجیل محرف کے متبع رہ گئے۔ قرآن نے اسی محرف دین کی مذمت فرمائی ہے اور پھر اس خنیفیت کا اعلان بھی کیا کہ یہ تمام انبیاء اس دین خنیفہ اسلام کے پیرو تھے اور اسی کی تبلیغ فرماتے تھے۔

۳۸۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَكِنْ يُشَادُّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدُّوا وَفَارَّجُوا وَابْشُرُوا وَاسْتَجِيبُوا بِالْعَفْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الْمُلْجَةِ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک دین اسلام آسان دین ہے اور جو بھی اس میں سختی کرے گا تو یہ اس پر غالب آجائے گا تو میں نڈری اختیار کرو اور نزدیک رہو اور ثواب کی بشارت دیتے رہو اور عفوہ، دودھ اور دودھ سے مدلولو۔

۱۔ امام نے اس حدیث کو کتاب الرقاق میں بھی ذکر کیا ہے اور نسائی نے بھی اس کو روایت کیا

۲۔ یثا، مشادہ۔ اس کے معنی "مبالغہ" یعنی ایک دوسرے پر غالب آنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ میں اس قدر غلو اور زیادتی نہ کی جائے کہ آدمی پر بوجھ بن جائے اور اس طرح وہ اعمالِ صالحہ جاری نہ رکھ سکے۔ فساد دوا، نسیدہ کے معنی میاں دروی کے ہیں یعنی صحیح طریقہ کسی کام کا کرنا اور عبارت میں صحیح طریقہ یہی ہے کہ افراط و تفریط سے بچ جائے۔ قاریبوا کے معنی یہ ہیں کہ آخری مذہب نہ جاؤ بلکہ وسط کو اختیار کرو والبشرہ کے معنی یہ ہیں کہ اعمال پر جو ثواب مقرر ہے اگرچہ کم ہی ہو۔ اس کی لوگوں کو بشارت دو۔ عند وہ صبح کے وقت چلنا۔ دو حہ شام کے وقت چلنا۔ دلچہ رات کے آخری حصہ میں چلنے کو کہتے ہیں۔ تو جیسے مسافر اگر کچھ صبح کے وقت پہلے پھر شام کو پھر صبح کے وقت چلے تو ایسی معتدل رفتار سے وہ اپنا سفر بھی آسانی سے پورا کرے گا اور منزل پر بھی پہنچ جائیگا۔ برضات اس مسافر کے جو دن رات چلنا شروع کر دے تو اس کا نتیجہ بھی ہو گا کہ وہ تھک کر بیٹھ جائیگا نہ اس کا سفر پورا ہو گا اور نہ اس کو منزل ملے گی۔ ایسی حال عبادت کا ہے۔ اس کو میاں دروی کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے۔

مفہوم حدیث یہ ہے کہ جو فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیئے ہیں وہ تو بہر صورت ادا کرنے ہی ہیں لیکن اس سے زائد عبادت اور نیک کام کوئی شخص کرنا چاہے تو اس میں شدت و سختی کو اختیار نہ کرے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ کام بوجھ بن جائیگا اور زیادہ عمل کے شوق میں کم سے بھی دستبردار ہونا پڑیگا۔ اس لیے آدمی کو چاہئے کہ وہ نیک کاموں کے کرنے میں میاں دروی اختیار کرے تاکہ وہ جاری رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور بندوں کے حقوق کا بھی خیال رکھے۔ اسی لیے ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔ کلّفوا من العمل ما تطیقون نیک کام اتنے ہی کرو جس کی تم میں طاقت ہو اور اسی ہدایت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے جس کے لفظ یہ ہیں۔ احب الدین الح۔ اللہ ادومہ جو آگے آرہی ہے۔

توضیح اس موقع پر یہ کہنا کہ حدیثیں دو ہیں۔ ایک وہ جس کو امام بخاری نے عنوان کے طور پر ذکر کیا ہے جس کے لفظ یہ ہیں احب الدین الح۔ اللہ الحنیفۃ السدحتہ اور دوسری حدیث وہ ہے جو الدین یسر سے شروع ہوئی ہے۔ خیال یہ ہے کہ دوسری حدیث کا ترجمہ الباب والی حدیث سے نکلنے نہیں ہونا چاہیے اور دونوں کا مفہوم و معنی جدا جدا ہیں یعنی احب الدین میں الف لام جنسی ہے اور احب آتم تفصیل کا صیغہ ہے۔ معنی حدیث یہ ہیں کہ تمام شرائع سابقہ میں ان کی تفریح سے قبل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ دینِ حنیف اسلام ہی پسند ہے اور دوسری حدیث الدین یسر میں الف لام حمدی ہے اور اس سے مراد صرف دینِ اسلام ہے اور معنی حدیث یہ ہیں کہ دینِ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کے احکام انسان کی وسعت و اختیار کے مطابق ہیں۔ اس کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو انسان کی قدرت سے باہر ہو۔ لہذا جب بات یہ ہے تو دین میں سختی نہیں کرنی چاہیے اور جن امور میں شارع نے رخصت دی ہے۔ اس کو قبول کرنا چاہئے۔ مثلاً اگر بوجہ مرض کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھی جاسکتی تو بیٹھ کر پڑھ لینی چاہیے۔ یہ نہ کیا جائے کہ چلے بوجہ مرض زیادہ ہو۔ تکلیف اتنا کو پہنچ جائے۔ پھر بھی کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھی جائے۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا۔ لن یثا الدین جو شخص شارع کی دی ہوئی رخصت سے کام نہیں لیتا اور اس میں سختی کرتا ہے تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ احکام شریعت اس پر بار ہو جائیں گے۔

بَابُ الصَّلَاةِ مِنَ الْإِيمَانِ

باب نماز بھی ایمان سے ہے

وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى وَمَا كَانَ اللَّهُ يُمْضِيْعَ
إِيمَانَكُمْ يَكُنْ صَلَوَاتُكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ
(بخاری)

اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں۔ ایمان سے مراد وہ نماز ہے جو بیت اللہ کے پاس اور بیت المقدس کی طرف پڑھی جائے

۱۔ نماز بھی ایمان ہے۔ یعنی نماز دین اسلام کا ایک رکن عظیم ہے۔ آیت میں جو نماز پر ایمان کا اطلاق آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز ایمان کا شعبہ اور اس کی نشانی ہے ۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کعبہ ابراہیمی قبلہ مقرر ہو گیا تو سوال ہوا کہ جن لوگوں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی ان کی نمازوں کا کیا ہوا؟ جواب میں یہ آیا کہ مبارک نماز ہوئی جس میں بتایا گیا کہ ان کی نمازیں بھی ضائع نہیں ہوئیں؛

قیام مکہ کے دوران قبلہ کس سمت تھا؟

اس میں اختلاف ہے کہ مکہ کے قیام کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرف پڑھتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ قیام مکہ کے

دوران بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی جاتی تھی۔ پھر جب آپ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو کعبہ ابراہیمی ہمیشہ کے لیے قبلہ مقرر ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قیام مکہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھی جاتی تھی۔ پھر جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ آ گئے تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی گئی۔ اس کے بعد کعبہ ابراہیمی مقرر ہوا۔ علماء فرماتے ہیں۔ یہ دوسرا قول ضعیف ہے۔ نیز اس قول کی بناء پر دوبارہ نسخ قبلہ لازم آتا ہے۔ لہذا صحیح قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قیام مکہ کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے مگر کعبہ ابراہیمی کی طرف پڑھتے تھے بلکہ کعبہ ابراہیمی کو اپنے اور بیت المقدس کے بیچ میں کر لیتے تھے۔ امام بخاری نے عند البیت کہہ کر صحیح قول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ یہ نمازیں کعبہ ابراہیمی کے پاس اور بیت المقدس کی طرف تھیں اور امام بخاری کا عند البیت پر اکتفا فرمانا اس لیے اولیٰ ہے کہ اس سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ نماز جو بیت اللہ کے پاس اور بیت المقدس کی طرف تھی ضائع نہ ہوئی تو وہ بطریق اولیٰ ضائع نہ ہوں گی جو بیت اللہ سے دور اور اس کی طرف پڑھی جائیں۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔

وَصَلَّاتُكُمْ اَلَّتِي صَلَّيْتُمُوهَا الْحَالِ
بَيْتِ الْمَقْدَسِ عِنْدَ الْبَيْتِ اَيُّ الْكُتُبَةِ (یعنی جلد ۲۴) | وہ نمازیں جو بیت اللہ (کعبہ) کے پاس اور بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں ضائع نہیں ہوں گی۔

واضح ہو تجویز قبلہ میں متدد حکمتیں تھیں۔ لیکن قرآن نے اس کی تین حکمتیں بڑی واضح طور پر بیان کی ہیں۔ پہلی حکمت قرآن نے یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے اور مسلم کا کام صرف

تجویز قبلہ کی حکمت

یہ ہے کہ حکم الہی کو بجالائے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے قبلہ بدل دیا تو اس میں اعتراض کی کیا گنجائش؟ دوسری حکمت یہ بتانی کہ قبلہ میں تبدیلی اس وجہ سے بھی ہوتی تاکہ مومن و کافر میں فرق بر جاوے اور معلوم ہو جائے کہ کون رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے اور کون نہیں کرتا جس سے واضح ہوا کہ قرآن حکیم نے اتباع نبوی کے عقیدہ کو کفر و اسلام کی کسوٹی

قرار دیا ہے یعنی جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع و اطاعت کو ضروری جانتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے اقوال و افعال کی پابندی کو اسلام سمجھتے ہیں وہی مومن ہیں اور جن کا عقیدہ یہ نہیں ہے وہ کافر و منافق ہیں۔ تیسری حکمت قرآن شریف نے یہ بتائی کہ تحویل قبلہ سے نہرت کی عظمت اور حضور ربہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا اظہار مقصود ہے کہ یہ وہ ہستی مقدس ہیں جن کی رضا جی اللہ عز وجل کو مطلوب ہے۔ تینوں حکمتیں قرآن نے واضح لفظوں میں بیان کی ہیں۔

۱۔ سيقول السفهاء من الناس ما ولاهم الله الخ اس آیت میں تحویل قبلہ پر کچھ چیزیاں کرنے والوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیگمہ چینی بے وقوفی ہے کیونکہ اللہ عز وجل حاکم مختار ہے جسے چاہے قبلہ بنائے کسی کو کیا جائے اعتراض ہے بندے کا کام فرمانبرداری ہے۔

۲۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا الخ اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ تحویل قبلہ کی حکمت یہ ہے کہ کافر و مومن میں فرق ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ کونسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اور کون اتباع نبوی سے انکار کرتا ہے۔ یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا اعتقاد رکھے وہ مومن ہے اور جو اتباع نبوی کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جو مومن تھے انہوں نے حضور علیہ السلام کا اتباع کیا اور کفار و مشرکین و منافقین نے اتباع کی بجائے اعتراضات شروع کر دیئے۔

۳۔ قَدْ سَلٰى ثَقَلَبِىْ وَجْهَكَ فِي السَّمٰوٰتِ الخ اس میں یہ بتایا گیا کہ کعبہ ابراہیمی کو قبلہ اس لیے مقرر کیا گیا کہ ہمارے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قبلہ بنائے جانے کو پسند فرماتے تھے۔ اس لیے ہم نے اپنے محبوب رسول کی مرضی پوری کر دی اور کعبہ ابراہیمی کو قبلہ بنا دیا تاکہ محبوب کی مرضی پوری ہو۔

یاد رہے کہ حضور ربہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی اپنی مرضی کا اظہار زبان سے نہیں فرمایا تھا بلکہ صرف قلب مبارک میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کعبہ ابراہیمی قبلہ ہو جائے اور اللہ عز وجل نے فرمایا۔ قُلْنَا لَيْسَ لَكَ قِبْلَةٌ شَرَضْهَا۔ ہم نہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ پھر مسجد حرام کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا اور حیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطرہ لے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف (کعبہ کی طرف) کرو۔ کیونکہ اسی میں میرے محبوب رسول کی خوشی ہے اور اس کی خوشی میری خوشی ہے۔

حضرت برادر سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے پہل مدینہ تشریف لائے تو آپ نے انصار میں سے اپنے سنبھال یا ماموں کے ہاں قیام فرمایا اور حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی۔ سترہ مہینہ یا سولہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف اور آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہو اور جب سے پہلی نماز جو آپ نے کعبہ ابراہیمی کی طرف پڑھی وہ عصر کی نماز تھی جو آپ کے ساتھیوں نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی

۳۹۔ عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَوَّلَ مَا قَدَّمَ الْكَدِيْنَةَ نَزَلَ عَلَى أَجْدَادِهِ أَوْ قَالَ أَخْوَالِهِ مِنَ الْأَنْصَارِ مَا أَنَّهُ صَلَّى قَبْلَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونُ قِبْلَتُهُ قَبْلَ الْبَيْتِ مَا أَنَّهُ صَلَّى أَوَّلَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْغَضْرِ

وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ صَلَّى
مَعَهُ فَسَرَ عَلَى أَهْلِ مَسْجِدٍ وَهُمْ رَاكِعُونَ
فَقَالَ أَشْهَدُ بِاللَّهِ لَقَدْ صَلَّيْتَ مَعَ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَكَّةَ
فَنَدَانُوا كَمَا هُمْ قَبْلَ الْبَيْتِ وَكَانَتْ
الْيَهُودُ قَدْ اغْتَابَهُمْ إِذْ كَانَ يُصَلِّي
قَبْلَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَأَهْلُ الْكُتُبِ فَلَمَّا
وَلَّى وَجْهَهُ قَبْلَ الْبَيْتِ أَشْكُرُوا ذَلِكَ قَالَ
زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو اسْحَقَ عَنِ الْأَنْبَاءِ فِي
حَدِيثِهِ هَذَا أَنَّهُ مَاتَ عَلَى الْوَيْلَةِ قَبْلَ أَنْ
تُحَوَّلَ رِجَالٌ وَقُتِلُوا فَلَمْ يَدْرِ مَا لَقُوا
فِيهِمْ فَاسْتَشْرَفَ اللَّهُ تَعَالَى (بخاری)

توان میں سے ایک شخص ایک مسجد پر گزرے جس میں لوگ
بیت المقدس کی طرف منکر کے نماز پڑھ رہے تھے اور
وہ روکے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا خدا کی قسم میں نے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کعبہ ابراہیمی کی طرف منکر کے نماز
پڑھی ہے۔ یہ سن کر ان لوگوں نے نماز ہی میں رہتے ہوئے
کعبہ ابراہیمی کی طرف منکر کیا اور حضور علیہ السلام کا بیت المقدس
کی طرف نماز پڑھنا یہود و نصاریٰ کو بھی پسند تھا مگر جب
آپ نے قبلہ ابراہیمی کو قبلہ بنالیا تو یہود اہل کتاب کو نار
ہوا۔ زہیر نے کہا ہم نے حدیث بیان کی۔ ابو اسحاق سے
انہوں نے براہ سے سن کر تحویل قبلہ سے پیشتر کچھ لوگ وفات
پا گئے اور شہید ہو گئے تھے تو ہم نہیں جانتے تھے کہ ان کے
حق میں کیا کہیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔

قوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کا امام نے تفسیر اور صلوٰۃ پر بھی ذکر کیا ہے۔ اس طرح مسلم ترمذی و نسائی نے بھی
تفسیر اور صلوٰۃ کے باب میں اس حدیث کو درج کیا ہے۔ ۲۔ یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ اس میں تو
کوئی خفا نہیں تھا کسی کام کو اس کے منوج ہونے سے قبل کیا جائے تو وہ مقبول ہے۔ پھر صحابہ کرام نے یہ سوال کیوں کیا کہ
جن لوگوں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی ان کا کیا حکم ہے جواب یہ ہے کہ تحویل قبلہ اسلام میں سب سے پہلا نسخ تھا
جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام اس مسئلہ سے واقف نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے سوال
کیا۔ ۳۔ قیام مکہ کے دوران حضور علیہ السلام بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے۔

پھر جب آپ مدینہ شریف ہجرت فرما کر تشریف لے آئے تو آپ کی سب خواہش
۴۔ سب سے پہلی نماز جو آپ نے کعبہ ابراہیمی کی طرف مکمل طور پر پڑھی۔ وہ عصر کی نماز تھی جو مسجد نبوی میں پڑھی گئی تھی۔ رہبر
کی روایات میں جو آیا ہے کہ سب سے پہلی نماز کعبہ ابراہیمی کی طرف نظر پڑھی گئی۔ لیکن اس کی صورت یہ تھی کہ آپ نے ظہر کی دو
رکعتیں ہی پڑھی تھیں کہ تحویل قبلہ کا حکم آگیا اور آپ نے نماز ہی میں کعبہ ابراہیمی کی طرف منہ کر لیا۔ گویا ظہر کی نماز کی دو رکعتیں
بیت المقدس کی طرف اور دو رکعتیں کعبہ ابراہیمی کی طرف پڑھی گئیں۔ وہ ظہر کی نماز تھی (بیضاوی شریف)
دو قبلوں والی مسجد مسجد بنی سلمہ تھی (کافی البیضاوی)

۳۔ اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ احکام میں نسخ کا جواز ثابت ہوا ۲۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن حکیم سے سنت کا نسخ ہو سکتا ہے ۳۔ یہ بھی ثابت
ہوا کہ نماز میں کعبہ ابراہیمی کی طرف منہ کرنا ضروری ہے ۴۔ یہ کہ خبر واحد واجب العمل ہے۔ چنانچہ عبادہ بن صامت کی خبر پڑی

صحابہ کرام نے استغنا کیا اور جب انھوں نے کہا کہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ کعبہ ابراہیمی کی طرف نماز پڑھ کر آ جاؤں۔ تو وہ نماز ہی میں کعبہ ابراہیمی کی طرف پھر گئے۔ خبر واحد کے مقبول ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو کسی قبیلہ کی طرف احکام اسلامیہ کی تبلیغ کے لیے روانہ فرماتے تھے اور لوگ صرف ایک مبلغ سے احکام اسلامیہ سن کر اس پر عمل کرتے تھے ۵۔ یہ کہ اگر نمازیں یہ معلوم ہو جائے کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو اسی طرف پھر جانا چاہیے ۶۔ یہ کہ اگر قبلہ معلوم نہ ہو تو پھر انسان خود اپنے دل سے فیصلہ کرے اور جہد و جدل جم جائے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔ پھر اگر نماز کے بعد غلطی معلوم ہو جائے تو نماز کے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ۷۔ یہ کہ قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں اگر اجنباد کی بنا پر چاروں سمتوں کی طرف بھی نماز پڑھی تو وہ ہو گئی۔ اس لیے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ۸۔ اسی حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و شرف اور آپ کے مرتبہ و مقام پر روشنی پڑتی ہے کہ ابھی آپ نے اپنی خواہش کا زبان سے اظہار نہ فرمایا تھا کہ اللہ عز و جل نے آپ کی خواہش کو پورا کر دیا اور کعبہ ابراہیمی کو حضور علیہ السلام کی رضا جوئی کے لیے ہمیشہ کے لیے قبلہ مقرر فرمادیا ۹۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ جن لوگوں نے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں اور وہ وفات بھی پا چکے ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ تو اس پر آیہ مذکورہ بالا نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ ان کی نمازیں مقبول ہیں۔ یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سوال میں صرف اموات کو کیوں خاص کیا گیا۔ حالانکہ یہ سوال زندہ و مردہ سب کے ساتھ متعلق ہے۔ جواب اس کا مجھے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگرچہ اس سال کا تعلق زندہ و مردہ دونوں سے ہے۔ مگر اموات کے متعلق شاید اس خیال سے کیا گیا کہ وہ اب مکلف نہیں رہے اور جو نمازیں انہوں نے بیت المقدس کی طرف پڑھیں اگر وہ نامقبول ہوتیں تو اس کی تلافی اب ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔ برخلاف زندوں کے کہ وہ نمازوں کا اعادہ کر کے بھی اس کی تلافی کر سکتے تھے اس لیے صرف اموات کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سوال اٹھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ | اس نام کا صحابہ میں اور کوئی ان کے سوا نہیں آیا۔ آپ حبیب اللہ صحابی ہیں۔ خندق اور اس کے بعد کے تمام مشاہد ہیں حضور علیہ السلام کے ہمراہ رہے۔ آپ نے ۲۷ھ میں رسے کو فتح کیا اور حضرت ابو موسیٰ کے ہمراہ غزوہ نستر میں شریک ہوئے۔ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہمراہ بھی مشاہد ہیں شریک ہوئے۔ آپ کے والد عازب بھی صحابی ہیں۔ آپ سے ۳۰۵ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۲۲ حدیثوں پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا اور ۱۵ حدیثیں صرف بخاری نے اور ۲۱ حدیثوں کو صرف مسلم نے منفرداً ذکر کیا۔

بَابُ حُسْنِ الْإِسْلَامِ الْمَرْعُ

باب اسلام کے حسن کے بیان میں

ابوسعید خدری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب آدمی اسلام قبول کرے اور پھر اس کا اسلام اچھا ہو (یعنی وہ احکام اسلامیہ پر عمل کرے) تو ہر وہ گناہ جو اسلام سے قبل اس نے کیے اللہ تعالیٰ معاف

۴۰۔ اَنَا ابَا سَعِيدٍ نَا الْخَدْرِيَّ اخْبَرَهُ
اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ لِحَسَنِ
إِسْلَامِهِ يَكْفِّرَ اللَّهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ

كَانَ زَلْفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ الْقَصَاصُ
الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا
سَبْعِمِائَةٍ ضَعُفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا
إِلَّا أَنْ يَنْجَاوِزَ اللَّهُ عَنْهَا (بخاری)

کو بھی معاف فرما دے (یعنی جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے وہ مکھا ہی نہ جائیگا)

لغات حدیث

محسن اسلامہ۔ حسن اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اس نے ظاہر و باطن ہر طرح اسلام کو قبول کر لیا
یعنی حقیقی معنوں میں مسلمان ہو گیا یا اس کے معنی وہ ہیں جو حدیث جبریل میں آئے ہیں۔ الاحسان
تعبد اللہ کما شئتہ۔ احسان یہ ہے کہ تو خدا کو اس تصور سے پُرے کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ جس کا مطلب
یہ ہے کہ عبادات و طاعات میں انتہائی خلوص ہو اور احکام شرعیہ پر کار بند ہو جائے۔ یکسر اللہ تکبر کے معنی چھپانے کے
ہیں یعنی گناہوں کو مٹا دینا اور اس کی جگہ ثواب عطا فرمانا۔ کسان زلفنا۔ زلف کے معنی تقدیم کے ہیں۔ معنی یہ ہوں گے کہ
گناہ اس نے اسلام لانے سے پہلے کیے۔ القصاص کے معنی شے کا مقابلہ شے کے ساتھ۔ یعنی ہر عمل کی جزا دی جائے گی۔
اچھے ہوں گے تو ثواب دیا جائیگا۔ بُرے ہوں گے تو اس کے مقابل میں عذاب ہوگا۔ جو تہری نے کہا کہ ضعف کے معنی شل کے ہیں
ضعف الشی مثله لیکن از تہری کہتے ہیں۔ ضعف کے معنی کم از کم دگنے کے ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ یعنی دو گنا، ستر گنا
چہار گنا۔ اسی لیے قرآن حکیم میں آیا۔ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعِيفِ مِمَّا عَمِلُوا یہاں ضعف سے مراد اضعاف
ہے تو معلوم ہوا کہ کم از کم ضعف کے معنی دگنے کے ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

مسائل حدیث

حدیث ہذا سے ذیل کے مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ ۱۔ اسلام لانے کے بعد جو شر گناہ معاف ہو جاتے
ہیں ۲۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا ۳۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ گناہ کی سزا دے یا معاف
فرما دے ۴۔ مومن سے اگر گناہ ہو جائے تو اس کے نامہ اعمال میں صرف ایک ہی گناہ لکھا جائیگا۔ الایہ کہ گناہ اللہ تعالیٰ اپنے
فضل سے معاف فرما دے ۵۔ مومن جب ایک نیکی کرنے کا تو اس کے نامہ اعمال میں ۱۰ اے لے کر ۱۰۰ نیکیاں لکھی جائیں گی
بلکہ اس کا بھی دُگنا ثواب عطا کیا جائیگا۔

ایک نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے

یہ بات قرآن حکیم کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ مَنْ
جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَكَانَتْ عَشْرًا مِثْلَ الْبِئْسَاءِ (سورہ انعام) سورہ نسا۔ وَإِنْ شَأْنُ حَسَنَةٍ يَضَعُفُهَا وَيُؤْتِي مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا
اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دو چند کرنا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نیکی سے
کوئی خاص نیکی مراد نہیں بلکہ اس کو مطلق رکھا گیا ہے کہ کم سے کم درجہ کی نیکی کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دُگنا
فرماتا ہے بلکہ اتنا عطا فرماتا ہے کہ بندے کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر حیرانی کا اظہار کیا

جائے۔ اللہ تعالیٰ رب کریم ہے۔ اس کے اختیار میں ہے کہ اپنے بندوں کی جس نیکی کا چاہے ثواب عظیم عطا فرمائے، منکر یہ حدیث کا ان احادیث پر اعتراض کرنا اور یہ کہنا کہ مجھ میں نہیں آتا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملے ورنہ قرآن پاک پر اعتراض ہے۔ حدیث نے تو یہی بات بیان کی ہے جس کا انصار قرآن پاک نے کیا ہے۔

نوٹ: ۱۔ اس حدیث کے بعد امام نے جو حدیث ذکر کی ہے گو دونوں کے متن اور اسناد میں فرق ہے مگر مفہوم دونوں حدیثوں کا ایک ہے اس لیے ہم نے یہاں نہیں لکھی ۲۔ اس حدیث کو مسلم و بزار و بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے۔

بَابُ أَحَبِّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ

باب اس امر کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل بہت

پسند ہے جو ہمیشہ کیا ہے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کون ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا یہ فلاں عورت ہے۔ پھر انہوں نے اس عورت کی عبادت کا حال بیان کیا (یہ نوافل بہت پڑھتی ہے) اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا چھوڑ دو۔ تم انہی عمل کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔ بخدا اللہ تمہارے عطا فرمانے سے تھکتا

۴۱۔ آذَوْنُهُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا مِرْطَلَةٌ قَالَتْ مِنْ هَذَا قَالَتْ فَلَا تَهْجُرْ تَدَكَّرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَتْ مَدَّ عَلَيْنَا بِهَا تَطِيْفُونَ قَالَتْ لَا يَكْمُلُ اللَّهُ حَتَّى تَكْمُلُوا وَكَانَ أَحَبُّ إِلَيْنَا مَا دَوَّمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ۔

(بخاری)

نہیں۔ حتیٰ کہ تم خود ہی تھک جاؤ گے اور حضور علیہ السلام کو وہ عمل بہت پسند تھا جس کا ذکر کرنے والا اسے ہمیشہ کرے۔ ۱۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم و مالک نے بھی اس کو روایت کیا ہے ۲۔ احب الدین میں دین سے مراد طاعات ہیں یعنی بہترین طاعت وہ ہے جو ہمیشہ کی جائے۔ لایمیل۔ طلال کے لغوی معنی گھبراہٹ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ گھبراہٹ سے پاک ہے۔ دراصل یہاں طلال کا اطلاق بطور مقابلہ مجازاً ہے جیسے فرمایا۔ حیناؤ سیٹھ سیٹھ مثلھا۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ آدمی خواہ کتنی ہی نیکیاں کرے۔ رب العزت جل جلالہ کو اس کی ان نیکیوں کے ثواب عطا فرمانے میں کوئی دقت نہ ہوگی مگر اپنی طاقت سے زیادہ عمل کرنے والا بالآخر خود ہی گھبرا جائیگا۔ اور اس کو جاری نہ رکھ سکے گا۔ مفہوم حدیث یہ ہے کہ آدمی کو پابینہ کہ عبادت میں میاں ڈرومی اختیار کرے اور اتنا ہی عمل کرے جس کو آسانی کے ساتھ ہمیشہ کر سکے کیونکہ تھوڑا عمل جو ہمیشہ کیا جائے وہ اس عمل سے بہتر ہے جو انسان ہمیشہ نہ کر سکے کیونکہ زیادہ کے لالچ میں تھوڑے کو بھی چھوڑنے پر مجبور ہو جائیگا۔ اسی کو امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثال دے کر یوں سمجھایا ہے کہ جب پتھر پہ پانی قطرہ قطرہ پگھلتا ہے تو سوراخ کر دیتا ہے۔ برعکس یکدم اگر پانی گر جائے تو اثر تک بھی نہیں ہوتا۔

بَابُ زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَتَقْصَانِهِ

باب اس امر کے بیان میں کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے

وَقَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ زِدْنَاهُمْ هُدًى | (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۱۔ ہم نے ان کو ہدایت زیادہ کی

وَيَزِدْكَ اللَّهُ الْإِيمَانُ أَتَمَسُّوا إِيمَانًا وَفَالِ
الْيَوْمِ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ فَإِذَا تَرَكَ
شَيْئًا مِنَ الْكَمَالِ فَهُوَ نَاقِصٌ (بخاری)

توضیح

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے۔ پہلی دو آیتوں سے وہ یہ استدلال فرماتا ہے کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور تیسری آیت سے ان کا استدلال یہ ہے کہ ایمان کم بھی ہوتا ہے لیکن امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان محض تصدیقِ قلبی کا نام ہے اور یہ کمی و زیادتی کو قبول نہیں کرنا جس کی بعد ضرورت تفصیل کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔ قارئین دہاں مطالعہ کریں۔

آیت الْيَوْمِ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کی تفسیر

۱۔ یہ کہ دین کے اکمال کے معنی یہ ہیں کہ دین پچھلی شریعتوں کی طرح منسوخ نہ ہوگا اور قیامت تک باقی رہے گا ۲۔ یہ کہ امور تکلیفی میں حرام و حلال کے جو احکام ہیں وہ اور نیاس کے قانونِ مسکمل کر دیئے۔ اسی لیے اس آیت کے بعد بیانِ حلال و حرام کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ۳۔ یہ کہ اکمال دین کے معنی دین اسلام کو غالب کرنا ہے۔ جس کا اثر یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں جب یہ آیت نازل ہوئی۔ کوئی بھی مشرک مسلمانوں کے ساتھ حج میں شریک نہ ہو سکا۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ سے وہ سب لوگ نکالے جائیں گے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں جو کے برابر بھی خیر ہے۔ پھر وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں گیموں کے دانے کے برابر بھی خیر ہے اور اس کے بعد وہ لوگ بھی نکال لیے جائینگے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں ذرہ برابر بھی خیر ہے۔

۴۲۔ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ شُعَيْرَةٌ مِنْ خَيْرٍ وَيُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ بُرَّةٌ مِنْ خَيْرٍ وَيُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ ذَرَّةٌ مِنْ خَيْرٍ (بخاری)

توضیح و تشریح

حدیث ہذا کو امام نے کتاب التوحید میں بھی ذکر کیا اور امام نے ایمان میں اور زندگی میں باب صفت الجنۃ میں ذکر فرمایا ۲۔ چار ذرے راتی کے ایک دانہ کے برابر ہونے ہیں۔ خوب یاد رکھیے کہ ذرہ کے معنی بعض لوگوں نے ایسے لفظوں سے کہے ہیں کہ پڑھنے والا اس شے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ذرہ کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے بلکہ وہ محض ایک ہوائی اور مبہم مقدار ہے۔ جیسے بعض نے لکھا ہے کہ ذرہ جو کے ایک ہزار چوبیسویں حصہ کو کہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان تعبیرات سے ان کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ذرہ شی کے قلیل و صغیر حصہ کو کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ

اس کا تعین و تصور اور شاہد ذہن انسانی کے لیے ممکن ہی نہ ہو۔ سوئی کی نوک مقابلہ کتنی ہی صغیر ہے مگر ذہن و قلب کے لیے اس کے وجود کا احساس اور بصیرت کے لیے اس کا مشاہدہ ممکن ہے۔ رانی کا دانہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہی ہو مگر وہ ایک غیر مشکوک اور محسوس تصور رکھتا ہے۔ اسی طرح ذرہ ایک ہوائی مقدار کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اپنا ایک قتل وجود دکھاتا ہے۔ قافم۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں خیر کی جگہ ایمان کا لفظ آیا ہے۔ نیز دیگر روایات میں مَا يَزِينُ ذَرَّةَ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنَ الْحَبِّ مَا يَزِينُ مِثْقَالَ الْفَاطِحِ آتے ہیں جن کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا ۲۔ کیسوں کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا۔ رانی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا اس کی بالآخر نجات ضرور ہوگی ۳۔ امام نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے لے کر یہ استدلال فرمایا ہے کہ جو کا وزن گیسوں کے دانے سے اور گیسوں کے دانہ کا وزن ذرہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہی حال ایمان کا ہے کہ کم سے کم ذرہ کے برابر ایمان کا ہونا نجات کے لیے کافی ہوگا۔ لہذا ایمان میں کمی نہ زیادتی کا ہونا ثابت ہوا۔ جواب یہ ہے کہ اگر ثمرات ایمان یا ایمان تفصیل میں کمی و بیشی مراد ہو تو یہ بات مسلم بن العرقین ہے رہا تصدیق کا معاملہ تو اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ کتاب الایمان میں اس امر پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔

جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا اس کی نجات ہوگی اس کا کیا مطلب ہے واضح ہو کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ جس کا کام ہی دین میں نہ نئے

فتنے اٹھانا اور آیات و احادیث کی تحریف معنوی کرنا ہے۔ وہ اس مضمون کی احادیث سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب رانی کے دانے کے برابر ایمان بھی نجات کے لیے کافی ہے تو دنیا کی اکثر غیر مسلم قومیں بھی خدا اور آسمانی کتب اور بعض انبیاء و رسل پر ایمان رکھتی ہیں اس ایمان میں اسلام کے بالمقابل کمی اور نقص ہی سہی لیکن رانی کے دانے سے تو یہ بہر حال کم نہیں ہے۔ لہذا ان سب کی نجات ہوگی اور ہر مذہب جس میں کم از کم خدا پر ایمان کا وجود ہو آخر کار جنتی بنادینے کا ضامن ہے اور منکین خدا کے سوا تمام انسان دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ مستشرقین یورپ سے متاثر ہونے والے مسلمان یا منکرین حدیث کی جماعت اگر اس مضمون کی احادیث سے یہ نتیجہ نکال لے اور وحدت ادیان اور ہر مذہب حق ہے کا نعرہ بلند کرے تو کوئی حیلان کی بات نہ تھی مگر یہ ہے کہ دہ بندی حضرات میں بھی ایسے لوگ بھی ہیں جو مشرک اور اعلیٰ درجہ کے کافر کے لیے بھی بالآخر جہنم سے نجات پانے کا نظریہ رکھتے ہیں۔ مثلاً سیرۃ ابنی جلد چہارم مولوی سلیمان ندوی نے اپنا مسلک یہی لکھا ہے کہ کافر و مشرک کی بھی بالآخر نجات ہوگی اور وہ بالآخر جنت میں داخل کیا جائیگا۔

اگر ندوی صاحب نے بالآخر تخریج و وحدت ادیان اور ہر مذہب حق ہے کا نعرہ بلند نہیں کیا مگر ان کے اس نظر پر کافیہ و فہمہ تو یہی نکلتے کہ ہر مذہب میں رہ کر نجات ہو سکتی ہے کیونکہ جب کافر و مشرک کی بھی بالآخر نجات ہو جائے گی اور انہیں اپنے جرموں کی مزا پاک جنت میں داخل کر دیا جائیگا تو پھر اسلام کا یہ دعوئے تو ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جائیگا کہ نجات و مغفرت اور حصول فردوس کا دار و درلیہ و سبیلہ میں ہی ہوں۔ بہر حال اس مضمون کی احادیث سے مذکورہ بالا نتیجہ نکالنا بالکل غلط اور اسلام کو شک کرنے کے مترادف ہے اور سخت فہم کی کاہلانہ تحریف ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ قرآن حکیم سے کسی بات کو اخذ کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ پورے قرآن شریف کی نصوص کو جو اس مسئلہ سے متعلق ہیں پیش نظر رکھا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر بالآخر قرآن

میں تناقص و نقصان نظر آئیگا یا پھر تناقض و متضاد نظریے اس سے اخذ ہوں گے۔ اسی لیے قرآن نے پورے قرآن پاک پر ایمان لانے کی تاکید کی ہے اور جو بعض آیات قرآنیہ پر ایمان لائیں اور بعض آیات کو نظر انداز کر دیں تو ان کے لیے جہنم کی وعید سنائی۔ یہی حال سنت رسول اللہ کا ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی ایک حدیث یا اس کے کسی ایک ٹکڑے سے صحیح مفہوم اخذ کرنے کے لیے ہمیں دین سے متعلق حضور علیہ السلام کی عمومی تعلیم اور اس باب کی دیگر احادیث کو بھی پیش نظر رکھنا پڑے گا تب جا کر کیں صحیح مفہوم و مطلب واضح ہوگا۔

کتاب و سنت سے یہ بات انہرمیں اٹھیں ہے کہ فلاح فوز اخروی کا ضامن صرف اسلام ہے اور اسلام نام ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوت کو قبول کرنے کا۔ حضور علیہ السلام کی دینی دعوت کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دین و ایمان سے متعلق جو کچھ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے اس کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کیا جائے مثلاً ایمان کے متعدد اجزاء ہیں۔ ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالملائکہ، ایمان بالقدور وغیرہ وغیرہ۔ تو ایمان کے تمام اجزاء ضرور یہ پر ایمان لانے والا مومن ہے اور اس کے کسی ایک جز کا بھی انکار کرنے والا کافر ہے۔ مثلاً ایک شخص اور تو سب کچھ مانے مگر ملائکہ کے مخلوق الہی ہونے کا منکر ہو یا ایک شخص ملائکہ اور ایمان کے دوسرے اجزاء کو ناقص ہو مگر حضور علیہ السلام کے ختم الرسل ہونے کا انکار کرے۔ تو ایسا شخص ایمان کے تمام اجزاء پر ایمان رکھنے کا باوجود صرف اس کے ایک جز کے انکار کرنے کی وجہ سے بالاتفاق کافر قرار پائے گا اور نجات کا ہرگز ہرگز حقدار نہ ہوگا۔ جب یہ قاعدہ ہمیں کتاب و سنت کے تفصیلی صریحہ سے معلوم ہو گیا تو اب وہ احادیث جن میں ایمان کے کسی ایک جز کا بیان ہوگا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری دینی دعوت کو قبول کرنا اور تمام ضروریات دین پر ایمان لانام ادلیا جائیگا۔

زیر بحث حدیث ہی کو لیجئے اس میں صرف یہ ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے والا نجات پائے گا لیکن مراد اس سے صرف توحید پر ایمان لانا نہیں بلکہ پورے کلمہ پر ایمان لانا ہے اور یہاں کلمہ کے جز اول لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو جز ثانی محمد رسول اللہ کا علم قرار دیا گیا ہے جیسے کہتے ہیں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ تو اس سے مقصود صرف اتنے ہی لفظ نہیں بلکہ پوری سورۃ پڑھنا منظور ہے۔ ایسے ہی یہاں توحید پر ایمان لانے سے مراد رسالت پر ایمان لانا بھی ہے اور اللہ و رسول پر ایمان لانے کے بعد تو بلا شبہ یہ جو بات ہے کہ جو کتاب و سنت سے ثابت ہو اس کا اقرار و تصدیق کی جائے۔

یہی حال حدیث زیر بحث کے اس جملہ کا ہے کہ جس کدول میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کی نجات ہوگی۔ یعنی جس کے دل میں تمام ضروریات دین تمام اجزاء دین کی نفس تصدیق پائی جائے گی اور اصل ایمان موجود ہوگا وہ خواہ کتنا ہی بے عمل اور فاسق و فاجر کیوں نہ ہو اپنے اعمال بد کی سزا بھگتتے کے بعد بہر صورت جہنم سے نکال بیجا جائیگا۔ ”ذرہ برابر ایمان ہوگا“ کا مطلب نہیں ہے کہ جو شخص اجزاء ایمان میں سے کسی جز کا منکر ہوگا وہ بھی نجات پائے گا۔ حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو یہ مطلب پرسانا انتہائی درجہ کی جاہلانہ تحریف ہے اور اسلام سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔

ایمان میں کمی یا ضعف کا کیا مطلب ہے؟
خوب یاد رکھئے کہ ایمان کا ضعف اور ایمان کا نقص یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جس کے ایمان میں ضعف ہو وہ مومن ہے اور جس کے ایمان

میں نقص ہو وہ یقیناً کافر ہے۔ نقص اور ضعف کے اس فرق کو ایک مثال سے سمجھئے۔

ایمان کے متعدد اجزاء ہیں۔ توحید، رسالت، ملائکہ، آخرت، تقدیر، ان تمام اجزاء کا ایمان لانے والا اور کسی ایک کا بھی انکار نہ کرنے والا مسلمان ہے۔ اب جو شخص اجزاء ایمان میں سے کسی ایک جُز کا بھی انکار کرے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا ایمان ناقص ہے، ادھورا ہے۔ ادھورے ایمان کو قرآن و سنت اور اجماع اُمت کسی درجہ میں بھی ایمان نہیں مانتے بلکہ کھنڈ اور تداقر قرار دیتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک نے متحدہ مقامات پر صراحت کی کہ بعض پر ایمان اور بعض کی تکذیب کل کی تکذیب ہے۔ اس لیے تمام اجزاء ایمان پر ایمان لانے کے باوجود کسی ایک جُز پر ایمان لانے کا مطلب ہوگا۔ ذرہ برابر ایمان نہ لانا۔ رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا نہ ہونا اور ایسا شخص جس کا ایمان ادھورا ہے بلاشبہ کافر ہے اور اس کی کسی صورت نجات ممکن نہیں ہے۔

اس کے برعکس ایمان کا ضعف یہ ایک علیحدہ مفہوم رکھتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام اجزاء ایمانی کے مجموعہ پر ایمان ہو۔ یعنی بلا استثناء ایمان کے تمام اجزاء سے ضروری کا اعتقاد ہو۔ مگر اس تمام اجزاء ایمانی کے مجموعی اعتقاد کے یقین و اذعان میں ضعف ہو۔ اس کو کسی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی ضعف کے تناسب سے ایمان کی مقدار کا فیصلہ ہوگا۔ بعض وہ لوگ ہوں گے جن کے تمام اجزاء ایمانی کے مجموعی اعتقاد میں یقین و اذعان کا ضعف بالکل ہوگا جی نہیں بعض وہ ہوں گے جن کے اذعان و یقین میں ذرا سا ضعف ہوگا اور بعض وہ ہوں گے جن میں یہ ضعف اتنا کو پہنچا ہوگا۔ مگر اس کے باوجود تمام اجزاء ایمانی کبھی جزو ایمان سے انکار و تکذیب کی فہم نہیں پہنچی ہوگی تو ایسے افراد کو بھی مومن ہی مانا جائے گا۔ اگرچہ یہ ضرور کہا جائیگا کہ ان کا ایمان کم ہے یا ان کا ایمان ضعیف ہے۔ اس کمی اور ضعف کے اظہار کے لیے احادیث میں رائی کے دانے یا ذرے کی تمثیل دی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایمان کا نقص یہ ہے کہ اجزاء ایمان میں سے کسی ایک کا بھی انکار و تکذیب کی جائے۔ جن کے ایمان میں نقص ہوگا وہ کافر ہیں۔ ان کا ایمان ادھورا ہے۔ ظاہر ہے عیسائی، یہودی اور دیگر مذاہب کے پیرو اگر توحید کے قائل ہوں بعض کتب سماویہ اور بعض انبیاء پر بھی ایمان رکھیں لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلامی کو قبول نہ کریں تو ان کے ایمان میں نقص ہے اور وہ کافر ہی قرار پائیں گے اور کسی حال میں بھی نجات نہ پائیں گے۔

اور ایمان کا ضعف اور اس کی کمی کا مفہوم یہ ہے کہ تمام اجزاء ایمانی کے مجموعہ کا اعتقاد ہے۔ کسی ایک بھی جز کی تکذیب اور انکار نہیں ہے۔ مگر اس مجموعی اعتقاد کے اذعان و یقین میں ضعف ہے اور یہ ضعف جب اتنا کو پہنچ جائے تب بھی ایسا شخص مومن ہے کیونکہ وہ اجزاء ایمانی میں سے کسی جز کا منکر نہیں ہے۔ ایسے ہی ضعیف الایمان افراد کے متعلق وحی نبوت نے علمان کیا کہ "جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ وہ بالآخر جہنم سے نجات پائے گا۔" فافهم

عُرفی وضاحت | واضح ہو کہ حدیث ہذا سے خیرے مراد ہم نے ایمان لیا ہے۔ جس کے چند وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْإِيمَانِ۔ قلبہ کا قرینہ بتا رہا ہے کہ خیرے مراد ایمان ہے۔ کیونکہ ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری روایت

میں خیر کی جگہ ایمان کا لفظ آیا ہے۔ اسی لیے یہاں خیر سے مراد نورِ ایمان ہی لینا چاہیے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں خیر کا لفظ آئے وہاں اس کے معنی ایمان ہی کے لیے جائیں۔ کیونکہ خیر کے لفظ سے جس طرح ایمان مراد لیا جاتا ہے۔ اسی طرح عمل بھی مراد لے سکتے ہیں۔ بلکہ بعض احادیث میں تو ایسے مقام بھی ہیں جہاں خیر سے ایمان مراد لینا قطعاً حتماً غلط ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم ہی میں یہ حدیث موجود ہے کہ جب سب لوگ سفارش کر چکیں تو اس کے بعد ارشادِ باری ہو کہ فرشتوں کی انہیں کی اور مومنین کی سفارش ہو چکی اور ان کی سفارش قبول ہو گئی۔

اللّٰهُ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً
فَيَخْرُجُ مِنْهَا قَوْمًا مَّا كُوْنُ يَعْمَلُوْا
حٰزِلًا قَطْ (بخاری و مسلم)

بس اب ارحم الراحمین ہی باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ خود اپنی مغفرت و رحمت کے ہاتھ سے نکال لے گا۔ جنہوں نے کبھی کوئی نیک عمل کیا ہی نہ ہوگا۔

اس حدیث میں خیر سے مراد عمل ہے ایمان نہیں۔ اگر یہاں بھی خیر سے مراد ایمان لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ بھی بخش دیتے جائیں گے۔ جن کے دل میں قطعاً ایمان ہوگا ہی نہیں۔ حالانکہ یہ بات نصوصِ قرآن کے خلاف ہے پھر یَعْمَلُوْا کا لفظ بھی یہاں قرینہ ہے کہ خیر سے مراد یہاں عمل ہے۔ نیز اس حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے۔

هُوَ الَّذِي عَسَقَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اَذْخَلَهُمْ
اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمَلُوْهُ وَلَا
حٰزِلًا قَطْ (بخاری و مسلم)

یہ لوگ ہیں اللہ کے آزاد کردہ۔ اللہ نے ان کو جنت میں داخل فرمایا بغیر عمل کے جو انہوں نے کیا اور بغیر خیر کے انہوں نے پیش کیا۔

یہاں بھی خیر سے مراد عمل ہی ہے۔ یعنی یہ لوگ وہ ہوں گے جن کے پاس سوائے ایمان کے کوئی عملِ صالح نہ ہوگا۔ ان کو بھی اللہ عز و جل اپنی رحمت کا ملہ سے جنت میں داخل فرمائے گا۔

آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کے نزول کا بیان

حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ آپ سے ایک یہودی نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ کی کتاب (قرآن) میں ایک آیت ہے اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم روزِ نزول کو عید منظر الیقینے۔ آپ نے فرمایا وہ کونسی آیت ہے؟ اس نے کہا۔ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ۔ آپ نے فرمایا میں اس دن کو جانتا ہوں اور اس جگہ کو بھی پہچانتا ہوں جہاں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ وہ مقام عرفات کا تھا اور جمعہ کا دن تھا اور حضور علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے۔

۲۴- كُوْنُوْا عَلٰی نَافِیْثٍ مَّغْشٰرٍ اَیْھُوْدِ نَزَلَتْ
لَا تَخْذَلْنَا ذٰلِكَ الْیَوْمَ عِیْدًا قَالِ
اَنْیٰ اَیَّہٗ قَالِ الْیَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ
وَ اَنْشَأْتُ عَلَیْكُمْ یَمَیْنِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمْ
اَلْاِسْلَامَ دِیْنًا قَالِ عَمْرُوْ قَدْ عَرَفْنَا
ذٰلِكَ الْیَوْمَ وَ الْمَكَانَ الَّذِیْ نَزَلَتْ فِیْہِ
عَلٰی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُوْا وَ هُوَ
قَاتِلُہُمْ بِحَرَمَۃٍ یُّوْمَ جُمُعَۃٍ

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب المغازی، کتاب التفسیر اور کتاب الاعتصام میں بھی ذکر کیا ہے۔ نسائی و ترمذی و مسلم

نہی بھی اس حدیث کو لیا ہے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

یوم نزول نعمت کو عید منانے کا ثبوت
جس یہودی نے یہ سوال کیا۔ وہ کہتے اجاب کرتے اس نے سوال کیا کہ یہ آیت جس میں اسلام کے غلبہ کی بشارت کھیل دین اور اتمام نعمت کا بیان ہے۔ یہ تو بڑی خوشی کا دن ہے۔ مسلمان اس دن کو عید کیوں نہیں مناتے۔ اس پر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا۔ ہم اس دن سے غافل نہیں ہیں۔ ہم اس دن کی عظمت کو بھی سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ آیت کس کس جگہ پر کس موقع پر اور کون سے دن نازل ہوئی تھی اور اس وقت ہمارے حضور علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے یعنی ہم مسلمان اس دن کو عید سمجھتے ہیں اور اس کو عید کی حرمت مناتے ہیں یعنی ہم نے تو اس دن کو عید کا دن کر لیا ہے۔

علامہ نووی نے فرمایا۔ مَتَاهُ مَا سَرَّكُنَا تَعْظِيْمُ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَالْمَكَانِ آمَّا الْمَكَانُ فَهُوَ عَرَفَاتٌ وَهُوَ مَعْظَمُ الْحَجِّ الَّذِي أَحَدُ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَآمَّا الزَّمَانُ فَهُوَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَيَوْمُ عَرَفَةِ وَهُوَ يَوْمٌ اجْتَمَعَ فِيهِ فَضْلَانِ وَسُرَّكُنَا تَعْظِيْمُ مَا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَارَادَ الْجُمُعَةَ فَإِذَا اجْتَمَعَا رَادَ التَّعْظِيْمُ فَقَدْ أَخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا وَ عَظَّمْنَا مَكَانَهُ أَيْضًا (معین ج ۱ ص ۳۶)

بلکہ اس دن کے ساتھ اس مکان کی عزت کرتے ہیں۔ اسی طرح ترمذی میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ آپ سے بھی ایک یہودی نے ایسا ہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ جس روز یہ آیت نازل ہوئی۔ اس دن دو عیدیں تھیں۔ جمعہ وعرفہ۔ اس نامت ہوا کہ کسی دینی کامیابی کے دن کو خوشی کا دن منانا اور اس کی یادگار قائم کرنا جائز ہے۔ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ ورنہ حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم صاف فرمادیتے کہ جس دن کوئی خوشی کا واقعہ ہوا اس کی یادگار قائم کرنا اور اس روز کو عید منانا ہم بدعت جانتے ہیں۔ اس سے عید میلاد النبی کا جواز بھی ثابت ہوا۔ کیونکہ وہ تو صرف قرآن پاک کی ایک آیت کے نزول کا دن تھا اور ماہِ آخر ربیع الاول صاحبِ قرآن کے ظہور کا مہینہ ہے۔ لہذا عید میلاد کو اعظم نعم النبی کی یادگار اور شکرگزاری ہے اور حتماً جائز ہے۔

شکل فارس زلزلے ہول نجد میں ذکر آیات ولادت کیجیے

بَابُ الزَّكَاةِ مِنَ الْإِسْلَامِ

باب اس امر کے بیان میں کہ زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک شعبہ ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا خالص اللہ ہی کی بندگی کی نیت سے اس کو پڑھیں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں۔ یہ ہی دین حق ہے۔

وَقَوْلُهُ قَالُوا وَمَا مِثْرًا إِلَّا لِبَعْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ

گزشتہ باب میں ایمان کی کمی و بیشی کا بیان تھا اور اعمال صالحہ سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور اس میں کمی سے کفر مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے امام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو شخص زکوٰۃ ادا کرے اس کا اسلام کامل ہے اور جو زکوٰۃ نہیں دیتا اس کا اسلام ناقص ہے۔

۴۴- حَبَاءُ رَجُلٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ شَاكِرِ الرَّاسِ نَسَمَعُ دَوْنِي صَوْتًا وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتَّى دَنَا إِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُشِعْ صَلَوةً فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ عَزْرٌ هَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامَ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَأَذْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللَّهِ لَا أَرِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَتُحْصِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صحیح بخاری

مید و سلم نے فرمایا۔ اگر یہ سچ کہتا تو فلاح پاتا۔

اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ کتاب الشہادات اور صوم اور باب ترک الخیل میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے ایمان میں اور ابوداؤد و نسائی نے صلوٰۃ و صوم میں۔ حدیث ہذا کے راوی یہ ہیں۔ حضرت امام مالک وہ اپنے چچا ابوسبیل سے وہ اپنے والد مالک بن ابی عامر سے انہوں نے حضرت طلحہ سے سنا۔

ذاتہ و مسائل

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ | آپ جلیل القدر صحابی عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ ان کے والد کا نام عبید اللہ بن ابی عثمان قرشی ہے۔ پدر کے سوا تمام مشاہد میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ رہے۔

میں حضور علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق ثابت قدم رہے اور حضور علیہ السلام کو کفار کے حملوں سے بچانے میں آپ سے دھڑم اٹھے۔ چھٹکل اٹھلی بھی کٹ گئی۔ آپ کا نام حضور علیہ السلام نے طلحہ و خیر و طمحة و الجاد رکھا ہے۔ آپ سے کل شش موی ہیں جن میں سے دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ دو حدیثوں کو بخاری نے اور تین کو مسلم نے منقول کیا ہے۔

۱۔ محل کی لڑائی میں کسی نامعلوم تیسرے دسویں جمادی الاول ۳۳ھ میں شہید ہوئے اور بصروہ میں مدفون ہوئے۔
 ۲۔ کہتے ہیں کہ دراصل ان کو مقام قنفرہ میں دفن کیا گیا تھا۔ مگر تیس سال بعد آپ نے اپنی صاحبزادی کو ثواب میں
 یاسیل کی شکایت کی تو آپ کو قبر سے نکالا گیا۔ جسم مبارک بالکل تروتازہ تھا۔ آپ کو بصروہ میں دفن کیا گیا یعنی بلد
 - نجد کے متعلق متعدد قول ہیں۔ وہ بلند زمین جو یمامہ سے ارض عراق تک ہے۔ ۳۔ حجاز عراق کے
 ۴۔ عراق اور جہدہ مکہ اور طائف کے درمیان کی جگہ نجد ہے۔ لغت میں نجد بلند زمین کو کہتے ہیں۔ شاعر
 ۵۔ منتشر کہہ ہیں جیسے کہتے ہیں نثار الغبار۔ حاصل یہ ہے کہ اس شخص کے بال پرانگندہ تھے۔ دوسری - وال کے زبردست
 کے ساتھ بلند اور منکر آواز کو کہتے ہیں۔ جس کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے۔ فلاح کے معنی کامیابی یا بار آور کے ہیں۔ بعض
 ۶۔ چھ فلاح چار اور سے مرکب ہے بغا بلغان۔ تو مگر یہ فقر کے بغیر عزت و ثروت کے بغیر علم جہالت کے بغیر۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان اسلام بتائے ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ یہ ارکان اسلام سے ہیں۔ دن میں پانچ وقت نماز فرض ہے۔ ۱۰۔

۲۔ کے مدد سے فرض ہیں اور مال کے نصاب پر پہنچنے اور سال گزرنے پر صرف زکوٰۃ فرض ہے ۲۔ جو شش ماہ انور
 کے وہ فلاح یافتہ ہے ۳۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف مسائل دینی معلوم کرنے کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔

۴۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا

فروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے

۵۔ ہے کہ نفل شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتا۔ البتہ جیسے نفل کا شروع
 ۶۔ چنانچہ وہ الا ان تطوع میں استثنا منقطع مانتے ہیں اور قائل
 ۷۔ بیٹ کا مطلب یہ ہے کہ ان فرائض کے علاوہ یہ مستحب ہے کہ تو نوافل میں مشغول ہو جائے۔ اس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ
 ۸۔ نفل روزہ شروع کیا تو اس کے لیے اس روزہ کو پورا کرنا مستحب ہے اور اس کا افطار جائز ہے اور نوافل شروع کرنے
 ۹۔ مستحب نہیں ہوتے۔ اپنے اس خیال کی تائید میں امام شافعی ان احادیث کو بھی پیش کرتے ہیں جن میں یہ آیات کہ حضور
 ۱۰۔ اللہ علیہ وسلم نے نفل روزہ رکھا اور پھر اس کو پورا نہیں فرمایا بلکہ افطار فرمایا۔ لہذا باقی نفل عبادات کا بھی یہی حکم ہوا
 ۱۱۔ جن حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں۔

۱۲۔ ان تطوع میں استثنا منقطع ہے اور اشتراک میں اتصال ہی اصل ہے۔ لہذا مطلب حدیث یہ ہوگا کہ نفل روزہ یا نماز
 ۱۳۔ سے اس کا تمام واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں لَا تَبْتَغِلُوا أَعْمَالَكُمْ اپنے اعمال کا بغل نہ کرو۔
 ۱۴۔ ن کے علاوہ اگر کسی نے نفل شروع کر دیتے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے اور اگر اس نے نفل روزہ شروع کر کے توڑ دیا۔
 ۱۵۔ خدا واجب ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں۔ میں نے اور حضرت خنہ
 ۱۶۔ ہم نفل روزہ سے بھٹیں کہ اتنے ہیں ایک بکری بطور دیہیں دی گئی تو ہم نے روزہ افطار کر لیا اور بکری کا گوشت
 ۱۷۔ علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو فرمایا و۔

لَا يَوْمَ مَا هَكَذَا (۱۸۔) | تم دونوں اس روزہ کی جگہ ایک روزہ رکھو

نیز وار قطنی میں ہے کہ حضرت جویریہ نے نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا۔ حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کی قضا کرو۔ اس سے واضح ہو گیا کہ نفلی روزہ شروع کرنے سے اس کا اتمام واجب ہو تا ہے اور اگر کسی وجہ سے اس کو فاسد کر دیا تو اس کی قضا واجب ہے۔ رہیں وہ احادیث جن میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نفلی روزہ رکھ کر کو افطار کر لیا، اس سے صریحی قدر ثابت ہوتا ہے کہ نفلی روزہ رکھ کر کسی عذر محقول کی وجہ سے اس کو افطار کر لینا جائز ہے۔ مگر جب کر لیا تو اسکی قضا واجب نہیں ہے۔ حدیث مذکورہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی بلکہ جو احادیث ہم نے ذکر کیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفلی روزہ کو فاسد کرنے کی صورت میں اس کی قضا واجب ہے۔ نیز اس کے علاوہ اجماع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور حج کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ نفلی حج شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے۔ اگر فاسد ہو جائے تو نجس، اس کے ارکان کا پورا کرنا ضروری ہے۔
۲۔ وَاللّٰهُ لَا اَزِيدُ وَلَا اَنْقُصُ عَلٰی هٰذَا یعنی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ارکان اسلام بتا دیئے تو اسائل نے عرض کی خدا کی قسم نہیں اس پر زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ بعض علماء نے فرمایا اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وتر واجب نہیں ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ سائل کے ان کلمات سے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو محاورہ ہے یعنی سائل یہ کہنا چاہتا ہے کہ حضور آپ نے جو فرض بیان کیے ہیں۔ ان میں نہیں اپنی طرف سے کچھ زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔ یا یہ جو کچھ میں نے سنا ہے اس کو من و عن دوسروں تک پہنچا دوں گا۔ چنانچہ اس کی تائید بخاری کتاب الصوم کی حدیث سے ہوتی ہے کہ سائل نے عرض کی۔ وَالَّذِي اَكْرَمَكَ لَا اَنْطَوِّعُ شَيْئًا وَلَا اَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللّٰهُ عَلٰی شَيْئًا۔ فافهم۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ شخص کامیاب ہو گیا۔ اگر اس نے سچ کہا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں صرف ان دو ارکان اسلام کی ادائیگی کی بنا پر اس کے لیے فلاح کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے۔ بخاری میں جو دوسری حدیث ہے۔ اس میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی احکام شرعی بھی اس کو ارشاد فرمادیئے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں :- فاحببہ بشرائع الاسلام فادبر الرجل وقال الحمد

بَابُ اتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ مِنَ الْاِيْمَانِ

باب جنازہ کے ساتھ جانا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے

حضرت ابہریرہ راوی ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ جاتے اور اس کے ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ نماز پڑھے اور اس کے دفن سے فارغ ہو تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا۔ ہر قیراط صد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جس نے صرف نماز جنازہ پڑھی اور دفن سے قبل واپس ہو گیا تو وہ صرف ایک قیراط اجر لے کر لوٹے گا۔

۴۵۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اتَّبَعَ جَنَازَةَ اِيْمَانًا وَاَحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهَا حَتّٰى يَصْلِيَ عَلَيْهَا وَيَقْرَأَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلٌّ دَفْنٍ مِّثْلُ اَحَدٍ وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطٍ

قوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو نہایت کتاب الایمان میں درج کیا ہے ۲۔ جنازہ - ج کے زبردست کے ساتھ پڑھا گیا ہے میت کو کہتے ہیں - جوہری نے کہا - جنازہ اس نعت کو کہتے ہیں جو

چاپائی پر جو - عباب میں ابن عربی نے کہا - جنازہ بالفتح میت - مالکسمر سریر - اجمعی نے اس کا عکس کیا ہے - بہر حال عام طور پر جنازہ اس لاش کو کہتے ہیں جس کو نہلا دھلا کر کفن پہنا کر پلنگ پر ڈال دیا جائے (رائع) اس کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں - قرآن پاک میں ہے - فَاسْبِغْ لَهُمْ مِائِدًا مِّنْ مَّاءٍ - فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کیا - بہر حال اتباع کا لفظ اسی وقت تک کے لیے بولا جاتا ہے - جب تک کسی کے پیچھے رہا جائے خواہ اس کے تعاقب کے لیے یا حملہ کے لیے اور جب ساتھ مل جائے تو آگے نکل جائے تو اس کے لیے اتباع کا لفظ نہیں بولتے

فیہرط حدیث نہیں قیڑ سے جو مراد ہے وہ خود زبان نبوت نے بیان فرمادیا - یعنی اُحد پہاڑ کے برابر ثواب - یہ محض ثواب کی زیادتی کی تمثیل ہے - اُحد - یہ مدینہ کے پہلو میں دو میل شمال کی طرف ایک پہاڑ ہے - اُحد کو اُحد تو حد کی وجہ سے کہتے ہیں - یہ الگ تھلک اس گوشہ میں ایک ہی پہاڑ ہے - اس مقدس پہاڑ کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا - یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں - کہتے ہیں کہ اُحد پہاڑ میں سینا دارون علیہ السلام کی قبر مبارک بھی ہے ۳۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے - ۱۔ جنازہ کے ساتھ شریک ہونا اور دفن تک وہاں رہنا اور نماز پڑھنا بڑے ثواب کا موجب ہے - دو قیڑ ثواب اُحد پہاڑ کے برابر ملتا ہے - حدیث ذہا میں یہ ثواب اس شخص کے لیے بیان ہوا ہے جو جنازہ کے ساتھ چلے - دفن تک وہاں رہے اور نماز بھی پڑھے اور اگر صرف نماز جنازہ کے ساتھ شرکت کرے تو ایک قیڑ کا ثواب ہے ۲۔ اتباع کے لفظ سے یہ بتایا کہ جنازہ کے پیچھے پیچھا چلنا اولیٰ و افضل ہے اور اس میں میت کی تعظیم بھی ہے - جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور امام اوزاعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے - حضرت امام شافعی کے ہاں جنازہ کے آنے چلنا اولیٰ ہے - لیکن لفظ اتباع حضرت امام اعظم کے مسلک کی زبردست تائید کرتا ہے - فانہم

بَابُ خَوْفِ الْمُؤْمِنِ أَنْ يَحْبُطَ عَلَيْهِ

باب مومن کا اس سے ڈرنا کہ اعمال ضبط نہ ہو جائیں

وَهُوَ لَا يَشْعُرُ (بخاری) | اور اس کو خبر بھی نہ ہو

قوائد و مسائل

یہ عنوان آیت اِنْ تَحْبُطْ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ سے اخذ ہے - حَبَطٌ یَحْبُطُ باب یعلم ینکرم سے ہے - ضبط کے معنی ٹٹنے، ضائع ہونے کے ہیں - اصطلاح شرع میں ضبط اعمال کا معنی یہ ہے کہ اعمال کا ثواب ضائع کر دیا جائے - علما فرماتے ہیں کہ ضبط عمل اس وقت شروع ہوتا ہے جب کادوی دائرۃ اسلام سے خارج ہو جائے لیکن امام بخاری کا مقصد اس عنوان کے قائم کرنے سے مرجعہ کے اس قول کی تردید مقصود ہے کہ تصبیق قلبی (ایمان) کے ہونے ہوئے گناہ کوئی نقصان نہیں دیتا - امام نے یہ باب قائم کر کے بتایا ہے کہ عدم اخلاص اور کفر ضبط عمل کا موجب ہوتے ہیں -

قَالَ ابْنُ هَبٍ الشَّيْءُ مَا عَرَضَتْ خَوْفٌ | ابراہیم تیمی نے فرمایا - جب میں نے اپنے قول کا

عَلَى عَمَلِي إِلَّا خَشِيتُ أَنْ أَكُونُ مُكَذِّبًا
(بخاری)

مقابلہ عمل سے کیا تو مجھے ڈر ہوا کہ لوگ کہیں مجھے
جھوٹا نہ کہیں۔

حضرت ابراہیم تمیمی نخعی کی گرفتاری کا حکم دیا تو سیاہی غلطی سے ابراہیم تمیمی کو پھولائے اور ان کو جیل میں بند کر دیا۔ آپ سے
جیل ہی میں انتقال ہوا۔ آپ بہت زبردست واعظ بھی تھے۔ یہ جملے آپ نے ازراہ انکساری فرمائے ہیں۔ امام بخاری کا
مقصود ان حملوں سے یہ بتانا ہے کہ مومن ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں میرا عمل میرے قول کے مخالف نہ ہو جائے یا میرے عمل
میں خلوص نہ رہے اور اس کی جگہ دیا و سمعہ آجائے۔ لہذا دواعظ کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔
عبداللہ بن ابی ملیکہ نے کہا۔ میں نے حضور علیہ السلام کے
تیس صحابیوں سے ملاقات کی۔ وہ سب کے سب اپنے
نفس پر نفاق کے واقع ہونے سے ڈرتے تھے۔ کوئی ان
میں ایسا نہ تھا جو یہ کہتا ہو کہ میرا ایمان جبرائیل و میکائیل
کا سا ہے۔

قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَذْرَكْتُ مَثَلَيْنِ
مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كُلُّهُمَا يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ مَا مِنْهُمَا
أَحَدٌ يَقُولُ عَلَى إِيْمَانٍ جَبْرًا يَبْلُغُ وَمِثْلَ ذَلِكَ
(بخاری)

ابن ابی ملیکہ یہ تابعی ہیں۔ انہوں نے عبادلہ اربعہ، حضرت عائشہ و حضرت اسماء، حضرت ام سلمہ و ابو ہریرہ و دیگر
صحابہ کرام سے یہ حدیث سنی ہے۔ یہ حضرت ابن زبیر کے فاضل و مؤذن تھے۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے
ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس صحابیوں سے ملاقات کی ہے۔ یہ تمام صحابی اس امر سے ڈرتے تھے کہ کہیں ہم
میں نفاق پیدا نہ ہو جائے۔ نفاق النفاق۔ خوف آئندہ کے غم و اندیشہ کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن ابی ملیکہ کے اس قول کا مطلب
جو صرف لفظی ترجمت ظاہر ہوتا ہے۔ صرف اس قدر ہے کہ جن تیس صحابہ سے ان کی ملاقات ہوئی وہ سب اپنے نفسوں کو مصوم
نہیں سمجھتے تھے اور ہمیشہ اپنے نفس پر نفاق کے واقع ہونے سے ڈرا کرتے تھے۔ ظاہر ہے ہر مومن مسلمان کفر و شرک اور نفاق
میں مبتلا ہونے سے ڈرتا ہے اور ہمیشہ بحضور رب العالمین یہ دُعا کرتا رہتا ہے کہ اہل صراطِ مستقیم پر چلانا اور یہ بات خود ایمان
نشان ہے۔

ایک مخالف کا جواب ابن ملیکہ کے اس قول اور اسی قسم کے اذرا قوال سے مخالفین صحابہ جملہ کو سخت مغالطہ دیا کرتے
ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ دیکھ لو بخاری میں ہے کہ صحابہ نفاق سے ڈرا کرتے تھے۔ ثابت ہوا
معاذ اللہ، صحابہ میں نفاق تھا جمعی تو ڈرتے تھے۔ مخالفین صحابہ کا اس قول سے یہ نتیجہ نکالنا انصاف و دیانت کا خون کرنا
ہے۔ کیونکہ کفر و شرک اور نفاق میں مبتلا ہونے سے ڈرنا ایمان و اخلاص کی نشانی ہے۔ ہر مخلص مومن کفر و نفاق سے پناہ مانگتا
ہے اور اپنے گنہگار کی دُعا میں کرتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلتا ہے کہ جو نفاق سے ڈرے اس میں نفاق پایا بھی جاتا ہے
دوسرے عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد امور سے پناہ مانگی ہے۔ حالانکہ حضور سید المرسلین ہیں۔ مگر تعلیم امت کے لیے آپ نے

بھی متعدد باتوں سے پناہ مانگی ہے تو کیا مخالفین صحابہ اپنی اُلٹی منطق کی رو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہی کہیں گے؟ الغرض یہ بدیہی بات ہے کہ کسی بُری چیز سے پناہ مانگنا یا اس سے ڈرنا یا اس سے بچنے کی اللہ سے دعا کرنا یہ ایمان و اخلاص کی اعلیٰ نشانی ہے اور مخالفین صحابہ کا اس قول سے صحابہ کرام کو (معاذ اللہ) منافق ثابت کرنا صرف ہٹ دھرمی اور تعصب کا نتیجہ ہے۔ فافهم

چنانچہ اس قول کے آخری جملہ کہ ”وہ صحابی اپنے ایمان کو جبریل کے ایمان کی طرح نہیں سمجھتے تھے“ اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یعنی جبریل معصوم ہیں۔ ان کے ایمان میں نفاق کا اتنا ممکن ہی نہیں ہے اور مومن چونکہ معصوم نہیں ہوتا ہے اس لیے وہ کفر و نفاق سے ڈرتا ہے اور ہمیشہ بارگاہِ خداوندی میں اپنے حسنِ خاتمہ کی دُعائیں کرتا ہے حضرت حسن بصری کا ارشاد ہے کہ
وَيَذْكُرُ عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَ الْإِمَامُ مِنْهُ
وَلَا أَمَنَهُ إِلَّا مُنَافِقٌ (بخاری)

ابن تین نے اس قول کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور منافق نفاق سے نہیں ڈرتا۔ گویہ ترجمہ بھی صحیح ہے مگر امام بخاری کے مقصد کے خلاف ہے۔ بہر حال ان دونوں قولوں کا مطلب و منشا یہ ہے کہ مومن کو اپنی ذات کو معصوم نہیں سمجھنا چاہیے اور ہمیشہ خلافِ شرع امور کفر و شرک سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے اور بخیر رب العالمین حسنِ خاتمہ کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

(اس باب میں بیان ہے) ان چیزوں کا جن سے ڈرایا جاتا ہے۔ یعنی اصرار علی النفاق اور عصیانِ بلا توبہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ گناہ میں جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔

وَمَا يَحْذَرُ مِنَ الْإِصْرَارِ عَلَى النِّفَاقِ
وَالْعِصْيَانِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ لِقَوْلِ اللَّهِ
تَسَالَىٰ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَ
هُمْ يَعْلَمُونَ

۱۔ واضح ہو کہ امام بخاری نے دو عنوان مانہ سے تھے اول: الخوف من جبط العمل ثانی: الحذر من الإصرار علی النفاق۔ پہلے عنوان کے تحت امام نے تین آثار ذکر فرمائے یعنی اشرارِ باہیم تہمی وابنِ ملیک و حسن بصری۔ یہ تینوں آثار عنوانِ اول سے تعلق رکھتے ہیں۔ عنوانِ ثانی جو زیرِ تبصرہ ہے اس کے تحت امام نے ایک آیت اور دو مرفوع حدیثیں ذکر فرمائی ہیں آیت اور حدیثِ اول کا تعلق عنوانِ ثانی سے ہے لیکن دوسری حدیث جو حضرت عبادہ سے ہے اس کا تعلق عنوانِ اول سے ہے گویا لف و نشر غیر مرتب ہے۔ امام نے یہ آیت فرقہٴ مرجعہ کی تردید کے لیے ذکر فرمائی۔ جو یہ کہتے ہیں۔ ایمان ہو تو گناہ کچھ نقصان نہیں دیتا۔ چنانچہ آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ گناہ کر کے توبہ نہ کرنے والا سخت خطرہ میں ہے اور ایمان کے ساتھ اگر گناہ ہو جائے تو وہ نقصان دیتا ہے۔

یہ آیت سورہ آل عمران کی ہے۔ پوری آیت یہ ہے۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ غِنًى
يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا ۖ هُمْ يَعْلَمُونَ أُولَٰئِكَ جَنَّاتُ جَهَنَّمَ

مَغْفِرَةً مِّن رَّبِّهِمْ ۖ

روایت کلیبی میں اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک انصاری اور ثقفی دونوں کے درمیان حضور علیہ السلام نے مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمادیا تھا۔ یہ دونوں اکٹھے رہتے تھے۔ اتفاق سے حضور علیہ السلام ایک غزوہ میں تشریف لے گئے تو ثقفی بھی حضور علیہ السلام کے ساتھ چلے گئے اور ثقفی نے انصاری کو اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کر دیا۔ ایک دن اس انصاری کی نظر ثقفی کی بیوی پر پڑ گئی جو نہا کر بال ٹھکھا رہی تھی۔ اس کے سٹن و جمال کو دیکھ کر ان کی نیت بدل۔ انہوں نے اس کو بلایا اور اس نے انکار کیا۔ انہوں نے اس کے زنا پر زبردستی ہاتھ رکھ کر ہاتھ چوم لیا۔ اس کے فوراً بعد نام ہوئے اور گھر سے دیوانہ وار بھاگتے ہوئے ایک پہاڑ کی طرف چلے گئے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے گناہ کی معافی مانگنے لگے۔ اس عرصہ میں وہ ثقفی بھی آگئے۔ بیوی نے سارا ماجرا ان کو سنا دیا۔ وہ انصاری کی تلاش میں پہاڑ کے قریب پہنچے تو دیکھا انصاری جہدے میں گرا ہوا ہے۔ آنسوؤں سے پتھر تر ہیں اور یہ کہہ رہا ہے ——— رَبِّ ذُنْبِي ذُنْبِي وَ ذُنْبُ امْرَأَتِي ——— الہی میرا گناہ، میرا گناہ۔ میں نے اپنے بھائی کی اہل میں خیانت کی ہے۔ انہوں نے جب یہ حال دیکھا تو کہنے لگے۔ اٹھو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ ممکن ہے تمہاری توبہ کا کوئی راستہ نکل آئے۔ یہ دونوں مدھر کے وقت خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ سارا واقعہ سنایا۔ جبریل امین مذکورہ بالا آیات لے کر نازل ہوئے۔ جس میں فرمایا گیا۔ جو لوگ گناہ کریں اور پھر نادام ہوں اور وہ اس پر اصرار نہ کریں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ ان کے گناہ معاف دیتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی۔ حضور (علیہ السلام) اب یہ آیت اسی انصاری کے لیے خاص ہے یا سب کے لیے ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا جو گناہ کر کے توبہ کرے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جو توبہ نہ کرے وہ سخت خطرہ میں ہے اور وہی گناہ پر اصرار کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا گناہ پر اصرار کرنے والا وہ ہے جو گناہ کر کے نادام نہ ہو اور توبہ نہ کرے لیکن جن سے بمقتضائے بشریت گناہ ہو جائے اور وہ نادام ہو اور توبہ نہ کرے تو وہ گناہوں پر اصرار کوٹنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ ترمذی میں باسناد حسن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت ہے اس کا مضمون ہے کہ جو شخص گناہ کر کے توبہ کرے اگرچہ مستمر توبہ گناہ کر کے توبہ کرے وہ گناہوں پر اصرار کرنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ اس خصوص میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قابل ذکر ہیں۔ ان نفوس قدسیہ سے بمقتضائے بشریت اگر گناہ ہو جاتا تو فوراً نادام ہوتے اور توبہ کر لیتے۔ چنانچہ امت نے اجماع کیا کہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسق نہیں ہو سکتا۔

۴۶- وَعَنْ زُبَيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ
عَنِ الْمَرْجُئَةِ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ
إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
بِسَبَابِ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ
(بخاری)

نہید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔ میں نے اہل و آہل سے
مرجیہ کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا مجھ سے حدیث
بیان کی عبد اللہ بن مسعود نے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ مسلمان کو کھال دینا فسخ ہے اور اس سے فخال کرنا
(یعنی اس کو حلال جاننا) کفر ہے۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے ادب میں اور مسلم نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ ترمذی نے

بھی اس حدیث کو لیا ہے ۲۔ سبب کے معنی آدمی کے ناموس کو عیب لگانے کے ہیں یعنی گالی دینا۔ فسوق۔ فسق و فجور۔ اس کے اصل معنی بھٹکنے کے ہیں۔ جیسے بڑھتے ہیں۔ فِسَقَتِ السَّارِبَةُ مَجْجُورًا اپنے جھکے سے بھل گئی لیکن اصطلاح شرح میں فسق کے معنی حق سے بھٹکنے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف جانے کے ہیں۔ قرآن پاک میں شیطان کے متعلق ہے۔ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ یعنی شیطان اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے بھل گیا اور اللہ کا حکم اس نے نہیں مانا۔ واضح ہو کہ فسق کا اطلاق کفر، شرک اور گناہ پر آتا ہے۔ یعنی کبھی فسق سے مراد کفر و شرک ہوتا ہے اور کبھی وہ گناہ جو کفر و شرک نہ ہو۔ ہر جگہ سیاق و سباق اور دلائل شرعیہ کو نظر میں رکھتے ہوئے معنی متعین کئے جائیں گے۔

زبدت نامی نے حضرت ابواہل سے سوال کیا تھا کہ مرجہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ کچھ نقصان نہیں دیتا۔ کیا یہ درست ہے؟ اس پر حضرت ابواہل نے مذکورہ بالا حدیث منکرہ مرجہ کے خیال کی تردید فرمائی۔

وقالہ کفر۔ مسلمان کو گالی دینا کفر ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔ یہاں کفر سے وہ اصطلاحی کفر مراد نہیں جو آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے بلکہ کفر کا اطلاق گناہ پر تخلیفاً و تنبیہاً کیا گیا ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ مسلم کا مسلم پر حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ محبت و اتفاق کے ساتھ رہے اور جو شخص بلا وجہ شرعی مسلمان سے جنگ کرتا ہے وہ حق مسلم کو تلف کرتا ہے گویا کفر سے مراد کفران جنونی سلم ہے اور ظاہر ہے کہ مسلمان سے جنگ کرنا اس کو گالی دینے سے زیادہ اشد ہے تو اسی شدت کے اظہار کے لیے قتال سلم پر (جو اشد کبیرہ ہے) کفر کا اطلاق کیا گیا اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بلا وجہ شرعی قتل و قتال سلم کو حلال جاننا کفر ہے۔

حضرت انس کہتے ہیں مجھے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر کی اطلاع دینے کے لیے باہر تشریف لائے۔ اتنے میں دو مسلمان جھگڑنے لگے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں شب قدر کی تاریخ بتانے آیا تھا لیکن فلاں فلاں جھگڑ رہے تھے اس لیے وہ اٹھالی گئی اور شاید بلیۃ القدر کی تاریخ کا اٹھا لیا جانا تمہارے لیے بہتر ہو (ابن تم) بلیۃ القدر کو رمضان کی ۲۹-۲۸ تاریخ کو تلاش کرو۔

۲۶۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخْبِرُ بَلِيلَةَ الْقَدْرِ فَتَلَا حِجْرًا رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ إِنِّي خَرَجْتُ إِدْخُبْكُمْ بَلِيلَةَ الْقَدْرِ وَإِنَّهُ تَلَا حِجْرًا فَلَانٌ وَفُلَانٌ فَكَرِهْتُ وَعَلَى أَنَّهُ يَكُونُ خَيْرًا لَكُمْ فَإِنِيسُوا فِي السَّبْعِ وَالسَّبْعِ وَالْخَمْسِ (بخاری)

فتلا حِجْرًا: باب تعامل سے ہے۔ اس کے معنی جھگڑنے کے ہیں۔ ملاحاظ: جھگڑنے اور

قائد و مسائل

گالی دینے کو کہتے ہیں۔ التمسوها: التماس کے معنی طلب کرنے کے ہیں۔ رجلاں: سے مراد عبد اللہ بن ابی حدرد اور کعب بن مالک ہیں۔ کعب کے عبد اللہ قرضدار تھے۔ اس قرض کے مطالبہ میں ان کے درمیان جھگڑا ہوا اور ان کی آوازیں حضور علیہ السلام کی موجودگی میں بلند ہو گئیں جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس لیے تشریف لایا تھا کہ تم کو شب قدر کی تاریخ بتاؤں مگر تمہارے جھگڑنے اور آواز بلند کرنے کی وجہ سے شب قدر اٹھالی گئی۔

یعنی اس تاریخ کے بتانے سے مجھے روک دیا گیا۔ وَفَعَتْ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب رمضان کے مہینہ میں شب قدر کے وجود ہی کو ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو پھر حضور علیہ السلام یہ نہ فرماتے کہ اب تم رمضان کی ۲۷، ۲۸ یا ۲۹ تاریخ کو شب قدر تلاش کرو بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اس کی صحیح تاریخ اٹھائی گئی ۲۔ حضرت کعب اپنے فرض کے سلسلہ میں جھگڑے تھے اور ظاہر ہے کہ اپنے حق کی وصولی کے لیے جھگڑنا بلکہ مسجد میں جھگڑنا کوئی بُری بات نہ تھی مگر چونکہ حضور نبوی علیہ السلام وہ جھگڑے اور انکی آوازیں بلند ہو گئیں جو اگرچہ بے اختیار بلند ہوئیں مگر پھر بھی یہ امر اللہ رب العزت کو ناگوار ہوا اور ان کے جھگڑنے کی وجہ سے شب قدر کی تاریخ اٹھائی گئی مگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے اس موقع پر بھی ساتھ دیا اور آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے جھگڑنے کی وجہ سے تاریخ تو اٹھائی گئی ہے مگر شب قدر کی تاریخ کا اٹھ جانا یہ بھی تمہارے لیے خیر ہے اور خیر اس لیے ہے کہ اب جبکہ تمہیں اصل تاریخ معلوم نہیں ہے تو رمضان کی ان تاریخوں میں ضرور قیام کرو گے اور اس کی تلاش کی کوشش کرو گے۔ پھر اگر واقعی شب قدر کو پا لو گے تو اس نعمت عظمیٰ کو حاصل کر لو گے اور اس کے ساتھ ساتھ شب قدر کی تلاش میں جو وقت صرف ہوا ہے اور شب قدر کے پانے کے لیے ہر رات میں جو عبادتیں کی ہیں ان کا اجر علیحدہ دل جائیگا (واللہ وارضعہ عظیم) ۳۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الصوم میں بھی ذکر کیا ہے اور نسائی نے اعتکاف میں۔ یہ حدیث عثمان اول سے تعلق رکھتی ہے مگر اس سلسلہ میں شارحین نے عنوان سے اس حدیث کی جو مناسبت بیان کی ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔

بَابُ سُؤَالِ جَبْرِئِلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضرت جبریل علیہ السلام کا حضور علیہ السلام سے ایمان، اسلام، احسان اور

قیامت کے متعلق سوال کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا۔ پھر یہ فرمانا۔ یہ جبریل تھے تمہارا دین سکھانے آئے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو دین فرمایا (اور اس باب میں اس کا بھی بیان ہے) جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبد القیس کے لیے امیر ایمان بتائے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”جو کوئی اسلام کے سوا دوسرا دین چاہے تو ہرگز قبول نہ ہوگا۔“

عَنِ الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ وَ
عَلَيْهِ السَّلَامَةِ وَبَيَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَهُ شَقَّ قَالَتْ جَاءَهُ جَبْرِئِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
يُعَلِّمُهُ دِينَهُ فَعَمَلُ ذَلِكَ كُلُّهُ دِينًا وَ
مَا بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ فُتِدَ
عَبْدُ الْفَيْسِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَقَوْلُهُ تَعَالَى وَ
مَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ
مِنْهُ (بخاری)

واضح ہو کہ ان عنوانات سے اہم کام مقصود یہ بتانا ہے کہ اسلام، ایمان، احسان، قیامت کا اعتقاد وغیرہ سب دین ہے اور یہ کہ اسلام اور ایمان دونوں ایک چیز ہیں۔ حالانکہ حدیث ہمارے اسلام و ایمان میں منارت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح اس آیت سے بھی اہم نے یہ استدلال کیا ہے کہ اسلام اور دین ایک چیز ہے۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

۴۷۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ

قَاتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الْإِيمَانُ أَنْ تَوَكَّنَ
 بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِأَلْبَعَثَ قَالَ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ الْإِسْلَامُ
 أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ الْمَقْرُوصَةَ وَ
 تَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ
 تَتَّقِيَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ
 فَإِنَّهُ يَبْرَأُكَ قَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ
 مَا السُّئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَ
 سَأَلْتُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَكَلَتْ
 الْأُمَّةَ وَرَبَّهَا وَإِذَا نَطَّأَتْ رِعَاةُ الْأَبْلِ
 الْبُهِرُ فِي الْبُيُوتِ فِي حَمِيمٍ لَا يَلْعَمُهُنَّ
 إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ آيَةَ اللَّهِ عِنْدَهُ عَلِمُ السَّاعَةِ
 الْآيَةُ ثُمَّ أَدْبَسَ فَقَالَ رَدُّوهُ فَلَمْ يَرَوْا
 هَذَا جَبْرَيْلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ
 (بخاری)

ظاہر ہوئے مجمع صحابہ میں) تو ایک آدمی آیا اس نے سوال
 کیا کہ ایمان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ
 پر، اس کے ملائکہ پر، اللہ تعالیٰ کی بقا پر، اس کے رسول
 پر اور مرے کے بعد اٹھنے پر ایمان رکھے۔ اس نے سوال
 کیا۔ اسلام کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ
 تو خاص اللہ کی عبادت کرے۔ اس کا کسی کو شریک نہ بنادے
 نماز قائم کرے۔ زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے
 اس نے سوال کیا احسان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اس طرح گویا کہ
 تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھ
 کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے سوال کیا۔ قیامت کب آئے گی؟
 حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جس سے قیامت کے متعلق ہچکا
 گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ ہاں میں تجھ کو قیامت
 کی نشانیاں بتاتا ہوں (جو یہ ہیں) جب کہ عورت اپنے سِرِّل
 کو بننے اور جب سیاہ اونٹ چرائے والے بڑی بڑی عمارتوں
 میں رہیں (اور تجھ کو تغاغر کا انہار کرنے لگیں) اور پلنگی امور
 ہیں جن کو بالذات کوئی نہیں جانتا۔ سوائے خدا کے۔ پھر

حضور علیہ السلام نے آیت اِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ پڑھی جس میں امورِ خمسہ کا ذکر ہے۔ قیامت وغیرہ کا
 ذکر ہے۔ پھر وہ سائل چلا گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کو بلا لاؤ تو صحابہ کو کچھ نظر نہ آیا۔ اس پر حضور نے فرمایا یہ جبریل
 تھے لوگوں کو ان کا دین کھانے کے لیے آئے تھے۔

فوائد مسائل اس حدیث کو علماء محدثین نے ام السنہ بھی کہا ہے۔ گویا جس طرح قرآن مجید کے تمام اہم مطالبہ مذہب میں
 پر بالا جمال حاوی ہونے کی وجہ سے سورہ فاتحہ کا نام ام الکتاب ہے۔ اسی طرح یہ حدیث اپنی ب
 لی وجہ سے ام السنہ کہے جانے کی مستحق ہے۔ اس کی اس خصوصیت کی وجہ سے امام مسلم نے مسلم کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے
 اور امام بخاری نے اپنی دونوں تالیفوں مصابیح اور شرح السنۃ کا آغاز اسی مضمون کی حدیث سے کیا ہے۔ علامہ قاضی عیاض نے
 فرمایا۔ یہ حدیث تمام وظائف و عبادات ظاہریہ و باطنیہ کو حاوی ہے۔ حتیٰ کہ تمام شریعت کے علوم کا ماخذ ہے۔ امام بخاری نے
 تفسیر زکوٰۃ میں بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ مسلم نے ایمان میں۔ ابن ماجہ نے سنن فتن میں۔ ابوداؤد نے سنن میں اور
 سانی نے ایمان میں۔ ترمذی، احمد، بزار ابن عثران وغیرہم محدثین نے بھی اس حدیث کو اپنے مصنف میں ذکر کیا ہے۔

۲۔ بناروا کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے وَتَسْمَى الذُّرَىٰ بِأَرْوَاحِهِ تَزِينُ كَوْنًا بِرُوحِهِ مَا
یعنی اس پر کوئی سایہ وغیرہ نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام بھی ایک دن مجمع صحابہ میں ظاہر ہوئے فَاتَاهُ مَسْجُلٌ
رجل سے مراد جبریل ہیں جو بصورتِ رجل آئے۔ ملائکہ کی جمع ملائک ہے۔ اصل اس کی صَلَواتُ ہے مَعْقِلُ کے وزن پر
ملائکہ اجسامِ انسانی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں۔ وَرَسُولُهُ يَجْعَلُ فِي رِجْلِ رَسُوْلٍ
رسول وہ ہے جس پر کتاب نازل ہوئی یا فرشتہ اُترا ہوا اور نبی وہ ہے جس پر کتاب یا فرشتہ نازل نہ ہوا ہو۔ اس لحاظ سے ہر رسول
نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں۔ بِالنَّبِيِّ اس سے مراد قُروں سے اٹھنا یعنی مرے کے بعد زندہ کیا جانا ہے۔ نَعْبُدُ اللّٰهَ
عبادت غایتِ خضوع اور انتہائے تذلل کو کہتے ہیں اور اس میں یہ شرط ہے کہ جس کی عبادت کی جائے اس کی اُلوہیت کا
اعتقاد بھی ہو۔ اللہ رب العزت جل مجدہ کا علم ذاتی ہے۔ جس میں شرکت نہیں ہوتی۔ اللہ وہ ذاتِ مقدس ہے جو واجب الوجود
ہے متصرف بالذات ہے۔ تمام عوالم کا جامع اور علیوں سے پاک ہے اور ساری کائنات کا خالق و رازق ہے۔ خدا کی اُمت
کو عبادت کہتے ہیں۔ احسان کے لغوی معنی نیکی کے ہیں۔ یہ منہ ہے بُرائی کی۔ اشراف۔ یہ شرط کی جمع ہے۔ اس کے معنی عبادت
و نشانی کے ہیں۔ رب کے معنی ملائکہ، سردار، تربیت دینے والا، پالنے والا (مرتب و مصلح) کہتے ہیں۔ یہ اللہ عز و جل کی صفت
بھی ہے۔ جب بغیر اضافت کے رب کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد اللہ عز و جل ہوتا ہے اور اضافت کے ساتھ غیر اللہ
پر بھی اس لفظ کا استعمال جائز ہے جیسے اس حدیث میں رب یعنی سردار آیا ہے یا جیسے ماں باپ کو رب کہتے ہیں کیونکہ وہ
بچہ کی تربیت کرتے ہیں۔ گھر کے مالک کو، آقا کو، حاکم کو بھی رب کہتے ہیں۔ بہر حال غیر اللہ پر اس کا اطلاق اضافت کے بغیر
کرنا جائز نہیں ہے۔ اِذَا تَطَاوَلَتْ مَعِيَ غُرُوبُ النَّجْمِ کے معنی یہ قیامت کی علامت ہے کہ ذیل اور کیلئے لوگ اونچے اونچے
محلوں میں رہیں اور بکتر و مژدہ کریں۔ بھٹسہ، ب کے پیش کچھ تھوڑے چیز جو بالکل سیاہ ہو۔

ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کا بیان | حدیث زیر بحث کو امام بخاری نے کتاب الزکوٰۃ و کتاب التفسیر
میں بھی ذکر کیا ہے۔ محدثین کو امام اس حدیث کو امام السنہ سے
موسوم کرتے ہیں۔ جیسے سورہ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔ ایسے ہی یہ حدیث علمِ سنت کا خلاصہ ہے اور اس کی جرثومہ ہے۔
۲۔ حدیث ہذا میں ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور اس کی علامات کا ذکر ہے۔ ۳۔ ایمانیات میں ایمان باللہ، ملائکہ،
انبیاء کرام، تقویٰ الہی اور بعثت کا ذکر ہے اور اسلام میں عبادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ کا ذکر ہے۔ یہ حدیث دراصل مختصر ہے۔
مفصل میں ایمانیات میں کتب سماویہ، روز قیامت اور ہر خیر و شر کی تقدیر کا بھی ذکر ہے اور اسلام میں حج بیت اللہ اور
توجہ خداوندی و رسالتِ محمدی کا بھی ذکر ہے۔ یہاں ہم حدیثِ ہذا میں جن امور کا ذکر ہے بیان کرتے ہیں۔

ایمان کے معنی | اَنْتَ بِسُوْمٍ وَّكَوْنُكَ صَادِقٍ (سورہ یوسف ع ۳) — لیکن اصطلاح
شرع میں ایمان یہ ہے کہ جو علم اور ہدایت اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائیں، اس کی تصدیق کرنا اور ان کو حق جان کر قبول
کرنا۔ پیغمبر کی اس قسم کی کسی بات کو ماننا ہی اس کی تلمذ یا پیروی ہے جو انسان کو کافر کر دیتی ہے۔ لہذا امرن ہونے کے لیے ضروری ہے۔

۶۔ اسی طرح وہ بکاروں پر لغت بھی کرتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت کی دُعا مانگتے ہیں۔ اہل عمران ص ۹ بقولہ
 ۷۔ جنت و دوزخ کا کاروبار بھی ملائکہ کے زیرِ اہتمام ہوگا۔ زمر ص ۸، مدح ص ۳، مدح ص ۱

۸۔ قیامت کے دن بھی یہ تختِ الہی کے حامل ہوں گے۔ حاق ص ۱۲، انبیاء ص ۲

۹۔ فرشتے خدا سے سرکشی اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ہمیشہ اس کی تعمیل و تعمیل اور حمد و ثناء میں مصروف رہتے ہیں اور بحکمِ الہی پوری مملکتِ انبیاء میں خدا کے احکام کی تعمیل و تنفیذ کرتے ہیں۔ شوریٰ ص ۱۶ و المائدہ ص ۱۱
 قرآن حکیم کی ان نصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتے انسانوں اور جنوں سے ایک علیحدہ مستقل مخلوق ہیں۔ چنانچہ ملائکہ کے وجود پر اور اس پر کہ وہ ذواتِ قائمہ بانفسہا ہیں۔ تمام عقلا کا بھی اتفاق ہے۔ البتہ ان کی حقیقت میں اختلاف ہے فلائکہ کے نزدیک یہ نفوسِ ناطقہ کے علاوہ جو اہر مجردہ قائمہ بانفسہا ہیں۔ نصاریٰ کی ایک جماعت انہیں نفوسِ بشریہ مفارقة بتاتی ہے اکثر اہل اسلام کے نزدیک ملائکہ، اجسامِ طبیعیہ نورانیہ ہیں۔ ایک فرماں بردار معصوم مخلوق ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اشکالِ مختلفہ و صورتِ متفرقہ میں تشکیل ہونے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔

ملائکہ کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب
 جو لوگ وجودِ ملائکہ کے مُنکر ہیں یا اس کو وہی یا خیالی چیز سمجھتے ہیں وہ ان کے عدم وجود پر سب سے اہم دلیل صرف یہ دیتے ہیں کہ اگر وہ موجود ہوتے تو نظر آتے لیکن یہ سخت جاہلانہ شبہ ہے۔ دنیا میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن وہ نظر نہیں آتیں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے جبکہ خوردین کی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ جوا، پانی، خون کے قطرہ میں جراثیم کیسا کیسا دیکھے تھے، لیکن آج خوردین کے ذریعے ہر آنکھ والا ان جراثیم کو دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح روح کو کیجے کیا یہ نظر آتی ہے اور کیا تعلیم بدن میں جو چیز جان کے نام سے موسوم ہے اور جس کے وجود کو ایک دہریہ بھی تسلیم کرتا ہے کسی آدمی سے دیکھی جاسکتی ہے تو جیسے ہماری آنکھیں خود اپنی روح یا جان کو دیکھنے سے عاجز ہیں۔ اسی طرح وہ فرشتوں کے دیکھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ جو چیز نظر نہ آ سکے اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ سخت جاہلانہ خیال ہے۔

نقارِ الہی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کی تصدیق کی جائے کہ آخرت میں اللہ عزوجل کا دیدار ہوگا۔ چنانچہ قرآن حکیم نے نقارِ الہی کو مومن کے لیے بہترین نعمت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا
 کہ جو شخص آخرت میں دیدارِ باری تعالیٰ کی تمنا رکھتا ہے اس کو چاہیے۔ عملِ صالح کو اختیار کرے اور اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ غرض کہ یہ یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار حقیقی ہے اور آخرت میں اللہ کے نیک بندوں کو اللہ کا دیدار ہوگا یہ بھی ایمانیات میں داخل ہے۔

ایمان بالرسول
 رسولوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ یہ مانا جائے کہ اللہ عزوجل نے مخلوق کی ہدایت کے لیے جعفر و انبیاء و مرسلین مبعوث فرمائے۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور پیغمبر ہیں انہوں نے جو کچھ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا وہ حقیقی ہے اور انہوں نے اپنے فرضِ نبوت کو مکمل ادا فرمایا۔ قرآن پاک میں ہے:-

ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ ہم خدا کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

قُلْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۚ وَكُنْتُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ
وَرُسُلُهُ لَا تَفْتَرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

(بقہ ۲۰۶)

نیز سورہ نسا کے رکوع ۲۰ میں فرمایا جس نے خدا کا اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کا انکار کیا وہ سخت گمراہ ہوا، نیز سورہ نسا کے رکوع ۲۱ میں فرمایا کہ ماننے کے معاملے میں خدا اور رسول میں کچھ فرق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعض رسول کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اَوْ لِمَ لٰکَ هُمْ اَلْکٰفِرُوْنَ حَقًّا۔ وہ یقیناً کافر ہیں۔ گویا یہ عقیدہ صرف اور صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس میں مومن ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء کی نبوت رسالت کی تصدیق کی جائے۔ اس کے برعکس دنیا کی کسی مذہب میں یہ بات نہیں ہے۔ چنانچہ ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں ہے۔ ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے۔ ایک ہندو تمام دنیا کو ملچھ، شودر، چنڈال، ناپاک وغیرہ کہہ کر بھی ہندو رہ سکتا ہے۔ لیکن حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناممکن کر دیا کہ کوئی ان کی پیروی کے دعویٰ کے ساتھ ان سے پہلے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے۔ غرض کہ اسلام میں تمام فیصلوں کی نبوت کی تصدیق کرنا اور ان کا ہر احترام کرنا ایمانیات میں داخل ہے۔ پھر نبوت و رسالت کے متعلق مندرجہ ذیل مورد کو ماننا بھی ضروری ہے۔

۱۔ ہر نبی مستقل طور پر نبی ہے۔ نبوت کی کوئی قسم نہیں ہے۔ تمام انبیاء کرام نفس نبوت میں برابر ہیں۔ کسی نبی کی نبوت ضرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ظل یا عکس یا پرتو نہیں اور نہ یہ کہ حضور علیہ السلام کی نبوت قدیم ہے اور باقی کی حادث۔ نفس نبوت میں تو تمام انبیاء کرام برابر ہیں مگر مرتبہ و مقام میں فرق ضرور ہے۔ ہمارے حضور علیہ السلام تمام انبیاء کے سرور امام المومنین و خاتم النبیین ہیں اور آپ کا درجہ تمام انبیاء علیہم السلام سے بلند و بالا ہے ۲۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور حضور اکرم آفری نبی ہیں۔ آپ پر نبوت و رسالت کو ختم کر دیا گیا اور دین کامل ہو گیا۔ باقی امت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لیے نجات و فلاح صرف آپ ہی کے اتباع اور آپ کی ہی ہدایت کی پریمی ہے ۳۔ انبیاء کرام کے خصائص و فضائل و معجزات کو ماننا بھی ضروری ہے اور ان کی تعظیم فرض عین بلکہ تمام فرائض کی اہل ہے۔ ان کی ادنیٰ توہین و کفر و ارتداد ہے ۴۔ انبیاء کرام چھوٹے بڑے گناہ سے قبل نبوت و بعد نبوت پاک ہیں اور تمام انبیاء معصوم ہیں ۵۔ انبیاء کرام اپنی قبول میں زندہ ہیں۔ ایک ان کے لیے ان پر وعدہ الہی کے مطابق موت آئی اور پھر وہ زندہ ہو گئے۔ ان کی زندگی شہیدوں کی زندگی سے بڑھ کر ہے (تکمیل الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلوی) ۶۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو غیوب پر مطلع کیا۔ موصوٰفہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیوب کثیرہ و افرو کا عالم بنایا اور زمین و آسمان کا ہر ذرہ آپ کے پیش کر دیا (مدیث طبرانی)۔ ہمارے حضور افضل المخلوق اور اللہ عز و جل کے نائب مطلق ہیں۔ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے نبی ہیں اور تمام جہان کی کوئی کسی خوبی میں آپ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے قاسم ہیں۔ آپ کو مرتبہ معراج عطا ہوا حضور ید السلام نے بحکم خود رب العزت جل مجدہ کے دیدار کا شرف حاصل کیا اور عرض و فرش کے تمام عجائب و غرائب کا شہ جہان

مشاہدہ فرمایا۔

نوٹ :- یہ چند ضروری باتیں یہاں لکھ دی ہیں۔ عقائد کی تفصیل کے لیے ہمارے شریعت حصہ اول کا مطالعہ کیجئے۔

اسلام کے معانی اور اس کی حقیقت

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمانیات کو بیان فرما چکے تو پھر سائل نے آپ سے اسلام کے متعلق سوال کیا۔ واضح ہو کہ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو کسی کے پیرو کر دینا اور بالکل اسی کے تابع فرمان ہو جانا۔ انبیاء کرام کے لئے ہوئے دین کو اسلام اسی لیے کہتے ہیں کہ اس میں بندہ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کے پیرو کر دیتا ہے اور اس کی مکمل اطاعت کو اپنی زندگی کا دستور بنا لیتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے :-

۱۔ وَاللَّهُمَّ إِنَّكَ وَاحِدٌ فَلَهُ

أَسْأَلُكَ (ج ۵۶)

۲۔ وَمَنْ أَحْسَنَ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ

وَجْهَهُ (نساع ۱۴)

۳۔ مَنْ يَتَّبِعْ عِبْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ

يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنْ

الْخَيْرِينَ (آل عمران ۱۹)

تمہارا اللہ وہی الہ واحد ہے لہذا تم اسی کے مطیع (مسلم) ہو جاؤ۔

اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ جس نے اپنے خدا کے پیرو کر دیا (یعنی وہ بندہ مسلم ہو گیا)

اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آدمی آخرت میں سخت نقصان میں رہے گا۔

مفسد اسلام کی روح یہی ہے کہ آدمی اپنے کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے پیرو کر دے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع ہو جائے۔ انبیاء کرام جو شریعتیں لائے۔ اس میں اسلام کے لیے انہوں نے چند ارکان کی نشاندہی فرمائی۔ جن کی حقیقت اس حقیقت اسلام کے پیکر مجسوس کی سی ہے اور اس حقیقت کا نشوونما اور اس کی تازگی انہیں ارکان سے ہوتی ہے جو تعبیدی امور ہوتے ہیں اور ظاہری نظر انہیں ارکان کے ذریعہ ان لوگوں میں فرق واقفا ذکر کرتی ہے۔ جنہوں نے اپنا دستور حیات اسلام کو بنایا ہے اور جنہوں نے نہیں بنایا۔ بہر حال حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا جو آفری اور مکمل دستور حیات ہمارے سامنے رکھا اس میں آپ نے عبادت الہی، نماز، زکوٰۃ اور روزہ کو قرار دیا اور مفصل حدیث میں توجیہ خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بیت اللہ کو ارکان اسلام قرار دیا مسلم شریف اور فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر :-

۱۔ کلمہ شہادت ۲۔ نماز ۳۔ روزہ ۴۔ زکوٰۃ اور ۵۔ حج

عبادت کے معنی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے عبادت کے معنی انتہائے ذلل اور غایت خضوع کے ہیں۔ یعنی انسان اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلت دہشت کی اس آخری درجے میں سمجھے کہ جس کے بعد عاجزی اور ذلت کا کوئی درجہ ہی نہ ہو۔ اس قسم کی عاجزی کرنے والا عابد ہے اور ایسی عاجزی عبادت ہے۔ عبادت کا تعلق نہ تو مافوق الاسباب امور سے ہے اور نہ غائبانہ نذا سے ہے۔ بلکہ اس کا تعلق محض اعتقاد سے ہے اور ظاہر ہے ایسی عاجزی اور ایسی ذلت و پستی کا اظہار اسی ہستی کے لیے کیا جا سکتا ہے جس

کے متعلق صفات مستقلہ کا اعتقاد رکھا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں (خود بخود اس میں موجود ہیں کسی نے اس کو کوئی صفت دی نہیں) اور یہ صفات ذاتیہ استحقاق عبادت کا مناسطہ و ماریں۔ ان صفات ذاتیہ کا کسی میں ثابت کرنا استحقاق عبادت و اُلُوہیت کا ثابت کرنا ہے اور جو صفت استحقاق عبادت کا مناسطہ ہے۔ خواہ وہ علم ہو یا قدرت تصرف ہو یا خلقت، ان کا ذاتی اور مستقل ہونا ضروری ہے ورنہ افراد ممکنات کا مستحق عبادت ہونا لازم آئیگا۔ کیونکہ عطائی غیر مستقل حادث صفات افراد مخلوقات میں پائی جاتی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ استحقاق عبادت کے لیے صفات مستقلہ لازم ہیں اور صفات مستقلہ کے لیے استحقاق عبادت لازم ہے۔ کسی کو مستحق عبادت کہنا اس کے لیے استقلال ذاتی کو ثابت کرنا ہے اور کسی کو مستقل بالذات ماننا مستحق عبادت قرار دینا ہے۔

عبادت و تعظیم میں فرق | یہیں سے عبادت و تعظیم میں فرق معلوم ہو گیا۔ عبادت میں تعظیم بھی ہوتی ہے اور جس کی تعظیم کی جائے اس کے واجب الوجود اور مستحق عبادت ہونے کا اعتقاد بھی ہوتا ہے

اور تعظیم میں یہ اعتقاد نہیں ہوتا یعنی ہر عبادت تعظیم ہے مگر ہر تعظیم عبادت نہیں ہے۔ لہذا غیر اللہ کی عبادت شرک ہے تعظیم شرک نہیں ہے بلکہ جائز بلکہ بعض کی تعظیم فرض عین ہے۔ مثلاً قرآن پاک کی، انبیاء کرام علیہم السلام و ملائکہ کی تعظیم و توقیر۔ بعض کی تعظیم واجب ہے مثلاً والدین کی۔ بعض لوگ تعظیم و عبادت میں فرق نہیں کرتے یا ان کے مفاہم سے جاہل ہیں۔ جہاں وہ غیر اللہ کی تعظیم ہوتے دیکھتے ہیں محبت شرک کا فتنی جزا دیتے ہیں حالانکہ یہ بدیہی ہے کہ تعظیم کی وہی صورت شرک قرار دی جائے گی جس میں معظم کی اُلُوہیت کا اعتقاد ہو۔ اس کے علاوہ تعظیم کی جتنی بھی صورتیں اور شکلیں ہیں ان میں سے بعض ناجائز و حرام تو ہو سکتی ہیں مگر شرک و کفر ہرگز مگر نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً بقرہ کعبہ کرنا اور مقبرہ کی اُلُوہیت اور واجب الوجود ہونے کا عقیدہ رکھ کر اور اس کے لیے صفات مستقلہ ان کو سجدہ کرنا شرک ہے۔ لیکن یہ اعتقاد نہ ہو اور محض قبور کی تعظیم کے لیے سجدہ کرے تو یہ ناجائز و حرام ہے مگر شرک نہیں ہے۔ غرضیکہ وہ تعظیم جو معظم کی اُلُوہیت و واجب الوجود ہونے کے اعتقاد کے ساتھ نہ کی جائے اس میں تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس تعظیم کی کچھ صورتیں ناجائز و حرام ہوں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ مذکورہ بالا اعتقاد کے ساتھ جو تعظیم کی جائے وہ شرک قرار پائے۔ سجدہ ہی کو کیجئے۔ مطلقاً غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر شرک مان لیا جائے تو پھر (و معاذ اللہ) تمام ملائکہ اور بلادان یوسف علیہ السلام بھی مشرک قرار پائیں گے۔ کیونکہ قرآن پاک نے یہ تصریح کی ہے کہ ملائکہ نے حضرت آدم کو اور بلادان حضرت یوسف نے حضرت یوسف کو سجدہ کیا تھا بلکہ یہ کہا پڑے گا کہ خود اللہ صرحاً نے شرک کا حکم دیا (معاذ اللہ)

ظاہر ہے کہ ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور بلادان یوسف کا جناب یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا، ان کو واجب الوجود جان کر سجدہ کرنا تھا بلکہ اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق کچھ کر محض تعظیم کے لیے سجدہ تھا۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو تعظیم معظم کی اُلُوہیت اور واجب الوجود ہونے کے عقیدہ کے ساتھ نہ کی جائے وہ شرک ہرگز مگر نہیں ہو سکتی۔

ہم اہل سنت و جماعت انبیاء کرام و بزرگان عظام کی تعظیم ضرور کرتے ہیں۔ ان سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں مگر انہیں اُلُو نہیں مانتے اور نہ استقلال ذاتی ان کے لیے ثابت کرتے ہیں اور نہ انہیں مستحق عبادت جانتے ہیں اور نہ واجب الوجود لہذا ہم

محض تعظیم کے جرم میں وہابیہ و دیوبندیہ کا شرک کا فتویٰ دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کیونکہ تعظیم کی ان صورتوں کو بھی نہیں اپناتے جو ناجائز و حرام ہیں اور جن کے ناجائز ہونے پر دلائل شرعیہ مل جاتے ہیں جیسے سجدہ تعظیمی ہم اس کو حرام و ناجائز سمجھتے ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کے لیے سجدہ تعظیمی کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ خافتم

شرک کی تعریف

شرک کے معنی اللہ کے سوا کسی اور کو خدا جاننا یا عبادت کے لائق سمجھنا یا خدا کی صفات جیسی کہ اس میں ہیں کسی اور میں ماننا یعنی اللہ کی تمام صفاتیں ازل، ابدی، قدیم اور ذاتی ہیں۔ مثلاً اس کا علم ذاتی ہے۔ اس کا ہر کمال ابدی ہے۔ کسی نے اس کو دیا نہیں۔ وہ خود بخود عظیم، عالم الغیب، قادر اور مختار ہے۔ نزہا لکل اسی طرح غیر اللہ کی کسی صفت کو مانا جائے تو یقیناً شرک ہے اور اگر اس طرح نہ مانا جائے تو یہ ہرگز شرک نہیں بشرط عقائد لسانی میں ہے۔

الامشرك هو اثبات المشرك في الالهية
يعني واجب الوجود كما للمجوس او بمعنى
استحقاق العبادة كما للعبدة الاصنام

شرک یہ ہے کہ کسی کو انوکھیت میں شرک ثابت کیا جائے
بمعنی واجب وجود جیسا مجوس کرتے ہیں یا معنی استحقاق عبادت
جیسا بت پرست کرتے ہیں (شرح عقائد)

حضرت شیخ محدث دہلوی اشۃ اللمعات میں فرماتے ہیں ”بالجملہ شرک سہ قسم است در وجود و در خالقیت و در عبادت“ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شرک تین طرح پر ہوتا ہے ایک یہ کہ اللہ کی طرح کسی کو واجب الوجود جانے — دوم یہ کہ اور اللہ کے سوا خالق جانے — سوم یہ کہ غیر خدا کی عبادت کرے (یا اس کو مستحق عبادت سمجھے) جلد اول صفحہ ۶۱

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۔ واجب الوجود اپنی ذات اور کمالات میں دوسرے سے بالکل بے نیاز اور غنی بالذات صرف اللہ عزوجل ہے اور فقط وہی عبادت کا مستحق ہے اور کوئی نہیں ۲۔ اب جو شخص اللہ کے سوا کسی اور کو واجب الوجود مانے یعنی یہ کہے کہ یہ شخص اپنی ذات اور کمالات میں کسی کا محتاج نہیں ہے یا اللہ کے سوا کسی اور کو عبادت کا مستحق ٹھہرائے جیسے ہندوستان کے آریہ رُوح اور مادہ کو قدیم مانتے ہیں اور واجب الوجود سمجھتے ہیں۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ رُوح اور مادہ کی ذات بنانے والے سے بے نیاز ہے یہ شرک ہیں ۳۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کے کمالات کو ذاتی مانے اور اس کے کمال میں اس کو دوسرے سے غنی اور بے نیاز سمجھے تو شرک ہے خواہ وہ کمالِ علم ہو یا قدرت یا حیات یا سمیع یا بصیر جو جیسے ستارہ پرستوں کا خیال ہے کمال کے تغیرات کو اکب کی تاثیرات سے ہیں اور کو اکب ان تاثیرات میں غنی بالذات ہیں کسی کے محتاج نہیں۔ یہ عقیدہ بھی شرک ہے اور ایسے اعتقاد رکھنے والے شرک — اسی طرح اگر کوئی کسی دوسرے کی عبادت کرے جس کو ہندی میں پوجا اور فارسی میں پرستش کہتے ہیں یہ بھی شرک جہو جیسے بت پرست تہوں کو مستحق عبادت سمجھتے ہیں اور ان کی عبادت کرنے میں یہ شرک ہیں! جو کہ اللہ کے عطا کئے ہوئے کمالات اس کے بندوں میں مانتے ہیں اور کمالات کو حصار الہی جانتے ہیں وہ ہرگز شرک نہیں۔ مثلاً کوئی شخص آدمی کو مسیح و بصریہ کے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صفت مسیح و بصیر عطا فرمائی ہے تو وہ مومن اور موحّد ہے شرک نہیں۔ شرک جب ہوتا ہے کہ یہ مانتا ہے کہ آدمی میں مسیح و بصیر کی صفت ذاتی ہے۔ یہ وہ ہے کہ قرآن پاک نے اللہ عزوجل کی صفات میں مسیح و بصیر ذکر کیا ہے۔ مگر اس کے باوجود انسان کو بھی مسیح و بصیر قرار دیا ہے۔ فَصَلَّاهُ سَيِّئًا بِمَا سَيَّرْنَا۔ اور یہ شرک اس لیے نہیں کہ انسان میں مسیح و بصیر بت کی گئی ہے

وہ عطائی ہے خدائے ذاتی ہے۔ اس قسم کی سیکنڈوں مثالیں کتب و سنت سے دی جاسکتی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ کسی بھی کمال کو جو ممکن البشر ہے غیر اللہ میں عطائی مانا جائے تو شرک نہیں اور ذاتی مانا جائے تو شرک ہے۔ اگر ذاتی و عطائی کا فرق نہ کیا جائے تو پھر تو انسان ہر بات میں شرک ہو جائے۔ مثلاً یہ کہے، میں سُننا ہوں، میں دیکھتا ہوں۔ میں موجود ہوں۔ خدا نے قوت دی۔ پانی نے پیاس بجھائی۔ آگ نے جلایا۔ سردی نے نقصان پہنچایا۔ دوائے فائدہ دیا، یہ سب باتیں شرک ہو جاتیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ جب ایک سلطان یہ کہتا ہے کہ دوائے شفا دی تو اس عقیدے کے ساتھ کہتا ہے کہ دوائے شفا دینے کی طاقت اور تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اگر خدا نہ چاہے تو نہیں دیکھ سکوں اور نہ دوا اپنا اثر دکھاسکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی کمال کو غیر اللہ میں اگر ذاتی مان لیا جائے تو وہ شرک ہے اور اگر عطائی طور پر مانا جائے تو وہ ہرگز شرک نہیں ہے۔ جو شخص عطائی کمال کو غیر اللہ میں مانے کہ شرک کہتا ہے وہ جاہل ہے اور اگر جان بوجھ کر کہتا ہے تو خود کافر ہے کیونکہ اس نے عطائی کمال ماننے والے کو شرک کہہ کر یہ ظاہر کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کمال اور صفات عطائی ہیں اور وہ مستغنی اور بے نیاز نہیں ہے۔

احسان کے معنی ایمان اور اسلام کے بعد سائل نے احسان کے متعلق حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ احسان کی حقیقت کیا ہے؟ یہ احسان بھی دراصل اسلام اور ایمان کی طرح دینی اور قرآنی اصطلاح ہے ارشادِ ربّانی ہے :-

- ۱۔ بَلِّغْ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ
 - ۲۔ وَهَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
- معلوم ہوا کہ احسان قرآن پاک کی ایک خاص اصطلاح ہے اور یہ ایک خاص وصف ہے جو مومن مخلص میں پایا جاتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے ثوابِ تعلیم ملتا ہے۔ ویسے تو احسان کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں لیکن حدیثِ ہذا میں احسان کا ذکر ہے۔ اس کی حقیقت خود زبانِ نبوت نے بیان فرمادی ہے یعنی احسان یہ ہے کہ :-
- ”خدا کی بندگی ایسے کی جائے کہ وہ قمار و قندوس ذوالجلال والجبوت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اسے دیکھ رہے ہیں“

اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جب کہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رویہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کر لے مگر عموماً ان دونوں قسموں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے اور عام طور پر جس خوش اسلوبی، محنت اور دیانت کے ساتھ وہ آقا کی موجودگی میں کام کرتا ہے۔ مالک کی عدم موجودگی میں اس کا وہ حال نہیں ہوتا تو یہی حال بندوں کا اپنے مالکِ حقیقی کے ساتھ ہے۔

جس وقت بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا رب میری ہر حرکت و سکون کو دیکھ رہا ہے۔ وہ حاضر و ناظر ہے۔ میرے ہر کام کی اس کو خبر ہے۔ اس تصور کے ساتھ جب بندہ عبادت کرتا ہے تو اس کی ہندگی میں ایک خاص شانِ نیاز مندی ہوگی جو اس وقت نہیں ہو سکتی۔ جب کہ بندہ کا دل اس احساس سے خالی ہو۔ تو احسان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہندگی اس طریقہ سے کی جائے کہ گویا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم اس کے سامنے ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احسان اور اعتقاد دو قول ایک ہی چیز ہیں۔ اعتقاد کے معنی یہ ہیں کہ عمل میں خلوص انتہا کو پہنچ جائے اور ریا کا شائبہ بھی نہ رہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے جب کہ یہ یقینِ محکم ہر وقت قائم رہے کہ اس قادر و تدبیر خدا سے ہماری کوئی حرکت پوشیدہ نہیں ہے اور جب اس تصور سے عمل کیا جائے تو یقیناً اس میں خلوص ہوگا۔

ہر عمل میں احسان | پھر احسان کا تعلق صرف نمازی سے نہیں ہے کہ بس نماز کو پورے خشوع و خضوع سے ادا کر لیا جائے بلکہ اس کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے۔ اسی لیے اس واقعہ کی دوسری روایات کے الفاظ یہ ہیں :-

احسان یہ ہے کہ تم خدا سے اس طرح ڈرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو۔

۱۔ اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ كَاَنْتَ تَرَاهُ

احسان یہ ہے کہ تم ہر کام اللہ کے لیے اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔

۲۔ اَلِ احْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنْتَ تَرَاهُ

ان دونوں روایتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احسان کا تعلق صرف نماز سے نہیں بلکہ تمام اعمال خیر سے ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر عبادت و بندگی اور اس کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اس طرح کی جائے اور اس کے مواخذہ سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہماری ہر حرکت و سکون کو دیکھ رہا ہے۔ یہی احسان ہے۔

کیا دنیا میں دیدارِ الہی ممکن ہے؟ | بعض لوگ کا ایک تڑا حدیث کے اس ٹکڑے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دنیا میں اللہ عز و جل کا دیدار ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ تَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنْتَ تَرَاهُ

اللہ کا تھک اشارہ ہے مقامِ فنا کی طرف کہ جب بندہ اپنی ذات کو بالکل فراموش کر دے گا گویا کہ اس کا وجود ہی نہیں ہے تو اس منزل پر پہنچ کر وہ خدا کو دیکھ لے گا لیکن یہ معنی کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس کے متعلق تو نصوص موجود ہیں کہ دنیا میں خدا کو دیکھا نہیں جاسکتا۔ مسلم شریف میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

وَاَعْلَمُوا اَنَّهُمْ لَنْ يَرَوْا رَبَّهُمْ | جان لو تم اس دنیا میں خدا کو نہیں دیکھ سکتے حتیٰ کہ تم مر جاؤ (مسلم شریف)

۱۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دنیا میں دیدارِ باری تعالیٰ ممکن نہیں البتہ آخرت میں ہر مومن کو اس کے دیدار کا شرف حاصل ہوگا۔ جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے ۲۔ اس کے بعد قرآن پاک میں ہے :-

وَاَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ | اپنے رب کی موت آنے تک عبادت کرو

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک مکلف ہے جب تک کہ زندہ ہے اور مرنے کے بعد اس پر کچھ فرض نہیں رہتا۔ تو اگر عبادت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو جاتا ہے تو پھر تو دیدار باری کے بعد اس پر نماز فرض ہی نہیں رہے گی کیونکہ دیدار باری موت کے بعد ہی ہوتا ہے تو چاہئے کہ جس کو خدا کا دیدار ہو جائے وہ عبادت ہی ترک کر دے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ نیز الفاظ حدیث بھی اس مطلب کے تحمل نہیں ہیں کیونکہ ”كَأَنَّكَ مُشْرَكٌ“ کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم عبادت میں اتنا غلط شروع اور خضوع پیدا کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ خان لکھنؤ نے فرمایا کہ اس کو دیکھنے نہیں تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور جب وہ تم کو دیکھ رہا ہے تو پھر عبادت و بندگی ایسی ہونی چاہئے جیسی کہ مالک کی موجودگی میں ہوتی ہے۔ غرضیکہ حدیث کا یہ مطلب لینا کسی طرح درست نہیں ہے کہ عبادت میں جب بندہ محو ہو جائے اور اپنی ذات کو فنا کر دے تو پھر وہ خدا کو دیکھ لیتا ہے۔ ہاں بعض عرفا کرام نے حدیث کے اس فقرے کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس میں عبادت کے دودرجوں کی طرف اشارہ ہے۔

اول: كَأَنَّكَ مُشْرَكٌ عبادت کرو اللہ کی گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ یعنی عبادت مشاہدہ حق کے ساتھ ہو۔ یہ مقام ہے عرفا کا ملین کا دوم: فَإِنَّكُمْ مَشْكُونٌ مُشْرَكٌ۔ پس اگر یہ مقام (مشاہدہ) نہیں حاصل نہ ہو تو پھر عبادت کرو اللہ کی اس طرح کہ ہم اس کے سامنے ہیں اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یہ مقام ہے درج دوم کے عارفوں کا مگر یہ ظاہر ہے کہ کیا مشاہدہ حق سے ذات خدا کی رویت مراد نہیں بلکہ تخلیقات و انوارِ صمدیہ کی رویت مراد ہے اور یہ بات باطل حق ہے کہ ہر ایک کو یہ مقام حاصل نہیں ہونا کہ وہ برکاتِ الہیہ کا مشاہدہ کرے۔ اس کا مدار تو قلب کی صفائی، باطن کی پاکیزگی اور تقویٰ کی زیادتی پر ہے۔ جس کا تقویٰ بڑھا ہوا ہو گا وہ یقیناً انوارِ صمدیت اور برکاتِ احدیت کا مشاہدہ کرے گا اور جو اس درجہ پر ہو گا وہ ذکر کے لگا۔ بہر حال اس توجہ پر احسان کے دودرجے ہو گئے۔

قیامت کا اعتقاد | اس کے بعد سائل نے پوچھا۔ حضور (علیہ السلام) قیامت کب آئے گی اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے سوال ہو رہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا یعنی قیامت امر غیب سے ہے اور غیب کا علم بے تعلیم الہی بحساب عقل کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں انجور خمر کا ذکر ہے کہ ان کو بالذات خدا ہی جانتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ اَمْ وَاضِحٌ بُوْدُنِ الْاِسْلَامِ كَے اِیّانِیَا کی آخری کڑی قیامت پر ایمان ہے۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ خَيْرُ قَسْتُوْنَ۔ یعنی اہل تساری کا ناست فنا ہو جائے گی۔ اور اللہ عزوجل کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا اور پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ دوبارہ مخلوق کو پیدا فرمائے گا۔ قرآن پاک میں قیامت کا بیسیوں ناموں سے ذکر آیا ہے اور ہر نام اس کے خاص پہلو نمایاں کرتا ہے۔ مختصر کوئی لیجئے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب کہ سوا خداوند عالم کے سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ اس کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی۔ اعمال کا موازنہ ہوگا۔ حساب و کتاب کے بعد نیکیوں کا ثواب ملے گا اور بُرائیوں پر سزا دی جائے گی۔ جنت جنت ہیں اور دوزخ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل کر دیتے جائیں گے اور حیات و ممات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

قیامت کی علامتیں | اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ حدیث

ہذا میں صرف دو علامتوں کا ذکر فرمایا۔ لیکن دوسری احادیث میں علاماتِ قیامت کا تفصیلی بیان ہے۔ اس حدیث میں قیامت کی صرف دو خاص نشانیاں بیان ہوئی ہیں :-

اول : یہ کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جتنے گی — گوشتارہین نے اس جملہ کے متعدد مفہوم بیان فرمائے ہیں مگر سب زیادہ راجح توجیہ جو الفاظ حدیث سے بالکل مطابق ہے۔ یہی ہے کہ قربِ قیامت میں ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی ایسی واقعہ کی دوسری روایت میں رجحہ کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جب لونڈی اپنی مالکہ کو جتنے گی یعنی عام طور پر لڑکیاں جن میں والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے اور جن سے لوگوں کے بالمقابل والدین سے سرکشی بظاہر بہت ہی شکل ہوتی ہے وہ بھی قربِ قیامت میں نہ صرف یہ کہ والدین کی نافرمانی ہو جائیگی بلکہ انہی ان پر صورت چلا دیں گی۔ جس طرح ایک مالکہ اپنی زرخیز لونڈی پر حکومت کرتی ہے۔ اسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں تعبیر فرمایا کہ عورت اپنی مالکہ کو جتنے یعنی عورت سے جو لڑکی پیدا ہوگی وہ بڑی ہو کر خود اپنی ماں پر حکومت چلائے گی اور جب لڑکیوں کا یہ عالم ہوگا کہ لڑکیوں کا کیا حال ہوگا۔

دوہرہ : دوسری علامت حضور علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمائی کہ قربِ قیامت میں کاسے اونٹ چلانے والے اونچے اونچے محل بنوایں گے اور تکبر و مغرور کریں گے۔ سب میں سیاہ اونٹ جھنڈ کرچے جاتے تھے۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ دنیاوی دولت حکومت ان کیلئے اور رذیلوں کے ہاتھ آجائے گی جو اس کے اہل نہ ہوں گے۔ یہ شاندار محل بنوانے اور اپنے عیش و آرام کے سامان مہیا کرنے میں مصروف رہیں گے اور اسی کو سربایہ فقر و مباحات جانیں گے اور اپنے ذاتی مفاد کے لیے جو زور توڑ کرتے رہیں گے۔ ان کے دل میں قوم کا درد نہ ہوگا۔ یہ تکبر اور ظالم ہوں گے اور اسی ظلم و تکبر میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔ اسی مضمون کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اور فرمایا ہے :-

اِذَا رُسِدَ الْاُمَمُ اِلَى عَصِيْرِ اَهْلِهِ فَاَنْتَضِرُ | جب حکومت اور مناصب نااہلوں کے سپرد ہونے لگیں
السَّاعَةِ | تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔

کوئی شک نہیں، زبانِ نبوت کی ان پیش گوئیوں کے غور کی ابتداء ہو چکی ہے۔

جبریل کی واپسی | جب یہ سوال وجواب ختم ہو گئے تو سائل اٹھ کر چلے گئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ان کو تلاش کرو صحابہ نے تلاش کیا مگر نہ ملے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ جبریل امین تھے۔ اس لیے آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔ ظاہر ہے کہ جبریل علیہ السلام سائل بن کر آئے نہ کہ معلم مگر اس کے باوجود ان کو معلم اس لیے فرمایا کہ ان کے سوال کے ذریعہ سے صحابہ کو دین کی تمام ضروری باتوں کا علم ہو گیا اور زبانِ نبوت سے دین کا خلاصہ اور لب لباب بیان فرما کر صحابہ کے علم کی تکمیل کرا دی گئی اور ان کو اس امانت کا امین بنادیا گیا۔

کیا قیامت کا علم کسی کو نہیں | منکرین علم غیب نبوی بخاری کی اس حدیث کو بڑے زور شور سے پیش کیا کرتے ہیں کہ دیکھ لو جب جبریل امین نے حضور علیہ السلام سے قیامت کا وقت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ساکبہ سے زیادہ نہیں جانتا اور اسی پر بس نہیں حضور علیہ السلام نے اس کے بعد قرآن پاک کی وہ آیت بھی بطور استشہاد پڑھی جس میں یہ ہے کہ پانچ غیب ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ انہیں

میں قیامت بھی ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا علم نہیں اور آپ جمیع اشیا کے عالم نہیں ہیں۔
جواب: جو آیت مبارکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی اس کا مفہوم یہ ہے کہ پانچ باتیں ایسی ہیں جن کا علم حقیقی خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے اور وہ یہ ہیں ۱۔ قیامت کا وقت ۲۔ بارش کب ہوگی ۳۔ پیٹ میں لڑکھانے یا لڑکی ۴۔ مِل یہ کیا کرے گا ۵۔ اور کس زمین پر مرے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ دیانتداری کے ساتھ دلائل شرعیہ پر نظر رکھتے ہوئے یہ غور کیا جائے کہ اس آیت کا صحیح مطلب کیا ہے۔

۱۔ یہ پانچ غیب کی باتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کسی کو بتانے پر قادر نہیں ہے اگر مطلب یہ لیا جائے تو عقلاً و نقلاً باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۵ لہذا یہ مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان پانچ امور غیبیہ پر کسی کو مطلع کرنے پر بھی قادر ہے۔

۲۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے مطلع کر دینے اور سنا دینے سے بھی کوئی ان غیب کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتا تو ایسا کتنا صریحاً جہالت ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا علم عطا فرمادیا تو وہ شخص اس چیز کا عالم ہو گیا۔ عالم کو جاہل کتنا اپنی جہالت کا اعتراف ہے۔
 ۳۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا تو یہی غلط ہے اور ایسا کتنا قرآن اور حدیث کی متعدد تفصیلات کا انکار کرنا ہے جو کفر ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر اپنے ہرگزیدہ رسولوں کو مطلع کرتا ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ فَلَا يَظْهَرُ عَلٰی غَيْبِهِمْ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارٰذَلْنٰهُ مِنْ رَّسُوْلٍ حَسْبُكَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنِّهٖ يَخْفٰی عَنْ عَصٰی الْعٰلَمِيْنَ ۱۰۰ لہذا اس توضیح سے آیت کا مفہوم صحیح یہ معلوم ہوا کہ یہ پانچ امور غیبیہ بالذات صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ ان کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ خدا کا علم ذاتی ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی چیز کا بالذات عالم نہیں ہے تو آیت زیر بحث میں جو یہ فرمایا گیا کہ ان پانچ باتوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس علم سے علم ذاتی مراد ہے۔ اب رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی کسی کو ان پانچ باتوں کا علم عطا نہیں حاصل ہوتا ہے اس میں اس کی ہرگز ہرگز نفی نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی غیر اللہ سے غیب کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد یہی ذاتی علم کی نفی ہے عطا کی نہیں اور جب آیت میں ذاتی علم کی نفی ہے تو حضور علیہ السلام کے ان کلمات کہ ۱۔ ”جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ قیامت کے وقت کے متعلق سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔“ میں بھی ذاتی علم کی نفی ہے یعنی اس کے لیے بالذات ذمہ وقت قیامت کو جانتے ہو اور نہ میں۔ رہا اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے سے جانا اس نفی ذاتیہ میں ہے اور نہ حضور علیہ السلام کے ان کلمات میں۔ چنانچہ مطیع عہد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشترط المسائل شرع مشکوٰۃ کتاب الایمان میں تحریر فرمایا ہے کہ ۱۔

یعنی مراد یہ ہے کہ ان امور غیبیہ کو بغیر اللہ کے بتانے ہوئے عقل کے انداز سے کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ ان کو خدا کے

مراد آفت کہے تعلیم الہی بحسب عقل ہیج کس
 یہاں باخاندانہ امور غیب اندک جو خدا کے آن دا خدا مگر

آں کہ دے تعالیٰ از نزد خود کے راہی و الہام بدانا نہ
سوا کوئی نہیں جانتا مگر وہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے
بتا دے وحی سے یا الہام سے۔

تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت شیخ ملا جبرین استاد عالمگیر بادشاہ علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا کہ اگرچہ ان
پانچوں باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن جائز ہے کہ اللہ عز وجل اپنے محبوبوں اور ولیوں میں سے جس کو چاہے
بنادے کبریا کی لفظ خیر بمعنی مغیر ہے (تفسیرات احمدیہ)

یہی مضمون تفسیر صادی زیر آیت، ما ذاکم بآیات، تفسیر عرائس البیان زیر آیت یَسْأَلُ مَا فِي الْأَنْعَامِ د
تفسیر روح البیان اور دیگر تفاسیر میں ہے کہ ان پانچوں باتوں کا علم بے تعلیم الہی کسی کو نہیں لیکن اللہ کی تعلیم دینے سے انبیاء کرام
کو اور ان کے وسیلہ سے اولیاء کرام کو بھی حاصل ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل معلومات اور مکمل جوابات کے لیے کتاب الکلمۃ العلیا
مصنفہ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ مراد آبادی کا دیکھنا مفید ہوگا۔ حدیث چونکہ زیر بحث آگئی ہے
اس لیے مختصر گفتگو کی گئی۔

۱۔ اجماع ان احادیث کو بھی پیش کر دیں جن سے یہ واضح ہوگا کہ حضور علیہ السلام کو "مُؤْتَمِرٌ" کا علم بھی عطا ہوا۔ چنانچہ
بخاری شریف کی کتاب بَدْءُ الْخَلْقِ وَذِكْرُ الْأَنْبِيَاءِ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے تا قیام قیامت کی خبر دیدی۔ حتیٰ کہ اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں پہنچ گئے۔
یعنی از روز اول تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ کی خبر حضور علیہ السلام نے دیدی۔ مسلم شریف کے الفاظ ہیں۔

۱۔ قَاتِلُكُمْ مَاتَ سَبْعًا هُوَ حَيٌّ كَرَامَاتٍ | ہم کو حضور علیہ السلام نے تمام ان واقعات کی خبر دیدی جو
قُومُوا الْقِيَامَةَ (مشکوٰۃ باب المعجزات) | قیامت تک ہونے والے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے تمام ہونے والے واقعات بیان فرما دئے تو اب یہ کیسے ممکن ہے
کہ آپ کو قیامت کا علم نہ ہو کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا
ترجمہ آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہی دنیا کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء تو اس حدیث سے ثابت ہوئی کہ حضور علیہ السلام کو
قیامت کے وقت کا علم ہے۔

۲۔ ترمذی بابُ الْفَلَاحَاتِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فتنہ یا جوج ماجوج کے بعد
اللہ تعالیٰ عالمگیر مینہ بھیجے گا۔

مشکوٰۃ باب لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى أَشْرَارِ النَّاسِ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا جب سب لوگ
جائیں گے تو بارش ہوگی۔ جس سے آدمیوں کے جسم بحال ہو جائیں گے۔ دیکھئے بارش کب آئے گی؟ اس کی خبر حضور علیہ السلام
سینکڑوں برس پہلے دے رہے ہیں۔

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام مہدی کے پیدا ہونے کی اطلاع دی۔ اس سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام کو
لڑکا پیدا ہونے کی اس وقت سے ہے جب نطفہ بھی باپ کی پیٹھ میں نہیں۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام نے حضرت

امام حسین علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اطلاع دی۔ (مشکوٰۃ شریف)

۴۔ کل کی بات کی اطلاع اسی حدیث سے ثابت ہو رہی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے قیامت تک ہونے والے واقعات بیان فرما دیئے۔ نیز بوقت جنگ خبہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کل ہم فرج کا نشان ایسے شخص کو دیں گے جس کے ہاتھ پر خیر فرج ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یکل کی خبر حضور علیہ السلام نے دی۔

۵۔ خود اپنی وفات شریف کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ معاذ قریب ہے کہ اس سال کے بعد ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو اور تم میری اس مسجد اور قبر پر گزرو۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ عسى ان لا تلقانی بعد عامی هذا ولعلک آت تسر بيسجدی هذا وخبیری۔ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے نہ صرف اپنی وفات کی اطلاع دی بلکہ اپنی وفات کی جگہ اور قبر مبارک کی جگہ بھی بتادی۔ بہر حال اس قسم کے مضمون کی سینکڑوں حدیثیں ہیں جو اس امر پر دال ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عز وجل نے ان پانچ باتوں کا علم بھی عطا فرمایا۔ اور مفتی رشید حضرت علامہ سید محمد آلوسی روح المسانی میں لکھتے ہیں :-

كَلَّمَ يَعْزِزُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حَتّٰى عَلِمَهُ كُلُّ شَيْءٍ يُمْكِنُ اَلْعِلْمُ بِهِ
(تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۴)

جس کا علم آپ کو دینا ممکن تھا۔ اور قیامت کے وقت کا علم عطا ہونا محال نہیں ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو قیامت پر پکارنے کا جب حکم ہوگا تو وقت قیامت ان پر ظاہر ہوگا۔ جب حضرت اسرافیل کو قیامت کے وقت کا علم دیا جانا ممکن ہے تو حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیوں ناممکن ہو۔ اسی لیے شام بخاری علامہ قسطلانی فرماتے ہیں۔
وَلَا يَعْلَمُ مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَحَدٌ مِّنْ اَللّٰهِ اِلَّا مَنِ ارَادَ نَضِي مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يُطْلَعُ عَلٰی مَا يَشَاءُ مِنْ غَيْبِهٖ وَالْوَلٰى السَّابِغُ
يَاْخُذُ عَنْهٗ

سے غیب کا علم حاصل کرتے ہیں۔
بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور آپ تو تمام کمالات اولین و آخرین کے جامع ہیں۔ علامہ ام قریظی اور علامہ آلوسی اور سیدی احمد بن مبارک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام کو بھی حضور کے وسیلہ سے علم خمسہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ امام قریظی فرماتے ہیں :-

فَمَنْ اَدْعٰى عَلٰی شَيْ غَيْرِ مَسْنَدِ اِلَى
رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ كَاذِبًا دَعُوْهُ

جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کیا وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا۔

اور سیدی غوث عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ سے جب ان پانچ چیزوں کے علم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا۔

فَقَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَعَنْ سَادَتِنَا
الْعُلَمَاءِ وَكَيْفَ يَخْفَى أَمْرُ الْخَمْسِ عَلَيْهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ أَهْلِ
التَّصَرُّفِ مِنْ أَمْتِهِ الشَّرِيفَةِ لَا يَمْكِنُهُ
التَّصَرُّفُ إِلَّا بِمَعْرِفَتِهَا (ابریزہ ص ۲۸۲)

کا انہیں علم نہ ہو۔

ابن علم و فکر کے لیے یہاں یہ بات خصوصی طور پر غور و فکر کی متقاضی ہے کہ حضرت جبرائیل کے سوال پر نبی علیہ السلام نے وقت قیامت کے علم کی نفی نہیں فرمائی۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے وقت قیامت کا علم نہیں ہے بلکہ نہایت لطیف انداز میں یہ فرمایا کہ قیامت کے بارے میں سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ آپ کو وقت کا علم تو تھا مگر متعدد حکمتوں کی بنا پر اس کا اظہار اس لیے نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو علم قیامت کے بتانے سے حضور کو منع فرمادیا تھا جیسا کہ قسطلانی آلوسی اور علامہ صاوی نے تصریح فرمائی۔

نبی علیہ السلام کو تین قسم کے علم عطا ہوئے

حضرت شیخ عبدالغنی محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نبی کی قسم
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے علم عطا فرمائے
اول وہ علم جس کا تعلق تبلیغ دین سے ہے (یعنی اسلام کے وہ احکام و مسائل، عقائد و
اعمال جن کی تبلیغ اور انہیں امت تک پہنچانا آپ کا فرضِ نبوت ہے اور جن کی تبلیغ میں کوئی تباہی آپ کی ذانتہ انداز سے ممکن ہے،

میں (مدارج ج ۱ صفحہ ۱۶۸) اول وہ علم جس کا تعلق تبلیغ دین سے ہے (یعنی اسلام کے وہ احکام و مسائل، عقائد و
اعمال جن کی تبلیغ اور انہیں امت تک پہنچانا آپ کا فرضِ نبوت ہے اور جن کی تبلیغ میں کوئی تباہی آپ کی ذانتہ انداز سے ممکن ہے،

نہیں ہے اور جس کے متعلق سورہ مائدہ میں ارشاد ہے۔
يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ
مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ
رِسَالَاتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ ۶۷)

دوم، وہ علم جس کے متعلق حضور علیہ السلام کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ جسے اس علم کا اہل سمجھیں اُسے بتادیں جیسے صحابہ کرام یا
خصوصی طور پر حضرت خذیفہ بن میان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منافقین کی پہچان کا علم دیا (اسد الغابہ ج ۱: ص ۲۹) یا جیسے بعض
وہ علوم جن کے ساتھ حضور نے حضرت ابوہریرہ کو خاص کیا اور انہیں وہ علوم عطا فرمائے۔ چنانچہ جناب ابوہریرہ فرماتے ہیں
میں نے نبی علیہ السلام سے دو بڑے علم کے بھرے ہیں۔
ایک تو وہ جس کو میں نے نشر کر دیا اور دوسرے بڑے
کے علم کو ظاہر کر دوں تو میری شہ رگ کاٹ
دی جائے۔

حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَعَاشِينَ قَامًا أَحَدُهُمَا بَشَتْ
وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَوْ بَشَتْهُ قَطِيعَ هَذَا
الْعِلْمِ (بخاری ج ۱ ص ۲۳)

سوم وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے حضور کو دیا مگر دوسروں پر اس کے انکشاف سے منع فرمادیا۔ جیسے علوم خمسہ (یعنی قیامت کا علم، بارش کب ہوگی، کل کیا ہوگا، کون کہاں وفات پائیگا۔ شکم مادر میں کیا ہے) اور سب کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ مگر دوسروں پر اس کے اظہار و بیان سے منع فرمایا۔

چنانچہ علامہ شیخ احمد صادی مالکی فرماتے ہیں۔

قَالَ اَلْعُلَمَاءُ اَلْحَقُّ اِنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ مِنْهَا
مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلَى رِتْلِكَ
الْخَمْسِ وَلَكِنَّهُ اَمَرَهُ بِكْتُمِهَا

(تفسیر صادی ج ۳ ص ۲۱۵)

علماء کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرمادیا۔ لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمادیا۔

اب رہا یہ سوال کہ علم قیامت کے انکشاف سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیوں منع فرمادیا تھا تو اس کی متعدد وجوہ ہیں جن میں سے دو یہ ہیں۔ سورہ اعراف میں ارشاد ربانی ہے۔

۱ قیامت نہیں آئے گی مگر تم پر اچانک

لَا تَأْتِيَكُمْ إِلَّا بَغْتَةً

تو اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کے وقت کا اظہار فرمادیتے تو تصریح قرآنی کے مطابق قیامت بغتہ (اچانک نہ رہتی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر قیامت کے وقوع کا وقت معلوم ہو جائے تو سارا نظام عالم درہم درہم ہو جائے اور قیامت کے قریب آنے سے پہلے ہی انسان پر قیامت قائم ہو جائے جو کہ ناممکن ہے اس لیے علم قیامت کے اظہار سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمادیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ جب جبرائیل امین نے قیامت کی علامات سے متعلق سوال کیا تو حضور نے علامات قیامت میں سے چند بیان فرمادیں اور بعض احادیث میں وقوع قیامت کا دن، حمیہ، تاریخ تک بیان فرمادی۔ مثلاً یہ کہ محرم کی دس تاریخ جمعہ کے دن قیامت آئے گی۔ صرف سن نہیں بتایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو قیامت کا علم نہ تھا۔ بلکہ وجہ یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے اظہار و انکشاف سے منع فرمادیا تھا۔ (خاتم)

حضور علیہ السلام کے جوابی کلمات ما المستسئل عنها اعلم من المسائل سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں تھا۔ پھر علم اکرم تفصیل کا صبیحہ ہے جس کے معنی ہیں بہت جانا۔ تو حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادہ جاننے کی نفی فرمائی۔ اسی لیے جبریل امین نے حضور علیہ السلام سے قیامت کی نشانیاں پوچھیں تو آپ نے بتائیں بلکہ کثیر علامات قیامت متعدد دوسری احادیث میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ جس کو قیامت کا علم نہ ہو اس سے قیامت کی نشانیاں پوچھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ نیز نبی علیہ السلام نے جس انداز سے جبریل امین کو جواب دیا۔ اس سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ وقت قیامت کا علم بالذات اللہ تعالیٰ کو ہے اور یہ کہ ایک مومن کے لیے مسابہا کافی ہے کہ وہ قیامت پر ایمان لائے اور قیام قیامت کو حق سمجھے اور بس لیکن

وقت قیامت کے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری نے مرقات جلد اول میں اور امام قسطلانی اور علامہ عینی نے تحریر فرمایا ہے:-

فَمِنْ الدَّعَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهَا عَنِ الْمُسْتَعِدِّ
إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ كَذِبًا فِي دَعْوَاهُ (یعنی جلد ۱ ص ۳۳۷)

یعنی جو شخص یہ کہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر قیامت کے وقت کو جانتا ہوں وہ جھوٹا ہے کیونکہ حضور اکرم علیہ السلام کے واسطے کے بغیر کوئی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ لغات میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

الْمُسْرَادُ لَا تَقْلَمُ بِدُونِ تَعْلِيمِ اللَّهِ تَعَالَى
حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اسی حدیث کی شرح میں لکھا کہ جب روح روشن ہو جائے اس کی نورانیت اور اشراق میں اضافہ ہو جائے اور آئینہ قلب کو ذرات نفسانیت سے پاک ہو جائے اور بندہ علم و عمل پر مطلقیت کرے یعنی حضور پر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے اور شریعت کی پابندی کرے۔

حتیٰ کہ اس کا نور قوی ہو جائے اور فضا قلب میں پھیل جائے تو پھر قلب پر لوح محفوظ کے نقوش کا عکس آتا ہے اور آدمی منیبات پر مطلع ہوتا ہے اور اجسام عالم سفلی میں تصرف کرتا ہے بلکہ اس وقت فیاض اقدس کی معرفت کا انکشاف ہوتا ہے جو کہ بہترین نعمت ہے تو دیگر نعمتیں کس شمار میں؟

حَتَّى يَقْوَى النُّورُ وَيَنْبَسِطَ مِنْ فَضَاءِ قَلْبِهِ فَتَعَكَّسَ فِيهِ النُّقُوشُ الْمُرْتَمِةُ فِي اللُّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَيَطْلُعُ عَلَى الْغَيْبَاتِ وَيَتَصَرَّفُ فِي أَجْسَامِ الْعَالَمِ السُّفْلِيِّ بَلْ يَتَعَلَّى حَيْثُ غِثَا الْغَيْثِ أَذْ قَدْ سُبِعَ عَرَفَتِهِ الْبَقِيَّةُ هِيَ اشْرَافُ الْعَطَايَا فَكَيْفَ يُعَيَّرُهَا

حضرت ملا علی قاری کے اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب بندہ تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر پہنچتا ہے تو اس کے لیے لوح محفوظ کے نقوش اور غیب ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جب کہ ایک مومن وقتی کا یہ حال ہے تو حضور ربّ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مرتبہ ہوگا۔

حدیث زیر بحث سے مندرجہ ذیل مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

مسائل حدیث

- ۱۔ ایمان یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کے رسولوں پر اور بعثت و نشور پر ایمان لائے۔ یعنی ان حقیقتوں پر ایمان لایا جائے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں۔
- ۲۔ اسلام یہ ہے کہ بندہ بالکل اپنے کو اللہ کا مطیع و فرمان بردار بنا دے۔ اسی کا نام اسلام ہے اور اركان اسلام عبادت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اسی کے مظاہر ہیں۔ احسان یہ ہے کہ اللہ کی ہستی کا ایسا استحضار اور دل کو اقمیر حضور و شہود کی ایسی کیفیت نصیب ہو جائے کہ اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی بندگی اس طرح ہونے لگے گویا کہ وہ پاک، بے نیاز اپنے پورے جمال و جلال کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے اور ہم اُسے دیکھ رہے ہیں۔

مسلم شریف میں ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے دین کی باتیں پوچھ لو۔ صحابہ کرام سوالات کے لیے تیار ہوئے تو جبریل امین انسانی شکل میں حاضر ہوئے اور انھوں نے مذکورہ سوالات کئے (مرقات ج ۱ ص ۱۴۷)۔
 معلوم ہوا کہ جبریل امین کی حاضری اس لیے تھی تاکہ وہ اپنے عمل سے بتا دیں کہ نبی (علیہ السلام) کے دربار میں حاضری کے آداب کیا ہیں اور نبی سے سوال کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

سلیمان نبی کی روایت میں ہے کہ جبریل امین دربار نبوت میں ایسے بیٹھے جیسے نمازی نماز میں بیٹھتا ہے۔ کسا۔
 مجلس احداً فی الصلوٰۃ (یعنی ج ۱ ص ۳۲۹) مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جبریل امین حضور علیہ السلام کے دربار میں دوڑاؤ ہو کر بیٹھے اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ دیئے۔

حضرت ملا علی قاری اس موقع پر لکھتے ہیں کہ جبریل امین بالکل انسانی شکل میں حاضر ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نورئ لباس بشری میں آتے ہیں اور اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگوں کا ان سے رابطہ ہو جائے کیونکہ مجلس اپنی مجلس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بحضور مریم علیہ السلام بھی جبریل انسانی شکل میں آئے تھے۔ قرآن میں ہے۔ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دربار نبوت میں تھے کہ اچانک ایک شخص نے طلوع کیا جس کا علیہ یہ تھا۔ بال بہت کالے، پٹھے انتہائی سپید، ان پر سفر کے اثرات بھی نہ تھے۔ پھر انہوں نے حضور علیہ السلام سے سوالات کیے۔ آپ نے جواب دیئے۔ ان کے جانے کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ جبریل امین تھے تم کو تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ نور جب لباس بشریت میں آتے تو اس کے ظاہری لباس کی وجہ سے اس پر بشر کا اطلاق ہو جاتا ہے مگر اس لباس بشری کے باوجود رہتا نور ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبریل امین کو لباس انسانی میں دیکھا تو ان کو رمل کہا لیکن ان کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ تھے۔ تو اسی طرح حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں لباس بشریت میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور اسی لباس بشریت کی وجہ سے آپ پر لفظ بشر کا اطلاق ہوتا ہے یعنی سے

محمد بن روح حدیث ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے
 جبریل امین نے عرض کی یا رسول اللہ! خبر دیجئے۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہاں امر اسدہ کا کہ ہے
 بَيِّنَةٌ يَفْطَنُ بَاتٍ بَعْدَ كَذِبِهَا كَرَامٍ طَائِفَةٌ عَلَوِيَّةٌ سَعْدٌ دَاعِلِيٌّ هِيَ (مرقات جلد اول ص ۱۴۷)

علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جبریل امین حضور علیہ السلام سے صحابہ کی موجودگی میں سوالات کرنا اس لیے تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علم و معرفت کا خزینہ ہیں۔ حضرت ملا علی نے و تَوَفَّى الزَّكَاةَ كَتَحْتِ لَهَا ہے کہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ میں تغلیک شرط ہے یعنی جب تک کسی ستمی کو زکوٰۃ کا روپیہ دے کر اس کو اس کا مالک نہ بنایا جائے اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۴۸۔ یہاں امام نے حدیث ہرقل لکھی ہے جو بحقیقت ترجمہ کے اوپر گزری چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۶

بَابُ فَضْلِ مَنْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ

باب اسکی فضیلت کے بیان میں جو دین کی حفاظت کیلئے (گناہوں) سے بچے

زہد کے معنی دنیا میں انہماک سے بچنے کے ہیں اور ورع کے معنی یہ ہیں کہ آدمی مشہات سے پرہیز کرے۔ عنوان باب کا حاصل یہ ہے کہ دین میں اقیاط کی جائے اور مشہات سے بچنے والا اس شخص سے افضل ہے جو مشہات سے پرہیز نہیں کرتا۔ اس عنوان کے تحت امام نے جو حدیث درج کی ہے۔ علماء و فضلاء نے اس کی شرح میں نقل رسالے لکھے ہیں اور اس کو مہات حدیث سے قرار دیا ہے۔

۴۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ حَدَّثَنَا ذَكَرِيَّا عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيْنَ الْحَرَامِ بَيْنَ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشْتَبِهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِزِّهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَّاجٌ يَزِرْ عَلَى حَوْلِ الْحِلِّ يُزِيلُكَ أَنْ يَتَوَاقَعَةَ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِجِّي أَلَا إِنَّ حِجِّيَ اللَّهُ فِي أَرْضِهِ حَارِمَةٌ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (بخاری شریف)

عامر کہتے ہیں میں نے نعمان بن بشیر سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال و حرام دونوں واضح ہیں اور ان دونوں کے بیچ میں مشہات ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے پھر جو کوئی شبہ کی چیزوں سے بچے۔ اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو بادشاہ کی محفوظ زمین کے آس پاس اپنے جانوروں کو چرائے تو قریب ہے کہ وہ اس محفوظ زمین میں داخل ہو جائیں۔ سن لو ہر بادشاہ کی ایک محفوظ جگہ ہوتی ہے اور اللہ کا حی وہ امور ہیں جو اس نے حرام قرار دیئے۔ خبردار اقلیم بدن میں ایک گوشت کا ٹوٹھرا ہے اگر درست ہے تو سارا جسم درست ہے اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا اور وہ دل ہی ہے۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم و نسائی نے کتاب ایبوح میں بھی ذکر کیا ہے اور ابن ماجہ نے کتاب افتقن میں ۲۔ حضرت نعمان بن بشیر مشہور صحابی ہیں۔ ان کے والد اور والدہ بھی صحابی تھے۔ یہ ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے مولود ہیں۔ ۳۔ یہ میں ان کی شہادت ہوئی۔ ان سے کل ۱۱۴ حدیثیں مروی ہیں۔ نعمان نامی صحابی تفریقا۔ ۴۔ ہوئے ہیں مگر نعمان بن بشیر ہی ایک ہیں۔

حلال اور حرام شریعت کی مشہور اصطلاح ہے۔ مبین اس کے معنی ظاہر اور واضح کے ہیں۔ یعنی وہ امور جن کا حکم بالکل ظاہر ہو۔ مشہات وہ بات ہے جن کا حکم ظاہر نہ ہو۔ استبرار برأت کے اصل معنی کسی چیز سے دور ہونے یا زائل کرنے کے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں فلان اس بات سے بری ہے یا فلان میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ مضغ گوشت کے ٹوٹھرے کو کہتے ہیں۔ قلب دل کو کہتے ہیں۔ کبھی قلب سے مراد عقل بھی لی جاتی ہے۔ جیسے اس آیت میں إِنَّ فِي ذَلِكَ

لَكَذَلِكَ لَمْ يَكُنْ كَانَهُ قَلْبٌ اس قرآن میں نصیحت ہے اس کے لیے جو قلب سلیم رکھتا ہے یعنی عقل صحیح رکھتا ہے۔ الحاحی - ح کے زیر اور م کے زیر کے ساتھ زین کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو بادشاہ اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے اور کسی اور کو اس میں آنے یا اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ قال الجوهری هذا شئ حلی ای محصور لا یقرب منه

۱- فرمایا حلال و حرام بالکل واضح ہیں۔ یعنی جن چیزوں کو قرآن و حدیث نے حرام یا حلال قرار دیا ہے ان کی حرمت و علت بالکل ظاہر و واضح ہے۔ ان میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی علت و حرمت مشکبہ ہوتی ہے اور دلائل میں تضاد کی وجہ سے بہت لوگ ان کے اصلی حکم کو نہیں جانتے لہذا جو شخص مشتبہات سے پرہیز نہیں کرتا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے چرواہا ایسی زمین کے ارد گرد بکر ماں چراتے جو زمین بادشاہ نے اپنے لیے مخصوص کر رکھی ہے تو لامحالہ ایک دن ایسا آجیگا کہ بکریاں اس محفوظ زمین میں داخل ہو جائیں گی تو یہی حال مشتبہات کو اختیار کرنے والے کا ہے۔ ۲- بعض علمائے اس حدیث کے یہ معنی لیے ہیں کہ حدیث میں احکام و مسائل سے حوادث و وقائع کی طرف انتقال ہے لہذا معنی حدیث یہ ہے کہ جو مشبہ سے بچا اس نے اپنے دین کو ضائع ہونے سے بچا لیا اور جس نے تمت کیا، جگہ سے پرہیز کیا اس نے اپنی عزت و ناموس کو بچا لیا۔

۳- علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اشیاء میں قسم پر ہیں۔ اول وہ جن کا حلال ہونا بالکل واضح ہے جیسے پانی، روٹی، میوہ وغیرہ دوم، وہ جن کی حرمت بالکل ظاہر ہے جیسے شراب، خنزیر، خون، زنا، سود وغیرہ سوم، شبہات وہ امور جن کی علت و حرمت واضح نہیں ہوتی۔ اسی لیے عوام ان کے حکم کو نہیں جانتے تو علما مجتہدین ایسے امور کے احکام بھی نص یا اجماع یا قیاس سے معلوم کر لیتے ہیں اور جب کسی چیز کا حکم واضح نہیں ہوتا تو مجتہد قرآن و حدیث جو دین کی اصل ہے اس میں غور کر کے دلیل شرعی کے ساتھ مشتبہات کا حکم معلوم کر کے اس کو حرام یا حلال کی فہرست میں شامل کر دیتے ہیں۔

علامہ خطابی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد لا یدری کثیر من الناس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اکثر لوگ (عوام) مشتبہات کے حکم کو نہیں جانتے مگر بعض جانتے ہیں یعنی علما مجتہدین اجتماع سے اس کا حکم بھی معلوم کر لیتے ہیں تو یہ چیزیں مشتبہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو اجتہاد ہی بصیرت کے مالک نہیں ہیں (یعنی جلد اول ص ۳۵)

واضح ہو کہ وہ چیزیں اور وہ کام جن کی علت و حرمت کے متعلق شریعت خاموش ہے یا ان کے کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت نہیں دی گئی ہے ایسی تمام چیزیں یا کام یا احلال یا حرام میں داخل ہیں کیونکہ مشتبہات سے وہی کام اور چیزیں مراد ہیں جن کے متعلق شریعت سے کوئی واضح حکم نہیں ملتا اور دلائل شرعیہ میں غور کرنے سے اس کے حکم میں شک پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کو حلال قرار دیا جائے یا حرام، ایسے شبہ امور سے بچنا چاہیے پھر اس میں بھی دو طبقے ہو جائیں گے۔

۱- عوام لوگ۔ جو اجتہاد ہی بصیرت نہیں رکھتے ان کے لیے ایسے امور بہر حال مشتبہات ہی رہیں گے۔

۲- مجتہدین کرام۔ جو اجتہاد ہی بصیرت کے مالک ہیں وہ دلائل پر غور و فکر کر کے ان کا حکم معلوم کریں گے۔ ان کے لیے یہ امور مشتبہ نہ رہیں گے لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مجتہد باوجود کوشش بسیار کے اور دلائل میں غور و فکر کے ان کا حکم معلوم نہ کر سکے۔

تو اس صورت میں مجتہد کے لیے بھی یہ امور مشتبہ رہیں گے۔

چنانچہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ یغیثہ تفرغ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں خود اس کو استعمال نہیں کرتا لیکن اگر کوئی مجھے بہت تعلیم کی سلطنت دے اور کہے کہ اس کو حرام قرار دیدو تو میں اس کو حرام قرار دینے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں اور وجہ اس کی یہی اشتباہ ہے۔ بہر حال درج اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ امور مشتبہ سے پرہیز کیا جائے۔

واضح ہو کہ مشتبہات کا لفظ قرآن میں بھی آیا ہے۔ لیکن کہیں اس کے معنی اباس کے ہیں اور کہیں تصدیق کے اور اصل یہ ہے کہ اگر تشابہ کا صلہ علی ہو۔ اگرچہ محدوف ہی ہو تو

تحقیق لفظ مشتبہات

معنی التباس کے ہوں گے۔ جیسے ان دونوں آیتوں میں ۱۔ اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا اَى الْبَقَسَ عَلَيْنَا۔ ۲۔ مِنْهُ اَيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ۔ ان دونوں آیتوں میں التباس کے معنی میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صیغوں کے تغایر کی وجہ سے لفظوں کے معنی میں تغایر پیدا ہو جائے تو وہ لفظ مشترک معنوی ہو جاتا ہے۔ فافہم۔

بَابُ اَدَاءِ الْخُمْسِ مِنَ الْاِيْمَانِ

باب مال غنیمت سے پانچواں حصہ دینا علامت ایمان ہے

اس باب نے امام بخاری نے ایک حدیث ذکر کی ہے۔ جس کے ابتدائی جملوں کا خلاصہ یہ ہے۔ ابی حمزہ سے حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ جب وفد عبد القیس دربار نبوی میں

حدیث وفد عبد القیس

حاضر ہوا تو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ تم کس قوم سے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ ربیعہ سے۔ آپ نے ان کو مرحبا کہا۔ انہوں نے عرض کی حضور ہمارے اور کفار مضر کے درمیان جنگ رہتی ہے۔ اس لیے ہم صرف ان مبینوں میں حاضر ہو سکتے ہیں جن میں لڑائی بند رہتی ہے یعنی شہراہرم (ذی قعد، ذی الحجہ وغرم)۔ واضح ہو کہ ان مبینوں کا کفار بھی احترام کرتے تھے اور لڑائی وغیرہ بند کر دیتے تھے۔ حضور (علیہ السلام) ہم کو چند اصولی باتیں بتا دیجئے جس کی وجہ سے ہم جنت میں ہیں جائیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار باتوں کا حکم فرمایا اور چار باتوں سے منع فرمایا۔ ان کو حکم دیا کہ ایک خدا پر ایمان لاؤ۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اکیلے خدا پر ایمان لانا کیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا۔

شہادت دینا اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ (بیت المال اسلامی) میں جمع کرنا اور چار باتوں سے منع فرمایا۔ حنم و نفقہ، مزنت یا مقیر سے پھر

۵۰۔ قَالَ شَهِادَةُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تَقُطْعُوْا مِنَ الْخُمْسِ الْخُمْسَ وَنَهَا هُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الْحَنَمِ وَالذَّبَاۓ وَالنَّفَقِیْرِ وَالْمَزَنَةِ وَرَبَّنَا قَالَ الْمَقْبِرِ وَقَالَ اَحْفَظُوْهُنَّ وَاخْبِرُوْهُنَّ مَنْ

وَرَأَى كُمْ

(بخاری شریف)

فرمایا۔ ان باتوں کو یاد کرو اور دوسروں تک پہنچا دو
۱۔ اس حدیث کو امام نے ۱۰ جگہ ذکر کیا۔ زکوٰۃ، صلوٰۃ، خمس، مغازی، خبر واحد، کتاب العلم،
ادب و مناقب قریش اور توحید میں اور مسلم نے ایمان میں۔ ابوداؤد نے کتاب الاشرار میں اور سنن
یہ اور ترمذی نے سیر اور ایمان میں اور نسائی نے علم اور ایمان اور صلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔

فَوَدَّ مَسَائِلَ

۲۔ ذباہ۔ اس برتن کو کہتے ہیں جو طائف کے باشندے کدو کے دو ٹکڑے کر کے ٹکھا دیا کرتے تھے۔ فقیر، کھجور
کی بڑے پیالہ کو کہتے ہیں جو پیامہ کے باشندے بناتے تھے۔ مُزَقَّتٌ، جس برتن پر رال وغیرہ کا پلستر ہوتا ہے۔ اس کو
قار اور قیر بھی کہتے ہیں۔ حَشْمٌ، ٹھکا مرخ رنگ کا جس کی ٹونٹی ایک جانب ہوتی ہے یا وہ ٹھکا جو مٹی اور بال وغیرہ
سے بنایا جاتا تھا اور اس میں شراب رکھی جاتی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے قبیلوں کے وفد اسلامی احکام معلوم کرنے آیا کرتے تھے اور
پھر واپس لوٹ کر یہ وفد اپنے اپنے قبیلوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ وفد عبد القیس بھی اسی سلسلہ میں آیا تھا اور حضور
سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی ضروری باتیں جو حدیث بالا میں مذکور ہیں تعلیم فرمائیں ۲۔ اس حدیث
میں حج کا ذکر نہیں ہے حالانکہ حج بھی فرائض و ارکان اسلام سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وفد مشہور ہیں فتح مکہ سے
قبل آیا تھا اور حج فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں فرض ہوا۔ لہذا قالہ القاضي عیاض (یعنی ج ۱ ص ۳۶)

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذباہ، حَشْمٌ، فقیر اور مزقَّت نامی برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا کیونکہ ان
برتنوں میں شراب استعمال ہوتی تھی۔ یا یہ کہ ان برتنوں میں فقیر رکھا جائے تو نشہ جلد پیدا ہوتا ہے۔ جب شراب حرام ہوئی
تو آپ نے ان برتنوں کے استعمال کی احتیاطاً ممانعت فرمادی تاکہ کسی موقع پر بھی شراب کا خیال نہ آئے (ملاقات جلد ۱
صفحہ ۷۹) یا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان برتنوں میں شراب کا اثر باقی تھا اور جب یہ اثر جاتا رہا تو اس کے بعد آپ نے ان کے
استعمال اجازت عطا فرمادی۔ جیسا کہ بخاری کتاب الاشرار میں اجازت والی حدیث موجود ہے اور مسلم میں بھی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَعْمَالِ بِالنَّبِيِّ وَالْحُسْبِيَّةِ

باب اس امر کے بیان میں کہ اعمال کا ثواب نیت اور اخلاص پر مبنی ہے

اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو نیت کرے (امام
بخاری کہتے ہیں) اس میں ایمان، وضو، نماز، زکوٰۃ، حج
روزہ اور تمام معاملات داخل ہو گئے (یعنی ان میں نیت
شرط ہے۔)

وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَىٰ فَنَدَخَلْنَا فِيهِ الْإِيمَانَ

وَالْمَوْصُوفُ وَالصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ

وَالْحَجُّ وَالصَّوْمُ وَالْأَخْلَاقُ

(بخاری شریف)

فَوَدَّ مَسَائِلَ

۱۔ اس باب کے قائم کرنے سے امام کی غرض ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف
زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے۔ امام نے یہ بتایا کہ ایمان دل کا فعل ہے اور اس میں نیت شرط
ہے۔ جیسے دیگر اعمال میں نیت شرط ہے ۲۔ گذشتہ باب سے اس باب کا تعلق یہ ہے کہ اس میں ان امور کا ذکر تھا جن

کے کرنے سے آدمی جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس باب میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اعمال کے لیے نیت شرط ہے ۳۔ اس کے بعد امام نے سات چیزیں ذکر کی ہیں جو یہ ہیں:-

۱۔ ایمان - وہ کہتے ہیں ایمان کے لیے بھی نیت شرط ہے۔

۲۔ وضو - امام بخاری کے نزدیک اور اسی طرح امام مالک و شافعی و احمد و عامر اصحاب الحدیث کے نزدیک وضو میں بھی نیت شرط ہے لیکن احناف کے نزدیک وضو کے لیے نیت شرط نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جب تک وضو نیت کے ساتھ نہ کیا جائے تو اس کا ثواب نہیں ملتا۔

۳۔ نماز - اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ نماز کے لیے نیت شرط ہے بغیر نیت کے نماز ہوگی ہی نہیں کیونکہ یہ عبادۃ مقصودہ ہے۔

۴۔ زکوٰۃ - تمام ائمہ متفق ہیں کہ زکوٰۃ بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتی۔

۵۔ حج و روزہ - اس میں ائمہ اربعہ کے نزدیک نیت شرط ہے۔ البتہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک صرف روزے کی نیت کافی ہے۔ رمضان کی تخصیص ضروری نہیں ہے۔ لیکن عطار، عباد اور امام زفر کا مسلک یہ ہے کہ صبح و مقیم کے لیے رمضان میں مطلق نیت کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ رمضان میں نفلی روزہ صبح نہیں ہوتا۔

۷۔ وَالْأَحْكَامُ | یعنی امام بخاری و شافعی کے نزدیک تمام معاملات بیع و شراء، نکاح و طلاق وغیرہ میں نیت شرط ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے بغیر نیت کے یہ کہہ دیا کہ میں نے بیچا، خریدا، رہن رکھا، طلاق دیا تو امام بخاری و امام شافعی کے نزدیک واقع نہ ہوگی۔ لیکن معاملات میں امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک نیت شرط نہیں۔ امام نے نزدیک صرف عبادات مقصودہ میں نیت شرط ہے جیسے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ اور اعمال کا ثواب نیت سے ملتا ہے نہ کہ نیت کے بغیر عمل معتبر ہی نہیں ہوتا۔ ان امور کے متعلق تفصیلی بحث گزشتہ اوراق میں ہو چکی ہے۔

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى قُلْ كُلُّكُمْ عِنْدِي ۖ قُلْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَكُونُ أَجْمَعُونَ | اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے محبوب تم فرادہ ہر شخص علیٰ شاکلہ

۱۔ امام بخاری نے شاکلہ کا ترجمہ ”نیت“ کیا ہے۔ ویسے اصل معنی اس کے ”طبیعت“ کے ہیں۔ یعنی ہر انسان اپنی طبیعت کے مطابق کام کرتا ہے جو خلقہٗ اس کے اندر موجود ہوتی ہے۔ یعنی اگر وہ سیدہ ہے تو اچھے کام کریگا اور اگر شقی ہے تو بُرے کام کرے گا ۲۔ حضرت حسن بصریؒ، قتادہ، معاویہ بن قرقہ الزنی نے اس کے معنی نیت کے کیے ہیں اور بعض مفسرین نے شاکلہ کے معنی دین اور مذہب کے کیے ہیں اور بعض نے طریقہ کے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ جَمَعًا وَنَيْتَةً | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہاد اور نیت باقی ہے۔ (بخاری)

یہ اس حدیث کا ایک نسخہ ہے جو فتح مکہ کے وقت حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمائی تھی کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں کیونکہ اب مکہ دارالسلام ہو گیا ہے لیکن جہاد اور نیت قیامت تک باقی ہیں تو اگرچہ ہجرت منقطع ہو گئی ہے مگر جہاد

اور نیتِ ثواب بھی باقی ہیں۔ ان کے ذریعے آدمی ثواب حاصل کر سکتا ہے۔

وَنِعْمَةُ الرَّجُلِ عَلَىٰ أَهْلِهِ يَحْتَسِبُ بِهَا | اور آدمی جو اپنے اہل و عیال پر خرچ (خلوص نیت کے ساتھ) کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔

یعنی جیسے صدقہ (باعثِ ثواب ہے) میں ثواب ملتا ہے اسی طرح اس میں ثواب ملتا ہے۔ یہ مضمون آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

حدیثُ الْأَعْمَالِ بِالنِّيَّةِ کے چند اہم فوائد و مسائل

۵۱۔ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ رَأَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِكُلِّ امْرٍءٍ مَا فَوَّضَ إِلَيْهِ | حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کا ثواب نیت سے ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو وہ نیت کرے۔

توضیح | یہ حدیث ابتدائے کتاب میں مع تفسیر و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ یہاں مزید نئے فوائد ذکر کئے جاتے ہیں۔ اس حدیث سے جو اصول نکلتا ہے وہ یہ ہے۔ اعمال خواہ وہ فرائض ہوں یا واجبات، مستحبات ہوں یا مباحات، ان کا ثواب اسی وقت ملے گا جب کہ نیت صالح ہو۔ نیز یہ بات یاد رکھئے کہ اس حدیث سے اعمال سے کوئی خاص عمل مراد نہیں ہے۔ لہذا اس میں وہ عمل بھی داخل ہے جس کے متعلق شریعت نے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ اس سے منع کیا ہے یعنی مباح۔ ثواب اس اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر وہ کام جو مباح ہو اور جس کے کرنے پر ثواب بھی مقرر نہ ہو۔ اگر اسی کام کو آدمی نیت خیر کے ساتھ کرے تو وہ عبادت ہو جائے گا اور اس کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ علامہ عینی علیہ الرحمہ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

۱۔ وَفِيهِ الْحَثُّ عَلَى نِيَّةٍ الْخَيْرِ مُطْلَقًا | اس حدیث میں نیتِ خیر کی ترغیب دی گئی ہے مطلقاً
وَأَنَّ يُثَابِتَ عَلَى النِّيَّةِ | اور یہ کہ آدمی کو اس کے عمل کا ثواب نیت کی وجہ سے مل جائیگا۔
(یعنی جلد اول صفحہ ۳۶۵)

۲۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشہ الامعات میں لکھتے ہیں کہ احادیث میں آیا ہے۔ جب ملائکہ بندوں کے اعمال آسمانوں پر لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَيْسَ تِلْكَ الصَّحِيفَةُ۔ اس صحیفہ کو پھینک دو۔ یعنی یہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ فرشتے عرض کریں گے۔ الٰہی اس بندے نے نیک کام کیے۔ ہم نے سُنَّے اور دیکھے اور لکھ لیے ان کو کیسے پھینک دیں۔ حکم ہوگا۔ لَعَنَ يَرْزُقُ بِهِ وَجْهِي۔ چونکہ اس بندے نے اس عمل کے ساتھ میری رضا کا ارادہ نہیں کیا۔ اس لیے یہ میرے حضور میں مقبول نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے فرشتے کو حکم ہوگا۔ اَلْكَتُبُ لِفَعْلَانٍ كَذَا وَكَذَا۔ فلاں بندے کے اعمال نائے ہیں فلاں فلاں عمل لکھ لے۔ فرشتہ عرض کرے گا۔ الٰہی یہ کام تو اس نے کیا ہی نہیں؛ ارشاد ہوگا کہ جو وہ کر نہیں سکا مگر اس کا ارادہ اور نیت تو اس کام کے کرنے کی تھی۔ دیکھئے نیتِ صالح سے عمل کے بغیر ہی ثواب مل گیا اور بری نیت سے کئے ہوئے اعمال ضائع ہو گئے۔

۳۔ حضرت رومی علیہ الرحمہ نے مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے مسجد کے پاس اپنا مکان بنوایا اور مسجد کی طرف ایک

کھڑکی رکھ لی۔ اس کے پیرسے پوچھایہ کھڑکی کیوں رکھی ہے جواب دیا ہوا کہ لیے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر توبہ نیت کرنا کہ کھڑکی اس لیے رکھنا ہوں تاکہ اذان کی آواز یا جماعت کے کھڑے ہو جانے کا علم ہو جایا کرے تو ہوا تو خود بخود آجایا کرتی اور تجھے تیری نیت کا ثواب ملتا۔

۴۔ غریب کی مدد کرنا کا ثواب ہے۔ قرآن وحدیث نے اس عمل پر ثواب مقرر کیا ہے ثواب اگر کسی ایسے غریب کی مدد کرے جو اس کا رشتہ دار ہے اور نیت یہ کرے کہ غریب رشتہ دار کو دینے میں صلہ رحمی بھی ہے تو ایسی صورت میں تعدد نیت کی وجہ سے اس کو دو ثواب مل جائیں گے۔ ایک صدقہ کا۔ دوسرا صلہ رحمی کا۔

۵۔ نماز پڑھنا کا ثواب ہے لیکن آپ ایک ایسی مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں جو دیران ہے اور آپ کی نیت ہے کہ اس ویلن مسجد میں جب نماز پڑھوں گا تو میری وجہ سے اور لوگ بھی میاں آئیں گے اور مسجد آباد ہو جائے گی۔ یہاں بھی تعدد نیت کی وجہ سے دو ثواب ملے گا۔ ایک نماز کا۔ دوسرے مسجد کو آباد کرنے کا۔

۶۔ مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے۔ اگر اس کے ساتھ اعتکاف کی نیت کرے تو ثواب اعتکاف مل جائیگا۔ پھر اعتکاف کے ساتھ یہ نیت بھی ہو کہ جماعت کا انتظار رہے تو بحکم حدیث جماعت کا منتظر نمازیں ہے نماز کا ثواب ملے گا۔ پھر اسکے یہ نیت کرے کہ جتنی دیر مسجد میں ٹھہروں گا تمام اعتکاف کی جملہ برائیں سے حفاظت ہوگی تو یہ ثواب بھی مل جائیگا۔ اسی طرح اس کے ساتھ درد و شریف پڑھنے کی نیت کرے مسجد میں علم کا افادہ یا استعادہ ہو گیا یا کوئی دینی بھائی مل جائیگا۔ اس کی زیارت کرونگا یا کوئی سلام کرے گا اس کا جواب دوں گا۔ کسی کو چھینک آئے گی تو یہ حکم اللہ کہوں گا انفرض جتنی ملتیں کرے گا۔ سب کا ثواب مل جائیگا۔ دیکھئے کام ایک ہی ہے مگر نیتیں متعدد ہیں اور نیتوں کا الگ الگ ثواب مل رہا ہے کیونکہ حدیث بالا کے الفاظ لکھل احمد ما نفعی کا یہی مطلب ہے کہ جو نیت کریگا وہی پائیگا۔

۷۔ ایک شخص اپنی ضرورت سے بازار جا رہا ہے۔ بازار جانا ایک مباح عمل ہے لیکن اگر وہ اس میں یہ نیت کرے کہ راستہ میں جو تکلیف وہ چیز ہوگی۔ اس کو ہٹا دوں گا۔ اسلام کی اشاعت کروں گا۔ کسی کو بُرا کام کرتے دیکھوں گا تو منع کروں گا۔ کسی مسلمان بھائی کو خوش کرنے کے لیے مسکرا دوں گا۔ جتنی نیتیں کریگا۔ سب کا الگ الگ ثواب مل جائیگا اور یہ بازار جانا کا ثواب ہوگا۔ پھر نطفہ یہ کہ ارادہ تو ان امور کرنے کا کر لیا مگر نہ سکا تو بھی ثواب مل جائے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا۔ نَبِيَّةُ الْمُؤْمِنِينَ أَتَبَّعُوا مِنْ عَمَلِهِ كَمَنْ مَنِ اس کی نیت اس کے عمل سے زیادہ معتبر ہے۔

۸۔ عرض کہ اس حدیث مبارکہ سے یہ اصول نکلتا ہے کہ ہر وہ کام جس کی عافیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی جب وہ نیک نیتی سے کیا جائے تو وہ کام عبادت ہو جائیگا اور اس پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ اس اصول کی روشنی میں اگر دیانت داری سے مسائل کی حیثیت دیکھی جائے تو بہت سے ایسے مسائل مل رہے ہیں جن میں آج بحث و مباحثہ، مکارہ و مجادلہ کا بازار گرم ہے۔

۱۔ مثلاً مجلس میلاد کے قیام و اہتمام کو لیجئے۔ اگر نیت یہ ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ظاہر ہو۔ آپ کے فضائل و مناقب بیان ہوں اور آپ کی سیرت مبارکہ قوم کے سامنے رکھی جائے تو اس حدیث کی رو سے جائز

ہے اور کثرتِ ثواب ہے۔ مگر مجلس میلاد کے قیام کی غرض رہا و سمعہ ہو یا اس کو فرض و واجب سمجھ لیا جائے اور یہ خیال کیا جائے صرف ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو ہی یہ مجلس قائم ہو سکتی ہے اور دنوں میں ذکرِ رسول ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ نیت غلط ہے اور اس کی اصلاح کر دینی چاہیئے۔

۲۔ یا مثلاً میت کے بندے، ساتویں یا چالیسویں دن کھانا پکا کر مساکین کو کھلایا جائے اور یہ نیت ہو کہ دن مقرر کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مساکین جمع کر لیے جانے ہیں تو حدیثِ خدا کی روشنی میں اس کے جوازیں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اگر نیت یہ ہو کہ دن مقرر کر کے ہی فاتحہ دینے میں ثواب پہنچتا ہے ویسے نہیں یا کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا ضروری ہے تو اس کی اصلاح کر دینی چاہیئے اور بتا دینا چاہیئے کہ ثواب پہنچانے کے لیے دن مقرر کرنا ضروری نہیں ہے جس روز بھی ایصالِ ثواب کیا جائے خواہ کھانا پکا کر غریبوں کو تقسیم کیا جائے یا قرآن پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا جائے ہر طرح جائز ہے ہاں اگر ان قیود میں کوئی مصلحت ہو تو حرج نہیں کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔

۳۔ اسی طرح میت کے دفن کے بعد لوگ جمع رہتے ہیں اور کلہ پڑھتے ہیں۔ ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ بیکار بیٹھے رہنے اور فضول گفتگو کرنے سے بہتر ہے کہ کلہ طہیر جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ افضل الذکر ہے پڑھنے رہیں تو یقیناً موجب برکت ہے۔ پھر اگر بعض روایات کے مطابق ستر ہزار بار جو جائے اور میت کو بخشنا جائے تو اُمیدِ مغفرت ہے۔ لہذا اس حدیث کی رو سے ضروران کو اجر ملے گا اور پھر وہ میت کو بخشیں گے تو ضرور میت کو پہنچے گا۔ کیونکہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور جب اعمال کا مدار نیت پر ہے ثواب مذکورہ بالا کام کرنے والوں کو جب کہ ان کی نیت حسن ہے یعنی کھانا اور جالوں کو یہ کہہ کر مغفلاط دینا کیا یہ کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کیا فضول اعتراض اور کس قدر جمالت ہے ہر حال دیانت و امانت ہو اور فسائیت و مٹ دھری نہ ہو تو اس قسم کے بہت سے مختلف فیہ مسائل اسی حدیث کی روشنی میں حل ہو جاتے ہیں۔ فافہم

الَّذِينَ انْتَبِهَتْ عَنْ
اللَّعِينِ النَّصِيحَةِ ۝

اللہ کے لیے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات پر ایمان لایا جائے اور ہر نقص اور عیب سے اسے پاک و منزہ مانا جائے اور اس کے فشار و مرضی کے مطابق زندگی گزار دی جائے

ول کے لیے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام نے پیش کیا ہے۔ اس کی تصدیق کی جائے اور پرعمل کیا جائے۔ اس کے اوامر پرعمل کیا جائے اور نواہی سے بچا جائے اور ہر وقت اور ہر آن آپ کا ادب و احترام جائے۔ آپ کی سنتوں کو زندہ کیا جائے اور آپ کے اہمیت و اصحاب سے محبت کی جائے۔ کتاب اللہ کے لیے نصیحت معنی یہ ہیں کہ قرآن پاک کے کلام الہی ہونے پر ایمان لایا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس مثل بنایا جانا محال ہے۔ ہمیں کسی و زیادتی، تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ امر کے لیے نصیحت کے معنی یہ ہیں کہ معروف ہیں ان کی اطاعت کی جائے بغوا سے ان پر خروج نہ کیا جائے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے اور صدقات و زکوٰۃ کی تحویل میں دی جائے۔ عام شامین نے امر سے اصحاب حکومت اسلامیہ مراد لیا ہے اور بعض علماء کو مراد لیتے ہیں کہ کی عزت کی جائے اور جو وہ حکم شرعی بیان کریں اس کو تسلیم کیا جائے۔ عام مسلمانوں کے لیے نصیحت ہے کہ معنی یہ ہیں مسلمان آپس میں محبت کے ساتھ رہیں یعنی کے ساتھ تعاون کریں اور برائی سے عدم تعاون کریں اور اپنے بھائی مسلمان کے حقوق

ادا کرتے رہیں۔

۵۲-۱۔ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَنْعَمَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فِيهِ لَكَ صَدَقَةٌ (بخاری)

۵۳-۲۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ أَنَّ أَحَبَّهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفَقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِزْتَ عَلَيْهَا حَتَّى مَا تَجْعَلَ فِي فَمِّهِ امْرَأَتِكَ (بخاری)

حضرت ابو مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو صدقہ کا ثواب پائیگا۔
عامر بن سعد نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جو کچھ خرچ کرے اور اس سے نیت تیری اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہو تو تجھے جو اس کا ثواب ملے گا۔ یہاں تک اس پر بھی جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے۔

فوائد ومسائل

۱۔ حدیث اول کو بخاری نے نمازی اور نفقات میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم و نسائی نے کتاب الزکوٰۃ میں۔ یہ حدیث عمران ثانی یعنی والحبۃ سے متعلق ہے۔ حدیث دوم کو امام نے نمازی، دعوات، طب، فرائض میں بھی درج کیا ہے اور مسلم و ترمذی و ابن ماجہ و ابوداؤد نے کتاب الوصایا میں درج کیا ہے۔ دو توال حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں اور ان میں تعلیم دی گئی ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ کسی غریب محتاج کی مدد کی جائے حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا جائے اور مقصود اس سے رضائے الہی ہو تو اس پر بھی ثواب مل جائیگا۔ حدیث دوم میں فَمِّ امْرَأَتِكَ کے الفاظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ دینا باعث اجر ہے تو غریب و محتاج کو کھانا کھلانے اور ان کی امداد و اعانت کرنے میں کس قدر ثواب ہوگا۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَابُ نَبِيِّ كَرِيمٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَايَ فَنَبَا

کہ دین نصیحت ہے اللہ کے لیے رسول کے لیے مسلمان حاکموں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے اور اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں فرمایا جب وہ اللہ اور رسول کی خیر خواہی میں رہیں۔

الَّذِينَ اتَّخَذُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
أَوَّلَ مَحَبَّةٍ الْمُسْلِمِينَ وَآمَنُوا بِقَوْلِهِ
تَعَالَى إِذَا تَصَحَّحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ
(بخاری)

فوائد ومسائل

نصیحتہ۔ نصح الرجل ثوبہ سے ماخوذ ہے یعنی کپڑے کو سوئی سے سینا۔ توبۃ النصوح بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ گناہ سے دین میں غلط پید ہوتا ہے تو توبہ اس غلط کو پر کر دیتی ہے۔ امام مازکی نے کہا نصیحتہ مشتق ہے نصحت العسل سے یعنی شہد کو اس کی آلائش سے پاک و صاف کرنا۔ اسی لیے وہ بات جو غل و غش سے پاک ہو اس کو نصیحت کہتے ہیں۔ الدین النصیحتہ کے معنی یہ ہیں کہ معظم ارکان دین نصیحت ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ الحج العرفہ۔

۵۴۔ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ يَا بَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَقَامِ الصَّلَاةَ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنَّصِیحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (بخاری)

جریر ابن عبد اللہ بجلی کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر شرائط ذیل پر بیعت کی۔ اقامۃ الصلوٰۃ، ادا کئے زکوٰۃ، ہر مسلمان کی خیر خواہی۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے زکوٰۃ اور صلوٰۃ میں بھی ذکر فرمایا ہے اور مسلم نے کتاب الایمان میں اور ترمذی نے بیعت میں ذکر کیا ہے۔ ۲۔ جریر ابن عبد اللہ بن جابر بجلی وفات نبوی سے چالیس دن قبل اسلام لائے بہت حسین صحابی تھے۔ اسی لیے لوگ ان کو یوسف کہا کرتے تھے۔ ان کی دیانت و ملکیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ان کے غلام نے تین سو روپے میں ایک گھوڑا خریدا۔ انہوں نے جب گھوڑا دیکھا تو کہنے لگے یہ گھوڑا تو تین سو روپے سے زیادہ کا ہے، ٹوسٹ لیا ہے۔ فوراً مالک کے پاس گئے اور کہا اس کی قیمت تین سو روپے تو نے کم لی ہے۔ قیمت زیادہ۔ اُس نے کچھ روپے اور زیادہ کر دیے۔ مگر انہوں نے اس کو کل رقم نو سو روپے دیئے۔ ان سے ایک سو مدینش مروی ہیں۔ یہ دوسے فرقیس چلے گئے تھے۔ وہاں لڑھ میں وصال ہوا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں بیعتیں ہوئی ہیں۔ انہیں میں یہ بیعت ہے۔ جس میں قیام نماز، دایگی زکوٰۃ پر بیعت کا ذکر ہے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ ایک مسلمان کا فرض مذہبی یہ بھی ہے کہ حق المقدور اپنے مسلمان بھائی کا خیر خواہی کرے۔

۵۵۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يُؤَمِّرُ مَاتِ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَمْرَ مُحَمَّدٍ اللَّهُ وَأَشْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَيْهِ تَقَاتِ اللَّهُ رَحْمَةً لَا مَشْرِيكَ لَهُ وَالْوَقَارُ الشَّيْئَةَ حَتَّى يَأْتِيَكُمْ أَمِيرٌ فَإِنَّمَا يَتِيكُمْ الْآنَ ثُمَّ قَالَ اسْتَغْفِرُوا أَمِيرَكُمْ يَأْتِيَهُ كَانَ يُحِبُّ الْعَفْوَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَنَبَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَبَايَكَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَى النَّصِیحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ يَا بَيْتُ عَلَى هَذِهِ وَ هَذَا الْمَسْجِدِ إِنِّي لَنَاصِحٌ لَكُمْ ثُمَّ نَعَفَرُ وَ نَزَلْ (بخاری)

زیادہ بن علاقہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔ میں نے جریر بن عبد اللہ سے سنا۔ جس دن مغیرہ بن شعبہ (حاکم کوفہ) کا انتقال ہوا تو وہ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف بیان کی اور کہا کہ تم پر لازم ہے کہ صرف اللہ سے ڈرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وقار و سکینہ کو لازم پکڑو۔ یہاں تک کہ تمہارا دوسرا حاکم آجائے اور وہ اب آتا ہے اور پھر کہا اپنے سابق امیر کے لیے استغفار کرو اس لیے کہ وہ بھی عفو و درگزر کو پسند کرتا تھا۔ پھر کہا۔ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوا اور عرض کی میں اسلام پر بیعت ہوتا ہوں تو آپ نے اسلام کی شرط کے ساتھ النصیح لکل مسلم کی شرط بھی لگا کر مجھے بیعت فرمایا میں نے اس شرط پر آپ سے بیعت کر لی۔ مجھے اس مسجد کے رب کی قسم میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ پھر آپ نے استغفار کیا اور

اور منبر پر سے اتر گئے۔

فوائد مسائل

اس حدیث کو امام نے شروط میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے کتاب الایمان میں اور نسائی نے بیعت میں ذکر کیا یہ حدیث حضرت عبداللہ بجل صحابی کا ایک خطبہ ہے جو انھوں نے اس وقت دیا تھا جب کہ کوفہ کے حاکم مغیرہ بن شعبہ کا انتقال ہو گیا تھا اور یہ ان کی جگہ حاکم مقرر ہوئے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی وفات ۳۷ھ میں ہوئی۔ زمانہ امیر امیر معاویہ کوفہ کے حاکم تھے اور ان کے انتقال کے بعد حضرت عبداللہ بجل کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

وقار کے معنی صبر و تحمل کے ہیں۔ سکینۃ اضطراب کی ضد ہے۔ استغفوا کے معنی عفو و درگزر کے ہیں۔ رب ہذا المسجد سے مراد مسجد حرام ہے۔ جیسا کہ طبرانی کی حدیث میں مسجد کی جگہ رب الکعبہ کے لفظ آئے ہیں۔ حضرت جریر نے یہ خطبہ زمانہ حکومت سلجھانے کے بعد دیا اور اس میں عوام کو صبر و تحمل کی تلقین کی اور اپنی ذات کے متعلق یہ یقین دلایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہاری بھلائی و خیر خواہی میرا فرض منصبی ہے۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث پر کتاب الایمان کو ختم کیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ میں بھی قوم مسلم کا خیر خواہ ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑی خیر خواہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ہماری فلاح دینی و دنیوی کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو مرتب کر کے ہمیں دیدیا۔ قوم مسلم پر امام کا یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

اللہ تعالیٰ بطیفیل سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت امام بخاری کی رُوحِ مطہر پر اپنی بے پایاں رحمتوں کی بارش فرمائے اور اعلیٰ علین میں اعلیٰ ترین مراتب و درجات سے سرفراز فرمائے اور آخرت میں ہم نیا زندوں کا انہیں کے ساتھ شرف فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

کتاب العلم

علم کی تعریف اور اس کے اقسام | فلاسفہ کے نزدیک حُصُولُ الصُّورَةِ (دیا) الصُّورَةُ الْمُحَاصِلَةُ کا نام علم ہے اور ماتریدیہ کے نزدیک علم ایک صفت ہے جو قلب میں دولت

ہوتی ہے۔ جسے قوتِ باصرہ سمجھ میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے اشیاء کا انکشاف ہوتا ہے ۲۔ یہاں امام بخاری کا مقصد علم کی ماہیت و حقیقت کو بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ بات اس فن شریف سے تعلق نہیں رکھتی۔ ان کا مقصد علم کے مستفادات کو بیان کرنا ہے۔ یہاں علم سے وہ علم مراد ہے جس سے اللہ عز و جل کی رضا حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا علم صرف انبیاء کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ وہی یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کس بات میں ہے۔ اس لیے ایسے علم کے حصول کے لیے نبوت پر ایمان لانا شرط ہے۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ علم اپنی معلومات کے لحاظ سے متعدد قسم کا ہوتا ہے۔ اس میں سے ایک علم ظاہر ہے یعنی علم

شرح۔ یہ مجموعہ ہے تفسیر، فقہ اور حدیث کا اور علامہ شیخ سعد الدین بن عبد السلام نے کہا۔ علم صرف و نحو و اصول و غیرہ ایسے علوم ہیں جو بہت میں مگر ان کا حصول واجب ہے (کیونکہ ان کے ذریعے قرآن و حدیث کے معانی و معانی پر آدمی مطلع ہوتا ہے اور علم باطن و قلم پر ہے اول، علم معاملہ یہ فرض عین ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی دل کو پاک و صاف کرے۔ نفس کو مہذب بنائے اخلاقی ذمہ کو ترک کرے اور اخلاقی جمیدہ صیر، شکر، زہد، تقویٰ، قناعت کو اختیار کرے۔

دوسری قسم علم الکشاف ہے جو قلب میں اس کے تزکیہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے تو پھر اس کے ذریعہ معانی مجملہ کھل جاتے ہیں۔ معرفت و صفات الہی حاصل ہوتی ہے۔

وَتَكْشِفُ لَهُ كَمَا أَلْهَمْتَهُ مِنْ جَوَاهِرِ الْأَسْرَارِ ۱ اور اسرارِ خفیہ سے پردے اٹھ جاتے ہیں
علم الکشاف کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جو اس سے انکار کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے (قسطانی جلد اول ص ۱۵۴)

بَابُ فَضْلِ الْعِلْمِ

یہ باب علم کی فضیلت کے بیان میں ہے

اس باب میں امام بخاری نے ذیل کی دو آیتیں ذکر کی ہیں۔ جن میں علم اور علماء کی فضیلت کا بیان ہے۔

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ
أَوْفُوا الْعُقُودَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرٌ وَقَوْلِهِ تَعَالَى رَبِّ يَذْكُرْ عِلْمًا (بخاری)

پہلی آیت میں اس کا بیان ہے کہ مومن عالم کے درجے مومن غیر عالم سے بلند ہوں گے جس سے علم اور علم والوں کی فضیلت کا اظہار ہوا۔ دوسری آیت میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے کہ آپ اپنے رب سے علم کی زیادتی کی دعا فرمائی کریں۔ علم دین اور علماء دین کے احادیث نبویہ میں کثیر فضائل وارد ہوئے ہیں جن کی تفصیل کیلئے دفتر ذکر کرتے ہیں

بَابُ مَنْ سَأَلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِي حَدِيثِهِ

باب اس امر کے بیان میں جس سے کوئی علم کی بات پوچھی جائے اور وہ

مصرف گفتگو ہو اور پھر اپنی بات کو پورا کر کے سائل کو جواب دے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں بیٹھے ہوئے ان سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک گھنوار آیا اور پوچھنے لگا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ اپنی گفتگو میں مصروف رہے (حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ آپ نے گھنوار کی بات سنی مگر پسند نہ کی اور بعض یہ کہنے لگے کہ آپ نے اس کی بات سنی ہی

فَإِنَّهَا الْحَدِيثُ ثُمَّ أَجَابَ السَّائِلَ (بخاری)

۵۸۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ جَاءَهُ أَغْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ فَخَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَتْ فَكَّرَهُ مَا قَالَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَمْ يَسْمَعْ حَتَّى إِذَا

فَقَضَىٰ حَدِيثَهُ قَالَ أَيْنَ آدَاهُ السَّائِلُ عَنْ
السَّاعَةِ قَالَ هَا أَنَا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ فَاذًا
صُيِّبَتْ إِلَٰهًا مَنَّهُ فَاذًا نَسْطِرُ السَّاعَةَ فَقَالَ
كَيْفَ أَضَاعَتْهَا قَالَ إِذَا وَسَّكَ الْأَمْرُ إِلَى
نَسَبِ أَهْلِهِ فَاذًا نَسْطِرُ السَّاعَةَ (بخاری)

نہیں۔ جب آپ گفتگو پوری کر چکے تو فرمایا قیامت کو
پہنچنے والا کہاں گیا۔ گنوار نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول
اللہ۔ فرمایا سن لے جب امانت اٹھ جائے تو قیامت کا
انتظار کر۔ اس نے کہا۔ حضور امانت داری کے اٹھنے کے
کیا معنی ہیں؟ فرمایا جب کام نازل کے پھر دکر دیا جائے
تو پھر قیامت کا انتظار کر۔

فوائد ومسائل

۱۔ اس حدیث کو امام نے کتاب الرقاق میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم و ترمذی وغیرہ نے اس حدیث
کو روایت نہیں کیا ۲۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ جب مسائل دین کے متعلق سوال ہو تو عالم کا جواب دینا واجب ہے ۲۔ سائل کو چاہیے کہ جب تک عالم دوسرے سے
بات کر رہا ہے خاموش رہے۔ جب بات ختم ہو جائے تو پھر بات کرے ۳۔ عالم مفتی کو چاہیے کہ ساکون کو ترتیب وار
جواب دے ۴۔ عالم کو چاہیے کہ سوالات کے جواب بقدر ضرورت دے اور اس میں سائل کے مال کا خیال رکھے ۵۔ قیامت کی
نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اقتدار ناپاہل کے سپرد ہو جائے یا لوگ جاہلوں کو اپنا امام، پیشوا، مفتی اور خلیفہ بنالیں۔ ظاہر ہے
سُنار کا کام اگر لوہار کے سپرد کر دیا جائے۔ ترکھان کا کام حساب کے پروفیسر کو دے دیا جائے۔ انصاف کی خدمت ظالم و
جابر کے سپرد کر دی جائے۔ وزارت و امارت خود غرض، لالچی اور کینہ افرا کے ہاتھ میں آجائے۔ جاہل اور کوہن محض افراد
کو شیخ الاسلام اور مفتی اعظم بنالیا جائے تو قیامت قبل از قیامت کا برپا ہونا لازمی ہے ۶۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو تاخیر سے جواب کیوں دیا جب کہ وہ ایک امر دینی کے متعلق سوال کر رہا تھا۔ جواب یہ ہے کہ اقل
تو قیامت کی تاریخ اور وقت کے متعلق بتانا ضروری نہ تھا۔ کیونکہ یہ ان امور سے ہے جن کو غشی رکھا گیا ہے۔ ثانیاً، ہو سکتا ہے کہ
حضور علیہ السلام کسی اور سائل کا جواب دے رہے ہوں یا کوئی مسئلہ بیان فرما رہے ہوں کہ جس کے پہنچ جس جواب دینے سے اور
سلسلہ کلام کے ٹوٹ جانے سے اس کے مفہوم میں اختلاط پیدا ہونے کا خطرہ ہو یا سائل کے سوال سے بھی زیادہ اہم حضور علیہ السلام
صحابہ کو سمجھا رہے ہوں۔

بَابُ مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْعِلْمِ

جو علم کی بات پکار کر کہے اس کا بیان

یعنی بوقت ضرورت کسی مسئلہ شرعی کو بلند آواز سے بھی سنایا جاسکتا ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ لوگ غافل ہوں
یا ہجوم ہو یا دور ہوں یا کسی امر دینی کو کما حقہ ادا نہ کر رہے ہوں۔

۵۹۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ تَخَلَّفَ عَنَّا
السَّيِّحِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرَةٍ
سَافَرْنَاَهَا فَادْرَكْنَا وَفَدَّ أَنْ هَفَّنَا الصَّلَاةَ

حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ
والسَّلَام کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ حضور ہم سے پیچھے رو گئے
اور اُس وقت ہم سے آگے لے جب کہ (عصر کی نماز کا وقت

ہو گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے اور پاؤں یونہی سا دھو رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا خرابی ہوڑیوں کے لیے جہنم سے۔ دو مرتبہ یا تین مرتبہ (یہ جملہ آپ نے) بلند آواز سے فرمایا۔

وَعَنْ نَسْرَةَ الْجَنْبَلِ مَسْحٍ عَلَى أَوْجِلِنَا
نَسْرَةَ بِلَاغِي صَوْنِهِ وَبِلَاغِي عَقَابِ
مِنَ الشَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا
(بخاری)

فوائد مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب العلم میں مکرر اور طہارت میں بھی ذکر کیا ہے اور نسائی نے کتاب العلم میں اور مسلم نے طہارت میں۔ وکیل جہنم کی ایک وادی ہے جس کی حرارت کا یہ عالم ہے کہ اگر پہاڑ اس میں ڈال دیئے جائیں تو پگھل جائیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وکیل جہنم کی راد، پیپ کو کہتے ہیں۔ ویسے عموماً عرب وکیل کا لفظ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو ایسا کام کرے جو اس کی شان کے خلاف ہو۔ ویسے کا لفظ بھی وکیل کے ہم معنی بولا جاتا ہے اور اس کے اصل معنی ہلاکت اور عذاب کے ہیں۔ حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے اور دھونے کے معنی یہ ہیں کہ پانی عضو پر ایک بار بہ جائے۔ محض تیل کی طرح چھڑ لینے کو دھونا نہیں کہتے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اعضائے وضو سے کوئی عضو ذرا بھی خشک رہ گیا تو وضو درست نہ ہوگا۔

۲۔ اگرچہ امام حمادی علیہ الرحمۃ نے مسح کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ ابتدا میں پاؤں کا مسح کیا جاتا تھا۔ پھر یہ مسح ہو گیا اور وضو میں پاؤں دھونا فرض قرار پایا لیکن اگر یہ بات ہوتی تو حضور علیہ السلام مسح کی مسح کی جگہ کے لیے وکیل کا لفظ استعمال نہ فرماتے کیونکہ وعید اس مقام پر نسائی جاتی ہے جہاں لوگ کسی حکم شرعی میں کوتاہی کر رہے ہوں۔ لفظ وکیل تو قرینہ ہے اس بات کا کہ وضو کرنے والے پاؤں دھونے میں احتیاط نہیں برت رہے تھے۔ یعنی ایسے دھو رہے تھے کہ ایڑیاں خشک رہ گئی تھیں۔ چنانچہ حدیث مسلم اس کی تائید کرتی ہے۔ اس میں یہ وضاحت ہے کہ یہ سفر مکہ سے مدینہ کی طرف تھا۔ راستہ میں نماز کا وقت ہو گیا تو صحابہ جلدی میں وضو کرنے لگے۔ وحرم بحال اور اسی جلدی میں دھونے کی وجہ سے ایڑیاں خشک رہ گئیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے وعید سنائی اور فرمایا۔ وکیل لاعقاب

بَابُ قَوْلِ الْمُحَدِّثِ حَدَّثَنَا وَآخِرُنَا وَأَنْبَاُنَا

باب محدث کا مدنا، آخرنا اور انبانا کہنے کے بیان میں

اس باب کو قائم کر کے امام بخاری علیہ الرحمۃ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محدث کبھی حدنا کہتا ہے، کبھی انبانا، کبھی آخرنا۔ نران تینوں جملوں کا حاصل ہے ایک اور ان میں مفہوم وصنی کے لحاظ سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔

فوائد مسائل

۱۔ قال الحمیدی کان عند ابن عیینہ حدیثنا وَاخْبَرُنَا وَأَنْبَاُنَا وَسَمِعْتُ وَاحِدًا

۲۔ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۳۔ وَقَالَ شَفِيقٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۔ وَقَالَ حَذِيفَةُ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ

امام نے ان تین تعلیقوں کو پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ دیکھو صحابی کبھی حدنا (حدیث بیان کی ہم سے) کہتا ہے۔ کبھی خبرنا

۱۔ انباءنا (خبر دی ہم کو) کہتا ہے اور کبھی سَمِعْتُ میں نے سنا کہتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ ان تینوں کا مطلب ایک ہے۔
 ۲۔ اس کے بعد امام نے ذیل کی تین تعلیقاتیں اور لکھی ہیں۔

۱۔ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ قَالَ ابوسعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ قَالَ انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرویہ عن ربہ

ان تین تعلیقات کو پیش کر کے امام نے یہ بتایا ہے کہ جس روایت میں عن عن ہر دوہ سماع پر محمول ہوگی بشرطیکہ راوی کی طافات ثابت ہو جائے۔ یعنی جب راوی حدیث عن عن کے ساتھ روایت کریگا تو یہ سمجھا جائیگا کہ راوی نے یہ حدیث خود حضور سے یا صحابی سے یا تابعی سے سنی ہے۔ امام نے ان چھ تعلیقات کو دوسرے مقامات پر اسناد سے ذکر کیا ہے۔ ۳۔ کتاب العلم سے اس عنوان کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ محدث کے لیے ضروری ہے کہ ان کلمات کے معنی و مفہوم کو جانے اور باب اول سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں اس امر کا بیان تھا کہ وقت ضرورت عالم کو بلند آواز سے حاضرین کو خطاب کرنا اور مسائل شرعیہ سننا جائز ہے۔ تاکہ حاضرین ان مسائل کو خوب اچھی طرح سن لیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ اب ظاہر ہے کہ حاضرین جب ان مسائل شرعیہ کو روایت کریں گے تو مذکورہ بالا الفاظ میں سے کسی لفظ کو استعمال کرنا ان کے لیے ناگزیر ہوگا۔ یعنی حاضرین میں سے جو صاحب بھی ان مسائل کو دوسروں تک پہنچائیں گے تو وہ حدیثنا، انباءنا، سَمِعْتُ کے لفظ ہی بیان کریں گے اور یوں کہیں گے کہ حضور علیہ السلام نے ہم کو یہ مسئلہ بتایا یا ہم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات سنی۔ لہذا اس باب میں ان الفاظ کے معنی و مفہوم کو بیان کرنا مناسب ہوا۔

بَابُ طَرَحِ الْأَمَامِ الْمَسْئَلَةَ عَلَى

باب بطور امتحان امام کا اپنے

أَصْحَابِهِ لِيُخْتَبَرَ مَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (بخاری) اصحاب سے سوال کرنا

اس عنوان میں امام بخاری نے جو حدیث درج کی ہے اس میں عنوان کے مطابق لفظ مدثر ثانی ہے۔

۶۰۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَفْهَا وَانْهَاسًا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَعَدَّ ثَوْبِي مَا هِيَ تَوَقَّعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْيَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَوَقَّعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا الْمَخْلُةُ فَمَا سَتَحْيَيْتُ قَالُوا حَدَّثَنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ هِيَ الْمَخْلُةُ

(بخاری)

قوائد مسائل

۱۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو کتاب العلم میں تین مرتبہ ذکر کیا ہے۔ مسلم نے کتاب العلم میں اور ترمذی و نسائی نے اختلاف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے ۲۔ حدیث ہذا میں مسلمان کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی جیسے کھجور کا درخت اور اس کے اجزاء و پھل بہت فائدہ مند ہوتے ہیں تو ایسے ہی مومن کامل کا وجود و معاشرہ کے لیے موجب خیر و برکت ہوتا ہے۔ ۳۔ بعض علمائے وجہ تشبیہ یہ بیان کی ہے کہ جیسے کھجور کے درخت کا سرکٹ دیا جائے تو وہ باقی نہیں رہتا۔ یہی حال مسلمان کا ہے یا یہ کہ کھجور کے درخت مذکور و موت نہ دوں ہوتے ہیں یا اس میں بھی انسان کی طرح مادہ ہوتا ہے یا انسان کی طرح اس میں جذبات عشق و محبت پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ نام و وجہ تشبیہ ضعیف ہیں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ امر کا فربہ بھی پائے جاتے ہیں اور حدیث ہذا میں صرف مومن کو تشبیہ دی گئی ہے۔

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ اُستاد اور عالم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اصحاب یا شاگردوں کا امتحان لینے کے لیے ان سے سوال کرے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے سوال کیا ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے محض حیار کی وجہ سے جواب نہ دیا۔ حالانکہ صحیح جواب ان کے خیال میں آچکا تھا جس سے واضح ہوا کہ ایسے مواقع پر حیا کرنا جہاں کسی دینی امر میں خلل واقع نہ ہو جائز ہے لیکن جہاں خلل ہو وہاں حیار جائز نہیں ہے جیسے سال حیض و نفاس نہ بنانا یا عورتوں کا نہ پوچھنا کہ اگر وہ ان مسائل سے واقف نہ ہوں گی تو صوم و صلوٰۃ جو فرائض ہیں ان کی ادائیگی کیسے کریں گی اس لیے حسب موقع و ضرورت عالم کو عورتوں کے مخصوص مسائل بتانے میں حیا کرنا جائز نہیں ۳۔ کھجور اور اس کا پھل برکت والا ہے۔ کھجور کے فوائد اظہر من الشمس ہیں۔ قرآن پاک میں شجرہ طیبہ سے مراد اکثر تفسیرین نے کھجور کے درخت ہی کو مراد لیا ہے تو جیسے کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں نہایت گہری اور مضبوط ہوتی ہیں۔ اسی طرح مومن کے قلب میں ایمان جاگزیں ہوتا ہے یا جیسے کھجور کا درخت آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ کا کثیر ثواب عطا کیا جاتا ہے ۴۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امثال و اشباہ سے مسائل کو سمجھنا مستحب ہے تاکہ سامع خوب اچھی طرح سمجھ جائے ۵۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ تشبیہ میں مشبہ کو سب باتوں میں مشبہ کے مثل ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسے مسلم کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھجور اور مسلمان میں من کل الوجوہ مشابہت و مماثلت ہے یا جیسے ہمارا انسان کو شیر سے تشبیہ دی جاتی ہے تو صرف وصف بہادری میں یا جیسے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

مَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا حَيَّاءٍ يَعْطِيَنَّ بِسَاحَتِهِ إِلَّا أُمِّمَ
أَمْثَالُكُمْ

(کلمہ حصر بھی یہاں موجود ہے اور لفظی ترجمہ آیت کا یہی ہے) یہ جانور اور پرندے وغیرہ تمہاری طرح ایک اُمت ہیں۔

حالانکہ ظاہر ہے جانور اور پرندے مکلف نہیں۔ ان پر انسان کی طرح نماز روزہ وغیرہ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو یہ تشبیہ بھی محض اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے میں ہے کہ جیسے انسان اللہ کی مخلوق ہے۔ ایسے ہی جانور وغیرہ بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس سے ان لوگوں کو سبب حاصل کرنا چاہیے جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا انسان ثابت کرنے کے لیے انما انسا بشر مثلكم کی رٹ لگایا کرتے ہیں ۷۔ اسی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سوال کرنا عدم علم پر دلالت نہیں

کرتا جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے سوال کیا۔ حالانکہ آپ کو جواب معلوم تھا۔ یا جیسے اللہ عز وجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ حالانکہ اللہ عز وجل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی چیز کا علم تھا۔ منکرین علم نبوی اس مضمون کی حدیثیں پیش کر کے کہاتے ہیں کہ دیکھو حضور علیہ السلام نے سوال کیا تو آپ کو اگر علم غیب ہوتا تو آپ سوال کیوں کرتے۔ حالانکہ ایسا کہنا سخت جہالت ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سال کو جواب معلوم ہوتا ہے مگر اس کے باوجود سوال کرتا ہے جیسے کہ اللہ عز وجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا یا حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام سے سوال کئے۔ لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کرنے کو آپ کے عدم علم کی دلیل بنانا ہر طرح باطل ہے۔

بَابُ الْفِرَاةِ وَالْعَرَضِ عَلَى الْمُحَدَّثِ (بخاری)

باب محدث کے سامنے پڑھنے اور اس پر اسکی کتاب سنانے کے بیان میں

اس عنوان کے فاقم کرنے سے اہم کا مقصود یہ بتانا ہے کہ روایت حدیث کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ابست ویا شیخ اپنے شاگرد کو خود حدیث سنائے اور دوسرے طریقہ یہ ہے کہ شاگرد دو استادوں کی کتاب حدیث کو حفظ کر کے یا ناظرہ اسناد کو پڑھ کر سنے۔ یہ دونوں طریقے جائز اور قابل اعتماد ہیں۔ اہم نے اس امر کے ثبوت میں حضرت حسن بصری، حضرت سفیان ثوری و اہم مالک وغیرہم کے اقوال پیش کیے ہیں مثلاً اہم مالک، حسن بصری و سفیان ثوری نے شاگرد کے پڑھنے کو جائز کہا اور بعض نے حدیث ضمام بن ثعلبہ سے اس کے جواز پر استدلال کیا۔ حضرت ضمام خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ عرض کی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم لوگ نماز پڑھیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔ تو گویا یہ حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھنا ہوا۔ پھر حضرت ضمام نے انہی امور کو اپنی قوم تک پہنچایا اور انہوں نے ان کی باتوں کو تسلیم کر لیا۔ حضرت اہم مالک نے حکم سے استدلال کیا۔ یعنی صاحب معاملہ کو دستاویز پڑھ کر سنائی جائے اور اس کا اقرار اور تصدیق کرے اور پھر اس سے روایت کرنا صحیح ہوگا تو اس توضیح کے بعد اہم بخاری نے اس سوال کے متعلق یہ حدیث لکھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اور مسجد میں باندھ دیا۔ پوچھنے لگا تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ اور حضور علیہ السلام اس وقت تکیہ لگا کر تشریف لے گئے تھے۔ ہم نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔ گورے، چٹے تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے تو وہ حضور علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ عبد المطلب کے بیٹے! حضور علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔ میں سن رہا ہوں۔ وہ کہنے لگا۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں اور سختی سے پوچھوں گا تو آپ اپنے

۶۲۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ أَنَاخَهُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسِيحٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنِهِمَا فَقُلْنَا هَذَا الرَّجُلُ الْأَبْصَرُ الْمَسِيحُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ يَا ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَاجِبُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي سَأَلْتُكَ فَمَسَدٌ عَلَىكَ فِي الْمَسْئَلَةِ فَلَا يَجِدُ عَلَيَّ فِي نَفْسِكَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا

بَكَ الْاَلَكُ فَقَالَ اَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ
 قَبْلِكَ اَللّٰهُ اَوْ سَلَّكَ اِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ
 فَقَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَسْأَلُكَ بِاللّٰهِ
 اَللّٰهُ اَمْرَكَ اَنْ تَصَلِّيَ الصَّلَاةَ الْحَنَسَ
 فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ
 اَسْأَلُكَ بِاللّٰهِ اَللّٰهُ اَمْرَكَ اَنْ تَصُومَ
 هَذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ
 قَالَ اَسْأَلُكَ بِاللّٰهِ اَللّٰهُ اَمْرَكَ اَنْ تَأْخُذَ
 هَذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ اَعْيَانِنَا فَتَقْسِمَهَا
 عَلَي فُقَرَاءِنَا فَقَالَ السَّبِيحُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ اَمْسَتْ
 بِمَا جِئْتُ بِهِ وَاَنَا سَوْدٌ مَنْ وَرَائِي مِنْ
 قَوْمِي وَاَنَا ضَمَامُ ابْنُ ثَعْلَبَةَ اَخُو بَنِي
 سَعْدِ بْنِ بَكْرِ (بخاری)

دل میں برائہ منایے گا۔ فرمایا جو تیرا چاہے پوچھ۔ اس
 نے کہا میں قسم دیتا ہوں آپ کو اپنے رب کی اور آپ سے
 پہلے والوں کے رب کی۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام
 لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حضور علیہ السلام
 نے فرمایا۔ اللہم نعم (ہاں) اس نے کہا میں آپ کو اپنے
 آپ کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے
 آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھیں
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! اس نے کہا میں آپ
 کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہر سال
 میں ایک عینہ کے روزے رکھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا۔ ہاں! اس نے کہا کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ
 آپ ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ لیں اور ہمارے فقراء پر خرچ
 کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! اس نے کہا جو
 آپ لائے ہیں اس پر ایمان لایا اور میں اپنی قوم کا فاسد ہوں
 ضمام ابن ثعلبہ سعد ابن بجو کی قوم سے۔

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو ابن ماجہ والبرداء نے کتاب الصلوٰۃ اور نسائی نے کتاب الصوم میں ذکر کیا۔
 فَلَا تَحْجِدُ۔ اس کے معنی غضب اور جزن کے آتے ہیں۔ وَحَجَدَ، یَحْجِدُ، وَجَدْنَا، فَمَا نَأْخُذُ
 یعنی اس نے اونٹ کو بٹھایا اور اس کی ٹانگ کو موڑ کر باندھ دیا۔ ابونعیم احمد و حاکم کی روایت میں یہ نصرت ہے کہ اس نے اونٹ
 کو مسجد کے دروازے پر باندھا تھا۔ مسجد میں اونٹ نہیں لایا تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے سوال کے جواب میں اللہم
 نعم فرمایا۔ اللہم کی اصل یا اللہ ہے۔ حرفِ مذکور حذف کر دیا اور ہم کو اس کے بدلے میں لے آئے اللہم ہو گیا۔ اس لفظ کا استعمال
 تین مقامات پر ہوتا ہے۔ نہ راجح کے لیے ستشی کی مذمت کے بیان کے لیے۔ جواب میں قوت اور یقین کو پیدا کرنے کے لیے
 جیسے کسی نے پوچھا اَزَيْدٌ قَاتِلٌکَ کیا زید کھڑا ہے تو جواب دیا۔ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ۔ ہاں کھڑا ہے۔ اب یہاں اللہم لفظ
 جواب میں قوت اور یقین کے پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

۲۔ حضرت ضمام ابن ثعلبہ نے گفتگو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ایمان لانے سے قبل کی تھی یعنی جب وہ
 حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور سوال کئے اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے ورنہ صحابہ کرام کے ادب و احترام کا
 یہ عالم تھا کہ وہ حضور علیہ السلام سے سوال کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے اور اس کے منتظر رہتے تھے کہ کوئی کاؤں کا گنوار آئے
 اور حضور علیہ السلام سے بلا تکلف سوال کرے اور ہم بھی سنیں۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خبر واحد واجب العمل ہے اور

ضروریات دین پر اجمالی طور پر ایمان لے آنا کافی ہے۔

بَاب مَا يُذَكَّرُ فِي الْمَنَاقِبِ وَكِتَابِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ إِلَى الْبُلْدَانِ

باب مناولہ و مکاتبہ کے بیان میں

مقصود باب یہ بتانا ہے کہ مناولہ بھی حجت ہے اور اس کے ساتھ اجازت بھی مختار ہو جائے تو اس میں اور زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مکاتبہ بھی حجت ہے بشرطیکہ اس میں کاتب و مکتوب الیکر تمیز ہو۔

مناولہ و مکاتبہ | مناولہ کی صورت یہ ہے کہ استاد اپنی کتاب شاگرد کو دے کر یہ کہے کہ اس میں جو حدیثیں ہیں انہیں پڑھ کر یاد کر لیں اور وہ اسے سن کر ان کو یاد کرے اور اسے سن کر ان کو یاد کرے اور اسے سن کر ان کو یاد کرے۔

اس زمانہ میں حدیث کی سندیں دینے کا یہی طریقہ مروج ہے۔

مکاتبہ یہ ہے کہ استاد اپنے ماتحت سے خط لکھے یا دوسرے سے لکھوائے اور اپنے شاگرد کو بھیج دے اور یہ اجازت ہے کہ ان احادیث کو تم روایت کر سکتے ہو۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کے نزدیک مکاتبہ بھی قوت میں مناولہ کی طرح ہے لیکن دوسرے علمائے مناولہ کو مکاتبہ سے قوی قرار دیا ہے کیونکہ مناولہ میں بالمشافہ اجازت دی جاتی ہے۔ امام نے مناولہ و مکاتبہ کے محبت ہونے کے ثبوت میں امور ذیل کو پیش کیا ہے۔

اولیٰ، حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کے مستند نسخے لکھوا کر مختلف شہروں میں بھیج دیے تھے۔ ابو حاتم نے کہا آپ نے سات صد نسخے لکھوائے تھے۔ جنہیں شام، عراق، بحرین، بصرہ، کوفہ، مکارور، یمن بھیجا تھا۔ دوسرے، ابی حاتم نے حدیث ذیل سے دلیل لی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر لشکر کو ایک خط لکھ دیا اور فرمایا جب تم فلاں مقام پر پہنچو تو اس خط کو چھڑ کر سنا دینا۔ چنانچہ جب وہ اس مقام پر پہنچے تو انہوں نے خط کو کھولا اور حکم نبوی کو لوگوں تک پہنچا دیا۔ سوہر، مناولہ و مکاتبہ کے قابل قبول ہونے کے متعلق امام نے ذیل کی دو حدیثوں سے بھی دلیل لی ہے۔

عمرہ اللہ بن عباس نے خبر دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط عظیم بحرن کی طرف بھیجا اور عظیم البحرین نے وہ خط کسری تک پہنچا۔ جب کسری نے اس کو پڑھا تو چھاڑ دیا۔ (ابن شہاب) کہتے ہیں۔ میرا گمان ہے کہ سعید ابن المسیب نے یہ کہا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسری کے لیے یہ دو محاکل کہ وہ باطل تب د برباد ہو جائے۔

۶۳۔ اَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ رَجُلًا وَامْرَأَةً اَنْ يَذْفَعُوهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ فَذَفَعَهُ الْعَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ فَذَفَعَهُ الْعَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى فَلَمَّا قَرَأَ مَرْثَةً فَحَسِبَتْ اَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَذَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُسَرَّتُوا كُلُّ مَسْرِي (بخاری)

توضیح و تشریح | امام نے اس حدیث کو معاذی میں اور امام نسائی نے تیسری میں ذکر کیا ہے ۲۔ رجلاً سے مراد

حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی ہیں۔ حضرت حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ احد میں زخمی ہونے پر وفات پائی تھی۔ حضرت عبداللہ قدیم سے اسلام لائے اور حجازین اولین سے ہیں۔ ایک قتل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ زمانہ فاروقی میں رومی نے ان کو قید کر لیا تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔

عظیم البحرین - بحرین کے گورنر کا نام منذر بن سادی ہے۔ حضرت عبداللہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا میرا خط بغیر البحرین کو مے دینا اور بحرین کے رئیس نے وہ خط کسریٰ تک پہنچا دیا تھا۔ کسریٰ نے جب نام مبارک پڑھ کر اس کو چاک کر دیا۔ کسریٰ کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں ہے۔ یہ بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا۔ عجم کا یہ طریقہ تھا کہ سلاطین کو جو خط لکھتے۔ اس میں عثمان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط بھیجا اس میں پہلے اللہ عز و جل کا نام تھا اور اس کے بعد من محمد رسول اللہ کے لفظ تھے۔ پرویز یہ دیکھ کر جل جھن گیا اور اس کو اپنی تحقیر سمجھا۔ نام اقدس کو غصہ میں چاک کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے بعد سلطنت عجم کے پڑے اڑ گئے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ کسریٰ نے نام مبارک پڑھنے کے بعد عین کے گورنر باذان کو فرمان بھیجا کہ کسی کو جاز بھیجواور اس نئے مدعی نبوت سے نوکر لادو۔ بصورت دیگر اس کا سر کاٹ کر میرے دربار میں پیش کرو۔ جب باذان کے آدمی خدمت نبوی میں پہنچے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”تم لوگ جاؤ اور کہہ دینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ مجھے پایہ تخت تک پہنچے گی۔“ (طبری)

اور ابن سعد کی روایت میں ہے کہ باذان کے آدمی خدمت نبوی میں پہنچے تو حضور علیہ السلام نے بت فرمایا اور فرمایا۔

إِنَّ رَبِّي قَتَلَ كِسْرِيَّ فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ لَسَجَ سَاعَاتٍ مَضَتْ مِنْهَا (یعنی جلد اول صفحہ ۴۱)

کہ میرے رب نے کسریٰ کو اس رات قتل کر دیا ہے۔ ابھی سات ساعت گزری ہیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابھی باذان کے قاصد عین پہنچے ہی تھے کہ خبر پائی کہ شیرویہ (خسر پرویز کا بیٹا) نے اپنے باپ پرویز کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ شہ کا ہے اور پھر خلافت فاروقی میں ایران کی سلطنت تمام دُنیا سے اٹھ گئی اور حضور علیہ السلام کی بی بی کوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

۴۴ - عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا أَوْ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ فَقِيلَ لَهُ إِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا مَحْتُومًا فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ نَفْسُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط لکھا یا لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ عجم یا روم کے بادشاہ وہی خط پڑھتے ہیں جس پر مهر ثبت ہو تو حضور علیہ السلام نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی۔ اس کے نیچے پر محمد رسول اللہ لکھا تھا۔

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجہاد واللباس میں بھی ذکر کیا ہے۔ مسلم نے لباس میں اور امام نسائی نے سیر اور علم اور کتاب التفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔ امام بخاری نے ان دونوں حدیثوں کو مکاتیب کے ثبوت میں ذکر کیا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے ذیل کے مسائل معلوم ہوتے۔

۱۔ حدیث کو لکھنا، کفار کو دعوت اسلام دینا، کفار پر بددعا کرنا، قاضی، بادشاہ یا حاکم کو اپنے فرمان یا خط پر مہر لگانا، انگوٹھی کے نگینہ پر کوئی عبارت یا اپنا نام یا اللہ عز وجل کا نام کندہ کرنا۔ یہ سب امور جائز ہیں۔ واضح ہو کہ مرد کے لیے صرف چاندی کی انگوٹھی جو مردانہ وضع کی ہو اس کا نگینہ ایک ہو اور ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی ہو، پھنسا جائز ہے مگر ترک افضل ہے البتہ بادشاہ، حاکم و مفتی کو مہر کی غرض سے پھنسانا سنت ہے۔

بَابُ مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهَى بِهِ الْمَجْلِسُ

باب اس امر کے بیان میں کہ جو شخص وہاں بیٹھے جہاں مجلس

وَمَنْ رَأَى فُرُجَةً فِي الْخُلُقَةِ فَيَجْلِسُ فِيهَا (بخاری)

یہاں مجلس و حلقہ سے وعظ و تذکیر کی مجلس مراد ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ طالب علم کو علم کی مجلس میں کہاں بیٹھنا چاہیے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس باب میں جو حدیث لکھی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابو داؤد ششی کا بیان ہے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں صحابہ کرام کے ساتھ جلوہ فرما تھے کہ اتنے میں تین آدمی آئے ایک نے ان میں سے واپس ہو گیا اور دو مجلس نبوی میں شریک ہونے کے لیے آپ کے پاس کھڑے رہے۔ پھر ایک نے حلقہ میں تقویٰ سی خالی جگہ دیکھی وہاں بیٹھ گیا اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھا جب حضور بد عالم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا میں تم کو ان تینوں آدمیوں کا حال نہ بتاؤں؟ آپ نے فرمایا:-

۶۵۔ اَمَّا أَحَدُهُمْ فَادَّى إِلَى الْخُلُقَةِ
فَأَوَّاهُ اللَّهُ مِنْهُ وَإِمَّا الْآخَرُ فَاعْرَضَ
وَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ (بخاری)

جزادی (یعنی ثواب عطا فرمایا) اور دوسرا اس نے اعراض کیا۔ اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے صلوٰۃ میں، مسلم و ترمذی نے استیذان میں اور امام نسائی نے کتاب العلم میں ذکر کیا ہے۔ ۲۔ راویوں میں ابو داؤد قابل ذکر ہیں۔ ان کا نام حارث بن عوف ہے جنگ یرموک میں شریک ہوئے۔ کہیں کہیں وفات پائی اور مقبرہ حجاز میں دفن ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے ۲۴ حدیثیں مروایت کیں۔ صحابہ میں ابو داؤد کثرت کے تین اصحاب ہوئے ہیں۔

فادی الی اللہ سے معلوم ہوا کہ مجلس وعظ و نصیحت میں شریک ہونا باعث ثواب ہے تو مجلس میں جگہ خالی ہو تو اس کو پُر کر دینا بہتر ہے بشرطیکہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے۔ مجمع میں انتشار نہ ہو ورنہ جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ مجالس وعظ و نصیحت میں شریک ہونے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوتا ہے۔ فادی الی اللہ یہ اس لیے فرمایا جس نے حلقہ میں جگہ دیکھی تو وہاں جا کر بیٹھ گئے جس سے واضح ہوا کہ اگر مجلس وعظ میں جگہ خالی ہو تو اس کو پُر کر دینا بہتر ہے مگر اس صورت میں

جب کہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے اور مجمع میں انتشار نہ پھیلے ورنہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے۔
 فاستحی اللہ: یہ دوسرے شخص کے متعلق فرمایا جس نے طلق کے اندر آنے میں شرم کی نفی اور لوگوں کے پیچھے ہی بیٹھ گئے تھے۔ مطلب یہ کہ وہ ابا حلقہ میں نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر ثواب عطا فرمایا۔
 فاعرض اللہ عنہ: یہ اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے اس مجلس وعظ سے اعراض کیا۔ مطلب یہ کہ وہ مجلس وعظ کی خیر و برکت سے محروم رہے۔

۲۔ علامہ ابن حجر نے فاعرض اللہ کے ماتحت لکھا کہ یہ وعید اس شخص کے لیے بھی ہے جو مجلس خیر میں بلا عذر شریک نہ ہو لیکن یہ ظاہر ہے کہ عذر ہو یا نہ ہو ہر مجلس وعظ و تذکیر میں حاضر ہونا فرض و واجب کہاں ہے جس پر وعید سنائی جاتی۔ بعض شارحین نے پہلے شخص کو سب سے افضل قرار دیا ہے اور تیسرے کو محروم بلکہ بعض نے منافق تک لکھ دیا ہے حالانکہ بعض صحابہ میں اس کے متعلق اشارہ بھی نہیں ہے۔ حدیث زیر بحث میں تو صرف اس خاص مجلس کے شرکار کے شرکار کے احوال کا بیان ہے اور مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ وہ بھی — جو حیا کی وجہ سے آگے نہیں بڑھے اور لوگوں کے پیچھے بیٹھ گئے اور دوسرے جتنوں نے جگہ دیکھی اور وہیں بیٹھ گئے۔ ان دونوں نے اس مجلس کے ثواب کو پایا اور ان دونوں کو ان کی صحبت نیت کے مطابق ثواب مل گیا۔ لیکن تیسرے شخص جو اس مجلس میں شامل نہ ہوئے وہ اس خاص مجلس کے ثواب سے محروم رہے اور بس۔ البتہ اس حدیث سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ وہ اعظ و نصیحت کی مجالس میں شریک ہونا یا عیث اجرو ثواب ہے اور عذر شریک نہیں ہوتا تو وہ اس خاص مجلس کے ثواب سے محروم رہے گا۔ (واللہ اعلم)

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَابُ حَضَرِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِي آيَاتِهِ وَتَفْصِيلِهِ

وَبِكَتُّهُ مُبْلَغٌ آدَعْلَى مِنْ سَامِعٍ
 کہ بعض اوقات مبلغ، سامع سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے (بخاری)

ادب تعلیل کے لیے آتا ہے لیکن تحکیر کے لیے کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ مُبْلَغٌ یعنی البیہ جارد مجرور کو حذف کر دیا۔ آدَعْلَى: افضل التفصیل سے دئی سے اس کے معنی حفظ و ضبط کے ہیں۔ لفظ ترجمہ ترمذی میں مذکور ہے اور بخاری کتاب الحج میں بھی ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جن کو حدیث پہنچائی جائے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اصل سامع سے زیادہ حافظ رکھتے ہیں اور فہم و ضبط کا مادہ ان میں زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا انہیں ہاپیئے کہ دینی مسائل کو جب سنو، دوسروں تک پہنچا دو تاکہ تبلیغ و اشاعت دین کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے۔
 اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے:-

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر اپنے آپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ذکر کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام منیٰ میں فدویج کی دہلیز کو اونٹ پر چڑھ فرما جوئے ایک صاحب نے اونٹ کی ٹیکل نکھائی۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ آج بادونہ ہے؟ ہم سب خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کا کوئی اور نام لیں گے۔ فرمایا۔

آج یومِ تہنیتیں؟ ہم نے عرض کی جی ہاں۔ فرمایا۔ یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم خاموش رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ کا کوئی اور نام لیں گے۔ پھر

فرمایا۔ کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ ہم نے عرض کی ہاں۔ فرمایا۔ تمہارے عونؑ اموال اور عزتیں آپس میں (ایک دوسرے پر) حرام ہیں۔ جیسے اس دن کی حرمت اس مہینہ میں اور اس دن میں۔ پس حاضر کو چاہئے کہ وہ غائب کو میرا یہ ارشاد پہنچا دے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حاضر نے غائب میرے ارشاد کو زادہ یا درکھنے والا ہو۔

٦٦- قَالَ أَلَيْسَ لِيذِي الْحِجَّةَ قُلْنَا بَلَى
قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَ
أَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ
هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا
لِيُبْلَغَ الشَّاهِدَ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ
عَلَى أَنْ يُبْلَغَ مَنْ هُوَ أَوْ عَلَى كَهْ مِنْهُ (رَوَاهُ)

۱۔ اس حدیث کو امام نے فتنہ، تفسیرِ اضعاعی میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے دیات میں۔

۲۔ اوعی۔ کے معنی حفظ و نگہ رکھنا ہیں۔ فان دماءکم تقدیر عبارت یہ ہے۔ خان
سفلہ دماءکم واخذ اموالکم و سلب اعراسکم۔ زمانہ جاہلیت میں قتل و قتل، لوٹ مار و عزت و ناموس
پر حملے کرنا عربوں کی طبیعت نہایت ہی حضور علیہ السلام نے اپنے اس خطبہ میں جو آپ نے مقام مثنیٰ و الجحجی کی اتاریخ کو ارشاد
فرمایا۔ حاضرین کو نہایت حکیمانہ انداز میں مسلمان کی عزت و ناموس کی حرمت و عزت کا احساس دلایا اور فرمایا۔ ذوالجرح
کا مہینہ حرمت والا ہے۔ اس کی حرمت کے تم بھی قائل ہو۔ اسی طرح مکہ کی عزت و عظمت کے بھی تم لوگ قائل ہو۔ سن لو
کہ مسلمان کے جان و مال، عزت و ناموس کی حرمت اس مہینہ اور اس شہر کی طرح ہے۔

۳۔ حدیث زیر بحث مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ عالم کو منبر یا سواری پر بیٹھ کر وعظ کرنا جائز ہے ۲۔ عالم کو چاہیے کہ جہاں اور جس وقت جس مسئلہ کے اظہار کی زیادہ ضرورت ہو وہاں اس مسئلہ کو خصوصی طور پر بیان کرے ۳۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کا پاس و ملحوظ لازمی ہے اور حتی المقدور اپنے مسلمان بھائی کے جان و مال کی حفاظت کرنا اس کا فرض اسلامی ہے ۴۔ تمام مسلمانوں کی عزت و ناموس کا درجہ مساوی ہے۔ امیر و غریب، شاہ و فقیر، حقوق انسانیت میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔

عبدِ سلم کم تر از اصرار نیست خونِ شاه بر تر از معمار نیست

۵۔ حضور علیہ السلام اپنی احادیث کی تبلیغ و اشاعت کا کم فرمایا کرتے تھے اور صحابہ کرام احادیث نبویہ کو دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ ۶۔ صحابہ کرام کے ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ جب حضور علیہ السلام ان سے کوئی سوال کرتے تو وہ عموماً اللہ و رسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے) کہا کرتے تھے۔

بَابُ الْعِلْمِ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ

باب اس امر کے بیان میں کہ علم قول اور عمل پر مقدم ہے

لَقَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاَعْلَمُ اَنَّهُ لَا إِلَهَ
 كَيْفَ نَحْنُ اللَّهُ تَعَالَى نَعْرِفُ مَا بَا - جان لو کوئی معبود نہیں سوا

إِلَّا اللَّهُ فَبَدَأَ بِأَنْعَلِهِ (بخاری) | اللہ کے توالیہ علم سے ابتدا فرمائی

یعنی آت میں پہلے یہ فرمایا کہ اس امر کو جان لو کہ معبود حقیقی سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔
وَأَسْتَغْفِرُكَ اور استغفار ایک عمل ہی ہے تو آیت میں عمل کا حکم علم کے بعد دیا گیا جس سے واضح ہوا کہ علم عمل پر مقدم ہے۔

علم و علماء و فضائل | وَأَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ
وَرِثَةُ الْأَنْبِيَاءِ
وَرِثَةُ الْعِلْمِ مَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَقِّهِ وَافِرٍ
علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے علم
ورثہ میں چھوڑا۔ جس نے علم حاصل کیا۔ اس
نے پورا حتمہ حاصل کیا۔ (بخاری)

فوائد مسائل | یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جس کو ابن حبان، حاکم، ترمذی و ابوداؤد نے حضرت ابودرداء
سے روایت کیا ہے۔ پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص

علم دین کی طلب کے لیے سفر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ طالبان علم دین کے
لیے لانگ اپنے پر بچاتے ہیں اور زمین و آسمان کی مخلوقات اس کے لیے استغفار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔

عالم دین کی فضیلت، عابد پر بیسے ہے جیسے چودھویں کے چاند کو تمام ستاروں پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء پر کرام
میراث میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی میراث علم ہوتی ہے تو جس نے علم دین حاصل کیا۔ اسے میراث انبیاء کا پورا
حصہ مل گیا۔ قرآن پاک سے بھی اس مضمون کی توثیق ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ ثُمَّ ارْثِنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا
من عبادنا۔ اہم بخاری کا مقصد اس باب سے علم و علماء کی شان اور فضیلت بیان کرنا ہے تو جب علم

انبیاء کی میراث ہوا تو اس سے علم و علماء کی فضیلت واضح ہوتی کہ جیسے نبوت سے کوئی فضیلت زیادہ نہیں ہے۔ اسی
طرح کوئی شرف و ارث نبوت سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور یہ فضیلت نفس علم کی ہے۔ اگر اس کے ساتھ عمل بھی ہو تو بحمان اللہ

وَمَنْ سَأَلَ طَرِيقًا يَهْتَطِبُ بِهِ عِلْمًا
سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ
اور جو ایسے راستہ کو اختیار کرے جس سے علم دین
طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت
کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ (بخاری)

یہ بھی مذکورہ بالا حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ اہم مسلم نے اس کو روایت کیا۔ سہل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ علم دین
کی برکت سے اللہ تعالیٰ حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے گا۔ جس کی وجہ سے جنت میں جگہ ملے گی۔

وَقَالَ ارْتَبَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ
اور اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ اور وہ لوگ اللہ سے زیادہ
ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔

یعنی جو شخص جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی صفات کا عارف ہوگا۔ اتنی ہی زیادہ خوف و خشیت اس میں ہوگی
ی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔

۴۔ وَقَالَ وَمَا يَفْقَهُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ
یعنی قرآن پاک میں جو امثال ہیں۔ ان کے فوائد و نتائج کو عالم ہی جانتے ہیں۔

۵- وَقَالَ وَقَالُوا لَوْ كُنْتَ تَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ

۶- وَقَالَ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھوں نے کہا کہ اگر ہم سنتے اور عقل رکھتے تو ہم دوزخی نہ ہوتے۔

اور اللہ نے فرمایا کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے۔

۱- یعنی جب کفار کو دوزخ میں ڈالا جائیگا تو وہ کہیں گے کہ اے کاش ہم عقل رکھتے اور حق کو قبول کرتے تو حق کو قبول کرنا یہ اوصافِ علم سے ہے تو مطلب یہ کہ کفار قیامت کے دن کہیں گے کہ اگر ہم علم والے ہوتے تو اپنے فرائض کو سمجھتے اور جہنم سے نجات پاتے۔

۲- دوسری آیت میں عالم اور جاہل میں فرق بتایا گیا ہے کہ علم والوں کا درجہ بہت بڑا ہے اور علم کی مدح اور جہالت کی مذمت کی گئی ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ساتھ اللہ جھلائی کرنا چاہتا ہے

اور علم دی ہے جو سیکھنے سے حاصل ہو

اور حضرت ابو ذر نے فرمایا اگر تم تلوار رکھو اس پر اشارہ کیا اپنی گردن کی طرف اور پھر اس حالت میں بھی یہ سمجھو کہ میں ایک بات جو میں نے حضور علیہ السلام سے سنی ہے اس کو لوگوں تک پہنچا سکوں گا (گردن کٹنے سے پہلے) تو یہ اس کو ضرور پہنچا دوں گا۔

اور حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا۔ رہا نہیں

میں سے ہو جاؤ۔ بردبار، فقیہ اور عالم

اور کہا گیا ہے عالم ربانی وہ ہے جو ان کے قواعد کلیہ سے قبل جزئیات مسائل کو لوگوں کو سمجھا دے۔

۷- وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ ۚ وَإِنَّهَا لَعِلْمٌ بِالتَّعْلَمِ

۹- وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ لَوْ وَصَّعْتُمْ الصَّصَامَةَ عَلَى هَذِهِ وَأَشَارَ إِلَى فُفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ أَتَى أَلْفُ كَلِمَةٍ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تَجِيزُوا عَلَيَّ إِلَّا نَفَذْتُهَا

۱۰- قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنُوتُوا رَبَّانِيَيْنَ حُلَمَاءَ فَقَهَاءَ حُكَمَاءَ

۱۱- وَيُقَالُ الرَّبَّانِيُّ الَّذِي يُرِي النَّاسَ بِصِفَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كَهَارِهِ (بخاری)

عالم ربانی۔ یہ نسبت ہے رب کی طرف۔ یعنی وہ شخص جو علم و عمل میں اللہ کے حکم کا خیال رکھے۔ ابن اعظمی نے کہا کہ عالم ربانی اس کو کہیں گے جو خود بھی عامل ہو — حکماءِ حکیم کی جمع ہے حکمت کے معنی الجمع قول و عمل کے ہیں۔ نیز حکمت اشیاء کی حقیقت کے جاننے کو بھی کہتے ہیں — حلمااء۔ حکیم کے معنی بڑبار کے ہیں یعنی بوقت غیظ و غضب جو شخص اپنے غصہ کو قابو میں رکھے۔

۲- حضرت ابو ذر نے فرمایا۔ اگر میری گردن پر تلوار رکھ دی جائے اور اس حالت میں بھی حضور علیہ السلام کی کوئی حدیث بیان کر سکوں تو اس کو ضرور کر دوں گا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حدیث

نوی کو دین سمجھتے تھے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کو ایک اہم فرض جانتے تھے۔

بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب اس امر کے بیان میں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

يَتَحَوَّلُهُ بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَيْدًا | وعظ و نصیحت میں لوگوں کی رعایت کرتے تھے تاکہ وہ اگنا نہ جائیں

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت پر رحیم و کریم تھے۔ وعظ و نصیحت میں یہ خیال رکھتے تھے کہ لوگ اگنا نہ جائیں اور سلسلہ وعظ اسی وقت تک جاری رکھتے تھے جب تک لوگ خوشی سے سُن سکیں اور موقع و وقت دیکھ کر انہیں سمجھاتے تھے۔

۶۷۔ عَنْ أَنَسٍ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَوَّلُ بِنَاكِهِ فِي عِظَةٍ فِي الْأَيَّامِ كَدَاهَةِ السَّامَةِ عَلَيْنَا | حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ ہمارے نصیحت کرنے کے وقت ڈھونڈتے تھے دنوں میں۔ آپ اس کو بُرا سمجھتے تھے کہ ہم اگنا جائیں۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں تبلیغ فرماتے تھے جب کہ لوگ خوش و خرم ہوں اور اطمینان سے سُن سکیں۔ آپ نے وعظ کے دن معین فرمادیے تھے تاکہ لوگ اگنا نہ جائیں اور وعظ و نصیحت میں لوگوں کے مزاج کا خیال فرما کرتے تھے۔

فائدہ۔ اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے دعوات میں بھی ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے تو بے میں ذکر کیا ہے و امام ترمذی علیہ الرحمہ نے استیذان میں ذکر فرمایا ہے۔

۶۹۔ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَسْتَرُوا وَلَا تَفْسِدُوا وَلَا تَنْفُسُوا | حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر آسانی کرو۔ سختی نہ کرو اور بشارت دو نفرت نہ دلاؤ۔

اس حدیث میں تبلیغ کے اصول ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ ۱۔ عالم کو چاہئے کہ نرمی کے ساتھ لوگوں کو احکام اسلامی کی تبلیغ کرے۔ سخت کلامی سے کام نہ لے۔ عذاب الہی سے اس قدر ڈرے کہ لوگ اللہ کی رحمت ہی سے مایوس ہو جائیں بلکہ تصویر کے دونوں رخ ان کے سامنے رکھے۔ جب اللہ عز و جل کی قہاری کا ذکر کرے تو اس کی رحمت و مغفرت کا ذکر بھی کرے۔

۲۔ اس حدیث کو امام بخاری نے ادب میں۔ امام مسلم نے معازی میں اور امام نسائی نے بھی ذکر کیا۔

بَابُ مَنْ جَعَلَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ آيَاتًا مَعْلُومَةً

باب اس امر کے بیان میں کہ طالبین علم کی تعلیم کے لیے دن مقرر کیا جائے

عَنْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُدَكِّرُ النَّاسَ كُلَّ خَمِيسٍ - فَقَالَ كُنْ رَجُلًا حَيًّا أَبَا | حضرت ابو وائل (ثقیف بن سلمہ) سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کو وعظ کیا کرتے۔ ایک آدمی نے

عَبْدُ الرَّحْمَنِ لَوْ دِدْتُ أَنَّكَ ذَكَرْتَنَا
كُلَّ يَوْمٍ مَثَلِ أَمَانَةٍ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ
أَخْبَرَهُ أَنْ أُمِدَّ كَهْوَ آفِيءٍ تَخَوَّلَكُمْ
بِالْمَرْوَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ الْمَسَامَةِ
عَلَيْنَا.

اور خوشی کا وقت تلاش فرماتے تھے تاکہ ہم اکتانہ جائیں۔

کہا اے عبد الرحمن! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ہر روز
وعظ کریں۔ عبد اللہ بن مسعود نے جواب دیا (روزانہ
وعظ کئے سے) جو بات مجھے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ میں
تم کو تنگی میں ڈالنا پسند نہیں کرتا اور میں تمہاری
فرصت اور خوشی کا وقت ڈھونڈتا ہوں جیسے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو وعظ سنانے کے لیے ہماری فرصت

جائز کام کے لیے دن مقرر کرنے کا ثبوت

اس حدیث میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وعظ و نصیحت
کے لیے لوگوں کے فرصت کا وقت مقرر کیا جائے تاکہ وہ
اعلیان سے سُن سکیں نیز دن مقرر کر کے وعظ کرنے کا اس سے جواز بھی ثابت ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجالس خیر کے لیے
وقت و دن مقرر کرنے میں عوام کو آسانی رہتی ہے۔ جب ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں دن وعظ ہے تو وہ فرصت کا وقت
نکال کر اس میں شامل ہوتے ہیں۔ بعض لوگ دن کے تقریر سے بہت چڑھتے ہیں اور محفل میلاد و اعراس بزرگان دین کو
اس لیے بھی بدمعشت کہتے ہیں کہ یہ دن مقرر کر کے کیے جاتے ہیں حالانکہ اگر ضد و تعصب سے علیحدہ ہو کر غور کیا جائے تو اس
حدیث سے ہی یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی جائز کام کو دن مقرر کر کے کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔

بَابُ مَنْ يُرِدُ اللَّهَ بِهِ خَيْرًا يَفْقَهُهُ فِي الدِّينِ

باب جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے

حضرت معاویہ نے اپنے خطبہ میں کہا کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی
کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں
قائم ہوں اور اللہ عطا فرمانے والا ہے اور میری امت
کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی جو
ان کا خلاف کرے گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔
حتیٰ کہ اللہ کا امر آجائے۔

۷۰۔ مَعَاوِيَةَ خُطِبًا يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدُ اللَّهَ بِهِ
خَيْرًا يَفْقَهُهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ
وَاللَّهُ يُعْطِي وَلَكِنْ تَرَكَ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَائِمَةً
عَلَى أَمْرِ اللَّهِ لَا يُضَرُّهُمْ مِنْ خَالَفَهُمْ حَقٌّ
يَبَاقِي أَمْرُ اللَّهِ

(بخاری)

حدیث ہذا کے راویوں میں امیر معاویہ قابل ذکر ہیں۔ جلیل القدر صحابی
ہیں۔ معاویہ بن ابی سفیان صحابہ کرام میں سے تھے۔ ان سے ۱۳۶ احادیث مروی ہیں۔ امام بخاری نے

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کاتب الوحی تھے۔ جب ۴۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان سے کل ۱۳۶ احادیث مروی ہیں۔ امام بخاری نے
صرف آٹھ حدیثیں اور مسلم نے صرف پانچ حدیثیں ان سے روایت کیں اور ہم پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا۔ صحابہ میں معاویہ

ابن مخرمہ یہی ہیں۔

فقہ کی تعریف

لفظ میں فقہ کے معنی فہم کے ہیں اور عرف میں فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کا نام ہے جو احکام مذکورہ کے دلائل تفصیلیہ سے حاصل کیا جاتا ہے ۲۔ احکام شرعیہ کی قید سے احکام عقیدہ و خیرہ و نحوہ کو تعریف سے خارج کرنا مقصود ہے ۳۔ احکام شرعیہ دو قسم پر ہیں۔ اصلیہ و فرعیہ — وہ احکام شرعیہ جن کا تعلق اعتقاد سے ہے۔ انہیں اصطلاح شرعیہ میں اصلیہ کہتے ہیں — اور جن کا تعلق عمل سے ہے وہ احکام شرعیہ فرعیہ کہلاتے ہیں۔

۴۔ علم احکام شرعیہ اصلیہ کو ”علم کلام“ کہتے ہیں اور علم احکام شرعیہ فرعیہ کو فقہ کہتے ہیں ۵۔ احکام خواہ اصلیہ ہوں یا فرعیہ ان کا استخراج و استنباط کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع و قیاس (اولہ اربعہ) پر موقوف ہے۔ حدیث ہذا میں یہ بتایا گیا ہے کہ دین کی فہم و بصیرت یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کو دی جاتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہو۔ اس سے علماء و مجتہدین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ وہ دین کی اعلیٰ فہم رکھتے ہیں۔

۶۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا کہ دینے والا خدا ہے اور تقسیم کرنے والا میں ہوں یعنی اللہ کی تمام نعمتوں کی تقسیم میرے سپرد ہے۔ میرے واسطہ اور وسیلہ کے بغیر کسی کو کچھ نہیں مل سکتا۔

۷۔ ولن تزال سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ اُمت آخری اُمت ہے اور اسی پر قیامت قائم ہوگی اور اس اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور کسی مخالفت کی مخالفت ان کو حتیٰ سے ہٹا نہ سکے گی یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا۔

واضح ہو کہ حدیث مذکورہ حقیقیاتی اصل اللہ سے مراد وہ ہوا ہے جو قرب قیامت میں چلے گی اور جس کی وجہ سے ہر مسلمان کی وفات واقع ہوگی اور پھر صرف کفار و مشرکین زمرہ رہ جائیں گے۔ جن پر قیامت آئے گی کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک دنیا میں ایک بھی اللہ کئے والا موجود رہے گا قیامت نہیں آئے گی۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔ قیامت شرار اخلق پر قائم ہوگی۔ لہذا امر اللہ سے وہ ہوا مراد لی جانی چاہئے جو قرب قیامت میں چلے گی اس حدیث سے واضح ہوا کہ چاہے اسلام کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو جائے مگر ہر زمانہ میں ایک جماعت ایسی ضرور موجود رہے گی جو حق پر قائم رہے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے افراد کثیر ہوں گے یا ان کو دنیاوی غلبہ (حکومت) بھی حاصل ہوگا بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ ہر زمانہ میں صحیح اسلام کو اپنا کے ہوئے ایک جماعت ضرور موجود رہے گی۔ خواہ دنیاوی لحاظ سے مجبور و مظلوم کیوں نہ ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی جماعت جو حق پر قائم رہے گی وہ کون ہے؟ بلاشبہ یہ وہ جماعت ہے جو ماسائنا علیہ و اصحابی کی مصداق ہوگی یعنی اہل سنت و جماعت۔

بَابُ الْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ

باب علم کو سمجھنے کے لیے عقل و فراست کی ضرورت

۱۔ اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ دین کو سمجھنے کے لیے عقل و فراست کی ضرورت ہے یعنی جو شخص عقل و فراست کا لک ہے وہ قرآن و حدیث کی تفہیم پر غور و فکر کرتا ہے۔ سیاق و سباق اور اس کے اشارات کو سمجھتا ہے اور پھر صحیح

بات تک پہنچ جاتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیدیا ہے (کہ وہ دنیا میں رہے یا آخرت کا سفر کرے) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے اور لوگوں نے تعجب کیا کہ یہ روتے کیوں ہیں؟ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خدا دادی و فہم و فراست سے یہ جان لیا تھا کہ اس بندے سے مراد خود حضور اکرم علیہ السلام کی ذات اقدس ہے اور اب حضور علیہ السلام سفر آخرت اختیار فرمانے والے ہیں اسی لیے صحابہ کما کرتے تھے کہ صدیق اکبر تم سب میں زیادہ علم رکھتے ہیں۔ امام نے اس عنوان کے تحت وہی حدیث لکھی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے صحابہ سے سوال کیا تھا کہ ایک درخت ایسا ہے جو مسلمان کی طرح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمجھ گئے کہ وہ کھجور کا درخت ہے مگر بوجہ اپنی کمسنی کے ابا و احمرا خاموش رہے۔ اس سے حضرت عبداللہ بن عمر کے فہم و ذکا کا حال معلوم ہوا۔ یہ حدیث مع تفہیم کے گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ اس لیے ہم نے یہاں نہیں لکھی۔ ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۶۶، ۶۷

بَابُ الْإِعْتِبَاطِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ

باب علم و حکمت میں رشک کرنے کے بیان میں

کسی میں کمال کو دیکھ کر رشک کرنا اور یہ تمنا کرنا کہ اے اللہ! یہ کمال مجھے عطا فرما جائز ہے۔ غبطہ اسی کو کہتے ہیں اور حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے فضل و شرف کو دیکھ کر جل جانا اور اس کے زوال کو چاہنا یہ ناجائز و حرام ہے۔ اس باب میں امام بخاری علیہ الرحمۃ بتا رہے ہیں کہ اگر رشک کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ علم و حکمت ہی ہے کیونکہ علم دین تمام دینی و اخروی برکات و حسنات کا ذریعہ اور فلاح دارین کا وسیلہ ہے۔

وَقَالَ عَبْدُ نَعْمَانَ قَبْلَ أَنْ تَسْوَدُّوا (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ حکومت و سرداری ملنے سے پہلے علم دین حاصل کر لو تاکہ نظام حکومت کو شریعت اسلامیہ کے مطابق چلا سکو۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حاکم بننے کے بعد عام طور پر آدمی طالب علم کی حلف میں بیٹھنے سے چمکیا ہوا ہے اور اس طرح دین کی ضروری باتوں سے جاہل رہتا ہے۔ لہذا آدمی کو چاہیے کہ سرداری پر فائز ہونے سے پہلے ہی یہ مرحلہ طے کر لے اور دین کی ضروری باتوں سے باخبر ہو جائے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ كَيْدٌ أَنْ تَسْوَدُّوا وَقَدْ تَسَلَّمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْدَ مِنْهُمْ (بخاری)

مطلب یہ کہ دین کا علم حاصل کرنے میں شرم مت کرو کیونکہ دین کا علم حاصل کرنا کسی عمر یا کسی درجہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر عمر اور ہر درجہ کے آدمی کو علم دین حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ صحابہ کرام علیہم السلام و الرضوان بڑھاپے میں بھی علم دین حاصل کرتے تھے اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم عمل رہتے تھے۔

۷۲۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَا لَا قِسْطَ لَهُ عَلَى هَلَكِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُكَلِّمُهَا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رشک جائز نہیں مگر دو باتوں میں۔ اول جس کو اللہ نے دولت دی اور وہ اس کو نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ دوم۔ جس کو اللہ نے حدیث کا علم دیا اور وہ اس کے موافق فیصلہ کرتا اور تعلیم دیتا ہے۔

فوائد ومسائل

۱۔ اس حدیث کو امام نے کتاب الزکوٰۃ، احکام، اختصاص میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے زکوٰۃ میں۔ نسائی نے علم میں اور ابن ماجہ نے زہد میں لکھا ۲۔ لَا حَسَدَ۔ حسد سے مراد یہاں عجب ہے یعنی رشک کرنا۔ حضور رب عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا وہ باتیں ایسی ہیں جن میں رشک کیا جاسکتا ہے۔ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دی اور وہ اس کو مصارفِ خیر میں خرچ کرتا ہے۔ وہ شخص جس کو اللہ نے علم و دین کی دولت عطا فرمائی اور وہ اس کے مطابق فیصلے دے۔ یہ دو باتیں ایسی ہیں جو قابل رشک و تمنا ہیں ۳۔ رشک اگر نیک باتوں پر کیا جائے تو برہم و بے اثر ہے اسی کے متعلق فرمایا۔ فلتنافس المحتناف سوف اور اگر رشک معصیت اور گناہوں پر کیا جائے تو بے مذموم ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا۔ لاتناضوا۔ یعنی کسی کو برائی کرنے دیکھ کر رشک مت کرو اور امرِ صالح میں رشک کرنا مباح ہے اور حرام ہے۔ احادیث میں اس کی بہت مذمت وارد ہوئی ہے۔ حسد کے یہ معنی ہیں کہ کسی شخص میں غریبی دیکھی اس کو اچھی حالت میں پایا تو رنج دل میں یہ آرزو کی جائے کہ یہ نعمت اس سے جاتی ہے اور مجھے مل جائے ۲۔ حدیث زیر بحث میں حسد سے مراد غبطہ ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے جو کنونان ہاندہ اس سے بھی یہ تہ چلتا ہے۔ البتہ بعض علمائے حدیث زیر بحث کا یہ مطلب بھی لیا ہے کہ حدیث مذکورہ کا معنی یہ ہے کہ اگر حسد جائز ہوتا تو ان دو باتوں میں جائز ہوتا مگر ان میں بھی جائز نہیں جیسا کہ حدیث لا مشرک الا فی الساریں اسی قسم کی تاویل کی جاتی ہے۔ ۳۔ یقضی۔ فتویٰ اور قضا میں فرق ہے۔ فتویٰ کا تعلق صرف مسئلہ سے ہوتا ہے۔ واقع سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اور قضا کا، علم مسئلہ اور علم واقعہ دونوں سے ہوتا ہے۔ حکمت سے مراد یا تو قرآن مجید ہے جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ میں وارد ہوا۔ ورجل علمہ الفکران اور حکمت سے مراد حدیث نبوی بھی ہو سکتی ہے۔

بَابُ مَا ذَكَرَ فِي ذَهَابِ مُوسَى فِي الْبَحْرِ

باب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش

إِلَى الْخَضِرِ وَقَوْلِهِ لَعَالَى هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَى أَنْ تَكَلِّمَنِي

میں دریا کے کنارے جانا اور اللہ تعالیٰ کا اسرہ کہتے

میں حضرت موسیٰ کا یہ قول نقل کرنا اَهْلَ اَيْتُكَ اَلْ

گزشتہ باب میں اس امر کا بیان تھا کہ علم ایک عظیم نعمت ہے اور اس پر رشک کرنا جائز ہے۔ اب اس باب میں امام نے جو حدیث ذکر کی ہے اس سے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم دین کے حصول کے لیے عیسیتیں اٹھانا پڑتی ہیں اور دشوار گزار سفر کرنے ہوتے ہیں۔ نیز علم کے حصول میں شرم نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے حضرت

خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے میں شرم نہیں فرمائی اور ان سے ملاقات کے لیے سفر کیا ۲۔ اس باب میں امام نے جو آیت لکھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔ ”کیا میں تمہیں ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے لکھا دو گے وہ ایک بات جو تمہیں تعلیم ہو“ امام نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ آدمی کو علم دین کی طلب میں رہنا چاہیے چاہے وہ خود کتنا ہی بڑا عالم ہو مگر پھر بھی علم کے مزید حصول کے لیے کوشاں رہے اور یہ کہ جس سے علم دین حاصل کرے اس کے ساتھ ادب و تواضع سے پیش آئے۔ اس باب میں امام نے جو حدیث لکھی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت حزن قیس کے درمیان اس امر میں اختلاف ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کس کے پاس گئے تھے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور حزن قیس حضرت خضر کی بجائے کسی اور کا نام لیتے تھے تو حضرت ابی ابن کعب وہاں سے گزرے۔ حضرت ابن عباس نے ان کو اپنے اختلاف کا قصہ سنایا اور کہا کیا اس معاملہ میں تم نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے تو حضرت ابی ابن کعب نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

۴۳۔ یَقُولُ بَيْنَهُمَا مُوسَىٰ فِي مَشَلٍّ مِّنْ
بَنِي إِسْرَءِيلَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَعَالَ
هَلْ تَعْلَمُونَ أَحَدًا أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ مُوسَىٰ
لَا فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَىٰ مُوسَىٰ بَلَىٰ عَبْدًا خِصْرًا
فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ
الْحُوتَ أَبَةً وَفَيْلَ لَهُ إِذَا فَحَقَّتْ الْحُوتُ
فَأَرْجَعِ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ فَكَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَ
الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ لِمُوسَىٰ فَتَسَاهُ
أَدْرَأَيْتَ إِذْ أَوْفَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي
لَنَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَتَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ
أَنْ أَذْكُرَهُ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّ
عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا خِصْرًا فَكَانَ مِنْ
شَاهِدِهِمَا قَصَصَ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِي كِتَابِهِ

ایک دن موسیٰ جماعت بنی اسرائیل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا کہا۔ آپ ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ حضرت موسیٰ نے کہا نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ ہمارا ایک بندہ ہے خضر جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے حضرت موسیٰ نے ان سے ملاقات کا راستہ پوچھا تو اللہ نے ایک مچھلی ان کے لیے نشان مقرر کر دی اور فرمایا جب یہ مچھلی گم ہو جائے تو لوٹ جانا خضر سے ملاقات ہو جائے گی تو حضرت موسیٰ مچھلی کے نشان پر سمندر کے کنارے چلے۔ ان کے خادم (پوش) نے کہا جب ہم صخرہ کے پاس بٹھریں گے تو میں مچھلی کا (قصہ) بیان کرنا بھول گیا اور شیطان ہی نے مجھے بھلایا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ ہم تو

اسی جگہ کی تلاش میں تھے۔ پس دونوں اپنے نشانات قدم پر واپس ہوئے اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی اور وہ معاملہ پیش آیا جس کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

۱۔ اس حدیث کو امام نے بخاری شریف میں دس جگہ ذکر کیا ہے۔ مسلم و ترمذی نے علی الترتیب احادیث الانبیاء و تفسیریں ذکر کیا ۲۔ من بنی اسرائیل سے مراد اولاد یعقوب علیہ السلام ہے۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے۔ آپ کے بارہ فرزند تھے جن کے نام یہ ہیں ۱۔ یوسف ۲۔ بنیامین

قوائد و مسائل

۳۔ دانی ۴۔ نقیال ۵۔ زباطون ۶۔ وجاد ۷۔ یستآخر ۸۔ اشیر ۹۔ رویل ۱۰۔ یہودا ۱۱۔ شعون ۱۲۔ لاوی
ان بارہ کو اسباط کہتے ہیں۔ اسباط عربی میں اس درخت کو کہتے ہیں جو کثیر ٹنٹیاں رکھتا ہو کیونکہ یہ بارہ ہر قبیلہ کے
والد ہیں اس لیے ان کو اسباط کہتے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ قصہ خضر علیہ السلام میں موسیٰ سے مراد موسیٰ بن عمران
ہیں موسیٰ بن عشا نہیں۔

۳۔ خضر بفتح خا و کسر ضا و معجم یہ لقب ہے۔
حضرت خضر علیہ السلام سے متعلق ضروری معلومات

بعض نے کہا آپ کا نام خضرون ہے اور کنیت ابو العباس ہے۔ آپ نبی ہیں صاحب وحی ہیں۔ قرآن پاک میں آپ
کے متعلق فرمایا۔ اٰتٰیْنٰہُ رَحْمَۃً وَرَحْمَۃً سے مراد قربت ہے مافلتہ امدی کے لفظ بھی یہ بتاتے ہیں کہ آپ نبی
ہیں ۴۔ حضرت خضر علیہ السلام کو علم باطن حاصل تھا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ
علیہ السلام سے فرمایا۔ ایک علم مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا عطا فرمایا ہے جو آپ نہیں جانتے اور ایک علم آپ کو ایسا عطا فرمایا
ہے جو میں نہیں جانتا۔ مفسرین و محدثین فرماتے ہیں۔ جو علم حضرت خضر علیہ السلام کے اپنے خاص فرمایا وہ علم باطن و
مکاشفہ ہے اور اہل کمال کے لیے یہ باعث فضل ہے کیونکہ علم باطن کی وجہ سے جو افعال صادر ہوں گے وہ حکمت سے
ہوں گے اگرچہ بظاہر خلاف معلوم ہوں ۵۔ اکثر علماء، مشائخ و صوفیاء و اہل عرفان اس پر متفق ہیں کہ حضرت خضر
علیہ السلام زندہ ہیں اور یہ ممکن ہے کہ اللہ عزوجل اپنے بندے کو طویل عمر عطا فرمائے۔ حضرت امام بخاری،
ابن مبارک، ابن الجوزی، ابن المنادی اور علماء ایک طائفہ حیات خضر علیہ السلام کا قائل نہیں ہے اور حیات خضر کا
مسئلہ روایات دین سے بھی نہیں ہے ۶۔ قرآن حکیم میں یہ واقعہ سورہ کف میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ۷۔ بعض جناب
صوفی کہا کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو حضرت خضر علیہم السلام سے علم حاصل کرنے کا حکم ہوا حالانکہ وہ ولی ہیں۔ میاں!
ولی کا مرتبہ بہت بڑا ہوتا ہے۔ جو علم ولی کے پاس ہوتا ہے وہ نبی کے پاس بھی نہیں ہوتا (معاذ اللہ)۔ ایسا
کہنا کفر جلی ہے۔ ولی تو نبی پر ایمان لانے اور اس کے نقش قدم پر چلنے سے مرتبہ ولایت کو پاتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ
ولی نبی سے بڑھ جائے۔ اس کے علاوہ حق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی نبی تھے۔ چنانچہ علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ
نے لکھا ہے۔

والصحيح انَّهُ سَجَّ وَ حَبِزَ بِهِ | صحيح یہ ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں اور علماء کی
جماعۃ (یعنی جلد ۱ ص ۴۴)

۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسائل کے جواب میں فرمایا۔ لایعنی مجھ سے زیادہ علم کسی کو نہیں ہے۔ آپ کا یہ
جواب بالکل حق و صواب تھا کیونکہ نبی اپنی امت کے تمام افراد سے قطعاً و حتماً افضل و اعلم ہوتا ہے لیکن آپ کے ان لفظوں
پر اللہ تعالیٰ نے مواخذہ فرمایا یعنی آپ کی شان اعلیٰ و ارفع کے زیادہ مناسب یہ تھا کہ آپ اللہ اعلم سے جواب دیتے۔
۹۔ لَيَجْعَلَنَّ اللّٰهُ الْحَقَّ الخ پھیل کو نشانی اس طرح بنایا گیا کہ آپ کو ہدایت کی گئی کہ ایک پھیل اپنے پھیلے

ہیں رکھ لیجئے۔ جس جگہ کہ ہو جائے وہی ملاقات خضر علیہ السلام کا مقام ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فتاویٰ سے مراد حضرت یوشع بن نون ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدمت نگار تھے اور آپ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مسائل حدیث | بحث ہوتی ۲۔ بوقت اختلاف اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہئے ۳۔ اہل علم کو مزید علم و معرفت حاصل کرنی چاہیئے ۴۔ سفر کی حالت میں ناشتہ وغیرہ ساتھ لے جانا جائز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سفر فرمایا تو ناشتہ وغیرہ ساتھ لے لیا تھا ۵۔ استاد کو شاگرد سے خدمت لینا جائز ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع بن نون سے خدمت لیتے تھے۔ (واللہ اعلم)

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بیان میں کہ

لے اللہ ان کو کتاب کا علم عطا فرما۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گلے سے لگایا اور فرمایا: اے الہی اس کو کتاب (قرآن) کی سمجھ عطا فرما۔

اللَّهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ

۴۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَسْبَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللَّهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ (بخاری)

فوائد و مسائل | امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو فضائل صحابہ میں اور بہارت میں بھی ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے فضائل ابن عباس میں ترمذی نے مناقب میں اور امام نسائی اور ابن ماجہ نے سنن میں ذکر کیا ہے۔ ۲۔ کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے کیونکہ جنس مطلق کامل پر محمول ہوتی ہے۔ یا کتاب پڑ الف لام، عہدی ہے۔ ویسے عرف شرع میں کتاب سے مراد قرآن ہی لیا جاتا ہے ۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دعائیں جیسے مختلف

لفظوں سے مروی ہیں علیحدہ المحکمہ ابن ماجہ علیحدہ المحکمہ و تادل الکتاب ترمذی اللہم فقہ بخاری۔ کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے اور حکمت سے مراد سنت نبوی ہے۔ چنانچہ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ قرآن عظیم میں اصولی احکام ہیں اور سنت ان اصولوں کی تشریح و توضیح ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دعا مقبول ہے۔ علامہ کرمانی کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابن عباس کے لیے جو دعا فرمائی اس کی قبولیت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ حضرت ابن عباس سید المفسرین ہیں۔ جبر اللہ، بحر العلم اور ترجمان القرآن ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے گئے تو حضرت ابن عباس نے ایک ٹوٹا پانی کا آپ کے لیے رکھ دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کس نے رکھا۔ لوگوں نے عرض کی ابن عباس نے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے ان کو گلے سے لگایا اور مذکورہ بالا دعا دی ۴۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معاف کرنا جائز ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو منصور ماتریدی اس جواز کے قائل ہیں اور وہ معاف کردہ ہے جو علی وجہ الشہوة ہو (یعنی جلد اول ص ۳۵۶)

بَابُ مَنْ تَصِيحُ سَمَاعِ الصَّغِيرِ

باب اس امر کے بیان میں کہ بچہ کا حدیث مسناک مقبوتر ہے

اس باب میں امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث کے تحمل (سننے وغیرہ) میں بالغ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ بچہ اس قابل ہو جائے کہ بات سمجھ لے تو اس کی کہی ہوئی حدیث مقبوتر ہوگی۔ یحییٰ بن معین کا مسلک یہ ہے کہ تحمل حدیث کے لیے کم از کم پندرہ برس کی عمر ہونا ضروری ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے نزولۂ احمہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شریک نہیں کیا۔ اسی طرح غزوۂ بدر میں حضرت برادر وغیرہ کو نہیں یا کیونکہ ان کی عمریں پندرہ برس سے کم تھیں۔ امام احمد بن حنبل نے جواب دیا کہ غزوۂ بدر میں پندرہ برس سے کم عمر بچوں کو واپس کرنا تو اس امر پر مبنی تھا کہ یہ حضرات لڑائی کی قوت اور تجربہ نہیں رکھتے تھے اور حدیث کے تحمل کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ متعدد حدیثیں ایسی ہیں جو بحالت بچپن صحابہ نے سنیں اور بالغ ہو کر ان کو بیان یا اور وہ روایتیں مقبول ہوئیں۔ امام اوزاعی سے فرمایا کہ نابالغ جب کہ بات سمجھنے اور اس کو یاد رکھنے کی صلاحیت ہے۔ اس کی سنی ہوئی حدیث اس لیے بھی مقبوتر ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ نیز تحمل حدیث کے باب میں فہم و ضبط اس لیے بھی کافی ہے کہ اگر آدمی ۵۰ برس کا بھی ہو اور فہم و ضبط نہ رکھے تو اس کی حدیث نامقبول ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا۔ میں بلوغ کے قریب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں بغیر ارڈ کے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں بعض صفوں کے سامنے سے گزرا اور گدھی کو چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں شریک ہو گیا تو میرے اس فعل پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔

۷۵ - عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقْبَلْتُ إِبْنًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانِي وَاسْتَأْذَنَ مِنِّي فَدَخَلْتُ إِلَيْهِ فَدَخَلْتُ مَعَهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِمَنِيٍّ إِلَى غَيْرِ حِمَارٍ مَرَدَّتْ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الْقَصَفِ وَرُئِيتُ الْكَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ الْقَصَفُ يَكْمُ يُكْمَرُ ذَالِكَ عَلَى أَحَدٍ

امام نے اس حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں بھی ذکر کیا اور سلم و ترمذی و ابن ماجہ نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ۲۔ حصارا تان مادہ خر کو کہتے ہیں۔ ماہنت کے معنی قاریت کے ہیں مطلب کہ اس وقت میں بالغ ہونے کے قریب تھا۔ منیٰ، مکہ سے ۴۴ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے جہاں مناسک حج اکیے جاتے ہیں اور قربانی ادا کی جاتی ہے ۳۔ اس حدیث کو ذکر کر کے امام نے یہ بتایا کہ تحمل حدیث کے لیے بالغ ہونا شرط نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس اس وقت بالغ نہ تھے مگر بائیں ہمدان کی بیان کی ہوئی حدیث تسلیم کی گئی۔ فقہانے ایک سات برس کی عمر میں فہم و ضبط کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ الی غیر ہمدان یعنی حضور علیہ السلام بغیر سترہ کے نماز افرارہے تھے۔ جس سے واضح ہوا کہ نماز کی آگے سے اگر آدمی جانور یا کوئی چیز گزر جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عباس صفت کے آگے سے گزرے۔ ظاہر ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا گناہ ہے مگر گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ گزرنے والے کے اعضا نمازی کے محاذی بن جائیں۔ اور جب کہ ابن عباس سواری پر تھے تو ایسا نہ ہوا ہوگا یا یہ کہ صفت میں شامل ہونے کے لیے آگے سے گزرنا ضروری ہوا ہوگا۔ اس کے بعد امام نے مزید ثبوت کے لیے نخل تہذ کے لیے بلوغ شرط نہیں صرف فہم و ضبط کافی ہے۔ یہ اثر ذکر کیا ہے۔

محمد ابن ربیع بن سراقۃ انصاری کہتے ہیں۔ مجھے اس امر کا شعور ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ڈول سے پانی لے کر مجھ پر ٹنگی فرمائی۔ میں اس وقت پانچ سال کا تھا۔

۶۶۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُبِیْعِ قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجَّةً مَجْهُولًا فِي وَجْهِهِ وَأَنَا ابْنُ خُبَيْسٍ سَيْنٍ مِنْ دَلِيٍّ (بخاری)

۱۔ اس حدیث کو امام نے طہارت میں بھی ذکر کیا۔ نسائی وابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سماع صغیر صحیح و معتبر ہے ۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برکت پہنچانے کے لیے تحنیک فرمایا کرتے تھے حضور علیہ السلام کا نقلی فرمانا برکت کے لیے تھا۔ جس سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ بزرگان دین کے پس نوحہ میں برکت ہوتی ہے اور تحنیک سنت ہے۔

بَابُ الْخُرُوجِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ

باب علم کے طلب کرنے کے سفر کرنا

یعنی علم دین کے حصول کے لیے سفر کرنا خواہ بری ہو یا بحری۔ مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم دین کے حاصل کرنے کے لیے سفر کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔

وَرَجَلٌ جَابِرٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ مَسِيرَةً شَهْرٍ الْحَبَشَةِ عِنْدَ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ (بخاری)

اور جابر بن عبد اللہ نے حضرت انس سے صرف ایک حدیث حاصل کرنے کے لیے ایک ماہ کی مسافت کا سفر کیا۔

۷۷۔ امام نے اس کے بعد ۳۷ حدیث ذکر کی ہے جس میں حضرت خضر موسیٰ علیہما السلام کا واقعہ مذکور ہے جو مع تفسیر کے گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے ملاحظہ ہو۔ اسی لیے ہم نے یہاں درج نہیں کی۔ امام نے حدیث خضر کو ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ دیکھو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے علم حاصل کرنے کے لیے ایک طویل سفر اختیار فرمایا۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ عِلِمَ وَعَلِمَ

باب علم حاصل کرنا اور دوسروں کو سکھانے کی فضیلت

واضح ہو کہ احادیث تبویہ میں جب علم کا لفظ بلا کسی اضافت و تشریح کے آتا ہے تو اس مراد علم دین ہوتا ہے یعنی وہ دین جس کے اصول اور کچھ فروع قرآن پاک نے بتائے اور اس کے اصولوں کی تشریح و توضیح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے فرمائی۔ جس کا نام دین اسلام

ہے جو انسان کو یہ بتاتا ہے کہ اس کی حیثیت کائنات میں کیا ہے۔ خالق کی طرف سے اس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اس دنیا میں اسے کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے اور اپنے تمام اعمال کی گاڑی کو کون کونسی لائنوں پر چلانا چاہیئے۔ اسی طرح جب عالم کا لفظ احادیث میں بلا کسی تخصیص و تشریح کے آتا ہے تو اس سے مراد وہ افراد ہوتے ہیں جو علم دین سے واقف ہوئے کے ساتھ ساتھ ضروری حد تک اس پر عمل کرتے ہوں۔ ورنہ وہ لوگ جو دین کا علم تو رکھتے ہیں مگر خود عمل نہیں کرتے یا جنہوں نے دین کو صرف دنیا کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے ان کے لیے تو احادیث میں سخت وعیدیں لی ہیں۔

دین کی تبلیغ کی اہمیت | پھر اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں علم دین حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور علم و علمائے عظیم فضائل ارشاد فرمائے ہیں وہاں اس سے کہیں زیادہ دین کی تبلیغ و اشاعت پر زور دیا ہے اور مبلغین دین اسلام کی عظمت و رفعت کے خطبے اپنی زبان فیض و رحمان سے ارشاد فرمائے ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا:-

عالم دین کی برتری اور فضیلت عابد پر انہی ہے جیسے میری برتری تم میں سے کسی ادنیٰ پر
اللہ عز وجل رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے ساکنان زمین و آسمان یہاں تک کہ چوڑھویں پلے تلوں میں اور مچھلیاں تک دعائے خیر کرتی ہیں اس شخص کے لیے جو دین کی تعلیم دیتا ہے۔

۱۔ فَضِّلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى آذَنِكَ
إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَ أَهْلَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ حَتَّى الْمَسْكَنَةِ فِي حُجُجِهَا وَ
حَتَّى الْحُوتِ لَيُصَلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ
الْخَيْرِ (ترمذی) (یعنی ج ۱)

اس حدیث میں عالم سے مراد وہ شخصیت ہے جو اپنے علم کو چھپانے نہیں بلکہ مخلوق خدا تک پہنچانے ہیں اور عابد سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرائض و واجبات کے علاوہ عبادات نافلہ میں اپنے سبیل و نہار بسر کرنے ہیں اور منکرات و معاصی کے علاوہ مشہات تک سے بچتے ہیں لیکن اس کے باوجود فرمایا جاتا ہے کہ مبلغ اسلام کا درجہ اور رتبہ اس عابد سے بہر صورت زیادہ ہے تو اس فضل عظیم کی بنیاد و علت یہی ہے کہ عابد عبادت میں اپنے سبیل و نہار کو صرف کر کے ضرر اپنی ذات کے لیے سامان فلاح و نجات مہیا کرتا ہے مگر مبلغ اسلام اپنے علم کو پھیل کر سینکڑوں کو راہداریت دکھاتا ہے۔ اس کے چار اہم علم سے بے علموں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ دین کی تبلیغ و اشاعت کر کے معاشرہ میں پھیلی ہوئی تارکی کو چھانتا ہے۔ غرض کہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا جو اعمال انفرادی تزکیہ و فلاح کا ذریعہ ہوں وہ اپنی مقدار کے اعتبار سے نئے ہی کثیر ہوں مگر ان سے بدرجہا ہمزود اعمال و افعال ہیں۔ جن سے اجتماعی و عمومی منافع حاصل ہوں۔ امام بخاری قدس سرہ العزیز نے فضل من علم و علمہ کا عنوان باندھ کر تبلیغ دین کی اہمیت اور اس کی افادیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

حضرت ابی موسیٰ اشعری سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت اور علم کو دے

۷۸۔ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ

بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ
 الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَفْيَةٌ
 قَبَلَتْ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَّا وَالْحَشْبَ
 الْكَثِيرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْكَتِ
 الْمَاءَ فَفَعَّعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا
 وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةٌ
 أُخْلِيَ إِنْهَاجُهَا فَيَبَّحَ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَ
 لَا تُبْنِتُ كَلَّا فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقَدَ
 فِي الدِّينِ وَنَفَعَهُ بِمَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعَلِمَ
 وَعَلِمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَزِدْ بِذَلِكَ رَأْسًا
 وَلَمْ يَقْبَلْ هَذَا اللَّهُ الَّذِي أُوْسِلْتُ بِهِ
 (بخاری)

ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بعثت فرمایا۔

فوائد مسائل

اس حدیث کو امام نے صرف ایک بار اسی باب میں ذکر کیا اور مسلم نے فضائل النبی میں اور نسائی نے علم میں ذکر کیا ہے۔ علم سے مراد یہاں اولہ شرعہ ہیں۔ غیث بارش کو کہتے ہیں۔ نفع کے معنی صاف ستھری عمدہ۔ اجادب، جدید، جدید قحط کو کہتے ہیں۔ جس زمین پر بارش نہ ہو اس کو ارض جدیدہ کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد ایسی سخت زمین ہے جو بارش کے پانی کو قبول نہ کرے (پھر زہلی زمین) قیعان، قاع کی جمع۔ وہ زمین جو ایسی چٹکی ہو کہ پانی اس پر ٹھہر نہ سکے بہ جائے۔ قرآن پاک میں قاع کے لفظ کے ساتھ صفصفت کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہموار زمین کے ہیں اس حدیث میں دین اسلام کو زور دار بارش سے تشبیہ وے کر یہ بنایا گیا ہے کہ جیسے بارش سے مژدہ زمین زندہ ہوتی ہے اسی طرح دین سے مژدہ دل زندہ کی پاتے ہیں۔ پھر زمین کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ایک زمین وہ جس پر بارش ہو تو وہ اس کے اثر کو قبول کرتی ہے و خود سرسبز و شاداب ہوتی ہے اور دوسروں کو اپنی سبزی و میوہ جات و داناج سے فائدہ پہنچاتی ہے یہ مثال ہے اس شخص کی جو دین اسلام کا علم حاصل کرتا ہے خود بھی اس پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ دوسری قسم زمین کی وہ ہے جو اجادب ہے۔ سخت زمین کا یہ حال ہے کہ خود پانی کے اثر کو قبول کر کے سرسبز و شاداب نہیں ہوتی مگر اس کے جمع کئے ہوئے پانی سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے دین کا علم سیکھا۔ خود تو اس پر پورا پورا عمل نہیں کیا مگر دوسروں تک پہنچایا اور اس کی تعلیم دی۔ تیسری قسم وہ ہے جو قیعان ہے جس پر نہ پانی ٹھہرتا ہے اور نہ بہرہ وغیرہ اگتا ہے۔ گویا اس پر نسیم حری کے جھونکے آتے ہیں۔ پانی رستا ہے مگر بہہ جاتا ہے۔ اس زمین میں اتنی صلاحیت بھی نہیں ہوتی جو پانی کو روکے رکھے تاکہ دوسرے ہی اس پانی سے

فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے دین کے سیکھنے اور سکھانے کی طرف توجہ ہی نہ دی اور آفتابِ ہدایت و متابِ نبوت سے فیض لینے کی کوشش ہی نہ کی۔

بَابُ رَفْعِ الْعِلْمِ وَظَهْرِ الْجَهْلِ

باب علم کے اٹھنے اور جہل کے پھیلنے کے بیان میں

یہاں علم سے مراد علم دین ہے کہ آخر زمانہ میں دینی علوم سے عام بے رغبتی ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جہل و جهالت کا دور دورہ ہو جائے گا۔

حضرت ربیعہ نے فرمایا جس کے پاس تھوڑا سا بھی علم ہو تو اس کو ضائع نہ کرے۔

قَالَ رَبِيعَةُ لَا يَبْغِي لِأَحَدٍ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يَضَيِّعَ نَفْسَهُ

یعنی جس کے پاس قرآن پاک و حدیث شریف کا تھوڑا علم ہو تو وہ بھی اس کے تعلیم و تعلم میں اپنے نفس کو مشغول رکھے اور بیکار نہ بیٹھ رہے۔ حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمن مدنی تابعی حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے استاد ہیں انہوں نے اپنے اس استاد میں علم دین کی تبلیغ و اشاعت پر زور دیا ہے۔

حزنت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کی نشانیاں میں سے یہ بھی ہے کہ علم اٹھ جائیگا اور جہل اس کی جگہ پائیگا۔ لوگ شراب پیئیں گے اور زنا عام ہو جائیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کی نشانیاں میں سے یہ بھی ہے کہ علم کم ہو جائے گا۔ جہل اور زنا کی کثرت ہو جائے گی۔ عورتیں زیادہ اور مرد کم ہو جائیں گے حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا نیکباز (قیم) ایک مرد ہوگا۔

۷۹۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَنْبَثَ الْجَهْلُ وَ يَشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا (بخاری)

۸۰۔ يَقُولُ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَقِلَّ الزَّكَاةُ وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ وَ يَقِلَّ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُونَ الْخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَسِيمُ الْوَاحِدُ

(بخاری)

۱۔ حدیث ۷۹ کو امام مسلم نے قدر میں اور امام نسائی نے کتاب العلم میں ذکر کیا اور حدیث ۸۰ کو مسلم نے قدر میں ترمذی نے فتن میں۔ نسائی نے علم میں اور ابن ماجہ نے کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے ۲۔ ان دونوں حدیثوں میں قربِ قیامت کی چند نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں ۳۔ علم کے اٹھ جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علماء کے سینے سے علم سلب کر لیا جائیگا بلکہ اس کی وضاحت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی کہ قربِ قیامت میں علمائے دین اٹھائے جائیں گے اور ان کے ساتھ علم دین بھی اٹھ جائے گا اور پھر جب دین کے عالم نہ رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا مفتی بنالیں گے۔ ان سے سوال کریں گے اور وہ بغیر علم کے جواب دیں گے تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ جہالت کا دور دورہ ہوگا۔ شراب عقل میں قور ڈالے گی۔ زنا نسب میں خلل انداز ہوگا۔ فتنوں کی کثرت مال و

نفس میں فساد پیدا کرے گی۔ عورتیں مردوں سے زیادہ ہو جائیں گی۔ بعض روایات میں بیکسر العلم کے لفظ بھی آئے ہیں یعنی قرب قیامت میں علم و علماء کی کثرت ہو جائے گی۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ علماء کی تو کثرت ہوگی مگر تبلیغ کا دائرہ اتنا وسیع ہو جائیگا اور دین میں اس قدر زیادہ فتنے پیدا ہو جائیں گے کہ مبلغین اسلام کی کثیر جماعت اس پر قابو نہ پاسکے گی۔ چنانچہ فی زمانہ یہی حالت ہے یا اس کے یہ معنی ہیں کہ علماء کی تو کثرت ہوگی۔ علم کا چرچا بھی ہوگا۔ دینی درسگاہوں کی ہسات ہوگی۔ مگر علماء میں خلوص و ملکیت کی کمی آجائے گی اور اس طرح گمراہی و بے دینی کے سیلاب آتے چلے جائیں گے۔ واللہ اعلم

بَابُ فَضْلِ الْعِلْمِ

باب فضل علم کے بیان میں

یہاں فضل بمعنی فضیلت بھی ہو سکتا ہے اور مناسبت یہ ہوگی کہ گزشتہ باب میں عالم کی فضیلت کا بیان تھا اور اب علم کی فضیلت کا بیان ہے کہ علم دین انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث ہے یا فضل بمعنی مابقی کے ہیں جیسے کہتے ہیں فضل الوضوء وضو کا بچا ہوا پانی۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ علم، تعلیم و تعلم سے کم نہیں ہوتا۔ جیسے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچا ہوا دودھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا مگر حضور علیہ السلام کے علم میں کمی نہ ہوئی۔ یعنی دیگر اشیا کا یہ حال ہے کہ اس میں سے اگر کسی کو کچھ دے دیا جائے تو وہ کم ہو جاتی ہیں۔ مگر علم ایسی دولت ہے کہ جسے نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ چور چر سکتا ہے اور نہ خرب کر کے اس میں کمی آتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ میں سو رہا تھا کہ میرے سامنے دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا۔ میں نے پیا تو میں نے دیکھا کہ تازگی میرے ناخنوں سے بہہ رہی ہے۔ پھر میں نے اپنا بچا ہوا (دودھ) حضرت عمر کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کی اس کی تعمیر کیا ہوئی۔ فرمایا۔ علم (دودھ سے علم مراد ہے)

۸۱ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيَّعْتُمْهُمَا أَنَا نَسَائِكُمْ أُبَيَّتُ بِفَدَاحٍ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتَّى اِخْتُ لَدَارِي السَّرِيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي شَعْرٌ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَالُوا فَمَا أَوْلَيْتَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْعِلْمُ (بخاری)

قوائد مسائل | امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب التبیان میں بھی ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے فضائل میں اور ترمذی نے توہمایا میں اور امام نسائی نے مناقب عمر میں ذکر فرمایا ہے ۲۔ دودھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوزہ اولیا۔ جس سے سیدنا فاروق اعظم کی فضیلت ثابت ہوئی کہ وہ علم نبوت کے وارث ہیں۔ ان کا علم وسیع ہے اور فطر۔ یعنی بے ۳۔ علامہ عینی نے فرمایا چونکہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں اس لیے اس کو اختیار نہیں بلکہ واقد۔ نہ سمجھنا چاہئے ۴۔ علم کو دودھ سے اس لیے تشبیہ دی گئی کہ جیسے مرنے والے بدن ہے اور اعلیٰ درجہ کا نامک ہے سی طرح علم ۵۔ یہ ہے یا جیسے بچہ کی حیات دودھ سے ہوتی ہے۔ ایسے قلوب کی حیات کا مدار علم دین پر ہے۔ ۵۔ اس

حدیث سے علم کی فضیلت نکلتی ہے کہ علم دین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل ہے۔

بَابُ الْفَتْيَا وَهُوَ وَقْفٌ

باب اس امر کے بیان میں

جانور وغیرہ پر سوار ہو کر فتویٰ دینا جائز ہے حضرت عبد اللہ بن عمر ابن العاص سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں بٹھرے لوگوں کے لیے — لوگ آپ سے سوال کرتے تھے۔ ایک شخص آیا۔ اس نے عرض کی میں بھول کر قربانی سے پیٹے سرمہ لیا ہے۔ آپ نے فرمایا قربانی کر کچھ حرج نہیں۔ ایک اور شخص آیا کہنے لگا مجھے خیال نہیں رہا۔ میں نے کنکریاں مارنے سے قبل قربانی کر لی۔ آپ نے فرمایا۔ کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبد اللہ کہتے ہیں اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امور حج کے متعلق پہلے یا پچھے کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے یہی جواب دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔

عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ أَوْ غَيْرِهَا
۸۲۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمَنْى لِلنَّاسِ
يَسْأَلُونَهُ فَبَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ
أَشَعُرُ لِحْفَتِي قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ
أَذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَبَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ
لَهُ أَشَعُرُ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ
قَالَ أَرُمُ وَلَا حَرَجَ قَالَ فَمَا سَأَلَ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قَدِمَ
وَلَا أُخِيرَ إِلَّا قَالَ أَفْعَلْ وَلَا حَرَجَ
(بخاری)

اس حدیث کو امام نے کتاب العلم اور مذوریں بھی ذکر کیا اور مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی و ابن ماجہ نے کتاب الحج میں ذکر فرمایا — ۲۔ عنوان باب سے یہ حدیث مطابقت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر ہونا مذکور نہیں ہے لیکن امام کی عادت یہ ہے کہ ایک حدیث ذکر کرتے ہیں اور اس کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی حدیث کو کتاب الحج میں امام نے روایت کیا ہے۔ وہاں صاف تصریح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹنی پر سوار تھے۔ عنوان میں اوغیرہا کا لفظ امام نے یہ بتانے کے لیے لکھا ہے کہ حدیث میں اونٹ پر سوار ہو کر مسائل کو جواب دینے کی تخصیص نہیں ہے — بلکہ یہ بات عام ہے خواہ اونٹ پر سواری کی حالت میں جواب دیا جائے یا کسی اور چیز میں بیٹھ کر ہر طرح جائز ہے۔

حجۃ الوداع کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ حج حضور علیہ الصلوٰۃ والتبلیک کی عمر مبارک کا آخری حج تھا اور اس موقع پر حضور علیہ السلام نے ایک لاکھ صحابہ کو قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہو کر خطاب فرمایا تھا۔ اس زمانہ میں آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ سپیکر تو تھے نہیں مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اعجاز تھا کہ پورے مجمع کو آواز برابر پہنچ رہی تھی۔ حتیٰ کہ دورانِ خطبہ حضور علیہ السلام نے کسی صحابی سے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کہتے ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔ — کی آواز میں نے اپنے گھر پر سنی اور وہیں علم نبوی کی تئیں میں تعظیماً بیٹھ گیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس مضمون کی متعدد حدیثیں خصائص کبریٰ میں ذکر کیں کہ خطبہ مبارک کی آواز پر بدترین مشغولات کو ٹھہردیں پہنچ رہی تھی ————— منیٰ مکہ سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر ایک قریہ ہے جہاں حاجی قربانی کرتے ہیں اور جمعرات کو رمی کرتے ہیں ————— ۴۔ حدیث ہذا سے ذیل کے مسائل معلوم ہوئے :-

- ۱۔ بوقت ضرورت عالم سے سوال کرنا جائز ہے۔ خواہ وہ سوار ہو یا مقیم ہو یا پیدل سفر کر رہا ہو ————— ۲۔ عالم کو سواری کی حالت میں جواب دینا جائز ہے ————— ۳۔ کسی اونچی چیز پر بیٹھ کر وعظ کرنا جائز ہے تاکہ لوگ خطیب کو دیکھ سکیں اور اچھی طرح متوجہ ہو کر سن سکیں ————— ۴۔ اس حدیث سے امام شافعی و احمد، مجاہد، طاؤس اور عطاء نے یہ استدلال کیا کہ اعمال حج میں ترتیب سنت ہے واجب نہیں تو اگر کسی نے ترتیب سے یہ مناسک ادا نہ کیے تو اس پر دم نہیں ہے وہ کہتے ہیں لا ُخَرَجَ کَ لَفْظِہٖ بِنَاہِجَہُ کَ اِیْمَہٖ شَخْصَہٗ پَر نہ ترتیب سے نہ فدیہ ادا نہ کیا کہ مکہ مکہ کے سال کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کوئی خرَج نہیں۔ کفارہ وغیرہ کا حکم نہیں دیا تو اگر نہ اس سبب حج میں ترتیب واجب ہوتی ترتیب واجب پر کفارہ کا حکم دیا جاتا لا ُخَرَجَ نہ فرمایا جاتا ————— حضرت امام انکم، ابو حنیفہ و امام مالک علیہم السلام فرماتے ہیں :- اس سبب حج میں ترتیب واجب ہے اور لا ُخَرَجَ کا مطلب یہ ہے کہ تو نے چونکہ بھول کر اہل بیت ہے اس لیے نچھ پر اس بھول و بھٹ گناہ نہیں ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ثبوت کا لفظ موجود ہے جس کو امام غزالی نے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ گویا لا ُخَرَجَ سے کفارہ کی نفی نہیں ہوتی بلکہ گناہ کی نفی ہوتی ہے ————— رہا کفارہ تو حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جس نے حج کے اٹور سے کسی چیز کو پہلے یا بعد میں ادا کیا تو اس پر دم لازم ہے۔ یہ مسائل تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ العزیز کتاب الحج میں آجائیں گے۔

بَابُ مَنْ أَحْبَبَ الْفُتْيَا بِأَشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّاسِ

باب اس امر کے بیان میں جو ہاتھ کے اشارہ یا سر کے اشارہ سے سوال کا جواب دے

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے حج میں سوال کیا کہ میں نے رمی سے قبل ذبح کیا تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ نہیں فرمایا کچھ خرَج نہیں (دوسرے صاحب نے سوال کیا میں ذبح سے پہلے سر منڈایا۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا فرمایا۔ خرَج نہیں۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علم اٹھا لیا جائے گا۔ جہل پھیل جائے گا اور فتنوں کی کثرت ہو جائے گی۔ پوچھا گیا۔ یا رسول اللہ! ہرج کیا ہے؟

۸۳۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ فِي حَجَّتِهِ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ فَادِّمًا بِيَدِهِ قَالَ وَلَا حَرَجَ وَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَادِّمًا بِيَدِهِ وَلَا حَرَجَ (بخاری)

۸۴۔ عَنْ سَالِمٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيُظْهِرُ الْجَهْلُ وَالْفِتْنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ فَيَنْزِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ

تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا (اسی طرح ہاتھ خم کر کے) گویا اس سے آپ کی مراد قتل تھی۔

وَمَا لِهَرَجٍ فَقَالَ هَكَذَا بَيِّنُهُ لِحَرَكَتِهَا
كَأَنَّهُ يُرِيدُ الْقَتْلَ (بخاری)

قواعد و مسائل | ہرج کے معنی فتنہ شے کی کثرت اختلاط کے آتے ہیں۔ ہرجاج جماعت کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا لغت حبشہ میں ہرج کے معنی قتل کے ہیں لیکن اصل لغت عرب میں ہرج فتنہ کے معنی میں آتا ہے۔ ۲۔ ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ سوال کا جواب اشارہ سے دینا بھی جائز ہے ۳۔ علامہ طحاوی نے لکھا ہے کہ نفی ہرج مذہب حنفی کے مخالف نہیں کیونکہ لا ہرج کے معنی یہ ہیں کہ چونکہ تم نے بھول کر ایسا کیا ہے اس تم پر گناہ نہیں ہے لیکن یہ بات کہ اس فعل سے کفارہ نہیں آتا لا ہرج کے جملہ سے اس کی نفی نہیں ہوتی (خافم)

حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آنی وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے کہا لوگوں کا کیا حال ہے (یعنی لوگ گھبراہٹ ہوئے کھڑے ہیں) حضرت عائشہ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا (یعنی اشارہ سے بتایا کہ سورج سنن ہوا ہے) پس لوگ کھڑے ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا سبحان اللہ! میں نے کہا کوئی نشانی ہے؟ (یعنی کوئی قیامت یا عذاب کی نشانی ہے؟) حضرت عائشہ نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں! انہوں نے بھی نماز کے لیے کھڑی ہوئی یہاں تک کہ مجھ کو خوش آنے لگا۔ میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ پھر نماز کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا ہر وہ شے جو مجھے نہیں دکھلائی گئی تھی میں نے اس کو اپنے اس مقام سے دیکھ لیا۔ مجھ پر وحی آئی ہے کہ تم قبروں میں آزما سے جاؤ گے مثل فتنہ سیح و دجال کے نہیں معلوم اسماء نے مثل کا لفظ کیا یا قریب کا۔

قبریں میت سے پوچھا جائیگا کہ یہ جو شخص کریم ہیں۔ ان کی نسبت تیرا کیا اعتقاد ہے تو مومن یا مومن (نہیں جانتے) کہ حضرت اسماء نے مومن کا لفظ کیا یا مومن کا (جواب ہے) تھا وہ محمد ہیں وہ رسول اللہ ہیں۔ ہمارے پاس معجزات یا اور ہدایت لے کر آئے۔ ہم نے قبول کیا اور ان کا اتباع

۸۵۔ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ آتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تَصَلِّيُ فَقُلْتُ مَا شَأْنُ النَّاسِ فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللَّهِ قُلْتُ آيَةً فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ لَعَنَ فَقُمْتُ حَتَّى عَلَا فِي الْعَشِيِّ فَبَعَلْتُ أَصَبْتُ عَلَى رَأْسِي الْمَاءَ فَحَمَدَ اللَّهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَشْفَى عَلَيْهِ شَعْرًا قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيتهُ إِلَّا رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْبَحْنَةِ وَالنَّارِ فَأَوْحَى إِلَيَّ أَنْكُمْ تُفْتَنُونَ فِي قُبُورِكُمْ مِثْلَ أَوْ قَرِيبَ لَا أَدْرِي أَيْ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ يُقَالُ مَا عَلَيْكَ بِهَذِهِ الرَّجُلِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوْ الْمُؤْمِنِ لَا أَدْرِي أَيَّهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ حَبَاءُ مَا بِالْبَيْتِ وَالْهُدَى فَاجْتَنَاهُ وَاتَّبِعْهُ مَحَمَّدٌ ثَلَاثًا يُقَالُ نَزَّ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لِمَوْفِقٍ بِهِ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ لَا أَدْرِي أَيْ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ

فَيَقُولُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ
يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُ

(بخاری)

کیا وہ محمد ہیں تین بار ایسا ہی کہے گا۔ پس قبر میں مومن سے کہا جائیگا کہ سو جا آرام سے۔ ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ تو ان پر یقین رکھتا ہے لیکن منافق یا مرتاب

(انہیں معلوم اسرار نے مراتب کا لفظ کہا یا منافق کا) (وہ فرشتوں کے سوال کے جواب میں کہے گا) میں نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے سنائیں نے بھی وہی کیا۔

قوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے ابواب ذیل میں ذکر کیا ہے۔ طہارت، الاعتصام، خشوف، کسوف، جمعہ، کتاب السہو، خطبہ ۲۔ باب سے مناسبت یہی ہے کہ حضرت اسرار کے سوال پر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سر کے اشارہ سے جواب دیا ۳۔ علانی الغشی اہل طب کے نزدیک قوائے محرکہ حساسہ کا ضعف قلب کی وجہ سے معطل ہو جانے کو غشی کہتے ہیں۔ لغت میں غشی کے معنی ڈھانپنے کے ہیں۔ حضرت اسرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصود یہ بنانا ہے گرمی میں لمبے قیام کی وجہ سے غشی سی طاری ہونے لگی۔ نفقون کے معنی امتحان لیے جانے کے ہیں۔ جوہری نے کہا الغفنة الامتحان۔ سونے کو جب پچھلا کر پرکتے ہیں تو عرب فلتت الذہب بولتے ہیں۔ مطذب یہ ہے کہ تم جیسے فتنہ و دجال کے ذریعے آزمائے جاؤ گے اور تمہارے ایمان و استقامت علی الحقی کا امتحان ہوگا۔ اسی طرح قبر میں بھی امتحان لیا جائے گا۔

دجال، قتال کے وزن پر دجل سے ہے۔ اس کے معنی حق و باطل کے ملانے کے ہیں۔ اس کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ دجال روئے زمین کا چالیس راتوں میں پکڑ لگائے گا۔ یہ اس لیے کہ اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہوگی (یعنی جلد ۴۸) دجال کا ٹھکانا اور دنیا میں فساد ڈالنا اور اس کے ذریعے مسلمانوں کا امتحان ہونا یہ سب حق ہے۔ احادیث میں ضمیر علیہ السلام نے دجال کے متعلق مندرجہ ذیل امور بیان فرمائے ہیں :-

دجال کے متعلق حدیث کی تصریحات

(۱) حضرت نو اس ابن سمعان کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور عیسیٰ علیہ السلام نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اگر وہ میری موجودگی میں نکل آئے تو میں اس کا مقابلہ تمہاری طرف سے ہوں گا۔ مگر میری عدم موجودگی میں اس کا ظہور ہوا تو اس وقت ہر شخص اپنے نفس کی طرف سے اس کا مقابلہ کرے۔ خدا تعالیٰ ہر مسلمان کا مددگار ہے۔

دیکھو! دجال جوان ہوگا۔ اس کے بال گھٹکھریا لے ہوں گے۔ اس کی آنکھ میں ناغونہ ہوگا۔ میں اس کے بعد العریٰ ابن قطن کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ اس کا خروج شام اور عراق کے (دریانی) ایک راستہ میں ہوگا۔ پس دائیں بائیں فساد کرتا پھرے گا۔ اللہ بندہ و تم ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ زمین میں کب رہے گا۔ فرمایا چالیس روز تک رہے گا۔ (جس میں) ایک سال کا ایک روز ہوگا۔ ایک ماہ کا ایک روز ہوگا۔ ایک ہفتہ کا ایک روز ہوگا۔ باقی ایام اپنے معمولی طریقہ پر ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جو دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ اس دن ہماری ایک روز کی نماز کافی ہوگی۔ نہیں اس میں اندازہ کر کے پڑھنا۔ ہم نے عرض کیا اس کا

زمین میں چلنا پھرنا کس صورت پر ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ چلنا پھرنا اُس کا بارش کی طرح ہوگا جس کو ہوا اُڑا کر لاتی ہے۔ وہ ایک قوم کے پاس آکر اپنی عبادت کی طرف بلائے گا۔ یہ لوگ اس کے قول پر ایمان لائیں گے۔ وہ آسمان سے کہے کا تودہ پانی برسائے گا۔ زمین اس کے حکم سے سبزہ آگیا۔ اُس وقت اُن کے مولیٰ خُبر موٹے نازے کو کھین بھرے ہوئے موٹے تھنوں والے ہوکر آئیں گے۔ پھر وہ ایک دوسری قوم کے پاس آئیگا لیکن وہ اس کی بات اس کے منہ پر مار دیں گے۔ وہ وہاں سے واپس ملا آئیگا۔ لیکن یہ لوگ صبح ہوتے ہی مغلی کی حالت میں جو جابیں گے دجال ایک دیوار میں آکر کہے گا۔ اپنے خزانے نکال زمین اپنے خزانے نکال دے گی۔ یہ خزانے اس کے پیچھے شہد کی مکینوں کی طرح چلیں گے۔ پھر وہ اپنے شخص کو بلائے گا جو جانی میں ہوا ہوا ہوگا۔ اس کو طوار سے مار کر دو ٹوکے کر دیگا پھر اس کو جلائیگا۔ وہ شخص مبتلا ہوا اُس کے پاس آئیگا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بہت رونق ہوگی۔

انفرض یہ افعال کرتا پھرے گا کہ اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو روانہ فرمائے گا۔ وہ دمشق کے مشرقی جانب کے سنبید میناروں پر دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے شانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے۔ جس وقت سر جھکائیں گے تو پسینہ کے مانند ان کے سر سے پانی پٹیکے گا اور وہ جب سر اٹھائیں گے تو موتی اور چاندی کے دانوں کی طرح وہ قطرے گریں گے۔ جس کافر کو اس کی ان کی سانس پیچے گی وہ کافر مر جائے گا۔ ان کی سانس اُنہما کے نظر تک جائے گی۔ وہ آکر دجال کو تلاش کرتے کرتے باب لُد کے قریب ٹھہریں گے اور اس کو قتل کر دیں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایسی قوم آئے گی جس کو اللہ تعالیٰ نے دجال کے فتنوں سے محفوظ رکھا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام اس قوم کے چہروں پر ہاتھ پھیر پھیر کر ان کے سامنے درجاتِ جنت بیان فرمائیں گے۔ وہ اب ایسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوگی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو نکالنا ہوں۔ جن سے لڑائی کی کسی میں طاقت نہیں۔ لہذا تم میرے ان بندوں کو لے کر کوہ طور پر محفوظ ہو جاؤ۔ حضرت عیسیٰ ہمارے کو لے کر کوہ طور پر محفوظ ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ یا جوج ماجوج کو باہر نکالے گا وہ ہر مقام پر دوڑ پڑیں گے۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دجال کے ہمراہ مضمنا کے ستر ہزار یہودی ہوں گے ان کا لباس ریشمی چادروں کا ہوگا۔

۳۔ حضرت فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں تمیم داری نے بیان کیا۔ جب ہم جزیرہ میں داخل ہوئے تو ہم کو ایک عورت نظر آئی جس کے جسم پر بال بہت کثرت سے تھے وہ اپنے بالوں کو گھسیٹتی چل جاتی تھی اور شکل جانوروں کے معلوم ہوتی تھی۔ اس سے ہم نے کہا تو کون ہے؟ تو اس نے کہا جاسمہ ہوں۔ تم اس مکان کی طرف جاؤ۔ جب میں اس مکان میں گیا تو ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے پایا جو اپنے بال گھسیٹ رہا تھا اور آسمان اور زمین کے درمیان کو ڈنکا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا تو کون ہے؟ اس نے کہا۔ میں دجال ہوں۔ عنقریب مجھے نکلنے کی اجازت دی جائے گی۔ میں نکل کر تمام روئے زمین پر چالیس راتوں میں پھروں گا۔

۴۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب تین باتیں ظہر پہنچیں ہر جابیں کی غراس

وقت کسی نفس کو اس کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔ نہ ایمان کی حالت میں کسی نفس کی بہتری کرنا اس کے واسطے مفید ہوگا۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔ مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا، دابة الارض کا ظاہر ہونا، و قبال کا خروج

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا سب سے پہلی جو نشانی قیامت کی ہوگی وہ مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا، پھر چاشت کے وقت دابة الارض کا نکلنا اور جو علامت پہلے ظاہر ہوتی جائے گی۔ اس کی بہن یعنی دوسری علامات اس کے پیچھے قریب ہی ہوتی چلی جائے گی۔

مندرجہ صدر احادیث کے ملاحظہ کے بعد ہمارے سامنے حسب ذیل امور آتے ہیں :-

قیامت کی پہلی نشانی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔ پھر دابة الارض کا نکلنا۔ پھر و قبال کا خروج ہونا ہے و قبال شہزاد یہودوں کے ساتھ شام اور عراق کے درمیان ظاہر ہوگا۔ و قبال ایک جوان شخص ہوگا۔ اس کی آنکھ میں ناغونہ ہوگا۔ اس کی صورت عبدالعزیٰ بن قطن (یہ شخص ہر زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھا) کی سی ہوگی۔ وہ زمین پر چالیس روز رہے گا۔ وہ اُلوہیت کا دعوے کرے گا۔ ایک قوم اس پر ایمان لا کر اس کے ذریعے دنیاوی فتنے حاصل کرے گی اور ایک قوم اس سے انکار کر کے دنیاوی خسارہ مول لے گی۔ وہ آسمان سے بارش برسائے گا۔ وہ ویرانہ میں جا کر اپنے حکم سے خزانے نکالے گا۔ وہ نہایت تیز رفتار ہوگا۔ اسی آئنا میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور وہ اس کو تلاش کرتے ہوئے باب لہ کے قریب گھیر کر اس کو قتل کر ڈالیں گے۔ پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پناہ لیں گے۔ قوم یا جوج مابوج زمین میں پھیل جائے گی اور فتنہ عام کا ظہور ہوگا۔

الغرض ایسے ہی واقعات نادرہ کا نواثر جاری رہے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ یہ ہے حقیقت و قبال اور اس کے زمانے کی جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

حضور علیہ السلام نے ساری کائنات کا مشاہدہ فرمایا | اس حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما من شیءٌ بوجہ چیز بھی مجھے نہیں دکھائی گئی تھی وہ میں نے آج اس جگہ کھڑے کھڑے دیکھ لی۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ یہاں روایت سے یا تو آنکھ سے دیکھنا مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنابات اُستحادیے اور حضور علیہ السلام نے مشاہدہ فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ روایت سے روایت علم مراد ہو یعنی اللہ عزوجل نے :-

ان تمام امور کی اطلاع بذریعہ وحی تفصیلی طور پر آپ کو دے دی جن کو آج سے پہلے حضور علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔

وَحَيُّ بِأَحْلَآءِهِ وَتَعْرِيفِهِ مِنْ أُمُورِهِمَا
تَفْصِيْلًا مَا لَمْ تَعْرِفْهُ قَبْلَ ذَلِكَ
(یعنی ج ۱ ص ۲۸۹)

۶۔ عالم میں کیس ہے جس کی کچھ کو خبر نہیں واضح ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف رکھتے ہوئے جن عجائب و غرائب قدرت کا مشاہدہ و معائنہ فرماتے تھے۔ صحاح میں اس کے متعلق کثیر حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ جن کو اگر جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے۔

یہاں ہم چند احادیث پیش کیے دیتے ہیں۔ حضورؐ سید عالم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

- ۱۔ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّةَ وَ اُرِیْتُ الْمَآرَ
 - ۲۔ کُنْتُ سَاحِیًّا بِالْمَآرِ شَرُّهُ سَاحِیُّ بِالْجَنَّةِ
- (بخاری و مسلم باب الکسوف)

ایک بار سورج گرہن ہوا۔ آپؐ صحابہ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور بہت دیر تک قرأت، رکوع اور سجود میں مصروف رہے۔ صحابہ کرام نے دیکھا کہ آپؐ نے نمازیں ایک بار ہاتھ کو اُگتے۔ پھر دیکھا کسی قدر پیچھے ہٹے۔ نماز کے بعد صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر آپؐ نے فرمایا:-

- ۳۔ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَّاوُ لَکُمْ مِنْهَا عُنُقُودًا لَّوْ اَخَذْتُمْ لَوْ کَلَّتُمْ مِنْهَا مَا بَقِیَتْ الدُّنْیَا۔ (ابوداؤد ص ۲۲)

میں نے ابھی جنت کو دیکھا (جنت میں انگور کے خوشے لٹک رہے تھے) چاہا کہ توڑ لوں۔ اگر میں ان کو توڑ لیتا تو ناقیامت تم اس کو کھاتے۔

(بخاری کتاب الاذان، باب رفع الید)

پھر میں نے دوزخ کو دیکھا۔ جس سے زیادہ بھیانک چیز میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ لیکن میں نے اس میں زیادہ تر عورتوں کو پایا۔ صحابہ نے عرض کی حضورؐ اس کی وجہ؟

فرمایا، اپنے خاوندوں کی ناشکری کے سبب۔ اگر ایک عورت پر تم عمر بھر احسان کرو۔ پھر ایک دفعہ وہ تمہارے کسی فعل سے آزدہ ہو جائے تو وہ کہے گی۔ میں نے کبھی تمہارا اچھا برتاؤ نہیں دیکھا۔

- ۴۔ وَ رَاَیْتُ فِیْهَا اَحَابِیْجَ دَعْدَجٍ سَاقِیْ
- الْحَبِیْجِ (ابوداؤد و اب ترقی فی الصلوٰۃ الکسوف)

میں نے دوزخ میں اس یہودی عورت کو دیکھا جس پر اس لیے عذاب ہو رہا تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا جس کو کھانے کو کچھ نہ دیتی تھی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر گری پڑی چیز کی کھائے۔ آخر اسی بھوک سے مر گئی۔ ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ مشاہد بیان کیا۔

- ۵۔ قَالِیْ اِطْلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ

میں جنت میں جا بیکلا (بخاری جلد ۲ ص ۴۹) دیکھا کہ یہاں کے باشندوں کی بڑی تعداد ان کی بے جو دنیا میں غریب تھے اور دوزخ میں جا کر دیکھا تو اس میں بڑی تعداد عورتوں کی پائی (بخاری باب صفۃ الجنۃ)

۶۔ عمر مبارک کے اخیر سال میں آپؐ شہدائے اُحد کے مزارات پر تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آ کر آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا۔ میں اپنے حوض کوثر کو ہمیں سے دیکھ رہا ہوں اور زمین کے خزانوں کی نیکیاں میرے واسطے کی گئی ہیں (بخاری کتاب الجنائز و باب ماجاء زہرۃ الدنیا)

اس خطبہ میں یہ بھی فرمایا۔ مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے لیکن میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ

اس دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں رشک و حسد نہ کرنے لگو۔

۷۔ ایک دن آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا:-

هَذَا تَرَوْنَ مَا أَرَى قَالُوا لَا قَالَ فَيَا هَذَا
لَا رَى الْفِتْنَةَ تَقَعُ حِلْدَلُ بَيُوتِكُمْ
كَوَقْعِ الْمَطَرِ (بخاری جلد ۲ ص ۱۴۲) و مسلم باب الفتن

(اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں) وہ تم بھی دیکھ رہے
ہو؟ لوگوں نے عرض کی کہ نہیں۔ فرمایا میں تمہارے گھروں کے
اور میان فتنوں کو بارش کی طرح برستے دیکھ رہا ہوں۔

۸۔ ایک جہاد میں مسلمانوں کی طرف سے ایک آدمی مار گیا۔ لوگوں نے کہا وہ شبیہ ہوا۔ آپ نے فرمایا:-

قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فَلَانًا قَدْ اسْتَشْهَدَ
قَالَ كَلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي الْمَنَارِ يَبْغَاوَةٌ قَدْ
غَلَبَهَا (ترمذی باب ما جاء في العلل ص ۱۹۱)

ہرگز نہیں میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ
اس نے مال غنیمت جس سے ایک جہاد چرائی تھی۔

۹۔ ایک دفعہ آپ دوپہر کو گھر سے نکلے تو آپ کے کانوں میں ایک آواز آئی تو فرمایا:-

فَسَبَّحَ صَوْتًا فَتَنَالُ يَهُودٌ تَعْدُبُ فِي
قُبُورِهَا (بخاری کتاب الجہاد ترمذی ص ۱۹۱)

یہود کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا ہے۔

علامہ قسطلانی نے طبرانی کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:- یہود کو ان کی قبروں میں عذاب

ہو رہا ہے اس کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی ہیں۔

۱۰۔ بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا:- میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس
کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں۔ اور اس میں عمر بن عامر کو دیکھا جو اپنی آنٹیں گھسیٹ رہے تھے۔

۱۱۔ حضرت ورقہ بن نوفل کے متعلق حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ حضور! ورقہ جنت میں گئے یا
دوزخ میں۔ انہوں نے تو آپ کی تصدیق کی تھی مگر آپ کے اہل بیت نبوت سے پیسے و فائدے نہ مل سکے۔ فرمایا:-

أَرَأَيْتَ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ شَيْبَابٌ يَبِيعُونَ
وَكُوكَانَ مِنْ أَهْلِ الْمَنَارِ لَكَانَ عَلَيْهِ
لِبَاسٌ غَيْرُ ذَلِكَ (ترمذی احمد مشکوٰۃ کتاب الزیوا)

مجھے ان کو خواب میں دکھایا کہ وہ شیبہ پہنے ہوئے ہیں
ہیں۔ اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کے جسم پر
یہ لباس نہ ہوتا۔

۱۲۔ رات میں نے دیکھا کہ میں جنت میں ہوں۔ سامنے ایک محل نظر آیا۔ اس میں ایک عورت بیٹھی حضور کر رہی تھی
میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے۔ جواب دینے والے نے جواب دیا کہ یہ عمر کا مسکن ہے۔ میں نے چاہا کہ اندر جاؤں مگر عمر کی
غیرت یاد آئی تو اُلٹا پھر گیا۔

حضرت عمرؓ کو رو پڑے۔ عرض کی حضور! میں آپ سے غیرت کرتا۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۶۵) و مسلم ترمذی کتاب الزیوا

۱۳۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہلال تم کو نسا ایسا نیک عمل کرتے ہو کہ میں جب جنت میں گیا تو تمہارے

جو تلوں کی چاپ کی آواز سنی۔ عرض کی حضور علیہ السلام ہمیشہ یا وضو رہتا ہوں اور جب نیا وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں (بخاری مناقب یلال، ترمذی مناقب عمر)

۱۴۔ ایک مرتبہ آپ نے خطبہ دیا جس میں ابتدائے آفرینش سے جنت و دوزخ تک کے احوال بیان فرمادیے۔ عمر بن الخطاب کے یہ الفاظ ہیں۔

فَأَحْبَبْنَا بِمَا هُوَ كَأَنَّهُ الْإِلَٰهُ يَذْكُرُ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان تمام واقعات کی اطلاع
الْقِيلِ لِمَا (شکوۃ باب المعجزات) دی جو قیامت تک ہونے والے تھے۔

۱۵۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔ اللہ تمہارے لئے زمین کے تمام کناروں کو میرے سامنے کر دیا۔

فراہیت مشارق الارض ومغاربہا | میں نے اس کے مغرب و مشرق کو دیکھ لیا

۱۶۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔ خدا نے میرے لیے دنیا کو پیش فرمادیا تو میں دنیا میں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں۔

كَأَنَّمَا أَنْظَرْتُ إِلَيَّ هَذِهِ | جیسے اپنے اس ہاتھ کو، مراہب لدنیہ، زرقانی،

۱۷۔ آپ نے ایک خطبہ میں فرمایا، مجھ سے جو چاہو سوال کرو، بخدا جب تم میں اس منبر پر ہوں۔ تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔ ایک شخص کھڑا ہوا۔ عرض کی حضور! میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟

قَالَ السَّارُ - فرمایا جہنم۔ پھر عبداللہ بن خدا فہرٹے ہوئے۔ انہوں نے عرض کی۔ میرا باپ کون ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مذاق

شَعْرَ كَثَرًا أَنْ يَقْتُولَ سَلَوْنِي سَلَوْنِي | پھر آپ نے متعدد بار فرمایا۔ لوگو! پرچید، پوچھو
(بخاری، کتاب الاعتصام)

۱۸۔ ایک مرتبہ فرمایا۔ جس طرح آدم (علیہ السلام) پر ان کی اولاد اپنی اپنی صورتوں میں پیش کی گئی تھی۔ اسی طرح مجھ پر میری امت لوگوں کی پیدائش سے پہلے پیش کی گئی مجھے بتا دیا گیا ہے کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون نہیں۔ حضور علیہ السلام کے ان جملوں کی اطلاع منافقین کو پہنچی وہ کہنے لگے۔ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اب یہ گمان کرتے ہیں کہ انہیں مومن و کافر کی خبر ہے۔ حالانکہ ہم ان کے ساتھ ہیں۔ وہ ہم کو نہیں جانتے۔ جب منافقین کی یہ باتیں آپ تک پہنچیں تو آپ منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

مَا حَالُ أَقْوَامٍ طَعَنُوا فِي عَلِيِّ لَا تَنْتَلُونِي | اس قوم کا کیا حال ہے جو ہمارے علم میں طعن کرنے
عَنْ شَيْءٍ وَبَيْنَمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّاعَةِ | ہیں (حالات) اب سے لے کر قیامت تک جس چیز کے متعلق پوچھو گے ہم اس کی تم کو خبر دیں گے
(حازن، پارہ ۴)

۱۹۔ حتیٰ کہ ایک بار جب آپ مصروف نماز تھے۔ حمال الہی بے نقاب ہو کر سامنے آگیا۔ میں نے دیکھا کہ جمال الہی پر جو میرے سامنے ہے۔ خطاب ہوا تم جانتے ہو۔ فرشتگان کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں۔ عرض کی! ہمیں یا رب العالمین۔

پھر خدا نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے پیچ میں میری پیٹھ پر رکھا۔ جس کی ٹھنڈک میرے سینہ نہایت پہنچ گئی۔
فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں میری نگاہوں کے سامنے آگئیں
(مشکوٰۃ شریف باب المساجد)

اب خطاب ہوا۔ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کی ان اعمال کی نسبت جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ خطاب ہوا وہ کیا ہیں؟ عرض کی نماز باجماعت کی شرکت کے لیے قدم اٹھانا۔ نماز کے بعد مسجد میں ٹھہر جانا اور ناگواری کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا۔ جو ایسا کرے گا اس کی زندگی اور موت دونوں بخیر ہوں گے۔ وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جائے گا جیسے اس دن جب اس کی ماں نے اس کو جنما۔

پھر سوال ہوا یا محمد! اور درجات کیا ہیں؟ عرض کی کھانا کھانا جب دنیا سوتی ہو تو آخر کو نماز پڑھنا منہ احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳۳) —————
افترض اس نوع کے کثیر مشاہدات اور مصومات ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً پیش آیا کرتے تھے اور یہ بات بھی حضور علیہ السلام نے صاف سے فرمائی۔

ما علمت یہ خطاب مقبور کو ہوگا اور هذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات اقدس ہے اور سوال کرنے والے دو فرشتے

ہیں جو قبر میں آتے ہیں جن کو منکر و نکیر کہتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ هذا اسم اشارہ ہے جو منشا ربیبہ جی کو چاہتا ہے یعنی ہمارے اس چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو محسوس بھی ہو اور نظر بھی آئے تو کیا قبر میں خود بنفس نفیس حضور علیہ السلام تشریف لاتے ہیں یا آپ کی تصویر پیش کی جاتی ہے؟ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ نہ حضور علیہ السلام خود قبر میں آتے ہیں اور نہ آپ کی تصویر پیش کی جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے مقام ارفع و اعلیٰ میں جلوہ فرما ہوتے ہیں۔ حجاب اور پردہ تو مقبور کے لیے ہوتا ہے بلکہ خداوندی مقبور کے لیے وہ حجاب اٹھ جاتے ہیں اور توبہ کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتے ہیں اور فرشتہ آپ کی ذات اقدس کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں کہ ان کے متعلق تیرا کیا اعتقاد ہے؟ تو مومن اس سوال کا جواب دینے میں حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت کا اقرار کرے گا اور کافر اس امتحان میں قیل ہو جائے گا اور وہ کہے گا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اس پر مومن سے کہا جائیگا کہ اب امن و سلامتی کے ساتھ سو جا۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ الشیبا باظهارہا کا خفیہ میں لکھا ہے کہ قبر میں حضور علیہ السلام کے متعلق سوال ہونا یہ آپ کی خصوصیات سے ہے۔ کسی اور نبی کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اس کی نبوت و رسالت کے متعلق قبر میں بھی سوال ہوگا۔ اس سوال سے مقصود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام کی برتری اور آپ کے معزز و شرف کا اظہار ہے۔

کیا قبر میں کافر سے بھی سوال ہوگا؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ قبر میں صرف مومن اور منافق سے سوال ہوگا جو دنیا میں اسلام کے مدعی تھے اور یہاں مسلمانوں کی سی زندگی

گزارتے تھے اور کافر مجاہر و باطن کافر تھا اس سے سوال نہیں ہوگا۔ وہ کہتے ہیں ان سوالات کا منشاء یہ ہے کہ مومن

منافی میں فرق ہو جائے اور کافر مجاہدیں القباس تھا ہی نہیں لہذا اس سے سوال کیوں ہو؟ حیرت ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ وہ شرح الصدور میں لکھتے ہیں کہ ابن البرکے لکھا کہ یہ سوال صرف مومن اور منافق کے ساتھ مخصوص ہے اور جن احادیث میں کافر کا لفظ آیا ہے اس سے بھی منافق ہی مراد ہے۔ لیکن اگر ان حضرات کے نزدیک کافر سے سوال نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے عذاب سے توبہ پذیر و امتیاز تو مومن کو بھی حاصل ہے۔ لہذا یہ کہنا چاہیے کہ مومن سے بھی قبر میں سوال نہ ہوگا۔ صرف منافق سے ہوگا اور شاید اسی اعتراض سے بچنے کے لیے علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں یہ لکھا ہے کہ سوال صرف منافق سے ہی ہوگا۔

بہر حال مسند فقاریہ ہے کہ قبر میں تہلیل سے سوال ہوگا۔ منافق سے بھی مومن سے بھی اور کافر مجاہد سے بھی اور نشر سوال القباس کو رد کرنا اور مومن و منافق میں فرق کرنا نہیں۔ چنانچہ احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جب مومن سوالات کے صحیح جواب دے گا تو فرشتے اس سے یہ کہیں گے کہ ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ تو حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت پر یقین رکھتا ہے۔ اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ قبر کے سوالات کا انتشار مومن و منافق میں فرق کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی علت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کا اظہار ہے۔ خود علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ ثریا میں لکھا:

اِنَّهَا الْمَقْصُودُ مِنَ السُّؤَالِ اُمُوْرٌ
اَحَدُهُمَا اِظْهَارُ مَشْرِفِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس سوال سے مقصود متعدد امور ہیں۔ ایک ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا اظہار بھی ہے۔

جب مقصود سوال حضور علیہ السلام کے فضل و شرف کا اظہار ہے کہ یہ وہ ذات مقدس ہیں۔ جن کی رسالت و نبوت کے متعلق قبر میں بھی پوچھا جاتا ہے تو یہ سوالات مومن، منافق اور کافرینوں سے ہونے چاہئیں۔ اس کے علاوہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تکلم میں ان آیات کی تفسیر اس طرح کی ہے:-

۱- يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاَلْقَوْلِ الشَّارِبِ (ہو کلمۃ التوحید)

۲- فِي الْحَيٰةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (فی البترا)

۳- وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ (الکفار فلا یہتدون للجواب الصواب)

اس تفسیر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ قبر میں کافر سے بھی سوال ہوگا۔ لہذا جب مقصود سوال حضور علیہ السلام کے فضل و شرف کا اظہار ہے تو یہ سوالات کافر، منافق اور مومن تینوں سے ہونے چاہئیں۔ اس کے علاوہ اس باب کی احادیث میں اما المنافق والکافر بھی آیا ہے۔ وادعائہ منارت کے لیے آتی ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سوال کافر اور منافق دونوں سے ہوں گے۔ چنانچہ آیت یثبث اللہ الذین امنوا (الی) یضلل اللہ الظالمین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہاں ظالمین کا ذکر امنوا کے متقابل کیا گیا ہے اور لفظ ظالم کافر اور منافق دونوں کو شامل ہے۔ نیز طبرانی میں حدیث مرفوعہ بسند حسن آئی ہے۔ ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں درج کیا جس کا مضمون یہ ہے۔

”کافر سے جب سوال ہوگا تو وہ صحیح جواب نہ دے سکے گا جس پر قبر اس کے لیے تنگ ہو جائے گی بیان ہمک
اس کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جائیں گی۔ اسی کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ من اعرض

عن ذکرہ فان لہ معیشت ضنکاً“

نہا ہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے میں کافر اور منافق دونوں شامل ہیں۔

مسائل حدیث

۱- واضح ہو کہ یہ نماز جس کا ذکر حدیث زیر بحث ہے کسوف کی نماز تھی۔ جو سہ ماہ میں
اس وقت ہوا تھا جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے استعمال فرمایا تھا اور نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا۔ حدیث زیر بحث، مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۲- جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں اور آج موجود ہیں۔ یہی مذہب ہے اہلسنت و جماعت کا۔ جس پر آیات و احادیث اور
اخبار متواتر وال ہیں۔ البتہ معتزلہ اس بات کا انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ حساب و عقاب سے ایک روز
قبل پیدا کی جائیں گی۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ معتزلہ کا یہ کہنا :-

هَذَا بَاطِلٌ وَتَلَا عُبَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَالْإِسْلَامُ عَنْ أَجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ (عینی ج ۱ ص ۴۹) | باطل ہے دین سے تلاعب ہے اور اجماع المسلمین کے بھی خلاف ہے۔

۳- مذہب قبر اور قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا برحق ہے ۴- صلوٰۃ کسوف سنت اور اس میں تیمم طویل اور نماز
کے بعد خطبہ دینا مسنون ہے ۵- عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۶- ایسی بیوشی جس میں عقل باقی رہے ناقض وضو
نہیں ہے ۷- خطبہ کے اول میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہونی چاہیے ۸- منافق اس کو کہتے ہیں جو ظاہر کلمہ پڑھے اور دل
میں کفر رکھے اور قرآن و حدیث کی حقانیت و صداقت میں شک کرے۔

ایک شبہ کا ازالہ

انما یغنی تقلید نے اس موقع پر عجیب و غریب شبہ پیدا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث
سے تقلید کی مذمت نکلتی ہے کیونکہ منافق فرشتے کے سوال پر یہ جواب دیکھا کہ میں نے جیسے
لوگوں کو کہتے سنا وہی میں نے کہا۔ مطلب یہ کہ اس نے نہ خود غور کیا اور نہ تحقیق کی بلکہ ایمان تقلیدی کا اظہار کیا لیکن ان
کا یہ استدلال اتنا کچا اور برباد اور لامعنی ہے کہ جس کی مثال نہیں ملے گی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ وہ امور جرایمانہ سے تعلق رکھتے
ہیں جیسے توحید و رسالت، حشر و نشر، قیامت۔ اسی طرح وہ احکام جو کتاب و سنت نے واضح طور پر بنا دیئے ہیں جیسے
پانچ نمازیں، تیس روزے، شراب و خمر پر کی حرمت وغیرہ ذالک، مسائل و احکام صریحہ یہ وہ امور ہیں جن میں نہ
تقلید جائز ہے اور نہ کوئی مقلد ان امور میں کسی امام کی تقلید کرتا ہے تو جب مقلدین ائمہ اربعہ کے نزدیک ایمانیات اور
احکام صریحہ منصوصہ میں تقلید جائز ہی نہیں ہے تو حدیث مذکورہ سے تقلید کی مذمت کیسے ثابت ہوئی۔ تقلید تو صرف
ان امور کی کہ جاتی ہے جنہیں قرآن و حدیث نے بیان نہیں کیا اور جنہیں مجتہد و ائمال شریعہ کی روشنی میں اجتماع و استنباط کر کے
نکالتا ہے اور حدیث میں جن امور کے متعلق قرین سوال ہوئے گا ذکر ہے۔ یہ امور تقلیدی نہیں ہیں۔

حضرت اسماعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما | حدیث ہذا کے راویوں میں حضرت اسماعیل بھی ہیں۔ آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زبیر کے نکاح میں تھیں۔ ان سے ۵۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ہم کو بخاری نے منقولاً ذکر کیا اور ۴۴ پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے۔ انھوں نے مکہ میں ماہ جمادی الاول ۳۲ھ میں بعد شہادت حضرت عبداللہ بن زبیر کے انتقال کیا۔ ان کی عمر مبارک ایک سو سال ہوئی۔ اس عمر میں بھی کوئی دانت نہ گرا اور عقل میں فتور آیا۔

بَابُ تَحْرِیصِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب اس امر کے بیان میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

وَيُخْبِرُونَ مَنْ وَرَاءَهُمْ وَنَسَّالَ مَالِكَ ابْنُ الْحَوَيْرِثَ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِمُوا هُمْ (بخاری)

نے وفد عبد القیس کو رغبت دلائی کہ وہ ایمان اور علم کی باتیں یاد رکھیں اور دوسروں تک پہنچائیں اور مالک ابن حویرث کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤ اور ان کو دین کی باتیں سکھائو۔

فوائد ومسائل

تحریس کے معنی ہیں کسی کام کی رغبت دلانے، براہیچھ کرنے اور اُجھارنے کے۔ حضور نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی وفد کو یا اشخاص و افراد کو دین کے احکام و مسائل تعلیم فرماتے تو یہ بھی تاکید فرماتے تھے کہ تم نے جو کچھ مجھ سے سیکھا ہے اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔

یہ تعلق حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جس کو امام نے کتاب الصلوٰۃ اور ادب میں موصولاً ذکر فرمایا ہے۔ امام مسلم نے بھی اس کو ذکر کیا ہے ۲۔ مالک بن حویرث بن حشیش صحابی ہیں۔ یہ پانچ افراد کے ہمراہ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور چند دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے اور پھر اپنی قوم کی طرف واپس ہونے کی اجازت چاہی تو حضور علیہ السلام نے ان کو مذکورہ بالا حکم دیا۔ ان سے کل ۱۵ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے دو پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا اور ایک حدیث کو بخاری نے منقولاً ذکر کیا۔ حضرت مالک بن حویرث نے ۹۴ھ میں بصرہ میں انتقال فرمایا۔ ایک جماعت نے آپ سے روایت کی ہے ۳۔ اس کے بعد امام بخاری نے ایک حدیث ذکر کی ہے جو کتاب الایمان میں مع ثقیف کے کُز چکی ہے۔ یعنی حدیث وفد عبد القیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس لیے ہم نے اس کو چھوڑ دیا۔

بَابُ الرَّحْلَةِ فِي مَسْئَلَةِ النَّازِلَةِ

باب جب کوئی مسافر اُڑے تو اس کے جواب کے حصول کے لیے سفر کرنا

علامہ ردوانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ایک عالم دین کا انتظام و انصرام کریں نہ کہ لوگ اس سے اپنے مسائل ضروریہ نازلہ پوچھ سکیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔

۸۷۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَةَ لَدَاجٍ أَهَابَ بْنِ عَزِيزٍ فَاتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنِّي فَتَدُ أَرْضُصَعْتُ

عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نکاح کیا ابواہاب بن عزیز کی بیٹی سے تو ایک عورت آئی کہنے لگی میں نے عقبہ کو اور اس بڑی

عُقْبَةُ وَالنَّبِيُّ تَرَوَّجَ بِهَا قَالَ لَهَا
عُقْبَةُ مَا أَعْلَمُ إِنَّكَ أَرْضَعْتَنِي
وَلَا أَحْبَبْتَنِي فَرَكِبَ إِلَى رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ
فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَتَقَدَّرَ قِيلَ فَقَارَتْهَا
عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ
(بخاری)

جس سے عقبہ نے نکاح کیا ہے، دودھ پلایا ہے۔
عقبہ نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ تو نے مجھے دودھ پلایا
اور نہ تو نے اس سے قبل کبھی اس کا ذکر کیا پھر
عقبہ سواری پر سوار ہو کر مدینہ منورہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے
مسکے پوچھا تو آپ نے فرمایا کیلئے اور جب کہ کہا گیا
ہے۔ پس عقبہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور اس
عورت نے دوسرا خاوند کر لیا۔

فوائد مسائل

۱۔ اس حدیث کا باب سے تعلق یہ ہے کہ اس میں حضرت عقبہ کا مسکے پوچھنے کے لیے سفر کا ذکر ہے۔
۲۔ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الشہادات میں بھی ذکر کیا ہے۔ تفصیل بحث ہم انشاء اللہ
اسی مقام پر کریں گے ۳۔ کیفیت و قدیل، کا حاصل معنی یہ ہے کہ تم ایک ایسی عورت کے ساتھ ازدواجی تعلقات کیسے قائم کر
سکتے ہو جس کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ تمہاری رضاعی بہن ہے م۔ ظاہر ہے کہ صرف ایک عورت کے قول سے رضاعت
ثابت نہیں ہوتی اور نہ محض اس کے قول کی بنا پر نکاح فاسد ہو سکتا ہے۔ لہذا حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد محض احتیاطی ہے
یعنی ورع اور تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ تمہارے مواضع سے بھی بچا جائے۔

رضاعت کا ثبوت

اس باب میں حنفیہ کا مسکے یہ ہے کہ رضاع کا ثبوت اسی طرح ہوگا جس طرح مال کا ہوتا
ہے یعنی دو مردوں کی شہادت یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت۔ صرف ایک عورت کا
قول نہیں مانا جائے گا کیونکہ ثبوت حرمت باب نکاح میں لازم الملک سے ہے اور ملک کا زوال ایک عورت کی شہادت سے
نہیں ہوتا۔ لہذا حرمت ثابت نہ ہوگی اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں ثبوت شہادت چار عورتوں کی شہادت سے ہو جائیگا
اور امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی شہادت سے اور امام احمد کے نزدیک صرف مضرعہ کے کہنے سے رضاعت کا ثبوت
ہو جائے گا۔ ان کی دلیل حدیث زیر بحث ہے۔

بَابُ الشَّائِبِ فِي الْعِلْمِ

باب علم حاصل کرنے کے لیے باری مقرر کرنا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں اور
میرا ہمسایہ انصاری عوالی مدینہ کے ایک گاؤں بنی اریہ
بن زید میں رہتے تھے اور ہم دونوں باری باری حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ایک
دن وہاں ایک لون میں دربار نبوی میں حاضری دیتا تو

۸۸۔ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ
كُنْتُ أَنَا وَجَارِيَّتِي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي
بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي
السَّيْثَانَةِ وَكُنَّا نَتَخَاوَى النَّزُولَ
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَنَزَلَ يَوْمًا وَ أُنْزِلَ يَوْمًا فَإِذَا نَزَلَتْ
بِمَنْتَهَ بِحَبْرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَ
فِيهِمْ وَ إِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ فَتَزَلَّ
مَسَاجِي الْأَنْصَارِيَّ يَوْمَهُ تَوْبَتَهُ فَضَرَبَ
بَابَ ضَرْبًا شَدِيدًا فَقَالَ أَشَقُّهُ هُوَ
نَفَرْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ حَدَّثَ
مَنْ عَظِيمٌ فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ
يَا ذَاهِي تَبِكِي فَقُلْتُ أَطْلَعَنَّ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَا أَدْرِي ثُمَّ
دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقُلْتُ وَأَنَا قَاتِلُهُ أَطْلَعْتُ نِسَاءً لَكَ
ثَلَاثَ لَافَقُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ

(بخاری)

اس دن جو وحی ہوتی اور جو مسائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم
بیان فرماتے ہیں اپنے ساتھی انصاری کو اس کی اطلاع
دیتا اسی طرح وہ بھی کرتا تو ایک دن میرے ساتھی انصاری
کی باری تھی۔ وہ لوٹ کر آیا اور اس نے زور سے میرا
دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا یہاں عمر یہی؟ میں گھبرا گیا اور
مکان سے باہر آیا۔ اس نے کہا آج بہت بڑا حادثہ رونما
ہوا ہے (یعنی حضور علیہ السلام نے اپنی بی بیوں کو طلاق
دیدی ہے) پس میں حفصہ کے ہاں آیا اور ان کو روتا ہوا
پایا۔ میں نے کہا کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق
دیدی ہے؟ تو حفصہ نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ پھر میں صدمت
نبوی میں حاضر ہوا اور کھڑے کھڑے عرض کی۔ آپ نے اپنی
بی بیوں کو طلاق دیدی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ نہیں! میں نے کہا اللہ اکبر

(۱) اس حدیث کو امام بخاری نے سلح اور مطاع میں بھی ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے طلاق میں ترمذی
نے تفسیر میں۔ نسائی نے صوم اور عشرۃ النصار میں ذکر فرمایا ہے ۲۔ اس حدیث سے ذیل کے مسائل
علوم ہوئے۔ خبر واحد اور صحابہ کے مراسیل پر عمل درست ہے۔ صحابہ کرام علیہم السلام کے حریص تھے اور جو کچھ حضور
علیہ السلام سے سنتے دوسروں تک پہنچاتے۔ باپ کو اپنی بیٹی کے گھر اس کے خاوند سے اجازت لیے بغیر جانا جائز ہے۔

بَابُ الْغَضَبِ فِي الْمَوْعِظَةِ

باب خلافت شرع بات دیکھنے پر تعلیم

و تعلیم میں غصہ کا اظہار کرنا

ابی مسعود الانصاری سے ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص
نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نماز کو نہیں پاستا بوجہ
لمبا کرنے فلاں شخص کے نماز کو (ابی مسعود کہتے ہیں)
میں نے کسی عظیم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن سے
زیادہ غصہ فرماتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے فرمایا تم
لوگوں کو نفرت دلاتے ہو۔ پس جو شخص لوگوں کو نماز پڑھتا
تو اس میں تخفیف کرے۔ کیونکہ نماز پڑھنے والوں میں

والتعليم إذا رأى ما يكره
۸۹۔ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ
قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا أَكَادُ أَذْرِكُ
لصَلَاةٍ مِمَّا يَطْوِلُ بِنَا فَلَانٌ فَمَا
رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ فَقَالَ
أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مَتَنَفِرُونَ فَمَنْ صَلَّى
بِالنَّاسِ فَلْيَخَفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيعِينَ

(بخاری)

وَالضَّعِيفَ وَذَٰلِهَا جَعَلَ

|

مريض بھی ہوتے ہیں اور ضعیف بھی اور حاجت مند بھی

تَوَلَّدَ مَسْأَلٌ

۱۔ امام بخاری نے اس حدیث کو صلوٰۃ، ادب اور احکام میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ مسلم نے صلوٰۃ میں انسانی نے علم میں اور ابن ماجہ نے محمد بن عبد اللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے۔ ۲۔ شکایت کرنے والے کا نام حرم طویل ابی کعب ہے اور نماز پڑھانے والے معاذ ابن جبل تھے۔ لاکھادادراک الصلوٰۃ یعنی حرم نے عرض کی کہ معاذ ابن جبل اتنی لمبی نماز پڑھاتے ہیں کہ میں نماز کو پانہیں سکتا۔ حالانکہ ظاہر کہ جب قیام طویل ہوگا تو ہر شخص نماز کو باسانی یا لیتا ہے اس لیے شارحین نے ان جملوں کی متعدد تفسیریں کی ہیں۔ بعض نے کہا ادراک کی جگہ انراک کا لفظ تھا۔ یعنی طویل قیام کی وجہ سے قریب تھا کہ میں نماز کو چھوڑ دوں۔ لیکن یہ تاویل الفاظ حدیث کے موافق نہیں ہے۔ البتہ ابن الزناد و سراج نے جو معنی بیان کئے ہیں وہ خوب ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو ضعف تھا اور جب امام نے نماز کو طویل دیا تو وہ بوجہ ضعف و کمزوری رکوع اور سجدہ نہ کر سکتے تھے یعنی امام کے ساتھ نماز پوری کرنے کے قابل نہ رہے۔ ۳۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب کے لہجہ میں فرمایا کہ تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو۔ لہذا جب کوئی نماز پڑھاے تو لمبی نہ کرے اور مریض، ضعیف اور عاجز و ناتوان کی رعایت کرے۔

مسائل حدیث

حدیث ذہ مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ جب کوئی شخص ایسا نماز پڑھے تو جعفر اس کی طاقت جو نماز کو طویل دے سکتا ہے لیکن جب وہ امامت کرے تو سنت کے مطابق اس کو ادھر سے اور اتنا طویل نہ دے کہ لوگ اکتنا جائیں۔ اس سے یہ واضح ہو کہ اطالۃ الصلوٰۃ پر تعزیر بالکلام جائز ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب کا اظہار فرما کر اس فعل سے منع فرمایا۔ ۲۔ جب امروہ بن میں منکر نظر آئے تو وہاں کا غضب کا اظہار جائز ہے۔ ۳۔ جس سے کوئی خلاف شرع بات صادر ہو تو اس کا نام لے کر بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اصل مسئلہ بنا دینا چاہیے لایہ کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ نام لیا جائے تو پھر نام لے کر مسئلہ بیان کرنے میں حرج کیا ہے۔

۹۰۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ الْجَهَنِّيَّ ابْنَ الْحَنِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ اللَّقْطَةِ فَقَالَ أَعْرِفُ ذَكَاءَ هَا أَذْ قَالَ وَعَاَهَا وَعَفَاصَهَا ثُمَّ عَرَفَهَا مَسْنَةً ثُمَّ اسْتَمْتَعَ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَذْهَا إِيَّاهُ قَالَ فَضَالَةٌ إِيَّاهُ بَلْ فَغَضِبَ حَتَّى أَخْبَرَتْ وَجَنَّتَاهُ (أَوْ قَالَ أَحْمَرَتْ وَجْهَهُ) فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاءُهَا وَحَدَّاءُهَا سِرْدُ الْمَاءِ وَتَرَعَى الشَّجَرِ

زید ابن خالد الجہنی سے روایت ہے ایک شخص نے لفظ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اس کا بندھن یا اس کا بزن یا جیسی عوب یاد رکھ اور ایک سال تک اس کی تشبیہ کر پھر نفع اٹھا۔ پس اگر اس کا مالک آجائے تو وہ چیز اس کو دیدے۔ اس نے عرض کی گشہ اونٹ کسی کو ملے تو اس کا کیا حکم ہے اس پر آپ نے غصہ کا اظہار فرمایا بیان تک کہ آپ کے دونوں رخسارے یا چہرہ اقدس سرخ ہو گیا۔ پھر فرمایا تجھے اونٹ سے کیا واسطہ اس کی مشک ہے اس کا موزہ ہے۔

فَذَرَّهَا حَتَّى يَلْتَمَسَهَا رَبُّهَا قَالَ
فَضَالَّةُ الْعَنَمِ قَالَ لَكَ أَوْلَادُ حَيْكُ
أَوَّلُ لَذَنِّبِ

(بخاری)

یا پھر بھیڑیے کے لیے ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے لفظ و ادب میں بھی ذکر کیا۔ مسلم نے قصا میں۔ ابو داؤد نے لفظ میں۔ ترمذی و ابن ماجہ نے احکام میں۔ ابو داؤد نے ضرائل اور لفظ میں ذکر فرمایا ۲۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ہیں۔ جینہ کی طرف منسوب ہیں۔ فتح مکہ کے دن ان کے ہاتھ میں قبیلہ جہینہ کا جھنڈا تھا۔ آپ سے کل اکاشی حدیثیں مڑی ہیں۔ امام بخاری نے آپ سے پانچ حدیثیں لی ہیں۔ مدینہ منورہ یا مصر میں پچھارہ سال مشہور ہیں انتقال فرمایا ۳۔ لفظ کے نویں معنی کسی چیز کے بغیر طلب اور جستجو کے مل جانے کے ہیں۔ و کاء، اس ناکہ یارسی کو کہتے ہیں جس سے خضیلی یا رسی کا منہ بڑھا جاتا ہے۔ و عاء، اس برتن یا تھیلے کو کہتے ہیں جس میں آدمی اپنا سامان یا زاد راہ وغیرہ رکھتا ہے۔ و عافس، اس کپڑے کو کہتے ہیں جو خضیلی کے منہ پر رکھ کر باندھا جاتا ہے۔ اعرف و کاء ہا۔ معرفت سے ہے مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جس خضیلی یا برتن وغیرہ میں ملے اس کو خوب اچھی طرح یاد رکھا جائے تاکہ جب اس کا مالک ملے تو اس سے نشانی پوچھی جائے اور ان کی تکذیب یا تصدیق کی جاسکے۔ شمر عرقھا۔ یعنی اٹھانے والے پر ایک سال تک اس کی تشہیر واجب ہے۔ اگر مالک مل جائے تو اس کو دیدیا جائے ورنہ اس کو کام میں لایا جائے۔ فَعَصَبَتْ یعنی جب سائل نے اونٹ کے متعلق پوچھا تو حضور علیہ السلام نے اس سوال پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور یہ اس لیے کہ انھوں نے اونٹ کو بھی لفظ میں شمار کر لیا۔ حالانکہ لفظ اس کو کہتے ہیں جو مالک سے جدا ہو جائے اور خود مالک تک نہ پہنچ سکے اور اگر اس کو وہیں چھوڑ دیا جائے تو اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو بخلاف اونٹ کے کہ اس کے مرنے کا احتمال بہت کم ہے کیونکہ وہ خود چرتا ہے۔ ہفتہ بھر کا پانی یکدم پی لیتا ہے اور بھیڑیے وغیرہ سے بھی محفوظ رہتا ہے اور عموماً مالک اس کو تلاش کر لیتا ہے۔ لہذا اونٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اونٹ کے متعلق یہ حکم اسی زمانہ کے ساتھ خاص معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے موجودہ ماحول میں اونٹ اگر بغیر مالک ملے گا تو ممکن ہے اس کی ذات کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ مگر دوسروں کو ضرور نقصان پہنچ جائیگا۔ بلکہ اس زمانہ میں تو لوگ باہمی کو بھی نہیں چھوڑتے تو اونٹ کو کون چھوڑے گا۔ لہذا اونٹ اگر وارد مل جائے تو اس کو بھی اپنی حفاظت میں اس نیت سے لے لینا جائز ہے کہ مالک کا پتہ ملنے پر اس کے سپرد کر دیا جائے۔

لُفْظُ کے مسائل

۱۔ جہنم کی پٹی چیز کا اٹھانا جائز ہے۔ مثلاً متاع، چانور بلکہ اونٹ وغیرہ، پڑا ہوا مال کیسے لا اور نیکیاں ہو کہ میں اس کے مالک کو تلاش کر کے دیدوں گا تو اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر اندیشہ ہو کہ شاید میں خود ہی رکھ لوں اور مالک کو تلاش نہ کر سکوں تو چھوڑ دینا بہتر ہے اور اگر ظن غالب ہو کہ مالک کو نہ دوں گا تو اٹھا لینا ہے اور پڑا ہوا مال اپنے لیے اٹھانا حرام ہے۔ اگر یہ ظن غالب ہو کہ اگر نہ اٹھاؤں گا تو یہ چیز ضائع ہو جائے گی تو اٹھا لینا

ضروری ہے ۲۔ اس حدیث میں آیا کہ لفظ کی ایک سال تک تشریح کی جائے۔ اٹھانے والے پر تشریح کرنا لازم ہے یعنی بازاں اور شارح عام میں اور مساجد میں اور آج کے زمانہ میں بہترین ذریعہ ریڈیو اور اخبارات ہیں۔ ان کے ذریعے تشریح کرا جائے۔ تشریح کی مدت میں اختلاف ہے۔ اصناف کے نزدیک اتنے زمانہ تک تشریح کرے کہ ظن غالب ہو جائے کہ مالک اب تلاش نہ کرتا ہوگا۔

۳۔ لفظ اٹھانے والے کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے۔ یعنی اگر قطعاً نے اس کی اپنے مال کی طرح حفاظت کی مگر اس کے باوجود تلف ہو گیا تو اس پر تاوان نہ ہوگا مگر اس میں یہ شرط ہے کہ اٹھانے والے نے کسی کو گواہ بنایا ہو اور اگر گواہ نہ کیا تو تلف ہونے کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا۔ ہاں اگر وہاں کوئی نہ ہو تو یہ اندیشہ ہوگا کہ گواہ بنائے گا تو ظالم چھین لے گا اور مالک تک نہ پہنچے گا تو اس صورت میں تلف ہو جانے پر ضمان نہیں ہے۔

۴۔ تشریح کی مدت پوری ہو جانے کے بعد اٹھانے والے کو اختیار ہے کہ یا تو لفظ کی خود حفاظت کرے یا آنکھ اس کا مالک مل جائے یا کسی غریب و مسکین کو دیدے یا اگر خود غریب و نادار ہے تو اپنے کام میں لے آئے لیکن ان سب صورتوں میں جب بھی مالک آگیا اس کو اختیار ہے کہ یا تو صدقہ کو جائز کر دے یا اگر وہ چیز بیعہ موجود ہے تو اس کو لے لے اور اگر ہلاک ہو گیا ہے تو تاوان لے لے۔

۵۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک غریب و امیر دونوں کے لیے جائز ہے کہ تشریح کی مدت پوری ہو جانے پر خود اپنے استعمال میں لے آئے۔ مگر حنفیہ کے ہاں دولت مند کو لفظ اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے مفصل مسائل کے لیے بہار شریعت حصہ دوم کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۹۱۔ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا قَلْبًا أَكْثَرَ عَلَيْهِ غَضَبٌ ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ حَدَّثَنِي فَقَامَ أَحَسْرُ فَقَالَ مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ فَلَمَّا رَأَى عَسْرَ مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَتُوبُ إِلَيْكَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند امور کے متعلق سوال کیا گیا تو جن کو آپ کے ناپسند فرمایا۔ جب سوالات کی کثرت ہو گئی تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور لوگوں سے کہا مجھ سے جس چیز کے متعلق چاہو پوچھ لو۔ ایک صاحب کھڑے ہوئے عرض کی۔ میرا باپ کون ہے۔ فرمایا تیرا باپ خدا ہے ایک اور صاحب کھڑے ہوئے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تیرا باپ سالم ہے مولیٰ شیبہ کا۔ پس جب حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کی ناپسندیدگی کو دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ ہم اللہ کے حضور توبہ کرتے ہیں۔

۱۔ اس حدیث کو امام نے کتاب الاعتصام میں باب ما یسکرہ من کثرة السؤال اور فضائل فائدہ و مسائل میں ذکر فرمایا ہے ۲۔ ان تینوں حدیثوں کا باب سے تعلق یہی ہے کہ تعلیم و تعلم و وعظ و نصیحت میں غضب

کا اظہار حسب موقع و حال جائز ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ ایسے سوالات کر رہے تھے۔ جن کا تعلق فرض نبوت سے نہ تھا۔ اس پر آپ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا کہ ایسے سوالات جو غیر ضروری ہیں وہ نہ کیے جائیں لیکن جب سوالات کی کثرت ہو گئی تو آپ نے فرمایا: ”مجھ سے جو چاہو پوچھ لو“۔ اس جملہ سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر چیز کا علم عطا فرمایا ہے۔ میرا سینہ علم و معرفت کا خزانہ ہے۔ اگر تم ایسے امور سے متعلق سوال کرو گے جن کے جواب کی محجہ پر زرداری نہیں ہے تو میں ان کے جواب بھی دینے کی قدرت رکھتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اس کا عملی ثبوت اسی وقت دیدیا۔ جن صاحب کے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا تھا کہ میرا باپ کون ہے؟ تو آپ نے اس کے باپ کا نام بتا دیا۔

۴۔ چنانچہ سلونی عہدِ شمشعہ کہ مجھ سے جو چاہو پوچھو اس میں کوئی قید نہیں ہے بلکہ عموم و اطلاق ہے جس کا فتنار و مغرم یہ ہے کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کی طاقت رکھتا ہوں خواہ تمہارا وہ سوال دین سے متعلق ہو یا دنیا سے، غیب سے اس کا تعلق ہو یا شہادت سے (سبحان اللہ) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سائل کے بیکار اور فضول سوالات کا بھی جواب دے جیسا کہ آج کل رواج ہو گیا ہے کہ لوگ دین کے ضروری مسائل تو پوچھتے نہیں۔ سوال کرتے ہیں تو یہ کہ حضرت عیسیٰ نے کتنے مڑے زندہ کیے تھے؟ اور اصحاب کف کے گتے کا رنگ اور عمر کتنی تھی؟ حضرت موسیٰ کے عصا کی لمبائی کتنی تھی؟ آج کل عوام اسی قسم کے سوالات کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ایسے بیکار سوالات کے جوابات دینے کی عالم پر زرداری نہیں ہے۔

۵۔ اس حدیث پر غور کیجئے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر ادب و احترام کرنے لگے تھے کہ مزاجِ نبوی کے خلاف امر کو دیکھ کر نہ صرف ان کو روک دیا بلکہ اس فعل پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنے کی تلقین کی۔

بَابُ مَنْ يَرْكَ رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الْإِمَامِ أَوْ الْمُحَدِّثِ

باب محدث یا امام کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھنا

یعنی آدابِ متعلم سے یہ ہے کہ دو استاد کے سامنے ادب و احترام سے بیٹھے جیسا کہ دربارِ نبوت صحابہ کرام بیٹھا کرتے تھے۔ اس باب میں امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو ابھی ابھی مع تفہیم کے ہم پیش کر چکے ہیں۔ البتہ اس میں یہ مضمون اور زیادہ ہے جو عنوان کے متعلق ہے کہ جب عبد اللہ نے یہ سوال کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے جواب دیا اور متعدد بار یہ فرماتے رہے سلونی — مجھ سے پوچھ لو، مجھ سے پوچھ لو۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے زانوؤں پر رکھے (یعنی دو زانو ہو کر نہایت ادب و احترام سے دربارِ نبوت میں بیٹھے) اور عرض کی ہم اللہ

۹۲۔ فَتَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ
رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا
وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا

فَسَكَتَ (بخاری) | کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوئے (حضرت عمرؓ نے یہ جملے عرض کیے تو تب جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوئے۔
۲۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی بھی کوئی شخص دربار نبوی میں حضور اکرم کے مزاج اقدس کی خلاف کوئی بات کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اظہار ناراضگی فرماتے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکورہ بالا جملے عرض کر دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان جملوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ختم ہو جاتی تھی۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ دربار نبوی میں حضرت فاروق اعظم کا ایک خاص مقام تھا۔ وہ مزاج نبوت کو سمجھتے تھے اور آپ دربار نبوی سے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے۔ پھر لطف یہ کہ حضور علیہ السلام چاہے کیسے کچھ برہم کیوں نہ ہوں فاروق اعظم کے یہ عشق و محبت جس ڈوبے ہوئے جملے مزاج نبوت میں سکون پیدا کر دیتے تھے۔

بَابُ مَنْ أَعَادَ الْحَدِيثَ ثَلَاثًا لَيْفَهُمْ عَنْهُ

باب ایک بات کو تین بار کہنا تاکہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں

گزشتہ باب میں سائل اور معلم کی شان کا بیان تھا کہ اس کو اساتذہ کے سامنے ادب و احترام سے بیٹھنا چاہیے۔ یہ باب شانِ معلم سے متعلق ہے کہونکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات کئی بار اس لیے دہراتے تھے کہ سامعین و متعلمین آپ کے کلام کو اچھی طرح سن لیں اور آپ کی باتیں خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔
فَقَالَ أَلَا وَ قَوْلُ الْمُوَرِّثِمَا زَالَ | حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سن لو جھوٹ
يَكْذِبُ رُهَا (بخاری) | (بولنا) اور کئی بار آپ نے یہ کلمہ دہرایا۔

یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جس کو امام نے کتاب الشہادات میں مکمل لکھا ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کیا میں تمہیں سنگین قسم کے گناہوں سے مطلع نہ کروں (تین بار فرمایا) صحابہ نے عرض کی فرمائیے تو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شکر کرنا۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ پھر آپ بخیر لگا کر بیٹھ گئے اور تین بار فرمایا۔ خبردار جھوٹی گواہی (تین بار فرمایا) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ کیا میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ | (بخاری)
بَلَغْتُكُمْ شَيْئًا

۹۳۔ اَنَّهُ كَانَ تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى لَفَّهْم عَنْهُ وَاِذَا آتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا (بخاری)

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے استیذان میں بھی ذکر کیا ہے اور ترمذی نے استیذان میں مناقب میں ذکر کیا ہے۔ تین بار سلام کرنا یہ حضور علیہ السلام کا ہمیشہ کا قاعدہ نہ تھا۔ ممکن ہے آپ نے تین بار سلام اس وقت کیا ہو جب کہ لوگوں نے شہادہ ہو۔ علامہ قسطلانی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جب کسی قوم کے پاس جانتے تو سلام کرتے۔ یہ استیذان کا سلام ہوا۔ پھر جنب اندر داخل ہوتے تو سلام کرتے یہ حیثیت کا سلام ہوا۔ پھر جب لوٹتے تو سلام کرتے یہ رخصت کا سلام ہوا۔ ورنہ کسی ہرے کے تین مرتبہ سلام کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر حضور علیہ السلام ہر ایک کو تین مرتبہ سلام کیا کرتے تو امت میں یہی رائج ہوتا ۲۔ بعض اوقات حضور علیہ السلام جب کوئی بات کرتے تو اس کو تین بار ارشاد فرماتے تھے۔ تاکہ وہ بات لوگوں کے خوب ذہن نشین ہو جائے ۳۔ اہل منیر نے کہا کہ اس ترجمہ باب سے امام بخاری نے یہ ثابت کیا ہے کہ جس نے حدیث کا دوبارہ بیان کرنا مکروہ کہا ہے۔ اس کا قول غلط ہے۔ اسی طرح طالب کی درخواست پر دوبارہ بیان کرنے کو مکروہ سمجھنا یا اس کو کثرت ذہن قرار دینا بھی غلط ہے کیونکہ طابع اور اذہان بھی مختلف ہوتے ہیں اس سے واضح ہو کہ عالم اگر متروک محسوس کرے تو کسی مسئلہ کو بار بار بیان کر سکتا ہے۔ بلکہ ایسا کرنا سنوں ہے اور جب کوئی شخص دوبارہ مسئلہ سننا چاہے تو عالم کو مکرر ہونا چاہئے اور دوبارہ مسئلہ بتا دینا چاہئے ۵۔ اس باب میں امام نے بالکل اسی مضمون کی حدیث اور ذکر کی ہے اور ایک اور حدیث بھی لکھی ہے جو (باب من رجع صلوٰۃ یا العلم) میں مع تعلیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ اس لیے ہم نے ان دونوں حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے ۵۔ تین بار سلام کرنے کی ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو تین بار سلام کرتے جیسے آج کل بھی اس کا رواج ہے کہ جب کسی مجمع میں آدمی پہنچتا ہے تو پہلے ابتداء میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرتا ہے۔ پھر درمیان میں پہنچ کر اور پھر آخر میں پہنچتا ہے تو سلام کرتا ہے (واللہ اعلم)

بَابُ تَقْلِيمِ الرَّجُلِ امَّتَهُ وَاهْلَهُ

باب اپنی لونڈی اور گھر والوں کو علم دین سکھانے کے بارے میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین آدمیوں کو دوہرا ثواب ملے گا۔ ایک اہل کتاب سے جو ایمان لایا۔ اپنے نبی پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ دوم، وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی سوم وہ جس کے قبضہ میں لونڈی ہے وہ اس سے صحبت کرتا ہے۔ پھر اس کو بہترین ادب سکھایا اور بہترین تعلیم دی۔ پھر اس کو آزاد کیا۔ پھر اس کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس کے لیے دوہرا ثواب ہے۔ عامر نے کہا ہم نے تم کو یہ حدیث بلا عوض دیدی اور ایک زمانہ نہ تھا کہ اس سے کہ تم میں کی حدیث کے لیے لوگ مدینہ تک کا سفر کرتے تھے۔

۹۶۔ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ كَلِمَةٌ أَحَبُّ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهُ أَمَةٌ يُعَاهِدُهَا فَادَّيَّهَا فَحَسَنَ تَأْدِيَتِهَا وَعَلَّمَهَا فَاحْسَنَ تَعْلِيمِهَا ثُمَّ اعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ أَعْطَيْنَا كَلِمًا بِغَيْرِ شَيْءٍ تَدَّ كَانَ يَرْكَبُ فِيهِمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ

(بخاری)

۱۔ اس حدیث کو امام نے عتق، جہاد، احادیث انبیاء اور نکاح میں بھی ذکر کیا ہے اور ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ نے بھی کتاب النکاح میں درج ۲۔ دواجر کا استحقاق صرف ان تین قسم کے

فوائد و مسائل

افزودے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ وہ لوگ بھی دوسرے ثواب کے مستحق ہوں گے جو نماز بھی پڑھیں اور روزہ بھی رکھیں یا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے والدین کی خدمت بھی کرے تو نماز کا ثواب علیحدہ ہے۔ لہذا نماز روزہ کا پابند بھی دواجر کا مستحق ہوگا اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے کہ کسی چیز پر نفع کر دینا اس کے سوا کئی نفی نہیں کرتا واللہ واسبغ علیہ۔ ۳۔ اس حدیث میں فرمایا کہ جس کی لونڈی ہو وہ اس سے صحبت بھی کرتا ہو اور اس کی تعلیم و تربیت باحسن و جود کی ہو۔ پھر اس سے نکاح کر لیا تو ایسا شخص دواجر کا مستحق ہے۔ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ لونڈی نکاح میں لینا ایک نیکی ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت کرنا دوسری نیکی ہے لیکن یہ جو فرمایا کہ اس سے صحبت بھی کرتا تھا۔ یہ جملہ یا تو اس امر کے اظہار کے لیے ہے کہ لونڈی سے وطی کرنا جائز ہے جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے لیکن میرے خیال میں اس جملہ سے مقصود اس شخص کے خلوص اور نیک نیتی کا اظہار ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ لونڈی اس کی ملک میں ہے۔ مالک کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اس کو بغیر نکاح کے صحبت کرنی بھی جائز ہے اور وہ صحبت کر بھی رہا ہے لیکن اس کے باوجود مالک اپنی لونڈی سے نکاح کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اس کے خلوص و ملکیت اور نیک نیتی پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے لونڈی سے جو نکاح کیا ہے محض ثواب کی خاطر کیا ہے۔ کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں کیا ہے کیونکہ دنیاوی غرضیں تو اپنی لونڈی سے نکاح کے بغیر بھی پوری کر سکتا تھا بلکہ پوری کر رہا تھا۔ فافہم۔

اہل کتاب سے کون مراد ہیں | حدیث زیر بحث میں رجل من اهل الکتاب کے الفاظ آئے ہیں یعنی اہل کتاب سے جو شخص اپنے نبی پر ایمان لایا تو یہ اس کے لیے دو عمل ہوئے۔ لہذا یہ شخص دواجر دل کا مستحق ہوگا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اہل کتاب سے کون مراد ہیں۔ اگر یہودی مراد لیے جائیں تو یہ بھی مشکل ہے کیونکہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہو گئے تھے اور کافر کے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں۔ اسی صورت میں یہودیوں سے جو لوگ حضور علیہ السلام پر ایمان لائے تو وہ دواجر کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اور اگر اہل کتاب سے نصاریٰ کو مراد لیا جائے جیسا کہ حدیث بخاری میں یہ الفاظ آئے ہیں دجل امن بعیسیٰ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے صرف نصاریٰ مراد ہیں لیکن اس صورت میں ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث قرآن کریم کی آیت سے متفاوہ ہے۔ اولئک یوتون اجرہم مرتین اور اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھ جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے ان کے حق میں نازل ہوئی جو پہلے یہودی تھے۔

قرآن حکیم نے اعلان کیا کہ ان کے لیے دواجر ہیں۔ ایک اپنے نبی پر ایمان لانے کا اور دوسرا اجر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں ہی مراد ہیں اور بات یہی صحیح ہے کیونکہ اس مسئلہ کے متعلق صریح حدیث بھی ملتی ہے۔ نسائی میں آیت من لم یرحکم بما انزل اللہ کی تفسیر میں حدیث طویل وارد ہوئی ہے اور یونٹکو کفیلین من رحمۃ کے تحت یہ الفاظ آئے ہیں۔

یہ لوگ دواجر کے مستحق ہیں۔ توبیت و انجیل پر ایمان لانے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے۔

اجرین بایمانہم یغیبلی وبالمتوراة و بالانجیل و بایمانہم بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (نسائی جلد ۲ ص ۳۲)

اور اہل کتاب میں یہود کو شامل کرنے کی صورت میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور ان کے اعمال حبط ہوئے وہ، وہ لوگ تھے جن کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی اور جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنی شریعت کی طرف دعوت دی تھی (یعنی بنی اسرائیل) تو جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپ نے انہیں دعوت توحید و شریعت دی وہ یہود و مشرک تھے اور مشام کے یہودیوں میں سے جو بھی حضور علیہ السلام پر ایمان لایا وہ ایک اجر کا مستحق ہوگا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے وہ کافر ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اجر بسبب کفر کے برباد ہو گیا۔

لیکن یہود مدینہ یہ وہ لوگ تھے جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پہنچی ہی نہیں۔ یہ تو مشام سے بھاگ کر مدینہ میں آباد ہو گئے تھے۔ جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے اور ان کے مدینہ میں آباد ہونے کے دو سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی۔ چنانچہ مدینہ شریف کی معتبر تاریخ و فائیں لکھا ہے کہ مدینہ کے فواج میں ایک پتھر پایا گیا۔ جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

یہ قبر ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نائب کی جس کو حضرت عیسیٰ نے تبلیغ کے لیے بھیجا تھا مگر وہ (مدینہ کے یہود تک) پہنچنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔

هَذَا قَبْرِ رَسُولِ رَسُولِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ
جَاءَ لِلتَّبْلِيغِ فَلَمْ يَقْدِرْ لَهُ الْوَصُولُ
الْيَوْمَ

اس لیے (یہود مدینہ) جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ جو یہودیت پر قائم رہے اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ وہ دواجر کے مستحق ہوں گے کیونکہ یہود مدینہ کو جناب عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی۔ لہذا وہ یہودیت پر قائم رہے اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت تسلیم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا۔ ان میں سے ایک طاغوت نے جن میں حضرت عبداللہ بن سلام بھی تھے اسلام کو قبول کیا۔ انہیں حضرات کے متعلق قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔

أَلَيْسَ أَتَيْنَاهُ هَذَا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَهُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ (ال قول)
أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ (یعنی جلد ۱ ص ۵۵)

لے یہ عبارت وفا کی ہے اور تاریخ طبری میں بھی یہ عبارت موجود ہے گردلوں کا کتاب کی غلطی سے رسول رسول عیسیٰ کے الفاظ کی جگہ رسول عیسیٰ کا لفظ درج ہو گیا۔ مرزائی طبری کے اسی غلط حوالہ کو لے کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر تو مدینہ میں بھی ہے حالانکہ کتب تاریخ میں جس قبر کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عبادی کی ہے جس کو آپ نے مدینہ شریف کی طرف تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا اور وہ قرص تبلیغ ادا کرنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔

را یہ سوال کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے شریعتِ عیسیٰ علیہ السلام کو قبول کیوں نہیں کیا اور اپنے سابقہ دینِ یہودیت پر کیوں قائم رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت ان کو پہنچ جاتی۔ تو ان کے لیے اس کا قبول کرنا واجب ہوتا۔ مگر حال یہ ہے کہ یہود اہل مدینہ کو دعوت پہنچی ہی نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ حواری جنہیں آپ نے تبلیغ کے لیے مدینہ کی طرف روانہ کیا تھا وہ تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ ایسی صورتِ جنتِ عید اللہ اور دیگر یہود مدینہ پر شریعتِ عیسوی کو قبول کرنا واجب نہ تھا۔ اس لیے یہ لوگ اپنے دینِ یہودیت پر قائم رہے۔ آنحضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور انھوں نے حضور علیہ السلام کی غلامی کو اختیار کر لیا۔ — البتہ انھیں ظہورِ عیسیٰ علیہ السلام کی اطلاع ملی اور حضرت عبداللہ بن سلام کی سلامتی فطرت، حق گوئی و حق کشی کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہوتا ہے کہ ظہورِ عیسوی کی خبر یا کہ ضرور انہوں نے نبوتِ عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی ہوگی۔ بلکہ مدینہ کا ہر یہودی جو صحیح معنوں میں دینِ یہودیت پر قائم ہے اس نے ضرور نبوتِ عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی ہوگی۔ غرض کہ ان دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں یہود و نصاریٰ دونوں شامل ہیں اور مراد ان سے مومنین اہل کتاب ہی ہیں۔

بَابُ عِظَةِ الْأَمَامِ النِّسَاءِ وَتَقْلِيْبِهِنَّ

باب امام کا عورتوں کو وعظ کہنا اور ان کو دین کی تعلیم دینا

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام (مردوں کی مجلس سے) باہر تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ بلال تھے۔ آپ نے خیال کیا کہ عورتوں تک میری آواز نہیں پہنچی۔ آپ نے عورتوں کو وعظ و نصیحت فرمائی اور صدقہ و خیرات کا حکم دیا تو عورتوں نے اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں دیں جن کو بلال اپنے کرتے کے دامن میں لے رہے تھے۔

۹۷۔ اِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَظَنَّ اَنَّهٗ لَمْ يَسْمَعْ النِّسَاءَ فَوَظَّيْهُنَّ وَامَرَ هُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَبَعَدَتِ الْمَرْاَةُ تُتْلِقُ الْفَرْطَ وَالْخِثَامَ وَبِلَالٌ يَبْتَأُ حَذْفِي طَرْفٍ شَوْبًا

(بخاری)

شَوْبًا

اس حدیث کو امام مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا اور نسائی نے کتاب الصلوٰۃ اور کتاب العلم میں ذکر فرمایا ہے۔

فوائد ومسائل

صدقہ مال ہے جو آدمی ثواب کی نیت سے کرتا ہے۔ یہ لفظ فرض اور نفل دونوں میں بولا جاتا ہے لیکن یہاں اس سے مراد محض نفلی صدقہ ہے۔ قُرْطُ ہر اس زیور کو کہتے ہیں جو عورتیں کان کی کوئیں پہنتی ہیں خواہ وہ صدقہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود مدینہ کو تبلیغ کے لیے جو اپنا حواری بھیجا تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت حضور علیہ السلام کی طرح عام تھی؛ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے اور یہود مدینہ بنی اسرائیل ہی تھے جو شام سے ہجرا کر مدینہ میں آباد ہو گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رسول بنی اسرائیل ہونا نص قرآن پاک سے ثابت ہے۔ اس لیے آپ نے یہود مدینہ کو جو دعوت پہنچانا چاہی اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی بعثت عام تھی بلکہ یہ بھی کہ یہودی اسرائیلی تھے۔ فافہم

کسی چیز کا بنا ہوا ہو۔ خَاتَمٌ - خاتم - خاتم سب کے ایک ہی معنی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۱۱ ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ عورتوں کو وعظ و نصیحت کرنا، دین کی باتیں بتانا، آخرت کو یاد دلانا اور صدقہ و خیرات کی ترغیب دینا مستحب ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ وعظ و موعظ (سامعین) کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں یعنی پرودہ وغیرہ کا انتظام ہو اور وہاں کسی غیر شرعی فعل کے رد و ناجائز ہونے کا عندیہ نہ ہو ۲۔ نفلی صدقہ کے لیے ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں ہے۔ ۳۔ صدقات نافذہ کا مصرف امام کی رائے سے ہے جمال وہ مناسب خیال کرے خرچ کرے م۔ اس حدیث صحیح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو اپنے ذاتی مال میں سے شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ و خیرات کرنا جائز ہے لیکن نسائی و ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کو اپنے شوہر کی بلا اجازت صدقہ دینا نافرمانی تو اس کا جواب یہ ہے اول تو یہ حدیث ثابت نہیں۔ ثانیاً۔ احادیث صحیحہ کے مقابل اس کی وہ حیثیت نہیں ٹالنا۔ اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ شوہر سے اجازت لے کر صدقہ و خیرات کرے یعنی شوہر سے اجازت لینا بیوی کے لیے اولیٰ و اہق ہے فرض یا واجب نہیں ہے راجعاً۔ یہ کہ حدیث ابو داؤد کا تعلق صرف مال زوج سے ہے۔ یعنی مطلب حدیث یہ ہو کہ بیوی کو شوہر کے ذاتی مال سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ و خیرات کرنا حلال نہیں ہے تو اس توجہ پر دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ فافہم بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ حدیث مذکورہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ عورت کو اپنے خاوند کی ملک میں بلا اجازت تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ عورت کا اپنی ملک میں بلا اجازت تصرف کرنا اور اس کا جائز ہونا تو قرآن پاک کی مندرجہ ذیل نصوص سے ثابت ہے :-

۱۔ فَنَصِفْتُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يُعْزُونَ ۲۔ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ

هَٰذَا مَرِيًّا

بَابُ الْحَرَصِ عَلَى الْحَدِيثِ

باب حدیث سننے پر حرص کرنے کے بیان میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز کون شخص آپ کی شفاعت سے سعادتمند ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ مجھے معلوم تھا کہ مجھ سے اس بات کو تجھ سے پہلے کوئی نہ پوچھے گا کیونکہ میں دیکھ چکا ہوں تیری حرص کو حدیث سننے پر۔ قیامت کے دن میری شفاعت سے وہ سعادتمند ہوگا جس نے صدقہ دل کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا ہو (راوی کو شک ہے) کہ

۹۸۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَسْعَدَ النَّاسِ بِشِمَائِلِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوْلَ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ أَسَدُ النَّاسِ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ

إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ لَفْسِهِ ۖ لَفْظًا قَلْبًا رَاشِدًا فَرَمَا يَأْتِيهِمْ ۖ

۱۔ اس حدیث کو امام نے باب صفۃ الجنۃ میں اور نسائی نے علم میں ذکر کیا ہے ۲۔ سعادت۔ نجات
فوائد مسائل اور شقاوت کی ضد ہے۔ جیسے سب بولتے ہیں۔ سعد الرجل (فہو سعيد) یہاں اسد

یا تو بمعنی سعید ہے یا اسد کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا جائے تو اتم فضیل کا صیغہ ہے اور اب معنی یہ ہوں گے کہ اخلاص
درع و تقویٰ کے لحاظ سے شفاعت سے مشرف ہونے والوں کے لیے درجے ہوں گے اور مومن مخلص کی سعادت زیادہ
ہوگی ۳۔ علامہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے حدیث ہذا کی شرح میں لکھا ہے کہ کثیر افراد شفاعت سے سعادتمند ہوں گے۔
لیکن مومن مخلص اسد الناس ہوگا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مختلف امور پر مشتمل ہوگی۔ یعنی

۱۔ آپ قیامت کے دن کی شدت و تکلیف سے نجات دلانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے ۲۔ بعض مومنوں کو
جہنم سے نکلے جانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے ۳۔ بعض کو جہنم سے بچانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے ۴۔ بعض کے لیے
جنت میں ملاساب و کتاب داخل ہونے کے لیے شفاعت فرمائیں گے ۵۔ بعض کے لیے جنت میں درجہ کی بلندی کے لیے شفاعت
فرمائیں گے ۶۔ حتیٰ کہ بعض کافروں کے لیے تخفیف عذاب کے لیے بارگاہ خداوندی میں مرض کریں گے۔ جیسا کہ ابوطالب کے حق
میں حدیث وارد ہوئی ہے۔ (ترجمہ من وعن افصح الباری العلامة ابن حجر علیہ الرحمۃ)

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے دینی معلومات حاصل کرنے کا بہت شوق رکھتے تھے اور عام صحابہ کرام بھی حدیث نبویہ کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا دینی فرض سمجھتے
تھے کیونکہ ان کے نزدیک دین کا اخذ و تبلیغ کتاب و سنت ہی تھا۔ ۲۔ شفاعت حق ہے حضور علیہ السلام کو اذن شفاعت مل
چکا ہے ۳۔ شفاعت صرف ان افراد کی ہوگی جو مومن ہوں گے خواہ کیسے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں۔ کافر و مشرک کے لیے شفاعت
نہیں ہے ۴۔ علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ سلسلہ شفاعت حق ہے عقلاً و دجواً — اور اس باب میں جو
احادیث آئی ہیں وہ مجموعی طور پر توازن کو پیش کرتی ہیں اور سلف نے اس پر اجماع کیا ہے اور مذہب اہلسنت یہی ہے کہ
شفاعت حق ہے۔ البتہ خوارج اور بعض معتزلہ شفاعت کے منکر ہیں (یعنی ج ۱ صفحہ ۵۲)

بَابُ كَيْفَ يَقْبَضُ الْعِلْمُ

باب علم دین کے اٹھ جانے کے بیان میں

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابی بکر ابن حزم کو کہا کہ جو
حدیث نبویہ تم پاؤ اس کو لکھو۔ کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ
میں علم مٹ نہ جائے اور عالم دین وفات پا جائیں اور
حدیث نبویہ کے سوا کسی کی بات قبول نہ کرو اور حدیث
نبویہ کی اشاعت کرو اور علم کی تبلیغ کرو اور علم کی تعلیم کے
لیے مجالس قائم کرو۔ علم نہیں اٹھتا جب تک اس کو چھپایا

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ
بْنِ حَزْمٍ أَنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادْكُتِبْهُ فَإِنِّي
خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ
وَلَا تَقْبَلُ إِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ وَلِيَعْمَشُوا
الْعِلْمَ وَلِيَجْلِسُوا حَتَّى يُعْلَمَ نَبَأُ

الْعِلْمُ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونُ سِرًّا
(بخاری)

نہیں جاتا، یعنی جب علم دین کی تبلیغ و اشاعت نہ کی جائے
اور اس کو سیرت میں بند کر دیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ علم
کی ہلاکت ہے۔

فوائد ومسائل

۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا شمار خلفائے راشدین میں کیا گیا ہے۔ یعنی آپ کی خلافت و حکومت آپ کا درع و تقویٰ، دیانت اور عدالت و عدل خلفائے اربعہ یعنی اللہ تعالیٰ عظمیٰ کی نظیر تھا۔ آپ نے حدیث ابو بکر بن حزم جو آپ کی طرف سے مدینہ منورہ میں حاکم و قاضی تھے ان کو حکم دیا تھا کہ احادیث نبویہ کو جمع کریں اور کتابی شکل میں لے آئیں ۲۔ مقدمہ میں ہم تفصیل کے ساتھ حدیث کی جمع و تدوین پر بحث کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ حدیث کی جمع و تدوین اور کتابت کا کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں شروع ہو چکا تھا اور اس کے بعد ہر دور میں صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے علم حدیث کی حفاظت کی ہے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی سعی کرتے رہے ہیں۔

۹۹۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَرَ بْنِ الْعَاصِ
قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ
إِسْتِزَاعًا يَسْتَزِعُهُ مِنَ الْبُحَاثِ وَلَكِنْ
يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لُغِيَ
يَبْقَى عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ زُجْرًا وَسَاجَهًا لَا
فَسِيلُوا لَمَّا فُتِقَ يَغْيِرَ عَلَيْهِمْ فَضَلُّوا وَآضَلُّوا

فوائد ومسائل

۱۔ اس حدیث کو امام نے کتاب الاعتصام میں بھی ذکر کیا اور سلم نے تدریس، ترمذی نے علم میں اور ابن ماجہ نے سنت میں اور نسائی نے علم میں ذکر فرمایا ہے ۲۔ اِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لُغِيَ يَبْقَى عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ زُجْرًا وَسَاجَهًا لَا فَسِيلُوا لَمَّا فُتِقَ يَغْيِرَ عَلَيْهِمْ فَضَلُّوا وَآضَلُّوا۔ ۳۔ بغیر علم یعنی جب جاہلوں کو مفتی بنایا جائے یا بیجا تو پھر وہ اپنی ذاتی رائے سے فتویٰ دیں گے ۴۔ معلوم ہوا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی مجتہد نہ رہے صیحا کہ جمہور کا مذہب ہے ۵۔ جاہلوں کو امام و مفتی بنانا حرام ہے ۶۔ علم دین کے حفظ و بقا و اشاعت و تبلیغ کے لیے کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے ۷۔ فتویٰ ہی حقیقی ریاست ہے ۸۔ علم کے بغیر فتویٰ دینا نہایت مذموم فعل ہے۔ اس حدیث میں عنوان کے متعلق لیکن لقیض العلم کا جملہ ہے۔

بَابُ هَلْ يَجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ

باب کیا عورتوں کی تعلیم کے لیے علیحدہ دن مقرر کیا جاسکتا ہے؟

۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ لَنْ تَخْدَرِي
حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ عورتوں نے

قَالَ قَالَتِ الْمَرْءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرَّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ فَوَعَدَهُمْ يَوْمًا لَنَقْبِلَهُنَّ فِيهِ فَوَعظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ فَكَانَ فِيهِمَا قَالَتَ لَهُنَّ مَا مِثْلُ امْرَأَةٍ تَفْعَلُ مِثْلَ ثَلَاثَةٍ مِنْ وَلَدِهَا إِذَا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ الْمَنَارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَالثَّانِي فَقَالَ وَالثَّانِي.

(بخاری)

فوائد و مسائل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ نے حضور مردم پر غالب آگئے تو آپ اپنی طرف سے ہمارے لیے ایک دن مقرر کر دیجئے حضور علیہ السلام نے ان سے وعدہ فرمایا اور اس دن عورتوں کے پاس نشریت لے گئے ان کو وعظ کیا اور احکام دیتے تو اسی وعظ میں آپ نے فرمایا تم میں جس عورت نے تین بچے آگئے بھیجے (یعنی تین نابالغ بچے اس کے وفات پاگئے) تو یہ اس کے لیے جہنم سے حجاب بن جائیگے۔ ایک عورت نے عرض کی حضور جس کے دو بچے فوت ہوئے آپ نے فرمایا۔ دو کا بھی یہی حکم ہے

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو جہاں تراجم الاختصاص میں بھی ذکر کیا اور امام مسلم علیہ الرحمۃ نے ادب میں اور نسائی نے کتاب العلم میں درج کیا ۲۔ حدیث حسب ذیل مسائل پر مشتمل ہے۔
۱۔ عورتوں کا دینی معلومات حاصل کرنے اور شریعت کے ضروری مسائل پوچھنے کے لیے مردوں سے گفتگو کرنا اور عالم دین کا حجاب دینا اور عورتوں کی مجلس میں وعظ کرنا جائز ہے لیکن یہ ضروری بات ہے کہ پردہ کا مکمل انتظام ہو
۲۔ وعظ و نصیحت کے لیے دن مقرر کرنا جائز ہے ۳۔ صحابہ کرام کی مستورات وعظ سننے اور دین کی باتوں کا علم حاصل کرنے کی شوقین تھیں ۴۔ مسلمانوں کے نابالغ بچے جتنی ہیں کیونکہ جب ان نابالغ بچوں کی وجہ سے ماں باپ حجت میں داخل ہوں گے تو بچوں کا جنتی ہونا بالکل ظاہر ہے ۵۔ علامہ مازری فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کے نابالغ بچے جو وفات پاگئے ان کے جنتی ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

۳۔ حدیث ہذا کا منہم صرف استفادہ ہے کہ جس عورت کے تین یا دو بچے ہونے سے پہلے مر گئے تو وہ بچے اس کے لیے جہنم سے حجاب بن جائیں گے۔ حجاب بن جانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول، یہ کہ دو بچے اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ بچوں کی موت پر والدین جبر و شکر سے کام لیں تو والدین کا یہ ذکر کرنا ان کی مغفرت اور دخول جنت کا باعث ہوگا جب کہ مملکت کی مشیت میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے انصاری عورتو تم میں سے جس کے تین بچے وفات پاگئے اور اس نے صبر کیا تو وہ بھی جنت میں

بَابُ مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَلَمْ يَفْهَمْهُ فَرَجَعَهُ حَتَّى يَعْرِفَهُ

باب، کوئی مسندنا سمجھ میں نہ آیا تو اس کو سمجھنے کے لیے دوبارہ پوچھنا

حضرت عائشہ صدیقہ حضور علیہ السلام کی زوجہ مقدسہ کا یہ حال تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی بات سنیں اور نہ سمجھتیں تو خوب سمجھنے تک اس کو دوبارہ پوچھتیں۔ ایک

۱۰۴۔ اِنْ عَاثَتْهُ ذَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا اِلَّا رَجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ

دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے حساب ہوگا اس کو عذاب ہوگا۔ اس پر حضرت عائشہ نے عرض کی۔ کیا اللہ تمنا لے یہ نہیں فرمایا ہے کہ پھر قریب ہے کہ وہ حساب کیا جائے آسانی سے آپ نے فرمایا۔ اس آیت میں جس حساب کا ذکر ہے۔ اس سے (مرازد) کے سامنے لایا جانا مراو ہے اور جس سے مناقشہ ہوگا۔ وہ ہلاک ہوگا۔

وَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
مَنْ حُوسِبَ عَذَابٌ قَاتِلٌ عَاشَتْهُ قَطَلَتْ
أَوْ لَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى فَسَوْفَ يُحَاسِبُ
حِسَابًا يَسِيرًا فَتَأْتِ فَقَالَ إِنَّمَا ذَلِكَ
الْعَرَضُ وَلَكِنَّ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ
يَهْلِكُ

(بخاری)

قواعد مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے تفسیر و تفاق میں بھی ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے بھی کتاب التفسیر میں ذکر کیا ہے ۲۔ نوقش۔ مناقشہ کے معنی پورا پورا حساب لینے کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے۔ بخیر و رب العالمین پورا پورا حساب دینے کی کس میں طاقت ہے۔ اس لیے حضور رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے قیامت کے دن مناقشہ ہوگا وہ ہلاک ہوگا۔ اس پر بیہ عائدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی۔ حضور قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا۔ جس کا نام اعمال داپنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس سے حساب آسان ہوگا۔ یعنی اس کو عذاب نہ ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میرا ارشاد قرآن پاک کے خلاف نہیں ہے کیونکہ آیت میں حساب سے مراد صرف عرض اعمال ہے یعنی داپنے ہاتھ میں مارا اعمال دیئے جانے والوں سے سہل حساب لینے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ان کے اعمال پیش کر دیئے جاتے گے۔ وہ اپنی طاعت کو اور اپنی بدیوں کو کچھ نہیں گے۔ پھر طاعت پر انہیں ثواب دیا جائیگا اور معصیت سے تجاؤز کیا جائیگا۔ یہ ہے سہل حساب۔ جس میں نہ شدت مناقشہ ہوگا۔ نہ یہ کہنا جائیگا کہ ایسا کیوں کیا اور نہ عذر کی طلب ہوگی اور نہ اس پر حجت قائم کی جائے گی لیکن جس سے مناقشہ ہوگا اور یہ پوچھا جائیگا کہ یہ کام کیوں کیا؟ تو اسے کوئی عذر دے گا اور نہ وہ کوئی حجت پائے گا۔ اس لیے ہلاک ہوگا (اللہ تعالیٰ ہمیں مناقشہ سے پناہ دے)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے بعض نمازوں میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا ہے:-

لے اللہ! میرا حساب آسان فرمایا! میں نے عرض کیا۔ یا نبی اللہ! آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا۔ آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال پر نظر ڈال جائے اور اس سے جو ترک کرنا ہو (یعنی کوئی پوچھ گچھ اور جرح نہ کی جائے) بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اس

اللَّهُمَّ حَاسِبِي حِسَابًا يَسِيرًا وَتَأْتِ
يَا نَبِيَّ اللَّهِ مَا الْحِسَابُ أَيْسَرُ قَالَ
أَنْ يَنْظُرَ فِي كِتَابِهِ فَيَتَجَاوَزَ عَنْهُ
إِنَّهُ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يُوَقِّدُ يَأْ
عَاشَتْهُ هَلَكَ (سنن احمد بن حنبل)

دن جرح کی جائے لے عائشہ (اس کی زیریں) وہ ہلاک ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آسان حساب کیے جانے کی دعا فرمانِ تعلیم امت کے لیے تھا کیونکہ یہ قطعی بات ہے کہ حضور علیہ السلام مرحوم و منور و معصوم ہیں۔ شفیع المذنبین ہیں۔ آپ کی شفاعت اور آپ کے وسیلہ سے تو کربلا کی نجات ہوگی ۲۔ اس حدیث سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ جب کوئی مسکندہ سمجھ میں نہ آئے یا بظاہر اس میں تضاد کا شبہ پیدا ہو تو دوبارہ پوچھ کر سمجھ لینا چاہیے اور عالم کو چاہیے کہ دوبارہ سوال کرنے والے کو بھی جواب دے تاکہ وہ مسئلہ بھی طرح سمجھ جائے اور وہ احادیث جن میں سوال کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت غواہ و خواہ کٹ جاتی کے لیے سوال کرنا منع ہے۔

اس حدیث سے سیدہ عقیقہ، طہارہ، عاقلہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ علم دین کے حصول کی کوشش فرماتی تھیں۔ مسائل شرعیہ کے سمجھنے پر حریص تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھا حصہ آپ سے منقول ہے اور آپ کی نقاہت و اعلیت کا جلیل القدر صحابہ کرام نے اعتراف کیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ وہ ہوں گے جن سے پورا پورا حساب لیا جائیگا اور بعض وہ ہوں گے جن پر صرف ان کے اعمال پیش کر دیے جائیں گے اور ان سے کوئی پوچھ اور جرح نہ کی جائے گی۔

بَابُ تَبْيِغِ الْعِلْمِ الشَّاهِدُ الْعَابِبُ

باب کہ جو حاضر ہو غائب کو علم دین کی بات پہنچا دے

اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے کہ ابو شریح خویلد بن عمرو بن مخرمہ غزالی کبھی مشہور صحابی نے عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ قرظی اموی سے کہا۔ جب کہ وہ مکہ معظمہ کی طرف لشکر روانہ کر رہے تھے (یہ واقعہ ۱۱ھ کا ہے) امیر مجھے اجازت دے تاکہ میں تجھ کو ایک حدیث سنائوں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے روز (یعنی ۲۰ رمضان ۱ھ ہجری میں) ارشاد فرمائی تھی اس حدیث کو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور میری دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد و ثناء الہی کے بعد فرمایا :-

۱۰۴۔ لَعَنَ يَحْرِمُهَا النَّاسُ فَلَا يَحِلُّ
لَا مَبْرَأٌ يَوْمَئِذٍ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَعْصِدُ بِهَا
شَجَرَةٌ فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ اقْتَسَالَ
رَسُولُ اللهِ فِيهَا فَقُولُوا إِنَّ اللهَ قَسَدُ
أَذْنٍ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا
أَذْنٌ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ثُمَّ عَادَتْ
حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا يَوْمَئِذٍ وَلَيُبَيِّنَنَّ
الشَّاهِدُ الْعَابِبُ قَوْلِي لِأَنِّي مُشَرِّعٌ مَا

کہ کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا۔ لوگوں نے نہیں کیا۔ کسی مسلمان کو بروا اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ مکہ میں خون بہائے اور وہاں کے درخت کاٹے پھر اگر کوئی شخص مکہ میں لڑائی کے جواز کی یہ دلیل بنائے کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی ہے تو اس کا جواب یوں دو کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے رسول کو اجازت دی تھی تم کو نہیں دی اور مجھے بھی جو لڑائی کی اجازت ملی تھی وہ ایک ساعت دن کے لیے تھی۔ اس کے بعد اس کی حرمت آج کے دن ایسی ہی ہو گئی جیسی

کل حق چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ حکم پہنچا دے
حضرت ابو شریح سے پوچھا گیا کہ یہ حدیث سن کر عمر بن
سعد نے کیا جواب دیا تو حضرت ابو شریح نے کہا۔ یہ جواب
دیا کہ اے ابو شریح اس بات کو میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں تم کو یہ کہہ دینا کہ اس کو جو خون یا چوری کر کے بھاگے
پناہ نہیں دینا۔

قَالَ عَنْكَ وَقَالَ اَنَا اَعْلَمُ مِنْكَ كَمَا اَبَا
اَشْرِيحُ لَا تَقْبِلُهُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا
بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخُرْبَةٍ (بخاری)

قواعد و مسائل

۱۔ امام نے اس حدیث کو حج و معاذی میں۔ امام مسلم نے حج میں اور ترمذی نے حج و دیات میں اور نسائی
نے حج اور علم میں ذکر کیا ہے۔ ۲۔ حضرت ابو شریح صحابی ہیں ۳۔ عمرو بن سعید کا لقب اشدر ہے۔ یہ مذہب

کا گورنر تھا۔ علامہ عینی اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے۔ یہ تابعین باحسان میں سے نہ تھا اور اس کے باپ کے صحابی ہونے میں بھی
اختلاف ہے ہم حضرت معاویہ کی وفات کے بعد جب یہ یزید پلید تخت پر بیٹھا تو اس نے سیدنا امام حسین اور حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیعت لینا چاہی۔ ان دونوں حضرات نے بیعت سے انکار کر دیا حضرت عبداللہ بن زبیر جرم مکہ
میں پناہ گزین ہو گئے۔ یزید نے گورنر مدینہ عمرو بن سعید کو مکہ پر فوج کشی کا حکم دیا۔ جب عمرو بن سعید مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا۔
اس وقت حضرت ابو شریح صحابی نے گورنر مدینہ کو حدیث بلائیں کہ یہ بتایا تھا کہ مکہ حرم ہے اور وہاں لڑائی کرنا منع ہے حضرت
عبداللہ بن زبیر نے کسی کا خون کیسا ہے اور نہ چوری کی ہے۔ لہذا خدا سے ڈرا ورنہ یہ کہہ سکتا تھو۔ عمرو بن سعید نے اس کا
جواب یہ دیا کہ یہ بات مجھے بھی معلوم ہے لیکن مجھ جرم کو پناہ نہیں دینا۔ اس جواب سے اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ عبداللہ بن زبیر نے
بیعت سے انکار کیا ہے اس لیے وہ باقی ہیں اور باغی کو مکہ میں پناہ نہیں مل سکتی۔ لیکن سعید کا یہ جواب دراصل غلط تھا حضرت
عبداللہ بن زبیر نے قصور تھے اور یزید سے ہزار درجہ افضل تھے۔ صحابی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر بھی زاد بھائی تھے۔
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے تھے۔ پھر دیندار اور نہایت ہی پرہیزگار تھے۔ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ حضرت
عبداللہ بن زبیر، یزید پلید سے خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ کیونکہ آپ سے پہلے بیعت ہو چکی تھی اور یزید سے بعد میں ہوئی

۳۔ عنوان سے متعلق حدیث کا صرف یہ جملہ ہے۔ وَلِيْبُلِّغِ الشَّاهِدَ الْعَائِبَ كَمَا حَضَرَ غَابَ كَوَيْهِ حَدِيثُ بَنِي نَسْلٍ
حضور ربیعہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دین سے متعلق جہادیات اپنے قول و عمل سے دیتے تھے تو اس کے متعلق یہ بھی تاکید فرماتے تھے کہ
اس کی تبلیغ کی جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام اس حکم کی تعمیل میں ہدایت نبویہ کی اشاعت و تبلیغ کو اپنی زندگی کا اہم فرض سمجھتے تھے۔

حضرت ابو بکر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور
کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تمہارے خون اور تمہارے
مال (ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ حضور علیہ السلام
نے یہ بھی فرمایا کہ تمہاری عزتیں و آبرو تو ہیں ایک دوسرے
پر حرام ہیں۔ جیسے اس دن کی رویم الخرا کی حرمت سے۔
اس مہینہ میں سن رکھو۔ جو شخص حاضر ہے وہ غائب کو یہ بات

۱۰۵۔ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَيَا نَ دِمَاءَ كُمْ
وَأَمْوَالِكُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَ أَحْسِبُهُ
قَالَ وَاعْمَأَمْتُكُمْ عَلَيْهِ حُرَامٌ كَحُرْمَةِ
يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا لَا لِيُبْلَغَ
الشَّاهِدُ مِنْكُمْ الْعَائِبَ وَكَانَ مُحَمَّدٌ

يَقُولُ صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ ذَلِكَ، أَلَا هَلْ بَلَغْتَ مَسْرَتَيْنِ (بخاری)

پہنچا دے۔ ابن سیرین (رحمہ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا سچ ہوا۔ جو لوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے یہ حدیث دوسروں تک پہنچا دی۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ تمہارا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا ہے۔ دوسرے فرمایا۔

مسائل حدیث

یہ دونوں حدیثیں دراصل قرآن کی ان آیات کے استفادہ ہیں جن میں مکہ کی حرمت (بزرگی) کا بیان ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بحضور رب العالمین عرض کی تھی۔ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا۔ اے پروردگار! اس شہر کو امن والا کر دے۔ اللہ عز و جل نے اعلان فرمایا۔ اِنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا۔ ہم نے حرم مکہ کو امن والا کر دیا۔ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا۔ ”جو حرم میں داخل ہوا مومن ہو گیا۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آیات کی توضیح و تفسیر فرمائی اور حرم کے احکام و مسائل بیان فرمائے۔ مکہ معظمہ کے ارد گرد کئی کوس تک حرم کا جنگل تھا۔ ہر طرف اس کی صدیں بنی ہوئی ہیں۔ ان حدود کے اندر نہ گھاس اٹھینا، خود رو پیڑ کا کاٹاؤں کے وحشی جانور کو تکلیف دینا حرام ہے۔ حتیٰ کہ اگر سخت ڈھوپ ہو اور ایک ہی درخت ہے۔ اس کے سایہ میں ہرن بیٹھا ہے تو جا کر نہیں کہ اپنے بیٹھنے کے لیے اسے اٹھائے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے حدیث کے الفاظ یسفاک بیھا دما سے یہ استدلال فرمایا کہ جو شخص حرم میں پناہ گزین ہو جائے اس کو قتل نہ کیا جائے۔

بَابُ الشَّرْحِ مِنْ كَذْبِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کے گناہ کے بیان میں

ربعی بن حراش کہتے ہیں میں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ پر جھوٹ مت باندھو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے چاہئے کہ وہ جہنم میں جائے۔

۱۰۶۔ سَمِعْتُ رُبَيْعَ بْنَ حِرَاشٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ (بخاری)

اس حدیث کو امام مسلم علیہ الرحمہ نے مسندہ کتاب میں، ترمذی نے علم اور مناقب میں اور ابن ماجہ نے نیت میں ذکر کیا ہے۔

فوائد مسائل

حضور علیہ السلام پر جھوٹ باندھنا سخت گناہ ہے۔ گزشتہ باب میں اس امر کا بیان تھا کہ حاضر غائب کو دین کی بات پہنچا دے۔ اب اس باب میں ان احادیث کا ذکر ہے جس میں یہ ثابت کی گئی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت نہ کی جائے جو آپ نے نہیں فرمائی۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا گناہ کبیرہ ہے اور اس کی سزا جہنم ہے ۲۔ کذب۔ یہ صدق کی ضد ہے۔ جو بات واقع کے مطابق ہو وہ صدق ہے اور جو بات واقع کے خلاف ہو وہ کذب ہے۔ لَا تَكْذِبُوا۔ یہ نبی کا صیغہ ہے اور ہر قسم کے کذب کو عام ہے۔ ویسے تو ہر شخص پر جھوٹ باندھنا حرام ہے۔ لیکن اس حدیث میں حضور

فرمایا کہ ”میرے اوپر جھوٹ باندھنا“ جس سے یہ واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام پر جھوٹ باندھنے کا گناہ غیر پر جھوٹ باندھنے کے گناہ سے اشد ہے کیونکہ جو بات حضور کی طرف جھوٹ منسوب کر دی جائے گی وہ دین اور شریعت بن جائے گی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا خدا پر جھوٹ باندھنا ہوگا ۳۔ فیصلح السار۔ اس کا ترجمہ یہ ہے ”چاہیے کہ وہ جہنم میں جائے“ یہ جواب الشرط ہے۔ اسی لیے یہاں ف موجود ہے۔ اگرچہ یہ امر کا صیغہ ہے لیکن مراد اس سے خبر ہے یعنی مفہوم یہ ہے کہ جو شخص پر جھوٹ بولے گا وہ جہنم میں جائیگا اور بعض شارحین نے اس کو بدو کا جملہ قرار دیا ہے۔ بہر حال حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو آپ نے نہیں فرمائی اشد کبار سے ہے اور اگر تو یہ کیجیے بغیر مرے گا تو جہنم میں جائے گا ۴۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ترمذی و تریغیب کے لیے بھی حدیث وضع کرنا اکثر کبار سے ہے۔ اسی طرح جس حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہے اس کو صحیح قرار دینا اور اس سے استدلال کرنا بھی حرام ہے اور ایسا شخص اس وعید میں داخل ہے۔

حضرت ربیع بن حراش

اس حدیث کے راویوں میں ربیع اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم قابل ذکر ہیں۔ ربیع بن حراش بڑے عابد و زاہد متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ان کے دو لڑکے تھے جن پر حجاج ناراض تھا اور ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ یہ دونوں لڑکے اپنے گھر میں چھپ گئے تھے۔ حجاج سے کہا گیا کہ ان کے باپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ربی سے پوچھا جائے کہ تیرے دونوں لڑکے کہاں ہیں تو فوراً صبح صبح بتا دیں گے۔ چنانچہ جب ربی سے پوچھا گیا تو جواب دیا۔ میرے دونوں لڑکے گھر میں ہیں۔ حجاج نے جب ان کی یہ صداقت دیکھی تو صاف کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ربی نے قسم کھائی تھی۔ جب تک میرا جنتی یا دوزخی ہونا معلوم نہ ہو جائے ہرگز نہیں ہنسوں گا۔ چنانچہ دو عمر بھر نہیں ہنسے۔ جنتی کہ جب ان کا حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ خلافت (۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ) میں انتقال ہوا تو غاسل نے بتایا کہ ان کے مونٹوں پر تبسم تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

امیر المؤمنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جلیل القدر صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طبیف چارم ہیں۔ نہایت عابد و زاہد متقی اور پرہیزگار تھے اور ہر کمال و خوبی میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ بچوں میں سب سے پہلے آپ اسلام لائے مہینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں اُترنے کا آپ کو شرف حاصل ہے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ حضور علیہ السلام نے آپ کی کنیت ابوزاب رکھی اور فرمایا تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ بنی ہاشم میں پہلے خلیفہ ہیں۔ آپ عشرہ مبشرہ اور ان چھ اہل الرائے اصحاب میں سے ہیں جن سے حضور علیہ السلام راضی تھے۔ تمام مشاہد میں نبوک کے سوا حضور علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ جنگ اُمدیں آپ کے ۱۲ زخم آئے خیبر میں لڑائی کے وقت فوجی جھنڈا حضور علیہ السلام نے آپ کو عطا کیا اور فرمایا ”ان کے ہاتھ خیبر فتح ہوگا“ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ خلیفہ ہوئے۔ پانچ برس خلافت کے فرائض انجام دیتے رہے ۶۳ سال کی عمر ہوئی۔ کوفہ کی جامع مسجد میں انوار کی رات ۱۹ رمضان ۴۰ھ میں شقی ازلی ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے آپ نے شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۲۰ پر بخاری و مسلم نے اتفاق

کیا اور بخاری نے اورہ کو مسلم نے انفراداً ذکر کیا۔

۱۰۷۔ عَنْ عاصِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ لِرَبِّيرِ اِنِّي لَا اَسْمَعُكَ تَحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا تَحَدِّثُ فُلَانٌ فَقَالَ اَمَّا اِنِّي لَمُؤَانِرُهُ وَلَكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (بخاری)

عامر ابن عبد اللہ بن زبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت زبیر بن عوام سے کہا کہ میں تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں سنا کرنا چاہتا۔ فقال فلان حدیث بیان کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت زبیر بن عوام نے فرمایا کہ میں حضور علیہ السلام سے جدا تو نہیں ہوا۔ لیکن میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

قواعد و مسائل اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن میں اور نسائی و ابوداؤد نے کتاب العلم میں ذکر کیا ۲۔ حضرت زبیر نے اپنے توفیق کی وجہ یہ بتائی کہ حضور اکرم نے فرمایا ہے کہ مجھ پر جھوٹ باندھنے والا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ اس سے ان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ میں صرف وہی حدیث بیان کرتا ہوں جو مجھے یاد رہتی ہیں اور جن کے متعلق مجھے وثوق ہوتا ہے۔ رہے وہ صحابی جو مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں تو وہ مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد رکھ سکتے ہیں۔ اس لیے وہ زیادہ حدیثیں بیان کر دیتے ہیں۔ ————— حدیث ہذا میں عبد اللہ بن زبیر اور حضرت زبیر قابل ذکر ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر ان کی کنیت ابو حنیبہ ہے۔ صحابی ابن صحابی ہیں اور امیر المومنین ہیں۔ یہ مہاجر مدینہ میں سب سے پہلے اسلام میں پیدا ہونے والے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام اسماء ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ قبائیں جب پیدا ہوئے تو حضور علیہ السلام کی گود میں ان کو والدہ لایا گیا۔ آپ نے کھوڑ چا کر ان کو کھلائی۔ اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور تنفیک کی اور وعادی گویا سب سے پہلے جو غذا ان کو ملی۔ وہ حضور علیہ السلام کا لعاب مبارک تھا۔ آپ اطلاس تھے۔ ڈار طعی نہ تھی۔ آپ قائم اللیل اور صائم اللہ ہر تھے۔ رات کو نفل کے لیے کھڑے ہوتے تو صبح کر دیتے۔ یزید کے مرنے کے بعد ۳۷ھ میں اہل عراق، یمن اور اہل حجاز نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے عمارت کعبہ کی تجدید کی اور اس کے دودروازے بنادیتے۔ ۹۰ حج کئے اور خلافت کے امور انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ حجاج نے کہہ کا محاصرہ کیا (ماہ ذی الحج ۳۷ھ میں) اور یہ محاصرہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ آپ کے ایک پتھر کا اور اس سے آپ شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم مبارک کو کوسولی پر چڑھایا گیا اور سر مبارک خراسان میں لے جایا گیا۔ آپ سے ۳۲ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے امام بخاری نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

حضرت زبیر بن عوام آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ مہاجر ہیں۔ حراری نبی ہیں۔ یہ اسلام لانے میں جو تھے یا پانچویں ہیں۔ ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت عبد المطلب ہے جو حضور علیہ السلام کی چچو بھی تھیں۔ آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر ۱۶ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ تمام مشاہدین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ آپ سے ۳۸ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے دو پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا اور سات حدیثیں بخاری نے منفرداً ذکر

کیں۔ جل کی لڑائی سے آپ علیحدہ ہو گئے تھے تو ایک جماعت نے آپ کو وادی السباع میں شہید کر دیا آپ وادی السباع میں جو بصرہ کے قریب ہے وہیں دفن ہوئے لیکن ہند میں آپ کو بصرہ میں قتل کر دیا گیا۔

حضرت انس نے فرمایا کہ مجھے زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا تو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

۱۰۸۔ قَالَ اَلَسَّ اِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي اَنْ اُحَدِّثَ شُكْرًا حَدِيثًا كَثِيْرًا اِنَّ الْمَسِيْحَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَسْتَوِ مُقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ (بخاری)

۱۰۸۔ امام مسلم نے اس حدیث کو زبیر سے روایت کیا اور انس نے کتاب العلم میں ذکر کیا۔ زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنے کی وجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بتائی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھ پر قصداً جھوٹ باندھنے والا جہنمی ہے گویا وہ یہ بتا رہے ہیں کہ حدیث رسول کے بیان کرنے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے اور صرف انہی حدیثوں کو بیان کرنا چاہئے جن کے متعلق سننے والے کو پورا پورا یقین ہو کہ یہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام احادیث نبویہ کی تبلیغ و بیان میں بہت احتیاط کرتے تھے اور ان باتوں کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے۔ جن کے متعلق ان کو یقین ہوتا تھا کہ حضور علیہ السلام نے ایسا فرمایا ہے ۲۔ اس باب میں امام نے بالکل اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی ذکر کی ہے جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت مت رکھو۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ اس نے درجہ بقیعت مجھے ہی دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا اور جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

۱۱۰۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ الْمَسِيْحِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَسْتُ بِرَاْسِيْ وَلَا تَكْتُمُوْا بِكُنْيَتِيْ وَمَنْ رَاْنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاْنِيْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتِمَثَّلُ فِيْ صُوْرَتِيْ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَسْتَوِ مُقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ (بخاری)

۱۱۰۔ امام نے اس حدیث کو ادب میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے مقدمہ کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔

فوائد مسائل

۲۔ لَا تَكْتُمُوْا، یہ باب تفعیل سے یا افتعال سے ہے۔ کنایہ کے اصل معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کا ذکر کیا جائے اور مرد اس کا غیر ہو ۳۔ اَسْمَ عَلَم، اگر مدح کا اظہار کرے تو اس کو لقب سے موسوم کرنے ہیں اور اگر ملامت و ذم کا اظہار نہ کرے بلکہ اس سے مان یا باب کا ہونا ظاہر ہو تو اس کو کنیت کہتے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کو اسم کہتے ہیں مثلاً حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور کنیت ابوالقاسم ہے اور لقب تو آپ کے بہت ہیں۔ مثلاً سید المرسلین، امام الانبیاء وغیرہ وغیرہ۔

اس حدیث میں چار امور بیان ہوئے ہیں۔ اول، حضور علیہ السلام کے نام پر نام رکھنا۔ دوم، حضور علیہ السلام کی کنیت پر کنیت نہ رکھنا۔ سوم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا۔ چہارم، آپ پر جھوٹ نہ باندھنا۔

حضور علیہ السلام کے نام پر نام رکھنا جائز ہے | اول و دوم - اہل ظاہر نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کینیت کو اختیار کرنا مطلقاً منع ہے

خواہ بیٹے کا نام محمد و احمد رکھا ہو یا نہ رکھا ہو۔ امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے ۲۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ بعض اہل علم نے کہا کہ بیٹے کا نام قائم رکھنا منع ہے کیونکہ جب بیٹے کا نام قائم ہوگا تو یہ بات سبب بنے گی ابوالقاسم کینیت رکھنے کی کیونکہ حضور علیہ السلام نے اسمائے انسا قاسم فرما کر اس امر کا اظہار کیا ہے کہ ابوالقاسم کینیت میرے ساتھ خاص ہے۔ ۳۔ اہل علم کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ جب بیٹے کا نام محمد و احمد نہ ہو تو کینیت ابوالقاسم رکھنا جائز ہے لیکن اگر بیٹے کا نام محمد اور احمد ہو تو کینیت ابوالقاسم رکھنا منع ہے ۴۔ لیکن جمہور سلف و اولیاء کا مسلک یہ ہے کہ یہ نئی بات منسوخ ہے یا یہ حکم حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری تک تھا۔ اس کے بعد نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف نے اپنے بچوں کا نام محمد و احمد اور اپنی کینیت ابوالقاسم رکھی۔ دراصل حضور علیہ السلام نے اپنی کینیت رکھنے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ بعض لوگ ابوالقاسم کہہ کر پکارتے تو حضور علیہ السلام اس کی طرف متوجہ ہوتے تو وہ جواب دیتے کہ ہم نے آپ کو نہیں بلایا یا میرا ازرا و شرارت ابوالقاسم کہہ کر پکارتے اور جب حضور جواب دیتے تو کہتے ہم نے آپ کو نہیں بلایا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارکہ میں مذکورہ بالا حکم دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک کے لیے تھا۔ اس کے بعد یہ حکم باقی نہ رہا۔ چنانچہ اس کی تائید حدیث ابوداؤد سے بھی ہوئی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مرض کی - حضور! کیا آپ کی وفات کے بعد میں اپنے بچوں کا نام محمد اور اپنی کینیت ابوالقاسم رکھ سکتا ہوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - ”ہاں“۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا | حضور ربیبہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کرنا بڑی فضیلت کی بات ہے اور جی یہ ہے کہ خواب میں شیطاں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نہیں آسکتا۔ لہذا جس کو زیارت نبوی کا شرف حاصل ہو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ اس نے حضور علیہ السلام کی زیارت کی۔ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ ہم انشاء اللہ العزیز حدیث کے اس سترے پر مکمل بحث اور اس میں علماء کے اقوال وغیرہ کی تفصیل آئندہ صفحات میں کریں گے یعنی کتاب الروایا میں۔

چہارم - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اور حدیثیں گھڑنا اور اس کو حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا اشد کبائر سے ہے اور اس کی سزا جہنم ہے اسی طرح حضور علیہ السلام کی خواب میں زیارت نہ ہو اور جھوٹ موٹ کہہ دینا کہ میں نے زیارت کی ہے یہ بھی اس وعید میں داخل ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی کا ایک مرتبہ بھی عدا کذب ثابت ہو جائے تو اس کی تمام روایتیں رد کردی جائیں گی۔ بہر حال یہ وعید علماء و واعظین حضرات کو بھی یہ ہدایت کرتی ہے کہ وہ حدیث کے بیان کرنے میں کامل احتیاط سے کام لیں اور جو چاہیں لازم مضمون ہے اسی کو وعظ میں بیان کریں اور اپنی طرف سے حدیث میں کسی لفظ کی کمی یا زیادتی نہ کریں۔ البتہ وعظ میں یا پڑھاتے وقت اصل حدیث کو پیش کر کے اس کی تشریح و توضیح کرنا اور الفاظ حدیث سے استدلال اور استنباط کرنا اور اس کے مسائل و معارف و نکات کو بیان کرنا جائز ہے بلکہ محمود و مطلوب ہے۔

فائدہ امام بخاری نے اس باب میں جس ترتیب سے حدیثیں ذکر کی ہیں وہ بہت خوب ہے۔ پہلے حضرت علیؓ کی حدیث آئی، دوسرے ابیہرہؓ کی روایت کو پیش کیا ہے جس میں باب کا مقصد ہے۔ پھر حضرت زبیرؓ کی حدیث ذکر کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے سے ڈرتے تھے۔ پھر حضرت انسؓ کی حدیث لائے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حدیث کے بیان کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس حدیث کو بیان کرنے سے پرہیز کرتے تھے جس میں ان کو شک ہوتا تھا۔ آخر میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ذکر کی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام پر جھوٹ باندھنا ہر طرح حرام ہے خواہ بیداری میں آپ سے ملنے کا دعویٰ کرے یا خواب میں۔

بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ

باب علم کی کتابت کے بیان میں

گزشتہ باب میں اس امر کا بیان تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا گناہ کبیرہ ہے اور اس کی سزا جہنم ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔ اب اس بیان میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ احادیث نبویہ کی تبلیغ و اشاعت اور اس کی ہر طرح سے حفاظت کرنا تو مسلم کا فریضہ حیات ہے خواہ علم دین کو حفظ یا درکھ کر اس فریضہ کو ادا کیا جائے یا کتابت کی صورت دے کر اس کی حفاظت کی جائے۔

اس باب میں امام بخاری نے جو حدیثیں درج کی ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم کی کتابت جائز ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دین سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو لکھ لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات خود حضور علیہ السلام بھی لکھوا دیا کرتے تھے۔ منکرین حدیث کہا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے کی ممانعت کر دی تھی۔ بخاری کا یہ عنوان ہی ان کے دعویٰ کے باطل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ منکرین سنت بخاری کی حدیث لا یتکلموا یعنی کوئے کریشہ پیدا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنی حیات میں حدیثیں لکھنے سے منع کر دیا تھا لہذا حدیث کے حفظ و بقا کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہا اور موجودہ ذخیرہ حدیث جعلی اور وضعی ہے۔ ملاں نے گڑھا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ جب منکرین کیا حضور علیہ السلام نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا؟

ہی ناقابل اعتبار ہے زچہ حدیث بخاری سے استدلال کرنے کا ان کو کیا حق ہے؟ ثانیاً یہ کیا ضروری ہے کہ جو بات قبیلہ کتابت میں نہ آئے اس کے باقی رہنے کی کوئی سبیل ہی نہ رہے۔ ثالثاً کتابت کی ممانعت، حفظ یا درکھنے، حدیث کی تبلیغ کرنے اور اس کو زندگی کا لائحہ عمل بنانے کی ممانعت کو کبست لازم ہے۔ رابعاً حضور علیہ السلام کے مذکور بالا ارشاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے کتابت حدیث کی ممانعت فرمادی تھی یا کتابت حدیث سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ حدیث دین نہیں ہے۔ اس ممانعت کا مقصد تو صرف استدرجنا کہ حدیث کو قرآن پاک کے ساتھ ملا کر مست لکھو کیونکہ قرآن و حدیث کی عبارت کو ایک جگہ لکھنے سے التباس ہوگا۔ چنانچہ اسی حدیث کے آخری جملے یہ ہیں کہ وحد ثوا

عنی مجھ سے حدیث سن کر بیان کرو۔ اس کی تبلیغ کرو اور مسند احمد بن حنبل میں بالکل واضح الفاظ موجود ہیں کہ۔

اكتبوا كتاب الله واخلصوا كتاب الله

(مسند احمد بن حنبل)

بالکل علیحدہ لکھو

یعنی تین قرآن پاک کے ساتھ کسی اور چیز کو مت لکھو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدیث اور قرآن حکیم کو مخلوط طور پر لکھنے سے منع فرمایا تھا مگر منکرین سنت نے انتہائی قریب کاری اور کج فہمی کے ساتھ حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کو یہ مفہوم پہنایا کہ حضور علیہ السلام نے تحدیث لکھنے سے ہی منع کر دیا تھا۔ حالانکہ بخاری و صحاح کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے یہ حدیثیں لکھوائیں۔ اور صحابہ کی ایک جماعت حدیثیں لکھا کرتی تھی۔ اگر حضور علیہ السلام نے علی الاطلاق کتابت احادیث سے منع فرمادیا تھا تو پھر خود لکھوانے اور صحابہ کرام کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

چنانچہ حضرت عبداللہ نے عرض کی یا رسول اللہ جو بات آپ سے سنوں اس کے لکھنے کی اجازت ہے۔ قال فاذن لی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دیدی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیثیں لکھنا شروع کیں اور اس کا نام صادق رکھا تھا۔ اس مضمون کی ایک انیس بیسیوں حدیثیں مل جاتی ہیں۔ جن میں صریح طور پر کتابت حدیث کی اجازت مذکور ہے مگر بہت دھرم کا کیا علاج؟

۱۱۱۔ عَنْ أَبِي حَظِيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيٍّ هَلْ عِنْدَكَ كِتَابٌ قَالَ لَا إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهِ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ قُلْتُ وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفَكَالُ الْأَسِيرِ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ

(بخاری)

حضرت ابی حذیفہ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت علی سے کہا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں مگر اللہ کی کتاب (قرآن پاک) یا وہ فہم جو ایک مسلم کو عطا ہوتی ہے یا جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کہا۔ عقل۔ فکال الاسیر اور لا تقتل مسلم الخ (ایسے مسائل اس میں درج ہیں)

۱۔ اس روایت کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے جماد اور دیات میں بھی ذکر کیا ہے اور ترمذی وابن ماجہ نے دیات میں ذکر فرمایا ہے ۲۔ عقل کے معنی دیات کے ہیں اور مرد اس سے دیات کے احکام اور اس کی مقدار ہے۔ فکال الاسیر کے معنی قیدی کو چھڑانے کے ہیں۔ اسی لیے دہن رکھی ہوئی چیز کو چھڑانے پر عرب نکل رہن کہتے ہیں۔

صحیفہ علی کی حقیقت | ہل عندک۔ ابی حذیفہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سوال کیا۔ آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ یہ سوال انہوں نے اس لیے کیا کہ بعض لوگ یہ کہا کرتے

تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت اطہار کو خصوصاً حضرت علی کو دین اسلام سے متعلق ایسی باتیں بتائی ہیں جن کا علم کسی اور کو نہیں ہے۔ ان لوگوں کے خیال کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے

مذکورہ بالا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا میرے پاس دین کے ایسے احکام تو نہیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحاً بتائے ہوں اور دوسروں کو بتانے سے منع کر دیا ہو۔ میرے پاس قرآن مجید ہے اور وہ علم و بصیرت ہے جو ایک مسلمان کو دی جاتی ہے یا یہ صحیفہ ہے لیکن اس میں بھی دیت اور نکاح اسیر کے احکام درج ہیں اور یہ لکھا ہے کہ کافر کے بدلے مسلمان کو نہ مارا جائے۔

امام بخاری نے کتاب الجہاد میں جو روایت ذکر کی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ سے ابو جحیفہ نے یہ سوال کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن مجید کے علاوہ بھی کوئی وحی ہے؟ یعنی بعض لوگ کہتے ہیں کہ وحی کا ایک حصہ ایسا ہے جو حضور علیہ السلام نے صرف حضرت علی ہی کو بتایا ہے۔ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے حضرت جحیفہ نے پوچھا تو حضرت علی نے فرمایا۔ میرے پاس یہی قرآن پاک ہے جو سب کے پاس ہے یعنی وحی الہی جو حضور علیہ السلام پر نازل ہوئی وہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ اس کو چھپایا جاتا یا کسی ایک فرد تک اس کے بعض اجزاء کو محدود رکھا جاتا — وحی کے متعلق تو قرآن مجید کا حکم ہے کہ سب تک بلا کم و کاست پہنچادی جائے اور اس کی تبلیغ کی جائے۔ اس حکم کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن تھا کہ حضور علیہ السلام وحی کا کچھ حصہ صرف مجھ تک محدود رکھتے اور کسی اور کو نہ بتاتے۔

حضرت ابو جحیفہ | ان کا نام وہب بن عبد اللہ السواہی ہے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے ۴۵ حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے دو پر بخاری اور مسلم نے اتفاق کیا اور دو بخاری نے اور تین کو مسلم نے منقولاً ذکر کیا۔ ابو جحیفہ کو حضرت علی بہت محبوب رکھتے تھے اور ان پر آپ کو اعتماد بھی بہت تھا۔ آپ نے کوفہ بیت المال کا امیر بھی آپ کو ہی بنایا تھا۔ یہ صحابہ میں سب سے چھوٹی عمر کے صحابی تھے۔ ۲۷ھ میں کوفہ میں ان کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مسائل | یہ روایت مسائل ذیلی پر مشتمل ہے۔

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس دین کے ایسے احکام و مسائل نہ تھے جو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہی بتائے ہوں یا ان کی تبلیغ و اشاعت سے منع فرمایا ہو۔ دین اسلام ایک تبلیغی دین ہے اور اس کے احکام و مسائل چھپانا حرام و ناجائز ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت علی احکام اسلامیہ کو چھپائیں یا حضور علیہ السلام ان کو احکام اسلامی بنائیں اور یہ تاکید بھی فرمادیں کہ ان کی تبلیغ نہ کرنا ۲۔ حضرت علی نے احکام شریعیہ لکھ رکھے تھے جس سے علم کی کتابت کا جواز ثابت ہوا ۳۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام سے ایسے امور کے متعلق سوال کرنا جو اس کی ذات سے متعلق ہوں ناجائز ہے۔ ۴۔ ابن مسیر کہتے ہیں کہ حضرت علی کے اس جملہ سے کہ ”وہ قوم جو ایک مسلمان کو دی گئی“ واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی کے پاس صحیفہ وہ مسائل فقہ تھے جو انھوں نے اپنے علم و بصیرت سے قرآن پاک سے اخذ فرمائے تھے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں غور و فکر کر کے ان مسائل کو نکالنا جو قرآن کریم میں صراحتاً مذکور نہیں ہیں جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ مسائل اصول شریعیہ کے خلاف نہ ہوں ۵۔ اس حدیث سے امام مالک شافعی و احمد علیہم الرحمۃ نے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمان کو وحی کافر کے بدلے قصاصاً نہیں قتل کیا جائیگا۔ امام اوزاعی، ثوری، سختی، ابو یکرزازی اہل ظاہر اور ایک جماعت تابعین کا یہی مسلک ہے۔

اگر مسلمان ذمی کافر کو قتل کر دے تو اس سے ضمان لیا جائیگا یا نہیں

۲۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مسلمان ذمی کافر کو ناحق قتل کر دے تو اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ امام طحاوی

نے فرمایا کہ وَلَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ کَافِرٌ سے مراد حربی کافر ہے کیونکہ حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں۔ لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ یہاں ضروری ہے کہ کافر سے حربی مراد لیا جائے تاکہ ذمی کافر اور عہد میں تقابل قائم رہے۔ چنانچہ اس کی تائید ذیل کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اگرچہ منقطع ہے۔

أُتِيَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَدْ قُتِلَ مُعَاهِدًا مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَأَمَرَ بِهِ فَضْرَبَ عُنُقَهُ وَقَالَ أَنَا أَوْفَى مِنْ وَفَى بِذِمَّتِهِ (طحاوی)

حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک مسلمان کو لایا گیا جس نے ایک معاہدہ ذمی کافر کو ناحق قتل کر دیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس مسلمان کو قصاصاً قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا۔ میں اس کے ذمہ کی زیادہ دغا کرنے والا ہوں۔

اور قتل بھی یہی چاہتی ہے کہ وہ کافر جس کے مال و جان عزت و آبرو ناموس کی حفاظت وصیانت کا مسلم حکومت نے ذمہ لیا ہے اگر اس کو کوئی مسلمان قتل کر دے تو اس کے قصاص میں مسلمان کو بھی قتل کیا جائے تاکہ انصاف کا تقاضا پورا ہو۔ حربی کا خون و مال حلال ہے۔ لیکن جب وہ کافر ہماری حفاظت میں آجاتا ہے اور جزیہ ادا کرتا ہے تو اس کے خون اور مال کی حرمت ویسی ہی جو مالیت ہے جیسی کہ خون مسلم کی حرمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص ذمی کافر کا مال چُر لے تو اس کا ہتھکڑا کاٹ جانا ہے خواہ چور مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ لہذا جب اس کے مال چرنے پر ہتھکڑا کاٹ دیا جاتا ہے تو اس کے خون بہانے پر تو بطریق اولیٰ قصاص لینا چاہیے۔ حضرت امام غنی شعبی، حضرت سعید ابن مسیب و محمد ابن ابی لیلیٰ و جناب فاروق اعظم و عبداللہ بن سعد و عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہی مسلک ہے کہ مسلمان کو ذمی کافر کے بدلے قصاصاً قتل کیا جائے۔ یہاں ہم نے بہت مختصر گفتگو کی ہے تفصیل کے لیے اہل علم طحاوی "یا الہمو من تقتل الکافر متعمداً" کا مطالعہ فرمائیں۔ ہم انشاء اللہ العزیز کتاب القصاص والدیات میں اس مسئلہ پر مزید وضاحت سے گفتگو کریں گے۔

۱۲۔ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ خَزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِي كَيْثٍ عَاهَدَ فَتُجِ مَكَّةَ يَقْتُلُ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَكَّيَ رَأْسَهُ فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ وَالْفَيْلَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَاجْعَلُوهُ عَلَى الشَّلْتِ كَذَا قَالَ أَبُو نَسِيمٍ الْقَتْلَ وَالْفَيْلَ وَغَيْرُهُ

ابو سلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے بنی کث کے ایک شخص کو فتح مکہ کے دن قتل کر دیا۔ اس مقتول کے بدلے میں جس کو بنی کث نے قتل کیا تھا۔ جب اس کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکہ میں قتل کو یا فیل کو روک دیا اور اللہ کے رسول اور مسلمان اہل مکہ پر غالب کئے گئے۔ مکہ محمد سے پہلے بھی کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد

يَعْلَمُ الْفَيْلَ وَ سُلِطَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ
وَالْمُؤْمِنُونَ أَلَا وَإِنَّهَا لَكُم مِّنْ لَّاحِدٍ
قَبْلِي وَلَا تَحِلُّ لَاحِدٌ بَعْدِي أَلَا وَإِنَّهَا
حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ أَلَا وَإِنَّهَا
سَاعَةٌ هَذِهِ حَرَامٌ لَا يَحْتَلِي شَوْكُهَا
وَلَا يَعْصَلُ شَجَرُهَا وَلَا يُلْتَمَطُ
سَاقُهَا إِلَّا لِمُشْرِدٍ فَمَنْ قَتَلَ فَهُوَ
بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يُقْتَلَ وَإِمَّا أَنْ
يُقْتَلَ أَهْلُ الْفَيْلِ فَمَاءٌ رَّجُلٍ مِّنْ أَهْلِ
الْيَمَنِ السُّبُلِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ فَلَا بَ
قَالَ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ إِلَّا أَدْخِرْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّا
نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَنُقْبِرُهَا فَقَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أَدْخِرْ
إِلَّا أَدْخِرْ (بخاری)

کسی کے لیے حلال ہوگا۔ خردار! صرف میرے لیے حرم
میں قتل کرنا صرف ایک گھڑی دن کے لیے حلال ہوا
تھا۔ خردار! اب یہ ساعت (جس میں خطبہ دے رہا ہوں)
مکہ حرم ہے۔ حرم کے کانٹے نہ کاٹے جائیں۔ یہاں کے درخت
نہ اکھیرے جائیں۔ یہاں کا لقطہ (پڑی ہوئی چیز) نہ اٹھائی
جائے۔ مگر وہ شخص لقطہ اٹھائے (جو مالک مالک اس کو
پہنپائے۔ پھر جس کا کوئی شخص مارا جائے۔ اس کو اختیار ہے
دو باتوں میں سے ایک کا تو اس کو پسند آئے یا دیت لے
یا قصاص لے تو ایک شخص یعنی آئے عرض کی حضور!
یہ احکام مجھے لکھ دیجئے۔ فرمایا فلاں کو یہ احکام لکھ دو۔ پھر
ایک قریشی نے عرض کی مگر اذخر گھاس (یعنی اس کو حرم
سے کاٹنا منع نہ فرمایا جائے) کیونکہ اذخر سہارے گھروں
اور قبروں کے کام آتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ مگر اذخر! مگر اذخر!

۱۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو کتاب الدبۃ اور لقطہ میں بھی ذکر کیا۔ امام مسلم نے حج میں
نیز ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ ان اللہ جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ میں قتل کو حرام فرمادیا ہے۔ راوی کو شک ہے کہ حضور علیہ السلام
قتل کا لفظ ارشاد فرمایا یا فیل کا۔ فیل ہاتھی کو کہتے ہیں۔ اس صورت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہوگا جو سورہ الم ترکیف میں
آیا ہے کہ اگر بہرہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی فوج کو مع ہاتھیوں کے
ہلاک کر دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت اہل مکہ مسلمان نہ تھے اور اب جبکہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا تو اب اس کی حرمت میں اور
زیادہ اضافہ ہو گیا۔ شوکھا۔ یعنی حرم کے کانٹے اور درخت نہ کاٹے جائیں۔ لیکن وہ کانٹے جن سے نقصان پہنچے ان کو کاٹنا
جائز ہے۔ جیسے حرم کے موزی جانوروں کو مارنا جائز ہے۔ اَلَا لَفْشَ: انشاد کے اصل معنی آواز بلند کرنے کے ہیں۔ اسی سے انشاد شعر
مانع ہے۔ نشدت الضالۃ عرب اس وقت بولتے ہیں جب کہ گم شدہ چیز کے مالک کو تلاش کر لیں۔ حرم کے لقطہ کے
متعلق امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ پانے والا اس کا انشاد اعلان کرتا ہی رہے تا آنکہ اس کا مالک مل جائے۔ امام مالک کا مسلک
یہ ہے کہ لقطہ حرم وصل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ منشد کے معنی وہ یہ کرتے ہیں کہ جیسے عام جگہوں کے لقطہ کے متعلق ایک سال
تک اعلان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حرم کے لقطہ کے متعلق بھی اعلان کیا جائے۔ پھر جب یہ یقین ہو جائے کہ اب مالک نہیں
مل سکتا تو پانے والا مالک ہو جائے گا۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی حرم وصل کے لقطہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ اگر فرق نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کے لفظ کو خصوصی طور پر کیوں بیان کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خصوصی طور پر بیان کرنے کی علت یہ نہیں ہے کہ حرم اور غیر حرم کے لفظ میں فرق ہے بلکہ اس کی علت یا ذواں کی عظمت شان ہے اور یا یہ کہ لوگوں کو خیال ہو سکتا تھا کہ حرم کی گری پڑی چیز کے متعلق اعلان کرنے کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حرم ایک ایسی جگہ ہے جہاں مختلف بلاد و امصار کے مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور پھر کوئی آتا ہے اور کوئی اپنے وطن کو واپس ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے حرم کے لفظ کے متعلق خصوصی طور پر ہدایت دی کہ اس کا بھی ضرور اعلان کیا جائے۔ و هو بخیر النظرین۔ یہاں خیر افضل التفضیل کے معنی میں ہے۔ عبارت یہ ہوگی۔ افضل النظرین مطلب یہ ہے کہ مقتول کے ورثہ یا نودیت میں یا قصاص اتنا ان یعقل سے یہ بتایا گیا ہے کہ قصاص قاتل جی لیا جائے یہ نہیں کہ قاتل پر قابو نہ پلے تو اس کے کسی رشتہ دار یا خاندان کے کسی فرد یا قبیلہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیا جائے۔

مسائل حدیث | حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:- ۱۔ علم کی کتابت جائز ہے ۲۔ حضور علیہ السلام نے اپنی حدیثیں خطبہ ۴۔ حرم کا احترام فرض ہے۔ وہاں کے باشندوں سے قتال و جدال جائز نہیں ہے ۵۔ حرم کے درخت اور کانٹوں کو کاٹنا جائز نہیں ہے ۶۔ حضرت امام اعظم، ابو یوسف، محمد، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، عبد اللہ بن زکوان، عبد اللہ بن شبرہ و حسن بن حی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ قتل عمد میں یا تو قصاص میں یا معاف کر دیں۔ ہاں اولیاء مقتول کو دیت لینے کا بھی اختیار ہے۔ بشرطیکہ قاتل دیت دینے پر راضی ہو جائے۔ چنانچہ حدیث زیر بحث امام کے مسلک کی بھی دلیل ہے۔ رہی بات اس میں قاتل کی رضا کا ذکر نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ قاتل کا مال دینے پر راضی ہو جانا بدیہی بات ہے مشکل تو یہ امر ہے کہ اولیاء مقتول کو دیت لینے پر راضی کیا جائے کیونکہ جان کے بدلے مال لینے پر کم ہوجی تیار ہوتے ہیں۔ ۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک قریشی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مالک شریعت ہیں | اس نے دعائی کہ اذخرکھاس ہمارے کام کی چیز ہے۔

اس کو حرام نہ کیا جائے۔ حضور علیہ السلام نے حرم کی اذخرکھاس کاٹنے کی اجازت دیدی۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ اختیار دیا ہے کہ حرام چیزوں میں جس چیز کو چاہیں حلال فرمادیں۔ جیسے آپ کو اختیار ہے کہ جس مباح کو چاہیں واجب کر دیں۔ چنانچہ کتاب و سنت سے واضح ہوتا ہے کہ احکام شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ حضور! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال واجب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا! مجھے چھوڑے رہو، جب تک میں تم کو چھوڑے رہوں۔ اگلی امتیں اسی کثرت برال اور اپنے انبیاء کے خلاف مراءد پلٹنے سے ہلاک ہوں گی۔ جب میں کسی بات کا حکم دوں تو بجا لاؤ۔ منع کر دوں تو اسے چھوڑ دو! جس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ کھود کھود کر مت پوچھو۔ میری زبان حق کی ترجمان ہے۔ اگر میں نے کسی بھی چیز کے واجب یا حرام ہونے کا حکم دے دیا تو وہ واجب یا حرام ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت امام شعرانی میزبان شریعت میں لکھتے ہیں کہ شریعت کی دوسری قسم وہ ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رب عزوجل نے مآذون فرمایا کہ خود اپنی رائے سے (ان یسنہ

علی رابہ (جوراء چاہیں قائم فرمادیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کامروں کے لیے ریشم پہنا حرام کرنا اور حرمت مکہ سے
 اذخر گھاس کو استنفا فرمادینا اسی قبیل سے ہے۔ منہ — اس سنہ کی زیادہ تفصیل کے لیے ہماری کتاب "دوح الایمان"
 کا مطالعہ کیجئے۔ جو دفتر "زنوان" لاہور سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

۱۱۳۔ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ مَا
 مِنْ أَضْطَبٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ
 الْكُفْرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِثِّي إِلَّا مَا كَانَ مِنْ
 عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتَسِبُ وَلَا
 الْكُتْبُ (بخاری)

ہمام بن منبہ نے کہا۔ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو
 یہ کہتے ہوئے سنا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 میں کوئی مجھ سے زیادہ حدیث روایت نہیں کرتا مگر عبد اللہ
 بن عمر۔ کیونکہ وہ حدیث سن کر لکھ لیتے تھے اور میں نہیں
 لکھتا تھا۔

فوائد و مسائل | اس روایت کو ترمذی نے علم اور مناقب میں اور نسائی نے صرف مناقب میں ذکر کیا ہے۔ ترجمہ باب سے
 اس حدیث کا تعلق بالکل ظاہر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو افاضل صحابہ سے ہیں وہ

احادیث نبویہ کو لکھ کرتے تھے۔ اسی سے متکین حدیث کے اس دعویٰ کا رد ہو جاتا ہے کہ حدیث کی کثابت محمد نبوی میں نہیں
 ہوئی یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے بعض اوقات اپنے ارشادات لکھوائے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت حدیث کو لکھتی بھی تھی اور حفظ بھی کرتی تھی اور
 دوسری جماعت صرف حفظ حدیث پر اکتفا کرتی تھی۔ چنانچہ بیہقی اور سنن امام احمد میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عبد اللہ
 بن عمر رضی اللہ عنہما حضور علیہ السلام سے حدیث لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ نے ان کو اجازت دیدی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حافظہ | واضح ہو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانچ ہزار
 تین سو حدیثیں مروی ہیں اور آٹھ سو تابعین نے آپ سے روایت

کی ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمر سے صرف سات سو حدیثیں مروی ہیں لہذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا صحابہ
 میں مجھ سے زیادہ کوئی حدیث روایت نہیں کرتا سوائے عبد اللہ بن عمر کے۔ یہ قول ان کا ابتدائی حالت کا ہے جب کہ
 حضور علیہ السلام نے ان کے لیے دعائے برکت نہ کی تھی۔ اس وقت یہ کیفیت تھی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت ابو ہریرہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ حدیثوں کے حافظ تھے لیکن جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں انھوں نے اپنے حافظ کی کمزوری
 کی شکایت کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جھولی میں کچھ ڈال دیا تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت
 ہو گئی کہ جو کچھ حضور علیہ السلام سے سنتے نہ بھولتے۔ چنانچہ بارگاہ نبوی سے قوت حافظ پانے کے بعد حضرت ابو ہریرہ جی سب سے
 زیادہ حافظ حدیث قرار پائے ۲۔ روایت زیر بحث سے یہ بھی ثابت ہے کہ علم کی کثابت جائز ہے (واللہ اعلم)

۱۱۴۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِهِ
 النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ
 قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَكْتَسِبُ الْكُفْرَ كِتَابًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے
 کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرض زیادہ ہوا تو آپ
 نے فرمایا۔ میرے پاس سامان کتابت لاؤ۔ میں ایک تحریر

لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ قَالَ عُمَرُوْا اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ التَّوْحِيْدُ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللّٰهِ حَسْبُنَا فَاخْتَلَفْنَا وَكَثُرَ اللَّغَطُ قَالَ قَوْمٌ مِّنْ عَشْرٍ وَلَا يَسْتَبِيْحُ عِنْدِي التَّنَادُعُ فَخَرَجَ اَيْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اِنَّ النَّبِيَّةَ كُلَّ النَّبِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهِ (بخاری)

لکھ دوں تاکہ تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود غالب ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب (قرآن کریم) ہے اور وہ ہم کو کافی ہے۔ پس حاضرین میں اختلاف ہوا اور باتیں بڑھیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور میرے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں۔ پھر ابن عباس یہ کہتے رہے کہ تم نے مصیبت ہے بڑی مصیبت جو مائل ہو گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور آپ کی تحریر کے درمیان۔

فوائد ومسائل اس حدیث کو امام بخاری نے معازی اور طب اور الاعتصام میں بھی ذکر فرمایا ہے اور سلم نے وصایا میں اور نسائی نے علم اور طب میں ذکر کیا ہے ۲۔ حدیث ہذا کا باب سے تعلق بالکل واضح ہے یعنی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتابت حدیث عہد نبوی میں ہی مروج ہو گئی تھی اور یہ کہ حدیث کی کتابت جائز ہے۔

حدیث قرطاس واضح ہو کہ یہ حدیث، حدیث قرطاس کے نام سے موسوم ہے۔ بخاری میں واقعہ قرطاس کی حدیث سات جگہ آئی ہے۔ ان تمام حدیثوں پر نظر رکھتے ہوئے جو مضمون حاصل ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری عمر میں وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا کہ غنہ ظلم دوات لاؤ ایک نحریر لکھو ادوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بیماری کی تکلیف تھا کہ وہ بے اور ہمارے لیے کتاب اللہ کافی ہے۔ لوگوں نے کہا۔ اھجہ اسلفہ سمعہ یعنی کیا مادی کا وقت قریب آ گیا آپ سے دریافت تو کر لو۔ مخالفین کہتے ہیں کہ لفظ حجج کے معنی یہاں ہدایاں کے ہیں اور یہ لفظ حضرت عمرؓ نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کیا ہے۔

اس قصہ قرطاس میں تین الزامات حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قائم کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ انھوں نے رسول کو ہدایاں دینے والا کہا اور سخت توہین رسول کی۔ دوم یہ کہ انھوں نے ایسی ضروری تحریر نہ لکھنے دی جو اُسٹ کو گمراہی سے بچاتی، سوم یہ کہ کتاب اللہ کو کافی کہہ کر انھوں نے حدیث رسول کا لغو اور بے کار ہونا ظاہر کیا۔

جواب :- پہلے الزام کا ہے کہ اول تو لفظ حجج حضرت عمر کا مقولہ نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں سات جگہ یہ روایت ہے مگر کہیں بھی یہ لفظ حضرت عمر سے مقولہ نہیں۔ قالوا بضمیمہ جمع ہے یعنی لوگوں نے کہا۔ اب یہ کہنے والے کون لوگ تھے ان کا نام معلوم نہیں۔ شارحین نے اپنے قیاس سے کام لیا ہے۔ کسی نے کہا یہ قول اس جماعت کا ہے جو لکھوانے کی موید تھی اور کسی نے کہا۔ کچھ لوگ تو مسلم تھے یہ ان کا مقولہ ہے۔ غرضیکہ حضرت عمر کی طرف اس قول کو منسوب کرنا بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ حدیث کی کتاب میں کوئی صحیح معتبر روایت اس مضمون کی نہیں ہے کہ یہ لفظ حضرت عمرؓ نے کہا۔ مخالفین صحابہ نے ہزاروں لکھاوا اور ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ تقریباً ایک سو برس سے مجتہدین اس تلاش میں سرگرواں ہیں کہ کوئی روایت مل جائے۔

جن میں یہ لفظ حضرت عمرؓ کا منقول ہو مگر نہیں ملے۔ دوسرے بات یہ ہے کہ لفظ حجر کے معنی یہاں نہ بیان نہیں ہے بلکہ معنی جدائی کے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیماری کی حالت میں ایسی تحریر لکھوائے کہ ارادہ ظاہر کیا جو آخری وقت میں ہوئی ہے تو صحابہ کرام کے قلوب پر ایک بجلی سی گری اور ان میں سے کسی نے کہا۔ اَھَجَرَ اسْتَفْهَمُوْہُ۔ کیا جدائی کا وقت آگیا پڑھو تو۔ یہ پڑھنے کا معنوں صاف قرینہ اس امر کا ہے کہ حجر بمعنی نہ بیان نہیں۔ جس کو نہ بیان ہو گیا ہو اس سے پوچھنا کیا۔ یہ لفظ بمعنی جدائی قرآن مجید میں بھی مستعمل ہے۔ قَوْلُ تَعَالٰی وَاھْجِرْھُمْ هَاجِرًا جَمِیْلًا۔ تیسری بات یہ ہے کہ لفظ ہمزہ استفہام کے ساتھ مروی ہے۔ چنانچہ بخاری کی چھ روایتوں میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔ صرف ایک میں بغیر ہمزہ ہے۔ لہذا حسب قاعدہ اصول حدیث جو روایت بے ہمزہ کے ہے اس میں بھی ہمزہ مانا جائے گا۔ پس یہ لفظ بمعنی نہ بیان ہو تو بھی استفہام انکاری ہے۔

المختصر رسول کریمؐ بیان کر کئے کا الزام حضرت عمرؓ کو کیا کسی پر بھی قائم نہیں ہوتا۔ جواب دوسرے الزام کا یہ ہے کہ تحریر نہ لکھوانے کا الزام حضرت عمرؓ پر کر نہیں آسکتا۔ کیونکہ اگر وہ تحریر ہی ایسی ضروری تھی تو اس واقعہ کے بعد پانچ دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہے۔ اس امت میں جب حضرت عمرؓ نہ ہوتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے تھا کہ لکھوا دیتے یا حضرت علیؓ پر لازم تھا کہ وہ لکھوا لیتے اور حضرت عمرؓ اگر اس تحریر کو روک بھی رہے تھے تو ان کا روکنا چیز ہی کیا تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمرؓ سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ڈرتے تھے اور بارے ڈر کے ان کے خلاف نہ کر سکتے تھے تو نبوت ایک کھیل ہو جائے گی اور سارا دین ناقابل اعتبار ہو جائے گا۔ یہ بات کس کی عقل میں آسکتی ہے کہ وہ رسول جس نے کمہ میں کفار مکہ سے کچھ خوف نہ کیا اور توحید کا اعلان اور شرک کا ابطال کیا وہ حضرت عمرؓ سے اس قدر ڈر جائے کہ اپنی امت کے لیے ایک ایسی ضروری تحریر نہ لکھوائے۔ ان ہذا اشئی عجیب۔ اس مقام پر ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ اس واقعہ قرطاس سے بہت پہلے یہ آیہ قرآنی نازل ہو چکی تھی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ دِیْنُکُمْ وَ اَقْنَمْتُ عَلَیْکُمْ مِیْسِرَتِیْ یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اگر واقعی کوئی ایسی تحریر باقی تھی تو بغیر اس کے دین کامل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اگر مذکورہ بالا الزام مان لیا جائے تو آیت قرآنی کے خلاف ہے۔

ضروری نوٹ واقعہ قرطاس کے متعلق یہاں ہم نے نہایت ہی مختصر گفتگو کی ہے کیونکہ اس موضوع پر ہم نے ایک اور ان تمام اعتراضات و شبہات و الزامات کے مکمل و مدلل و مفصل جوابات دیے ہیں۔ جو اس سلسلے میں کیے جاتے ہیں۔ یہ کتابچہ دفتر رسالہ "رضوان" لاہور سے مل سکتا ہے۔

بَابُ الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّیْلِ

باب رات کے وقت تعلیم و وعظ کے بیان میں

علم کے معنی اپنے نفس کو وعظ کرنے کے ہیں اور وعظ کے معنی دوسروں کو نصیحت کرنے کے ہیں۔

۱۱۵۔ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِسْتَبَقْتُ | حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات

میں منشی بن عمار شیبانی کو کبیر حضرت خالد بن ولید کو ملک ایران کی طرف بھیجا اور بہت سال غنیمت مسلمانوں کو ملا۔ ابھی ایران کا کئی شہر فتح نہ ہوئے پایا تھا کہ قیصر روم کی طرف توجہ کرتی پڑی۔ یرموک کی عظیم الشان لڑائی پیش آئی جس میں مسلمانوں کو بڑی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور دمشق بھی آپ کے وقت میں فتح ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات تو مد شمار سے باہر ہیں۔ روم، ایران، مصر آپ کے زمانہ میں فتح ہوئے اور اتر اقصیٰ میں ہے کہ ایک ہزار چھتیس شہر اس کے مضافات کے مفتوح ہوئے اور چار ہزار مسجدیں بنیں اور چار ہزار گرجے ویران ہوئے اور نو سو منبر مسجدوں میں بنائے گئے۔ یعنی ۹ سو جامع مسجدیں بنیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی عظیم فتوحات ہوئیں۔ قسطنطنیہ، افریقیہ، جزیرہ قبرص بحری و بری جنگوں کے بعد فتح ہوئے اور ہر قتل انہیں کے زمانہ میں فی النار ہوا۔ اس کے علاوہ بعض وہ ممالک جو باغی ہو گئے تھے۔ مثلاً ہمدان، رے، اسکندریہ، فارس، خراسان، آذربائیجان از سر نو فتح ہوئے۔

مغز شکہ اللہ عزوجل نے جن فتوحات آئندہ کی اطلاع دی یا حضور علیہ السلام کو ان کا مشاہدہ کر لیا۔ وہ حضرات خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئیں۔ جس سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کا برحق ہونا بھی ثابت ہوا۔ اس کے بعد آپ نے صواب الخیر یعنی ازواج مطہرات کو جگانے کا حکم دیا تاکہ وہ رات کے نوافل پڑھیں۔ یہ حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ تھی کہ جب کسی اہم بات کا ظہور ہوتا تو آپ عبادت الہی میں مشغول ہو جاتے اور اوروں کو بھی اس طرف متوجہ فرماتے۔ چونکہ اس وقت ازواج مطہرات ہی حاضر تھیں اس لیے ان کو جگانے کا حکم دیا۔

رُبَّ كَاسِبَةٍ فِي الدُّنْيَا یعنی بہت سی عورتیں جو اس دنیا میں تو پسینے اوڑھے نظر آتی ہیں مگر آخرت میں ننگی ہوں گی۔ اس میں جو تلوں کی خصوصی طور پر عمل کی ترغیب دی گئی ہے کہ ان کو چلبیے کہ وہ احکام اسلامیہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

مسائل حدیث حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ آدمی کو رات میں اپنے اہل و عیال کو اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت کے لیے جگانا مستحب ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ کسی اہم بات کا ظہور ہو۔ ۲۔ تعجب کے اظہار کے لیے شیخان اللہ کہنا جائز ہے۔ ۳۔ رات کے وقت علم دین کی تعلیم دینا اور نصیحت کرنا بھی جائز ہے۔

بَابُ السَّرَفِ فِي الْعِلْمِ

باب رات کو سونے سے قبل علم کی باتیں کرنا

مسئلہ: اس گفتگو کو کہتے ہیں جو رات کو سونے سے پہلے کی جاتی ہے۔ عموماً لوگ اپنی خواہجہاں میں منہ آنے سے پہلے قصے کہانیاں اور فضول باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ سو جاتے ہیں۔ ایسا سمجھو امور خیر پر مشتمل نہ ہو ممنوع ہے لیکن ماں اس سے مراد وعظ و نصیحت کی گفتگو ہے جو مستحب اور محمود عند الشرع ہے۔

۱۱۶۔ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيِّ ﷺ حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فِي أَحْزَرِ
حَيَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ قَالَ أَرَأَيْتُمْ كُمْ
لَيْسَتْ كُمْ هَذِهِ فَإِنْ رَأْسُ مِائَةِ سَنَةٍ
مِثْلَهَا لَا يَبْقَى مِثْنٌ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ
أَحَدٌ

(بخاری)

نے اپنی حیات کے آخری ایام میں ہمیں نماز عشا پڑھانی
جب سلام پھیرا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ تم بناؤ تو اپنی
اس رات کا حال جتنے لوگ اس وقت زمین پر ہیں اب
سے سو برس کے بعد ان میں سے کوئی نہیں رہے گا۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے کتاب الصلوٰۃ میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے فضائل میں گزشتہ باب میں رات
کو وعظ و نصیحت کرنے کا ذکر کیا۔ اس باب میں سونے سے قبل وعظ و نصیحت کا بیان ہے ۲ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز ادا فرمائی وہ عشا کی نماز تھی اور اپنے وصال کے ایک ماہ قبل یہ نماز پڑھانی تھی۔ جس کو راوی
نے آخر حیات کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے ۳۔ اس حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کی پائیداری کی طرف توجہ
دلائی ہے اور اللہ عز و جل کی بندگی و فرماں برداری میں وقت گزارنے اور امور دنیوی سے زیادہ جملینے کی ہدایت دی ہے۔

لَا يَبْقَى

علامہ نووی نے فرمایا حدیث کے اس حد کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حضور علیہ السلام کے تکلم کے وقت زمین
پر موجود ہیں وہ سو سال سے زیادہ مدت تک زندہ نہیں رہیں گے۔ لیکن جو لوگ اس تکلم کے بعد پیدا ہوئے
وہ اس میں داخل نہیں ہیں یعنی ان کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق کیا کہا جائے گا۔
حالانکہ وہ بھی زندہ ہیں اور شیطان بھی زندہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا تعلق بنی نوع انسان
سے اور وہ بھی جو زمین پر ہو کیونکہ وجہ الارض کا لفظ موجود ہے اور خطاب بھی صرف انسانوں سے ہے۔ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام زمین پر نہیں ہیں بلکہ آسمانوں پر ہیں اور شیطان بنی آدم سے نہیں ہے بلکہ جن ہے۔ اسی طرح حضرت خضر
کی موت پر بھی استدلال تام نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس وقت حضرت خضر زمین پر نہ ہوں بلکہ سمندریں ہوں اور
یہ بھی ممکن ہے کہ زمین سے مراد ہی عرب کی زمین ہو جیسا کہ آیت قرآنی الْحَرَّتَيْنِ اَرْضِ اللَّهِ وَاَسْعَدَ میں ارض سے مراد
مدینہ کی زمین ہے اور حضرت خضر اس رات عرب کی زمین پر نہ ہوں سغریٰ تک ساکنانِ بحر و آسمان و ہوا اور غیر انسان اس
ارشاد نبوی میں داخل ہی نہیں ہیں۔ بعض شارحین نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس وقت مجلس نبوی میں
موجود تھے ان سے یہ فرمایا کہ جن کو تم دیکھتے اور جانتے ہو۔ وہ سو برس سے زیادہ زندہ نہیں رہیں گے۔ چنانچہ سب سے آخری
اصحابی ابو الطفیل عامر بن واہب تھے۔ جنہوں نے سنہ ۱۱۷ھ میں اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں اسی مدت کے
اندروفاات پائی۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن زبیر بن الحارث
جو میری خالہ ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیوی
ہیں۔ ان کے ہاں رات گزاری اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے نماز عشا پڑھی۔ پھر اپنے حجرہ میں اگر چار رکعت

۱۱۷- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَقِيَ فِي بَيْتِ خَالَتِي
يَحْيَى بْنُ زُبَيْرٍ بِنْتُ الْحَارِثِ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَاتِهَا تَصَلَّى النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ جَاءَ

إِلَى مَنْزِلِهِ فَصَلَّى أَدْبَعَ رُكُوعَاتٍ ثُمَّ نَامَ
ثُمَّ قَامَ ثُمَّ قَالِ نَامَ الْغُلَيْمُ أَوْ كَلِمَةً
تُشَبِّهُهَا ثُمَّ قَامَ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ
فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى خَيْرَ
رُكُوعَاتٍ ثُمَّ صَلَّى رُكُوعَتَيْنِ ثُمَّ نَامَ
حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيظَةً أَوْ حَصِيظَةً ثُمَّ
خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ (بخاری)

پڑھیں۔ پھر سو رہے پھر اٹھے اور فرمایا، قیلم سو گیا یا اسی
کے مشابہہ کوئی کلمہ فرمایا۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے
(میں بھی جاگا) اور آپ کے بائیں طرف کھڑا ہوا۔ آپ نے
مجھے اپنی سیدھی طرف کر لیا اور پھر پانچ رکعت پڑھیں۔
پھر دو رکعت پڑھیں۔ پھر آپ سو گئے۔ حتیٰ کہ میں نے
آپ کے خراٹے کی آواز سنی۔ پھر آپ نماز فجر کے لیے
(مسجد میں) تشریف لے گئے۔

اس حدیث کو امام نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اسی طرح ابو داؤد و نسائی نے۔

فوائد ومسائل غلیم۔ غلام کی تصغیر ہے۔ اس سے حضرت ابن عباس مراد ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے عشاء کے بعد گیارہ رکعتیں پڑھیں ۶ نفل ۳ وتر۔ اس کے بعد دو رکعتیں۔ یہ سنت فجر تھیں۔

حدیث ۱۸ مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ اس حدیث سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفصیلت نکلتی
ہے کہ باوجود کم سنی کے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے اعمال پر نگاہ رکھتے تھے ۲۔ نفل نماز باجماعت پڑھ سکتے ہیں۔
۳۔ علیؑ سیر سے نماز خاسہ نہیں ہوتی ۴۔ اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو ۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند
نامنقض و ضونیں اور اس پر اُمت کا اجماع بھی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ آپ سو
کراٹھے ہیں تو بغیر وضو فرماتے نماز ادا فرمائیے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے جواب دیا کہ "عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں
دل جاگتا ہے" — معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نیند بھی بے مثل ہے۔ لوگ سوتے ہیں تو ان کی آنکھیں اوڑھ لیں
بھی سو جاتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مقدس ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔

بَابُ حِفْظِ الْعِلْمِ

باب علم دین کو یاد رکھنے کے بیان میں

اس باب میں امام بخاری نے سوائے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے کسی اور سے روایت نہیں کی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ حافظ حدیث ہیں۔ یہ حضور علیہ السلام سے جوابات سنتے تھے اُسے بھولتے نہ تھے اور یہ
ایک ایسی خصوصیت تھی جو کسی اور صحابی میں نہ تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہ نے بہت حدیثیں روایت کیں
اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں
کوئی حدیث روایت نہ کرتا (قرآن میں سورۃ بقرہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا۔ جو لوگ چھپانے ہیں ان کھلی ہوئی کتابیں

۱۱۸۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ
يَقْتُلُونَ أَكْثَرَ أَبَوَيْ هُرَيْرَةَ وَكَوْلَا أَيْتَانِ
فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيثًا ثُمَّ يَسْتَلُونَا
إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أُنْزِلَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ
وَالْهُدَىٰ إِلَىٰ قَوْلِهِمُ الرَّجِيمُ إِنَّ إِخْوَانَنَا

مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّغْنُ بِالْأَسْوَاقِ
وَإِنَّ أَحْوَاثَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ
الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ وَإِنَّ آبَاءَ هُرَيْرَةَ
كَانَ يَنْزِعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِشَبَّعٍ بَطْنِهِمْ وَيَخْضَرُ مَا لَا يَخْضَرُونَ
وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُونَ

(بخاری)

اور ہدایت کو جو ہم نے اُتاریں۔ اخیر تک (یعنی القباب
الرحیم تک) ہمارے بھائی مجاہدین تو بازاروں میں خرید و
فروخت میں مشغول رہتے اور ہمارے بھائی انصار کھیتی
باڑی میں مصروف رہتے اور ابوہریرہ (تجارت کرتا نہ
زراعت) وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر
رہتا شکم سیر جو کہ اور ایسے موقوفوں پر حاضر رہتا جہاں لوگ
حاضر نہ رہتے اور وہ باتیں یاد رکھتا جن کو لوگ یاد نہ رکھتے۔

قولہ اس حدیث کو امام نے باب الزراعت اور الاعتصام میں ذکر کیا اور مسلم نے فضائل میں۔ ابن ماجہ نے
سنن میں ذکر فرمایا۔ اکثر ابوہریرہ۔ یہ لوگوں کے کلام کی حکایت ہے۔ یعنی لوگ کہتے ہیں۔ ابوہریرہ بہت حدیثیں
روایت کرتے ہیں۔ وَلَوْ لَا اَيُّ شَيْءٍ - حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ اگر قرآن میں کتمان دین کی ممانعت نہ ہوتی تو میں
حدیث بیان نہ کرتا لیکن قرآن حکیم نے دین کے چھپانے سے منع فرمادیا تو اب مجھ پر واجب ہو گیا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم سے جو کچھ سنوں اس کو دوسروں تک پہنچا دوں۔ صغق کے لغوی معنی اُپشت دست پر ہاتھ مارنے کے ہیں۔ اس سے
مراد بیع و شرا ہے۔ من الانصار۔ انصاری وہ لوگ ہیں جنہوں نے مدینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوری اور
ہر طرح سے آپ کی مدد کی۔ العمل فی اموالہم سے مراد کھیتی باڑی ہے۔ مسلم میں تصریح ہے کہ ان یشتغلون بعمل
ارضہم مطلب یہ کہ مجاہدین و انصار خرید و فروخت و زراعت میں مشغول رہتے۔ اس وجہ سے ان کو دبا رہی ہوئی
زیادہ حاضری کا موقع نہ ملتا اور حضرت ابوہریرہ تجارت و زراعت سے بے نیاز تھے۔ خود ہی فرماتے ہیں۔ میں تو مسکین
صغریں سے ایک مسکین تھا اور پھر حضرت ابوہریرہ مجلس نبوی کے حاضر باش تھے۔ یہ بات بھی ان کی کثرت روایت
کا سبب بنی۔

مسائل حدیث معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حدیث رسول کو دین سمجھتے تھے اور دین سے متعلق قولاً و عملاً حضور علیہ السلام جو بھی ہدایت
دیتے اس کے اظہار کو واجب جانتے تھے ۲۔ حضرت ابوہریرہ نے جن دو آیتوں کی طرف اشارہ کیا ہے ان
میں ایک تو یہاں مذکور ہے۔ دوسری آیت بھی اسی صورت میں ہے یعنی یکتون ما انزل اللہ من الکتب و لیشتر
بہ شتماً قلیلاً۔ اخیر تک۔ مطلب ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ہے کہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے
لیے بڑے عذاب کا وعدہ کیا ہے اور ان پر لعنت کی ہے جو دین کی بات کو چھپائیں۔ اس لیے جو حدیثیں مجھ کو معلوم
ہیں ان کو بیان کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے
مرض کی یاد رسول اللہ! میں آپ سے بہت باتیں سننا
ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اپنی چادر

۱۱۹/۱۲ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ
اللَّهِ إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا
أَنْسَاهُ قَالَ ابْسُطْ رِدَائَكَ فَبَسَطْتُهُ

پھیلا۔ میں نے چادر پھیلائی۔ آپ نے میری چادر میں دو مٹی بھر کر ڈال دیا) فرمایا۔ چادر سمیٹ لے۔ میں نے

فَعَرَفْتُ بِيَدِهِ شَعْرَ فَتَالٍ صَوَّرَ فَصَمَمْتُكَ
فَمَا لَسَيْتُ شَيْئًا بَلَدًا (بخاری)
اس کے بعد پھر میں کوئی بات نہ بھولا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے علامات النبوة میں ذکر کیا ہے اور ترمذی نے مناقب میں ذکر کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابن عیینہ کی روایت میں زہری سے ہے کہ ابو ہریرہ نے کہا۔ جب سے حضور علیہ السلام نے میری چادر میں کچھ ڈالا ہے۔ خدا کی قسم جو کچھ آپ سے سنا ہوں بھولنا نہیں ہوں۔ یہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے حضرت ابو ہریرہ کو قوتِ حافظہ عطا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسبِ ضرورت اپنی واقعی فضیلت کو بیان کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ نے اپنی فضیلت بیان کی۔ ہاں ازراۃ تجربہ و فرود اپنی فضیلت کو بیان کرنا ممنوع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن بھرے ہیں۔ ایک برتن کو تو میں نے پھیلا دیا (اس کی تبلیغ کر دی) دوسرے برتن کو اگر پھیلاؤں تو میرا زعفران کاٹ دیا جائے (امام بخاری نے فرمایا۔ بلعوم وہ ہے جس سے کھانا اترتا ہے)

۱۲۱- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَائِينَ
فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَشَّثْتُهُ وَأَمَّا الْآخَرُ
فَلَوْ بَشَّثْتُهُ قَطَعَ هَذَا الْبَلْعُومُ قَالَ أَبُو
عَبْدِ اللَّهِ الْبَلْعُومُ مَجْرَى الطَّعَامِ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم حاصل کیے۔ ایک وہ جن کا تعلق دین سے تھا تو جو حدیثیں دین اور شریعت سے متعلق تھیں ان کو میں نے پھیلا دیا کیونکہ ان کی تبلیغ و اشاعت فرض تھی لیکن دوسرا علم جس کا احکام شریعہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس کا انہار بھی ضروری نہ تھا اس کو میں نے ظاہر نہیں کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتمانِ دینِ حرام ہے اور جس کو دین کی کوئی بات معلوم ہو اس کا انہار اور اس کی تبلیغ واجب ہے۔ اس لیے سابقہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اگر قرآن پاک میں دین کے چھپانے کی ممانعت نہ ہوتی تو میں حدیث بیان کرنے میں اتنی کوشش نہ کرتا۔

بَابُ الْأَنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ

باب عالموں کی بات خاموش رہ کر سننے کا بیان

انصات۔ کے معنی گوشِ ہوش سے سننے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب وعظ و نصیحت کی بات کی جائے تو ماضیٰ کو خاموشی کے ساتھ سننا چاہئے۔

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ مجھے حجة الوداع کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں کو خاموش کرو۔ پھر فرمایا۔ میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کافروں کے سے کام نہ کرنا۔

۱۲۲- عَنْ جَرِيرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوُودَاعِ اسْتَنْصِبِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا
يُضْرَبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

فوائد مسائل

۱- حدیث ہذا کو امام نے مغازی اور دیات میں بھی ذکر فرمایا۔ مسلم نے ایمان اور جنایات، نسائی نے علم میں
 ۲- جریر ابن عبد اللہ بکلی ابو ذر کے دادا تھے۔ نہایت خوبصورت بلند قامت
 مضبوط بدن کے صحابی تھے۔ ان کا قد اونٹ کے کوبان تک پہنچتا تھا اور جرنے کی لمبائی ایک ہاتھ تک ہوتی تھی۔ آپ
 رمضان شہر میں حجۃ الوداع سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ۳- یہ روایت درہل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خلیفہ کا ٹکڑا
 ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے دن جب کہ لوگ رمی جمار کے لیے جمع تھے، ارشاد فرمایا جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔ ۴- حدیث
 کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافرن بن جانا۔ لیکن اس سے افعال کفار کی مشابہت مراد ہے۔
 یعنی کافروں کے سے کام نہ کرنا۔ چنانچہ دیگر دلائل شریعہ سے واضح ہے کہ ایک مسلمان کو ظلم مارنے والا کافر نہیں ہوتا اور اس
 پر اجماع بھی ہے یا پھر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قتل مومن کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

مسائل حدیث

مسلمان کے قتل کو حلال سمجھنا کفر ہے اور حرام جانتے ہوئے ظلمنا ناحق مار دینا گناہ کبیرہ ہے اور اس
 فعل پر کتب مجیدہ میں سخت وعید آئی ہے ۲- جب وعظ و نصیحت کی مجلس قائم ہو تو حاضرین
 مجلس کو سکون و اطمینان سے سُننا چاہیئے۔

بَابُ مَا يَسْتَحِبُّ لِلْعَالِمِ اِذَا سُئِلَ

باب جب عالم سے یہ سوال ہو کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون

أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَيَكِلُ أَلْعِلْمُ إِلَى اللَّهِ | ہے تو اس کو جواب میں یہ کہنا مناسب ہے کہ اللہ ہی جانے۔
 ۱۲۳- اس باب میں امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے۔ جس میں حضرت خضر موسیٰ علیہما السلام کا واقعہ ہے۔ اس حدیث
 میں باب سے متعلق صرف اتنا واقعہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟
 آپ نے فرمایا میں ہوں۔ اگرچہ آپ کا یہ جواب بالکل حق و صواب تھا۔ کیونکہ نبی اپنی امت میں سب سے زیادہ وظائف
 نبوت و امور شریعت کو جانتا ہے اور علم کے لحاظ سے بھی سب سے اعلیٰ و افضل ہوتا ہے۔ مگر یہ جواب عند اللہ زیادہ مناسب
 نہ قرار پایا۔ اس وجہ سے اللہ عز و جل نے آپ پر عتاب فرمایا اور حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق بتایا کہ ان کو ہم نے وہ علم دیا
 جس کے ہم حامل نہیں ہو۔ حدیث کے اس ٹکڑے سے امام نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ جب اس قسم کا سوال ہو تو اللہ اعلم
 کے لفظ سے جواب دینا زیادہ مناسب ہے۔ یہ حدیث مع تفہیم کے پہلے گزر چکی ہے اور امام نے اس حدیث کو تقریباً اتمام
 پر ذکر کیا ہے اس لیے یہاں دوبارہ نہیں لکھی۔

بَابُ مَنْ سَأَلَ وَهُوَ قَائِمٌ عَالِمًا جَالِسًا

باب ایک شخص کھڑے کھڑے سوال کرے اور عالم بیٹھا ہوا ہو

علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ اس باب میں یہ بتانا مقصود ہے کہ سائل کھڑے کھڑے سوال کرے اور عالم بیٹھا ہوا ہو اور
 جواب دہ تو بائز ہے بشرطیکہ بیٹھ کر جواب دینا ازراہ تکبر و غرور نہ ہو۔ اس سے معلوم ہو کہ حسب ضرورت جس ہیئت میں جو
 جواب دینا جائز ہے ۲- عنوان کی ترکیب یہ ہے۔ من موصولہ و حالیہ عالما معقول ہے سائل کا اور جالساً
 معقول

۱۲۴۔ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ جَاءَهُ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْفِتْنَةُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ أَحَدٌ نَافَقَنَا لَمْ نَعْتَبْهُ وَفِيمَا تِلْكَ حِمِيَّةٌ فَرَفَعَ إِلَيْهِ وَأَسْفَهُ قَالَ فَرَفَعَ إِلَيْهِ وَأَسْفَهُ قَالَ كَانَ فَتَا شَيْئًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِيَتَكُونَ كَهَيْئَةِ اللَّهِ فِي الْعَالَمِينَ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (بخاری)

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سوال کیا — یا رسول اللہ قتال فی سبیل اللہ کیا ہے۔ کہ نہ کہ ہم میں سے کوئی غصے کی وجہ سے لڑتا ہے اور کوئی (شخصی یا قومی یا ملکی) حمیت (غیرت) کی وجہ سے لڑتا ہے۔ آپ نے اس کی فخر سر اٹھایا۔ اس لیے کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور سائل کھڑا تھا۔ فرمایا جو کوئی اس لیے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ لڑنا اللہ کی راہ میں لڑنا ہے۔

۱۔ اس حدیث کو امام نے جہاد، توحید اور کتاب، انفس میں ذکر کیا۔ ترمذی، ابو داؤد، مسلم وابن ماجہ نے کتاب الجہاد میں ذکر کیا۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ عمل کا مدار نیت پر ہے جب تک عمل میں اخلاص نہ ہو مقبول نہ ہوگا ۲۔ مجاہد وہ ہے جو صرف اللہ کے کلمہ کی بلندی کے لیے لڑے۔ ذاتی یا دنیوی مفاد کو اس میں قطعاً دخل نہ ہو۔ غضب اور غصہ کبھی دنیا کے لیے ہوتا ہے کبھی خدا کے لیے۔ توجہ غصہ اور غیرت اللہ کے لیے ہو وہ مطلوب ہے۔ محبوب ہے۔ باعث اجر و ثواب ہے اور جو دنیا کے لیے ہے وہ دنیا ہی کے لیے ہے۔ یہ حدیث جامع الکلم سے ہے۔ حضور علیہ السلام نے سائل کو بہت جامع مانع جواب دیا اور حمیت وغیرت کی تقسیم نہیں فرمائی کیونکہ پھر کلام طویل ہو جاتا آپ نے اصولی بات ارشاد فرمائی۔

”اللہ کے کلمہ کی بلندی کے لیے لڑنے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات طیبات کی شرح کی جائے تو دفتر بھر جائیں۔

بَابُ السُّؤَالِ وَالْفَتْيَا عِنْدَ رَمِيِ الْجَمَارِ

باب رمی جہاد کے وقت مسد پوچھنے اور جواب دینے کے بیان میں

۱۲۵۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا۔ اس باب سے امام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر عالم عبادت میں مشغول ہو اور وہ عبادت ایسی ہو۔ جس میں بولنا جائز ہو تو سائل کو ایسی حالت میں سوال کرنا اور عالم کو جواب دینا جائز ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت سوال کیا گیا جب کہ آپ جہر عقبہ کے پاس تھے اور آپ نے سائل کو جواب بھی دیا اس باب میں امام نے جو حدیث ذکر کی ہے وہ باب الفیاء علی الدایۃ میں مع شرح کے گزر چکی ہے۔ ایسے ہم نے یہاں پر نہیں لکھی۔

بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى

باب اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بیان میں

وَمَا أَوْفَيْنِيْمٍ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا | کہ تم کو علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا
اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے | اس باب سے امام بخاری کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مخلوقات کو جس قدر علوم عطا

ہوتے ہیں وہ اللہ عزوجل کے سامنے ہر حال قلیل ہیں اور مخلوقات میں سے کوئی خواہ نبی ہو یا غیر نبی، اللہ عزوجل کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ بخاری میں حدیث خضر میں ہے کہ ایک چڑیا نے کشتی کے کنارہ پر بیٹھ کر جب دیا میں اپنی چونچ ترکی تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے موسیٰ میرا علم تیرا علم اور تمام مخلوقات کا علم باری تعالیٰ کے علم کے سامنے ایسا ہی ہے جیسے کہ دریا کے مقابلے میں اس چڑیا کا چونچ تر کر لینا۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہاں دو تین تنہا کے خطاب میں آپ بھی شامل ہیں؟ ہاں میں بھی اور تم بھی۔ مطلب یہ کہ انبیاء کے علوم ہوں یا غیر انبیاء کے وہ علوم الہیہ کے حضور قلیل ہی ہیں اور وہ نسبت بھی نہیں رکھتے جو ذرہ کو آفتاب سے اور قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے۔ علامہ خفاجی حواشی بیضاوی میں طبری سے نقل فرماتے ہیں کہ:-

آسمانوں اور زمینوں کے غیب علم الہی سے ایک قطرہ ہیں۔ (بیضاوی)

غیب السموات والارض وما یبیدونہ و ما یکمونه قطرة منها

حضور علیہ السلام کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے ایک قطرہ ہے
ہم اہلسنت وجماعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ماکان و مایکون کا اثبات کرتے ہیں۔ تو یہ بھی اللہ عزوجل کے سامنے قلیل ہی ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کو نہ تو اللہ عزوجل کے برابر علم ہو سکتا ہے اور نہ تمام معلومات الہیہ کا کوئی احاطہ کر سکتا ہے۔ عرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ علم جو غیب السموات والارض اور روح و قلم کے علوم کا احاطہ کئے ہوئے ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے قلیل ہی ہے مگر مخلوقات کے سامنے کثیر ہے اور ایسا کثیر ہے کہ تمام مخلوقات کا علم بلکہ روح و قلم کے علوم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم سے ایک قطرہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ کے ویران مکانوں میں چل رہا تھا اور حضور کھجور کی چھڑی سے ٹیک لگاتے ہوئے تھے جو آپ کے ساتھ تھی۔ پھر آپ چند یہودیوں کے سامنے سے گزرے۔ ان میں سے بعض نے بعض سے کہا۔ ان سے روح کے متعلق سوال کرو بعض نے کہا روح کے متعلق سوال مت کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جواب میں ایسی بات کہیں جو تم کو بُری لگے اور بعض نے کہا ہم ضرور سوال کریں گے۔ پس سوال کیا اے ابوقحکم روح کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے سکوت فرمایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ حضور پر وحی آرہی ہے۔ اس لیے میں کھڑا ہو گیا۔ پھر جب وحی کی کیفیت جاتی رہی۔ آپ نے فرمایا (یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تم فرما دو۔

۱۲۶- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا أَمْسِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَرِبِ الْهَدْيَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَصِيْبٍ مَعَهُ قَمَرٌ يَنْقُرُ مِنَ الْهَوْدِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوهُ لَا يَخْبِي فِيهِ شَيْءٌ تَكْرَهُونَهُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَنَسْأَلَنَّهُ فَقَالَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوحُ فَسَكَتَ فَقُلْتُ إِنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَقُمْتُ فَلَمَّا ابْخَلَّ عَنْهُ فَقَالَ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

(بخاری)

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے توحید، الاعتصام، باب ما یکرہ من کثرة السؤال میں بھی ذکر کیا ہے اور سلم نے رفاق میں، نزدیکی و فساد میں تفسیر میں ذکر فرمایا ہے ۲۔ امام بخاری نے عنوان باندھا تھا کہ مخلوقات کو جو علم دیا گیا ہے۔ وہ علم الہی کے مقابل قلیل ہے۔ چنانچہ آیہ مبارکہ میں اسی کا ذکر ہے ۳۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ جب قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و امانت، پال چلن پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کر سکے اور حضور علیہ السلام نے نبوت کا اظہار فرمادیا تو آپ انہوں نے طے کیا کہ اس معاملہ میں یہود سے مدد لی جائے۔ چنانچہ انہوں نے یہود سے مشورہ لیا۔ یہودیوں نے کہا آپ سے تین سوال کرو۔ اگر تینوں کا جواب دیدیں یا تینوں کا جواب نہ دیں تو یہ نبی نہیں اور اگر دو کا جواب دین اور ایک کا جواب نہ دیں تو یہ ضرور نبی ہیں۔ قریش نے حضور علیہ السلام سے تین سوال کئے۔ اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق، حضور علیہ السلام نے اول الذکر دونوں سوالوں کا تفصیل کے ساتھ جواب دیدیا۔ مگر روح کے متعلق آپ خاموش رہے۔ حتیٰ کہ وحی آگئی۔ چنانچہ قریش سوال کر کے نادم ہوئے۔ واضح ہو کہ توحید میں بھی روح کے متعلق مبہم ہی جواب تھا۔ اس لیے یہود نے حضور علیہ السلام کی صداقت کا معیار یہ مقرر کیا کہ آپ روح کے متعلق جواب نہ دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال پر سکوت فرمایا۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

قالت الیہود ان فسر الروح خلیس بنی | یہود نے یہ طے کیا کہ آپ نے روح کی تفسیر کر دی تو آپ فلا لک لم یجبہم (یعنی ج ۱ ص ۶۷) نبی نہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت فرمانے اور وحی کا انتظار کرنے کو اس امر کی دلیل بنانا غلط ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت کا علم نہ تھا کیونکہ حضور علیہ السلام کا سکوت فرمانا تو اس لیے تھا کہ کفار نے آپ کی صداقت کا معیار یہ بٹھرایا تھا کہ آپ روح کے متعلق سوال کا جواب نہ دیں۔ چنانچہ حضرت علامہ عینی شارح بخاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ رائے قائم کی کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے معاملہ کو خلق پر مبہم رکھا ہے حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی روح کی حقیقت سے واقف نہ تھے۔

قُلْتُ جُلُّ مَنْصَبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ حَبِيبُ اللَّهِ وَسَيِّدُ خَلْقِهِ أَنْ يَكُونَ غَيْرَ عَالِمٍ بِالرُّوحِ وَكَيْفَ وَقَدْ كُنَّ اللَّهُ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (یعنی جلد ۱ ص ۶۱۲)

میں کہتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب بہت عظیم ہے وہ حبیب اللہ ہیں اور تمام مخلوقات اللہ کے سردار ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ روح کے عالم نہ ہوں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان فرمایا (اور قرآن حکیم میں آپ کے متعلق فرمایا) ہم نے آپ کو سکھا دیا جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر تو اللہ کا فضل عظیم ہے۔

دیکھئے علامہ عینی نے آیہ مبارکہ علمک ما لم تکن تعلم میں نما کو علم پر رکھا اور ما سے یہ استنبہ لال فرمایا کہ اس کے علم میں روح بھی داخل ہے۔ پھر کیسے یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہ دیا ہو۔

اس کے بعد علامہ عینی لکھتے ہیں۔ آیت یَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو روح کا علم نہیں دیا یا حضور علیہ السلام روح کی حقیقت نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ ان کے اصل الغایہ ہیں۔ وَقَدْ قَالَ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ لَيْسَ فِي الْأَمِيَةِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الرُّوحَ لَا يَمْلِكُهُ وَلَا عَلَى أَنَّ السَّيِّئَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْلِكُهَا (یعنی ج ۱ ص ۶۱۲)

بَابُ مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْإِخْتِيَارِ خَافَةَ

باب ایک راجح کام کو اس وجہ سے چھوڑ دینا کہ لوگوں کی

عتقین اس حکمت تک نہ پہنچیں اور اس کو کرنے سے لوگ اس سے بڑھ کر کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

أَنْ يَقْصُرَ فَهُمْ بَعْضُ النَّاسِ يَقَعُّوْا فِي أَشَدِّ مِنْهُ

اس باب میں امام نے جس امر کی طرف توجہ دلائی ہے وہی کرنا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ امام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں جو فی نفسہ اچھے ہوتے ہیں لیکن ان اچھے کاموں کے کرنے سے جب یہ خطرہ محسوس ہو کہ لوگ ان کی چھائی نہیں سمجھیں گے اور کسی بڑے فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے تو ان کاموں کو نہ کرنا بہتر ہے۔

حضرت عائشہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری قوم کا زمانہ نیا نہ ہوتا (ابن الزبیر نے فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قریش کے کفر کا زمانہ قریب نہ گزرا ہوتا اور اسلام لاتے ہوئے ان کو نصہ نہ گزر گیا ہوتا) تو میں عمارت کعبہ کو گرا دیتا اور اس کے دو دروازے کر دیتا۔ ایک سے لوگ نفل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکلتے۔ پس حضرت ابن الزبیر نے کعبہ کے دو دروازے کر دیے۔

۱۲۷۔ قَالَ السَّيِّئُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ قَوْلَا أَتَ قَوْمَكَ حَدِيثُ عَهْدِهِمْ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِكُفْرٍ لَقَضَتْ الْكُفْبَةَ فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابًا يَخْرُجُونَ مِنْهُ فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ

(بخاری شریف)

اس حدیث کو امام نے حج اور نسی میں ذکر کیا ہے۔ مسلم و ابن ماجہ نے حج میں ذکر کیا۔ حدیث محمد بن معقل یہ ہیں کہ قریش نے نئے اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور ابھی وہ اس مقام پر نہیں پہنچے ہیں کہ افعال کی حکمت کو سمجھ سکیں اور افضل و ادنیٰ میں فرق کر سکیں ۲۔ حضور علیہ السلام کعبہ شریف کی عمارت کو قواعد ابراہیم علیہ السلام پر بنانا چاہتے تھے اور اس کے دو دروازے رکھنا چاہتے تھے مگر آپ نے محض اس مصلحت کی بنا پر اس کو ترک فرمادیا کہ قریش کے دل میں کعبہ منظم کی عظمت بہت ہے۔ کہیں وہ میرے اس فعل کی حکمت کو نہ سمجھیں اور کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں ۳۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ ملائکہ نے تعمیر کیا۔ پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کے بعد ملائکہ نے اس کے بعد قبیلہ جرہم نے۔ اس کے بعد قریش نے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کے مطابق کعبہ شریف کو بنایا۔ لیکن ظالم حجاج نے پھر ویسے ہی کر دیا جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں تھا اور اب تک اسی حالت میں ہے ۴۔ ہارون نے امام ملک سے سوال کیا تھا کہ کیا اب کعبہ اسی طرح نہ بنایا جائے جیسا کہ

ضرور علیہ السلام چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا مت کرو۔ اس لیے کہ پھر یہ کام ایک کھیل بن جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی افضل کام کو اس خطرہ کی بنا پر ترک کیا جاسکتا ہے کہ اس کے کرنے سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے۔ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ وہ کام فرض و واجب نہ ہو کیونکہ جو امور فرض و واجب ہیں وہ تو بہ صورت انجام دیئے جائیں گے۔ اس میں حکام کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ امورِ مصلحت کو انجام دینے میں مصلحت وقت کا خیال رکھیں۔ رُوح کے متعلق مزید گفتگو انشاء اللہ العزیز کتاب التفسیر میں ہوگی۔

بَابُ مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا

باب علم کی بعض باتیں ایک قوم کو بتانا اور دوسری

دُون قَوْمٍ كَرَاهِيَةً أَنْ لَا يَفْهَمُوا
قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَدَّثَنَا النَّاسُ
بِمَا يَعْرِفُونَ أَنْ تَحْبُونَ أَنْ يُكَلِّبَ اللَّهُ
وَرَسُولَهُ (بخاری)

کو نہ بتانا اس خیال سے کہ وہ نہ سمجھیں گے
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا لوگوں سے وہ
باتیں بیان کرو جو وہ سمجھ سکیں۔ کیا تم اس کو پسند نہ کرتے
ہو کہ وہ اللہ و رسول کو جھٹلائیں۔

گزشتہ باب میں اس کا بیان تھا کہ کسی افضل کام کو اس لیے ترک کیا جاسکتا ہے کہ اس کے کرنے سے لوگ کی
بڑے فتنے میں پڑ جائیں گے۔ اس باب میں فعل کی جگہ قول کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم وہ علم علی قدر
عَقُولِهِمْ کہ لوگوں سے ان کے فہم و عقل کے موافق کلام کیا جائے اور ایسے امور جو مجمل و مبہم ہوں اور ایسے الفاظ جن
کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں۔ وہ بغیر تفسیر و تشریح کے عوام کے سامنے نہ رکھے جائیں کیونکہ جو لوگ دین کی عمومی تعلیم اور قرآن
حدیث کے طرزِ بیان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ صرف ترجمہ سے کچھ کچھ سمجھ جاتے ہیں اور یہ بات اللہ و رسول کی تکذیب
کا سبب بن جاتی ہے اور اس کی متعدد وجوہات ہوتی ہیں۔

کبھی لفظ مجمل ہوتا ہے اور جب تک اس کی شرح نہ کر دی جائے بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی لفظ کے ظاہری معنی
مراد نہیں ہوتے اور یہ بتانا پڑتا ہے کہ یہ لفظ یہاں اس معنی میں استعمال ہوا ہے کہیں لفظ کے حقیقی اور کہیں مجازی معنی مراد ہوتے
ہیں اور کہیں سیاق و سباق کو دیکھ کر اور دیگر دلائل شرعیہ کو پیش نظر رکھ کر معنی متعین کئے جاتے ہیں کہیں شارع علیہ السلام
کا کوئی حکم یا فعل کسی خاص موقع یا محل کے لیے خاص ہوتا ہے اور لوگ صرف ترجمے سے اس کو عام حکم سمجھ جاتے ہیں اور شارع
کے مرادی معنی تک ان کی فہم نہیں پہنچتی ہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ عوام کے سامنے وہی مسائل
و عقائد اسی طرح بیان کیے جائیں گے کہ وہ مسائل و عقائد کو سمجھ جائیں۔

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت معاذ کو جب کہ وہ آپ کے ساتھ ایک
ہی کجاوے پر سوار تھے پکارا اور فرمایا یا معاذ! انہوں نے
عوض کی بلیک یا رسول اللہ و سیدیک۔ تین مرتبہ

۱۲۸۔ قَالَ شَتَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَاذَ رَدِيْفِهِ
عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مَعَاذُ بَنِي جَبَلٍ قَالَ
لَبَيْكُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ

يَا مَعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ
قَالَ يَا مَعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ
ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ
قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ قَالَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ
فَلَيْسَتْ بَشَرُونَ قَالَ إِذَا أَتَيْتُمُوهُمُ وَأَخْبَرْتُمُهَا
مَعَاذُ جَعَلْتُ مَوْتَهُ تَأْتِيًا (بخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے صدق
دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی تو
اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کر دیا۔ حضرت
معاذ نے عرض کی کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کر دوں تاکہ
وہ خوش ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: پھر وہ اسی
پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ پھر حضرت معاذ نے
کتمان علم کے خوف سے بوقت وفات یہ حدیث لوگوں
تے بیان کی۔

قواعد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام سلمہ نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے اسی مضمون کی ایک اور
حدیث اس باب میں ذکر کی ہے مضمون دونوں کا ایک ہے۔ اس لیے ہم نے اس کو چھوڑ دیا۔ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ کو بشارت دینے سے منع فرمانا نہی تحریمی نہ تھی۔ اسی لیے حضرت معاذ نے
بوقت وفات اس حدیث کو بیان کیا۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حدیث رسول کو دین سمجھتے تھے اور اس کے چپے
کو گنا و عظیم ۳۔ چونکہ مذکورہ بالا حدیث کے مضمون سے بعض افراد کا اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا امکان تھا کہ نجات کے
لیے صرف توحید و رسالت کا اقرار کافی ہے۔ عمل کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاطاً حضرت
معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بشارت کی اشاعت سے نہایت یکجہانہ انداز میں منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: ”پھر لوگ اسی پر
بھروسہ کر لیں گے۔“ اس لیے علمائے کرام کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ وہ ایسی آیات اور احادیث کو جن کا مضمون عمل یا مہم بتفسیر و
تشریح سے بیان کریں۔ تاکہ عوام شارح علیہ السلام کی اصل مراد یکساں پہنچ جائیں اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

کیا صرف اقرار توحید و رسالت نجات کے لیے کافی ہے

متعدد حدیثوں کا یہ مضمون ہے کہ جس نے
اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ کی رسالت

کی صدق دل سے گواہی دی وہ جنتی ہے بلکہ بعض حدیثوں میں صرف اقرار توحید پر جنت کی بشارت دی گئی۔ تو اس مضمون کی
تمام حدیثوں میں اللہ کی توحید اور حضور علیہ السلام کی رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حضور سید عالم صلی
اللہ علیہ وسلم کی پوری ایمانی دعوت کو قبول کرے اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین بنالے۔ اسی لیے ان دونوں شہادتوں
کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص نے حضور علیہ السلام کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا اور اسلام کو اپنا دین
بنالیا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافر اور مسلمان بھی توحید و رسالت کی شہادت اور لا الہ الا اللہ کی شہادت
کا مطلب حضور کی پوری دعوت کو قبول کر لینا ہی سمجھتے تھے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آج کل اردو محاورہ میں اسلام قبول
کرنے کو کلہر پٹنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت پورے
اسلام کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ پس جس نے اس کلمہ کی شہادت ادا کی۔ اس نے درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے پورے دین کو مان لیا اور پورے دین کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن امور پر ایمان لانے کا حکم دیا ان سب کی تصدیق کی جائے اور زبان سے ان کا اقرار کیا جائے۔ لہذا حدیث زیر بحث کا مطلب یہ ہوا جس نے کلمہ پڑھ لیا یعنی حضور کے لئے ہوئے دین کو اور آپ کی ایمانی دعوت کو مکمل طور پر قبول کر لیا اور اگر اسی حال میں مر گیا تو جنت میں ضرور جائیگا۔ چنانچہ اسی کی تائید و توثیق کہ توحید و رسالت پر ایمان لانے سے حضور علیہ السلام کی پوری دعوت ایمانی کو قبول کرنا اور پورے اسلام کو دین ماننا ہے۔ بخاری شریف ہی کی متعدد روایتوں سے ہوتی ہے جن میں توحید و رسالت کے ساتھ ساتھ دیگر ضروریات دین کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

لہذا اگر کوئی توحید و رسالت کا اقرار کر لے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری دعوت قبول نہ کرے۔ توحید و رسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً تقدیر، ملائکہ اور قیامت وغیرہ کو نہ مانے تو ایسا شخص اگر اس بشارت کا مستحق نہیں ہے اور جو لوگ مذکورہ بالا مضمون کی احادیث سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے والا خواہ کتنا ہی پر عقیدہ ہو اور ایمانیات میں سے چاہے کسی ایک کا منکر ہی ہو وہ بہر حال مسلمان ہے اور عذاب دوزخ سے محفوظ رہے گا۔ وہ ان بشارتی حدیثوں کے صحیح مفہوم و مدعا کے سمجھنے سے محروم ہیں اور قرآن و حدیث کے محاورہ و طرز بیان سے بالکل ناواقف ہیں۔ بعض لوگ ان بشارتی حدیثوں کا یہی مطلب لیتے ہیں اور عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ دوسرے اہل ابواب کی حدیثیں بلکہ قرآن پاک کی آیتیں ان کے اس نظریہ کی واضح لفظوں میں تردید کرتی ہیں۔ غرض کہ جن حدیثوں میں توحید یا توحید و رسالت کی گواہی پر مبنی ہوئے کی بشارت دی گئی ہے۔ ان کا صحیح مفہوم صرف یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری دعوت کو قبول کر لے۔ اسلام کو اپنا دین بنا لے اور تمام ضروریات دین کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرے۔ پھر اگر اسی حال میں مر جائے تو عذاب دوزخ سے ضرور محفوظ رہے گا۔

بَابُ الْحَيَاءِ فِي الْعِلْمِ

باب علم میں شرم کرنے کے بیان میں

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ
اور امام مجاہد نے فرمایا جس کو حیا ہوگی یا مغرور ہوگا وہ علم نہیں سیکھ سکتا۔

یعنی جو شخص متکبر ہوگا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا اور وہ شخص جو کسی سے پڑھنے اور علم سیکھنے میں شرم کرے گا وہ کیا حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لیے عقلاً نے کہا۔ علم کے لیے آفتیں ہیں۔ ان سب میں بڑی آفت استنکاف ہے جس کا ثمرہ جہالت ہے۔ سیدنا امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ آپ کو یہ علم عظیم کیسے حاصل ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے کسی کو علم کے بنانے میں نجل نہیں کیا اور کسی سے علم حاصل کرنے میں شرم نہیں کی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا انصاء کی عورتیں کیا اچھی عورتیں ہیں جن کو شرم مآل دینیہ کے سمجھنے سے نہیں روک سکتی۔

وَقَالَتْ عَائِشَةُ نَفْسُ الْمَرْءِ نَفْسُ الْمَرْءِ
الْأَنْصَارُ لَكُمْ يَنْتَعِلْنَ الْحَيَاءُ أَنْ
يَتَغَفَّوْنَ فِي الدِّينِ (بخاری)

یعنی انصار کی عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ضروری مسائل پوچھنے میں شرم نہیں کی۔ جس کی وجہ سے سارے عالم کی عورتوں کو فائدہ پہنچا اور عورتوں سے مخصوص بہت سے دینی مسائل معلوم ہو گئے۔

۱۳۰۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ سَلِيمٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ قَهْلٌ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلِ إِذَا احْتَلَمَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَتْ الْمَاءَ فَقَطَّطَتْ أُمُّ سَلَمَةَ لَنَسْنَى وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ لَعَمْرُكَ نَزَبْتُ يَمِينُكَ قَبْلَ لَيْسَ بِهَا وَلَدُهَا (بخاری)

حضرت ام سلیمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ عرض کی حضور اللہ تعالیٰ حق کے اظہار سے حیا نہیں فرماتا۔ کیا عورت کو احتلام ہو تو اس پر غسل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس پر غسل واجب ہے جب کہ وہ منی کو دیکھے۔ اپنے کپڑے پر پسین کر حضرت ام سلمہ ام المؤمنین نے اپنا منہ ڈھانپ لیا اور عرض کی یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں! (تیسرے ہاتھ کو اٹھ کر) ہوں! اسی لیے تو عورت کا بچہ اس کا شرم ٹھک رہا ہے۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے طہارت میں بھی ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی طہارت میں ذکر کیا ہے اور مسلم نے طہارت و عجم میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ ۱۔ بوقت ضرورت مسائل دینیہ کے معلوم کرنے میں شرم نہیں کرنی چاہیے ۲۔ عورت کو اگر خواب میں احتلام ہو تو اس پر بھی غسل فرض ہے۔

۲۔ اوسط طو کا نظریہ یہ ہے کہ عورت کے بھی منی ہوتی ہے اور بچہ عورت اور مرد دونوں کی منی سے بنتا ہے۔ لیکن جالینوس کا خیال یہ ہے کہ بچہ صرف مرد کی منی سے بنتا ہے اور عورت کے منی نہیں ہوتی۔ ایک رطبوت ہے جو منی کے مشابہ ہے حدیث میں ہے مرد کی منی غلیظہ اور بودار ہوتی ہے اور عورت کی منی رقیق زردی مائل ہوتی ہے تو زوجین میں سے جس کی منی غالب آجائے بچہ اسی کی شکل پر ہوتا ہے۔ اس حدیث نے جالینوس کے خیال کی تردید کر دی۔

۳۔ حضرت ام سلیمہ نے احتلام کے متعلق سوال کیا اور اس سے شرم نہ کی جس سے واضح ہوا کہ مسائل و احکام دین کے سمجھنے اور پوچھنے میں شرم کرنا مذموم ہے ۴۔ امات المؤمنین کو اللہ عز و جل نے ماضی خدمت سے پہلے بھی احتلام سے محفوظ رکھا اس لیے کہ احتلام میں شیطان کی مداخلت ہوتی ہے اور شیطانی مداخلتوں سے ازواج مطہرات پاک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ام سلیمہ نے احتلام کے متعلق سوال کیا تو حضرت ام المؤمنین ام سلمہ کو اس سوال پر تعجب ہوا۔

نوٹ اس کے بعد امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو کتاب العلم کے شروع میں گزر چکی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے سوال کیا تھا کہ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے۔ سلمان کی وہی مثال ہے بناؤ وہ کونسا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میرا ذہن کھجور کے درخت کی طرف گیا۔ مگر میں نے بوجہ شرم جواب نہ دیا۔ حضرت عرفار رقی رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اگر تم اس وقت جواب دیدیتے تو۔

تمہارا جواب مجھے کثیر دولت مل جانے سے
زیادہ محبوب ہوتا

فَقَالَ لَآنَ تَكُونُ قُلْتَهَا أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ
أَنْ يَكُونُ لِي كَذَا وَكَذَا (بخاری)

شارحین نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے حدیث کے اتنے ٹکڑے سے یہ استدلال کیا ہے کہ دین کی بات میں شرم کرنا اچھا نہیں۔ جیسی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ملامت کی کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوال فرما رہے تھے اور تمہارے ذہن میں جواب آیا تھا تو عرض کیوں نہ کر دیا اور اگر تم عرض کر دیتے تو مجھے بہت سے فزائے مل جانے سے زیادہ خوشی ہوتی اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

بَابُ مَنْ اسْتَحْيَى فَاَمَرَ غَيْرَهُ بِالسَّوَالِ

باب جو ظلم کی بات خود پوچھنے میں شرم کرے پس دوسرے کو سوال کرنا حکم دے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کہتے ہیں میں ایک مرد
تھا بہت مذی والا۔ میں نے مقداد سے کہا کہ وہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کریں پس
انہوں نے حضور سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ مذی کے نکلنے
پر وضو ہے (غسل نہیں)

۱۳۲۔ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ أُجَلِّدُ مَذَآءَ
فَأَمَرْتُ الْمُقَدَّادَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ
دِينُهُ الْوُضُوءُ

(بخاری شریف)

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے دوسری بار طہارت میں ذکر کیا ہے۔ سنائی و مسلم نے طہارت و علم میں ذکر فرمایا ہے۔
۲۔ مذی۔ اس لیبیدار طہارت کو کہتے ہیں جو زوقیت و وس کو کنارہ و کی شرمگاہ سے نکلتی ہے۔ مذی کے نکلنے
سے شہوت ختم نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس منی گاڑھی ہوتی ہے۔ اس میں بدبو بھی ہوتی ہے۔ جب یہ خارج ہو تو لذت
آتی ہے اور منی کے نکلنے کے بعد سکون ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اہل تہذیب جو طہارت نکالتی ہے۔ جس کو
مذی کہتے ہیں صرف اس کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا البتہ وضو ٹوٹتا ہے۔

۳۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا بھی تھے اس لیے انہوں نے خود اس مسئلہ کے
پوچھنے میں شرم کی اور حضرت مقداد کے ذریعہ مسئلہ معلوم کر لیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی خود مسئلہ پوچھنے میں شرم کرے تو
دوسرے کے ذریعہ معلوم کرے۔ اسی طرح اگر عورتیں اپنے مخصوص مسائل خود معلوم کرنے میں شرم محسوس کریں تو اپنے
شوہروں کے ذریعہ سے معلوم کرائیں۔

بَابُ ذِكْرِ الْعِلْمِ وَالْفَتْيَا فِي الْمَسْجِدِ

باب مسجد میں علم کی باتیں کرنا اور فتویٰ دینا

۱۳۳۔ اس باب میں امام بخاری نے ایک حدیث ذکر کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص نے مسجد نبوی میں
کھڑے ہو کر حضور علیہ السلام سے حج کے متعلق پوچھا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ — حدیث
کے اس ٹکڑے سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا کہ مسجد میں دین کا درس دینا اور مقدمات کا فیصلہ کرنا جائز ہے۔ یہ

حدیث کتاب الحج میں آرہی ہے۔ وہاں اس پر مفصل گفتگو کی جائے گی۔

بَابُ مَنْ أَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرِ مِمَّا سَأَلَ

باب، سوال کرنے والے نے جتنا سوال کیا اس سے زیادہ جواب دینا

۱۳۴۔ اس باب میں اہم نے حدیث ذکر کی ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ جو احرام باندھے ہوئے ہو وہ کیا پہنے؟ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ قمیص، سحماہ، پاجامہ اور ٹوپی نہ پہنے۔ اہم نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ سائل کے سوال سے زیادہ جواب دینا جائز ہے۔ کیونکہ سائل نے صرف یہ پرچھا تھا کہ محرم کو نسا لباس پہنے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا فلاں فلاں لباس نہ پہنے۔ جواب سوال سے زیادہ ہے یہ حدیث کتاب الحج میں آ رہی ہے۔ وہاں ہم مفصل گفتگو کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

خاتمہ کتاب العلم ختم ہو گئی۔ اس کے بعد کتاب الوضوء شروع ہو گئی۔ کتاب العلم میں کل ۱۰۶ حدیثیں ہیں۔ ان میں فتاویٰ ثلاثہ یعنی تعلیق ۱۸ ہیں اور جن تعلیقوں کو امام نے وصل نہیں کیا چار ہیں۔ باقی انہی حدیثیں موصول ہیں جن میں کمر ۱۶ حدیثیں ہیں۔ بخلاف کمر اس کتاب میں صرف ۶۴ حدیثیں ہیں۔

كِتَابُ الْوُضُوءِ

۱۔ چونکہ ایمان کے بعد سب سے اہم فرض نماز ہے اور نماز کے لیے طہارت شرط ہے اس لیے اب وضو کا بیان شروع ہوتا ہے۔ بخاری کے بعض نسخوں میں کتاب الوضو کی جگہ کتاب الطہارت کے الفاظ آتے ہیں جو زیادہ مناسب تھے۔ نیز کہ طہارت عام ہے اور وضو خاص ہے۔ پھر لفظ کتاب بھی متقاضی تھا کہ بڑا عنوان لفظ عام (طہارت) سے قائم کیا جاتا۔

۲۔ اس کتاب میں طہارت کی ایک نوع وضو کو بیان کرنا مقصود ہے۔

۳۔ وضوء وضاء سے ہے۔ اُس کے معنی نفاثت کے ہیں۔ اس میں تین لغت ہیں۔ وضوء یہ نام ہے فعل کا، وضوء وہ پانی ہے جس سے نفاثت حاصل کی جائے۔ وضوء اک نفاثت کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں وضوء ہاتھ پاؤں اور چہرہ کو دھونے اور سر کے مسح کرنے کو کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَحَلَّ

باب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے متعلق کہ فرمایا

جب تم نماز کا ارادہ کرو (اور بے وضو رہو) تو اپنے

منہ اور اپنے ہاتھ کمینوں سمیت دھوؤ اور اپنے پاؤں

الخمنون سميت وهوو

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا

وَجُوهَكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسِكُوا

بِرْءُ سِبْكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَذِبِينَ (بخاری)

۱۔ امام نے آیت بطور تبرک لکھی ہے اور یہ بنانے کے لئے بھی کہ مسائل و مضمر میں آیت اصل (جہ) کا حکم کہتی ہے اور حدیث میں مضمر سے متعلق جو ہدایات بیان ہوں گی وہ اسی آیت سے مستفاد ہیں اور اسی کی تشریح و توفیح ہیں۔

صلوٰۃ، صلا سے مشتق ہے۔ صلا اس ہڈی کو کہتے ہیں جس پر سرین قائم ہے اور اصطلاح شرع میں صلوٰۃ ارکان مخصوصہ واذکار معلومہ کا نام ہے۔ قَاعِ عِشَلُوۃ۔ عِشَل کے معنی شریعت میں عضو پر پانی بہانے کے ہیں۔ اس طرح کہ کم از کم دو بوند پانی عضو سے بہ جائے۔ صرف عضو کو جھگو لینے یا تیل کی طرح پانی پھیلنے یا ایک آدھ بوند پانی بہ جانے کو غسل (دھونا) نہیں کہیں گے نہ اس سے وضو و غسل ادا ہوگا اور اگر عضو پر نجاست ہو تو پھر دھونے کے معنی یہ ہیں کہ اس طرح پانی بہایا جائے کہ نجاست بالکل زائل ہو جائے۔ وَجُوْهُ کُھَر۔ وجہ کی جمع ہے۔ شروع پیشانی سے جہاں سے بال جھنے کی ابتداء ہو۔ ٹھوڑی تک طول میں اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک پتھر ہے۔ اس حد کے اندر چلنے کے ہر حصہ پر ایک منہ پانی بہ جانا ضروری ہے۔ اگر بال برابر بھی سٹکھارہ گیا وضو نہ ہوگا۔ وایدیکھ۔ جمع ہے ید کی۔ موافق جمع ہے مسح کی۔ مسح کسی کو کہتے ہیں یعنی وضو میں ہاتھ کسی سمیت دھوئے جاتیں۔ و امسحوا مسح کے متعدد معنی ہیں۔ بیت زوارت کا نام زمین کو پانا، سفر کرنا، عرب بولتے ہیں۔ مسح الارض مسحاً مسیح المرأة مسحہ بالسيف۔ مسح الابل یومئھا (فانم)۔ اصطلاح شرع میں ہاتھ پر پانی کی جوڑی رہ جائے اس کو عضو پر پھیرنے کا نام مسح ہے۔ خواہ وہ تری اعضا کے دھونے کے بعد رہ گئی ہو یا نئے پانی سے ہاتھ کو تر کیا گیا ہو۔ رُو سک، اس کی جمع ہے۔ احاف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ ار جلمک، رجل کی جمع ہے اور کعب پاؤں کے ٹخنے کو کہتے ہیں۔ وضو میں ٹخنوں سمیت پاؤں کا دھونا بھی فرض ہے۔

وضو میں ایک بار اعضاء کو دھونا فرض ہے

وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَبَيْنَ النَّبِيِّ
 امام بخاری نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے (حدیث میں)

بیان کردیا کہ وضو میں ایک ایک بار اعضاء کا دھونا

(فرض) ہے۔ نیز آپ نے دو دویا راعضایہ وضو کو دھویا اور تین بار بھی۔ مگر تین بار سے زیادہ نہیں دھویا اور اہل علم نے وضو میں اسراف اور حضور علیہ السلام کے فعل سے بڑھانا مکروہ سمجھا ہے۔

إِنَّ فَرْصَ الْمَوْضُوعِ مَرَّةً مَرَّةً وَتَوَصَّاءُ
أَيْضًا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا وَكَمْ يَزِدُّ
عَلَى ثَلَاثٍ وَكَرَّةٍ أَهْلُ الْعِلْمِ الْإِسْرَافُ
فِيهِ أَنْ يُجَاوِزُوا فِئْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

۱۳۵- قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْبَلُ صَلَاةَ مَنْ أَحْدَثَ حَقًّا يَتَوَضَّأُ قَالَ رَجُلٌ مِنْ حَضَرَ مَوْتَ مَا أَخَذْتُ يَا أَبَاهُ رِيَّةً قَالَ فُسَاءٌ أَوْ صُرَاطٌ (بخاری)

فوائد ومسائل

الصَّوْبَةُ الطَّيِّبَةُ وَضَوْءُ الْمُسْلِمِ | پاک مٹی مسلمان کا وضوء ہے۔

فساء اور ضراط کے معنی | سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف پیچھے سے ہوا خارج ہونے کو حدث کیوں کہا؟ حالانکہ پیشاب و پاخانہ کا خارج ہونا بھی حدث ہے۔ شارحین نے اس سوال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ اول، سائل کو جو حکم ماقبلی انواع حدث کا علم تھا۔ اس

یہ ابوہریرہ سے صرف ”ہو کے خارج ہونے“ کے بیان پر اکتفا کیا۔ دوسرے، حضرت ابوہریرہ نے ہوا کے خارج ہونے پر اکتفا اس لیے کیا کہ جب ہوا کا خارج ہونا حدث ہے تو اس کی جگہ پیشاب یا خاندانی وغیرہ خارج ہونا تو وہ بطریق اولیٰ حدث ہوگا۔ سوم، حضرت ابوہریرہ کا مقصد صحت نہیں ہے کہ صرف فساد و مضراط ہی حدث ہیں۔ چہارم، یہ کہ سال نے پوچھا تھا کہ نماز کے اندر حدث کیا ہوتا ہے تو حضرت ابوہریرہ نے بتایا کہ نماز میں حدث یہی ہے کہ ہوا خارج ہو جائے۔ کیونکہ پانچاں و پیشاب عموماً نماز میں نہیں آتے تو ابوہریرہ نے سال کے سوال کے مطابق جواب دیا۔

مسائل حدیث

ہر قسم کی نماز کے لیے وضوء شرط ہے۔ خواہ وہ نماز فرض ہو یا واجب، جنازہ کی ہو یا عیدین کی اور اس مسئلہ پر علمائے اُمت کا اجماع ہے۔ بعض شافعیہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس نے قصد آبے وضوء نماز پڑھی وہ سخت گناہگار ہے اور حضرت امام اعظم سے منقول ہے کہ ایسا شخص کافر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص ازراہ غرور و استنہار آبے وضوء نماز پڑھے وہ کافر ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے حدث ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔

بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ وَالْفَرَائِضِ الْمُحَجَّلِينَ

باب، وضوء کی فضیلت اور ان لوگوں کی جو قیامت کے

مِنْ اَثَارِ الْوُضُوءِ

۱۳۶۔ عَنْ نَعِيمِ بْنِ الْمُجَمِّعِ قَالَ رَأَيْتُ
مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ تَوَضَّاءَ
فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ اَثَارِ الْوُضُوءِ
فَمَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ
فَلْيَفْعَلْ (بخاری شریف)

دن وضوء کے نشانوں سے سپید پیشانی والے ہوں گے
نعیم بن عبد اللہ مجمر سے روایت ہے انہوں نے کہا میں
ابوہریرہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا۔ ابوہریرہ نے
وضوء کیا۔ پھر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری اُمت کے لوگ قیامت کے
دن بکلائے جائیں گے۔ سپید پیشانیوں اور سفید ہاتھ پیر
والے وضوء کے نشانوں سے تو جو کوئی تم میں سے سفیدی
بڑھانا چاہے۔ وہ بڑھائے۔

وامد مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام مسلم علیہ الرحمۃ نے ہمارے ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث گیارہ صحابہ کرام نے روایت
کی ہے ۲۔ غُرٌّ، اغرائی کی جمع ہے۔ محجلین جمع ہے محجل کی۔ وہ سپیدی جو گھوڑے کے اگلے
دونوں پاؤں میں ہو اس کو محجل کہتے ہیں۔ المسجد میں الف لام ہمدی ہے۔ اس سے مسجد نبوی مراد ہے۔ نعیم مجمر
مجرم کا نفع کا مینہ ہے۔ اجمار کے معنی عود و عنبر و لوبان وغیرہ سے دھونی دینے کے ہیں کیونکہ حضرت نعیم مسجد نبوی میں
غشہ بکھرنے کے لیے لوبان وغیرہ سٹکایا کرتے تھے۔ اس لیے ان کو مجمر کہا گیا۔ يُدْعَوْنَ دُعا یعنی ندا ہے۔ یعنی اُمت
محمدیہ قیامت کے دن میزان پر بلائی جائے گی اور ان کے اعضاء وضوء نورانی ہوں گے اور عبادت محشر میں اعضاء
وضوء کی نورانیت ان کو دیگر انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں سے ممتاز کر دے گی۔

۳۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں اَشَارَ اَلْوُضُوْءُ بِكَبْرِىْكَ فَمَنْ اسْتَبْطَاعَ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا کلام ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل کی روایت میں خود تعظیم یہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ جملہ حضور علیہ السلام کا فرمودہ ہے یا حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔ اس کے علاوہ دس صحابہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر کسی میں یہ آخری جملہ نہیں ہے۔ ان یطیل غزۃ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اعضائے وضو کی نورانیت کو زیادہ کرنا چاہے تو وہ ان اعضا کو جس حد تک کہ ان کا دھونا ضروری ہے۔ اس سے زیادہ دھوے۔ مثلاً ہاتھ کہنیدن تک دھوئے جانتے ہیں تو ہاتھ کو مونڈھوں تک دھوئے۔ اس طرح دوسرے اعضا کو دھوئے۔ یہ حضرت ابوہریرہ کا اپنا مسک ہے جو مقبول نہیں ہوا لیکن ان یطیل غزۃ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا جائے تو بیسے ایک چیز کو ایک بار دھونے کے بعد دوسری بار دھونے سے نفاذت و پاکیزگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی وضو پر وضو کرنے سے آخرت میں اعضائے وضو کی نورانیت میں اضافہ ہوگا۔

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی چھت پر وضو کیا؛ اس سے مسجد کی چھت پر وضو کرنے کا جواز نکلتا ہے اور چونکہ مسجد اور اس کی چھت سب کا حکم ایک ہے۔ اس بنا پر حضرت ابن عباس و ابن عمر و عطاء و جعی و طاؤس و ابن قاسم و غیرہ صحابہ کرام و فقہاء عظام نے مسجد میں وضو کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جو جگہ مسجد میں وضو کے لیے مقرر کر دی گئی ہے وہاں تو جائز ہے لیکن مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا یہ قول دراصل حضور علیہ السلام کی ان قولی احادیث سے مستفاد ہے۔ جن میں مسجد کی نفاذت و پاکیزگی کو قائم رکھنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

واضح ہو کہ جو اہل علم مسجد میں وضو کے جواز کے قائل ہیں۔ وہ یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ جائز اس صورت میں ہے کہ جب مسجد خراب نہ ہو اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ اس زمانہ میں مسجد کی کچی ہوتی تھیں۔ زمین ریتلی تھی۔ پانی گرا اور جگہ جذب ہو گیا۔ اس لیے انھوں نے جواز کا قول کیا لیکن ہمارے زمانہ میں اگر مسجد کے اندر وضو کی اجازت ہو جائے تو پھر فرش کے خراب ہونے کے علاوہ نمازیوں کو بھی کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا اور مسجد کی نفاذت و پاکیزگی میں فرق آجائیگا۔ ان امور کے پیش نظر سوائے اس مقام کے جو وضو کے لیے مقرر ہے۔ مسجد کے باقی حصص پر وضو کرنا مکروہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شافعی علما نے کہا کہ مسجد میں وضو اس وقت جائز ہے جب کہ پانی وغیرہ برتن میں رہے۔ فرش زمین پر نہ گرے۔

۵۔ علما کرام نے فرمایا کہ قیامت کے دن حضور مرد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے وضو کرنے والوں کے اعضا نورانی ہوں گے اور یہ حضور علیہ السلام کی اُمت کے خصائص سے ہے۔ کسی دوسرے نبی کی اُمت میں یہ بات نہ ہوگی۔

۶۔ حدیث ہذا سے وضو کرتے والوں کی فضیلت معلوم ہوتی اور یہ کہ قیامت حق ہے۔ علامہ عینی نے لکھا کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ :-

مَا اَطْلَعَ اللّٰهُ نَبِيَّهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْمُعِیْبَاتِ الْمُسْتَقْبَلَةِ اِلَّا لَا يَطْلَعُ
کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو معیبات مستقبلہ و اخرویہ کے ان احوالات و صفات اور حالات پر مطلع

فرمایا۔ جن پر کسی اور نبی کو مطلع نہیں کیا گیا۔

عَلَيْهَا نَبِيٌّ غَيْرُهُ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَ

صَفَاتِ مَا فِيهَا

(یعنی ج ۱ ص ۶۷۰)

بَابُ لَا يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ

باب محض شک کی وجہ سے وضو نہ کرے جب تک کہ حدیث کا یقین نہ آجائے

حضرت عباد بن نعیم اپنے چچا (عبداللہ بن زید) سے رادہ ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ایک شخص ہے جس کو نماز میں ہوا نکلتے کا شبہ ہوا۔ آپ نے فرمایا (وہ نماز کو نہ چھوڑے یا نہ مڑے جب تک کہ ہوا نکلتے کی آواز نہ سنے یا بدبو نہ پائے۔

۱۳۷۔ عَنْ عِبَادِ بْنِ نَعِيمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ شَكَّى إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ الَّذِي يُحْتَلِلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ لَا يَنْقُضُ لَوْ أَنَّهُ يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا (بخاری)

فوائد ومسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب البیوع اور باب من لم یرائی ... الخ میں ذکر کیا اور نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد نے کتاب الطہارت میں ذکر فرمایا ۲۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جب تک حدیث کا یقین نہ ہو جائے تب تک نماز نہ چھوڑے اور وضو کے لیے نہ جائے۔ یعنی اگر نماز میں شک ہوا کہ ہوا نکلی ہے تو محض شک کی وجہ سے وضو نہ جائے گا۔ ہاں اگر یقین ہو جائے کہ ہوا خارج ہوئی ہے خواہ آواز نہ ہو یا نہ ہو۔ بدبو محسوس ہو یا نہ ہو مگر یہ یقین ہو کہ ہوا نکلی ہے تو اس صورت میں وضو جانا رہے گا اور یہ حکم صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے یعنی اگر کھانا نماز ہوا نکلتے کا شبہ ہو تو جب تک یقین نہ ہو وضو نہیں ٹوٹے گا البتہ شک کی صورت میں دوبارہ وضو کرنے میں حرج نہیں۔ بشرطیکہ دوسرے کے مرض میں مبتلا نہ ہو۔

چنانچہ علامہ عینی نے حدیث ہذا کے اس ٹکڑے ”حَتَّى يَسْمَعَ“ کا ”یَجِدُ رِيحًا“ کے تحت لکھا ہے جو شخص بہرا ہو وہ آواز نہیں سُن سکتا اور جس کی قوتِ شناعت ختم ہو گئی ہو اس کو بدبو نہیں آ سکتی۔ اس کے علاوہ بعض اوقات ہوا نکلتے کا احساس ہوتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ ہوا نکلی ہے مگر اس میں آواز اور بو نہیں ہوتی تو اس سے واضح ہوا کہ یہ حکم بُو اور بُو کی آواز کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مطلب حدیث یہ ہے کہ جب ہوا نکلتے کا یقین ہو تو وضو جانا ہوتا ہے۔ خواہ آواز یا بو نہ ہو یا نہ ہو۔ علامہ فقہانے فرمایا کہ حدیث ہذا سے ایک کلیہ قاعدہ نکلتا ہے کہ کوئی یقینی کام شک کی وجہ سے زائل نہ ہوگا۔ یعنی ہر شے اپنے اصل حکم پر باقی رہے گی تا وقتیکہ اس کے خلاف پر یقین نہ آجائے اور محض شک سے اس شے کا اصل حکم باطل نہ ہوگا مثلاً ہر کپڑا، ہر فرش یا ہر جگہ پاک ہے تو اگر شک ہو کہ یہ نجس ہوگا تو وہ پاک ہی سمجھا جائیگا۔ محض شک کی وجہ سے اسے نجس نہ کہیں گے جب تک یقینی طور پر نجاست معلوم نہ ہو جائے۔ اسی طرح با وضو ہونے پر یقین ہے۔ تو محض اس شبہ کی بنا پر کہ ممکن ہے وضو ٹوٹ گیا ہو، وضو نہیں ٹوٹے گا یا مثلاً وضو کے بعد شک ہوتا ہے کہ کسی عضو کو نہیں دھویا ہے یا اعضاء وضو میں سے کوئی جگہ سوکھی ہو گئی ہوگی تو اس صورت میں محض شک وضو کی صحت میں خلل انداز نہ ہوگا۔ یورنی کسی کے منہ سے شراب کی بدبو آ رہی

ہے مگر وہ نہ تو اقراری ہے اور نہ ہی اس پر کوئی گواہ ہے۔ تو ایسی صورت میں حد جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ حدود شہادت سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ حدیث نہ ایں وہیمیں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ وہم میں مبتلا نہ ہوں۔ وہم پر کسی چیز کی بنیاد نہ رکھیں۔ اسی سے یہ مسئلہ بھی نکلنے ہے کہ بعض مشک و شبہ کی بنا پر کسی مسلمان سے بدگمان نہ ہونا چاہیے۔

بَابُ التَّخْفِيفِ فِي الْوُضُوءِ

باب ہلکا وضوء کرنے کے بیان میں

ہلکا وضوء کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اعضاء وضوء سے کسی عضو کو نہ دھویا جائے یا صرف تیل کی طرح پانی اس طرح چڑھ لیا جائے کہ دو قطرے پانی بھی نہ پٹکے بلکہ ہلکا وضوء کرنے سے مراد یہ ہے کہ تین تین مرتبہ دھونے کی بجائے ایک ایک بار دھویا جائے یا ایسے دھوئے کہ اعضاء پر سے زیادہ پانی نہ بچے بلکہ صرف دو قطرے برعوض سے نہیں۔

۱۳۸۔ اِبْنُ عَبَّاسٍ قَالَ بَيَّنَّ عَلَيْنَا خَالِيٌّ مَيْمُونَةُ لَيْلَةً فَقَامَ الرَّسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَيْءٍ مَعْلُومٍ وَضَوْءٌ خَفِيفٌ بِخَفِيفَةِ عَمْرٍو وَيَقْلِلُهُ وَقَامَ يُصَلِّيُ فَتَوَضَّأَتْ نَحْرًا مِمَّا تَوَضَّأَتْ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ عَنْ شِمَالِهِ فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ صَلَّى مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ اضْطَجَعَ نِسَاءً مَحْشًى نَفَخَ ثُمَّ أَتَاهُ الْمُسَادِقِيُّ فَادْنَاهُ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ قُلْنَا لِعَمْرٍو إِنَّ نِسَاءً يَقُولُونَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنُهُ رَأَوْنَاهُ قَبْلَهُ قَالَ عَمْرٍو سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ يَقُولُ رَوَّيَا الْأَنْبِيَاءَ وَحَيٌّ ثُمَّ فَتَرَا إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ (بخاری شریف)

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں رات گزاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہوئے۔ جب بخور پڑی رات گزر گئی۔ آپ اٹھے اور آپ نے ایک پُرانی مشک جو لٹک رہی تھی۔ اس سے وضوء فرمایا (عمر بن دینار اس وضوء کے پلکے پن کو بیان کرتے تھے) اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ میں نے بھی آپ کی طرح وضوء کیا اور آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا (سفیان نے یہاں کی جگہ شمال کا لفظ روایت کیا دونوں کے معنی ایک ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کر لیا۔ پھر حضور نے نفل پڑھے جتنے اللہ نے چاہے۔ اس کے بعد کرۂ پر آرام فرما ہوئے یہاں تک خراٹے لینے لگے۔ پھر موزن آیا اور آپ کو نماز کے لیے جگایا۔ آپ اس کے ساتھ نماز کے لیے تشریف لے گئے اور نماز پڑھی مگر وہ نہ کیا۔ سفیان نے کہا ہم نے عمرو سے کہا بعض لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی آنکھیں سوتی ہیں۔ وہ نہیں سوتا۔ عمرو نے جواب دیا۔ میں نے عبد بن عمر سے سنا وہ کہتے تھے انبیاء کے خواب وحی ہیں۔ پھر سورہ صافات کی آیت پڑھی۔ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ... الخ یعنی بیشاں میں خواب میں دیکھا

ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔

فوائد مسائل

اس حدیث کو امام نے کتاب الصلوٰۃ کتاب العلم میں بھی ذکر کیا ہے۔ مسلم و ترمذی نے صلوٰۃ میں ابن ماجہ و نسائی نے طہارت میں ذکر کیا۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقص و غور نہیں کیونکہ نیند کی حالت میں بھی حضور علیہ السلام کا دل بیدار رہتا ہے۔

۲۔ حضرت عبید بن حمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ صافات کی آیت سے یہ استدلال فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں

وحی ہوتے ہیں۔ کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خواب کی ہدایت پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا اقدام فرمایا تھا اور قرآن پاک نے ان کے اس اقدام کو غلط نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کی مدح کی جس سے ثابت ہوا کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی نہیں ہوتے تو نہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ذبح فرزند کا اقدام کر سکتے تھے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تحسین ہو سکتی تھی۔ جس سے واضح ہوتا ہے انبیاء کرام کا خواب بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے جاگتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ہو یا بذریعہ فرشتہ کوئی حکم آتا ہو۔ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس خواب کے من جانب الہی ہونے پر پورا بخرو

تھا تو انھوں نے اپنے فرزند سے فائز مارتی کیوں فرمایا۔ جب یہ خدا کا حکم تھا تو بیٹے سے رائے لینے کی کیا ضرورت تھی؟ اس شبہ کے جواب میں مفسرین نے فرمایا کہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس خواب کے وحی الہی ہونے میں تو قطعی حتماً کوئی شبہ و مذہب نہ تھا کیونکہ اس سوال سے خود بیٹے کی آزمائش ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ | اے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں تو تیری کیا رائے ہے۔

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا۔

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ | اے باپ! جو آپ کو حکم ملے اس کی تعمیل کیجئے۔ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

غور کیجئے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا یہ جواب بھی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خود بھی اس خواب کو وحی ربانی سمجھتے تھے جسے تو انھوں نے ”مَا تُؤْمَرُ“ (جو آپ کو حکم ملے) اس کی تعمیل کیجئے“ فرمایا۔ اگر خالی اپنے والد مکرم کی اطاعت مقصود ہوتی تو آپ کے جواب کے الفاظ یہ ہوتے ”اَفْعَلْ مَا تُشَارِي“ جو آپ مناسب سمجھیں کیجئے“۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے ان الفاظ سے جواب نہیں دیا بلکہ ”اَفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ“ کے الفاظ کہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کا خواب بھی وحی الہی ہوتا ہے۔

انبیاء کرام کے خواب شیطانی اثر و تسلط سے پاک ہوتے ہیں

۱۔ انبیاء کے کرام کے خواب شیطانی اثر و تسلط سے قطعاً حتماً محفوظ ہوتے ہیں اور انہیں وحی کے بارے میں یہ شک ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ معاذ اللہ شیطانی ہے یا رحمانی۔ انبیاء کرام کو وحی الہی میں دھوکہ، مغالطہ، شبہ و لغزش اور خطا و غلطی نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ بتقاضائے حکمت اللہ تعالیٰ کے نبی کو تعبیر ہو یا کے بارے میں

کبھی ابتداء عارضی خلافت پر ہوا جس کا وقوع بھی بغیر اذن الہی نہیں ہوتا۔ پھر حکمت خداوندی پورا کرتے ہی وہ خلافت و زور زائل ہو جاتا ہے یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی بھیجے کہ بعد اس کی تعبیر و مراد اصل مقصود و مطلوب کو ابتدا میں اپنی حکمت پر کر کے لیے نبی پر مخفی فرما دے اور نبی کو وحی کے اصل مقصود و مطلوب کے سمجھنے میں عارضی خلافت پر ہوا کے اور پھر وہ خلافت مراد الہی ایک کام کا ارادہ فرمائے۔ ایسا تھا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی واقع ہوا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرزند کا جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر کو پردہ خدائیں رکھا گیا کیونکہ مراد الہی ذبح اسماعیل علیہ السلام اگر ذبح اسماعیل ہی مراد الہی ہوتی تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بات کا ارادہ کرے اور وہ پردہ پر ہی نہ ہو۔ پس اس خواب میں جو انھوں نے دیکھا مراد الہی ترمیم نہ تھی بلکہ کاذب ہونا ہی تھا مگر اللہ عز و جل نے اپنی حکمت پر کر کے لیے اس خواب کی اصل مراد کو حضرت ابراہیم پر مخفی فرما دیا اور (خلافت مراد الہی) ذبح فرزند پر تیار ہو گئے۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کو بچا لیا اور اس کی جگہ مینہ ڈھا ذبح ہو گیا۔ جس سے واضح ہوا کہ اس خواب سے مراد الہی ذبح اسماعیل علیہ السلام نہ تھی۔ مگر ہوتی تو ان کو ذبح ہونے سے نہ بچایا جاتا۔ چنانچہ مفسرین عظام نے لکھا کہ:-

”سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بارگاہ خیال میں جو صورت دیکھی تھی اس سے اصل مقصود ذبح ولد کی تعبیر ذبح کبش کے ساتھ تھی ورنہ حضرت اسماعیل کو ذبح ہونے سے نہ بچایا جاتا۔“

صاحب روح البیان نے لکھا:-

”سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بارگاہ خیال میں جو صورت دیکھی تھی اس سے وہ اصل مقصود کی طرف بایں طور تجاوز فرماتے کہ اپنے تمثیلی خواب یعنی ذبح ولد کی تعبیر ذبح کبش کے ساتھ لینے (یعنی جو خواب انھوں نے دیکھا کہ میں اپنے فرزند کو ذبح کر رہا ہوں۔ اس خواب سے مراد الہی تھی یعنی ذبح ہونا اور وہ ذبح فرمادیتے) تو اول اتفاق پر ان کے کمال فنا اور جذبہ ایمان و استسلام ظاہر نہ ہوتا۔ اسی طرح ان کے بیٹے کے جذبہ فرمانبرداری و اطاعت و کمال صبر و استقامت کا ظہور بھی نہ ہوتا۔ اس حکمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے خواب کی تعبیر کو ان پر مخفی فرمادیا۔ تاکہ ان کی کمال اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہو جائے۔ گویا خواب کے اصل مقصود کو ان پر مخفی رکھا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔“ (روح البیان جلد ۹ ص ۲۷۷)

یابیعہ کے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ اِنِّي اُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ اِلَى اَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهَلَى اِلَى اَشْهَاءِ الْبَيِّنَاتِ اَوْ هَجَرْتُ فَاِذَا هِيَ مَدْيَنَةُ يَثْرِبَ (بخاری و مسلم)

ہجرت کے متعلق حضور علیہ السلام نے جو خواب دیکھا اور پھر ابتداء میں اس خواب کی تعبیر آپ پر مخفی رہی۔ آپ نے خیال فرمایا۔ مقام ہجرت یامدینہ یا ہجر ہے مگر مقام ہجرت مدینہ قرار پایا۔ یہ بھی ایک عارضی تھا۔

دایک کو لاحق ہوا اور حکمت الہی پوری ہو جانے کے بعد وہ زائل ہو گیا۔ غرض کہ نبی کو اپنے خواب کے حق و صواب ہونے اور منجانب اللہ ہونے میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ البتہ خواب کی تعبیر اور اس کے اصل مقصود و مراد الہی کے بارے میں حکمت خداوندی کے مطابق کبھی ابتداء عارضی خلافت ہو سکتا ہے۔۔۔ خوب یاد رکھئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اگر اپنے دویا کے مقدسہ سمجھنے میں کبھی تردد و تفکر واقع ہوتا ہے تو اس کو غلطی سے تعبیر کرنا جائز نہیں بلکہ یہ تاہل ان کی عدم توجہ پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کو کسی وقت بھی ایسے حالات پیش آئیں تو ہو سکتا ہے کہ عوام ان کے علم کو ذاتی تصور کر لیں اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو جائیں۔ لہذا خالق مخلوق اور علم ذاتی و عطا کی طرف کو برقرار رکھنے کے لیے انبیاء علیہم السلام پر عدم توجہ اور ذہول جیسے حالات طاری ہو جاتے ہیں اور ان کا طربان عارضی ہوتا ہے۔ حکمت الہیہ کے پورا ہو جانے کے بعد وہ بخفا اور تردد ایک آن کے لیے باقی نہیں رہتا۔ (فاہم)

۲۔ اس حدیث کے بانی مسائل یہ ہیں :- وضو میں اعضا کو دھونا فرض ہے اور تین تین بار ہر عضو کو دھونا سنت ہے اور کم سے کم دھونے کا درجہ یہ ہے کہ اعضا پر اس طرح پانی بہایا جائے کہ دو قطرے پانی بہ جائے کیونکہ عضو کے دھونے کے معنی یہ ہیں کہ اس عضو کے ہر حصہ پر کم از کم دو بوند پانی بہ جائے۔ صرف جھیک جانے یا نیل کی طرح پانی پھیر لینے یا ایک آدھ بوند پانی نہ جانے کو دھونا نہیں کہتے۔ نہ اس سے وضو یا غسل ادا ہوگا۔ اس امر کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نادانانہ امارت جاتی ہیں۔

۳۔ اس حدیث میں ہلکا دھونے کا یہی مطلب ہے کہ اعضا کو ایک ایک بار دھویا جائے تو وضو ہو جائے گا یا یہ کہ اس طرح اعضا کو دھویا جائے کہ پانی زیادہ نہ بہے بلکہ دو بوند بہ جائے۔

۴۔ فقید سے انبیاء علیہم السلام کا وضو نہیں جانا کیونکہ ان کا قلب ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں غیثہ ناقض وضو نہیں ہے۔ بلکہ غیثہ کو ناقض وضو اس لیے کہتے ہیں کہ جب آدمی سوتا ہے تو بے خبر ہو جاتا ہے۔ اس کے اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور ہوا کے نکلنے کا احساس نہیں ہوتا حالانکہ ہوا نکل جاتی ہے۔ بربط انبیاء کے کہ ان کی آنکھیں بظاہر غیثہ میں ہوتی ہیں مگر دل پر خلعت طاری نہیں ہوتی۔

۵۔ جب مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو۔ امام احمد کا قول یہ ہے کہ بائیں طرف کھڑا ہونے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ حضرت امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی ایک ہی ہو تو وہ امام کے بائیں طرف کھڑا ہو یا امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے تو نماز باطل نہ ہوگی البتہ ایسا کرنا خلاف سنت ہے اور بُرا ہے۔

۶۔ ایک ہی وضو سے نفل اور فرض پڑھ سکتے ہیں بلکہ جب تک وضو باقی رہے اسی وضو سے جس قدر فرائض و نوافل چاہیں پڑھے جاسکتے ہیں۔ ۷۔ نفل نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

۸۔ دو آدمی ہوں تو ایک آدمی مقتدی اور دوسرا امام بن جائے جماعت کا ثواب مل جائیگا۔

۹۔ جس طرح فرض نماز کلام کرنے سے باطل ہو جاتی ہے اسی نفل بھی باطل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بایں جانب کھڑے ہوئے تو آپ نے ان کا سر پکڑ کر یا ہاتھ پکڑ کر یا بازو پکڑ کر اپنی دائیں طرف پھیر لیا اور کلام نہ فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اتنے عمل سے نماز خاسد نہیں ہوتی۔

۱۰۔ نماز کی اصلاح کے لیے ہاتھ پاؤں بلانا جائز ہے ۱۱۔ مؤذن کا نماز کے لیے امام کو جٹانایا بلانا درست ہے ۱۲۔ ہوشیار بچہ کی نماز درست ہے اگرچہ نابالغ کی امامت درست نہیں ہے۔

اس حدیث میں رات کے نوافل کا ذکر ہے جو پہلے واجب تھے پھر ان کی واجبیت منسوخ ہو گئی۔ اب رات کو سونے کے بعد تہجد پڑھنا سنت ہے اور تہجد پڑھنے والوں کو حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے (ترمذی شریف)

بَابُ اسْبَاحِ الْوُضُوءِ

باب پورا وضوء کرنے کے بیان میں

لغت میں اسباغ کے معنی پورا کرنے اور تمام کرنے کے آتے ہیں۔ وضوء میں اسباغ یہ ہے کہ اعضاء وضوء کے ہر حصہ کو مکمل طور پر دھویا جائے۔ اس طرح کہ عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہے خواہ ایک ہی بار دھوئے لیکن اسباغ کے فضائل کی حدیث پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسباغ وضوء کا یہ مطلب ہونا چاہئے کہ ہر عضو کے ہر حصہ کو تین تین بار دھویا جائے۔

قَالَ ابْنُ عَسَاكَرٍ اسْبَاحُ الْوُضُوءِ
حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ اسباغ وضوء کے معنی اعضاء کو خوب اچھی طرح دھونے کے ہیں

اس تعلیق کو امام عبد الرزاق علیہ الرحمۃ نے معمولاً اسناد صحیح کے ساتھ اپنے معنی میں ذکر کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسباغ کی تفسیر انفاق کے لفظ سے کی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اسباغ کے معنی لغت میں انعام کے ہیں اور انعام کو انفاق لازم ہے تو حضرت ابن عمرؓ نے شی کی تفسیر اس کے لازم سے فرمادی کیونکہ جب ہر عضو کو تین تین بار خوب اچھی طرح دھویا جائیگا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اعضاء سے میل کیل نائل ہو جائے گا۔

۲۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو سات بار دھوتے تھے۔ لیکن وہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتے تھے اور نہ سات بار دھونے کو سنت سمجھتے تھے بلکہ بوقت ضرورت جب کہ پاؤں پر زیادہ میل کیل جم جانا ہوگا تو اس صورت میں ایسا کرتے ہوں گے اور یہ جائز ہے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے واپس ہوئے جب گھائی میں پہنچے (جہر سے حاجی جاتے ہیں) تو آپ اترے پیشاب کیا پھر وضوء کیا لیکن پورا وضوء نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز پڑھے گا۔ آپ نے فرمایا۔ آگے چل کر پڑھیں گے۔ پھر آپ سوار ہوئے۔ جب مزدلفہ پہنچے تو اترے

۱۳۹۔ دَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالشَّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ شَعْرًا تَوَضَّأَ وَلَمْ يَسْبِغِ الْوُضُوءَ فَقُلْتُ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَنَزَلَ الصَّلَاةَ أَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمَرْدِفَةَ نَزَلَ

فَتَوَضَّأَ فَاسْبَغَ الوُضُوءَ ثُمَّ
اُقْبِمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ
ثُمَّ اَنَاسَ كُلَّ اِنْسَانٍ بَعِيْرَهُ
فِي مَنْزِلِهِ ثُمَّ اُقْبِمَتِ الْعِشَاءُ
فَصَلَّى وَكَمْ يُصَلِّي بَيْنَهُمَا
(بخاری شریف)

اور وضو کیا پورا وضو۔ پھر نماز کی تکبیر کہی گئی۔
آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ بعد اس کے کہ
ہر آدمی نے اپنا اونٹ اپنے ٹھکانے میں (جہاں
وہ اُترنا چاہتا تھا) بٹھایا۔ پھر عشاء کی تکبیر ہوئی۔
آپ نے عشاء کی نماز پڑھی اور دونوں کے درمیان
کوئی نماز نہیں پڑھی (یعنی مغرب و عشاء کے فرضوں
کے درمیان کوئی سنت یا نفل نہیں پڑھی)

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے حج و حمارت میں اور مسلم نسائی اور ابو داؤد نے صرف
حج میں ذکر کیا۔

قوائد و مسائل

۲۔ حضرت اسام بن زید حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی ہیں۔ ان کے والد اور دادا بھی صحابی
تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم، آپ کے والد زید کا نام قرآن کریم میں آیا۔ آپ کی انگوٹھی کے نقش کی عبارت، حُبُّ رَسُوْلِ
اللہ، اللہ کے رسول کا محبوب) تھی۔ آپ سے کل ایک سو اٹھائیس حدیثیں مروی ہیں۔ جن پر بخاری و مسلم نے ہند
پر اتفاق کیا اور دو کو بخاری نے اور دو کو مسلم نے منفرداً ذکر کیا۔ اسام نامی چھ صحابی ہیں لیکن اسام بن زید صرف ہی ہیں
حضرت اسام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ سال کی عمر میں شکر کا سرور بنا دیا تھا۔ بوقت وصال نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم ان کی عمر ۲۴ سال تھی۔ وادی القرطیٰ میں بعد شہادت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ۳۵ھ میں وفات پائی۔

۳۔ یہ واقعہ حج کے موقع کا ہے جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وقوف عرفات سے فارغ ہو کر مزدلفہ آ رہے تھے
راستہ میں آپ نے پیشاب کیا اور اس کے بعد خفیف وضو فرمایا۔ حضرت اسام نے عرض کی۔ حضور مغرب کی نماز پڑھیے گا؟
فرمایا۔ نماز کی جگہ تیرے آگے ہے یعنی مغرب و عشاء کے وقت میں مزدلفہ پہنچ کر پڑھی جائے گی۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ
علیہ و محمد بن حسن نے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ عرفات سے واپسی مغرب کو عشاء کے وقت تک مؤخر کرنا واجب
ہے۔ اگر کسی نے راستہ میں مغرب اس کے وقت میں پڑھ لیا تو جائز نہ ہوگی۔ اس کو مغرب دوبارہ عشاء کے وقت میں مزدلفہ
پہنچ کر پڑھنا ہوگی۔ مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھنے کا حکم صرف اس شخص کے لیے ہے جو عرفات سے مزدلفہ آئے۔
لیکن وہ شخص جو رات کو عرفات ہی میں رہ گیا یا مزدلفہ کے سوا کسی دوسرے راستہ سے آیا تو اُسے مغرب کی نماز اپنے وقت
میں پڑھنی ضروری ہے۔ امام زفر اور کوفیوں کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے۔

۴۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مزدلفہ پہنچ کر پہلے مغرب پڑھی۔ پھر لوگوں نے اپنے اپنے اونٹ اور
سامان محفوظ کیا۔ اس کے بعد عشاء پڑھی گئی۔ جس سے واضح ہوا کہ مغرب و عشاء کے درمیان مولات واجب نہیں ہے لیکن
حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ مزدلفہ پہنچنے ہی اسباب وغیرہ اتارنے سے پہلے مغرب اور پھر
عشاء پڑھی جائے اور مغرب و عشاء کے درمیان فصل نہ کیا جائے جیسا کہ صحیح روایات میں آیا ہے۔ اِنَّهُمْ صَلَّوْا قَبْلَ

حَطَّ رِجَالَهُمْ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول ہے۔

۴۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے بعد سنتیں وغیرہ نہیں پڑھیں بلکہ اس کے بعد، شام پڑھی۔ معلوم ہوا کہ مغرب کی سنتیں اور وعشاء کی سنتیں اور وتر وغیرہ عشاء کے بعد پڑھے جائیں گے۔ اسی سے امام اعظم علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال کیا کہ اگر مغرب کے بعد سنتیں پڑھ لیں یا کوئی اور کام کیا پھر وعشاء پڑھی تو یہ بات مغرب و عشاء کی جمع میں خلل ہوگئی۔ اس لیے اب وعشاء کے وقت بھی اقامت کی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث زیر بحث میں مذکور ہے کہ مغرب کے لیے الگ اقامت کی گئی۔

۵۔ حضرت عبدالرحمن بن یزید، اسود، مالک، شافعی و امام احمد بن حنبل و حضرت فاروق اعظم و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ مغرب کے لیے علیحدہ اور عشاء کے لیے علیحدہ اقامت کی جائے۔

۶۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و ابویوسف و امام محمد کا مسلک یہ ہے کہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے لیے ایک اذان اور ایک اقامت کی جائے جیسا کہ حضرت جابر و عبد اللہ بن عمر و ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور اگر مغرب کے بعد کوئی اور کام کر لیا تو پھر وعشاء کے لیے بھی اقامت کی جائے۔ اس مسئلہ میں امام کی دلیل حدیث زیر بحث ہی ہے (فاختم)

۷۔ اس حدیث میں اذان کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن امام شافعی، امام احمد، ابو ثور، عبد الملک بن الماجشون المالکی فرماتے ہیں کہ صبح ہی ہے کہ مغرب کے لیے اذان کی جائے، عشاء کے لیے نہیں۔ امام طحاوی کا یہی مذہب ہے۔

۸۔ مزدلفہ پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اسباغ فرمایا۔ یعنی خوب اچھی طرح وضو فرمایا یا اعضا وضو کو تین تین مرتبہ دھویا۔ باب سے حدیث کے صرف اتنے ہی ٹکڑے کا تعلق ہے۔ وَكَهْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا کا مطلب یہ ہے کہ مغرب و عشاء کی سنتیں اور وتر وغیرہ عشاء کے بعد پڑھے جائیں تو جب مغرب و عشاء کے فرضوں کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی سنتوں کو بھی نہیں پڑھا تو اس سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ مغرب و عشاء کے فرضوں کے درمیان کسی کام کو کر کے فصل نہ کیا جائے مگر جب کہ ضرورت ہو تو حرج نہیں۔ جیسے صحابہ کرام نے اونٹوں کو مغرب پڑھ کر باندھ دیا کیونکہ ان کے کھلے رہنے میں حرج تھا۔

۹۔ اس حدیث سے امام شافعی نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ قضا نماز کے پڑھنے کے لیے صرف اقامت کی جائے اذان نہیں لیکن ان کا یہ استدلال تام نہیں کیونکہ اس موقع پر مغرب کو جو عشاء کے وقت پڑھا جا رہا ہے یہ قضا نہیں ہے بلکہ ادا ہے اسی لیے مغرب کو ادا کی نیت سے پڑھتے ہیں نیز شارع علیہ السلام نے اس موقع پر مغرب کے لیے عشاء کا وقت مقرر فرمایا ہے تو اس لحاظ سے بھی یہ ادا ہی ہے قضا نہیں ہے۔

بَابُ غَسْلِ الْوُجْهِ بِالْيَدَيْنِ مِنْ غُرْفَةٍ وَاحِدَةٍ

باب ایک ہاتھ سے پانی کا چلو لے کر دونوں ہاتھوں سے منہ دھونے کے بیان میں

۱۔ اس عنوان سے امام بخاری کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وضو کرنے کے لیے دونوں ہاتھوں سے چلو لینا واجب نہیں ہے۔

جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے ایک ہاتھ سے پانی کا چلو لیا اور منہ دھوتے وقت دونوں ہاتھوں سے دھویا اور فرمایا۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ۲۔ دونوں ہاتھوں میں مناسبت یہ ہے کہ پہلے میں حضور علیہ السلام کے وضو کے طریقہ کا بیان تھا۔ اس میں اس کی تفصیل ہے۔

۱۴۰۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ تَوْصِيَةً
فَعَسَلَ وَجْهَهُ أَحَدَ عُرْفَتِهِ مِّنْ مَّاءٍ
فَتَمَضَّضَ بِهَا وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ أَخَذَ
عُرْفَتَهُ مِّنْ مَّاءٍ فَجَعَلَ بِهَا هَلَكَةً
أَصَافَهَا إِلَى يَدِهِ الْأُخْرَى فَعَسَلَ
بِهَا يَدَهُ الْيُسْرَى ثُمَّ أَخَذَ عُرْفَتَهُ
مِّنْ مَّاءٍ فَعَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرَى
ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ أَخَذَ عُرْفَتَهُ
مِّنْ مَّاءٍ فَرَشَّ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى حَتَّى
غَسَلَهَا ثُمَّ أَخَذَ عُرْفَتَهُ الْأُخْرَى فَعَسَلَ
بِهَا رِجْلَهُ يَفْنِي الْيُسْرَى ثُمَّ قَالَ هَكَذَا
رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَتَوَضَّأُ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وضو کیا
اپنا منہ دھویا۔ ایک چلو پانی لیا۔ اس سے
ٹکلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ پھر ایک چلو پانی
لیا (ایک ہی ہاتھ سے) اور اس طرح کیا کہ اس کو
جھکا کر دوسرے ہاتھ پر ڈال دیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے
اپنا منہ دھویا۔ پھر ایک اور چلو پانی لیا اور اس سے
اپنا سیدھا ہاتھ دھویا۔ پھر ایک اور چلو پانی لیا اور اس
سے اپنا بائیں ہاتھ دھویا۔ پھر اپنے سر پر مسح
کیا۔ پھر ایک اور چلو پانی لیا۔ دائیں پاؤں
پر چھپڑکا۔ اس کو دھو ڈالا۔ پھر ایک اور
چلو پانی لیا۔ اس سے بائیں پاؤں کو دھویا۔
اس کے بعد کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث کو ابن ماجہ، نسائی اور ابوداؤد نے ہمارے ذکر کیا۔ نسائی کی حدیث میں کانوں
کے مسح کرنے کا ذکر ہے۔ امام بخاری حضرت ابن عباس سے اس حدیث میں منقول ہیں۔ امام
مسلم نے حضرت ابن عباس سے وضو کے باب میں کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ ۲۔ مضمضہ کے لغوی معنی پانی کو منہ
میں لے کر حرکت دینے کے ہیں اور وضو میں اس کا مطلب یہ ہے کہ منہ میں پانی کو لے کر حرکت دی جائے تاکہ سر سے منہ
میں پھر جائے۔ اس کے بعد ٹکلی کر دی جائے۔ ۱۔ استنشاق کے معنی ناک میں پانی داخل کرنے کے ہیں اور وضو میں
اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی کو ناک میں کھینچا جائے۔ یہاں تک کہ نرم ہڈی (جہاں پانی پہنچ کر لگتا ہے) تک پانی پہنچ جائے
اس کے بعد اس کو جھار دیا جائے۔ وضو میں ٹکلی کرنا اور ناک میں پانی لینا سنت مؤکدہ ہے اور غسل میں فرض ہے۔ لہذا
غسل جنابت میں اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے ورنہ غسل نہ ہوگا۔

مسائل حدیث

۱۔ اس حدیث میں ایک ایک مرتبہ ہر عضو کے دھونے کا بیان ہے۔ جس پر سب کا اجماع ہے
کہ استنہاد فرض ہے ۲۔ جس ترتیب سے حضرت ابن عباس نے وضو کر کے دکھا اسی ترتیب
سے وضو کرنا مسنون ہے ۳۔ حضرت ابن عباس نے ایک ہی چلو پانی سے ٹکلی بھی کی اور ناک میں پانی لیا یہ بات ہے لیکن مضمضہ

واستشق کے لیے الگ الگ پانی لینا افضل ہے جیسا کہ طبرانی والیرواد میں حدیث ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں
 فَاحْذَرِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مَا عَجِدَ بِيَدِ ۴۱۔ یہ بھی سنت ہے کہ مختصر واستشق واجب ہے ہاتھ سے کیا جائے۔ حضرت امام
 حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سیدھے ہاتھ سے ناک میں پانی لیا۔ اس پر حضرت معاویہ نے اعتراض کیا اور کہا کہ برکت
 رسول سے جہالت ہے۔ حضرت امام حسن نے فرمایا۔ سنت تو ہمارے گھروں سے نکلی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ نبی علیہ السلام
 نے فرمایا۔ اَلْيَسَّامِينَ لَوُجْهِهِ وَالْيَسَّارُ لِلْيَقْعَدِ۔ سیدھا ہاتھ منہ کے لیے ہے۔ اور بایاں ہاتھ استنجہ کے لیے
 (بدائع) البتہ ناک بائیں ہاتھ سے ساف کرنی چاہیے ۵۔ اس حدیث میں سر کے مسح کے لیے پانی لینے کا ذکر نہیں جس سے ثابت
 ہوتا ہے کہ مسح کے لیے ہاتھ تر ہونا ضروری ہے اور جو تری اعضا کے بعد روکھی ہوا اس سے بھی مسح کیا جاسکتا ہے۔ حضرت
 امام ادنای وحسن وعروہ کا یہی مسلک ہے لیکن امام شافعی و مالک کہتے ہیں ہاتھ میں جو تری رہ جاتی ہے اس سے مسح جائز نہیں۔
 بلکہ مسح کے لیے دوبارہ ہاتھ کو تر کرنا چاہیے جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ابن عباس نے مسح کے لیے ایک چٹو پانی لیا اور
 ہاتھ کو چھڑک کر مسح کیا۔ لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ میں جو تری رہ گئی اس سے مسح کیا اور اندر
 ہاتھ کو تر نہ کیا تو جب دونوں طرح حدیث میں مذکور ہے تو اعضا کے دھونے کے بعد جو تری رہ جاتی ہے اس سے بھی مسح
 جائز ہونا چاہئے اور یہ بھی جائز ہے کہ مسح کے لیے نئے پانی سے ہاتھ کو تر کرے ۶۔ امام مالک علیہ الرحمۃ نے حضرت ابن عباس
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل سے کہ انہوں نے مسح کے لیے نئے پانی سے ہاتھ کو تر نہ کیا بلکہ جو تری باقی تھی اسی سے مسح کو
 لیا، یہ استدلال کیا ہے کہ پانی مستعمل طاہر و مظہر ہے کیونکہ جب ایک بار پانی عضو سے مل گیا تو وہ پانی مستعمل ہو گیا۔ پھر جب
 اعضا وضو میں سے ایک (عضو مسح) میں اس کا استعمال جائز ہوا تو جب میں جائز ہونا چاہیے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں امام
 مالک علیہ الرحمۃ کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ پانی مستعمل اس کو کہتے ہیں جو عضو سے بہر جائے اور جب تک پانی عضو پر رہے
 اور پکے نہیں اس کو مستعمل نہیں کہا جاسکتا ۷۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا ضروری ہے۔ ضرر
 پانی چھڑک دینا کافی نہیں ہے۔

بَابُ الشَّبِيهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَعِنْدَ الْوَقَاعِ

باب ہر کام کے وقت بسم اللہ پڑھنا اور صحبت کے وقت بھی

۱۴۱۔ قَالَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَقْبَلَ
 أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَبِّنَا
 الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْنَا فَقْضَىٰ بَيْنَهُمَا
 وَلَدٌ لَّيْصُرُهُ (بخاری شریف)

حضرت ابن سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی اپنی بی بی سے
 صحبت کرنی چاہے تو یوں کہے۔ بسم اللہ۔ اے اللہ
 ہم کو شیطان سے بچائے رکھ اور جو اولاد ہم کو عطا ہو

اس سے شیطان کو دور رکھ۔ پھر جو اولاد ہوگی اس کو شیطان نقصان نہ پہنچائے گا۔

اس باب میں یہ برتاؤ مقصود ہے کہ ہر کام سے پہلے بسم اللہ کہنا سنوں ہے حتیٰ کہ جماع کے وقت بھی
 بسم اللہ پڑھنا باعث برکت ہے اور بسم اللہ ہر حال میں پڑھی جاسکتی ہے۔ خواہ آدمی پاک ہو یا

ناپاک، بے وضو ہو یا جنبی ۲۔ اس حدیث کو امام نے ذیل کے باب میں ذکر کیا ہے۔ توحید، دعوات، نکاح، صفت ابلیس اور مسلم و ابوداؤد نے نکاح میں اور نسائی نے باب عشرۃ النساء میں ذکر کیا ہے۔

کیا وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے؟ | حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھنا باعث برکت ہے۔ جو اولاد ہوگی وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گی ۳۔ ہاں ظاہر اور اسحق بن راہویہ کا قول یہ ہے کہ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے اور جس نے قصداً عمداً بسم اللہ نہیں پڑھی اس کا وضو نہیں ہوگا۔ یہ لوگ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دلیل لاتے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں ہوگی۔ وَلَا وَضُوءَ لِمَنْ كَرِهَ أَنْ يَسْمَعَ اللَّهَ بِسْمِ اللَّهِ نَبِيٌّ پڑھی اس کا وضو نہیں ہوگا۔ یہ حدیث اگرچہ متعدد طرق سے مروی ہے۔ امام احمد، ابوداؤد و ابن ماجہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ مگر اس مضمون کی تمام حدیثوں میں علمائے کلام کیا ہے۔ علامہ مروزی و ہزار نے کہا کہ اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی۔ تفصیل کیلئے قبل الاوطار جلد ۱ ص ۱۳۵ کا مطالعہ کافی ہوگا۔ غرض کہ اس باب میں کوئی حدیث صحیح ہے ہی نہیں تو ان سے واجب کا قول کرنا درست نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے غیر معتدین کے اکثر اربعہ میں سے کسی نے وضو کے لیے بسم اللہ پڑھنے کو واجب قرار نہیں دیا۔ ۵۔ حضرت امام اعظم، مالک، شافعی، احمد بن حنبل، امام ابو داؤد و جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ اگر کسی نے بسم اللہ نہیں پڑھی تو اس کا وضو ہو جائیگا۔ یہ حضرات متعدد حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جس کی تفصیل بحث طحاوی میں مذکور ہے اور امام بیہقی نے متعدد حدیثوں سے یہی ثابت کیا ہے کہ وضو کے لیے بسم اللہ پڑھنا سنت ہے واجب نہیں۔

ہر نیک کام سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا | فائدہ، حدیث زیر بحث اگرچہ جماع کے متعلق ہے کہ اس وقت بھی بسم اللہ پڑھ لینا باعث برکت ہے لیکن اس سے ایک عمومی ہدایت یہ ملتی ہے کہ ہر وہ موقع و محل جہاں شیطان کے دخل کا امکان ہو وہاں بسم اللہ پڑھ لی جائے اور ظاہر ہے کہ شیطان ہر موقع و محل پر آدمی کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ وضو ہو نماز ہو ہر جگہ ہر مقام پر فسادِ دلالتا ہے۔ اس لیے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے علیٰ کل حال کے الفاظ سے عنوان قائم کر دیا اور بتا دیا کہ جب بوقتِ جماع بسم اللہ پڑھنے کی ہدایت دی گئی ہے تو وضو کرنے وقت تو بطریقِ اولیٰ بسم اللہ کی مشروعیت ہونی چاہیے۔ (۲) دہلیہ سوال کہ بسم اللہ پڑھنے کے باوجود بھی بعض کاموں میں فساد پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ نہیں ہونا چاہیے تو جواب یہ ہے کہ بسم اللہ کی اصل تاثیر تو یہی ہے کہ جس کام سے پہلے اس کو پڑھ لیا جائے وہ فساد سے محفوظ و مصون رہے اور اس میں برکت پیدا ہو جائے مگر اس کے لیے کچھ شرائط اور مولف بھی ہیں۔ اگر شرائط پائے جائیں اور مولف اٹھ جائیں تو ضرور بالفرض اس کام میں برکت ہو۔ اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ کتبِ طب میں دواؤں کے خواص بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً لکھا جاتا ہے کہ اطریفل استعمال کرنے والا ہمیشہ نزلہ سے محفوظ رہے گا۔ اب اس سے سمجھ لینا کہ اطریفل کا استعمال کرنے والا تیل ترشی وغیرہ انتہائی درجہ کی نزلہ پیدا کرنے والی چیزیں بھی کھاتا رہے اس کو بھی کبھی نزلہ نہیں ہوگا، سخت نافتی اور طباً

کے طرز کلام سے ناواقف ہے۔ اس مثال سے واضح ہو گیا کہ اطر فیض کی اپنی خاصیت تو یہ ہے کہ اس کے استعمال سے نزلہ سے محفوظ رہے لیکن اس کے ساتھ بد پرہیزیاں بھی کی جائیں تو وہ بھی اپنا اثر دکھائیں گی اور اس وقت یہ کتنا صحیح نہ ہو گا کہ اطر فیض میں نزلہ دُور کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہی حال بسم اللہ کا ہے۔ اس کی اصل خاصیت یہی ہے کہ جب پڑھی جائے برکت ہو لیکن اس کے ساتھ دوسری یہ اعمال یا بھی ہوں تو پھر برکت نہ ہوگی اور یہ قصور بسم اللہ کا نہیں بلکہ انسان کا خود اپنا ہو گا کہ وہ بسم اللہ کی برکت کو دوسرے اعمال یا عیب کا ازکاب کر کے ضائع کر دیتا ہے دیکھتے پانی کی اصل خاصیت تو یہی ہے کہ وہ پودوں کی نشوونما کرے لیکن اگر کوئی باغبان صبح کو تو پودوں کو پانی دے اور شام کو جو پتے اور کوہنل پیدا ہوں ان کو کاٹ ڈالے تو اس میں پانی کا نہیں خود باغبان کا اپنا قصور ہے۔

۳۔ خوب یاد رکھتے، اُمت کے طبیب اعظم اور مظلّم کائنات حضور ربّ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اعمال خیر پر نثار دی ہے۔ مثلاً فرمایا وضو کرنے والے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا جن دواؤں کے خواص بیان فرمائے ہیں مثلاً فرمایا کہ کھونجی تمام بیماریوں کے لیے شفا ہے یا جن کلمات کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ان کا پڑھنا باعث برکت ہے تو اس نوع کی جملہ ہدایات کا مقصد و مطنع نظر کسی عمل خیر یا کسی چیز کی ذاتی خاصیت اور اس کے اصلی اثر کو بتلانا ہوتا ہے قطع نظر اس سے کہ اگر دوسرے اعمال کا تقاضا اس کے خلاف ہوا تو پھر انجام کیا ہو گا۔ لہذا اگر کسی عمل یا کلمہ کے پڑھنے سے اس کی وہ خاصیت اور فائدہ ظاہر نہ ہو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس عمل میں خاصیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اس عمل میں تو حضور علیہ السلام کی ارشاد فرمودہ خاصیت تھی اور اس کے اثرات بھی فی الواقع مرتب ہوئے مگر کسی مانع کی وجہ سے اس کا ظہور نہیں ہوا۔ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے کوئی جذباتی و خطائی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کہ اگر اس چھوٹے سے نمکدہ کو ملحوظ رکھا گیا تو وعدہ وعید، ترغیب و تہذیب کے سلسلہ کی صد ہادیثوں کے بارے میں لوگوں کو جو غلط فہمی ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے جو الجھن ہوتی ہے وہ انشاء اللہ العزیز نہ ہوگی۔ فافہم

بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْخَلَاءِ

باب بیت الخلاء جانے وقت کیا پڑھے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باب نو ہے وضو کا اور امام نے استنجاء کے احکام و مسائل کی حدیثیں ذکر کرنی شروع کر لیں جواب یہ ہے کہ امام بخاری کا انداز فکر یہ ہے کہ وہ جب کسی امر کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے متعلقات بھی ذکر فرما دیتے ہیں چنانچہ گزشتہ باب میں ہر کام کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنے کا بیان تھا۔ اب امام نے اس کی نظیر میں یہ بتایا کہ بیت الخلاء جاتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر مستحب ہے۔ پھر چونکہ بیت الخلاء کا ذکر آگیا تو اس کے آداب و احکام کی احادیث بھی ذکر کر لیں عبد العزیز بن حمیب کہتے ہیں۔ میں نے حضرت انس سے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء جاتے تو یوں فرماتے یا اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبت اور خباثت سے۔

۱۴۲- قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللَّهُمَّ اهْدِ أَعْوَدِيكَ مِنَ الْخُبْتِ وَالْخَبَاثَتِ (بخاری)

فوائد مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے دعوات میں بھی ذکر کیا اور مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد نے طہارت میں ذکر فرمایا ہے ۲۔ غلار، لغت میں خالی مکان کو کہتے ہیں۔ یہاں سے مراد بیت الخلاء ہے۔ خبث و خبائث، خبث جمع ہے خبیث کی اور مراد اس سے شیاطین و جنات کے مرد و عورتیں ہیں جو ایسی خالی جگہ اور ناپاک جگہ میں رہتے ہیں۔ شرع السنہ میں ہے خبث سے مراد کفر اور خبائث سے مراد شیطان ہے۔ ابن بطلان نے کہا کہ خبث تمام بُرائیوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ ابن الاعرابی نے فرمایا کہ کلام عرب میں خبث کا اطلاق (مکر وہ) ناپسندیدہ چیز پر آتا ہے۔ اگر وہ کلام میں ہو تو اس کو شتم کہتے ہیں، وہن میں ہو تو کفر، کھانے میں ہو تو حرام پہننے کی چیز میں ہو تو اس کو ضار کہتے ہیں۔ بعض نے خبث کے معنی بُرائی یا گناہ کے بھی کیے ہیں۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ بیت الخلاء ایک ایسی جگہ ہے جہاں شیاطین اور دیگر مفسد اور نقصان دہ چیزیں ہو سکتی ہیں۔ اس لیے اس مقام پر جانے وقت استعاذہ کی تعلیم دی گئی تاکہ آدمی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور استعاذہ کی برکت سے اس مقام کے اثرات سے محفوظ رہے۔

۳۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا بیت الخلاء جاتے وقت یہ دُعا پڑھنا اور شیطان سے پناہ مانگنا تو اُمت کے لیے اور اُمت کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قریشی تہذیب میں جن دنوں وہ اس سے قطعاً جتناً محفوظ ہیں۔ کیا دیکھا نہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنی مسجد شریف کے ایک ستون سے ایک شیطان کو باندھ دیا تھا (عینی ج ۱ ص ۶۹۸)۔

۴۔ بعض علمائے کما کہ اعوذ کے ساتھ بسم اللہ بھی ملائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں جو شرطِ مسلم پر ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام بیت الخلاء جاتے تو فرماتے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخُبَائِثِ (عینی ج ۱ ص ۶۹۸)۔ (۵) حدیث ہذا میں اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءُ کا لفظ آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ فرماتے اس وقت دُعا پڑھتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فرمایا۔ فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ تو اس کے معنی یہی ہیں کہ جب قرآن پڑھنے کا قصد کیا جائے تو اعوذ پڑھی جائے۔ اسی طرح یہاں ہے (چنانچہ خود امام نے (ادب مفرد) میں جو حدیث درج کی ہے۔ اس میں اِذَا ارَادَ الدُّخُوْلُ کے لفظ صراحۃً موجود ہیں (فافہم) جب پاخانہ جانے کا ارادہ کیا جائے تو اس وقت بسم اللہ پڑھ لی جائے اور اگر پاخانہ بنا ہوا نہ ہو تو حاجت شروع کرنے یعنی کپڑا اٹھانے سے پہلے یہ دُعا پڑھی جائے ۶۔ پاخانہ میں داخل ہو کر یا قضا سے حاجت کرنے وقت زبان سے اللہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔

بَابُ وَضْعِ الْمَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ

باب بیت الخلاء کے پاس پانی رکھنا

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء گئے تو اس نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا۔ آپ نے باہر آ کر کھینچا۔ یہ پانی کس نے رکھا۔ تو کہنے لگے عرض کی کہ ابن عباس سے فرمایا ہے فرمایا اے اللہ اس کو دین کی بوجھ عطا فرما۔

۱۴۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوءًا فَقَالَ مَنْ وَضَعَ هَذَا فَأَخْبَرَ فَقَالَ اللَّهُمَّ فَقِّهْ فِي الدِّينِ (بخاری)

قواعد ومسائل

حدیث ہذا کو امام نے کتاب الصلوٰۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و مسلم و ابوداؤد نے کتاب الطہارۃ میں ذکر فرمایا ہے ۲۔ حدیث ہذا عنوان سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ عنوان تو یہ ہے کہ پانا نہ پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر سکتے ہیں جب کہ کوئی آڑ ہو۔ لیکن حدیث ہذا میں مطلقاً نماز نہ ہو چاہیے۔ امام بخاری کی یعنی کوئی آڑ ہو یا نہ ہو بہر صورت قضاء کے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف استدبار و استقبال نہ ہونا چاہیے۔ امام بخاری کی طرف سے شامین نے اس اشکال کے دو جواب دیے ہیں۔ اول یہ کہ امام نے یہ حدیث محض عمارت کے اثبات کے لیے ذکر کی ہے اور عمارت کا استثناء حدیث ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو آگے آرہی ہے اس سے ثابت کیا ہے۔ دوم، یہ کہ غلط اس جگہ کو کہتے ہیں جو میدان میں ہو جہاں کوئی آڑ وغیرہ نہ ہو۔ لہذا میدان میں قبلہ کی طرف استقبال و استدبار کی ممانعت سے یہ سمجھا گیا کہ عمارت میں ایسا کرنا ناجائز ہے۔

واضح ہو کہ اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں جن کی تفصیل کے لیے عینی و فتح الباری، نیل الاوطار کا مطالعہ کیجئے۔ امام شافعی و امام مالک و اسحق و احمد و شعبی و حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ بوقت قضا حاجت کعبہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنا کھلے میدان میں جبکہ آڑ نہ ہو منع ہے لیکن اگر عمارت یا پانا بنے ہوں یا آڑ ہو تو پھر جائز ہے۔ ان کی دلیل حدیث ابن عمر ہے جو آگے آرہی ہے ۲۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ و امام مجاہد اور ابراہیم نخعی و سفیان ثوری و ابی ثور و احمد (فی روایتہ) و ابوالربیع انصاری، ابوبریرہ و ابن مسعود و سقر بن مالک و عطاء و اوزاعی و سلف صحابہ و تابعین اور اکثر علماء محققین کا مسلک یہ ہے کہ بوقت رفع حاجت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا بہر صورت ناجائز ہے خواہ آڑ ہو یا نہ ہو۔ امام کی دلیل حدیث زیر بحث ہے جس میں قبلہ کی طرف مطلقاً استدبار و استقبال سے منع فرمایا گیا ہے نیز عقل بھی یہ چاہتی ہے کہ قبلہ کی طرف استقبال و استدبار مطلقاً منع نہ ہو۔ کیونکہ نماز کی علت احترام کعبہ ہے اور یہ علت کھلا میدان ہو یا عمارت و دونوں جگہ پائی جاتی ہے۔ پھر عمارت میں استدبار و استقبال کے جواز کا قول حائل کی وجہ سے کیا گیا ہے تو یہ حائل تو کھلے میدان میں بھی موجود ہے کیونکہ وہاں بھی دریا و پہاڑ وغیرہ کعبہ کے لیے آڑ بنے ہوئے ہیں۔ لہذا کھلے میدان میں بھی جواز کا قول کرنا چاہئے۔ فافہم

مشرقاً و مغرباً

اس حدیث میں ہدایت کی گئی ہے کہ جب قضا کے حاجت کے لیے بیٹھو تو منہ یا پیٹھ کعبہ کی طرف نہ کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو تو یہ خطاب اہل مدینہ کو ہے کیونکہ ان کا قبلہ جنوب کی طرف واقع ہے۔ لہذا جن ملکوں میں ہمت قبلہ مشرق و مغرب کی طرف ہو۔ جیسے پاک و ہند میں مغرب کی طرف قبلہ ہے تو ان کے جنوب یا شمال کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا چاہیے ۱۔ مکان بناتے وقت لوگ عام طور پر اس مسئلہ کا خیال نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ پانا نہ یا پیشاب خانہ ایسے بنائیں کہ جب اس میں قضا حاجت کے لیے بیٹھا جائے تو قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ نہ کی جائے ۲۔ نیز ویسے بھی قبلہ کی طرف پاؤں کر کے نہ نماز منع ہے۔

نوٹ ۱۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل اور علماء کی آراء معلوم کرنے کے لیے عینی و فتح الباری اور نیل الاوطار دیکھنی چاہیئے۔

فوائد ومسائل | امام مسلم نے فضائل ابن عباس میں اور تسانی نے مناقب میں اس حدیث کا ذکر کیا ۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے کے لیے پانی کا ٹوٹا رکھ دیا۔ یہ آپ کی فطانت و ذکاوت کی دلیل ہے اور بیت الخلاء کے قریب اس لیے رکھا تاکہ حضور علیہ السلام کو بعد فراغت پانی طلب نہ کرنا پڑے بلکہ نکلتے ہی بلا کسی تکلف کے آپ کو پانی مل جائے۔ حضرت ابن عباس کی اس فطانت و ذکاوت کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے آپ کو مذکورہ بالا دعا دی ۳۔ حضرت ابن عباس نے جو پانی رکھا وہ استنجہ کے لیے تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ پانی سے استنجہ کرنا جائز ہے۔ علاوہ نووی لکھتے ہیں کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ پہلے ڈھیلے سے استنجہ کر لیا جائے۔ اس کے بعد پانی سے دھویا جائے۔ یہی افضل ہے لیکن صرف پانی سے دھونے کو بھی علماء نے افضل کہا ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

بَابُ لَا يَسْتَقْبِلُ الْفِتْلَةَ

باب ، پیشاب ، پاخانہ کر کے وقت

بَعَايِطُ أَوْ بَوْلُ الْأَعْدَاءِ الْبَنَاءِ جَدَارٍ | قبلہ کی طرف منہ نہ کرے مگر جب کسی عمارت کی آڑ میں ہو جیسے دیوار وغیرہ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی تم میں سے پاخانہ کو آئے تو قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرے بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرے

(بخاری)

۴۴۔ عَنْ أَبِي أَيُّوبٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَى أَحَدُكُمْ الْبَعَايِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ بَلْ شَرِّفُوا أَوْ غَرِّبُوا

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا نام خالد بن زید انصاری ہے۔ بخاری صحابہ سے ہیں۔ مدینہ میں حضور اکرم کے اولین میزبان ہیں۔ ہجرت کے موقع پر حضور علیہ السلام کی اڈھنی مدینہ میں انہیں کے مکان میں ٹھہری تھی۔ بدر اور عقیقہ الثانیہ میں شریک ہوئے۔ نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ بھی تمام محاربات میں شریک رہے۔ جب کہ حضرت معاویہ قسطنطنیہ میں جہاد کر رہے تھے تو آپ ان کے ساتھ شریک جہاد ہونے کے لیے گئے مگر بیمار پڑ گئے۔ جب مرض بڑھ گیا تو آپ نے اصحاب کو وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے جنازے کو اٹھا لیا اور جب تم دشمن کے سامنے صرف بستر ہو جاؤ تو مجھے اپنے قدموں میں دفن کر دینا چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ کی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی چار دیواری کے قریب ہے جو آج تک مشہور ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ لوگ آپ کی قبر کی تعظیم کرتے ہیں اور آپ کے وسیلے سے بارش طلب کرتے ہیں تو بارش ہوجاتی ہے (یعنی ج۱ ص ۸) آپ سے ۵۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری و مسلم نے سات پر اتفاق کیا ہے اور ایک حدیث امام بخاری نے آپ سے منفرداً ذکر کی ہے۔ گویا بخاری میں آپ سے کل آٹھ حدیثیں مروی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

يَا بَا مَنْ تَبَرَّرَ عَلَى لِبَتَيْنِ

باب دو کچی اینٹوں پر بیٹھ کر یا خانہ کرنا

اسلام چونکہ ایک کامل و مکمل اور ابدی دین ہے اس لیے وہ اپنے ماننے والوں کی ہر توقع پر رہنمائی کرتا ہے۔ کسی اور مذہب میں یہ کاملیت آپ کو نہیں ملے گی کہ وہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہدایات دے۔ یہ شرف تو صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ قوم مسلم کی ہر دینی و دنیوی معاملہ میں رہنمائی کرتا ہے۔ زمانہ رسالت کے مشرکین یہ دیکھ کر حیران ہو ا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ تمہارے رسول تو تم کو پیشاب و پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ صحابہ جواب دیتے کہ ہاں ہمارے رسول نے ہمیں قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب، پاخانہ کرنے، داہنے ہاتھ سے استنجہ کرنے سے منع فرمایا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں اور تم کو تعلیم دیتا ہوں۔ یعنی جیسے ماں باپ شفقت و محبت کے ساتھ بچوں کی تربیت کرتے ہیں اور ان کی بہتری و بھلائی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اس سے بھی کہیں زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کی فلاح و بہبود مطلوب ہے۔ پیغمبر اپنی اُمت کا روحانی باپ ہوتا ہے اور پھر باپ بھی ایسا جس کا سینہ دہری علم و عرفان کا گنجینہ ہوتا ہے۔ وہ اُمت کا معلم، حکیم اور مژئی ہوتا ہے۔ اس لیے ایک ادنیٰ بات سے لے کر اعلیٰ ایک سب کے متعلق وہ اپنی اُمت کو ہدایت دیتا ہے۔ یہ بیت المعمور کے آداب و احکامات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ ۲۔ تہذیب کے اصلی معنی برازی کی طرف نکلنے کے ہیں۔ براز کھلے میدان کو کتے ہیں۔ پھر عام طور پر تیزز کے معنی رُفح حاجت کے ہو گئے۔ ۳۔ رِبْسَاتِیْنِ تَشْبِیْہ ہے کِبْتِہِج، اینٹ کو کتے ہیں جو مٹی سے بنائی جاتے اور آگ میں اس کو پکایا نہ جائے۔ پکی ہوئی اینٹ کو اُجڑ کتے ہیں ۴۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر ممکن ہو تو بوقتِ قضاء حاجت اپنے دونوں پاؤں کو زمین سے اونچا رکھے تاکہ نجاست سے طوٹ ہونے کا خطرہ نہ رہے۔ جیسے دو اینٹوں پر قضاء حاجت کی جائے ۵۔ اس باب میں امام نے جو حدیث ذکر کی ہے اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث اس حدیث کی تخصیص ہے جس میں مطلقاً قبلہ کی طرف مُنہ کرنے اور پیٹھ کرنے کی مخالفت آئی ہے کیونکہ حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف مُنہ کئے ہوئے قضاء حاجت کرتے دیکھا جس سے واضح ہوا کہ اگر کوئی مائل ہو تو پھر کعبہ کی طرف استقبال میں حرج نہیں۔ حدیث ابن عمر یہ ہے:-

١٢٥- عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَانَ عَنْ
عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّكَ كَانَ يَقُولُ إِنَّ
نَاسًا يَقُولُونَ إِذَا قَعَدْتَ عَلَى حَاجَتِكَ
فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقَبِيلَةَ وَلَا بَيْتَ الْهَقْدِسِ
فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ لَقَدْ ارْتَقَيْتُ
يَوْمًا عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ لَنَا فَرَأَيْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى لِسْتَيْنِ

محمد بن یحییٰ اپنے چچا واسح بن حبان سے اور وہ حضرت
عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ واسح بن
حبان کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں
کہ جب تم حاجت کے لیے بیٹھو تو قبلہ کی طرف
مُمنّہ نہ کرو اور نہ بیت المقدس کی طرف۔ عبد اللہ بن
عمر نے کہا میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو
(اچانک میری نظر پڑ گئی) میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ
کئے ہوئے حاجت کے لیے بیٹھتے ہوئے ہیں۔ ابن عمر
نے واسع سے کہا کہ شاید تو ان لوگوں میں ہے جو سرین
کے بل نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں
جانتا۔ ام مالک نے کہا ابن عمر نے اس شخص سے وہ مراد
لیا جو نماز میں زمین سے اونچا نہ رہے اور سجدہ میں زمین سے چٹ جائے۔

مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهِ وَ
قَالَ لَمَّا كَانَ مِنَ الَّذِينَ يَصَلُّونَ عَلَى أَفْئِكَهْمِ
فَقُلْتُ لَا أَدْرِي وَاللَّهِ قَالَ مَالِكٌ يَبْنِي
الَّذِي يَبْنِي وَلَا يَنْفَعُ عَنِ الْأَرْضِ
لِيَسْجُدَ وَهُوَ لَا يَصِفُ بِالْأَرْضِ (بخاری)

فائدہ مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام نے کتاب الطہارۃ میں مکرر اور خمس میں بھی ذکر کیا ہے۔ ترمذی، نسائی، ابن
ماجرہ و ابوداؤد و امام سلم نے بھی اس حدیث کو کتاب الطہارۃ میں ذکر فرمایا ہے۔ ۲۔ اس سے یہ نہ سمجھا
جائے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی اس حالت خاص تو قصداً، عمداً دیکھا تھا۔ ہوا یہ کہ جب
وہ مکان کی چھت پر چڑھے تو اچانک ان کی نظر حضور اکرم پر پڑ گئی اور اس کو بیان اس لیے لیا کہ حضور کے اقوال و افعال
شرعیات ہیں۔ ۳۔ حضرت واسع حضرت عبداللہ بن عمر کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے
یہ ذکر کیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں یعنی حضرت ابوالباب النزاری و ابوسریہ و عقیل الاسدی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو مکان میں
بھی قضاۃ نے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عنہ نے اپنا مسلک بیان کیا کہ مکان میں کعبہ کی طرف منہ کرنا جائز ہے کیونکہ میں نے خود حضور اکرم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ ۴۔
اس کے بعد آپ نے واسع سے فرمایا کہ شاید تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو سرین کے بل نماز پڑھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جملہ کا مسئلہ قضاۃ حاجت سے کوئی ربط دکھائی نہیں دیتا۔ شارحین کرام نے ربط
تعلق قائم کرنے کے لیے متعدد توجیہیں کی ہیں۔

بعض نے کہا مقصد حضرت ابن عمر کا اس جملہ سے یہ ہے کہ جیسے وہ لوگ جو سجدہ میں اپنے پیٹ کو رانوں کے ساتھ چمٹا
لیتے ہیں تو جیسے یہ لوگ سجدہ کے مسئلہ سے ناواقف ہیں اسی طرح تم بھی مسئلہ قضاۃ حاجت سے ناواقف ہو کیونکہ اگر واقف
ہوتے تو یہ جان لیتے کہ قضاۃ حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے کی عمانت میدان میں ہے مکان میں نہیں لیکن ظاہر ہے
یہ تو بہرہ صیحیح نہیں۔ کیونکہ اول تو روایت میں مذکور نہیں ہے کہ یہ مسئلہ حضرت واسع نے پوچھا تھا تا آنکہ وہ ان کو جا بل قرار دیتے
اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو سجدہ کی سنت سے ناواقف ہو، وہ قضاۃ حاجت کے طریقہ سے بھی ناواقف ہو۔ بعض نے
یہ توجیہ کی اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمر کے اس جملہ کا مسئلہ قضاۃ حاجت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل
حضرت ابن عمر نے واسع کو نماز پڑھتے دیکھا اور حضرت واسع نے سجدہ میں کوئی غلطی کی ہوگی۔ اس لیے آپ کو ان کو سجدہ
کرنے کا طریقہ بتا دیا کہ مرد کے لیے سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے چمٹائے نہیں۔ سات اعضاء
پر سجدہ کرے اور کنکیناں زمین پر نہ پچھائے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ چنانچہ مسلم کی حدیث اس توجیہ کی تائید کرتی
ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت واسع کہتے ہیں۔ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضرت ابن عمر بیٹھتے تھے۔ جب میں

میں نماز پڑھ چکا تو ان کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا: بعض لوگ کہتے ہیں؛ پھر پوری حدیث کو اخیر تک بیان کیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابن عمر نے حضرت واسع کو سجدہ میں کوئی غلطی کرنے دیکھا تھا۔ اس بناء پر سجدہ کا مسئلہ قضائے حاجت مسئلہ کے ساتھ بیان کر دیا۔

بوقت قضا حاجت کعبہ معظمہ کی طرف منہ اور پیچھے کر نیکی متعلق تفصیلی گفتگو | واضح ہو کہ اس مسئلہ میں متفقہ و قول میں اول،

عروہ بن زبیر در بیۃ الرائی و دار الرائی کا قول یہ ہے کہ قضا حاجت کے وقت کعبہ شریف کی طرف استقبال و استنباہ مطلقاً جائز ہے۔ یہ لوگ حدیث البرایب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس میں ممانعت آئی ہے) کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا منہج دوم۔ امام مالک وشافعی و احمد واسحق و عبد اللہ بن عمر وغیرہ صحابہ کرام کا مسلک یہ ہے کہ اگر قضا حاجت کھلے میدان میں کی جائے جہاں کوئی آڑ نہ ہو تو پھر تو کعبہ شریف کی طرف منہ یا پیچھے کرنا جائز نہیں ہے اور اگر مکان میں قضا سے حاجت کی جائے یا کوئی آڑ ہو تو پھر تو کعبہ کی طرف منہ یا پیچھے کرنے میں حرج نہیں ہے۔ یہ حضرات احادیث مندرجہ ذیل سے استدلال کرتے ہیں۔ اول، حدیث ابن عمر جو زیر بحث ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے قضا حاجت کرتے ہوئے دیکھا لیکن امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا اس حدیث سے مذکورہ بالا استدلال کرنا متفقہ و وجہ سے درست نہیں ہے۔

اولاً۔ جس سوال کے جواب میں حضرت عبد اللہ بن عمر نے یہ جواب دیا وہ یہ تھا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قضا حاجت کے وقت قبلہ اور بیت المقدس کی طرف منہ نہ کیا جائے۔ اس کے جواب میں حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا۔ میں نے حضور علیہ السلام کو بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے قضا حاجت کرتے دیکھا ہے۔ اس سوال و جواب پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس میں مسئلہ استقبال قبلہ کو بیان کرنا مقصود ہی نہیں ہے بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو اس شخص کے مسلک کی تردید کر رہے ہیں جو استقبال بیت المقدس کو استقبال کعبہ کی طرح سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے استقبال و استنباہ کعبہ کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ استقبال بیت المقدس کا ذکر فرمایا۔ رہا یہ سوال کہ مدینہ شریف میں جب بیت المقدس کی طرف منہ ہوگا تو کعبہ شریف کی طرف پیچھے ہو جائے گی تو اس کے لیے پہلے سمت بیت المقدس کی تحقیق کرنی پڑے گی اور یہ بات علماء علم جغرافیہ ہی سے طے کر سکتے ہیں۔ بہر حال اتنی بات واضح ہے کہ حضرت ابن عمر جس بات کی تردید کر رہے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ استقبال بیت المقدس کو استقبال کعبہ کی طرح سمجھا جائے۔ رہا کعبہ کی طرف استقبال و استنباہ کا مسئلہ تو اس حدیث میں اس کا بیان نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ فضل اللہ توریشی نے شرح المصابیح میں لکھا ہے کہ حدیث ابن عمر میں جناب ابن عمر نے استنباہ کعبہ کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ واما انما اشکر علی من قال بالانہی من

استقبال بیت المقدس فانہم

ثانیاً۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کی اچانک نظر پڑ گئی تھی اور یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی حضور علیہ السلام کی حالت خاص کو قصد اعمداً دیکھے۔ ایسی صورت میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ قضا حاجت کے وقت حضور اکرم واقعی کعبہ کی طرف

بیٹھ گئے تھے : یہ بھی تو ممکن ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بیٹھے ہوں کہ صرف آپ کا چہرہ اقدس بیت اللہ کی طرف ہو۔ چنانچہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جس سمت کی طرف بیٹھ کر پیشاب دیا جائے کرتا ہے۔ چہرہ کسی اور سمت کی طرف موڑ لیتا ہے۔ ہر مسئلہ ہے کہ حضور واقعی کعبہ کی طرف ہو کر قضاء حاجت نہ فرما رہے ہوں۔

ثالثاً۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اچانک نظر پڑ جانے پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فیصلہ فرامیسا کہ حضور اکرم واقعی کعبہ کی طرف ہو کر قضاء حاجت فرما رہے تھے۔ یہ ان کا ظن و فہم ہی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کے پاس اس مسئلہ کے متعلق کوئی حدیث مرفوعہ نہیں تھی اگر ہوتی تو وہ ضرور پیش کر دیتے خصوصاً معارضہ کی صورت میں توجہ حدیث ابن عمر خود مشتبہ ہے تو اس سے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی کعبہ کی طرف ہو کر ہی قضاء حاجت فرما رہے تھے یا نہیں تو اس سے جواز کا استدلال کرنا بیکار و درست قرار پا سکتا ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ ممانعت استقبال و استدبار کے متعلق حضور کی مرفوع حدیث موجود ہے جو ایک قانونِ کلی کی حیثیت رکھتی ہے فافہم۔

حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ | حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کعبہ کی طرف استقبال و استدبار سے منع فرمایا لیکن میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی وفات کے ایک سال قبل کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے پیشاب فرمایا (ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم نے فرمایا یہ حدیث شرطِ مسلم پر صحیح ہے)۔ اس سے وہ لوگ جو مطلقاً استقبال و استدبار کے جواز کے قائل ہیں استدلال کرتے ہیں لیکن اس سے بھی مطلقاً استدبار و استقبال کے جواز پر دلیل لینا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں بھی وہی احتمالات موجود ہیں جو حدیث ابن عمر میں ہم نے بیان کئے ہیں۔ اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ واقعی حضور علیہ السلام نے کعبہ کے رُخ ہو کر پیشاب فرمایا تو یہ حضور اکرم کے خصائص سے ہو گا کیونکہ حضور علیہ السلام کعبہ سے قطعاً و حتماً افضل ہیں لہذا آپ کے لیے استقبال جائز ہو گا اور اگر فضیلت کو خصوصیت کی علت نہ بنایا جائے تو بھی بعض احکام میں حضور اقدس کا مختلف ہونا امر محقق ہے۔ حضور علیہ السلام نے جناب علی رضی اللہ عنہ وجہ الکریم کو فرمایا۔ میرے اور تمہارے سوا کسی کو مسجد میں بحالتِ جنابت رہنا جائز نہیں ہے (اس حدیث

مذکورہ واضح ہو کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ بوقتِ قضاء حاجت کعبہ کی طرف منہ نہ کرو۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ شرمگاہ کعبہ کی طرف نہ ہو۔ اگر صورت یہ ہو کہ شرمگاہ تو کعبہ کی طرف نہیں ہے اور کسی نے صرف اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ۱۳ منہ وہی یہ بات کہ حضور اکرم نے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو کبھل خصوصاً فرمایا حالانکہ وہ نبی نہیں ہیں تو سیرۃ محمدیہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحاً یہ بیان کیا کہ میرے اور ہارون کے سوا کسی کو مسجد میں بحالتِ جنابت رہنا جائز نہیں ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ مسجد میں بحالتِ جنابت رہنے کا جواز خصائصِ نبوت سے ہے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر کہ ہارون کے سوا کسی کو مسجد میں بحالتِ جنابت رہنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے حضور نے حضرت علی کے لیے یہ نصحت دیدی کہ وہ بحالتِ جنابت

کو امام بخاری نے حسن کہا۔ حالانکہ عام قانون یہی ہے کہ بحالت جنابت مسجد میں رہنا جائز نہیں ہے لیکن حضور اقدس علیہ السلام نے اس عام قانون سے اپنی ذات کو اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو خاص کر لیا۔ یہی حال استقبال قبلہ کا بھی ہو سکتا ہے اور خصوصیت کا قول اس لیے کرنا پڑ رہا ہے کہ حضور کی عام عادت اور جس بات کو حضور علیہ السلام نے ایک قانون کلی قرار دیا ہے وہ یہی ہے کہ بوقت قضا حاجت کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ نہ کی جائے۔ فافہم اس کے علاوہ عقل بھی یہ چاہتی ہے کہ حضور علیہ السلام کے لیے بوقت قضا حاجت کعبہ شریف کو استقبال و استبصار جائز ہو کیونکہ صحیح احادیث و روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور کے فضائل مبارک عام انسانوں کی طرح نہیں تھے۔ اور کعبہ شریف کو استقبال و استبصار کی علت احترام کعبہ ہی ہے اور حضور کے استقبال و استبصار سے احترام کعبہ میں کوئی خلل نہیں آتا۔ چنانچہ جناب سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ و طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم عرض کی آپ جس جگہ قضا حاجت فرماتے ہیں وہاں میں کچھ نہیں پاتی۔ اس پر حضور اقدس نے فرمایا۔

اما تعلم ان الارض تبتلع عذرات الانبياء

کیا تم نہیں جانتیں کہ انبیاء کرام کے عذرات کو زمین نگل جاتی ہے۔

یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اجساد الانبياء نابتة على اجساد الملائكة

ان انبیاء کرام کے جسم اجساد ملائکہ پر پیدا فرماتے گئے ہیں۔

خاصہ کبریٰ میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے جو حدیث نقل کی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی حضور! وہاں میں مشک وغیرہ کی خوشبو پاتی ہوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے اجساد اور احوال جنت پر پیدا فرمائے گئے ہیں الخ۔ بتائیے جس ہستی مقدس کی یہ شان ہو وہ اگر بوقت قضا حاجت کعبہ کو استقبال و استبصار فرمائے تو احترام کعبہ میں کیا فرق پڑ سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں مجرین کی طرف سے یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ جس کی سند یہ ہے۔ (حدیثنا وکعب عن حماد بن سلمہ عن خالد الحذاء عن خالد بن ابی الصلت عن

عراق بن مالک عن عائشہ قالت) حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جو کعبہ شریف کی طرف شرمگاہ کرنے کو میوے سمجھتے ہیں تو اس پر آپ نے فرمایا۔ میرے پاخانہ کی بیٹھک قبلے کی طرف کے دو (رواہ ابن ماجہ) اس حدیث کے وصل و ارسال سے متعلق محدثین نے کلام کیا ہے۔

الابی حاتم نے اس حدیث کو مرسل قرار دیا ہے کیونکہ امام احمد ابن حنبل نے فرمایا ہے کہ عراق کا حضرت عائشہ سے کس

مسجد میں رد کیے لیکن اس کے ساتھ یہ تصریح بھی فرمادی۔ الا انہ لا بنی بعدی، کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی تاکہ کوئی دجال یہ نہ کہہ سکے کہ حضرت ملی جب بمنزلہ ارادون علیہ السلام کے ہوئے تو نبی ہو گئے (فافہم)

ثابت نہیں ہے۔ بعض علماء نے جواب میں کہا کہ امام مسلم نے عراق کا سماع حضرت عائشہ صدیقہ سے ثابت کیا ہے اور ان سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ جس میں عراق حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جناب احمد بن حنبل کا ارشاد مسلم سے زیادہ لائق اتباع ہے لہذا یہ حدیث اگرچہ امام مسلم کے نزدیک صحیح ہے لیکن عند احمد معلول ہے۔ اس طرح امام نووی نے کہا اس کی اسناد حسن ہے مگر اسناد کے حسن ہونے سے حدیث کا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔ اور امام ذہبی نے میزان میں لکھا کہ خالد بن ابی الصلت مشکوٰۃ ہے۔ ظاہر ہے کہ امام ذہبی معرفت، رجال اور تنقیہ حدیث میں کہیں افضل و اعلیٰ ہیں۔ پھر اس حدیث کا موقف ہونا یہی بات ہے۔ یہی حدیث عراق نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے سامنے پیش کی تھی لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس پر عمل نہیں کیا۔ (رواہ البیہقی و دارالافتی) اور عمل نہ کرنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک مرفوع نہ تھی۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اس باب میں بالکل اجنبی معلوم ہوئی تھی۔ اور حضور کی قوی مرفوع حدیثوں سے اس کا کوئی ربط قائم نہیں ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ در حدیث عراق حدیث ابوالیوب سے (جس میں ممانعت وارد ہوئی ہے) یا مقدم ہے یا مؤخر۔ اگر مقدم ہے تو حدیث ابوالیوب انصاری (جو مرفوع متصل قوی حدیث ہے) سے منسوخ قرار پائے گی اور اگر مؤخر ہے تو یہ بات بہت ہی الجذبہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استقبال و استئذان سے مطلقاً صریح طور پر منع فرمانے کے بعد چند لوگوں کے متعجب ہونے پر اس نئی کو واپس لے لیں۔ یہ بات بھی حدیث عراق کے موقف ہونے کی دلیل ہے اور اس سے یہ وضاحت ملتی ہے۔ اَسْتَقْبَلُوْا بِمَقْعَدِي الْقِبْلَةِ کا امر انہی نہیں ہے بلکہ امر عائشہ ہوگا۔ فافهم

خلاصہ کلام یہ کہ جو حضرات اس امر کے قائل ہیں کہ اگر مکان میں رفع حاجت کی جائے یا کوئی آڑ ہو تو پھر کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا جائز ہے وہ جعفر حدیثیں پیش کرتے ہیں وہ سب کی سب متعدد احتمالات کی حامل ہیں اور ان سے یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور علیہ السلام نے واقعی کعبہ کو استقبال و استئذان فرمایا۔ پھر ان میں سے بعض کے اسناد میں محدثین نے یہ کلام کبیلہ کے منکر و مرسل قرار دیا ہے۔ ان سب باتوں سے صرف نظر کر لیجئے تو یہ بات تو بالکل بدیہی ہے یہ سب کی سب حدیثیں موقوف ہیں۔ حتیٰ کہ حدیث ابن عمر بھی حضور علیہ السلام کا قول نہیں ہے۔ لہذا اس نوع کی احادیث سے کسی مسئلہ کی علت و حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ لہذا ضروری ہے کہ ہم اس باب میں مرفوع متصل صحیح احادیث سے مسئلہ کا فیصلہ کریں جو اس باب میں نص صریح ہیں۔ چنانچہ اس باب کی قوی احادیث سے بلا کھینچ تان کے آفتاب نیم روز کی طرح یہ واضح ہونا ہے کہ بوقت قضائے حاجت کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا بہر صورت ممنوع ہے۔ وہ احادیث یہ ہیں۔ ۱۔ حدیث عبداللہ بن عمارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی کعبہ کی طرف منہ کر کے پیشاب نہ کرے (یعنی جلد اصرۃ) اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا۔

۲۔ حدیث معقل بن ابی معقل جس کے الفاظ یہ ہیں :-

فَهِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔ اِنْ یَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَتَیْنِ یَبُولُ وَاَوْفَیْلُ (ابن ماجہ ابوداؤد)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ بیت المقدس اور کعبہ کی طرف منہ کر کے پیشاب یا پاخانہ کیا جائے۔

۳۔ حدیث سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جس کے لفظ یہ ہیں :-

نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بَعْدَ الطَّيْلِ
او بول (مسلم، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)
۴۔ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کے الفاظ یہ ہیں :-

فَإِذَا آتَى أَحَدُكُمْ الطَّائِلَ فَلَا يَسْتَقْبِلُ
الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرُهَا
(مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی)

۵۔ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں قضاء حاجت کے وقت مطلقاً قبلہ کی طرف استقبال و استدبار کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

یہ ہیں وہ صاف و صریح واضح حدیثیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قضاء حاجت کے وقت کعبہ کی طرف منہ پیٹھ کرنا خواہ آڑ ہو یا نہ ہو، بہر صورت ممنوع ہے۔ یہ مسلک سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا ہے اور جہاں تک دلائل کا تعلق ہے۔ مسلک امام اعظم بہت ہی قوی و مستحکم ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن عربی علیہ الرحمۃ نے شرح ترمذی میں یہ لکھا کہ اقرب واقوی اس باب میں مذہب حنفیہ ہی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى السَّبَرِ

باب مستورات کا قضاہ حاجت کے لیے نکلنے کے بیان میں

۱۴۶۔ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَدْوَجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ إِذَا تَبَرَّزْنَ إِلَى الْمَنَاصِعِ وَهِيَ صَبِيحَةٌ أَفْبَحُ وَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ ذَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي عِشَاءً وَكَانَتْ امْرَأَةً طَوِيلَةً فَنَادَاهَا عُمَرُ أَلَا قَدْ عَرَفْنَاكَ يَا سَوْدَةُ حُرْصًا عَلَى أَنْ يُنْزَلَ الْحَبَابُ فَانْزَلَ اللَّهُ الْحَبَابَ (بخاری شریف)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ازواج مطہرات رات کو پاخانہ کے لیے مناصح کی طرف نکلتی تھیں اور مناصح ایک وسیع (کھلا) میدان تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کرتے تھے کہ حضور اپنی ازواج کو پردہ میں بٹھائیے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا حکم نہیں دیتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت ام المومنین سودہ بنت زمعہ عشاء کے وقت قضاء حاجت کے لیے نکلیں اور وہ لمبے قد کی عورت تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ان کو دیکھ کر) آواز دی۔ اے سودہ ہم نے تمہیں پہچان

لیا۔ کیونکہ عمر کو اس بات کی حرص تھی کہ پردہ کا حکم آئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم نازل فرمادیا۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام مسلم نے استیذان میں ذکر فرمایا ۲۔ مناصح وہ مقامات ہیں جو مدینہ منورہ کے

کند رہے بقیع کی طرف ہیں۔ یہاں مستورات قصائر حاجت کے لیے جایا کرتی تھیں۔ صعیب افیج کے لفظ سے مناصع کی تفسیر کی گئی یعنی وہ جگہ جو کھلی ہو وسیع ہو۔ افیج کے معنی کشادہ جگہ کے ہیں۔

احجب نساء حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گزارش یہ تھی کہ حضور اکرم ازواج مطہرات کو باہل گھر سے نکلنے کی ممانعت فرمادیں۔ یعنی حضرت عمر کا منشا یہ تھا کہ ازواج مطہرات چادر اور ڈھکر بھی باہر نہ نکلیں۔ لیکن وحی نے ان کی اس رائے سے موافقت نہیں کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ضرورت پردہ کے ساتھ باہر نکلنے کی اجازت کو برقرار رکھا۔ جیسا کہ اس باب کی اگلی حدیث سے واضح ہو رہا ہے اور بخاری کتاب التفسیر میں اس کی وضاحت و تشریح ہے کہ جناب سودہ رضی اللہ عنہا حکم حجاب کے نزول کے بعد نکلی تھیں اور جناب فاروق اعظم کی خواہش یہ ہوئی کہ چادر اور ڈھکر کے بعد بھی جسم کا طول و عرض معلوم دیتا ہے اس کے چھپانے کا بھی حکم دیا جائے مگر ان کی اس رائے سے وحی الہی نے موافقت نہیں فرمائی۔ فافہم۔

ہاں آیت حجاب کا نزول جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق ہوا اور حجاب کا حکم بھی ان گیارہ امور میں سے ہے جن میں وحی الہی نے جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی تائید و توثیق کی۔ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ حجاب کا مطلب یہ ہے کہ مستورات چادر سے اپنے تمام جسم کو چھپائیں اور راستہ دیکھنے کے لیے آنکھیں کھلی رکھیں

۱۴۷۔ عَنْ عَالِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ فِي مُحَاجَتِكُنَّ قَالَتْ هَشَامٌ يُعْنِي الْبَرَاءَ (بخاری)

جناب عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہیں حاجت کے لیے گھر سے باہر جانا جائز ہے۔ (مگر چادر اور ڈھکر)

کتاب التفسیر میں اس کا واقعہ یوں آیا ہے کہ حجاب کا حکم نازل ہو جانے کے بعد جناب سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کے وقت (چادر اور ڈھکر) قصائر حاجت کے لیے نکلیں۔ چونکہ یہ فریب عورت تھیں۔ اس لیے حضرت عمر نے ان کو پہچان لیا اور کہا تم ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہو۔ حضرت سودہ نے حضور علیہ السلام سے شکایت کی۔ حضرت عمر ایسا کہتے تھے۔ حضور علیہ السلام اس وقت رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ پر وحی آئی اور فرمایا کہ تمہیں بوقت ضرورت (چادر اور ڈھکر) نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔

بَابُ التَّبَرُّدِ فِي الْبُيُوتِ

باب گھروں میں قضاہ حاجت کے بیان میں

۱۴۸۔ ۱۴۹۔ امام نے یہ بیان دو باتوں کے بیان کرنے کے لیے قائم کیا ہے۔

اول یہ کہ مستورات کو قضاہ حاجت کے لیے گھروں سے باہر جانا اس وقت تک کے لیے محتاج تک گھروں میں پاخانے نہیں بنے تھے لیکن جب گھروں میں پاخانے بنا دیئے گئے تو اب گھروں سے باہر جانے کی ضرورت نہیں

رہی۔ دوم۔ یہ کہ گزشتہ احادیث میں یہ آیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں مستورات جنگل میں قضاے حاجت کے لیے جایا کرتی تھیں۔ اس سے کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ قضاہ حاجت کے لیے جنگل میں جانا ہی ضروری ہے اور گھروں میں پاخانے بنانا درست نہیں ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عنوان مذکورہ قائم کر کے یہ بتایا کہ صرف مستورات کے لیے گھروں میں ضروری پاخانے بنائیں۔ اس لیے کہ جب وہ باہر نکلتی ہیں تو ان مواقع پر عورتوں کو آبشار لگ ان کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں۔

اس عنوان کے ماتحت امام نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میں کسی ضرورت کے لیے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کی چھت پر چڑھا۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کعبہ کو پیٹھ کئے اور شام کی طرف منہ کئے قضاہ حاجت فرما رہے تھے۔ دوسری حدیث کا مضمون یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام دو اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کیے ہوئے قضاہ حاجت فرما رہے تھے۔ یہ احادیث مع تفہیم کے پہلے گزر چکی ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کا متن نہیں لکھا۔

بَابُ الْأَسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ

باب پانی سے استنجا کرنے کے بیان میں

اس باب کے قائم کرنے سے امام کا مقصد ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ پانی سے استنجا کرنا مکروہ ہے اور یہ کہ پانی سے استنجا کرنا حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضاہ حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا کوزہ لے کر آتے یہی حضور علیہ السلام اس سے استنجا فرماتے۔

۱۵۰۔ یَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَرَجَ لِحَاجَتِهِ أَحْبَبْتُ أَنَا وَغُلَامٌ وَمَعَنَا إِدَاوَةٌ مِّنْ مَّاءٍ لِّعَنِّي يَسْتَنْجِي بِهِ (بخاری)

اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ اور طہارۃ میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم، نسائی، ابوداؤد نے بھی طہارۃ میں ذکر فرمایا ہے۔

غلام کی جمع غلمان ہے۔ غلام کی تعریف میں متعدد قول ہیں۔ دودھ پچھنے سے سات برس کی عمر تک غلام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جس کی مونچھیں ظاہر ہو جائیں۔ اس کو غلام کہیں گے۔ علامہ زنجیزی کہتے ہیں غلام وہ لڑکا ہے جس کی ڈاڑھی نہ نکلی ہو۔ ان تمام اقوال کا حاصلی یہ ہے کہ جس کی ڈاڑھی آجائے اس کو غلام نہیں کہیں گے مگر مجازاً جیسے سیدنا حضرت علی کریم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنے ایک رجز بن فرمایا۔ انا غلام الباشعی المکی۔ ادواۃ۔ اس چھوٹے بڑن کو کہتے ہیں جو چمڑے سے بنایا جائے۔

۲۔ اصل میں یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری کا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ پانی سے استنجا جائز ہے

صحیح نہیں کیونکہ یسینجی یہ حضرت انس کا قول نہیں ہے بلکہ ابو الولید کا ہے جو شعبہ سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی حدیث کو سلیمان بن حرب نے شعبہ سے روایت کیا ہے۔

پانی سے استنجا کرنے کے مسائل اور اس کی تفصیلی بحث | مگر اس میں یسینجی بہ کا لفظ نہیں ہے۔ جس سے یہ استدلال پیدا ہوتا ہے کہ یہ پانی استنجا کے

لیے نہیں بلکہ وضو کے لیے لایا گیا ہو۔ جواب یہ ہے کہ متعدد روایتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ جلد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے بطریق ابن بشار عن غندر عن شعبہ جو روایت کی ہے۔ اس میں یسینجی بالما رہے سی طرح روایت اسما عیسیٰ بن طریق عن مروان بن مرقع عن شعبہ اس کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔
لَسْتُ بِمَنْ شَرِبَ مِنْهَا مَاءً يَسْتَنْجِي مِنْهَا | ہمارے ساتھ پانی کا برتن تھا جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا فرمایا۔

اسی طرح بخاری نے روح بن قاسم سے انہوں نے عطاء بن ابی میمونہ سے جو روایت کی ہے اس میں ابو مسلم نے رقی خالد الخداری عن عطاء عن انس میں اور صحیح ابی حاتم میں بھی یہی لفظ ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے۔ یسینجی یہ حضرت انس کا قول ہے۔ ابو الولید بن حشام کا نہیں ہے۔ ۳۔ اس کے علاوہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے استنجا فرمایا۔ مثلاً

۱۔ صحیح ابن خزیمہ میں ابویہم بن جریر سے ہے کہ حضور غیضہ میں قضاء حاجت کے لیے تشریف لائے اور جریر ایک ٹولہ لائے اور آپ نے پانی سے استنجا فرمایا۔ ۲۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے گئے تو میں نے آپ کے لیے پانی کا برتن رکھ دیا (بخاری شریف) ۳۔ مسلم نے پانی سے استنجا کرنے کو اور فطرۃ میں عمار کیا ہے ۴۔ صحیح ابن حبان میں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ حضور علیہ السلام بیت الخلاء سے نکلے ہوں اور پانی نہ لیا ہو ۵۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اپنے خاوندوں سے کہو کہ وہ پاخانہ و پیشاب کے بعد پانی استعمال کریں کیونکہ حضور ایسا کرتے تھے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔ ۶۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے پانی سے استنجا فرمایا ۷۔ ابن حبیب نے شرح مطواری ابان بن یاش سے روایت ذکر کی کہ حضور اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ پانی سے استنجا کیا کرو۔ اس میں زیادہ پاکیزگی ہے۔ یہ تمام پیشین معنی ج ۱ ص ۱۷۱ نیل اوطار و ارشاد المساری میں ہیں۔

ان احادیث سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو پانی سے استنجا کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پانی سے استنجا نا حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔

ترصیح | ۱۔ جہور سلف و خلف کا مسلک یہ ہے کہ پانی اور ڈھیلوں دونوں سے استنجا کرنا افضل ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ڈھیلا لے تاکہ نجاست کم ہو جائے اس کے بعد پانی سے دھو کے۔

۲۔ اور اگر ایک پر اکتفا کرنا چاہے تو پانی سے استنجا کرنا افضل ہے۔ کیونکہ ڈھیلا سے صرف عین نجاست زائل ہوتی ہے

مگر اثر زائل نہیں ہوتا اور پانی سے عین نجاست اور اس کا اثر دونوں زائل ہو جاتے ہیں اور اس میں زیادہ پاکیزگی بھی ہے مگر مستحب یہ ہے کہ ڈھیلے لینے کے بعد پانی سے استنجا کرے کیونکہ ڈھیلے لینا بہر صورت سنت ہے۔

۳۔ یہی یہ بات کہ صرف ڈھیلے سے بھی استنجا کرنا کافی ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ وشفای فرماتے ہیں کہ صرف ڈھیلوں سے استنجا کر لینا کافی ہے کیونکہ پانی سے استنجا کرنا واجب نہیں ہے لیکن ڈھیلوں سے استنجا کرنا اس صورت میں کافی ہوگا اور اس سے نماز بھی درست ہوگی۔ جب کہ نجاست سے مخرج کے آس پاس کی جگہ ایک درہم سے زیادہ اکودہ نہ ہو اور اگر درہم سے زیادہ سن ہو جائے تو پھر دھونا فرض ہے اگرچہ ڈھیلے لینا اس صورت میں بھی مُتَمَتَّع ہے حضرت سعید بن ابی وقاص، ابن زبیر اور ابن مسیب اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مسلک ہے کہ پانی سے استنجا کرنا واجب نہیں ہے اور صرف ڈھیلوں سے پاک کر لینا کافی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا کہ جب تم میں سے کوئی پانے کے لیے جائے اور تین پتھر دل سے استنجا کرے وہ کافی ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صرف ڈھیلے سے استنجا کرنا کافی ہے اور پانی سے کرنا واجب نہیں ہے۔

۴۔ علامہ طحاوی نے پانی سے استنجا کرنے کا استدلال اس آیت سے کیا ہے۔ فَيَلْبِسُ رِجَالٌ يُحْشَوْنَ الْكَيْسَ وَيُحْشَرُونَ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْطِطِينَ۔ یہ آیت جب نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں تمہاری تعریف کی ہے تو بتاؤ تمہاری طہارت کیا ہے۔ عرض کی حضور! ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اور جنابت سے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تو وہی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اسی فعل کو پسند فرمایا ہے) لہذا اس کا التزام کرو۔ (ابن ماجہ حسن بصری وابن ابی لیلیٰ وحسن بن صالح اور ابو علی جبائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم یہ کہتے ہیں۔ نماز کے لیے صرف ڈھیلے لینا کافی نہیں اور پانی سے استنجا کرنا واجب ہے اور ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ فَلَمْ تَجِدُوا أَمَاءً قَتَيْمَةً وَلَا لَكِن ظَاهِرٌ هُوَ أَنَّ اس آیت سے استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق وضو سے ہے استنجا سے نہیں ہے۔ اسی طرح یہ لوگ احادیث ذیل سے بھی استدلال کرتے ہیں جن کا مضمون یہ ہے:-

- ۱۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے استنجا فرمایا۔
 - ۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں سے کہا کہ اپنے شوہروں کو پانی سے استنجا کرنے کی تاکید کرو۔
 - ۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ پانے کے بعد پانی پیتے ہوئے دیکھا۔
 - ۴۔ اہل قبائے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اس کو لازم کرو اور اہل قبائے پانی سے استنجا کرتے تھے۔
- لیکن ان احادیث سے پانی سے استنجا کرنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ پانی پر اکتفا کرنا بہتر ہے۔ — رہا یہ کہ اہل قبائے حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ پانی سے استنجا کرنے کو لازم کرو۔ اس سے بھی وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اہل قبائے کی تخصیص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بہت لوگ پانی سے استنجا نہیں کرتے تھے۔ تو اگر پانی سے دھونا واجب ہوتا تو تمام صحابہ ایسا کرتے اور اگر پانی سے استنجا کرنے کا وجوب شارع علیہ السلام کو منظر ہوتا، تو آپ

تمام لوگوں کو اس کا حکم دیتے۔ صرف اہل قبائر کو مخصوص نہ فرماتے اور اہل قبائر کو مخصوص فرمانے کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے اس فعل کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا تو حضور علیہ السلام نے ان کو اس فعل پر قائم رہنے کی تلقین فرمادی۔

حدیث زیر بحث سے مسائل ذیل معلوم ہوئے۔

مسائل حدیث

- ۱۔ بزرگوں اور اہل فضل کی خدمت کرنا اور اس سے برکت حاصل کرنا اور ان کی حاجت پورا کرنے کی تلاش میں رہنا۔ خصوصاً امور طہارت میں جائز ہے۔
- ۲۔ بزرگوں کا اپنے متبعین سے جو آزاد ہو خدمت لینا جائز ہے۔
- ۳۔ قضاء حاجت کے لیے پرشیدہ مقام پر جانا ۴۔ اسباب و ضروریں کسی سے مدد لینا جائز ہے۔
- ۵۔ پانی سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ حَمَلَ مَعَهُ الْمَاءَ لِطُهُورِهِ

باب طہارت کے لیے پانی کا ساتھ لے جانا

وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ فِيكُمْ شَيْءٌ
صَاحِبُ التَّعْلِيْنِ وَالطُّهُورِ وَالْوَسَادِ

اور ابو الدرداء نے عراق والوں سے کہا کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے جو (حضور علیہ السلام کی) تعلیم و ضرورت کا پانی اور کچھ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

- ۱۔ اس تعلیق کو امام نے مناقب میں موصولاً ذکر کیا ہے۔ علقمہ بن قیس کہتے ہیں کہ شام کی مسجد میں میری ملاقات حضرت ابوذر دار سے ہوئی۔ میں نے کہا میری خواہش ہے کہ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔ انھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا اہل کوفہ سے ہوں۔ اس پر حضرت ابوذر دار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کیا تم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیق بردار نہیں ہے۔ (یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود نہیں ہیں) جن کو حضور علیہ السلام کی تعلیم برداری و ضرورت کا پانی اور کچھ اٹھانے کا شرف حاصل تھا۔
- ۲۔ امام بخاری نے اس تعلیق کو حدیث انس کے ساتھ اپنے قائل کردہ تائید و توثیق کے لیے ذکر کیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے اصحاب سے اس نوع کی خدمت لیا کرتے تھے۔

۱۵۱۔ قَالَ سَمِعْتُ النَّسَاءَ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ يَحَاجَّتْهُ تَبَعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ قَبِيصًا مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِّنْ مَّاءٍ (بخاری)

عطاء۔ ابن مسعود کہتے ہیں میں نے انس سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حاجت کے لیے (جنگل) کو تشریف لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا دونوں مل کر ایک ڈول پانی لے کر آپ کے پیچھے جاتے۔

اس حدیث کی باب سے مناسبت بالکل ظاہر ہے یعنی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ استنجاء کے لیے اپنے ساتھ پانی لے جانا جائز ہے اور اگر کوئی خادم لے جاتے تو یہ بھی جائز ہے۔

بَابُ حَمْلِ الْعِزَّةِ مَعَ الْمَاءِ فِي الْأَسْتَنْجَاءِ

باب استنجاء کے لیے پانی کے ساتھ نیزہ لے جانے کے بیان میں

اس باب میں امام بخاری نے مذکورہ بالا حدیث ہی ذکر کی ہے۔ البتہ اس میں عنترہ کا لفظ زیادہ ہے۔ حدیث زیر باب کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب قنصر حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا۔

۱۵۲۔ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَخْبِلَ آتَاوَعْلَامُ إِدَاوَةً مِّنْ مَّاءٍ وَعَنْتَرَةٌ لِّسْتَنْجِي بِالْمَاءِ

پانی کا برتن اور نمیزہ لے جاتے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پانی سے استنجا فرماتے۔

اس حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کے ساتھ نیزہ ہی لے جاتے تھے نواس کی متعدد وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یہ کہ آڑکی ضرورت ہو تو نیزہ کو زمین میں گاڑ کر اس پر کپڑے ڈال دیں تاکہ پردہ ہو جائے یا زمین اگر سخت ہو تو اس کو کھودیں تاکہ نرم ہو جائے اور پیشاب کی چٹینیں نہ اڑیں۔ یا یہ کہ نیزہ کو بازو کی طرف گاڑ دیا جائے تاکہ راہ گزریہ سمجھ لے کہ یہاں کوئی قنصر حاجت کر رہا ہے۔ یا یہ نمزدنی جانوروں سے حفاظت کے لیے اس کا ساتھ رکھا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام آبادی سے دور ویران جگہ میں قنصر حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ استنجے کے بعد آپ وضو کر کے نماز پڑھتے ہوں اور برہمی کو زمین میں گاڑ دیتے ہوں تاکہ ستر کا کام دے۔ چنانچہ سترہ کے باب میں امام نے اسی مسئلہ کے بیان کرنے کے لیے حدیث زیر بحث کو ذکر کیا ہے ۲۔ عنترہ، اس لکڑی کو کہتے ہیں جس میں شام لگی ہو۔

بَابُ التَّطَهُّيِّ عَنِ الْإِسْتِجَاءِ بِالْيَبِينِ

باب داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے کی ممانعت میں

۱۵۳۔ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنْسَاءِ وَ إِذَا آتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسْ ذَكَرَهُ بِسَبِيحَةٍ وَلَا يَتَمَسَّحُ بِسَبِيحَةٍ (بخاری)

ابو قتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی چیز پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب کوئی پاؤں میں آئے تو اپنی شرمگاہ کو سیدھا ہاتھ نہ لگائے اور نہ سیدھے ہاتھ سے استنجا کرے۔

۱۔ اس حدیث کو امام نے مکرر طہارت میں اور کتاب الاشراب میں ذکر کیا۔ ابو داؤد، نسائی وابن ماجہ و ترمذی نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ جب کوئی پینے کی چیز پی جائے تو برتن میں سانس نہ لیا جائے۔ حضور اکرم کے اس ارشاد کے فوائد بالکل ظاہر ہیں۔ اسی طرح داہنے ہاتھ سے مس ذکر نہ کیا جائے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کیا جائے۔ یہ نہی تنزیہی ہے۔ اسی پر جمہور کا اتفاق ہے۔ فقہار کرام نے اسی حدیث سے پسند نکالا کہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرنا یا اس کو چھونا یا ڈھیلے کو داہنے ہاتھ سے گزارنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ داہنا ہاتھ عزت و بزرگی رکھتا ہے۔

بَابُ لَا يَسِيكَ ذِكْرُهُ بَيِّنَةٌ إِذَا بَالَ

باب پیشاب کرتے وقت شرمگاہ کو دہانے ہاتھ سے تھامنا

۱۵۴- عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرْ ذِكْرَهُ
بَيِّنَةً وَلَا يَسْتَنْجِ بِبَيِّنَةٍ وَلَا يَتَنَفَّسْ
فِي الْإِذَاءِ (بخاری)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم
میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنی شرمگاہ کو سیدھے
ہاتھ سے نہ تھامے اور سیدھے ہاتھ سے استنجا
نہ کرے اور نہ (برتن) میں سانس لے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترجمہ باب پہلی حدیث سے بھی معلوم ہو گیا تھا۔ پھر تکرار سے فائدہ۔ جواب
یہ ہے کہ امام کی عادت یہ ہے کہ وہ اس حدیث کو جس سے متعدد مسائل نکلتے ہوں متعدد دیا ہوں

فوائد مسائل

ہیں لاتے ہیں حتیٰ کہ حدیث کے کسی ایک ٹکڑے سے بھی کوئی نئی بات پیدا ہوتی ہو تو عنوانِ فہم کر دیتے ہیں۔ پھر
اس کے علاوہ اس میں اسناد و الفاظِ متن کا فرق ہے۔ لہذا تکرار سے فائدہ نہ ہوتی۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا۔ پہلے
باب میں امام نے دہانے ہاتھ سے استنجا کرنے کی ممانعت ثابت کی تھی اور اب اس باب میں دہانے ہاتھ سے شرمگاہ
کو چھونے کی ممانعت بیان کی ہے۔

بَابُ الْإِسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ

باب ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بیان میں

اس باب کو قائم کر کے امام نے ان لوگوں کے خیال کی تردید کی ہے جو پانی سے استنجا کرنے کو ضروری کہتے ہیں۔

۱۵۵- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اتَّبَعْتُ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ
لِحَاجَتِهِ وَكَانَ لَا يَلْتَفِتُ قَدْ نَوَتْ
مِنْهُ فَقَالَ الْغُبَيَّيْ أَحْجَارًا اسْتَنْفَضُ
بِهَا أَوْ نَحْوَهُ وَلَا تَابِنِي بِعَظْمٍ وَلَا
رُوثٍ فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِيَابِي
فَوَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ
فَلَمَّا قَضَى اتَّبَعْتُهُ بِهِنَّ (بخاری شریف)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا۔ آپ قضاء حاجت
کے لیے نکلے تھے۔ اور (چلتے ہیں) پیچھے نہیں دیکھتے
تھے۔ میں آپ کے قریب ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے
لیے کچھ پتھر (ڈھیلے) ڈھونڈ کر لاؤ۔ تاکہ میں اس سے
استنجا کروں، یا ایسا ہی آپ نے کوئی اور جملہ کہا اور
فرمایا ڈھی بیٹھنی نہ لانا۔ میں اپنے دامن میں کئی پتھر لے
آیا اور آپ کے پاس رکھ دیے اور ایک طرف ہٹ گیا۔

آپ جب قضاء حاجت سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا (استنجا کیا)

۱- اس باب کے قائم کرنے سے امام کا مقصد ان لوگوں کے خیال کی تردید کرنا تھا۔ جو پانی سے استنجا
کرنے کو ضروری قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حدیث زیرِ عنوان سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ڈھیلوں
سے استنجا کرنا جائز ہے اور پانی سے استنجا کرنا ضروری و لازمی نہیں ہے البتہ ڈھیلے سے طہارت اس وقت ہوگی جبکہ

فوائد مسائل

نجاست سے خرچ کے آس پاس کی جگہ ایک درہم سے زیادہ اکروہ نہ ہو۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ کسی بزرگ یا امام کا اپنے ساتھی یا ماتحت یا دوست یا نیا زمند سے نہ استینا

جائز ہے۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے لیے سامان استنجار مہیا کر دینا جائز ہے۔

۳۔ گو برہمی سے استنجار کرنا مکروہ ہے کیونکہ ہڈی جنوں کی خوراک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ان کے لیے گناہت پیدا فرما دیتا ہے اور گو برہمنوں کے چار پاؤں کی خوراک ہے۔ پتھر سے استنجار کرنا متعین نہیں ہے۔ ہر وہ چیز جو پاک ہو، جادہ ہوا اور نجاست زائل کر سکے وہ استنجاء کرنے کے کام آسکتی ہے۔ جیسے پتھر، کنکر، مٹی کا ڈھیلہ کپڑا وغیرہ ان سے بلا کر استنجاء کرنا جائز ہے۔ اسی طرح دیوار سے بھی استنجاء رکھا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ غیر کی ملک نہ ہو۔ اگر دوسرے کی ہے اور اس سے استنجاء رکھا یا تو اگرچہ طہارت ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ البتہ جو مکان کر کے پرلے رکھا ہے اس کی دیوار سے استنجاء رکھنا جائز ہے۔ پرانی دیوار سے ڈھیلے توڑ کر استنجاء کر لیا یا کاغذ سے کیا تو طہارت تو ہو جائے گی مگر یہ فعل علی الترتیب ناجائز اور منوع ہوگا۔ سونا، چاندی، ہڈی، گوہر، پکی اینٹ، تھیکری اور شیشہ، کوئلے اور جانور کے چارے وغیرہ سے استنجاء کرنا بھی مکروہ ہے۔ اگر کسی نے ان اشیاء سے استنجاء کر لیا تو ہو جائے گا (عامہ کتب فقہیہ حنفیہ)

۴۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استنجاء کے لیے پتھر تلاش کر لاؤ۔ پتھر کے لفظ سے بعض حنابلہ و ظاہر یہ نے یہ استدلال کیا کہ استنجاء صرف پتھر ہی سے ہو سکتا ہے لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ابوہریرہ کو یہ حکم دیا کہ میرے لیے پتھر لاؤ۔ مستفصل بھانا کہ میں اس سے صفائی حاصل کروں۔ استنفض کے لفظ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ گمان کر سکتے تھے کہ جو چیز مجبیٰ نجاست کے اثر کو زائل کر دے وہ استنجاء کے کام آسکتی ہے۔ خواہ وہ پتھر ہو، یا کچھ اور تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ہڈی و گوہر کی نفی کر دی تو ہڈی و گوہر کی نفی سے یہ واضح کہ ان کے سوا سے استنجاء جائز ہے۔ پس اگر استنجاء صرف پتھر کے ساتھ خاص مانا جائے تو ہڈی و گوہر کو نفی کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ رہی یہ بات کہ حضور علیہ السلام نے پتھر کی تخصیص کیوں فرمائی؟ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ عامۃ الوجود ہے خصوصاً عرب کی سرزمین میں۔

گوہر و ہڈی سے استنجاء کرنے کا بیان | وہی یہ بات کہ اگر کسی نے گوہر یا ہڈی سے استنجاء کر لیا تو طہارت ہو جائے گی یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے اور طول و طویل بحث

ہیں۔ مثلاً اگر گوہر و ہڈی سے استنجاء کی ممانعت کی علت یہ ہو کہ یہ جنوں کی خوراک ہے جیسا کہ بخاری کتاب المبعث کی حدیث میں وارد ہوا ہے تو اس سے تمام مطوعات (کھانے کی چیزوں) سے استنجاء کر کے کی ممانعت نکلے گی اور اگر گوہر سے ممانعت کی علت ہو کہ یہ خود نجس ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آئے گا کہ حضور علیہ السلام نے گوہر سے یہ کہہ کر استنجاء نہیں فرمایا کہ یہ نجس ہے تو اس سے نجس اشیاء سے استنجاء کی ممانعت ثابت ہوگی اور ہڈی سے ممانعت کی وجہ یہ ہو کہ وہ چکنی ہوتی ہے اور اس سے نجاست کا ازالہ ناممکن نہیں ہوتا۔ تو اس سے چکنی چیزوں سے استنجاء کی ممانعت ثابت ہوگی جیسے آئینہ شیشہ وغیرہ تو جب ممانعت کی علت میں علماء کا اختلاف ہوا، تو اس امر میں بھی اختلاف ہو گیا کہ آیا ان اشیاء سے استنجاء

کرنے کی صورت میں طہارت ہوگی یا نہیں۔

امام شافعی وغیرہ کہتے ہیں کہ گوبر و ہڈی سے استنجہ کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا اگر کسی نے کر لیا تو طہارت نہ ہوگی، یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جن میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ گوبر و ہڈی سے استنجہ امر مت کرو، چنانچہ اس مضمون متعدد حدیثیں، مسلم، دارقطنی، نسائی، حاکم نے روایت کی ہیں اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ گوبر و ہڈی سے استنجہ کرنے کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ وہ جنوں کی خوراک ہیں۔ کیونکہ جنوں نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی خوراک کے متعلق سوال کیا تو حضور نے فرمایا کہ ہڈی پر تمہارے لیے اور گوبر پر تمہارا ہے چار پاؤں کے لیے اللہ تعالیٰ خوراک پیدا فرما دے گا اس پر جنوں نے عرض کی۔

حضور! بنی آدم ہڈی اور گوبر سے استنجہ کر کے اس کو ناپاک کر دیتے ہیں۔ اس پر حضور نے حکم دیا کہ تم لوگ ہڈی لید و گوبر سے استنجہ نہ کیا کرو کیونکہ یہ دونوں چیزیں تمہارے بھائی جنات کی خوراک ہیں۔

إِنَّ بَنِي آدَمَ لَا يَسْتَنْجُوا عَلَىٰ نَجَسٍ وَلَا يَسْتَنْجُوا بِرَوْثٍ وَلَا بِأَبَةٍ وَلَا بِعَظْمٍ إِنَّ زَادَ إِخْوَانَكُمْ مِنَ الْجِنِّ (طحاوی)

اسی مضمون کی حدیث بخاری، مسلم، احمد، ابوداؤد و نسائی، دارقطنی، حاکم نے روایت کی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ گوبر و ہڈی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجہ کرنے کی ممانعت اس لیے فرمائی کہ یہ جنوں کی خوراک ہے۔ لہذا ان اشیاء سے استنجہ کرنے کی کراہت ثابت ہوئی ہے۔ نہ یہ کہ ان اشیاء سے ڈھیلوں کی طرح طہارت بھی نہیں ہوتی۔ رہی وہ حدیثیں جن میں حضور علیہ السلام نے ہڈی و گوبر سے استنجہ کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہمیں وہ تسلیم ہیں مگر ممانعت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر کسی نے ہڈی و گوبر سے استنجہ کر لیا تو نجاست کا ازالہ بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ استنجہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی ہوئی چاہے کہ نجاست کو زائل کر سکے۔ سوکھا ہوا گوبر، یا سوکھا ہوا اونٹ کا میٹھا یا ہڈی ان میں یہ صلاحیت ہے کہ ان سے نجاست صاف ہو جاتی ہے۔ لہذا اگر کسی نے ان سے استنجہ کر لیا تو طہارت تو ہو جائے گی۔ اگرچہ اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا۔

لہذا ممانعت کی حدیثوں سے یہ استدلال کرنا (جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے کیا ہے) کہ ہڈی و گوبر سے نجاست کا ازالہ ہی نہیں ہوگا۔ لہذا طہارت نہ ہوگی، صحیح نہیں بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ ممانعت اور چیز ہے اور نجاست کا زائل ہو جانا اور بات ہے دیکھئے کہ کاغذ سے استنجہ کرنا ممنوع ہے اور اس کی علت کاغذ کا احترام ہے کہ اس پر لکھا جاتا ہے لہذا اس کو استنجہ کے لیے استعمال نہ کیا جائے لیکن اگر کسی نے بالقرص کاغذ سے استنجہ کر لیا اور نجاست کو اس سے پونچھ لیا تو اس کے متعلق یہ تو کہا جائے کہ اس نے بڑا کیا لیکن یہ نہیں کہ کاغذ سے نجاست کو پونچھنے سے نجاست زائل نہیں ہوتی لہذا طہارت نہ ہوتی۔ فافہم

بَابُ لَا يَسْتَنْجِي بِرَوْثٍ
باب گوبر سے استنجہ نہ کیا جائے

۵۶: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ الْخَائِطُ فَاَمَرَ فِيْ اَنْ اَتِيَهُ بِشَلَا نَحْنُ اَحْمَرُ اَوْ فَوَجَدْتُ حَجْرَيْنِ وَاَلْتَمَسْتُ مِثْلَ شَالَتْ فَلَمْ اَجِدْ فَاَخَذْتُ رُوْثَةً فَاتَيْتُهُ بِهَا فَاَخَذَ الْحَجْرَيْنِ وَالْعَبَا لِرُوْثَةٍ وَقَالَ هَذَا رِكْسٌ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضاہ حاجت کے لیے جگہ میں گئے مجھے تین پتھر لانے کا حکم دیا۔ میں نے دو پتھر تو تلاش کر لیے۔ تیسرا ڈھونڈنا نہ ملا تو میں نے گوبر کا ٹکڑا اٹھا لیا اور آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے دونوں پتھروں کو تو لے لیا اور گوبر پھینک دیا اور فرمایا یہ پلیٹ ہے۔

۱۔ یہ حدیث افراد بخاری سے ہے۔ امام مسلم علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو نہیں لیا۔ نسائی وابن ماجہ نے کتاب الصلوات میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ۷۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ ۱۔ گوبر سے استنجہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر کے متعلق فرمایا کہ یہ ریس ہے یعنی جس سے ریس کے منہ بجھانے کیلئے اولیٰ ہے کیونکہ روایت ابن ماجہ وابن خزیمہ میں ریس کی جگہ جس کا لفظ آیا ہے۔ ۳۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ استنجہ کے لیے تین ڈھیلوں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی ڈھیلوں کی کوئی تعداد معین سنت نہیں بلکہ جتنے سے صفائی ہو جائے کافی ہے تو اگر ایک سے صفائی ہوگئی، سنت ادا ہوگئی اور اگر تین ڈھیلے لیے اور صفائی نہ ہوئی، سنت ادا نہ ہوئی۔ البتہ یہ مستحب ہے کہ ڈھیلے طاق ہوں اور کم سے کم تین ہوں تو اگر ایک یا دو سے صفائی ہو گئی تو تین کی گنتی پوری رہی تبنا مستحب ہے۔ اسی طرح اگر چار سے صفائی ہوگئی تو پانچوں اور لے لینا کہ طاق ہو جائیں مستحب ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا یہی مسلک ہے اور اس کی دلیل اسی حدیث میں موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عید اللہ بن مسعود کو تین ڈھیلے لانے کا حکم دیا۔ ان کو دو لے۔ تیسرے کی جگہ گوبر لے آئے۔ آپ نے گوبر کا استعمال نہ کیا اور دو عدد ڈھیلوں سے استنجہ فرمایا۔ جس سے واضح ہوا کہ دو ڈھیلوں پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اگر تین عدد ڈھیلے سے استنجہ کرنا ضروری ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ضرور تیسرا ڈھیلہ تلاش کرنے کا حکم صادر فرماتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ دو ہی سے استنجہ فرمایا۔

سوالات علامہ طحاوی نے اس موقع پر یہ اعتراض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا ڈھیلہ منگوانے کا حکم اس لیے نہ دیا کہ جس جگہ آپ قضاہ حاجت کے لیے بیٹھے ہوں گے وہاں موجود ہوگا گریا کینا متعدد وجوہ سے باطل ہے کیونکہ اگر دہاں ڈھیلے پہلے ہی سے موجود ہوتے تو حضور علیہ السلام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھیلے لانے کا حکم ہی کیوں دیتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ایسی جگہ قضاہ حاجت کے لیے تشریف لے گئے تھے جہاں پہلے سے ڈھیلے موجود نہ تھے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس جگہ تین عدد موجود نہ تھے۔ ایک موجود تھا تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر ایک اس جگہ پہلے ہی سے موجود تھا تو پھر آپ کو تین کا عدد پر اکرانے کے لیے دو عدد ڈھیلے لانے کا حکم دینا چاہیے تھا لیکن آپ نے دو کی بجائے تین کا حکم دیا جو اس امر کی دلیل ہے کہ

اس جگہ پہلے سے بھی ڈھیلہ موجود نہ تھا۔ قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں امام لحادوی کے استدلال کی تردید میں لکھا ہے۔ سنا احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو ڈھیلے اور ایک گوبر کا ٹکڑا لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں پہنچے تو آپ نے گوبر بھینک دیا اور فرمایا کہ اس کی جگہ ایک، اور پتھر لے آؤ۔ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔ لہذا اس سے ثابت ہوا۔ استنجاء کے لیے تین عدد ڈھیلوں کا مینا واجب ہے۔ اگر تین عدد ڈھیلے لینا واجب نہ ہوتا تو حضور سید عالم تمیز اڈھیلہ مٹگانے کا حکم نہ فرماتے۔ اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث میں استنجاء علقہ سے روایت کرتے ہیں اور امام لحادوی کے نزدیک استنجاء علقہ سے سماع ثابت نہیں ہے لہذا یہ حدیث منقطع ہے اور منقطع حدیث محدثین کے ہاں قابل عمل نہیں ہے۔ اسی طرح ابو شیبہ واسطی ضعیف ہیں۔ لہذا ان کی متابعت بھی معتبر نہیں (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۹۱ عینی جلد ۱ ص ۱۳۷)۔ پس ثابت ہوا کہ استنجاء کے لیے تین عدد ڈھیلوں کا ہونا واجب نہیں اور بلا تعین تعداد ڈھیلے سے استنجاء کرنا سنت ہے اور ان کا طاق ہونا مستحب ہے۔

واضح ہو کہ اس باب کی متعدد حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین ڈھیلوں سے استنجاء کیا جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہم تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفا نہ کریں۔ (احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد و ترمذی)۔ ان احادیث سے علماء کا ایک طبقہ استدلال کرتا ہے کہ استنجاء کے لیے تین ڈھیلوں کا ہونا واجب ہے اور تین عدد سے کم سے استنجاء جائز نہیں ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں کہ مقصود استنجاء سے صرف یہ ہے کہ نجاست زائل ہو جائے اور وہ جس قدر ڈھیلوں سے ہو جائے درست ہے۔ خواہ تین سے کم ہوں یا زیادہ جفت ہوں یا طاق اور وہ حدیثیں جن میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین عدد ڈھیلوں سے استنجاء کیا کرو تو ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تین کا عدد ڈھیلوں کے لیے متعین ہے اور تین سے کم سے نجاست کا ازالہ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ تین عدد ڈھیلوں سے صفائی نہیں ہوئی ہے تو اس کو اسی قدر مزید ڈھیلے لینا واجب ہے۔ جن سے صفائی ہو جائے خواہ وہ تین سے کتنے ہی ہو جائیں۔ اسی طرح اگر ایک پتھر کے متعدد طرف ہیں۔ مثلاً تین اطراف ہیں تو ان تینوں اطراف سے استنجاء کیا تو باقی رہے۔ جس سے واضح ہوا کہ ڈھیلوں کی کوئی تعداد معین سنت نہیں ہے۔ چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس مسلک کی تائید و توثیق حدیث ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اسْتَجْمَعَ فَلْيُوتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَحَرَجٌ
جو شخص ڈھیلوں سے استنجاء کرے تو ڈھیلے وتر (طاق) لے جس نے ایسا کیا اچھا کیا جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اس مضمون کی متعدد حدیثیں ہیں۔ جن سے واضح ہوا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طاق ڈھیلے لینے کا حکم بطور استحباب کے دیا ہے۔ بطور فرضیت کے نہیں۔ اگر بطور فرضیت کے طاق ڈھیلے کا حکم فرمایا ہوتا تو پھر مَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَحَرَجٌ (جو جس نے طاق ڈھیلے نہیں لیے تو بھی کوئی حرج نہیں) نہ فرماتے۔ نیز اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو ڈھیلے اور ایک گوبر کا ٹکڑا لے کر آئے تو آپ نے گوبر کو پھینک دیا اور دونوں ڈھیلوں سے استنجہ فرمایا۔ حضور علیہ السلام کے اس فعل سے بھی واضح ہوا کہ ڈھیلوں میں تین عدد متین نہیں ہے بلکہ جتنوں سے نجاست زائل ہو جائے۔ اتنے ہی ڈھیلے لینا ضروری ہیں۔ خواہ دو ہوں یا تین۔ البتہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ طاق ڈھیلے لینا مستحب ہے۔

نیل الاوطار میں فاضل شوکانی نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کی رائے پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ وہ اسنادیث جن میں حضور علیہ السلام نے تین عدد ڈھیلے لینے کا حکم کیا ہے قوی ہیں اور حدیث عبداللہ بن مسعود جس میں یہ ہے کہ آپ نے دو عدد ڈھیلوں سے استنجہ فرمایا فعلی ہے اور جب قوی اور فعلی حدیثوں میں تعارض ہو تو قوی حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۹۶)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کی اصل دلیل فعلی نہیں بلکہ قوی ہی ہے یعنی وہ حدیث ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاق ڈھیلے یا کرو۔ جس نے طاق ڈھیلے لیا اچھا کیا اور جس نے نہیں لیا تو اس پر کوئی عرج نہیں۔ رہی زیر بحث فعلی حدیث تو یہ امام نے بطور تائید کے پیش کی ہے نہ کہ بطور اصل دلیل کے اس کے علاوہ یہ کلیہ قاعدہ نہیں ہے کہ فعلی اور قوی میں تعارض ہو تو ضرور ہر جگہ پر قوی کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً

باب وضو میں ایک بار اعضا کو دھونا

۱۵۷۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ | حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً | کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضا وضو کر کو ایک ایک بار دھویا۔

بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ

باب وضو میں دو دو بار اعضا کو دھونا

۱۵۸۔ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | عبد اللہ بن زید کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ | اعضا وضو کر دو دو بار دھویا۔

بَابُ الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

باب وضو میں اعضا وضو کو تین تین بار دھونا

۱۵۹۔ أَنَّهُ رَأَى عُمَرَانَ بْنَ عَمَّانَ دَعَا | حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے غلام حمران نے خبر دی
بِإِسَاءٍ فَأَخْرَجَ عَلَى كَفْيِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ | کہ انھوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان نے پانی کا برتن منگایا۔
فَغَسَلَهُمَا شَرًّا أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْإِسَاءِ | (پہلے) اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار ڈالا اور ان کو دھویا
فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ شَرًّا غَسَلَ وَجْهَهُ | پھر پانی دھونا پھر برتن میں ڈالا۔ پھر ہاتھ کی اور ناک کی پھر
ثَلَاثًا وَبَدَّيْهِ إِلَى الْمِرْقَاقَيْنِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ | اپنا منہ تین بار دھویا اور دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت تین بار

دھوئے پھر سر پر مسح کیا (ایک بار) پھر دونوں پاؤں
مٹھوں تک تین بار دھوئے۔ پھر کہا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی میرے اس وضوء کی
طرح وضوء کرے اور دو رکعتیں (تحتیہ الوضوء) پڑھے اور
اس عرض میں دنیا کا خیال اپنے دل میں نہ لائے تو اس
کے اگلے گناہ بخش دیتے جائیں گے۔

ابن شہاب نے کہا لیکن عروہ حمران سے اس حدیث کی
یوں روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ وضوء کر چکے تو کہنے لگے میں تم کو ایک حدیث سناتا
ہوں۔ اگر قرآن مجسم کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم کو یہ
حدیث نہ سناتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص اچھی طرح وضوء کرے اور اس
کے بعد نماز پڑھے تو جتنے گناہ اس نماز سے دوسری
نماز کے پڑھنے تک بہوں گے، وہ بخش دیئے جائیں
گے (بخاری)

ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ
ثَلَاثَ مَرَّاتٍ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
تَوَضَّأَ نَحْوَ رُضْوَيٍّ هَذَا اشْتَمَلَ
رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفْرَ لَهُ
مَا قَدْ مَرَّ مِنْ ذُنُوبِهِ
قَالَ ابْنُ شَهَابٍ وَلَكِنْ عَزْوَةٌ يُحَدِّثُ
عَنْ حُمْرَانَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُمَانُ قَالَ لَا
حَدَّثْتُكُمْ حَدِيثًا تَوْلَا آيَةً مَا حَدَّثْتُكُمْ
سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ فَيُحْسِنُ وَضُوءَهُ وَ
يُصَلِّيُ الصَّلَاةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ
وَبَيْنَ الصَّلَاةِ حَتَّى يُصَلِّيَهَا ثُمَّ قَالَ
عَزْوَةُ الْآيَةُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْمُونُ مَا
أَشْرَلْنَا

توضیح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس آیت کی طرف اشارہ کیا وہ سورۃ بقرہ کے دوسرے پارہ کی
آیت ہے جو علماء یہود کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ یہ لوگ حضور علیہ السلام سے متعلق تورات میں جو باتیں
مغضیان کو چھپاتے تھے اور رجم اور دوسرے احکام پر بھی پردہ ڈالتے تھے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور
فرمایا گیا إِنَّ الَّذِينَ يَكْمُونُ مَا أَشْرَلْنَا اَلَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لِلَّذِينَ آمَنُوا حُرْمَةً لِّأَنْفُسِهِمْ فَذَكَرُوا إِلَاهُ فَوَدَّعَوْهُمُ
بِهِمْ۔ ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا کہ دین سے
متعلق انور کی تبلیغ و اشاعت ضروری ہے اور اس کا کتمان حرام ہے۔ اس لیے میں حدیث نبوی کو بیان کرنا اپنا فرض جانتا ہوں
اس کے بعد آپ نے حدیث بیان کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے اچھی وضوء کیا یعنی آداب و سنن کی رعایت کے
ساتھ وضوء کیا۔ پھر نماز پڑھی تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ واضح ہو کہ حدیث کے اس میں اِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا
بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ حَتَّى يُصَلِّيَهَا کا عام شرح حدیث نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ جتنے گناہ اس نماز سے دوسری
نماز کے پڑھنے تک بہوں گے بخش دیئے جائیں گے لیکن علامہ عینی نے حَتَّى يُصَلِّيَهَا کا ترجمہ حَتَّى يَقْرَأَ مَعَهَا کیا ہے
امام نے نین عنوان قائم کئے ہیں اور اس کے ضمن میں عثمان کے مناسب حدیثیں لکھی ہیں۔ تیسری حدیث میں
قوله و مسائل کے مسائل و احکام بیان کیے جاتے ہیں۔ حدیث اول کو ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و نسائی نے روایت

کیا ہے۔ مسلم نے نہیں۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وضو میں اعضا وضو کو ایک ایک بار دھونا فرض ہے یعنی اگر ایک بار بھی نہ دھویا تو وضو ہر گاہ ہی نہیں۔ ان سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو وضو میں ہر عضو کو تین تین بار دھونا فرض قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں داڑھی کو خلال کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ایک بار چہرہ دھونے کے بعد ہاتھوں میں اٹنا پانی نہیں رہتا جس سے خلال کیا جاسکے۔ حدیث دوم افراہ بخاری سے ہے۔ ابو داؤد و ترمذی نے اسی مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ لیکن ترمذی نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور حدیث سوم کو بخاری نے مکر کتاب الطہارت میں اور کتاب البصر میں ذکر کیا ہے اور مسلم، ابو داؤد و نسائی نے بھی اس حدیث کو کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے۔

مسائل احادیث

کبھی دو دو بار اور کبھی ایک ایک بار۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے بعض اعضاء وضو کو تین تین بار دھویا۔ بعض کو دو دو بار اور بعض کو صرف ایک ایک بار دھویا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور اس سے زائد یعنی تین تین بار دھونا سنت ہے۔

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کے لیے پانی منگایا۔ اس سے ثابت ہے کہ وضو کے پانی لانے کے لیے دوسرے سے مدد لینا جائز ہے۔ ۲۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ جس سے ثابت ہوا کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو تین بار دھولینا مستحب ہے۔ ۳۔ پھر آپ نے اپنا داہنا ہاتھ برتن میں ڈالا۔ اس سے ثابت ہوا کہ داہنے ہاتھ سے چٹو لینا چاہیے۔ ۴۔ پھر آپ نے کھلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ اگرچہ اس حدیث میں تین بار کھلی کرنے کا ذکر نہیں لیکن روایت شعیب جو آگے آ رہی ہے۔ اس میں تین بار کھلی کی تصریح ہے۔ اسی طرح حدیث ابو داؤد میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار کھلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا۔

فَأَخَذَ لِحْجَلٍ وَاحِدٍ هَامًا جَدِيدًا (ابو داؤد) | اور ہر بار نیپا پانی کا چٹو لیا

وضو میں کھلی کرنا اور ناک میں پانی لینا سنت ہے۔ تین چٹو پانی سے تین گھلیاں کرنا چاہیے۔ اس طرح کہ ہر بار منہ کے ہر پورے پر پانی بہ جائے اور اگر روزہ دار نہ ہو تو غرغہ کرے، کھلی پیلے کرے اور اس کے بعد ناک میں تین چٹو لے تین بار پانی ڈالے اس طرح کہ جہاں تک نرم گوشت ہے اور جہاں پانی پہنچ کر لگتا ہے ہر بار اس پر پانی بہ جائے۔ یہ دونوں کام سیدھے ہاتھ سے کئے جائیں اور ناک بائیں ہاتھ سے صاف کی جائے۔

اختلاف

اگر کسی نے بھول کر کھلی نہیں کی یا ناک میں پانی نہیں لیا تو اس کا وضو ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام حسن عطاء، زہری، قتادہ ربیعہ، یحییٰ انصاری و مالک و اوزاعی اور امام شافعی فرماتے ہیں دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں اور عطاء و زہری (فی اول قولہ) و ابن ابی لیلیٰ و حماد و اسحاق یہ فرماتے ہیں کہ جس نے کھلی نہیں کی وہ دوبارہ وضو کرے (وہ قال ابو عبیدہ و ابو ثور)۔ امام عظیم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ وضو میں کھلی کرنا اور ناک میں پانی لینا سنت ہے فرض نہیں تو اگر کسی نے کھلی نہ کی اور ناک میں پانی نہ لیا تو اس کا وضو ہو جائے گا۔

۶۔ پھر آپ نے منہ کو تین بار دھویا۔ منہ دھونا فرض ہے اور اس کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ پانی کے تین دھعت ہوتے ہیں۔ ننگ، بو، منہ پلو میں پانی لینے سے اس کی زنگت اور ناک میں پانی لینے سے اس کی بو اور کلی کرنے سے اس کا مزہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اس لیے منہ دھونے سے پہلے کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے کی ہدایت دی گئی۔

۷۔ اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھوں کو کنبیوں سمیت تین بار دھویا۔ ہاتھوں کو کنبیوں سمیت دھونا بھی فرض ہے اور قرآن حکیم سے ثابت ہے۔

۸۔ پھر آپ نے سر کا مسح کیا۔ یہ بھی فرض ہے۔ مقدار مسح میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں واجب مسح میں صرف آنسہ کے اس پر اہم مسح کا اطلاق آجائے۔ پس اگر کسی نے ایک بال یا تین بال کا مسح کر لیا ہوگا۔ امام مالک و احمد کا مسلک یہ ہے کہ سارے سر کا مسح کرنا ضروری ہے۔ جب تک سارے سر کا مسح نہ ہوگا وضو درست نہ ہوگا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں کہ چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے کیونکہ قرآن کریم میں یہ فرمایا گیا کہ سر کا مسح کرو لیکن قرآن میں مقدار مسح نہیں بتائی۔ حضور علیہ السلام چونکہ قرآنی اصولوں کے شادح ہیں۔ آپ نے اپنے عمل سے یہ بتایا کہ چوتھائی سر کا مسح کیا جائے جیسا کہ حدیث مشہورہ میں وارد ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ سر کا مسح ایک بار کیا جائے یا تین بار؟ امام شافعی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جیسے اور اعضا۔ وضو کرتے تین بار دھونا مستحب ہے۔ اسی طرح تین بار مسح کرنا بھی مستحب ہونا چاہئے حضرت امام شافعی سلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے تین تین بار وضو کیا۔ دوفرہے ہیں تین تین بار وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وضو کے تمام اعضا۔ کو تین تین بار دھویا اور سر پر بھی تین بار مسح کیا۔ لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ خط کشیدہ جملوں کا مطلب یہ ہے کہ وضو میں جو اعضا دھونے جاتے ہیں ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار دھویا۔ چنانچہ صحاح کی کسی حدیث میں بھی مسح کا عدد مذکور نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مسح کا مبنی تخفیف ہے تو اگر مسح میں بھی عدد کا اعتبار کیا جائے تو تخفیف باقی نہ رہے گی۔ مذاہن کو دیگر اعضا وضو پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ جو اعضا دھوتے جاتے ہیں ان کو تین بار دھونے کی ہدایت تو اس بنا پر ہے کہ اعضا۔ وضو خوب اچھی طرح دھل جائیں برخلاف مسح کے حضرت امام مالک و احمد و امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ مسح ایک بار ہی کیا جائے۔ کیونکہ وہ احادیث جن میں وضو کا بیان ہے ان کا مضمون یہی ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے تین بار ہاتھ دھوئے، تین بار کلی کی تین بار منہ دھویا اور سر کا مسح کیا۔ لیکن مسح کے ساتھ عدد کا ذکر نہیں ہوتا جو اس امر کی دلیل ہے کہ مسح ایک بار کرنا ہی مسنون ہے۔

۹۔ پھر دونوں پاؤں کو تین سمیت تین بار دھوئے۔ وضو میں پاؤں کا دھونا بھی فرض ہے اور قرآن حکیم سے ثابت ہے۔

۱۰۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب وضو کر چکے تو آپ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص وضو کرے پھر وضو کی طرح اور دو رکعت نفل پڑھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وضو کے بعد دو رکعت نفل (تختہ الوضوء) پڑھنا مسنون ہے اور اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں۔ اوقات مکروہہ کے علاوہ ہر وقت پڑھے جاسکتے ہیں۔ لایحدث فیہما کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھی جائیں اور دل دنیاوی خیالات سے خالی ہو۔ البتہ جو دوسرے بے اختیار آجائیں وہ معاف ہیں۔ *مُغْفَرٌ لَّہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبٍ*۔ یعنی جو اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت تختہ الوضوء کے پڑھے گا۔ اس کے

اسے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ اگرچہ الفاظ حدیث سے تمام گناہوں کی مغفرت ثابت ہوتی ہے خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ لیکن علمائے دیگر دلائل شرعیہ کے پیش نظر یہ تخصیص کی ہے کہ صغیرہ معاف ہو جائیں گے کبیرہ نہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اس بشارت پر مغرور نہ ہو جانا۔ یعنی یہ خیال کر کے کہ گناہ تو معاف ہو ہی جائیں گے۔ گناہ کرنے پر جرات نہ کرنا۔ کیونکہ گناہ اس نماز سے معاف ہوتے ہیں جو بارگاہ خداوندی میں شرف قبول پائے۔ اب نامعلوم جو نماز پڑھی گئی ہے وہ مقبول ہے یا نہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ کسی عمل پر بشارت کو سن کر گناہ پر دلیر ہو جانا خود ایک مستقل گناہ ہے۔

بَابُ الْإِسْتِثْنَاءِ فِي الْوُضُوءِ

باب وضو میں ناک سُکنے کے بیان میں

۱۶۰۔ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْشِرْ وَمَنْ اسْتَنْشَرَ فَلْيُسَبِّحْ (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وضو کرے وہ ناک سُکے اور جو استنجا کے لیے ڈھیلے لے تو طاق لے۔

فوائد اس حدیث کو ابن ماجہ و سنن ابی داؤد نے کتاب البھارت میں ذکر کیا۔ من توضأ من من موصولة متضمن معنى شرط ہے اور فلیسبب جواب شرط ہے۔ معنی یہ ہے کہ جو کوئی وضو کرے اور ناک میں پانی لے تو ناک سُکے۔ بخاری باب بدر الخلق کی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تم میں سے سو کر اٹھے اور وضو کرے تو تین بار ناک سُکے کیونکہ شیطان رات کو ناک پر شبب ہاٹی کرتا ہے۔ ناک سُکنے میں حکمت یہ ہے کہ خوب اچھی طرح صاف ہو جائے تاکہ حروف اچھی طرح ادا ہو سکیں۔ من استنجر، استنجا۔ پاخانہ و پیشاب کے بعد پھر صاف کرنے کو کہتے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ استنجا کے لیے ڈھیلے طاق لیے جائیں۔

مسائل حدیث ۱۔ وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا سنت ہے اور ناک سُکنا مستحب ہے اسی پر اجماع ہے۔ ۲۔ امام احمد و اسحاق و ابو عبیدہ و ابو ثور و ابن المنذر نے حدیث زیر بحث کے ظاہری الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے وضو میں ناک میں پانی لینے کو واجب قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں فلیسبب استنجر امر کا صیغہ ہے جو وجوب کو چاہتا ہے لیکن جمہور علماء و امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں امر مذہب کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بتایا۔ تَوَضَّأَ كَمَا أَمَرَكَ اللَّهُ (ترمذی و حاکم) تو اس طرح وضو کہ جس طرح قرآن حکیم میں وضو کا بیان آیا ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں وضو کے متعلق ناک میں پانی لینے اور سُکنے کی فرضیت ثابت نہیں ہوئی۔ لہذا حدیث میں ناک میں پانی لینے کو مستحب قرار دیا جانا چاہیے۔ اسی طرح استنجا کے لیے طاق ڈھیلے لینے کی ہدایت بھی مذہبی ہے۔

بَابُ الاسْتِجْبَارِ وَشَرِّهِ

باب استنجار میں طاق ڈھیلے کے بیان میں

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی تم میں سے وضوء کرے تو اپنی ناک میں پانی ڈالے اور پھر ٹھیکے اور جو کوئی استنجار کے لیے ڈھیلے لے تو طاق لے اور تم میں سے جو کوئی سوکر اٹھے تو پہلے ہاتھ وضوء کرے پانی میں ڈالنے سے دھوئے کہ معلوم نہیں اس کا ہاتھ کو کہاں رہا ہے۔

۱۶۱۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَوَضَّعَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ مَاءً ثُمَّ لْيَسْتَنْشِرْهُ مِنْ اسْتِجْبَارٍ فَلْيُيَوِّسْهُ وَإِذَا اسْتَنْقَضَ أَحَدُكُمْ مِنْ تَوَضُّعِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَهَا فِي وَضْؤِهِ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي بَيْنَ بَاتٍ يَدُهُ

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے طہارت میں بھی ذکر کیا ہے اور ابن ماجہ، مسلم، واقفقی، امام طحاوی و ابوداؤد نے بھی اسی مضمون کی حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں دوبار اور تین بار دھونے کے لفظ بھی آئے ہیں۔ ۲۔ یہ حدیث تین حکموں پر مشتمل ہے۔ وضوء کرتے وقت ناک میں پانی لینا اور ٹھیکے۔ استنجاء کے لیے طاق ڈھیلے لینا اور سوکر اٹھنے کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دھولینا۔ بعض روایتوں میں دوبار اور بعض میں تین بار دھونے کا ذکر ہے۔ امام نے حدیث کے ایک ٹکڑے یعنی استنجار میں طاق ڈھیلے لیے جائیں کا عنوان قائم کیا۔ ۳۔ ہاتھوں کو دھونے کی علت یہ بتانی گئی کہ ممکن ہے رات کو سوتے میں ہاتھ شرمکھا ٹھیک پہنچ گیا ہو اور وہاں کا پسینہ ہاتھ کو لگا ہو۔ جس سے واضح ہوا کہ یہ حکم استنجاء کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں ہے کیونکہ جو حکم متضمن شک ہو وجوب کا فائدہ نہیں دیتا۔

اس حکم کی علت یہ ہے کہ اہل حجاز عموماً ڈھیلے سے استنجار کرتے تھے۔ اب سونے کے بعد ہر سکتا ہے کہ پسینہ آئے اور ہاتھ شرمکھا کی نجاست سے ملوث ہو جائے اس لیے دھونے کا حکم دیا گیا ہے مگر چونکہ یہ بات یقینی نہیں ہے بلکہ محض امکانی ہے۔ اس لیے دھونے کا حکم بھی استنجائی قرار دیا جائیگا۔ یعنی سوکر اٹھنے پر برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو دھو لینا مستحب ہے۔ چنانچہ عام اہل علم کا یہی مسلک ہے۔ حدیث میں اگرچہ رات کے سونے کا ذکر ہے۔ مگر ہاتھ دھونے کی وجہ سے بیان فرمائی گئی ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب اور جس وقت بھی یہ شک ہو کہ ہاتھ نجس ہو گیا ہے اس کا دھو لینا مستحب ہے۔ خواہ رات کو سوکر اٹھنے پر شک ہو یا دن میں ہو یا بیداری میں شک ہو جائے۔ یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ محض شک کی صورت میں اگر بغیر دھوئے ہاتھ برتن میں ڈال دے تو پانی ناپاک نہ ہوگا لیکن بلا دھوا ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے اور وضوء کے قابل نہیں رہتا۔

۲۔ روایت مسلم میں آیا ہے کہ فی الاناء تو یا تو اس سے چھوٹا برتن مراد ہے جیسے گلاس اور لوٹا تو ایسی صورت میں ہاتھ نہ ڈالے بلکہ پانی انڈیل کر ہاتھ دھو۔ ریکس اگر پانی بڑے برتن میں ہے اور چھوٹا برتن بھی موجود ہے تو پھر بھی ہاتھ نہ ڈالے

بلکہ چھوٹے برتن سے نکال کر ہاتھ دھوئے۔ لیکن اگر پانی بڑے برتن میں ہے اور کوئی چھوٹا برتن بھی نہیں کہ اس میں پانی انڈیل کر ہاتھ دھوئے تو اسے چاہیے کہ باتیں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر صرف وہ انگلیاں پانی میں ڈالے کہ سبھیل کا کوئی حصہ پانی میں نہ پڑے اور انگلیوں سے پانی نکال کر دھونا ہاتھ گٹے تک نہ ہو۔ دھوئے دین بار ایسا ہی کرے۔ پھر دھونے ہاتھ کہ جہاں تک ہاتھ پہنچے بلا تکلف پانی میں ڈال سکتا ہے اور اس سے پانی نکال کر بایاں ہاتھ دھوئے اور اگر چھوٹے برتن میں پانی ہے یا پانی بڑے برتن میں ہے مگر وہاں چھوٹا برتن بھی موجود ہے اور اس صورت میں اس نے بے دھویا ہاتھ پانی میں ڈال دیا بلکہ صرف انگلی کا پرا یا ناخن ڈال دیا تو وہ سارا پانی ماء مستعمل ہو گیا یعنی یہ پانی وضو کے قابل نہ رہا۔ اس مسئلہ سے لوگ بہت بے پرواہی برتتے ہیں۔ خیال کرنا چاہئے۔

واضح ہو یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب کھاتھ میں کوئی نجاست نہ لگی ہو۔ اگر ہاتھ پر نجاست لگی ہو تو چاہئے برتن چھوڑا ہو یا بڑا کسی طرح بھی ہاتھ ڈالے گا پانی نجس و ناپاک ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ کہ برتن بڑا ہو تو باتیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر پانی نکال لے اور سیدھے ہاتھ کو دھوئے، یہ بھی اسی صورت میں ہے جب کہ ہاتھ پر نجاست نہ لگی ہو۔ صرف وضو کرنے کی غرض سے پانی میں ہاتھ ڈالنا مقصود ہو۔ خاتم۔

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

- ۱۔ ماء قلیل میں اگر چہ فلتین ہی ہو اور نجاست کا اثر بھی پانی میں نمودار نہ ہو تو پانی پھر بھی ناپاک ہو جائے گا۔
- ۲۔ نجس کپڑے یا کسی بھی نجس چیز کو تین مرتبہ دھونا مستحب ہے کیونکہ جب شک کی صورت میں ہاتھ کو تین مرتبہ دھونے کی ہدایت دی گئی ہے تو جس چیز کا ناپاک ہونا یقینی ہے اس کا تین مرتبہ دھونا بطریق اولیٰ مستحب ہونا چاہئے۔ مثلاً پٹیاں دھونا نہ پھرنے کے بعد مٹی یا پتھر وغیرہ سے استنجہ کیا گیا پانی سے دھویا نہیں تو وہ جگہ نجس ہی رہے گی، تو اگر موضع کو تری پہنچی اور وہ تری کپڑے یا شلوار وغیرہ کو لگ گئی تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ ہاں ڈھیلے سے استنجہ کرنے کے بعد نماز پڑھی جاسکتی ہے یعنی نماز کے حق میں اتنی نجاست معاف ہے۔

بَابُ غَسْلِ الرَّجُلَيْنِ

باب وضو میں پاؤں دھونا (ضروری ہے)

وَلَا يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ | مسح نہ کرے

۱۔ اس عنوان کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ بتانا ہے کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے اور پاؤں پر مسح کرنے سے وضو نہ ہوگا۔

۱۶۲۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو باب من رفع صوته بالنعلین میں مع تفسیم کے گزر چکی ہے۔ اس لیے ہم نے یہاں نہیں لکھی۔ اس حدیث کا مضمون یہ تھا کہ بعض لوگ وضو کر رہے تھے اور پاؤں پر مسح کر رہے تھے یا پاؤں ابھی طرح نہیں دھو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دوزخ کی آگ سے ایڑیوں کی غرابی ہوگی۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا ضروری ہے۔

بَابُ الْمَضْمَضَةِ فِي الْوُضُوءِ

باب وضوء میں کلی کرنے کے بیان میں

عمران جو حضرت عثمان کے غلام تھے انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان نے وضوء کے لیے پانی منگایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر برتن میں سے پانی ڈالا۔ پس ہاتھوں کو تین بار دھویا۔ پھر اپنا داہنا ہاتھ پانی میں ڈالا اس کے بعد پانی لے کر، کلی، ناک میں پانی چڑھایا اور ناک سُکی پھر تین بار منہ دھویا اور تین بار کہیںوں سمیت ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا پھر دونوں پاؤں کو تین بار دھویا۔ پھر کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضوء کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جیسے میں نے وضوء کیا اور حضور نے فرمایا تھا۔ جو کوئی میرے اس وضوء کی طرح وضوء کرے پھر دو رکعت (تختہ المسجد) خالص قلب کے ساتھ پڑھے۔ اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

۱۶۳۔ اَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ دَعَا يَدُوهُ فَنَزَعَ عَلَى يَدَيْهِ مِنْ اَنَاسِهِ فَمَسَحَ بِهَا ثَلَاثَ فَرَثَاتٍ ثُمَّ اَدْخَلَ يَمِيْنَهُ فِي الرُّضْوَةِ ثُمَّ تَمَضَّمَصَ وَاسْتَشَقَّ وَاسْتَشَرَّ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاسِهِ ثُمَّ غَسَلَ كُلَّ رِجْلٍ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ تَحَوُّ وَضُوءِي هَذَا وَقَالَ مَنْ تَوَضَّأَ تَحَوُّ وَضُوءِي هَذَا ثُمَّ صَلَّى وَكُتِبَتْ لَهُ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ عَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

فوائد مسائل یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ وضوء میں ترتیب، اعضاء وضوء کو تین بار دھونا، کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا سنت ہے۔ ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ وضوء کرنے والا پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹے تک دھوئے پھر منہ دھوئے پھر دونوں ہاتھوں کو کہیںوں سمیت دھوئے۔ پھر سر کا مسح کرے۔ اس کے بعد دونوں پاؤں کو تین سمیت دھوئے۔ پھر تختہ المسجد پڑھے یہ دو رکعت نفل ہیں جو وضوء کرنے کے بعد مسجد میں پڑھے جاتے ہیں۔ حدیث زیر بحث میں یہ بتایا گیا اس نفل کے پڑھنے سے آدمی کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

تختہ المسجد کے مسائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ تختہ المسجد پڑھنا سنت ہے۔ علماء نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے جو شخص ایسے وقت میں مسجد آیا۔ جس میں نفل پڑھنا مکروہ ہے مثلاً بعد طلع فجر یا بعد نماز عصر تو وہ تختہ المسجد نہ پڑھے بلکہ تسبیح و تہلیل، درود و تشریف میں مشغول ہو جائے حق مسجد ادا ہو جائے گا۔

بَابُ غَسْلِ الْأَعْقَابِ

باب ایڑیوں کے دھونے کے بیان میں

وَكَانَ ابْنُ سَيْرِينَ يَفْسِلُ مَوْنِعَ الْخَاتَمِ | اور حضرت ابن سیرین جب وضوء کرتے تو انگوٹھی

اِذَا تَوَضَّأَ (بخاری)

| کی جگہ بھی دھوئے۔

امام اعظم ابو حنیفہ و امام شافعی کا قول ہے کہ اگر انگلی تنگ ہو تو اس کو ہلانا وضو میں سنت ہے، جیسے ہاتھ دھوتے وقت انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے اور اگر انگلی ڈھیلی ہے تو ہلانے کی ضرورت نہیں۔ خوب یاد رکھئے کہ انگلی کے تنگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی تنگ ہو کہ بغیر ہلانے بھی اس کے نیچے پانی بہ جائے تو اب ایسی تنگ انگلی کو وضو میں ہلانا سنت ہے۔ لیکن بغیر ہلانے پانی پونچتا ہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں ہلانا فرض ہے تاکہ پانی جلد بہہ جائے۔ وضو میں یہ ضروری ہے کہ اعضا وضو اس طرح دھوئے جائیں کہ ایک بال برابر بھی خشکی نہ رہے۔ لہذا اگر انگلی یا عورتوں کے پاؤں میں پھلے وغیرہ ایسے تنگ ہیں کہ ہلانے سے ان کے نیچے پانی بہہ جائیگا تو ہلانا فرض ہے اور اگر ہلانے سے بھی پانی نہ بہے تو ان کو تار کر پانی ہلانا فرض ہے۔ بعض لوگ کسی بیماری کی وجہ سے انگلیوں میں بہت کس کرنا گا باندھ لیتے ہیں کہ پانی کا بہانا و کنارے کے نیچے بھی پانی نہیں بہتا۔ لہذا ضروری ہے کہ تاکہ کو علیحدہ کر کے اس جگہ پانی بایا جائے۔

۱۶۴۔ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ وَكَانَ يَمْسُ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّئُونَ مِنَ الْبَطْهَرَةِ فَقَالَ اسْبِغُوا الْوُضُوءَ فَإِنَّ أَبَا النَّاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِيلَ يَلَا عَقَابَ مِنَ السَّارِ

محمد بن زیاد کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہ سے یہ سنا صاحب کہ وہ ہمارے پاس سے گزرے اور لوگ برتن سے وضو کر رہے تھے۔ تو وہ کہتے کہ لوگو! وضو کو پورا کر دو کیونکہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایڑیوں کے لیے خرابی ہو۔

اس حدیث کو امام مسلم و نسائی نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا غٹھن سمیت اس طرح دھونا فرض ہے کہ ذرا بھی خشک نہ رہے۔ چنانچہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس نے وضو کیا، مگر ایڑیوں پر پانی نہیں بہایا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ویل للاعقاب ابو داؤد و دارقطنی و احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص مجھ پر نبوی وضو کرے آئے مگر پاؤں ان کا ناخن کے برابر دھلتے سے رہ گیا۔ حضور نے فرمایا۔ ارجع فاحسن وضو مکہ جاؤ اور ابھی طرح دوبارہ وضو کر کے آؤ۔ (بیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۱)

پاؤں پر مسح کرنے سے وضو درست نہ ہوگا؟
واضح ہو جو صحابہ کرام و ائمہ دین سب کا اس پر اجماع ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام کا اس باب میں کوئی اختلاف نہیں البتہ حضرت علی و انس و ابن عباس کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ انہوں نے پاؤں پر مسح کیا۔ لیکن ان حضرات کا اس سے رجوع بھی ثابت ہے۔ امام حمادی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ وضو کے معاملہ میں پاؤں پر مسح کرنے کے متعلق جس قدر بھی آثار ملتے ہیں وہ سب کے سب منسوخ ہیں کیونکہ حضور کی قولی و فعلی احادیث اور صحابہ کرام کے عمل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں کے ذرا بھی سوکھے رہ جانے پر جہنم کی وعید سنائی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے قدین کے

متعلق جو روایت منقول ہے اس کا معنوں یہ ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی پھر صحن مسجد میں تشریف لاتے پانی لیا کیا
فَسَحَّ بوجھہ ویکدیکہ وبراہ ورجلیہ | تو آپ نے منہ ہاتھوں سر اور پاؤں کا مسح کیا
اس کے بعد فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ وَهَذَا وَضُوٌّ مَنْ كُنْهَ بَحْدُثِ
اور یہ وضو اس کا ہے جو با وضو ہو (طحاوی)

ظاہر ہے کہ اس روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وضو میں پاؤں کا مسح کرنا کافی ہے، کیونکہ اس میں منہ
اور ہاتھ کے مسح کرنے کا بھی ذکر ہے حالانکہ منہ اور ہاتھ کے مسح کا قزل کسی نے نہیں کیا نیز حضرت علی کا یہ فرمانا کہ یہ وضو اس
کا ہے جو با وضو ہو۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ وضو جو حضرت علی نے کیا نماز کا وضو نہ تھا بلکہ گردوغبار دُور کرنے
یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے آپ نے اپنے منہ ہاتھ پاؤں اور سر پر پانی لیا تھا۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ وضو نماز کا وضو نہ تھا، تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مسح رجلیہ میں مسح کا لفظ (غسل) دھونے
کے معنی میں ہے کیونکہ اس روایت میں مسح ہاتھ میں مسح کا لفظ غسل دھونے کے معنی میں آیا ہے۔ ایسے ہی مسح رجلیہ
میں بھی مسح کا لفظ (غسل) دھونے کے معنی میں لینا ضروری ہے فافہم۔

بَابُ غَسْلِ الرَّجْلَيْنِ فِي التَّحْلِيلِ

باب چہل پہنے ہو تو پاؤں کو دھونے

چپلوں پر مسح نہ کرے

وَلَا يَمْسَحُ عَلَى التَّحْلِيلِ

اس عنوان سے امام کا مقصود یہ بتانا ہے کہ اگر کوئی چہل پہنے تو اس کو وضو کرتے وقت پاؤں
فوائد و مسائل | کو دھونا چاہیے۔ موزوں کی طرح چپلوں پر مسح کرنے وضو نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے
لیکن شریعت نے آسانی کے لیے موزوں پر مسح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ یعنی جو شخص موزہ پہنے ہو وہ اگر وضو میں بجائے پاؤں
دھونے کے مسح کرے تو وضو درست ہو جائے گا۔ مسح کے جواز میں کثرت سے حدیثیں آئی ہیں جو قریب قریب تو اتر کے ہیں۔
اسی لیے امام رحمہ علیہ الرضی نے فرمایا کہ جو مسح کو جائز نہ جانے اس کے کافر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ امام شیخ الاسلام نے فرمایا مسح
خف کو جائز نہ مانے گمراہ ہے۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہلسنت کی علامت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔
تفضیل الشیخین وحب المحتسین ومسح الخفین۔ سیدنا صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تمام
صحابے افضل جانا، سیدنا عثمان غنی وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت رکھنا اور موزوں پر مسح کرنا۔ امام نے ان تین باتوں کی تخصیص
اس لیے فرمائی کہ آپ کو فہم تشریف فرماتے اور رافضیوں کی دہاں کثرت تھی، تو وہی علامات ارشاد فرمائیں جو ان کا رد ہیں۔
اس کے یہ معنی نہ سمجھے جائیں کہ صرف ان تین باتوں کا پایا جانا کفایتی ہونے کے لیے کافی ہے کیونکہ علامت شنی میں پائی جاتی ہے۔ شنی
لازم علامت نہیں ہوتی۔ فافہم۔

موزوں پر مسح کرنا جائز ہے | حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ تقریباً ستر افراد نے قولا و عملا موزوں پر مسح کرنے کی حدیث
کو روایت کیا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح کے جواز میں

مجھے کچھ تردد نہیں کیونکہ اس کے جواز پر مجھے چالیس صحابہ کرام سے حدیثیں پہنچی ہیں۔ ابن المنذر ابن المبارک سے روایت کرنے کی ہزاروں پر مسج کے جائز ہونے میں صحابہ کرام میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوی و فعلی حدیثیں اس باب میں کثرت سے آئی ہیں۔ چند احادیث کے تراجم یہاں لکھے جاتے ہیں۔ ۱۔ حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ حضور نے موزوں پر مسج فرمایا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ پاؤں دھونا بھول گئے؟ حضور نے جواب دیا نہیں تو بھولنا ہے۔ مجھے میرے رب نے موزوں پر مسج کا حکم دیا ہے (احمد و ابوداؤد)۔ ۲۔ سیدنا صدیق اکبر سے روایت ہے کہ حضور نے مسافر کو تین دن تین راتیں اور مقيم کو ایک دن ایک رات موزوں پر مسج کرنے کی اجازت دی جب کہ موزے طہارت کے ساتھ پہنے ہوں (رواقطی) ۳۔ صفوان بن عسال کہتے ہیں۔ جب ہم مسافر ہوتے تو حضور ہمیں حکم فرماتے کہ ہم تین دن تین رات موزے نہ اُتاریں مگر بوجہ جنابت کے۔ لیکن پاخانہ و پیشاب اور سونے کے بعد نہیں (ترمذی اور نسائی)۔ ۴۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں۔ میں نے حضور کو موزوں کی پشت پر مسج کرتے دیکھا (ابوداؤد و ترمذی) غرضیکہ یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ حضور میں پاؤں دھونے کی بجائے چڑے کے موزوں پر مسج کیا جائے تو جائز بلکہ ثابت ہے بشرطیکہ موزہ پر مسج کرنے کی جو شرائط ہیں اس کا خیال رکھا جائے۔

موزوں پر مسج کرنے کے متعلق ضروری مسائل

پانی نہ چھنے جیسے کراچ و بلاسٹک وغیرہ ۲۔ یہ موزے ایسے ہوں کہ ٹخنے چھپ جائیں۔ اس سے زیادہ ہونے کی ضرورت نہیں اور اگر انجل کم ہو کہ ٹخنے کا کچھ حصہ کھلا رہے تو بھی مسج درست ہے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ اگر ٹیھی کھلی نہ رہے۔ ۳۔ موزہ پاؤں سے چمٹا ہو کہ اس کو پہن کر آسانی سے بخوبی چل پھر سکیں ۴۔ وضو کر کے موزہ پہنا ہو یعنی پینے کے بعد اور حدث (وضو ٹوٹنے) سے پہلے ایک ایسا وقت ہو کہ اس وقت میں وہ شخص با وضو ہو خواہ پورا وضو کر کے پہنے یا صرف پاؤں دھو کر موزہ پہن لے بعد میں وضو پورا کرے۔ مسج میں دو فرض ہیں۔ اول یہ کہ ہر موزہ کا مسج ہاتھ کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر ہو (۱۱) دوم مسج موزے کی پٹیا پر کیا جائے تو اگر موزہ کے نلے یا گردٹ یا ٹخنے یا پینڈلی یا ایڑی پر مسج کیا تو مسج درست نہ ہوگا ۲۔ موزہ پر مسج کی مدت مقيم کے لیے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لیے تین دن اور تین رات ہے۔ مسج کی مدت پہلی بار جو حدث ہوگا اس وقت سے شروع ہوگی مثلاً موزہ پہننے کے بعد پہلی مرتبہ حدث ہوا (یعنی وضو جاتا رہا) اس وقت سے مدت کا شمار ہوگا۔ فرض کیجئے صبح کے وقت موزہ پہنا اور طہر کے وقت پہلی بار حدث ہوا تو مقيم دوسرے دن کی خطر تک مسج کرے گا اور مسافر چوتھے دن کی خطر تک مسج کرے گا ۳۔ جس پر غسل فرض ہو وہ موزوں پر مسج نہیں کر سکتا ۴۔ جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان سے مسج بھی جاتا رہتا ہے ۵۔ مدت پوری ہو جانے سے مسج جاتا رہتا ہے۔ اس صورت میں صرف پاؤں دھولینا کافی ہے پھر سے پورا وضو کرنے کی حاجت نہیں بہتر یہ ہے کہ پورا وضو کرے ۶۔ موزہ اُتار دینے سے مسج ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ ایک ہی اُتار ہو۔ یہی اگر ایک پاؤں آدھے سے زیادہ موزہ سے باہر ہو جائے مسج جاتا رہا ۷۔ خوب یاد رکھئے کہ سوتی یا اونی موزوں پر مسج جائز نہیں ہے۔ ان کو اُتار کر پاؤں دھونا فرض ہے۔ ۸۔ مندرجہ ذیل قسم کے موزوں پر مسج کر سکتے ہیں۔

اولے۔ پورا موزہ ہی چپڑا کا ہو۔ جو ٹخنوں کو ڈھانپ لے یا صرف تلہ چڑے کا ہو اور باقی حصہ کسی اور دبیز چیز کا بنا

ہو اس پر بھی مسح جائز ہے۔

منع۔ پر بھی مسح جائز ہے یعنی سوتلی یا ادنیٰ جراب کا تھ چڑھ کا بنا لیا جائے اور اس کو ساتھ ملا کر سی ڈیا جائے۔ حدیث میں جو جرابوں پر مسح کا ذکر ہے اس سے ایسا ہی موزہ مراد ہے۔

مجلد۔ پر بھی مسح جائز ہے یعنی اونی یا سوتلی جراب پر چڑھ کا پاتا بہ چڑھ لیا جائے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ یہ پاتا بہ جرابوں کے ساتھ ہی لیا جائے۔ اگر سیانیں گھیا تو مسح جائز نہ ہوگا۔

بصاحت

موزہ چڑھ کا ہو یا کسی ایسی چیز کا بنا ہوا ہونا چاہیے، جس میں سے پانی نہ چھنے جیسے پلاسٹک، کوکچ وغیرہ، انگریزی بوٹ جو تھنے کو ڈھانپ لے اس پر بھی مسح جائز ہے یعنی اگر کسی نے بوٹ پہنے ہوں اور وضو رتے وقت ان پر مسح کر لیا وضو درست ہو گیا لیکن نماز کے لیے یہ ضروری ہے کہ موزہ یا بوٹ ایسے نرم چمڑے کا بنا ہوا ہو کہ سجدہ کرنے میں پاؤں کی انگلیاں ٹکریں اور انگلیوں کے پیٹ زمین سے چٹ سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ میں پاؤں کی بک انگلی کے پیٹ کا زمین سے چٹ جانا فرض ہے۔ اگر دونوں پاؤں سجدہ میں اٹھ رہے بلکہ صرف انگلی کی نوک زمین سے لی جب بھی نماز نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں۔ یہ چند ضروری مسائل یہاں لکھے گئے ہیں۔ مفصل احکام مسائل کے لیے بہار شریعت حصہ دوم کا مطالعہ کیجئے۔

چپلوں پر مسح کی بحث

امام بخاری نے مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے یہ بتایا ہے کہ چپلوں پر مسح کرنے سے وضو نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ چمڑے کے موزوں پر مسح جائز ہے لیکن چپلوں پر مسح جائز نہیں ہے لیکن صحابہ میں سے بعض افراد کے متعلق ایسی حدیثیں مل جاتی ہیں کہ انھوں نے چپلوں پر مسح کیا۔ مثلاً اوس بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ انھوں نے چپلوں پر مسح کیا۔ میں نے کہا یہ آپ کیا رتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو بھی (نعین) پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے یا ابو نعین ان کہتے ہیں کہ میں نے فرات علی کو دیکھا کہ انھوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر وضو کے لیے پانی منگایا۔ و مسح علی النعین لہذا چپلوں پر مسح کیا اور مسجد میں جا کر طہین اُتار کر نماز پڑھی (طحاوی باب المسح علی النعین)۔ اس نوع کے آثار سے بعض لوگوں کے یہ ہستہ لال درست نہیں کیونکہ اس سلسلہ کی احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن نعین پر حضور نے مسح فرمایا۔ ان کے نیچے چمڑے کے موزے بھی ہوں۔ اگر آپ کا ارادہ بھی موزوں پر ہی مسح کا ہو۔ کیونکہ اگر آپ چپل نہ پہنے ہوتے تو بھی موزوں پر ہی مسح فرماتے تو آپ کا ارادہ تو موزوں پر ہی مسح کا تھا۔ مگر آپ نے موزہ اور نعین دونوں پر مسح فرمایا تو طہارت حاصل ہو گئی اور نعین پر مسح فرمانا امر زائد ہوا چنانچہ اس کی وضاحت کہ حضور نے جن چپلوں پر مسح فرمایا ان کے نیچے موزے بھی پہنے ہوئے تھے حدیث ابو موسیٰ سے ہوتی ہے جس میں الفاظ یہ ہیں۔ مسح علی جوبکینہ و نعلیہ۔ حضور نے جوب اور نعین پر مسح فرمایا تو حدیث ابو موسیٰ سے نعین مسح کرنے کی کیفیت معلوم ہو گئی کہ حضور نے نعین کے ساتھ ساتھ جوب پر بھی مسح فرمایا تو مقصود دراصل (جوب) موزوں پر ہی مسح کرنا تھا نہ کہ چپلوں اور جوبوں پر۔ لہذا چپل پر مسح کرنے سے وضو کی صحت ثابت نہ ہوتی۔

اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ جو حدیث ابن عمر سے ملتا ہے کہ حضرت ابن عمر جب وضو کرتے اور جوتے آپ کے پاؤں

میں ہوتے تو آپ ظاہر قدین پر مسج کر لیتے اور یہ فرماتے کہ حضور اکرم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حدیث ابن عمر سے حضور کے نعلین پر مسج کرنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کبھی حضور نعلین پر مسج کرتے ہوئے ظاہر قدین پر بھی مسج فرمائیے تھے یعنی ظاہر قدین پر مسج فرمانا تو علی سبیل الغرضیت تھا اور نعلین پر مسج کرنا، امر زائد تھا۔ (پھر یہ پاؤں پر مسج کرنے کا جواز منسوخ ہو گیا)۔ غرضیکہ جن احادیث و آثار میں نعلین پر مسج کرنے کا بیان ہے۔ ان میں یہ دونوں احتمال پائے جاتے ہیں۔ اولے یہ کہ نعلین پر مسج کرنے کی کیفیت یہ تھی کہ آپ موزے بھی پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے نعلین اور موزہ دونوں پر مسج فرمایا جیسا کہ حدیث میفرمہ و حدیث ابو موسیٰ سے ثابت ہوتا ہے۔ جس کے لفظ یہ ہیں مسج علی الجوزہ و نعلینہ و تفلجہ اور جہاں پر مسج کر امام اعظم علیہ الرحمۃ بھی جائز سمجھتے ہیں جب کہ وہ جملہ یا منسل ہوں یا ایسی دین چڑی کی بنی ہوئی ہوں کہ ان میں پانی نہ چھنے۔ دوسرے یہ کہ حدیث ابن عمر سے یہ احتمال نکلتا ہے کہ حضور بھی نعلین پر مسج کرتے ہوئے ظاہر قدین پر بھی مسج فرمایا کرتے تھے تو گویا پاؤں پر مسج بطور فرض و ضرور کے تھا اور نعلین پر مسج ضمنی طور پر امر زائد تھا۔ پھر پاؤں پر مسج کرنا منسوخ ہو گیا۔ غرضیکہ وہ احادیث و آثار جن میں نعلین (چپل) پر مسج کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا دونوں معنوں میں سے کسی بھی معنی پر محمول کر لیجئے۔ اس سے چپلوں پر مسج کرنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ عقل بھی جاتی ہے کہ چپلوں پر مسج کرنا جائز نہ ہو کہونکہ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر چہ وہ موزہ اتارنا چھٹ جائے کہ پاؤں کا اکثر حصہ ظاہر ہو جائے تو ایسے موزوں پر مسج جائز نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے چپل میں پاؤں کا اکثر حصہ ظاہر ہوتا ہے لہذا چپل پر مسج جائز نہیں ہونا چاہیے۔ نیز اسی سلسلہ میں اہل علم کے لیے مندرجہ ذیل امور بھی قابل غور و فکر ہیں۔ اول حدیث مسج علی الجوزہ و تفلجہ محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ امام بیہقی نے فرمایا یہ حدیث منکر ہے۔ سیفان ثوری عبد الرحمن بن ہمدی احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی المدینی و مسلم بن حجاج نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابو داؤد نے فرمایا کہ عبد الرحمن بن ہمدی اس حدیث کو روایت نہیں کرتے کیونکہ حضرت میفرمے جو معدوف و مشہور حدیث مروی ہے اس کا مضمون تو یہ ہے کہ حضور نے موزوں پر مسج کیا۔ اسی طرح یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے مگر یہ روایت بھی متصل نہیں ہے۔ اگرچہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے لیکن ابو داؤد دیکھتے ہیں کہ اس کی سند بھی متصل نہیں ہے۔ کیونکہ ابو موسیٰ سے ضحاک ابن عبد الرحمن نے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے فرمایا کہ ضحاک کا سماع ابو موسیٰ سے ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح یحییٰ بن معین و امام بیہقی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے قوی نہیں ہے کیونکہ اس کی اسناد میں یحییٰ بن سنان بھی ہیں جو ضعیف ہیں لائق حجت نہیں ہیں (نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۸)

دوسرے۔ اسی طرح وہ حدیث جس میں یہ آیا ہے کہ حضور نے نعلین پر مسج کیا۔ یہ سب حدیثیں فعلی ہیں۔ مثلاً اوس بن اوس کہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو نعلین پر مسج کرتے دیکھا تو ان سے میں نے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور کو نعلین پر مسج کرتے دیکھا ہے (طحاوی، ابو داؤد) لیکن کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس میں یہ جملہ حضور نے فرمایا کہ نعلین پر مسج کر دیا تمہیں نعلین پر مسج کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اسی طرح اس باب کی تمام حدیثیں

بلکہ پیر کی تین انگلیوں کی مقدار اگر موزے سے کھل جاتی ہو تو مسج جائز نہیں۔ کثافی عامۃ الکتب الفقہاء (۱/۲۷۸)

خبر احادیث - لیکن اس کے برعکس چڑے کے نموزوں پر مسح کرنے کے جواز کی حدیثیں قوی بھی ہیں اور فعلی بھی بلکہ
یث مغیرہ بن شعبہ تو حدیث مشہور ہے -

سومر - حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق نعلین پر مسح کرنے کی جو حدیث ہے اس کا
مضمون یہ ہے کہ آپ نے نعلین پر مسح کیا - پھر مسجد میں گئے اور نعلین اُتار کر نماز پڑھی - ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَنَعَلَ
نَعْلَيْهِ ثُمَّ صَلَّى (عماد) فَوَطَّأَ بَاتٍ یہ ہے کہ اگر حضرت علی نے نعلین پر مسح فرمایا تھا تو پھر نماز پڑھنے وقت اس کو اُتار
کیوں؟ اور اس بات پر توبہ کا اتفاق ہے کہ موزہ پر مسح کے بعد اگر اس کو اُتار دیا جائے تو مسح ٹوٹ جاتا ہے۔
ان امور کے پیش نظر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نعلین پر مسح کے متعلق جس قدر آثار ملتے ہیں - اول تو ان کی
یہ یوزلین نہیں ہے کہ ان کو حدیث مشہورہ کے مقابل لایا جائے، دوسرے یہ کہ نعلین اُتار کر نماز پڑھی کے جملہ سے اس
توجیہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ ضرور نعلین کے اندر چمچہ کا موزہ پسنا ہوا تھا اور اس زمانہ کی چل بھی ایسی ہوتی تھی کہ اس میں پاؤ
کا اور پا کا حصہ بالکل ظاہر رہتا تھا۔ پس مسح علی نعلین کا منہم یہ ہوا کہ چپل پہننے سے موزہ پر مسح کر لیتے تھے کیونکہ چپل پہننے کی صورت
میں بھی مسح کرنے کی جگہ ظاہر رہتی تھی - یہی وجہ ہے کہ بوقت نماز چپل اُتار دیتے تھے ورنہ اگر چپل پر مسح کیا ہوتا تو اس کو اُتارتے
نہیں کیونکہ اُتارنے سے مسح ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت عبید اللہ بن جریج نے حضرت عبداللہ بن عمر سے
کہا آپ چار کام ایسے کرتے جس کو میں نے تمہارے ساتھیوں
کو کر کے نہیں دیکھا - عبداللہ بن عمر نے جواب دیا ابن جریج
وہ چار باتیں کونسی ہیں - جریج نے جواب دیا وہ ہیں اتم
طواف میں سوائے رکن یمنی اور حجر اسود کے کسی اور کو نہ
کو ہاتھ نہیں لگاتے ۲ - تم نرمی کے جوتے پہنتے ہو اور
نرو خضاب کرتے ہو ۳ - تم حج کے دنوں میں کہ میں سو
ہو تو لوگ (فدا الحج کا چاند) دیکھتے ہی اسرام باندھ لیتے
ہیں اور تم آٹھویں تاریخ تک نہیں باندھتے - حضرت
عبداللہ بن عمر نے جواب دیا - کعبہ کے کونوں کے
متعلق جو تم کہتے ہو تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے حجر اسود اور رکن
یمانی کے سوا کعبہ کے کسی کو نہ کو طواف میں
ہاتھ لگایا ہو - نرمی کی جوتوں کے متعلق یہ ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی میں نے پہنتے دیکھا ہے

۱۶۵ - عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ
قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ
وَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَمْ أَرِ أَحَدًا مِنْ
أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا قَالَ وَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ
قَالَ رَأَيْتُكَ لَا تَمْسُ مِنْ الدَّرَكَيْنِ إِلَّا
الْيَمَانَيْنِ وَدَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النَّعَالَ السَّبْتِيَّةَ
وَدَأَيْتُكَ تَصْبِغُ بِالْصُفْرِ وَرَأَيْتُكَ إِذَا
كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَ النَّاسِ إِذَا رَأَوْا اللَّيْلَ
وَكُنْتُمْ تَهْلِلُ أَنْتَ حَتَّى كَانَ يَوْمُ التَّوْبَةِ
قَالَ عَبْدُ اللَّهِ أَمَّا الدَّرَكَانِ فَإِنَّكَ أَرَى رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسُ الدَّيْمَانَيْنِ
وَأَمَّا النَّعَالُ السَّبْتِيَّةُ فَإِنَّ رَأَيْتَ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النَّعَالَ
الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَفْرٌ وَبَتَرَضًا فِيهَا فَإِنَّ
أُحِبَّ أَنْ أَلْبَسَهَا وَأَمَّا الصُّفْرُ فَإِنَّ

فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَصْنَعُ بِهَا فَإِنِّي أَحْبَبْتُ أَنْ أَصْنَعَ بِهَا وَأَنَا
الْإِهْلَالُ فَإِنِّي لَمَرَّارَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْلِي حَتَّى تَسْجُتَ
بِهِ رَاحِلَتُهُ

(بخاری)

اور آپ ان کو پینے پینے وضو فرماتے تو میں بھی ان کا
پینا پسند کرتا ہوں۔ رہا زرد خضاب تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بھی زرد خضاب فرماتے تھے تو میں
بھی زرد رنگ پسند کرتا ہوں۔ احرام کا حال یہ ہے
کہ میں نے رسول اللہ کو اس وقت تک احرام باندھے نہیں
دیکھا جب تک آپ کی اُونٹنی آپ کو لے کر نہ اُٹھتی یعنی

یہ آٹھویں تاریخ ہوتی تھی۔ اسی دن حاجی منیٰ کو روانہ ہوتے تھے

۱۔ اس حدیث کو امام نے کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا ہے۔ ابو داؤد نے حج میں ترمذی نے شامل
کیا۔ نسائی نے طہارۃ میں۔ ابن ماجہ نے لباس میں اور نسائی و مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا

۲۔ امام بخاری نے عزوان قائم کیا تھا کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے اور چپلوں پر مسح کرنے سے وضو نہ ہوگا۔
حدیث زیر بحث میں عزوان سے متعلق صرف "یتوضا فیہا" ہے کہ حضور علیہ السلام نے چپل پینے پینے وضو فرمایا یعنی پاؤں

کو دھویا چپلوں پر مسح نہیں کیا۔ کیونکہ اگر آپ نے چپلوں پر مسح کیا ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جگہ مسح کا لفظ
بولتے جس سے واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص چپل پینے تو وضو میں اس کو پاؤں کا دھونا ضروری ہے مسح کرنے سے وضو درست نہ

ہوگا ۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر کعبہ کا طواف کرتے وقت صرف رکن یمانی و سنگ اسود کو بوسہ دیتے تھے (الاہلبائین
کا یہی مطلب ہے ان سے پوچھا گیا۔ آپ باقی دو رکنوں کو کیوں نہیں بوسہ دیتے، تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے

حضور کو بھی صرف رکن یمانی و حجر اسود کو ہی بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ اس لیے میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے
نقشہ ذیل کو دیکھئے۔

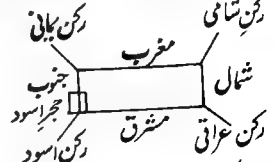
طواف کعبہ میں حجر اسود کو چومنا واضح ہو کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ کے وقت حجر اسود کو
بوسہ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ قیامت کے دن یہ پتھر اٹھایا جائیگا۔ جس شخص

نے اس کو دیکھا اور اس کو چوما، اس کے لیے گواہی دے گا۔ حجر اسود پر دونوں ہتھیلیاں اور ان کے بیچ میں منہ رکھ
کر بوسہ دینا چاہئے کہ آواز پیدا نہ ہو۔ حجر اسود کے چومنے میں کسی کو ایذا نہ دے۔ بھیر ٹکی و ج سے نہ چوم سکے تو ہاتھ کو چھو کر

اسے چوم لیا جائے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو لکڑی سے چھو کر اسے چوم لو۔ یہ بھی نہ
ہو سکے تو ہاتھوں کو اس کی طرف اٹھا کر اور ان کا اندر دنی رخ حجر اسود کی

طرف کر کے ہاتھوں کو چوم لیا جائے۔ اسی طرح رکن یمانی کو دونوں ہاتھ یا
دائیں ہاتھ سے بڑھا چھوا جائے اور اگر چاہے تو اس کو بھی بوسہ دے لیکن

یہاں لکڑی سے چھونا یا اشارہ کر کے ہاتھ چھونا نہیں ہے اور رکن شامی یا رکن عراقی کو چھونے یا بوسہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔
۲۔ زرد خضاب کرنا سنت ہے۔ اور کالے خضاب میں علماء کا اختلاف ہے۔ علماء راہپور اس کے مجوز ہیں لیکن



علماء بریلی اس کو حرام و ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے کالے خضاب کے ناجائز ہونے پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام حک العیب ہے۔

۴۔ یوم التزویر یعنی ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو جو احرام میں نہیں ہوئے غسل کر کے احرام باندھتا ہے۔ طواف کعبہ اور دو رکعت سنت احرام پڑھ کر حج کی نیت کی جاتی ہے اور بیکسکتے ہیں اور بعد طلوع آفتاب منیٰ کو روانہ ہو جاتے ہیں اور حدیث ہذا میں اسی کا بیان ہے۔

بَابُ التَّيَمُّنِ فِي الْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ

باب وضوء و غسل کے وقت استدار سیدھی طرف کرنا

ام عطیہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی (حضرت زینب) کو غسل دینے لگے تو آپ نے غسل دینے والی عورتوں سے فرمایا داہنی طرف سے اور وضوء کے مقاموں سے ان کا غسل شروع کریں۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کام میں داہنی طرف سے شروع کرنا پسند تھا، جوتا پینے اور کنگھی کرنے اور طہارۃ کرنے میں بھی۔

۱۶۶۔ ۱۔ قَالَتْ قَالِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهْنٌ فِي غُسْلِ ابْنَتِهِ ابْدَأْ أَيْمَانِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا

۱۶۷۔ ۲۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَغْلِيلِهِ وَتَرْجِيلِهِ وَطَهْوَرِهِ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ

فوائد ومائل | حدیث ۱ کو امام نے کتاب الجنائز میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم، نسائی، ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ میت کو ہنلاتے وقت وضوء کرنا مستحب ہے مگر ٹنگی اور نال میں پانی نہیں ڈالا جائے گا۔ صاحب بدایہ نے لکھا ہے کہ وضوء سنت غسل سے ہے، تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وضوء و غسل داہنی طرف سے شروع کیا جائے۔ بَیْئاً مِنْهَا یہ ترجمہ باب ہے کیونکہ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب غسل میں داہنی طرف سے شروع کرنے کا حکم ہوا ہے تو وضوء میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

حدیث ۲ کو امام نے کتاب الصلوٰۃ اور اطعمہ اور کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا ہے اور نسائی وابن ماجہ اور مسلم نے طہارۃ میں۔ البرداء و نے لباس میں، ترمذی نے آخر صلوٰۃ میں اور شمائل میں ذکر کیا ہے۔

التَّيَمُّنِ کے معنی ہر کام میں داہنی طرف سے شروع کرنے کے ہیں۔ حضور علیہ السلام جو تپنے، کنگھی کرنے، وضوء کرنا، حتیٰ کہ تمام کاموں میں داہنی طرف سے ابتدا کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ فی شان کلمہ، یہ عام مخصوص ہے کیونکہ بعض افعال میں بائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے پانا نہ جانے وقت پہلے بائیں قدم رکھا جائے۔ امام شیخ محمد الدین نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہوا کہ وہ ہر کام پر عزت و بزرگی رکھتا ہے۔ اسے سیدھی طرف سے شروع کرنا مستحب ہے جیسے مسجد میں داخل ہونا، مصافحہ کرنا، کپڑے پینا، وضوء و غسل کرنا وغیرہ اور جس کام میں یہ بات نہیں جیسے مسجد سے باہر آنا۔ استنجاء کرنا وغیرہ اس میں سیدھی طرف سے شروع کرنا نہیں ہے۔

بَابُ التَّمَاسُّ الْوُضُوءِ إِذَا حَانَتِ الصَّلَاةُ

باب جب صبح کی نماز کا وقت آئے تو پانی تلاش کرنا

قَالَتْ عَائِشَةُ حَضَرَتِ الصُّبْحُ فَالْتَمَسَ الْمَاءَ فَلَمْ يَوْجَدْ فَتَنَزَلَ التَّمِيمُ
حضرت عائشہ نے فرمایا۔ صبح کا وقت ہوا تو پانی ڈھونڈا نہ ملا آخر تیمم کی آیت اتری
عنوان اول میں یقین لاجل الوضوء کا ذکر ہے اور اس میں وضوء کے لیے پانی تلاش کرنے کا بیان ہے۔
فالتمس سے ترجمہ باب نکلتا ہے۔

۱۶۸۔ عَنْ أَسْبِ بْنِ مَالٍ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَانَ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوُضُوءَ فَلَمْ يَجِدُوا فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوُضُوءٍ قَوَّضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ الْإِنْسَاءِ بِيَدِهِ وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّأُوا مِنْهُ قَالَ قَرَأْتُ الْمَاءَ يَنْتَعِ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوْضَّأُوا مِنْ عِنْدِ أَخِيهِمْ

اس حدیث کو امام بخاری نے علامات النبوة میں بھی ذکر کیا ہے مسلم نے فضائل میں، نسائی نے طہارۃ میں اور ترمذی نے مناقب میں ذکر فرمایا ہے ۲۔ حضور کی مقدس انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا مجرہ متعدد بار وقوع میں آیا۔ اس مقدس پانی سے سیراب ہونے والوں کی تعداد کسی واقعہ میں چودہ سو، کسی میں فیڑہ ہزار کسی میں ۵۱ سو آئی ہے۔ حضور کا یہ مجرہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام کے مجرہ سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ پتھر سے تو پانی نکلا ہی کرتا ہے مگر گوشت پرست کی انگلیوں سے پانی کے فاروں کا جاری ہونا بابت عجیب وغریب ہے۔ اس مجرہ پر تفصیلی بحث کے لیے ہماری کتاب جامع الصفات کا مطالعہ خالی از حدیسی نہ ہوگا ۳۔ علماء نے فرمایا سب پانیوں سے افضل "ماء زمزم" ہے۔ شب معراج اسی پانی سے حضور اقدس کے قلب اقدس کو غسل دیا گیا۔ بعض نے آپ کو شہر کو افضل قرار دیا۔ لیکن حق یہ ہے کہ سب پانیوں سے افضل و بزرگوار پانی ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے بہا، کیونکہ یہ پانی حضور کا جڑ ہے، حضور نے بھی اس کو طور مبارک فرمایا۔ (بخاری ص ۱۰)

پہنچے مہر عرب ہے جن سدا بہہ گئے چشمہ خورشید میں تو نام کو بھی تم نہیں

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ وضوء کے لیے پانی کی تلاش اس وقت واجب ہے۔ جب کہ نماز کا وقت آجائے ۲۔ نماز اپنے وقت پر واجب ہوتی ہے ۳۔ نماز کا وقت آنے سے پیشتر وضوء کے لیے پانی تلاش کرنا مستحب ہے ۴۔ اس حدیث سے ان ملاحظہ کا رد ہو گیا جو مجبرات کے منکر ہیں۔ حضور کی انگلیوں سے پانی کا نکلتا

حضور کا معجزہ ہے جس کو ثقہ افراد کی جماعت کثیر نے نقل کیا۔ ۴۔ حضور کی انگلیوں سے بہا ہوا پانی ممبرک و معظم تھا۔ مگر اس سے صحابہ نے وضو کیا جس سے زمزم کے پانی سے وضو و غسل کا جواز ثابت ہوا۔ نیز زمزم کے پانی سے وضو و غسل کے جائز ہونے کے متعلق مرتب حدیث بھی مل جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ قَدْ عَلِمَ بِسُجُلِ مَاءٍ زَمْزَمٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَقَوَّضَاءُ (مسند احمد بن حنبل) نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۱۱) حضور علیہ السلام نے ایک ڈول زمزم کے پانی کا منگایا۔ آپ نے اس سے کچھ پانی نوش فرمایا اور وضو بھی کیا۔

بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يُغَسَّلُ بِهِ شَعْرُ الْإِنْسَانِ

باب جس پانی سے آدمی کے بال دھوئے جائیں اور حضرت

عطار کا قول ہے کہ آدمی کے بال کی ڈوریاں یا رسیاں بنانے، کتے کے جھوٹے اور ان کے مسجد میں آنے جانے میں حرج نہیں۔

وَكَانَ عَطَاءٌ لَا يَلِي بِهِ بَأْسًا أَنْ يَتَّخِذَ مِنْهَا الْخَيْوُوطَ وَالْحَبَالَ وَ سُورًا لِكَلَابٍ وَ مَسْرِيَهَا فِي الْمَسْجِدِ (بخاری)

فوائد و مسائل | بعض شارحین نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان کو قائم کر کے ان لوگوں کے اس خیال کی تردید کی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ آدمی کے بال جب اس کے جسم سے جدا ہو جائیں تو وہ شخص ہیں اور پانی میں گر جائیں تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے حضرت عطار کے قول سے استدلال کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ اگر آدمی کے بال بخش ہوتے تو اس سے ڈوری دسی بنانا جائز نہ ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ آدمی کے بالوں کو جب کہ وہ جسم سے جدا ہو جائیں شخص فزار دیتے ہیں لیکن علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام شافعی نے اپنے اس قول سے جمع فرمایا تھا (یعنی ج ۱ ص ۱۱۱) ابہر حال احادیث سے صاف صریح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کے بال پاک ہیں البتہ حضرت عطار کا کہنا ہے کہ آدمی کے بال کی رسی وغیرہ بنانا جائز ہے یہ درست نہیں کیونکہ آدمی کرم و محترم ہستی ہے۔ اللہ عزوجل نے لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ فرمایا۔ لہذا آدمی کے کسی چیز سے بعینہ نفع اٹھانا جائز نہیں ہے لہذا بال پاک ہونا حق ہے۔ مگر بنی آدم کے اجزاء و اعضاء میں لانا، اس کے بالوں کا تیل نکالنا یا ہڈی وغیرہ کی کوئی چیز بنانا بوجہ کرامت و بزرگی انسان کے ناجائز ہے۔ احناف کا یہی مسلک ہے۔ خود امام بخاری نے حضرت عطار کے مذکورہ بالا قول سے سرفہرشی کی ہے۔ آدمی کے بالوں کے پاک ہونے کا استدلال کیا ہے لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ امام بخاری کے نزدیک بنی آدم کے اجزاء کا استعمال اتر ہے۔ فافہم۔

اور زہری نے کہا ہے کہ جب کتا برتن میں منہ ڈال دے اور اس کے سوا پانی نہ ہو تو اسی پانی سے وضو کرے۔ اور سفیان نے کہا قرآن سے بھی یہی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تم پانی نہ پاؤ اور کتے کا جھڑنا آخر پانی ہے لیکن اس کے متعلق تردید یہ ہے کہ ممکن ہے کتے کا

قَالَ النَّبِيُّ إِذَا وَقَعَ الْكَلْبُ فِي إِسَاءٍ بَسَ لَهُ وَضُوءٌ غَيْرُهُ يَتَوَصَّاهُ (بخاری)
قَالَ سُفْيَانُ هَذَا الْفَقْدُ يَعْنِيهِ لِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَلْيَمْسُوا بِهَذَا مَاءٍ وَفِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ يَتَوَصَّاهُ

وَيَكْتُمُ

جو مٹھا بخش ہوا اس لیے حضور اور تیمم دونوں کرے۔

غریب یاد رکھیے کہ زہری اور سفیان کے ان مذکورہ بالا اقوال کے نقل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام بخاری جو مٹھے کو پاک قرار دیتے ہیں کیونکہ انھوں نے عنوان میں کوئی لفظ ایسا نہیں لکھا جس سے مٹھے کے جو مٹھے کی طہارت ثابت ہو بلکہ اس باب کے ماتحت انھوں نے جو حدیثیں درج کی ہیں ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مٹھے کا جو مٹھا غلط الجنا سے ہے نیز از زہری کی نظیر وہ مسئلہ ہے کہ جب نماز پڑھنے والا پاک کپڑا ہذا پاس سے اور صرف ناپاک کپڑا اس کے پاس لگیا اس کو ننگے نماز پڑھنا چاہیے؟ ظاہر ہے اس مسئلہ سے ناپاک کپڑے کی طہارت ثابت نہیں ہوتی۔ یہی حال قول مذکور کا ہے۔ اسی طرح حضرت سفیان کے اثر کی نظیر بغیر ترمذی کے اس کے متعلق حضور و تیمم کا حکم ہے بلکہ حضرت سفیان کے لفظ "فِيهِ لِنَفْسٍ" الخ اس امر کی دلیل ہیں کہ ان کے نزدیک بھی مٹھے کا جو مٹھا پاک نہیں ہے۔

حضرت ابن سیرین کا بیان ہے انہوں نے عبیدہ سے کہا میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال ہیں جو ہمیں حضرت انس یا ان کے گھر والوں کی وساطت سے ملے ہیں۔ عبیدہ نے کہا اگر ان میں سے ایک بال بھی میرے پاس ہو تو مجھے وہ دنیا اور جو دنیا میں ہے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور نے جب اپنے سر کے بال اتروائے تو حضرت ابو طلحہ نے سب سے پہلے حضور کے بال حاصل کئے۔

۱۶۹- عَنْ ابْنِ مَسْرُورٍ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَبْنَاهُ مِنْ قَبْلِ أَنَسٍ أَوْ مِنْ قَبْلِ أَهْلِ أَنَسٍ فَقَالَ لَدُنَّ تَكُونُ عِنْدِي شَعْرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا

۱۷۰- عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا حَلَقَ رَأْسَهُ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَوَّلَ مَنْ أَخَذَ مِنْ شَعْرِهِ

قوائد و مسائل

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ امام بخاری نے ان دونوں حدیثوں سے انسان کے بالوں کے پاک ہونے کا استدلال فرمایا اور جب بال پاک ہیں تو پھر وہ پانی بھی پاک ہے جس میں بال ہیں۔ اگر جائیں۔ واضح ہو کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کا پاک ہونا قطعی و یقینی بات ہے بلکہ حضور کے تمام فضیلت مبارکہ طیب و طاهر ہیں۔ صحابہ کرام حضور کے آثار شریفہ، حضور کے مٹے مبارک اور حضور کے پسینے ہونے والے کپڑوں کو منظم و متبرک سمجھتے تھے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حضور کا جبہ مبارک تھا۔ جس کے غزالہ کو وہ بیماروں کو پلاتی تھیں اور شفا ہوتی تھی (مسلم شریف) حضرت خالد بن ولید اپنی ٹپا میں حضور کے بال مبارک کو بطور تبرک رکھتے تھے خود ہی فرماتے کہ ہر معرکہ میں فتح و نصرت مجھے انھیں مقدس بالوں کی برکت سے حاصل ہوئی ہے۔

حضرت علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری نے ان لوگوں کی نہایت سخت انتہا میں ترویج کی جو حضور کے مٹے مبارک اور فضیلت طیبہ کے عدم طہارت کا قول کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کو اپنے

قیاس کرنے والے اور آپ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کرنے والے جاہل و فحش ہیں۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے حضور کے مات مبارک کے طیب و طاهر ہونے کے ثبوت میں اسناد بیہ ذیل ذکر کی ہیں۔ ہذا بطبرانی، حاکم و ہیثمی والیونعیم نے بیان کیا کہ ابن زبیر نے حضور کے کچھنے لگنے سے جو ٹخن نکلا تھا، پیاتھا۔ حضرت ام المین نے حضور کا بول مبارک پیاتھا۔ عینی، طبرانی و حاکم، حضرت سلمیٰ ام رافع نے حضور کے غسل کا پانی پیا۔ حضور نے فرمایا۔ اللہ نے تیرے بدن پر آتش و فرخ (مردی عینی ۱۶ ص ۷۷)

صحابہ کرام کا حضور کے آثار شریفہ سے برکت حاصل کرنا | بخاری شریف میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام وضو فرماتے، تو حضور کے آپ وضو پر صحابہ کرام باہانہ دوڑتے۔ قریب ہے کہ آپس میں کٹ مری۔ حضور جب لعاب دہن ڈالتے یا کنکھارتے صحابہ اسے دونوں میں اپنے بدنوں اور چہروں پر لپٹتے ۲۔ حضور نے ایک پیالہ پانی میں اپنے ہاتھ اور چہرہ مبارک کو دھویا، اس میں گلی کی، حضرت ابوموسیٰ و بلال کو فرمایا اس کو پی لیا اور اپنے چہرے پر ڈال لو ۳۔ صاحب ابن زبید کہتے ہیں۔ میں جبار تھا میری آنکھیں مجھے بخیر نبوی لے کر آئیں۔ میرے مرض کا ذکر کیا۔ حضور نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، برکت کی دعا دی۔ پھر آپ نے جنو میں نے آپ کے وضو کا پانی پیاتھا۔ اس سے اسی وقت شفا ہو گئی اور میں نے حضور کی اقتدار میں نماز پڑھی۔ نیل الاوطار علامہ شوکانی نے اس مضمون کی حدیث ذکر کر کے یہ لکھا ہے کہ

لقد استدل الجہود بصبہ صلی اللہ علیہ وسلم یوضو علیہ علی جابر و تغیرہ
صحابة علی التبرک بوضوہ
جمہور نے اس سے حضور علیہ السلام کے وضو کے پانی ڈالنے سے استیلا کیا ہے اور صحابہ اسے تبرک جانتے تھے (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۹)

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حضور کے مٹے مبارک تھے جنہیں وہ عطر میں ڈالے رکھتی تھیں (مسند ابن فضال) حضرت ام سلیم نے حضور کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد جو شخص اس کو ملا دیا جائے (بخاری) صحابہ کرام نے حضور کے ناخن کے ٹکڑے بطور تبرک محفوظ کر رکھے تھے (مسند احمد بن حنبل) رت ام سلمہ نے پانڈی کی جمل میں حضور کے مٹے مبارک رکھ چھوڑے تھے۔ جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کا غسالہ ربیع کو دیا اور وہ شفا پاتا (بخاری) یہ تمام حدیثیں نیل الاوطار میں شوکانی نے بھی ذکر کی ہیں۔ جن سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آثار شریفہ، نشان قدم، مٹے مبارک اور تمام ان اشیاء کا جن کو آپ سے نسبت تھی ہے ادب و احترام کرنا واجب ہے اور ان کو حفاظت سے رکھنا، ان سے برکت پانا، انہیں متبرک سمجھنا، ان سے غنا حاصل کرنا جائز ہے اور نسبت صحابہ کرام سے۔ شفا میں علامہ قاضی نے لکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر مسجد نبوی میں حضور کے منبر مبارک کے اس مقام پر جہاں حضور جلوہ فرما ہوتے تھے ہاتھ لگاتے اور پھر اس کو بوسہ دیتے تھے۔ علامہ خفاجی یہ الرحمة نے نسیم الریاض میں اس کے تحت لکھا ہے کہ:-

لذا یبدل علی جواز التبرک بالانبیاء | کہ صحابہ کرام و حضرت عبداللہ بن عمر کے اس فعل سے

وَالصَّالِحِينَ وَ أَشَارَهُمْ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِمْ | انبیاء کرام و اولیاء عظام کے آثار شریفہ سے اور ان اشیا سے جن کو ان سے نسبت ہوگئی ہے برکت حاصل کرنے کا جواز نکلتا ہے۔

اور بڑی حیرت کی بات ہے کہ اس حدیث زیر بحث کی تشریح کرتے ہوئے مشہور غیر مقلد مولوی وحید الزمان نے لکھا کہ اس باب کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے موتے مبارک ہمیشہ صحابہ کرام لیتے رہے ہیں حضور نے دوبار سارے سر کے بال اتروائے اور سارے بال تقسیم فرمائے اور یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء کرام کے جموں کو زمین نہیں کھائی تو بال بھی آپ کے زمین نہیں کھا سکتی۔ لہذا اس زمانہ میں جن بالوں کے متعلق ہمیں بطور توازن یا شہرت یہ معلوم ہو کہ وہ حضور کے ہیں ان کی تکذیب نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہم پر ایسے بالوں کی عزت و حرمت لازم ہے، اگرچہ اس میں شبہ بھی ہو پھر بھی ان کی تحکیم و تعظیم ضروری ہے کیونکہ اگر وہ بال واقع میں آپ کا ہے تو اس کی تعظیم کرنے سے ہم گنہگار نہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری نیت کو جانتا ہے کہ ہم نے اس کا ادب اس وجہ سے کیا ہے کہ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے یہ حضور کے موتے مبارک ہیں اور تعجب ہے ان لوگوں پر جو اتباع سنت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر غرہ مخواه اس قسم کے آثار شریفہ (یعنی نشان قدیم و موتے مبارک وغیرہ) کی تکذیب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غلو اور تعصب سے بچائے۔ باوجود علم کے بعض لوگوں نے ایسے کلمات منہ سے نکالے ہیں کہ ان کی نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ غافل ہیں اور نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے فضائل یہاں تک کہ آپ کا بول و بارز بھی اور آپ کے جسم مبارک کی ہر چیز طیب و طاهر، مقدس و محترم ہے اور اس پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے اور حق بھی یہی ہے کہ حضور کے بال مبارک کیا آپ کی جوتی کی خاک بھی مومن کے لیے تو دنیا و مافیہا سے افضل و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ادب کی توفیق عطا فرمائے۔

ہر دو عالم قیمت خود گھنٹہ زر بخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز (تیسل القاری ج ۱ ص ۴۸۲)

يَا بَا إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ

باب کتے کا برتن سے پانی پینے کا بیان

۱۷۱۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءٍ أَحَدِكُمْ فَلْيَحْسِلْهُ سَبْعًا (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کتا برتن سے پی لے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھو ڈالو۔

فوائد ومسائل | اس حدیث کو امام مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے۔ بعض شیعین مثلاً ابن بطلان نے کہا کہ اس حدیث سے امام بخاری کا مقصود یہ بتانا ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے کہ کتا جس برتن سے پانی پی لے اس کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ستر کتے سے زیادہ نجس ہے۔ اسی طرح آدمی کا پانچاؤ و پیشاب بھی نجس ہے اور ہر قسم کی نجاست کو زائل کرنے کے لیے ایک بار صدر درجہ تین بار دھونا کافی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سات بار دھونے کا حکم اس وجہ سے نہیں ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے بلکہ کسی

اور مصلحت کی بنا پر ہو۔ یعنی بعض کتے زہریلے ہوتے ہیں تو احتمال ہے کہ برتن میں اس کے زہر کا اثر رہ جائے اس لیے مبالغہً سات بار دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن ابن بطلال کا ایسا کتنا متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

اولے اس لیے کہ کسی چیز کی طہارت کا جو حکم دیا جاتا ہے اس کی وجہ یا حدث ہوتا ہے یا نجاست اور یہاں حدث ہو نہیں سکتا اس لیے نجاست متقین ہے یعنی دھونے کا حکم اس وجہ سے دیا گیا کہ کتے کا بھڑنا ناپاک ہے۔
دوہم اس لیے کہ سات بار دھونے کے حکم سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نجس نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تین بار دفع نجاست کے لیے ہو اور چار بار دفع زہر کے لیے ہو۔ سوہم مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

طهوا راساء احدكم اذا وقع الكلب ان | اس برتن کے پاک کرنے کا طریقہ جس میں کتنا منہ ڈال
يفسله سبع مرات (مسلم و احمد بن حنبل)

اس حدیث میں بطور کال لفظ اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ دھونے کی علت زہر نہیں ہے بلکہ نجاست ہے چنانچہ اس کی تائید مزید "اثر ابن عباس سے ہوتی ہے۔" جس کو محمد بن نصر المروزی نے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ کتے کے منہ ڈالے برتن کو دھونے کی علت نجاست ہے اور کتنا نجس ہے اور صحابہ سے اس کے خلاف پر ہمیں کچھ نہیں ملتا۔ جس سے ثابت ہوا کہ کتنا نجس ہے اور اس کا جو ٹھکانہ بھی نجس ہے۔

رہا ابن بطلال کا یہ فرمانا کہ ان چار حدیثوں سے امام بخاری کی غرض کتے کے جو ٹھکانے کی طہارت ثابت کرتی ہے۔ اس میں بھی نظر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے امام بخاری کا مقصد صرف لوگوں کے مذاہب کا بیان کرنا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے "سور الکلاب طاهر" کے الفاظ کے ساتھ عنوان قائم نہیں کیا۔ فافهم

سات بار دھونے کی بحت | واضح رہے کہ اس باب میں متعدد حدیثیں آئی ہیں ۱۔ حدیث ابو ہریرہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کتنا برتن میں منہ ڈال دے تو

فلیرقه ثم لیفسله سبع مرات (مسلم و نسائی) | اس پانی کو چھینک دو اور برتن کو سات بار دھو ڈالو
۲۔ حدیث حضرت عبداللہ بن مغفل میں سات بار دھونے کے بعد وغفص وہ الشامنہ بالقراب کے لفظ بھی آئے ہیں یعنی آٹھویں بار مٹی سے مانجا جائے۔

اس مضمون کی امداد حدیث سے حضرت ابن عباس و عروہ بن الزبیر و محمد بن سیرین و طاؤس و عمرو بن دینار و ازاعی و امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل و ابو ثور و ابو عبیدہ داؤد و رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ استدلال کرتے ہیں کہ جس برتن میں کتنا منہ ڈال دے اس کو سات بار دھونا واجب ہے۔

احناف وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ لعاب کلب اور دیگر نجاست میں کچھ فرق نہیں ہے۔ جب پاخانہ و پیشاب کے سات بار دھونا واجب نہیں ہے تو کتے کے جو ٹھکانے کے لیے سات بار کے وجوب کا حکم کیسے کیا جاسکتا ہے۔ نجاست غلیظ کے لیے جب تین بار دھونا کافی ہے تو جو نجاستیں اس سے کم درجہ کی ہیں وہ تو بطریق اولیٰ تین بار دھونے سے پاک ہو جانی چاہئیں۔ نیز اس سلسلہ میں حنفیہ صرف قیاس و عقل سے کام لے کر میرا کتے قائم نہیں کر رہے بلکہ مرفوع حدیثیں

بھی ان کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ جناب ابو ہریرہ جن سے سات بار دھونا مروی ہے انہیں سے تین بار دھونا بھی (مرفوعاً و موقوفاً) مروی ہے اور جمع بین الخیشین کا یہی طریقہ نظر آتا ہے کہ سات بار دھونے کے حکم کو مبالغہ قرار دیا جائے اور تین بار دھونے سے طہارت کا اہم لانا جائے۔ چنانچہ دارقطنی نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ روایت کیا کہ جناب ابو ہریرہ نے فرمایا کہ جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو۔

فاہرقتہ ثم اغسلہ ثلاث مرات ۱۔ اس کو پھینک دو اور برتن کو تین بار دھو لو۔

اور ابن عدی نے کامل میں جو روایت نقل کی اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا:۔
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | كَرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرًا كَانَتْ سَاتِ بَارِدًا دُحُونًا كَمَا بَرَدَتْ
إِذَا قُتِلَ الْكَلْبُ فِي إِسَاءَةٍ أَحَدَكُمْ | مِثْلُ مَنْ دُحُونًا كَمَا بَرَدَتْ
فَلْيَغْرِقْهُ وَلْيَغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ | كَوْتَيْنِ بَارِدًا دُحُونًا (عینی ج ۱ ص ۸۴)

اس مرفوع حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ سات بار دھونا مستحب ہے کیونکہ اگر سات بار دھونا واجب ہوتا تو پھر تین بار دھونے کو کافی نہ قرار دیا جاتا۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ جناب ابو ہریرہ کے متعلق یہ ثابت ہے کہ آپ نے تین بار دھونا کا فہمی دیا۔ ظاہر ہے کہ سات بار دھونے والی حدیث کے راوی بھی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ جب تین بار دھونے کا حکم دے رہے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سات بار دھونے کا حکم غلو ہے جیسا کہ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار دھونے کا فہمی دیا۔

بہر حال یہ مسئلہ حنفیہ و ائمہ ثلاثہ میں مختلف فیہ ہے۔ حنفیہ تین بار دھونے کو کافی قرار دیتے ہیں اور سات بار دھونے کو مستحب اور مالک و شافعی و احمد بن حنبل سات بار دھونے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ ہر فریق کی رائے سے متعلق تفصیل بحث کے لیے طحاوی، نیل الاوطار جلد ۱ ص ۳۵ و عینی جلد ۱ ص ۸۴ دیکھنی چاہئے۔ یہاں ہم نے بقدر ضرورت کلام کیا ہے۔

مسائل حدیث

لعاب دہن نجس ہے جو منہ میں پیدا ہوتا ہے تو اس کا باقی بدن بطریق اولیٰ نجس قرار پائے گا۔ اسی طرح دھونے کی علت بھی نجاست ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز میں کتا منہ ڈال دے اس کے پھینکے کا حکم دیا گیا۔ البتہ امام مالک کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ ان کے نزدیک کتا پاک ہے اور ان کے اس قول کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ کتے کے ذریعے جو شکار کیا جاتا ہے وہ حلال ہے شکار کرنے سے جانور پرکتے کا لعاب دہن ضرور لگتا ہے اور ایسے شکار کے متعلق دھونے کا حکم نہیں دیا گیا لیکن یہ بات بہت بردی ہے کیونکہ کتے کے پوٹے ہوتے

یہ لازم نہیں آتا کہ جو شکار نجس ہو جائے اس کو پاک کر کے استعمال کرنا ضروری نہیں ہے۔ دھونے کا حکم خصوصی طور پر نہ دینے کی وجہ یہی ہے کہ ہر نجس چیز کو پاک کر کے استعمال کرنے کا حکم پہلے ہی سے شریعت میں معروف و مشہور ہے۔

۱۷۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا زَاىَ كَلْبًا يَسْأَلُ | كَرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرًا كَانَتْ سَاتِ بَارِدًا دُحُونًا كَمَا بَرَدَتْ
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا زَاىَ كَلْبًا يَسْأَلُ | كَوْتَيْنِ بَارِدًا دُحُونًا (عینی ج ۱ ص ۸۴)

الْثَّلَاثِي مِنَ الْغَطِّشِ فَاحْذَرُوا الرَّجُلَ
خَفَّتْهُ فَجَعَلَ يَعْرِفُ لَهُ بِهِ حَتَّى
أَرَادَهُ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَنَادَى خَلَهُ الْجَنَّةُ
(بخاری)

گیل مٹی چاٹ رہا تھا۔ تو اس شخص نے اپنا موزہ اتارا
اور پانی بھر بھر کر اس کو پلایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو
گیا اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ فعل پسند آیا اور اس کو جنت
میں داخل فرمایا۔

فوائد مسائل امام بخاری نے اس حدیث کو مشرب مظالم ادب ذکر بنی اسرائیل میں بھی ذکر کیا ہے مسلم نے
حیران میں اور ابو داؤد نے کتاب الجہاد میں ذکر فرمایا ۲۔ ثری اس مٹی کو کہتے ہیں جس میں
تری ہو۔ شکر نعم کی تعظیم و شمار کہتے ہیں۔ فاشنی اللہ کے معنی جبر و جبراکے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس شخص کا یہ فعل
پسند آگیا اور اس کی جزا میں اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ اس حدیث میں مخلوق خدا پر رحم و رافت کی اہمیت کو بیان
کیا گیا ہے اور یہ کہ اللہ عزوجل فاعل مختار ہے وہ چاہے تو خلوص کے ساتھ ایک سحوی سی نیکی کرنے والے کو نوازے اس کے
دربار میں عمل کے وزن و مقدار کو نہیں دیکھا جاتا۔ اسی لیے خلوص نیت کے ساتھ کیا ہوا ایک معمولی سا عمل خیر کثیر کا باعث ہو
جاتا ہے۔ حضور صمد در عالم و سلم نے اسی نکتہ کو یوں بیان فرمایا کہ ”تمہارا مسلمان بھائی کو دیکھ کر شکر دینا بھی عبادت ہے۔“ اور قرآن
نے اعلان کیا ہے۔

وَاللَّهُ يُضَيِّعُ لِمَن يَشَاءُ مِثْرًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ
عَلِيمٌ

اللہ تعالیٰ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا
ہے اور اللہ تعالیٰ واسع بھی ہے اور علیم بھی

جس کا حاصل یہی ہے کہ جقدر خلوص اور جتنے کمرے جذبے کے ساتھ نیک کام کیا جائیگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی
طرف سے اس کا اجر زیادہ ہوگا۔ قطع نظر اس بات کے کہ وہ کام فی نفسہ مقدار میں بڑا ہے یا چھوٹا ۲۔ اس حدیث سے
کتے کے لعاب کی طہارت کا قول کیا گیا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس شخص نے موزہ سے کتے کو پانی پلایا اور ضرور اس کا
لعاب موزہ کو لگا ہوگا لیکن ظاہر ہے کہ موزہ پر لعاب لگنے سے کتے کے پاک ہونے کا استدلال کرنا بہت ہی عجیب و غریب
ہے۔ ثانیاً حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اس شخص نے موزہ سے کتے کو پانی پلایا۔ ہو سکتا ہے کہ موزے کے ذریعے پانی لے
کر کسی دوسری جگہ ڈال دیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے بعد میں موزہ کو دھو لیا ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی قابل غور بات
ہے کہ وہ شخص جس کا مال اس حدیث میں بیان ہوا یہ کس وقت کا واقعہ ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ حضور کے زمانہ بعثت
کا واقعہ نہیں ہے چنانچہ خود جناب ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اَنَّهُ كَانَ فِي شَرْبِ لَيْتَةِ غُبَيْرٍ (یعنی ج ۸ ص ۸۸)
لہذا کتے کی طہارت پر اس سے ذیل لینا درست نہیں ۳۔ اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ انسان پر اپنے
ملوک و مقروضہ جانوروں کا نفقہ واجب ہے۔

حمزہ بن عبد اللہ نے اپنے والد عبد اللہ بن عمر
سے روایت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
میں مسجد میں کتے آتے جاتے تھے۔ پھر وہاں کسی جگہ

۱۶۳۔ قَالَ كَانَتْ الْكَلَابُ تُعْقِلُ وَ
تَذَبُرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُونُوا

مِنْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ

| پر پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

قائد

اس تعلیق کو برواؤ دینے بھی ذکر کیا ہے۔ جس میں یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے فرمایا میں مسجد نبوی میں رات گزارتا تھا تو (دروازہ نہ ہرنے کی وجہ سے) کتے مسجد میں آتے جاتے تھے اور پیشاب کرتے۔ اس تعلیق سے بھی کتے اور اس کے لعاب کی طہارت کا قول کیا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی درست نہیں کیونکہ محض کتے کے آنے جانے سے اس کی طہارت ثابت نہیں ہوتی۔ رہی یہ بات کہ کتے پیشاب کر دیتے تھے اور صحابہ کرام زمین نہیں دھرتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو مقام نہایت متعین نہ ہوتا تھا دوسرے یہ کہ زمین ٹھکھ جانے سے پاک ہو جاتی ہے اس لیے پانی نہیں بہاتے تھے۔ احناف نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب زمین کو نجاست پہنچے اور سورج یا جہوا سے ٹھکھ جائے اور اثر نجاست زائل ہو جائے تو اس زمین پر نماز پڑھی جاسکتی ہے یعنی نماز کے حق میں وہ زمین پاک قرار دی جائے گی۔

۱۷۴ - عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَرَسَلَتْ كَلْبَكَ الْبُحْلَمَ فَقَتَلَ فُكْلًا وَإِذَا أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَمَاذَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ قُلْتُ أُرْسِلُ كَلْبِي فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ قَالَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمَّيْتِ عَلَى كَلْبِكَ وَكَلِمَ تَسْمِي عَلَى كَلْبٍ آخَرَ (بخاری)

عدی بن عدی حاتم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (کتے کے شکار) کے متعلق سوال کیا۔ حضور نے فرمایا جب تو اپنا سداھایا ہوگا پھوڑے اور وہ شکار مارے تو کھالے اور اگر کتا اس جانور سے کھالے تو اس شکار کو مت کھا کیونکہ کتے نے یہ جانور اپنے لیے پکڑا تیرے لیے نہیں) میں نے عرض کی کبھی میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی پاتا ہوں۔ فرمایا اس شکار کو نہ کھا کیونکہ

تو نے اپنے شکاری کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے دوسرے پر تو نہیں پڑھی۔

قائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے بیوع، صید و بائع میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم، ابوداؤد و ابن ماجہ نے کتاب العیدین ذکر کیا۔ اس حدیث سے بھی کتے اور اس کے لعاب کی طہارت کا قول کیا گیا اور انھوں نے کہا۔ حضور نے شکاری کتے کے ذریعے کیے ہوئے شکار کو کھانے کا حکم دیا اور یہ قید نہیں لگائی کہ جانور کے جس حصہ پر کتے نے ذمہ لگایا ہے اس کو دھو کر کھایا جائے اس سے کتے کے لعاب کا پاک ہونا ثابت ہوا۔

لیکن ظاہر ہے کہ محض مبہمات سے تمسک کرنا اور احادیث صریحہ کو نظر انداز کر کے مذکور بالا رائے قائم کرنا نہایت ہی ضعیف و درکیک ہے۔ کیونکہ حدیث زیر بحث میں دراصل کتے کے مارے ہوئے شکار کی ناپاکی کو بیان کرنا مقصود ہی نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ جب بسم اللہ پڑھ کر کتے کو چھوڑا گیا اور اس نے شکار کیا تو کتے کا جانور کو قتل کرنا ہی اس کو ذبح کرنے کے مترادف ہے لہذا اس کو کھایا جائے۔

اور اگر اس دلیل کو مان لیا جائے کہ چونکہ حضور نے اس شکار کو دھو کر کھانے کی ہدایت نہیں دی اس لیے کتے کے لعاب دہن کی طہارت ثابت ہوگئی۔ تو پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ حضور نے چونکہ جانور کے جو ذمہ آیا ہے اور اس سے خون بہا اس کے دھونے اور جانور کے پیٹ میں جو نجاست ہے اس کو صاف کرنے کا حکم بھی نہیں دیا ہے اس لیے جانور کی

اور بھڑکی کی آگ کش وغیرہ اور زخم کا دم مسنون بھی پاک ہے ؟

در اصل یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ شکاری کتے کے مارے ہوئے جانور کے دھرنے کا ذکر حضور نے اس لیے نہیں فرمایا کہ اس کو دھرنے اور صاف کرنے کی ہدایت پہلے ہی سے شارح کی جانب سے مقرر و متعین ہے اور یہاں مسکوفہ شکاری کتے کے کبے ہوئے شکار کا بتانا مقصود تھا۔ اس لیے صرف یہ بتانے پر اکتفا فرمایا کہ شکاری کتے نے جو شکار کیا ہے وہ حلال ہے۔

شکاری کتے کے شکار کے مسائل و احکام | حدیث زیر بحث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ کلب معلوم اس کتے کو کہتے ہیں جو شکار کے لیے بے سدا ہایا جانا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ عام درندوں کی طرح شکار بھارت نہیں کھاتا بلکہ اپنے مالک کے لیے پکڑ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے عام درندوں کا بھارتا ہوا جانور حرام ہے اور سدھائے ہوئے کتے کا شکار حلال ہے ۲۔ پھر چونکہ اس میں کتے کو مطلق رکھا گیا ہے۔ اس لیے کسی بھی قسم و فعل کا کتا ہو، چاہے وہ اسود ہی کیوں نہ ہو۔ جب اس کو سدھایا جائے تو اس کا شکار حلال ہے۔ (لیکن امام مالک کے نزدیک کلب اسود کا شکار حلال نہیں ہے) ۳۔ حدیث زیر بحث سے واضح ہوتا ہے کہ کتے کے ذریعہ شکار کرنے کے لیے چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ اول، کتا سدھایا ہوا ہو۔ دوم، ارسال یعنی کتے نے خود بخود شکار نہ کیا ہو بلکہ مالک کا اشارہ پاکر اس نے جانور کو پکڑا ہو۔ سوم، یہ کہ وقت ارسال بسم اللہ پڑھ لی ہو۔ چہارم یہ کہ کتے نے شکار کو مالک کے لیے پکڑا ہو اور اس میں سے خود نہ کھایا ہو۔ اگر خود اس نے شکار سے کھالیا تو شکار حرام ہوگا۔ چنانچہ حدیث کے یہ لفظ "اذا اکل فلا تأکل" سے یہ بات بالکل صراحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے ۴۔ اگر بھول کر بسم اللہ نہیں پڑھی تو شکار حلال ہے اور قصد نہیں ہی تو حرام ہے ۵۔ اگر سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا اور دوسرا کتا بھی شکار کرنے میں بھی شامل ہو گیا تو شکار حرام ہوگا کیونکہ شکاری نے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی تھی نہ کہ دوسرے کتے پر ۶۔ یہ ہدایت قرآن پاک کی آیت سے ماخوذ ہیں۔

اور جو شکاری جانور تم نے سدھالیے انہیں شکار پر دوڑانے جو علم تمہیں خدا نے دیا اس میں سے انہیں سکھانے تو کھاؤ اس میں سے جو وہ مار کر تمہارے لیے رہنے دے اور اس پر اللہ کا نام لو۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ
تَعْلَمُونَ لَهُنَّ سَمَاءَ عَلَّمَكُمْ اللَّهُ فَمَكُلُوا مِمَّا
أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
عَلَيْهِ

یہ آیت ابن حاتم اور حضرت زید بن مہمل کے حق میں نازل ہوئی جن کا نام حضور نے زید الخیر رکھا تھا۔ ان دونوں صاحبوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم لوگ کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرتے ہیں۔ کیا ہمارے لیے حلال ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

الف۔ جو شکاری جانور خواہ وہ درندوں میں سے ہوں جیسے کتا اور چیتا یا شکاری پرندوں سے ہوں جیسے باز، شایق، شکوہ وغیرہ۔ جب ان کو اس طرح سدھایا جائے کہ جو شکار کریں اس میں سے نہ کھائیں اور جب شکاری ان کو چھوڑے تب شکار پر جائیں اور جب واپس بلائے واپس آجائیں۔ ایسے شکاری جانور کو معلوم کتے ہیں۔ آیت سے جو مستفاد ہوتا

ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے کتیا یا شکرہ وغیرہ کوئی شکاری جانور شکار پر چھوڑا تو اس کا شکار چند شرطوں کے حلال ہے۔
۱۔ شکاری جانور مسلمان کا ہو اور سدھایا ہو جو ۲۔ اس نے شکار کو زخم لگا کر مارا ہو ۳۔ شکاری جانور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو ۴۔ شکار اگر زندہ ملے تو اس کو بسم اللہ کہہ کر ذبح کر لیا جائے ۵۔ اگر زندہ نہ ملے تو اس کے بغیر ہی حلال ہے کیونکہ بوقت ارسال بسم اللہ اکبر پڑھ لیا گیا ہے۔

ب۔ اور مندرجہ ذیل صورتوں میں شکار حرام ہوگا۔ ۱۔ اگر شکاری جانور (معلم) سدھایا ہو اور جو ۲۔ یا اس نے شکار کے زخم نہ کیا ہو ۳۔ یا شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ اکبر نہ پڑھا ہو ۴۔ یا شکار زندہ ملا ہو اور اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح نہ کیا گیا ہو ۵۔ یا معلم کے ساتھ غیر معلم شکار میں شریک ہو گیا ہو ۶۔ یا ایسا شکاری جانور شکار میں شریک ہو گیا ہو جس کو بسم اللہ اکبر کہہ کر نہ چھوڑا گیا ہو ۷۔ یا وہ شکاری جانور کسی مجوسی کا فرکا ہو۔ ان سب صورتوں میں شکار حرام ہے۔
ج۔ نیز یہی احکام تیر کے ساتھ شکار کے ہیں یعنی اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر تیر شکار پر چھوڑا اور تیر سے شکار مجروح ہو کر گر پڑا اور مر گیا تو حلال ہے اور اگر مجروح ہو کر بھی زندہ رہا تو پھر اس کو بسم اللہ اکبر کہہ کر دوبارہ ذبح کیا جائیگا اور اگر بوقت ارسال تیر پر بسم اللہ نہیں پڑھی یا تیر نے شکار کو زخم نہیں پہنچایا یا زندہ پانے کے بعد دوبارہ اس کو ذبح نہ کیا تو ان صورتوں میں تیر کا شکار بھی حرام ہوگا نیز ہندو کو تیر پر قیاس نہ کیا جائے ہندو کا شکار بغیر ذبح کے کسی حالت میں حلال نہیں۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَرِ الْوُضُوءَ إِلَّا

باب ان لوگوں کے مسلک کے بیان جو یہ کہتے ہیں کہ وضو

مِنَ الْمُتَخَرِّجِينَ الْقُبُلَ وَالذَّبِيرُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى
اَوْجَاءُ أَحَدٍ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ (بخاری)

قبیل آگے کے مقام کو کہتے ہیں اور دُئیر پیچھے کے مقام کو، ان دونوں کو تَخَرُّجَيْنِ سے موسوم کرتے ہیں۔ غائط اس جگہ یا مکان کو کہتے ہیں جو پاخانہ و پیشاب کرنے کے لیے مقرر کردی جاتی ہے دُئیر پاخانہ کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اَحِلِيلُ (آگے تاسل)۔ پیشاب گاہ کے سوراخ کو کہتے ہیں۔ یعنی سوراخ ذکر اور قبل و دُئیر کو سبیلین سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ آئندہ بحث میں چونکہ یہ الفاظ استعمال ہوں گے اس لیے ان لفظوں کے معنی کو قارئین خوب اچھی طرح ذہن نشین کریں۔

وضو توڑنے والی چیزوں کا بیان | واضح کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ جب کوئی چیز سبیلین قبل و دُئیر سے نکلے تو وضو توڑ دے گی اور اگر سبیلین سے نہ نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

مثلاً پیشاب آیا، پاخانہ آیا یا کوئی اور چیز قبل و دُئیر سے نکلے تو وضو ٹوٹ جائیگا اور اگر اس کے علاوہ جسم کے کسی حصہ سے کوئی چیز نکلے مثلاً خون ہے یا پیچھے لگانے سے خون نکلے یا تھے آئے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ وہ فرماتے ہیں آیت اَوْجَاءُ أَحَدٍ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ کا حاصل یہ ہے کہ صرف قبل و دُئیر کا ہونا سے نکلنے والی چیز وضو کو توڑ دے گی۔ احناف نے کہا یہ تو ہمیں تسلیم ہے کہ قبل و دُئیر کا ہونا سے نکلنے والی چیز ناقض وضو ہے مگر ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ صرف قبل و دُئیر

سے نکلنے والی چیز ہی ناقض وضو قرار پائے گی۔ کیونکہ آیت میں صہر نہیں ہے اور آیت زیر بحث پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طہارت کو زائل کرنے والی اصل چیز نجاست کا نکلنا ہے اور سیلیں وغیرہ سیلیں کی اس میں کوئی تاثیر نہیں ہے اصل مؤثر صرف خروج نجاست ہے لہذا نجاست جس جگہ سے بھی خارج ہوگی وضو کو توڑ دے گی خواہ وہ قبل و دبر سے خارج ہو یا جسم کے کسی اور حصہ سے فافہم اور حق یہ ہے کہ اس باب میں احناف کی رائے بہت قوی ہے پس احناف کے نزدیک:-

۱۔ پانخانہ، پیشاب، دوی، مذی، کیڑا پتھر اور مٹی بلا شہوت مرد یا عورت کے آگے یا پیچھے کے مقام سے نکلنے کی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح بدن کے کسی حصہ سے خون، پیپ یا زرد پانی نکل کر بہا اور اس کے بہنے میں ایسی جگہ پہنچنے کی صلاحیت تھی۔ جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے وضو کو توڑ دے گا اور اگر خون بدن کے کسی حصہ سے صرف چمکا یا ابھرا اور بہا نہیں جیسے سوئی کی نوک یا چاقو کا کنارہ لگ جانے سے خون ابھرا یا چمکا جاتا ہے یا خلال یا مسواک کرنے یا انگلی سے دانت ماتخنے یا دانت سے کوئی چیز کٹانے پر خون کا اثر محسوس ہوتا ہے یا انگلی، ناک میں ڈالنے سے اس پر خون کی سُرخی آگئی۔ ان سب صورتوں میں خون بہنے کے قابل نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح اگر خون بہا مگر ایسی جگہ بہہ کر نہیں آیا جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہو۔ مثلاً آنکھ میں دانا تھا وہ ٹوٹ کر آنکھ کے اندر ہی پھیل گیا باہر نہیں نکلا یا کان کے اندر دانا تھا اور اس کا پانی سوراخ سے باہر نہ نکلا یا زخم میں گرٹھا پڑ گیا۔ اس میں رطوبت چمکی، ابھری، ظاہر ہوئی مگر زخم کے اندر ہی اندر ہی تو ان سب صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹے گا نہ خضکہ ام، اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک خروج نجاست ناقض وضو ہے خواہ وہ جسم کے کسی بھی حصہ سے نکل کر بہے (یعنی بہہ کر ایسی جگہ پہنچ جائے جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے) چنانچہ امام بخاری نے معاملہ سنین میں فرمایا کہ اگر کثرت کا یہی مسلک ہے غرن کا غیر سیلیں سے بہنا ناقض وضو ہے۔ امام زہدی نے فرمایا کہ اصحاب رسول اور تابعین کرام کے نزدیک نئے اور نکحیر ناقض وضو ہے اور امام احمد، سفیان ثوری اور ابن المبارک و اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا بھی مسلک ہے اس سے واضح ہو گیا کہ احناف کا مسلک وہی ہے جو اکثر اصحاب رسول کریم کا مسلک ہے۔

اولا مسجد تنہ النساء امام شافعی کے نزدیک عورت کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ لمس کے معنی چھونے کے ہیں۔ اسی طرح ذکر کو بلا محال چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ذکر کو چھونا بھی عورت کے چھونے کے مثل ہے۔ پس فہم سے وضو اس لیے ٹوٹ جاتا ہے کہ ہوا نکلنے کا سبب بنتی ہے اور عورت کو چھونے اور ذکر کو چھونے میں ہندی نکلنے کا احتمال ہے تو امام شافعی نے لمس کو از روئے نص اور مس ذکر کو از روئے حدیث اس کے ساتھ ملحق کر کے ناقض وضو قرار دیا جس کا حاصل یہ ہوا کہ سیلیں سے نکلنے والی چیز ناقض وضو ہے۔ فافہم

خفیہ یہ کہتے ہیں۔ اولاً مستمسک لمس کے معنی عورت کو ہاتھ سے چھونے کے نہیں ہیں بلکہ یہ جماع سے کنایہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس، علی ابن ابی طالب، ابو موسیٰ اشعری، عبیدۃ السلمانی و عبیدۃ النضبی، عطار و طاؤس و حسن بصری و شعبی و ثوری، اور اعمام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے نزدیک اس آیت میں لمس سے ارجماع ہے چنانچہ امام بخاری نے بھی اس کو اعتیار کیا اور کتاب التفسیر میں اس کی تصریح بھی کی۔ یعنی آیت کا تعلق وضو سے نہیں بلکہ جماعت سے ہے۔ یعنی جو شخص جنبی ہو گیا۔ اگر پانی پر قدرت نہ پائے تو تیمم کرے۔ لہذا محض عورت کو چھونے یا ذکر کو مس کرنے سے وضو کے ٹوٹ

جانے کا آیت زیر بحث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ فِي مَنَ يَخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ | اور عطاء نے کہا جس کی قبل یاد رہے کوئی کیڑا وغیرہ مثل
الدُّدِ أَوْ مِنْ ذَكَرِهِمْ نَحْوُ الْقَلْبَةِ لِيُعِيدَ الْوُضُوءَ | جوں کے نکلے وہ وضو دوبارہ کرے

یعنی اگر قبل دوبر سے کیڑا یا جانور وغیرہ نکلے تو یہ ناقض وضو ہے۔ حضرت امام شافعی، امام احمد اسحاق ابی ثور، سفیان ثوری، اوزاعی اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے اور حضرت قتادہ و امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ خلاف معمول کوئی چیز اگر قبل دوبر سے نکلے تو وہ ناقض وضو نہیں ہے لہذا کیڑے کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن قاضی میں جو مرفوع حدیث حضرت ابن عمر سے ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو نہیں ٹوٹتا مگر اس چیز سے جو قبل دوبر سے نکلے۔ دارقطنی نے کہا اس کی اسناد میں عبد اللہ بن محمد ضعیف ہے۔ بہر حال مسئلہ مختلف فیہ ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مسلک یہی ہے کہ قبل دوبر سے جو چیز بھی خارج ہوگی وہ ناقض وضو قرار پائے گی۔

وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ إِذَا ضَحَّكَ فِي | حضرت جابر نے فرمایا اگر کوئی نماز میں ہنسنے تو
الصَّلَاةِ أَعَادَ الصَّلَاةَ وَكَرِهَ لِعِدِّ الْوُضُوءَ | وہ نماز دوبارہ پڑھے مگر وضو دوبارہ نہ پڑھے

نماز میں قہقہے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے | واضح ہو کہ اس میں غالباً سب کا اتفاق ہے کہ اگر نماز میں قہقہہ لگایا گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ لیکن نماز میں قہقہہ

لگانے سے وضو بھی ٹوٹنے کا یا نہیں، اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

امام مالک و شافعی و لیث کے نزدیک قہقہے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور امام بخاری و حسن و ثوری و اوزاعی و امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ فرماتے ہیں کہ نماز میں قہقہہ مارنے سے وضو بھی جاتا رہتا ہے۔ یہ حضرات گیارہ حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں سے چار مرسل ہیں اور سات مسند ہیں۔ دارقطنی نے ابی المہج سے انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ ہم حضور علیہ السلام کی اقتدار میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص جن کو کم نظر آتا تھا، آتے اور کہتا کہ گرتے۔ جس سے بعض نمازیوں کو زور سے ہنسی آگئی جسے قہقہہ کہا جاتا ہے۔ نماز کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مَنْ ضَحَّاكَ مِنْكُمْ فَلْيُعِدِّ الْوُضُوءَ | جو نماز میں ہنسا ہے وہ وضو بھی دوبارہ کرے اور نماز بھی
وَالصَّلَاةَ (دارقطنی) | دوبارہ پڑھے۔

اور روایت ابن عمر کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَمَنْ ضَحَّكَ فِي الصَّلَاةِ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِّ | جو نماز میں قہقہہ مار کر ہنسا وہ نماز دوبارہ پڑھے اور وضو
الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ (ابن عدی فی الکمال) | بھی دوبارہ کرے

اس حدیث سے ہنسنے کی کیفیت بھی معلوم ہوگئی کہ ہنسنے سے مراد قہقہہ مار کر ہنسا ہے لہذا قہقہہ کا ناقض وضو ہونا بھی

لے واضح ہو کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خارج نماز قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ فافہم

جاہت ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس باب کی حدیثیں ضعیف بھی ہیں تو جواب یہ ہے کہ کثرت طرق متون و رواۃ سے ان میں ایسی قوت پیدا ہو گئی ہے کہ ان کے مقابل قیاس جلی کو چھوڑنا ضروری ہے۔ رہا یہ سوال کہ صحابہ کرام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں اور نمازیں ہنسنا بڑی عجیب سی بات ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اول تو تمام صحابہ کا ہنسنا ثابت نہیں۔ ممکن ہے یہ ہنسنے والے وہ لوگ ہوں جو نئے نئے اسلام لائے تھے اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ کبھی بے اختیار آجاتی ہے اور اس میں شرعاً کوئی مواخذہ نہیں آتی ہے۔ بہر حال متعدد حدیثیں سے ثابت ہے کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ واضح ہو کہ قہقہہ میں آواز نہیں ہوتی جس کو مسکراتا کہتے ہیں اور ضحک وہ ہنسنا ہے جس میں آواز ہوتی ہے مگر دوسرا نہیں سنتا۔ ضحک سے وضو نہیں ٹوٹتا البتہ نماز فاسد ہو جاتی ہے اور قہقہہ یہ ہے کہ ایسی آواز سے ہنسنا جائے کہ خود بھی ہنسنے لگے اور ساتھی کو بھی سنانے والے قہقہہ سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے اور وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر چونکہ قہقہہ کا ناقض وضو ہونا خلاف قیاس ہے اور جو بات خلاف قیاس ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے اس لیے سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ نماز جس میں رکوع و سجدہ ہو رہا ہے اس میں اگر قہقہہ لگایا گیا تو نماز فاسد ہوگی اور وضو بھی جاتا رہے گا۔ پس اگر نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت یا غارح نماز میں قہقہہ لگایا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح نابالغ نے اپنی نماز میں قہقہہ لگایا تو وضو نہیں ٹوٹے گا مگر نماز فاسد ہو جائے گی۔ صاحب دہا یہ نے اس کو علی ما قبل کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ وجہ یہ بتائی ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق امام اعظم سے کوئی فتویٰ نہیں ملتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بالغ کا قہقہہ یعنی اتنی آواز سے جتنی کہ اس پاس والے نہیں۔ اگر جاگتے میں رکوع و سجدہ والی نماز میں ہو تو وضو ٹوٹ جائیگا نماز فاسد ہو جائے گی (۲) اگر نماز کے اندر سوتے ہیں یا جنازہ یا سجدہ تلاوت میں قہقہہ ہو تو وضو نہیں جائے گا مگر وہ نماز یا سجدہ فاسد ہوگا (۳) اور اگر اتنی آواز سے ہنسنا کہ خود اس نے ہنسنا والوں نے نہ سنا تو وضو نہیں جائے گا نماز جاتی رہے گی (۴) اگر نماز میں مسکرایا کہ دانستہ کچھ مگر آواز بالکل پیدا نہیں ہوتی تو اس سے نماز جاگی نہ وضو۔

اور حسن بصری نے کہا جو شخص اپنے سر کے بال منڈائے یا ناخن کترائے یا اپنے موزے اُتار دالے تو اس پر دوبارہ وضو لازم نہیں ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ إِنَّ أَحَدَهُ مِنْ شَعْرَةٍ أَوْ
أَخْطَارَةٍ أَوْ خَلَعِ حَفِيٍّ فَلَا وَضُوءَ عَلَيْهِ

۱۔ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔ اہل حجاز و عراق ابی العالیہ و حکم و حماد و مجاہد یہ فرماتے ہیں کہ وضو کرنے کے بعد اگر بال اُتر دے یا ناخن ترش کرے تو دوبارہ وضو کرنا واجب ہے۔ ۲۔ امام شافعی و حنفی و عطاء کا قول ہے کہ صرف دوبارہ مسح کرے اور ہاتھ دھو لے ۳۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ دوبارہ وضو و مسح کی ضرورت نہیں پہلا وضو ہی درست ہے۔ امام کی رائے تعلیق زیر بحث کے موافق ہے۔

أَوْ خَلَعِ حَفِيٍّ اس مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی نے وضو کر کے موزے پہن لیے۔ پھر موزے اُتار دے تو اس صورت میں دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف پاؤں کو دھو ڈالے۔ ۱۔ تعلیق اول کو سعید ابن منصور و ابن منذر نے حضرت حسن بصری سے باسناد صحیح موصولاً روایت کیا ہے اور تعلیق دوم کو ابن ابی شیبہ نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَا وَضُوءَ | حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا وضو لازم نہیں ہوتا

إِلَّا مِنْ حَدِيثٍ

مگر حدیث سے۔

فوائد مسائل

اس تعلیق کو اسمعیل قاضی نے احکام میں بذریعہ صحیح مجاہد سے جو قوفا روایت کیا ہے اور ابو عبیدہ نے کتاب الطہور میں الساطع ذیل سے روایت کیا ہے۔

لَا وَضُوءَ إِلَّا مِنْ حَدِيثٍ أَوْ صَوْتٍ أَوْ رِيحٍ (یعنی ۱۷ ص ۹۴)

وضو لازم نہیں ہونا مگر حدیث سے یا ہوا نکلنے کی آواز سے یا بو سے

ظاہر ہے کہ حدیث کا لفظ عام ہے۔ سونا، بے ہوشی، جنون یہ بھی حدیث ہے اور قبل و دبر سے کسی چیز کا نکلنا بھی حدیث ہے اور جسم کے کسی حصہ سے بھی نجاست کا بہنا بھی حدیث ہے۔ فافهم

اور جاہر ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرات الرقاق کی لڑائی میں تھے۔ وہاں ایک شخص کو زمین نماز میں اتیر گیا۔ اس میں سے خون بہا لیکن انہوں نے رکعت وسجدہ کیا اور نماز پڑھتے رہے۔

وَبَيِّدُكُمْ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةٍ فَنَزَلَ الرِّقَاعُ فَرُجِحَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَخَرَفَهُ الدَّمُ فَزَلَّ وَسَجَدَ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ

فوائد مسائل

اس حدیث کو ابن اسحاق نے منازی میں درج کیا جس کا قصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ایک گھاٹی میں مقیم ہوئے فرمایا آج رات کون ہمارا پہرہ دے گا تو ایک شخص مجاہد اور ایک انصاری نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی۔ پہلی کی روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ انصاری کا نام عبادہ بن صامت ہے اور مجاہد کا نام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔ غرضیکہ ان دونوں حضرات نے باری مقرر کر لی۔ ایک صاحب سو گئے دوسرے پہرہ دینے لگے اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اتنے میں ایک کافر نے موقع ناگ کرتیر مارا اور انہوں نے تیر کو جسم سے نکال دیا اور بدلتور نماز میں مصروف ہو گئے دوسری باتیر مارا۔ پھر تیسری باتیر مارا اور تیر کو جسم سے نکال کر نماز میں بدلتور مصروف رہے۔ جب نماز پوری کر لی تو اپنے ساتھی کو جگایا۔ انہوں نے زخم سے خون بہتا دیکھا تو کہا تم نے مجھے پہلے تیر پر کیوں نہ جگایا۔ انصاری نے جواب دیا۔ بات یہ تھی کہ میں قرآن پاک کی ایک سورۃ پڑھنے میں محو تھا۔ اس لیے اس کو موقوف کرنا اچھا نہ لگا۔

۱۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں، حاکم نے مستدرک میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں، امام احمد نے مسند میں، دارقطنی نے سنن میں بیان کیا ۲۔ شارحین نے فرمایا کہ اس حدیث سے امام بخاری نے یہ بنایا ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس کے بعد اثر حسن بصری کو ذکر کیا ہے کہ مسلمان اپنے زخموں میں نماز پڑھتے تھے لیکن یہ اسناد لال نام نہیں ہے۔ اول تو یہ معلوم نہیں کہ انصاری کے اس فعل کی اطلاع حضور علیہ السلام کو ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو پھر آپ نے اس کو جائز رکھا یا ناجائز؟ ثانیاً جیسے خون کا ناپاک و نجس ہونا قطعی اجماعی مسئلہ ہے۔ جب ان کے تیر نکلا اور خون نکلا تو کپڑے اور جسم خون میں ملوث ہوئے تو امام شافعی کے نزدیک اگر تھوڑا خون بھی بدن یا کپڑے کو لگ جائے تو نماز نہیں ہوتی اور اگر یہ کہا جائے کہ زخم سے خون اس طرح نکلا جو لگا کہ بدن محفوظ رہا ہو؛ لیکن اگر ایسا ہوا ہو تو یہ بڑی عجیب بات ہوگی۔ جب کہ ان کے جسم کا خون سے محفوظ رہنا بعید از عقل ہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زخم سے خون بہنے کے باوجود نماز میں مشغول رہنا ایک مذہباتی فعل ہے۔ اس سے علم فقہی اخذ نہیں کیا جاسکتا اور ان کا اپنے ساتھی کو کذبت فی سورة اقترھا فلہم احب اقطعہا کے الفاظ سے جواب دینا اس امر کی غمازی کر رہا ہے کہ وہ شاہد حق میں غرق تھے۔ انہیں قرآن کریم کی قرات میں لطف آ رہا تھا۔ یہ ایسے بے غم و غمراہ صحابہ میں سے ایک صحابی جب شہید ہوئے اور خون نکلا تو وہ اپنے چہرہ پر ہنس لگے اور فرماتے تھے۔ (قُرْتُ وَرَبَّ الْکَعْبَةِ) (بخاری) لیکن ان کے اس عاشقانہ انداز کو کسی امر کی دلیل نہیں بنایا گیا اور نہ اس پر کوئی تنقید کی گئی۔ رہا حضرت حسن بصری کا یہ فرمان کہ مسلمان زخموں کی حالت میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کو بھی اس امر کی دلیل بنانا کہ جسم سے خون نکلنے سے وضو نہیں جانا درست نہیں ہے۔ جس کا بیان ابھی آتا ہے۔

اِقَالَ الْحَسَنُ مَا زَالَ الْمُسْلِمُونَ صَلَّوْا فِي جَرِّ احَابِثِهِمْ | اور حسن بصری نے کہا۔ مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے تھے۔

امد و مسائل حضرت حسن بصری کے اس اثر سے بھی امام شافعی نے استدلال فرمایا کہ ”فروج دم من غیر اسمبلیں تاقض وضو نہیں ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اثر بصری سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ زخموں میں نہ پڑھتے تھے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ زخم تھا مگر اس سے خون بہتا نہیں تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف (جامع) سے انھوں نے یونس سے، انھوں نے حسن بصری سے روایت کیا کہ حسن بصری کے نزدیک جب خون نکل کر بہے تو ناقض وضو ہے (اسنادہ صحیح) اور احاف کا یہی مسلک ہے کہ محض خون کے ظہور سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ جب خون نکل کر بہے تو وہ وضو توڑ دیتا ہے۔

فَسَالَ طَاوُسٌ وَمُحَمَّدٌ وَبَعْلَى وَعَطَاءٌ
أَهْلُ الْحِجَابِ لَيْسَ فِي الدَّرَجِ وَضُوءٌ
عَصْرُ ابْنِ عُمَرَ بَثْرَةٌ تَخْرُجُ مِنْهَا
مَرٌّ وَلَكُمْ يَتَوَضَّأُ وَبَرْنُ ابْنِ أَبِي أَوْفَى
مَا قَبَضَ فِي صَلَاتِهِ

طاوُس اور امام محمد باقر اور عطاء اور اہل حجاز نے کہا خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور عبداللہ بن عمر نے ایک چھنی کو دیکھا اس میں سے خون نکلا۔ پھر وضو نہیں کیا اور ابن ابی اوفیٰ صحابی نے خون تھوکا مگر نماز میں بستر مشغول رہے۔

امد و مسائل حضرت طاوُس و محمد و ابن عمر و ابن ابی اوفیٰ کے ان اقوال سے بھی یہ استدلال کیا گیا کہ غیر اسمبلیں سے اگر خون نکلے تو ناقض وضو نہیں ہے لیکن یہ اقوال بھی حنفیہ کے مسلک کے خلاف نہیں ہیں۔ کیونکہ اجنرت طاوُس و محمد کے اثر کا مطلب یہ ہے کہ محض خون کے ظاہر ہونے سے وضو نہیں جاتا اور حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ خون کے ظہور سے نہیں بلکہ سلاں سے وضو ٹوٹتا ہے اور اس میں بہنے کا ذکر نہیں ہے۔

۲۔ حضرت ابن عمر نے چھنی کو دیکھا۔ خون نکلا مگر انہوں نے وضو نہیں کیا؛ اس میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ وہ خون بہ رہی تھی بلکہ پہنچ گیا تھا۔ جس کا وضو غسل میں وضو فرض ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خون صرف ظاہر ہوا ہو بہا نہ ہو۔ غرضیکہ یہ بھی تمام نہیں ہے۔

۳۔ اور حضرت ابنی اوفیٰ نے خون تھوکا مگر اس کے باوجود نماز میں مشغول رہے۔ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ تھوک پڑا

خون غالب تھا؟ ہو سکتا ہے کہ متحرک غالب ہو اور خفیفہ کے نزدیک بھی اگر کوئی تھوڑے اور خون ظاہر ہو تو وضو اس میں ٹوٹے گا جب کہ خون متحرک پر غالب ہو۔

وَقَالَ ابْنُ عُثْمَرَ وَالْحُسَيْنُ فِيْمَنْ
اِحْتَجَمَ لَيْسَ عَلَيْهِ الْاَعْسَلُ حَتَّى جَبَدَ

۱۔ حضرت ابن عمر کے اثر کو ابن شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب پچھنے گواتے تو پچھنے کی جگہ کو دھرتے اور حسن بصری کے اثر کو ابن

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حسن بصری سے کسی نے پوچھا کہ پچھنے گوانے والے پر کیا لازم ہے آپ نے فرمایا۔ پچھنے کے مقامات کو دھو ڈالے۔ اس سے امام شافعی نے یہ استدلال فرمایا کہ غیر سبیلین سے اگر خون نکلے تو وہ ناقض نہیں ہے۔ لیکن خفیفہ یہ کہتے ہیں یہ دونوں اثر بھی ہمارے مسلک کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ پچھنے کی جگہ سے خون نکل کر بہا بھی تھا اور جب تک خون ظاہر ہو کر بجے وضو نہیں ٹوٹتا۔ گو حضرت ابن عمر حسن بصری کے اس فتویٰ کا یہ ہے کہ کسی نے پچھنے گواتے اور خون ظاہر ہوا اور باہر نہیں بلکہ محجم پچھنے گئے کی جگہ تک محدود رہا تو یہ ناقض وضو نہیں ہے چنانچہ اس باب میں متعدد مرفوع حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
من اصابه قيح او رعاف او قلس او
مذي فليتنصرف فليبتوضا
(دارقطنی، ابن ماجہ)

۲۔ امام بیہقی نے حضرت البرہرہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ سات باتوں سے وضو لازم ہوتا ہے پیشاب کا آنا، منہ بھر کرے آنا، کروٹ پر سونا، نماز میں تھکے لگانا اور خون کا بہنا۔

۳۔ حضرت سلمان کہتے ہیں میری ناک سے خون بہا تو حضور علیہ السلام نے دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا۔ اس مضمون کی ایک نہیں متعدد حدیثیں ہیں۔ اسی طرح آثار صحابہ و تابعین بھی بہت ہیں جن میں صاف صاف اس امر کا بیان ہے کہ خون نکل کر بجے تو ناقض وضو ہے۔ چنانچہ عشرہ مبشرہ حضرت ابن مسعود ابن عمر زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، ابوالدرداء، ثوبان، زہری، علقمہ، اسود، عامر، شجعی، عروہ بن زبیر، نخعی، قتادہ، حکم بن عینیہ، حماد ثوری، حسن بن صالح بن جی، عبداللہ بن حبیس، اوزاعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ و امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ایسے جلیل القدر صحابہ و تابعین کا یہی مسلک ہے کہ سبیلین کے علاوہ بھی اگر حکم کے کسی حصے سے خون نکل کر بجے تو وہ ناقض وضو ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ اس باب کی مرفوع حدیثوں میں بھی علماء نے کلام کیا ہے تو احتیاط پھر بھی مسلک خفیفہ کے اختیار کرنے ہی میں ہے (و اللہ اعلم بالصواب)

کن چیزیں وضو ٹوٹتا ہے اور کن سے نہیں، ان کا اختلاف اور ان کے دلائل کا یہ فیصلہ باطل
واضح ہو کہ جو چیزیں باطل
علماء محدث ہیں

کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ یہ ہیں :- پانچا نہ، پیشاب، منی، دُبر سے ہر اکا نکلنا، حیض و نفاس، مذی کا نکلنا، جہون، بیہوشی، نشہ اور ذہل کی چیزیں یا اختلاف علماء محدث ہیں (۱)۔ قبل دُبر سے خلاف معمول کسی چیز کا نکلنا جیسے خون، کثیر، پتھر، منکر وغیرہ (۲)۔ قبل دُبر کے علاوہ جسم کے کسی حصہ سے خون یا پیپ کا نکلنا (۳)۔ قے کرنا (۴)۔ غش آنا (۵)۔ قبل دُبر کو چھونا (۶)۔ سونا (۷)۔ استمضہ یا دوا سیر کا خون نکلنا (۸)۔ عورت کا چھونا (۹)۔ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانا (۱۰)۔ اونٹ کا گوشت کھانا۔ یہ دس امور وہ ہیں جن کے حدث ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے :-

مُمنَّہ بھرتے ناقض وضو ہے

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسک یہ ہے کہ قے ناقض وضو ہے۔ یعنی وہ قے جو منہ بھر کر ہو یعنی جس کو آدمی بے تکلیف روک نہ سکے خواہ پانی کی ہو یا صفرائی، وضو توڑ دے گی۔ اسی طرح بستے خون کی قے بھی ناقض وضو ہے اور بے قے شخص ہے۔ قے میں یہ بھی شرط ہے کہ ایک ہی مجلس میں آئے تو اگر تھوڑی تھوڑی قے چند بار کی کہ اس کا مجموعہ مُمنَّہ بھرے۔ تو اگر ایک ہی متلی سے ہے تو وضو توڑ دے گی اور اگر متلی طاقی رہی اور اس کا کوئی اثر نہ رہا۔ پھر نئے سرے سے متلی شروع ہوئی اور قے آئی۔ دونوں مرتبہ کی علیحدہ علیحدہ منہ بھر نہیں ہے مگر دونوں جمع کی جائیں تو منہ بھر ہیں تو ناقض وضو نہیں۔ صرف بطن کی قے خواہ منہ بھر ہو ناقض وضو نہیں ہے۔ امام کی دلیل متند واپسی حدیثیں ہیں جن میں حضور علیہ السلام نے فرمایا : جس کو قے آجائے لیکن نہ چھوٹے تو وہ دوبارہ وضو کرے (۲)۔ حضرت امام شافعی، امام باقر و صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ کہتے ہیں کہ قے ناقض وضو نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل حدیث ثوبان ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قے فرمائی۔ پھر وضو کے لیے پانی مانگا اور وضو فرمایا۔ میں نے عرض کی : حضور کیا قے سے وضو فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فرض ہوتا تو قرآن کریم میں اس کا ذکر ہوتا (واقظی) لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث لاکن معارضہ نہیں ہے واقظی نے فرمایا کہ اس کی اسناد میں علیہ بن سکن ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔

بیہوشی بھی ناقض وضو ہے

بے ہوشی، جہون اور غشی اور اتنا نشہ کہ چلنے میں پاؤں لڑکھڑا جائیں ناقض وضو ہے علامہ نووی نے فرمایا اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ غسل کے جانے رہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے جہون، بیہوشی، نشہ خواہ شراب کا ہو یا کسی اور چیز کا اور عقل اس مسئلہ میں زوال قوت ماسکہ ہے جو حدیث کا سبب بنتی ہے۔

مس ذکر و قبل ناقض وضو نہیں

امام شافعی و مالک و احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا مسک یہ ہے کہ بولا حائل شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ حضرات متند حدیثوں سے دلیل لیتے ہیں جن کے الفاظ یہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا :-

مَنْ مَسَّ فَرْجَهُ فَلَيْتَ وَصَاءً

یا، بسو بنت صفوان سے روایت ہے وہ کہتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

شرمگاہ کو چھونے پر وضو کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

يَا مُدُّ بِالْوُضُوءِ مَنْ مَسَّ الْفَرْجَ
(ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

لیکن حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے اس باب کی احادیث پر مفصل بحث کرتے ہوئے یہ جواب دیا ہے کہ ان احادیث کے راویوں میں کوئی ضعیف ہے اور کوئی منکر، کوئی مدلس ہے اور کوئی منقطع۔ لہذا ان سے استدلال درست نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قیاس جلی صحابہ کرام و تابعین عظام کا تعامل اور دوسرے آثار جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، امام شافعی کے مسدک کی تردید کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس ایسے حلیل القدر فقہار صحابہ بر سر فرج کو ناقض وضو نہیں قرار دیتے اور تلفظ جودت ذہن و اصابت رائے اور قرب نبوی کے لحاظ سے ان حضرات کو جو ممتاز مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ ان کو نہیں ہے جو بر سر فرج کو ناقض وضو قرار دیتے ہیں۔ حضرت ربیعہ نے جب بسرہ کی حدیث سنی کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کیا اگر کوئی شخص خون حیض کو ہاتھ لگا دے تو اس کا وضو ٹوٹ جائیگا؟ یعنی خون حیض کو ہاتھ لگا دینا مس ذکر سے کیس بھاری ہے۔ لیکن خون حیض میں اگر ہاتھ ٹوٹ ہو جائے تو وضو نہیں جاتا۔ پھر مس ذکر سے کیسے جائیگا۔ غرضیکہ حضرت علی ابن مسعود، عمار، حسن بصری، ربیعہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسدک یہ ہے کہ بر سر فرج ناقض وضو نہیں، امام اعظم بھی مستند آثار سے استدلال فرماتے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں (۱) قیس ابن طلحہ کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:-

آخِ مَسِّ الذَّكَرِ وَضُوءٌ؟ قَالَ لَا (۲) انہیں سے دوسری حدیث ہے۔

قَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ مَا تَسْأَلُنِي فِي مَسِّ الذَّكَرِ لَبَنَةً مَّا تَوْضِئُ قَالَا كَلْ هُوَ إِلَّا بَصْعَةً مِنْكَ (طحاوی باب الوضو بر سر الفرج)

حضور اگر وضو کرنے کے بعد آدمی اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ حضور نے فرمایا۔ وہ بھی تمہارے جسم کا ایک ٹکڑا ہی ہے۔

امام طحاوی نے فرمایا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ مستقیم الاسناد ہے اور اس میں کچھ اضطراب نہیں ہے۔ غرضیکہ اس مضمون کی مستند روایتیں ہیں جو مسدک اصناف کی دلیل ہیں۔ تفصیل کے لیے طحاوی، نیل الاوطار کا مطالعہ مفید رہے گا۔

علامہ نووی نے فرمایا۔ فہنہ کے ناقض وضو ہونے یا نہ ہونے میں آٹھ مذہب ہیں۔

مذہب اولیٰ :- ابو موسیٰ اشعری، سید ابن مسیب، ابو جلیز اور حید اعرج کے

نزدیک فہنہ مطلقا ناقض وضو نہیں ہے۔ ان کی دلیل حدیث، انس ہے (۱) وہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہتے۔ حتیٰ تَحْفِظُ دُرُوسَهُمْ شَوْ بَصِلُونَ وَلَا يَتَوَضَّوْنَ۔ یہاں تک ان کو فہنہ کی وجہ سے جھونکے آتے۔ پھر وہ بغیر وضو کیے نماز پڑھ لیتے۔ اس حدیث کو امام شافعی نے کتاب الام میں روایت کیا اور مسلم اور ترمذی نے بھی اور امام ابو داؤد نے روایت شعیب بن قتادہ میں علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ زیادہ کیے اور ترمذی نے طریق شعیب سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۲۔ لقد رأيتُ اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يُوقِظُونَ بِلِصْلَةٍ حَتَّى إِذَا

میں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ نماز کے لیے بیدار کیے جاتے یہاں تک کہ میں ان میں سے

بعض کے خرائے سُنتا۔ پھر وہ کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے۔

لَا سَمْعَ لِأَحَدِهِمْ غَطِيطًا ثُمَّ يَقُومُونَ وَ لَا يَتَوَضَّعُونَ

ابن مبارک نے فرمایا۔ ہمارے نزدیک اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ وہ صحابہ بیٹھے بیٹھے سوجاتے تھے۔ امام بیہقی نے فرمایا کہ امام شافعی اور عبد الرحمن بن ہمدانی نے بھی اس حدیث کا یہی مطلب لیا ہے کہ صحابہ کا مسجد میں نماز کے انتظار میں سونا بحالت قعود تھا۔ چنانچہ وہ روایت جس میں جھونکے کھانے کا ذکر ہے اس کی تائید کرتی ہے کیونکہ جھونکا بحالت قعود ہی مقصود ہو سکتا ہے۔ لیکن اس تاویل کی تردید یحییٰ بن قطان کی روایت سے ہو جاتی ہے۔ قتادہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے انتظار میں رہتے۔

پھر بعض ان میں سے کروٹ کے بل سوجاتے اور نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔

۳۔ فَيَضَعُونَ جُنُوبَهُمْ فَيَنْهَضُونَ بِسَامٍ ثُمَّ يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ

ابن وقیف العید نے کہا۔ یہ سونا محمول ہے نوم خفیف پر۔ یعنی وہ پوری طرح نہیں سوتے تھے لیکن اس تاویل کی تردید روایت ترمذی سے ہو جاتی ہے جس میں غطیط کا لفظ موجود ہے یعنی ان سے خرائے بھرنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ جس سے اس امر کی تردید ہوتی ہے کہ ان کا سونا نوم خفیف تھا۔ ابن ترمذی نے ہذا سے اور امام احمد نے طریق یحییٰ القطان سے جو روایت کی ہے اس میں کروٹ کے بل سونے کے الفاظ انہیں ہے لیکن بیہقی بزار اور ظلال کی روایت میں خط کشیدہ لفظ موجود ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ تمام روایتیں حضور علیہ السلام کا قول نہیں۔ بلکہ حضرت انس کا مشاہدہ ہے۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان صحابہ کی (جو سو گئے) خواہ بحالت جلوس سوتے ہوں یا کروٹ کے بل اور پھر بغیر وضو رکعت نماز کے لیے کھڑے ہو گئے) نماز کو جائز قرار دیا یا ناجائز۔ (فی نظر)

مذہب دوم۔ حضرت حسن بصری، مزنی، ابو عبیدہ قاسم بن سلام، اسحاق بن راہویہ، ابن منذر اور حضرت ابن عباس و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ نیند مطلقاً ناقض وضو ہے خواہ خفیف ہی کیوں نہ ہو۔ ان حضرات کی دلیل حدیث صفوان و علی و معاویہ ہے۔

۱۔ صفوان ابن عسال کہتے ہیں۔

کہ حضور علیہ السلام ہمیں بجاالت سفر تین دن رات سوزے نہ اُتارنے کا حکم دیتے تھے مگر جانتے سے (یعنی جہنی ہو جانے پر) اُتارنے کا حکم تھا۔ لیکن پاخانہ و پیشاب اور غنیدہ سے سوزہ اُتارنے کا حکم نہ دیتے تھے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا مُسَفَرًا أَنْ لَا تَنْزِعَ جِفَانًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيْسَ الْبُحَيْنُ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ لَكِنْ مِنْ عَالِطٍ وَ بَوْلٍ وَ نَجَسٍ (احمد نسائی، ترمذی، صحیح)

یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں نیند کو بھی ناقض وضو قرار دیا گیا ہے۔ جیسے پاخانہ و پیشاب کا آنا ناقض وضو ہے لہذا نیند خواہ کسی حالت میں ہو کم ہو یا زیادہ ناقض وضو ہے۔

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

الْعَيْنُ وَكَاءُ السَّهَةِ فَهِنَّ شَامَرٌ
فَالْيَتَوَضَّاعُ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

آنکھ، یہ پچھلے حصہ کی بندش ہے جب آدمی سو جائے تو دوبارہ وضو کرے

۳۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

الْعَيْنُ وَكَاءُ السَّهَةِ فَإِذَا نَامَتْ
الْعَيْنَانِ اسْتَطَلَقَ الْوُكَاءُ (احمد و داؤد قطنی)

کہ آنکھ دوڑک بندش ہے۔ جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو بندش کھل جاتی ہے (دھیل ہو جاتی ہے)

اگرچہ حدیث ۲، ۳ میں کلام لیا گیا ہے اور اس کو ضعیف مگر قرار دیا گیا ہے مگر حدیث ۱۱ ان دونوں حدیثوں کے مفہوم کی تائید و توثیق کرتی ہے اور حدیث ۱۱ کی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔ حدیث ۱۱ کو ابن ماجہ، ابن حبان، داؤد قطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اس کی اسناد میں عاصم بن ابی الجوزی ہیں جن کی ایک جماعت نے متابعت کی اور چالیس سے زیادہ افراد نے عاصم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ غرضیکہ ان تینوں مرفوع حدیثوں سے یقیناً کافقہ وضو ہوتا ثابت ہوتا ہے۔

مذہب سوم۔ امام زہری، ربیعہ اوزاعی اور امام مالک و امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ نوم کثیر بہر صورت ناقض وضو ہے۔ لیکن قلیل بہر صورت میں ناقض وضو نہیں ہے۔ ان حضرات کی دلیل حدیث انس ہے جو اوپر ذکر کی جا چکی ہے۔ جس کو یہ حضرات نوم خفیف پر غول کرتے ہیں اور ایک یہ حدیث ہے جس کو امام بیہقی نے روایت کیا۔

مَنْ اسْتَحَقَّ النُّومَ فَعَلَيْهِ الْوُكُوءُ
جو اتنا سونے کے لوگ اس کو سویا ہو اکہیں وہ دوبارہ وضو کرے۔

مذہب چہارم۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رکوع و سجود میں سو جائے تو وضو جانا رہے گا، ورنہ نہیں۔ صاحب بدالتمام و صاحب سبل السلام نے اس مذہب کو یوں ذکر کیا ہے۔ سونا ناقض وضو ہے مگر رکوع و سجود کی حالت میں سونا ناقض وضو نہیں ہے اور ان کی دلیل حدیث اذا نام العبد فی صلاتہ ہے۔

مذہب پنجم۔ یہ کہ نیند ناقض وضو نہیں ہے، مگر سجدہ کی حالت میں سونے سے وضو جانا رہے گا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے۔

مذہب ششم۔ نماز میں کسی صورت سونے سے وضو نہیں جانا اور خارج صلوٰۃ ہر صورت و شکل پر سونا ناقض وضو ہے۔ یہ زید ابن علی کا قول ہے اور یہ حدیث اذا نام العبد فی صلاتہ سے استدلال کرتے ہیں۔

مذہب ہفتم۔ اگر زمین پر اس طرح بیٹھ کر سونے کہ مرن زمین پر جم جائیں تو یہ ناقض وضو نہیں ہے۔ خواہ نوم قلیل ہو یا کثیر، نماز میں ہو یا خارج نماز۔ اس کے علاوہ سب شکوک میں نیند ناقض وضو ہے۔ علامہ نووی کہتے ہیں یہ امام شافعی کا مسلک ہے۔

مذہب ہشتم۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ و داؤد یہ فرماتے ہیں کہ رکوع و سجدہ، قیام اور قنود کی شکل میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور کرود سے یا چت سو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یعنی امام کے نزدیک نیند ناقض وضو ہے (۱) ایسا سویا کہ مرن زمین پر خوب نہ جھے، یا (۲) ایسی ہیئت پر سویا جو غافل ہو کر سونے کو مانع

ہے کہ کھڑے کھڑے سونے اور سر پر بیٹھ جائے اور گھٹنے کھڑے ہوں۔ اس حالت پر سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، ہاں کروٹ سے سونا ناقض وضو ہے۔ (۳) صفوان بن عسال کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہمیں حکم دیا کرتے تھے:-

وَلَكِنْ مِنْ غَلِطٍ وَ بَوْلٍ وَ نَوْمٍ | کہ ہم موزے پاخانہ یا پیشاب و نیند کے بعد
(ترمذی و صحیح) نہ اُتاریں۔

اس حدیث صحیح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسے پیشاب پاخانہ کا اُنا ناقض وضو ہے۔ اسی طرح نیند بھی ناقض وضو ہے۔ بل مذہب دوم والوں کا یہ کہنا کہ اس حدیث میں نیند کو مطلقاً ناقض وضو قرار دیا گیا ہے لہذا بحالت قیام و قعود و رکوع سوجنا بھی ناقض وضو ہرنا چاہئے تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں قیام و قعود کا ذکر نہیں ہے صرف نیند کے ناقض وضو ہونے کا بیان ہے۔ رہا بحالت قیام و قعود رکوع و سجود میں سونا ناقض وضو نہیں ہے۔ یا صرف اونگھنا ناقض وضو نہیں ہے۔ یہ بات دوسرے آثار سے ثابت ہے لہذا اگر اس حدیث میں عموم مانا جائے تو دوسری حدیث سے تخصیص کی جائے گی (۴) یزید ابن عبدالرحمن قتادہ سے وہ ابی العالیہ وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

لَيْسَ عَلَى مَنْ نَامَ سَاحِجًا وَصُفْوًا
حَتَّى يَضْطَجَّ فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ
اَسْتَرَحَّتْ مَعَهُ صَلَٰةُ (احمد ترمذی و داؤقنی، ابو داؤد)

(۵) لَا وَصْوَةَ عَلَى مَنْ نَامَ قَسًا (داؤقنی)
(۶) لَا يَجِبُ الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ جَالِسًا
اَوْ قَائِمًا اَوْ سَاجِدًا حَتَّى يَضَعَ جَنْبَهُ
(بیہقی)

جو بحالت سجدہ سو جائے اس پر وضو نہیں
یہاں تک کہ کروٹ سے سونے، کیونکہ کروٹ
سے سونے سے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔
جو کھڑے کھڑے سو جائے اس پر وضو نہیں ہے۔
جو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے یا سجدہ کی حالت میں
سو جائے اُس پر وضو واجب نہیں یہاں تک کہ
کروٹ سے سو جائے۔

یزید سے مراد یزید دالانی ہیں۔ امام احمد و نسائی نے کہا۔ یزید دالانی میں کوئی بُرائی نہیں۔ امام ذہبی نے معنی میں کہا یہ مشہور ہیں اور ان کی حدیث حسن ہے۔ ابو حاتم نے فرمایا یزید ثقہ ہے مگر دوسرے لوگوں نے سخت عجز کی ہے اور ضعیف قرار دیا ہے (واللہ اعلم) تفصیل کے لیے نیل الاوطار جلد ۱ ص ۹۳، ۹۴ دیکھئے۔ بحالت سجدہ سونے میں وضو نہیں ٹوٹتا۔ مگر اس سجدہ سے مراد سجدہ مسنونہ ہے جو نماز میں کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سجدہ میں کچھ استساک باقی رہتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ نیند ناقض وضو نہیں ہے مگر نیند کو ناقض وضو اس لیے قرار دیا گیا کہ سونے سے آدمی بے خبر ہو جاتا ہے اور اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور عادتاً استرخاء اعضاء کے سبب ہوا کے نکل جانے پر نطف غالب ہوتا ہے اور جو بات عادتاً ثابت ہو وہ مثل متیقن کے ہوتی ہے تو اب کوئی شخص ایسا ہو جو نیند کی حالت میں بھی کمال طور پر غافل نہیں ہوتا اور ان کو گرد و پیش کے حالات کی خبر ہوتی ہے اس کی نیند ناقض وضو نہ ہوگی۔ مگر یہ بات عام لوگوں میں عادتاً نہیں پائی جاتی۔ اس لیے نیند کو ناقض وضو ہی قرار دینا چاہئے گا۔ امام نووی علیہ الرحمۃ نے شرح مسلم میں مذکورہ بالا آٹھ مذاہب کا ذکر کرنے کے بعد لکھا

ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ زوالِ عقل، جنوں، بیہوشی اور نشہ ناقض وضو ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ آپ کا روٹ سے سونا ناقض وضو نہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کو روٹ سے سوئے پھر بغیر وضو کئے آپ نے نماز پڑھی (انتہی)۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام کی نیند آپ پر غفلت و بے خبری کو طاری نہیں کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے استفسار پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔

استحاضہ و بواسیر کا خون ناقض وضو ہے
بعض مالکیہ کا قول ہے کہ سبیلین سے خلافِ عادت جو چیز خارج ہو وہ ناقض نہیں ہے۔ مثلاً کنکر، چھتر، ریت، کپڑا وغیرہ کا نکلنا کیونکہ سبیلین سے جو چیز بھی خارج ہو خواہ مساد ہو یا غیر معاد بہر صورت ناقض وضو ہے۔ لہذا بواسیر کا خون اور استحاضہ کا خون ناقض وضو قرار پائے گا۔ استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو عورت کی شرمگاہ سے کسی مرض کی وجہ سے آتا ہے۔ اب اگر استحاضہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اس کو اتنی ہلکت نہیں ملتی کہ وضو سے فرض نماز ادا کر کے تو نماز کا پورا ایک وقت شروع سے آخر تک اسی حالت میں گزر جائے پر اس کو معذور قرار دیا جائیگا۔ اب وہ ایک وضو سے اس وقت میں جتنی نمازیں (فرض) واجب قضا و نفل اچاہے پڑھے اس خاص صورت میں خون آنے سے اس کا وضو نہیں جائیگا۔ یہی حکم ہر شخص کا ہے جس کو کوئی ایسی بیماری ہے کہ ایک وقت پورا ایسا گزر گیا کہ وضو کے ساتھ نماز فرض ادا نہ کر سکا وہ معذور ہے۔ جیسے قطرہ کا مرض ہو یا دست آنا یا ہوا خارج ہونا، یا دھکتی آنکھ سے پانی گرنایا پھوٹے یا ناسود سے ہر وقت رطوبت بسنا یا کان سے ہر وقت رطوبت نکلنا کہ یہ سب بیماریاں وضو توڑنے والی ہیں۔ ان میں جب پورا وقت ایسا گزر گیا کہ ہر چند کوشش کی مگر وضو کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکا تو عذر ثابت ہوا۔ ایسے لوگ ہر نماز کے لیے وضو کریں اور اس ایک وضو سے جب تک اس نماز کا وقت موجود ہے اس میں جتنی نمازیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ یہ نماز مسائل متعدد حدیثوں سے اخذ کئے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت ابی جیش نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے استحاضہ کی بیماری ہے اور خون بند نہیں ہوا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فامرھان تدع الصلوة ابتاعرا ذرا لئلا
تشتغل تسلياً وتوضاء لكل صلوة و
تصلي وان قطرت الدم على الحصى
(بخاری و مسلم و طحاوی)

کہ وہ صرف حیض کے دنوں میں نماز نہ پڑھیں جب حیض کے دن پورے ہو جائیں تو غسل کر لیں اس کے بعد ہر نماز کے لیے نازہ وضو کریں اور نماز پڑھیں۔ اگرچہ یہ خون چٹائی پر ہی کیوں نہ ٹپک جائے۔

یہ اور اس مضمون کی متعدد حدیثیں واضح کرتی ہیں کہ سبیلین سے جو چیز بھی خارج ہو خواہ وہ معاد ہو یا غیر معاد و طہل ناقض وضو ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جس کو استحاضہ کی بیماری ہو، تو ایسی عورت کو چاہیے کہ صرف ایام حیض میں نماز نہ پڑھے، جب حیض کی مدت پوری ہو جائے تو غسل کر لے اور اس کے بعد ہر نماز کے لیے وضو کرے اور نماز پڑھے جس کی تشریح اور پرگزشتگی ہے۔

عورت کو چھوڑنا قرض و ضرر نہیں ہے

اس مسئلہ میں بھی علماء و آئمہ کا اختلاف ہے۔ علامہ شوکانی نے

ایل الاوطار میں لکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود وابن عمر و زہری و شافعی اور ان کے اصحاب اور زید ابن الکلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ فرماتے ہیں کہ عورت کو چھوڑنا قرض و ضرر ہے خواہ شہوت کے ساتھ عورت کو ہاتھ لگایا یا بغیر شہوت کے، خواہ عورت اجنبی ہو یا اجنبی نہ ہو۔ ان حضرات کی دلیل آیت **أُولَٰئِكَ مَسَاءُ الْمَسَاءِ فَلَاحُ نَجْدٍ وَامْسَاءٌ** الخ ہے یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں لمس سے مراد چھونا ہے۔ چنانچہ:

۱۔ حضرت عمر و عبداللہ بن مسعود نے لمس کے معنی ہاتھ سے چھونے کے کیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے، چنانچہ عورت کا بوسہ لے یا چھوئے اس پر ضرر ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا۔ بوسہ لمس میں داخل ہے اور لمس سے ضرر لازم ہے۔ (بہیقی) ۲۔ حاکم نے فرمایا۔ لمس کے معنی چھونے کے ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ حضور علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائیں اور بوسہ نہ لیں اور لمس نہ کریں۔ یہی نے حدیث ابو ہریرہ سے استدلال کیا کہ ہاتھوں کا زنا لمس ہے اور ماعز کے واقعہ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ شاید تم نے بوسہ لیا ہو کیا لمس کیا ہو؟ اس سے ثابت ہوا کہ لمس چھونے (ہاتھ لگانے) کے معنی میں بھی آتا ہے۔

احناف کا مسلک حضرت علی و ابن عباس، عطار، طاووس، حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور تو یہ ہے کہ احناف کی دلائل اس مسئلہ میں بہت قوی ہیں۔ (۱) حنفیہ کہتے ہیں کہ آیت سے لمس سے مراد ہاتھ سے چھونا نہیں بلکہ جماع ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن جمیر نے پاسا و صحیح روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک لمس سے مراد جماع ہے اور تفسیر کے باب میں سیدنا ابن عباس کا قول راجح ہے اور دیگر صحابہ حضرت عمر و ابن مسعود و ابن عمر کے قول کا درجہ نہیں ہے جو جناب ابن عباس کے قول کا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث مرفوعہ بھی اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۲) رہا حدیث عائشہ و ابو ہریرہ و قصہ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے استدلال تو ان احادیث سے صرف اتنی بات واضح ہوتی ہے کہ لمس کے معنی ہاتھ سے چھونے یا بوسہ لینے کے بھی آتے ہیں، اور ہمیں اس سے انکار نہیں ہے۔ مابعد المتنازع تو یہ بات ہے کہ آیت میں لمس کے معنی چھونے کے ہیں یا جماع کے تو حضرت ابن عباس نے اس کے معنی جماع کے کیے اور ان کی تفسیر کا دیگر صحابہ کی تفسیر سے ارجح و اقوی ہونا ظاہر ہے۔

امام شافعی حدیث ذیل سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جس نے ایک عورت سے سب کچھ کیا مگر جماع نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ اللَّهِ** طر فی النہار الخ نازل فرمائی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ **تَوَضَّأَ شَوْصَلَ وَضُوَّكَ** اور پھر نماز پڑھ (احمد و دارقطنی)۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت کو ہاتھ لگانا یا بوسہ لینا وغیرہ ناقض وضو ہے۔ حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ عبدالملک بن عمر عبدالرحمن بن ابی لیثیہ سے وہ حضرت معاذ سے روایت کرتے ہیں لیکن عبدالرحمن کا حضرت معاذ سے سماع ثابت نہیں۔ اس حدیث کو عبدالرحمن سے روایت کیا ہے مگر

کمانی انسانی اور صحیحین (بخاری و مسلم) نے اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر اس میں یہ لفظ نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ علامہ شوکانی نے یہ لکھا کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ عورت کو چھڑنا ناقض وضو ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حکم دینے سے پہلے وہ شخص با وضو تھا اور یہ کہ وہ لمس سے پہلے با وضو تھا اس لیے حضور علیہ السلام نے اس کو وضو جاتے رہنے کی اطلاع دی (نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۵) ذیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے۔ اذلٰی تزییف اور منقطع ہے۔ دوسرے ہو سکتا ہے کہ وضو کا حکم دنیا گناہ کی معافی کے لیے ہو، نہ اس لیے کہ لمس امرۃ حدیث ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ ایک شخص حاضر ہوا۔ عرض کی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے دو لکچے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو بخش دے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر پھر دو رکعت پڑھ، پھر اللہ سے دعا کہ۔ نیز علامہ زمیعی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آیت میں لمس سے مراد چھڑنا لیتے تھے اس کو ابن عبدالبر نے ضعیف قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے۔ دراصل یہ قول حضرت عمر کا نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عمر کا ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ جن مرفوع حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ان میں سے دو ایک یہ ہیں۔ حضرت امام الشافعی عاکشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْبِلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ شَعْرَ يَمِينِي وَلَا يَتَوَضَّأُ (ابوداؤد و نسائی)

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواجِ مطہرات کا بوسہ لینے کے بعد بغیر وضو فرمائے نماز ادا فرماتے تھے۔

اس حدیث کو ابوداؤد نے مسلاً روایت کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اس کے راویوں میں ابراہیم تہی ہیں جو حضرت عاکشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن حضرت ابراہیم کا جناب عاکشہ صدیقہ سے سماع ثابت نہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن علامہ ابن عبدالبر اور ایک جماعت محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ راقم یہ کہتا ہے کہ اگر یہ حدیث مرسل یا ضعیف ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے علاوہ مستند صحیح حدیث ہیں جو اس کے اصل مضمون کی تائید و توثیق کرتی ہیں۔

۱۔ حضرت عاکشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز میں مصروف ہوتے اور میں آپ کے سامنے سر رہی ہوتی۔ آپ جب سجدہ فرماتے تو میرا پاؤں دبا دیتے۔ میں سمیٹ لیتی پھر جب آپ کھڑے ہو جاتے تو میں پاؤں پھیلا دیتی (بخاری و مسلم) اس حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ مس امرۃ ناقض وضو نہیں ہے۔

علما کا ایک طائفہ اس امر کا قائل ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا

حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ۔

(۱)۔ ابراہیم بن عبد اللہ بن قازق کہتے ہیں۔ میں نے حضرت ابوہریرہ کو مسجد میں وضو کرتے دیکھا تو ابوہریرہ نے کہا کہ میں نے پیڑ کے ٹکڑے کھائے اس لیے وضو کر رہا ہوں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

تَوْضُوءًا وَمَا عَيَّرَتْ الْمَسَارُ (راحمہ سلم نانی) | وضو کرو، آگ کی پکی ہوئی چیزوں کے (کھانے سے)

تقریباً اسی مضمون کی دوسرے پندرہ حدیثیں ہیں جو ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، احمد بن حنبل و طحاوی میں مختلف صحابہ کرام حضرت انس، حضرت ابہریرہ، زید بن ثابت، ابولکرہ، ابوطحہ، ابوالیوب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں (دیکھو طحاوی کتاب الاطعمہ، نیل الاوطا ج ۱ ص ۱۹۵) اس مضمون کی احادیث سے بعض حضرات یہ استدلال کرتے ہیں کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن احناف کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ وہ تمام حدیثیں جن میں آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے کو ناقض وضو قرار دیا گیا ہے منسوخ ہیں جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حکم یہی تھا کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ خلفاء اربعہ، ابوبکر، عمر، عثمان و علی، عبداللہ بن مسعود، ابودرداء، ابن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جابر بن سمرہ، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، ابی ابن کعب، ابوطحہ، عامر بن ربیعہ، ابوامامہ مغیرہ بن شعبہ، جابر بن عبداللہ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے جلیل القدر صحابہ کرام، تابعین عظام، امام مالک و امام ابو حنیفہ و امام شافعی و عبداللہ بن مبارک، امام احمد و اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ، ابوثور، ابو حنیفہ، سفیان ثوری، اہل جاز، اہل کوفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول یہ ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کا کھانا ناقض وضو نہیں ہے۔ یہ حضرات تقریباً انتیس حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جن کو بخاری و مسلم ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، احمد، ابوداؤد و امام طحاوی نے ابن عباس، ابورافع، یحییٰ بن ام المومنین، انس بن مالک، امام سلمہ، حضرت جابر ایسے صحابہ کرام سے روایت کیا جن کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے بکری کا گوشت تناول فرمایا اور بغیر وضو کئے نماز پڑھی اور ان صحابہ و تابعین بھی بہت ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور عقل بھی یہ چاہتی ہے کیونکہ اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ آگ پر پکانے سے پہلے کسی چیز کا بھی کھانا ناقض وضو نہیں ہے۔ ٹھنڈے پانی سے وضو جائز ہے اور اسی طرح گرم پانی سے بھی جائز ہے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ جن پاک چیزوں کو آگ پر پکانے سے پہلے کھانا ناقض وضو نہیں ہے۔ ان کا آگ پر پکانے کے بعد بھی ناقض وضو نہیں ہونا چاہیے۔ جیسا کہ پانی سے وضو جائز ہے اور جب پانی گرم کر لیا جائے تو آگ اس پانی کے حکم میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتی۔ (تفصیل سے نیل الاوطا جلد اول طحاوی) کا مطالعہ مفید رہے گا۔

اُونٹ کا گوشت کھانا ناقض وضو نہیں ہے | علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ امام احمد ابن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ، ابوبکر ابن المنذر اور ابن خزیمہ وغیرہ علماء کا قول یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ متعدد حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ حضرت جابر ابن سمرہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا ہم بکری کا گوشت کھا کر وضو کریں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر جی چاہے تو وضو کرو ورنہ نہیں۔ اس شخص نے پھر سوال کیا:-

اَنْتَوَضَاءُ مِنْ لَحْمِ الْاِِبِلِ قَالَ نَعَمْ (راحمہ سلم) | حضور اونٹ کا گوشت کھانے پر وضو کریں۔ فرمایا۔ ہاں

اور خلفاء اربعہ جناب صدیق اکبر و فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، ابن مسعود، ابی ابن کعب، ابن عباس

ابودرداء، ابوطلحہ، عامر بن ربیعہ، ابوامامہ، جمہور تابعین اور امام مالک و شافعی و امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ کسی بھی حلال جانور کا کچا ہر گوشت کھانا ناقض وضو نہیں ہے خواہ وہ بکری کا گوشت ہو یا اونٹ کا۔ یہ حضرات حدیث جابر سے استدلال کرتے ہیں :-

إِنْ أَخَذَ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْمَوْضُو حَتَّى سَمِعَا عَذْرَتَ الشَّارِ (طحاوی)

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر حکم آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے پر وضو نہ کرنا تھا۔

اور اس میں بکری اور اونٹ دونوں کے گوشت شامل ہیں۔ توجہ دہی کہ گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اونٹ کا گوشت کھانے سے بھی نہیں ٹوٹے گا کیونکہ بخاری طہارت گوشت و دونوں مساوی ہیں لہذا ان کے احکام میں بھی مساوات کی گئی ہے (فیض)

۱۷۵- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ مَا كَمْ يُحَدِّثُ فَقَالَ رَجُلٌ أَعَجِبَنِي مَا الْحَدَّثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ الْمَصْرُتُ يَعْنِي الضَّرْطَةَ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ ہمیشہ نمازیں رہتا ہے (یعنی نماز کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے، جب تک مسجد میں نماز کا انتظار کرتا رہے اور اس کو حدت نہ ہو۔ اس پر ایک غیر عربی شخص نے سوال کیا۔ ابوہریرہ حدت کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہوا ٹکنے کی آواز آنا۔

حدیث ہذا مسآلی ذیل پر مشتمل ہے (۱) نماز کے انتظار میں رہنا کا ثواب ہے۔ کیونکہ انتظار عبادت بھی عبادت ہے (۲) لَمَنْ لَا يَحْدُثُ کے لفظ سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ثواب اس وقت تک ملتا ہے جب تک آدمی با وضو رہے اور یہ کہ نماز کا انتظار مسجد میں کرے (۳) حضرت ابوہریرہ سے کسی نے سوال کیا کہ حدت سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہوا کا ٹکنا یعنی ہوا کے ٹکنے سے وضو جاتا رہتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب ابوہریرہ نے صرف (ہوا ٹکنے کو) کیرن حدت قرار دیا۔ حالانکہ اس کے علاوہ بھی متعدد باتوں کے پانے جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے پاخانہ پیشاب کا آنا یا جسم کے کسی بھی حصے سے نجاست کا ٹکنا وغیرہ تو جواب یہ ہے کہ یہاں حضرت ابوہریرہ کا مقصود یہ بتانا نہیں ہے کہ حدت صرف ہوا کا ٹکنا ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جو شخص مسجد میں با وضو دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے اس کا وضو جاتے رہنے کی یہی شکل ہو سکتی ہے کہ ہوا خارج ہو جائے۔ کیونکہ عموماً مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کا وضو برا خارج ہونے سے ہی جاتا ہے اور پاخانہ و پیشاب و دیگر اسباب جو جو وضو کو توڑ دیتے ہیں۔ ان کا طور عموماً مسجد میں نہیں ہوتا۔ اس لیے حضرت ابوہریرہ نے وضو کو توڑنے والے اسباب میں سے صرف ایک خاص سبب ہوا کے خارج ہونے کا ذکر کر دیا (۴) اس حدیث کے بعد امام بخاری نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو (باب لا یتوضأ من المشاء حتی یستیقن) میں گزر چکی ہے۔ ہم اس پر یکمل بحث گزشتہ اوراق میں کر چکے ہیں۔ اس لیے ہم نے یہاں نہیں لکھا۔ اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص نماز پڑھ رہا ہو وہ اس وقت تک نماز نہ توڑے جب تک

کہ ہوا نکلنے کی آواز آئے یا بدبو آئے۔ مطلب یہ ہے کہ محض ہوا نکلنے کا وہم یا شک ہونا ضرور کو نہیں ٹوٹتا (تفصیل ص ۱۶۶)۔
محض شک سے وضو نہیں ٹوٹتا ۱۶۶-
 النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْصُرُ حَتَّى
 يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا
 (بخاری)

فوائد ومسائل اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الطہارۃ میں اور مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ نے بھی کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے (۲) مطلب حدیث یہ ہے کہ نمازی کو اگر نماز میں یہ شک ہو کہ ہوا نکل رہی ہے یا نہیں، تو نماز پڑھے جائے یعنی محض شک و شبہ کی وجہ سے یہ نہ سمجھے کہ وضو ٹوٹ گیا ہے کیونکہ یقینی بات شک سے زائل نہیں ہوتی۔ طہارت وضو کا ہونا یقینی ہے اور حدیث یعنی ہوا نکلنے کا شبہ یا شک عارضی ہے۔ ہاں اگر آواز سنانی دے ہو آئے تو پھر یقین کیا جائے گا کہ ہوا نکل رہی ہے اور اب وضو ٹوٹا ہے۔

۱۶۷- مذی ناقض وضو ہے
 حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میرے مذی بہت نکلتی تھی۔ میں نے حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق خود پوچھنے میں شرم کی اور حضرت مقداد بن اسود سے کہا کہ وہ اس کے متعلق حضور علیہ السلام سے سوال کریں، ان کے سوال کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 فِيهِ الْوُضُوءُ (بخاری)

فوائد ومسائل یہ حدیث کتاب العلم میں صریح تفسیر و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ مذی اس طہارت کو کتے ہیں جو بوقت بوس و کنار شرمگاہ سے نکلتی ہے۔ بعض اوقات شہوانی خیالات کے آنے پر بھی یہ طہارت خارج ہو جاتی ہے۔ یہ لیسڈار چمکیلا سامادہ ہوتا ہے۔ جس میں منی کی سی بو اور گاڑھا پن نہیں ہوتا۔ مذی کے نکلنے سے آلہ کا انتشار بھی ختم نہیں ہوتا اور ہر شخص کو خود اندازہ ہو جاتا ہے کہ مذی نکلی ہے یا سنی۔ یہ تشریح میں نے اس لیے کی ہے کہ بعض لوگ مذی کے نکلنے سے پریشان ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ غسل واجب ہو گیا ہے۔ حالانکہ غسل اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ منی شہوت کے ساتھ نکلے اور مذی کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر مذی خارج ہو تو شرمگاہ کو دھو کر وضو کیا جائے۔ مذی بھی منی کی طرح ناپاک ہے۔

۱۶۸- (۱) أَنَّ رَبِيعَ بْنَ خَالِدٍ أَخْبَرَهُ
 أَنَّهُ سَأَلَ عُمَانَ بْنَ عَمَّانٍ قُلْتُ أَرَأَيْتَ
 إِذَا جَامَعَ وَكَمْ يُبْنِي قَالَ عُمَانُ يُتَوَضَّأُ
 كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ
 قَالَ عُمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ عَلَيْهِ
 حضرت زبید ابن خالد مدنی صحابی نے جناب عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا مجھے بتائیے اگر کوئی شخص جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس پر غسل ہے یا نہیں حضرت عثمان نے فرمایا۔ وہ نماز کے وضو کی طرح وضو کرے اور شرمگاہ دھو ڈالے۔ حضرت عثمان نے فرمایا میں نے حضور سے یہی سنا اور میں نے اسی مسئلہ کے متعلق

وَالزَّيْبِرَ وَطَلْحَةَ وَابْنَ كَعْبٍ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُمْ فَأَمَرَهُ بِدَلَالِكَ

۱۷۹- (۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ يَدْرِجِي
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ
رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَنَجَّاهُ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّنَا
أَعْجَلْنَاكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَعْجَلْتُ أَوْ قَحِطْتُ
فَعَلَيْكَ الْوُضُوءُ (بخاری)

فوائد و مسائل

(۱) حدیث بڑا کو اہم نے مکرر اسی باب میں ذکر کیا ہے اور مسلم نے کتاب الطہارۃ میں درج کیا اور حدیث
بڑا کو مسلم وابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے (۲) حدیث بڑا کا مطلب تو واضح ہے اور حدیث بڑا کا مفہوم یہ
ہے کہ وہ انصاری جن کو حضور علیہ السلام نے طلب فرمایا اور وہ اسی حالت میں حاضر ہوئے کہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا تو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر جان لیا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ مشغول تھے اور میرے بھلانے پر جلدی میں پڑ گئے اور بیوی سے علیحدہ
ہو کر غسل کر کے حاضر ہوئے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر صحبت کی جائے اور انزال نہ ہو تو اسی صورت میں غسل فرض نہیں ہوتا صرف
وضو کافی ہے۔ باب سے ان دونوں حدیثوں کا تعلق یہی ہو سکتا ہے کہ ان میں وضو کا ذکر ہے۔ یہ تو ہے ان دونوں حدیثوں کا
کافس مضمون۔ اب اس مسئلہ کی پوری وضاحت کی جاتی ہے۔

دخول کے بعد انزال نہ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں

واضح ہو کہ جب آدمی جماع کرے اور دخول ہو جائے۔
مگر انزال نہ ہو (یعنی منی نہ نکلے) تو غسل واجب ہوتا
ہے یا نہیں۔ تو اس مسئلہ میں صحابہ کرام میں بھی اختلاف رہا ہے۔ اس لیے علما کرام کے بھی دو گروہ ہو گئے۔ پہلی نے لکھا ہے کہ
حضرت عثمان غنی و علی ابن طالب، ابو سعید خدری، ابی بن کعب، عطاء، ابن رباح، ابوسلمہ ابن عبدالرحمن، ہشام بن عروہ
اعمش، بعض اصحاب ظاہر کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا۔ صرف وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسی صورت
میں صرف ترمگاہ کو دھویا جائے اور وضو کیا جائے (یعنی ج ۱ ص ۸۷) جو علما غسل کے واجب ہونے کا قول نہیں کرتے ان
کی دلیل یہ دونوں زیر بحث حدیثیں بھی ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی متعدد حدیثیں اور اقوال صحابہ ہیں جنہیں امام طحاوی نے
طحاوی میں درج کیا ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام نے فرمایا :-

(۱) الْمَاءُ مِنَ الْمَسَاءِ وَالْغُسْلُ عَلَى مَنْ
أَنْزَلَ

(۲) لَيْسَ فِي الْأَكْسَالِ إِلَّا الطَّهُمُورُ (طحاوی)

پانی پانی سے ہے یعنی غسل اس وقت واجب ہوتا
ہے جب کہ منی نکلے

اور فرمایا کہ منی نہ نکلنے کی صورت میں صرف وضو ہے۔

(۲) اور حضرات خلفاء اربعہ وجمہ صحابہ و تابعین و فقہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ اگر دخول کیا اور انزال نہ ہوا تو غسل واجب ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ تمام صحابہ کرام کا اس امر پر اجماع ہے کہ مجرد دخول سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ انزال نہ ہو (سبل الاوطار ج ۱ ص ۲۲) ابن حزم نے کہا۔ جناب اہل المؤمنین عائشہ صدیقہ، صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی رضی، ابن عباس، ابن مسعود، معاذ بن صحابہ، اہل البصیفہ، اہل مالک، اہل شامی، احمد بن حنبل، اہل نخعی و ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مسلک ہے (یعنی ج ۱ ص ۵۵)۔

نیز علامہ ابن عربی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مجرد دخول سے غسل پر اجماع ہو گیا (نوی شرح مسلم) اور وہ حدیثیں جن میں صرف وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ منسوخ ہیں۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابتداء میں یہی فتویٰ تھا کہ صرف دخول سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا اور غسل کو واجب قرار دیا گیا۔ اصل الفاظ یہ ہیں :-

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخِصَ مِهْمَا فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ أَمَرَ بِأَيُّهَا الْغَيْسَالُ (احمد، ابوداؤد، ترمذی)

حضور علیہ السلام نے ابتداء اسلام میں اس امر کی رخصت دی تھی کہ جو شخص جماع کرے اور انزال نہ ہو وہ صرف وضو کرے (لیکن اس کے بعد یہ حکم منسوخ فرما دیا) اور غسل کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ حضرت البرہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب آدمی جماع کرے فَقَدْ وَجِبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ وَإِنْ لَمْ يُنْزَلْ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ و احمد بن حنبل)

اِذَا جَاوَزَ الْخُتَانُ فَقَدْ وَجِبَ الْغُسْلُ (طحاوی)

اور فرمایا۔ جب شرمگاہ سے شرمگاہ مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

اہل طحاوی نے اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور اس باب میں متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ وضو کے حکم والی حدیثیں منسوخ ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے اور دخول ہو جائے (یعنی شرم داخل ہو جائے) تو خواہ منی نکلے یا نہ نکلے بہر صورت غسل واجب ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يُوضِي صَاحِبَهُ

باب کسی شخص کا اپنے ساتھی کو وضو کرانا

اس باب میں اہل بخاری نے دو حدیثیں لکھی ہیں۔ ۱۸۰۔ حدیث اول کا مضمون یہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام وفات سے واپس ہوئے تو آپ گھاتی کی طرف ٹھٹھکے۔ وہاں آپ حاجت سے فارغ ہوئے تو میں پانی لے کر حاضر ہوا۔ دوسری حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضرت

۱۸۱۔ وَأَنَّ الْمَغِيرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ

مغیرہ آپ پر پانی ڈالنے لگے اور آپ وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوئے

وَيَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ
عَلَى الْخُفَّيْنِ

سر مبارک کا مسح فرمایا اور موزوں پر مسح کیا۔
(بخاری)

ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ساتھی یا بزرگ کو وضو کرا دے تو اس میں حرج نہیں اور یہ فعل ہلکا بہت جائز و مباح ہے بلکہ سنت ہے اور یہ بھی کہ چپڑے کے موزے پہنے ہوں تو ان پر مسح جائز ہے۔ اس پر تفصیل گفتگو گذشتہ اوراق میں ہو چکی ہے۔

بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهِ

باب قرآن پاک کا بے وضو پڑھنا جائز ہے؟

منصور نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا کہ حمام کے اندر قرآن پڑھنے میں حرج نہیں اور خط وغیرہ بے وضو لکھ سکتا ہے اور حماد بن سلیمان نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ ہمارے ہوں۔ اگر وہ تمہیں باندھے ہوں ان کو سلام کرو، ورنہ نہیں۔

وَقَالَ مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ وَبِكُتُبِ الرِّسَالَةِ عَلَى غَيْرِ وَضْوَةٍ وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ إِنْ كَانَ عَلَيْهِ إِزَارٌ فَسَلِّمْ وَإِلَّا فَتَلَا تَسْلِيمًا

فوائد و مسائل | عنوان کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بے وضو ہو اس کو قرات قرآن جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جب اس کو قرآن کریم کا پڑھنا جائز ہے تو تسبیح و تہلیل اور سلام کا جواب دینا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

جنبی اور بے وضو کو قرآن کی تلاوت، درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱) جو شخص بے وضو ہے اسے قرآن پڑھنا، ذکر و اذکار،

درود شریف، تسبیح و تہلیل، درود، وظائف میں مشغول رہنا، سلام کا جواب دینا اور چھینک کے جواب میں الحمد للہ کہنا، یا برحمت اللہ سے جواب دینا یا اذان کا جواب دینا جائز ہے۔ البتہ یہ بہتر ہے کہ ذکر و تسبیح و درود شریف وغیرہ با وضو ہو کر پڑھے۔ جو شخص بے وضو ہے۔ اس کو قرآن مجید یا اس کی کسی آیت کا چھوٹا حرام ہے ہاں بغیر چھوٹے، زبانی یا دیکھ کر پڑھے تو حرج نہیں (۳) جس کو نہانے کی حاجت ہو (جنبی) اس کو مسجد میں جانا، طواف کرنا، قرآن مجید چھوٹنا، اگرچہ اس کا سادہ حاشیہ یا جلد یا چولی چھوٹے یا دیکھ کر زبانی پڑھنا یا کسی آیت کا لکھنا یا آیت کا تعویذ لکھنا یا ایسا تعویذ چھوٹنا یا ایسی انگوٹھی چھوٹنا یا پہننا جائز ہے جس پر حرف متقطع ہوں یا ایسا تعویذ یا تختی پہننا جس پر آیات قرآنی لکھی ہوں حرام ہے (۴) جنبی کو اذان کا جواب دینا جائز ہے۔ یعنی سلام کا جواب دینا اور تسبیح و تہلیل اور درود شریف پڑھنا بھی جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ وضو یا نگی کر کے پڑھیں اور صرف قرآن مجید کو دیکھنا اگرچہ حرف متقطع نہ ہو اور الفاظ سمجھیں آئیں اور زبان سے نہیں بلکہ خیال سے پڑھے جائیں حرج نہیں۔ جنبی اور بے وضو کو نفع و تفسیر و حدیث کی کتابوں کا چھوٹنا مکروہ ہے مگر جہاں کاغذ پر قرآن کریم کی آیت لکھی ہو اس پر ہاتھ رکھنا حرام ہے۔ قرآن کا ترجمہ فارسی یا اردو یا کسی اور زبان میں ہو اس کو بھی چھوٹنے اور پڑھنے میں قرآن مجید ہی کا سا حکم ہے۔ جنبی کو قرآن کریم کی کتابت کرنا حرام ہے۔ یعنی بے وضو کو بھی قرآن کریم

کی کتابت جائز نہیں ہے۔

(ب) حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ حمام میں قرآن پڑھنا جائز ہے۔ اس اثر کو سعید ابن منصور نے موصولاً روایت کیا ہے لیکن امام قسطلانی نے لکھا ہے کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک پاخانہ میں قرآن پڑھنا جائز ہے کیونکہ وہ نجاست کی جگہ ہے اور حمام میں بھی قرآن پڑھنا مکروہ ہے کہ وہ جگہ مستعمل اور دوسری کثیفوں کا خزانہ ہے، نیز ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے اور صبح اذان میں وارد ہوا کہ حضور علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھا۔ تو جب اس انگوٹھی کو جس پر اللہ کا نام تھا حضور علیہ السلام نے پاخانہ میں لے جانا گوارا نہ فرمایا تو نجاست کی جگہ پر ذکر الہی اور قرأت قرآن پاک کیونکر روافق قرار پائے گی۔ ہاں اگر حمام یا نخل پاک و صاف ہو اور آدمی تنگ بھی نہ ہو تو پھر قرأت قرآن پاک میں حرج نہیں ہے مگر نجس مقامات پر زبان سے اللہ کا ذکر مکروہ ہے۔ ہاں ذکر قلبی ہر جگہ جائز ہے۔ (یعنی دل سے ذکر الہی کرنا)۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ پاخانہ و پیشاب کے وقت زبان سے ذکر الہی کرنا مکروہ ہے۔ علامہ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں تمبیع و تہلیل و تکبیر اور سلام کا جواب اذان کا جواب چھینکنے والے کا الحمد للہ کتنا مکروہ ہے۔ یونہی جماع کی حالت میں بھی ذکر الہی مکروہ ہے۔ حتیٰ کہ پاخانہ و پیشاب کرنے کی حالت میں سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے متعدد دایمی حدیثیں ذکر کیں ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام قضا ر حاجت فرما رہے تھے۔ کسی نے سلام کیا آپ نے اس کا جواب نہ دیا فراغت کے بعد وضو کیا یتیم کر کے سلام کا جواب دیا۔

وَبِکْتُبُ الرِّسَالَةَ ۱۰ اور بے وضو خط لکھنا بھی جائز ہے۔ خط یا رسالہ میں بسم اللہ یا کبھی قرآن کریم کی کوئی آیت لکھنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو امام نخعی سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا جائز ہے لیکن ظہبی اور حاضنہ کو خط لکھتے وقت بسم اللہ یا کسی اور آیت قرآن کی کتابت جائز نہیں ہے۔

وَقَالَ حَمَادٌ اور جناب حماد بن ابی سلیمان، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے استاد نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تنہا باندھ کر نہ رہا ہے تو اس کو سلام کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اس تعلیق کو امام ثوری نے موصولاً ذکر کیا اور ابن ماجہ و ابو داؤد میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی ممانعت فرمائی کہ دو شخص ستر کھولے ہوئے گفتگو کریں۔ تو جب اس حالت میں عام گفتگو کی ممانعت ہے تو ایسے شخص کو سلام کرنا جو تنگ ہو کیسے روا قرار پایگا۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور قرآن مجید میں سلام علیکم کے الفاظ ہیں۔ امام بخاری نے اس کے بعد ایک حدیث لکھی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ایک رات میں نے اپنی خالہ ام المومنین میمونہ زوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گزاری۔ جس پچھونے کچھ عرض میں بیٹ گیا اور حضور علیہ السلام مع اپنی زوجہ مطہرہ کے بسترے میں آرام فرما رہے تھے پھر آپ سو گئے۔ ادھی رات یا اس کے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد آپ بیدار ہوئے۔ اپنی آنکھیں ملنے ہوئے، پھر آپ نے سورہ آل عمران کی اخیر کی دس آیتیں

(ان فی خلق السموات) سے آخر تک تلاوت فرمائیں۔ پھر ایک مشک سے جو ٹنک رہی تھی آپ نے اچھی طرح دھو فرمایا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ میں نے حضور کی طرح وضو کیا اور آپ کے بایں پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر آپ نے اپنا دھنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا دھنا کان پچھا اور مجھے دھنسنے پہلو کر لیا۔ پھر آپ نے بارہ کتیں پڑھیں (دو دو رکعت کر کے) پھر وتر پڑھے، پھر لیٹ رہے۔ یہاں تک کہ مؤذن آیا۔ اس وقت آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت سنت فجر پڑھ لی پڑھیں پھر آپ مسجد میں آئے اور نماز فجر پڑھائی (بخاری)

فوائد ومسائل

۱۸۲- (۱) اس حدیث کا ہم نے عربی متن اس لیے نہیں لکھا کہ آئندہ ابراہام میں اس حدیث پر مکرر بحث کرنی ہے (۲) امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں وتر کی تفسیر میں ذکر کیا۔ امام ترمذی نے شمائل میں، امام مسلم نے صلوٰۃ میں، ابن ماجہ نے طہارت میں ذکر کیا۔ اس حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے بیدار ہو کر بغیر وضو کیے قرآن پاک کی آیات پڑھیں۔ اسی سے ترجمہ باب نکلتا ہے۔ مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت تو بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے۔ اس لیے عنوان سے حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کا کوئی تعلق پیدا نہیں ہوتا۔ بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا کہ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام جب بیدار ہوئے ہوں۔ اس وقت آپ کا وضو جاتا رہا ہو۔ یعنی نیت سے نہیں بلکہ کسی اور حدیث سے اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ آپ نے نماز پڑھنے کے لیے وضو فرمایا۔ مگر یہ توجہ کچھ یوں ہی سی ہے۔ کیونکہ اول تو اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام کو محدث ہوا۔ ثانیاً وضو فرمانا بھی حدیث کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وضو پر وضو بھی تو کیا جاتا ہے (۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے مؤذن کا امام کو جگانا اور اقامت الصلوٰۃ کی اطلاع دینا مستحب ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ إِلَّا مِنَ الْغَشْيِ الْمَتَّقِلِ

باب سخت غشی ہو تو وضو کر جائے گا۔ (زور نہ نہیں)

فوائد ومسائل

۱۸۳- اس باب میں امام بخاری نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو کتاب العلم کے باب میں آجاب الفتا باشارۃ الیہ والراس میں مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے (دیکھو حدیث ۸۵)۔ اس حدیث میں حضرت اسماعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا تھا کہ میں سورج گمن کی نماز کے لیے کھڑی ہوئی۔ گرمی کی وجہ سے مجھے غش آگیا تو میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ حدیث کے ان جملوں سے ترجمہ باب نکلتا ہے کہ حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہما نے دوبارہ وضو نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایسی غشی جس میں ہوش و حواس باقی رہیں ناقض وضو نہیں ہے۔ حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہما کی غشی طاری ہوئی تھی جبھی تو انہوں نے اس حالت میں پانی ڈالنے کا احساس رہا۔ اس حدیث پر تفصیلی گفتگو چرند کتاب العلم ص ۶۶ پر ہو چکی ہے۔ اس لیے ہم نے متن حدیث نہیں لکھا۔

فائدہ - غما۔ کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے اور غشی کا دل سے، احناف کے نزدیک غما و غشی ناقض وضو ہے۔

بَابُ مَسْحِ الرَّأْسِ كُلِّهِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ

باب سارے سر پر مسح کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے سروں پر مسح کرو

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ أَلَسَرَاةٌ بِسُفْنٍ كَسَةِ
الْمَرْجُلِ تَمْسُحُ عَلَى رَأْسِهَا وَسُفْنٌ مَالِكٌ
أَيُّجَزِي أَنْ يَتَمَسَّحَ بَعْضُ رَأْسِهِ فَاخْتِجَ
بِحَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ (بخاری)

حضرت سعید ابن مسیب نے فرمایا سرور: بھی مروی
طرح سر کا مسح کرے اور امام مالک نے کہا
بعض سر کا مسح جائز ہے تو انھوں نے عبد اللہ بن زید کی
حدیث سے دلیل لی۔

وضو میں سر کے مسح کی بحث

واضح ہو کہ وضو میں سارے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور اس پر تمام ائمہ کرام
کا اتفاق بھی ہے۔ البتہ مقدار مسح میں اختلاف ہے۔ (۱) امام مالک اکثر
عمرت مزی و جبانی اور امام احمد (فی روایت) وابن علیہ کا مسک یہ ہے کہ سارے سر کا مسح کرنا واجب ہے (۲) امام شافعی حرجہ
علیہ بعض سر کے مسح کو واجب قرار دیتے ہیں مگر کوئی حد معین نہیں فرماتے یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک انگلی سے مسح کر لینا
بھی کافی ہے (۳) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے (۴) اور امام مالک علیہ الرحمۃ
یہ فرماتے ہیں کہ قرآن نے واسحوا برؤسکم فرمایا اور اس میں کوئی مقدار نہیں فرمائی کہ آدھے سر کا مسح کر دیا۔ چوتھائی سر کا تو اگر
بعض مراد ہوتا تو اللہ عز وجل اس کو بیان فرما دیتا۔ جیسے ہاتھ اور پاؤں کے متعلق تصریح فرمادی کہ ہاتھ کنبیوں سمیت اور پاؤں
ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ متعدد ایسی حدیثوں سے بھی دلیل لاتے ہیں جن کا مضمون یہ ہے:-
إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ
رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَاقْبَلْ بِهِمَا وَادْبَرْ
(رواہ الجماعۃ)

احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آیت میں برؤسکم آیا ہے اور باہیاں تبعیض کے لیے ہے۔ ثانیاً آیت مقدار
مسح میں مجمل ہے۔ حدیث نے اس اجمال کو بیان کر دیا کہ مقدار فرض چوتھائی سر کا مسح ہے۔ جیسا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چوتھائی سر کا مسح فرمایا اور وہ حدیثیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام
نے سارے سر کا مسح کیا تو اس میں بیان وجوب نہیں بلکہ بیان فضیلت ہے کہ سارے سر کا مسح کرنا مستحب ہے اور ہم بھی پورے
سر کے مسح کو مسنون مانتے ہیں۔ پس سارے سر کے مسح کی فرضیت ثابت نہیں ہوئی۔ واضح ہو کہ مسح کے باب میں جس قدر حدیثیں
آئی ہیں ان میں جو کیفیت مسح وارد ہوئی ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) ایک حدیث نو روای ہے جس کو بخاری نے عنوان زیر بحث میں ذکر کیا یعنی حدیث عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ:-

۱۸۴- شَعْرَ مَسَحَ بِيَدَيْهِ فَاقْبَلْ بِهِمَا
وَادْبَرْ بِمَقْدَمِ رَأْسِهِ حَتَّى ذَهَبَ بِهِمَا
إِلَى قَفَاةِ شَعْرِهِمَا إِلَى الْهَكَانِ الْغَدِي
بَدَا مِنْهُ (بخاری)

کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا۔ پھر دونوں
ہاتھوں سے اپنے سر پر مسح کیا اور دونوں ہاتھوں کو گدے
تک لے گئے پھر جہاں سے شروع کیا تھا (یعنی پیشانی سے)
وہیں تک واپس لے گئے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الطہارۃ میں پانچ مرتبہ ذکر کیا ہے اور ابوداؤد وابن ماجہ و مسلم و ترمذی نے بھی

کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا۔ ظاہر ہے اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں سر کا مسح فرمایا (۲) اور ایسی بھی متعدد حدیثیں ہیں جن کا مضمون یہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ تُطَيَّرُ بِهَا إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ
تَحْتَ الْعِمَامَةِ فَتَمْسَحُ بِهَا رَأْسَهُ
وَكُلُّهُ يَنْقُضُ الْعِمَامَةَ (ابوداؤد)

اور سر مبارک پر دھاری دار عمامہ تھا۔ آپ نے اپنے
ہاتھ کو عمامہ میں داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ کا
مسح فرمایا اور عمامہ نہ اُٹارا۔

(۳) حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام سباطہ قوم پر آئے۔ آپ نے پیشاب کیا پھر وضو کر لیا۔

وَمَسَحَ يَمْسَحُ بِمُقَدَّمَةِ رَأْسِهِ إِذَا
تَوَضَّأَ (مسلم وابن ماجہ)

اور وضو میں چوتھائی سر کا مسح کیا اور موزوں پر
مسح کیا۔

(۴) أَنَّهُ كَانَ يَمْسَحُ بِمُقَدَّمَةِ رَأْسِهِ إِذَا
تَوَضَّأَ (طحاوی ۳۷۷)

کہ حضرت سالم کے والد جب وضو کرتے تو مقدم
رأس کا مسح فرماتے۔

(۵) امام حمادی علیہ الرحمۃ نے اس مضمون کی مختلف حدیثیں لکھی ہیں کہ :-

فَمَسَحَ عَلَى عِمَامَتِهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ
پر مسح فرمایا۔

! کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو آپ نے عمامہ اور پیشانی

ہم نے تقریباً اس باب کی تمام حدیثوں سے چند ذکر کر دیں (نمبر دیدیے ہیں) جو تمام حدیثوں کی کیفیات کی جامع ہیں ان
پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے سر کا مسح کیا اور یہی بھی کہ آپ نے صرف
پیشانی کے مسح پر اکتفا فرمایا۔ جس سے یہ بات تو بالکل واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا واجب نہیں ہے۔
اگر پورے سر کا مسح کرنا واجب ہوتا تو حضور علیہ السلام پیشانی کے مسح پر اکتفا نہ فرماتے۔ ہاں یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ پورے
سر کا مسح کرنا مستحب ہے جس کے احسان بھی قائل ہیں۔ لیکن پورے سر کے مسح کرنے کا وجوب اس سے ثابت نہیں ہوتا
چنانچہ وضو کے دیگر اعضاء منہ اور ہاتھ اور پاؤں کے متعلق بھی حضور سے ایسے ہی مروی ہے کہ آپ نے کبھی ایک ایک
بار کبھی دو دو بار اور کبھی تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تین بار دھونا فرض ہے بلکہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے اس فعل سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اعضا وضو کو ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور تین تین بار
دھونا مستحب ہے تو اسی طرح مسح کے باب میں پیشانی اچھٹائی سر کا مسح فرض قرار پایا اور سارے سر کا مسح اور آلہ
عتل و قیاس کی رو سے غور کیا جائے تو بھی چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت ہی ثابت ہوتی ہے۔ دیکھئے وضو میں ہاتھ منہ اور
پاؤں کے دھونے کا حکم ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جس عضو کا وضو میں دھونا فرض ہے اس کا بتمام دھونا نہ
ہے۔ اور وضو میں سر کے مسح کا حکم ہے تو اب ہمیں اس امر پر غور کرنا ہے کہ جس عضو کے مسح کرنے کا حکم ہے اس کی کیا کیفیت

ہے۔ ایک لکاح مسح کیا جائے یا بعض کا؟ تو موزوں پر مسح کے متعلق اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ سارے پاؤں کے مسح کی ضرورت نہیں تو جب مسح انہیں میں کل کا مسح ضروری نہیں بلکہ ظاہر قدم کا مسح ضروری ہے تو اسی پر سر کے مسح کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔ لہذا زور میں چوتھائی سر کا مسح فرض قرار پائے گا۔

توضیح

احادیث اول میں سیدنا امام مالک کی دلیل ہے۔ وہ زور میں سارے سر کے مسح کو واجب قرار دیتے ہیں۔ احناف کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ وہ حدیث جن میں سارے سر کے مسح کرنے کا ذکر ہے یہ بطور استحباب ہے اور ان میں وجہ میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان ہوا۔ حدیث دوم، سوم، چارم احناف کی دلیل ہیں جن میں پیشانی کے مسح کرنے کا ذکر ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ وہ حدیث جن میں پیشانی پر مسح کرنے کا ذکر ہے اس امر کی دلیل ہیں کہ وضو میں سر کے مسح کے متعلق مقدار و مرفوض پیشانی کا مسح (چوتھائی سر کا مسح) ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی سے زائد جو مسح فرمایا ہے وہ بیان فضیلت کے لیے ہے۔

فائدہ :- یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ حدیث اول میں خَاتَمٌ لِّیْہِمْا وَاَذْبَسَ لَیْہِمْا آئے ہیں تو یہ اقبال و ادبار دو حرکتیں ہیں دو مسح نہیں ہیں۔ یہ اقبال و ادبار تو صرف اس لیے ہے کہ پورے سر کا مسح ہو جائے۔ چنانچہ اسی باب میں امام بخاری نے عبداللہ بن زید سے جو دوسری روایت درج کی ہے اس میں یہ لفظ بھی ہیں۔ خَاتَمٌ لِّیْہِمْا وَاَذْبَسَ لَیْہِمْا وَاَحَدَہُ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس روایت میں (مسح مرتین) کے الفاظ آئے ہیں اس میں بخاری فی المسح سے اقبال و ادبار مراد ہے نہ کہ تکرار مسح خافم

حدیث پنجم میں بھی احناف کی دلیل ہے۔ اس میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام نے ناصیہ یعنی چوتھائی سر کا مسح فرمایا۔ بعض علما نے کہا کہ اس میں تو ظاہر پر مسح کا ذکر ہے تو اب نئی کیفیت یہ پیدا ہو گئی کہ اگر ظاہر باندھا ہو تو اس کو اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی ضرورت میں پیشانی پر مسح کر لیا جائے اور ظاہر پر بھی ہاتھ پھیر لیا جائے تاکہ پورے سر کا مسح ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ بات یہی قرار پائی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سارے سر کا مسح فرمایا۔ ہاں نئی کیفیت یہ پیدا ہوئی کہ سر پر ظاہر ہو تو پیشانی پر مسح کر لیا جائے اور باقی مسح چھٹی پر کر لیا جائے۔ جس کا نتیجہ بہر صورت یہی نکلا کہ آپ نے پورے سر کا مسح فرمایا تو احناف اس موقع پر بھی وہی جواب دیں گے کہ حضور علیہ السلام کا منقطع پیشانی کے مسح پر اکتفا فرمانا بھی تو ثابت ہے جو اس امر پر ثابت کرتا ہے کہ منقطع مرفوضہ پیشانی ہے اور اس سے زائد کا مسح بطور استحباب کے ہے۔ غرضیکہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک زور میں چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور سارے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔

سر کے مسح کرنے کا طریقہ، کان کا بھی مسح کیا جائے (۱) پورے سر کا ایک بار مسح کرنا اور کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔ مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انگوٹھے اور کھنکے کی انگی

کے سوا ایک ہاتھ کی باقی تین انگلیوں کا سر اور دوسرے ہاتھ کی تینوں انگلیوں کے سرے سے ملائے اور پیشانی کے بال یا کمال پر رکھ کر کسی ایک اس طرح لے جائے کہ ہتھیلیاں سر سے جدا رہیں۔ وہاں سے ہتھیلیوں سے مسح کرتا ہوا واپس لائے اور کھنکے کے پیٹ سے کان کے اندر دنی حد کا مسح کرے۔ یہ طریقہ صحیح طور پر اس وقت سمجھ میں آتا ہے۔ جب کہ کسی عالم دین سے

عملی طور پر اس کو یکہ لیا جائے۔ کان کے ظاہر و باطن کے مسح سے متعلق چند حدیثیں یہ ہیں (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔

فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ (طحاوی)

تو آپ نے سر اور کانوں کا مسح فرمایا۔

(۲) مقدم ابن ممدی کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو وضو کرتے دیکھا۔ قریب آپ نے مسح کرنا چاہا تو آپ نے اپنی دونوں مقدم ہتھیلیاں مقدمہ راس پر رکھیں۔ پھر انہیں گدی تک لے گئے۔ پھر وہیں تک لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔ اور ساتھ ہی ایک دفعہ کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح فرمایا۔ (طحاوی)

(۳) ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس کو وضو کرنے کا طریقہ بتایا:-

فَادْخُلْ اِصْبَعَيْهِ السَّبَابَتَيْنِ اُذُنَيْهِ
فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ ظَاهِرًا اُذُنَيْهِ
وَبِالسَّبَابَتَيْنِ بَاطِنًا اُذُنَيْهِ
(طحاوی شریف ص ۳۹)

(اور بوقت مسح) اپنی دونوں انگشت شہادت کانوں کے سوراخوں میں داخل کیں اور انگوٹھوں سے کانوں کے اوپر کا مسح فرمایا اور انگشت شہادت سے کانوں کے اندر کا مسح کیا۔

اسی مضمون کی حدیثیں ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد ابن حنبل میں بھی ہیں۔ ان حدیثوں سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) سر کا مسح ایک دفعہ کرنا ہی بخیر ہے (۲) سر اور کانوں کا مسح ایک ہی پانی سے کیا جائے، کانوں کے مسح کے لیے دو بار دو ہاتھوں کو ٹکڑ کرنے کی ضرورت نہیں ہے (۳) کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کرنا سنت ہے (۴) کان کے اندر کا مسح انگشت شہادت سے کیا جائے اور کان کے ظاہر کا مسح انگوٹھوں سے کیا جائے (۵) یہ بھی ثابت ہوا کہ کان سر کا حصہ قرار دینے جائیں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّاسِ اور جہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً سیدنا ابن عباس و ابن عمر و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کان سر میں داخل ہیں اور سر کے مسح کے ساتھ کانوں کا بھی مسح کیا جائے۔ (طحاوی شریف)

بَابُ غَسْلِ الرَّجْلَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

باب وضو میں دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا

اس باب میں امام نے جو حدیث لکھی ہے اس میں وضو کرنے کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ اس حدیث میں یہ لفظ ہیں۔ ۱۸۵۔ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ | کہ پھر انھوں نے اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے عزراں سے متعلق حدیث کے صرف یہی جملے ہیں جو ہم نے لکھ دیے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا ضروری ہے۔

بَابُ اسْتِعْمَالِ فَضْلِ وَضُوءِ النَّاسِ (بخاری)

باب وضو سے جو پانی بچ گیا اس کو کام میں لانے کے بیان میں

فضل وضو کا اگر یہ مطلب ہو کہ وہ پانی جو وضو کرنے کے بعد برتن میں بچ رہے تو ظاہر ہے کہ اس پانی کے ظاہر و مظهر ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے اور اگر فضل وضو کا یہ مطلب ہو کہ وہ پانی جو وضو کرنے والے کے اعضا سے جدا ہو جس کو فقہا کرام مایستعمل کہتے ہیں۔ اس کے ظاہر و نجس ہونے میں اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تین قول منقول ہیں۔ اول روایت ابو یوسف میں نجس مخفف ہے (۲) روایت حسن بن زیاد میں نجس مغلط (۳) روایت زفر و محمد بن حسن میں ظاہر غیر طور اسی کو محققین ماوراء النہر نے اختیار کیا محیط میں اشہر اور مفید میں صحیح قرار دیا گیا اور علامہ اسپجانی نے کہا کہ روایت سوم پر فتویٰ بھی ہے۔ علامہ قاضی خاں نے فرمایا تغلیط کے قول کی امام کی طرف نسبت ثابت نہیں اور امام بخاری حسن بصری زہری ثوری و امام مالک علیہم السلام رحمۃ اللہ علیہم نے یہ ہے کہ مایستعمل ظاہر و طور ہے اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک ظاہر ہے طور نہیں۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اگر مایستعمل کو ناجائز قرار دیا جائے تو پھر تو مطلقاً اس کا استعمال جائز نہ ہوگا اور اگر ظاہر و مظهر قرار دیا جائے تو ہر چیز میں اس کا استعمال جائز قرار دیا جائے گا اور فقط ظاہر بیت کا قول کیا جائے تو پینے، آنا گوندھنے، نجاست کے زائل کرنے کے لیے اس کا استعمال درست قرار پائے گا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں :-

والفتویٰ علی انہ طاهر عذیب طہود | اور خفیہ کا فتویٰ ہے کہ مایستعمل ظاہر ہے مظهر
کہا ذہب الیہ محمد بن الحسن (یعنی ج۱) | نہیں ہے جیسا کہ امام محمد بن حسن نے اختیار کیا۔
توضیح | مایستعمل کے متعلق سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کی رائے میں بظاہر تضاد معلوم دیتا ہے۔ مگر حقیقت میں تضاد نہیں
ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ وضو سے گناہ دھلتے ہیں۔ آنکھ کان، ناک،
سر، ہاتھ، پاؤں سب کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وضو کے بعد

من کل ذنب کھبۃ۔ ولدتہ امہ | سب گناہوں سے ایسا خالص ہو جاتا ہے جیسا کہ
(طبرانی) | اپنی ماں سے پیدا ہوتے وقت تھا۔

اکثر علمائے فرمایا کہ یہاں گناہوں سے صفا تر مراد ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ کیا ترجیح دھلتے ہیں اگرچہ زائل نہ ہوں۔ یہ سیدنا
امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اکابر اولیاء کو کام قدمت اسرار ہم، مشاہدہ ہے اور گناہ متعدد قسم کے ہوتے ہیں۔ سیدنا امام اعظم
علیہ الرحمۃ اہل مشاہدہ سے تھے۔ جب لوگوں کے آب وضو کو دیکھتے تو بیعت ان گناہوں کو پہچان لیتے جو دھل کر پانی میں گرتے
اسی وجہ سے مایستعمل کے متعلق آپ کے تین قول ہو گئے چنانچہ :-

سیدنا امام اعظم امام اہل کشف و مشاہدہ ہیں | امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شمرانی قدس سرہ الربانی جو اکابر
اولیاء شافعیہ سے ہیں۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ میں
نے اپنے سرور حضرت علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (کہ وہ بھی شافعی ہیں) سنا کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے مدارک باریک ہیں۔ ان پر

اکابر اولیاء اہل مشاہدہ ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ جب وضو کا پانی دیکھتے تو لوگوں کے وضو کرنے میں گناہ کبیرہ، صغیرہ اور مکروہ جو کچھ وصل کر اس میں گرا سب پہچان لیتے۔ اسی لیے امام اعظم نے ماستعمل کے تین حکم رکھے۔ نجاست غلیظہ ہے۔ یہ اس صورت میں جب کہ استعمال کرنے والوں نے کوئی گناہ کبیرہ کیا ہو۔ دوم نجاست خفیہ ہے۔ یہ اس صورت میں جب کہ گناہ صغیرہ کے مرکب کا دھوون ہو۔ سوم۔ پاک ہے مگر پاک نہیں کرتا۔ یہ اس صورت میں کہ فعل مکروہ کے مرکب کا دھوون ہو۔ ان کے مقلد سمجھ کر یہ تینوں حکم ہر حال میں ہیں۔ حالانکہ وہ مختلف احوال پر ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اللہ راضی ہو امام ابوحنیفہ سے اور ان کے مقلدوں پر رحم فرمائے کہ انھوں نے نجاست کی دو قسمیں کیں غلیظہ اور خفیہ اس لیے کہ گناہ دو ہی قسم کے ہیں کبیرہ اور صغیرہ۔ اور میں نے اپنے سردار علی خواص کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کو کشف حاصل ہو تو لوگوں کے وضو و غسل کے پانی کو نہایت گھونٹنا اور بدبودار پائے تو کبھی اس کا دل نہ ہو کہ اس سے طہارت کرے۔ امام شترانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اس پر میں نے عرض کی کہ امام ابوحنیفہ و ابو یوسف کشف والے تھے کہ ماستعمل کو نجس مانتے ہیں۔ یہی علی خواص نے فرمایا۔ ہاں یہ دونوں اعظم اہل کشف سے تھے۔ جب لوگوں کا آپ وضو دیکھتے تو فوراً پہچان لیتے کہ یہ دھوون گناہ کبیرہ کا ہے۔ یہ صغیرہ کا اور یہ مکروہ کے مرکب کا ہے اور یہ خلاف اولیٰ کا اور ایسے پہچانتے جیسے کوئی اجسام کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ہم کو روایت پہنچی کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ جامع مسجد کوفہ کے حوض پر تشریف لے گئے۔ ایک جوان وضو کر رہا تھا۔ اس کا پانی جو ٹپکا تو امام نے اس پر نظر فرمائی اور کہا۔ اے میرے بیٹے ماں باپ کو ایذا دینے سے زبردہ۔ اس نے فوراً توبہ کی۔ ایک اور شخص کا غسل دیکھ کر فرمایا۔ اے بھائی زنا سے زبردہ۔ ایک اور شخص کا دھوون دیکھ کر فرمایا۔ شراب پینے اور مزامیر ٹھنسنے سے زبردہ۔ یہ دونوں تائب ہوئے (میزان الشریعہ الکبیری (ترجمہ من و عن ہے)

ماستعمل کی جامع مانع تعریف نجاست علمی حقیقی کا فرق، ماستعمل کی صورتیں | واضح ہو کہ نجاست دوم قسم پر ہے نجاست

حقیقی، جیسے پافانہ و پیشاب، شراب وغیرہ۔ فقہاء اس کو نجاست حقیقی کہتے ہیں اور جس چیز کو یہ نجاست لگ جائے گی تو اس کے متعلق یوں کہیں گے کہ اس چیز کو نجاست حقیقی لگی ہے۔ نجاست علمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود حقیقتاً نجاست نہیں ہے۔ مگر شرع اس کو نجاست کا حکم دیا ہے جیسے بے وضو شخص یا جنسی اس کے بدن پر کوئی نجاست حقیقی نہیں ہے مگر نجاست علمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے وضو کو قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے اور صلیٰ کو مسجد میں آنا قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اب جس پانی سے یہ نجاست حکمہ زائل کی جائے گی اس پانی کو نجاست حکمہ منتقل ہو جائے گی اور وہ پانی مستعمل ہو جائے گا۔

خامشہ :- (۱) جس پانی سے قربت مطلوبہ شرعاً کی اقامت کی جاتی ہے وہ انسان کے گناہ دھرتا ہے۔ گناہوں کی نجاست حکمہ اس کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ لہذا وہ پانی مستعمل ہو جاتا ہے (۲) حج میں جو کنکریاں ایک بار کسی بھی جہرہ پر استعمال ہو چکیں انہیں دوبارہ استعمال کرنا مکروہ ہے۔ اگر ضرورت ہو تو ان کو تین بار دھو کر استعمال کرے بلکہ مطلقاً دھو کر ہی کام میں لانا مستحب ہے کہ شاید کوئی نجاست تحقیقہ یا حکمہ سے ملوث ہو (۳) ماستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاست علیہ سے کسی واجب کو

ماطل کیا یعنی انسان کسی ایسے پارہ جسم کو مس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے باغفل لازم تھی یا ناہر بدن پر اس کا استعمال خود کا ثواب تھا اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اسی امر ثواب کی نیت سے استعمال کیا اور یوں اسقاط واجب تطہیر یا قاصت قربت کر کے عضو سے جدا ہوا۔ اگرچہ ہنوز کی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے اور بعض نے زوال حرکت و حصول استقرار کی قید لگائی۔ یہ حد جامع مانع ہے اور فتاویٰ رضویہ مؤلف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سوا کہیں نہیں ملے گی۔ ہمیں معلوم ہے کہ عام قارئین کرام اس تعریف کو بخوبی نہیں سمجھ سکے ہوں گے۔ اس لیے ہم مثالوں سے سمجھاتے ہیں۔ جو صاحب ان مسائل کی پوری بحث اور دلائل معلوم کرنا چاہیں وہ فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۷۳ کا بغور مطالعہ کریں۔

ان صورتوں میں پانی مستعمل قرار پائیگا (۱) محدث (بے وضو یا جنبی آدمی) نے تمام یا بعض اعضاء وضو دھوئے اگرچہ وضو کی نیت نہ کی۔ محض ٹھنڈ حاصل کرنے یا میل وغیرہ جدا کرنے کے لیے کسی عضو کو دھویا تو یہ پانی جو اعضاء پر سے بہہ گیا۔ ماستعمل ہو گیا (یا دیکھئے پانی اعضاء سے مل کر جدا ہو جانے کے بعد ہی مستعمل قرار پائیگا) (۲) جنبی نے خود غسل کیا اور نہ ارادہ ہی کیا مگر کسی نے مثلاً اس کی پیٹھ پر پانی ڈالا۔ اب جو پانی اس کی پیٹھ پر سے بہا ہے ماستعمل ہو گیا (یعنی استعمال کیا ہوا پانی) (۳) با وضو آدمی نے بے نیت ٹول دوبارہ وضو کیا۔ (۴) حائض و نفاس عورت نے نماز پچھکانے کے وقت یا چاشت و اشراق و تہجد کے وقت محض یا والہی کے لیے وضو کیا کہ عبادت کی عادت باقی رہے (۵) با وضو کھانا کھانے کے بعد طبیعت اور استسقاء دھوئے یا لگی (۶) سمجھ دار نابالغ بچے نے وضو بقصد وضو کیا (۷) پاک آدمی نے ادرست کو۔ جمعہ یا عیدین یا عمرے یا احرام یا اور اوقات سنونہ کا غسل کیا یا میت کو منالنے کا غسل یا وضو کیا (۸) وضو فرض یا نفل میں جو پانی کلی یا ناک میں پہنچانے میں صرف ہوا (۹) کچھ اعضاء دھو لیے تھے خشک ہو گئے۔ سنت موالات کی نیت سے انہیں دوبارہ دھو لیا (۱۰) با وضو شخص نے وضو علی الوضو کی نیت سے دوسرے کو کہا مجھے وضو کرادے۔ اس پر دوسرے شخص نے بے نیت ثواب اس کے اعضاء دھو دیئے۔ ان سب صورتوں میں جو پانی اعضاء سے مس کر کے جدا ہوا (بہا) ماستعمل ہے (۱۱) جب یا بے وضو کا اگر وہ عضو جس کی ابھی طہارت نہ کی (دھویا نہیں) اس عضو کا ذرا سا حصہ بھی ماتخیل میں ڈوب جانے سے پانی مستعمل ہو جائیگا۔ یعنی لوٹے میں پانی ہو جزیبے اس میں سارا ہاتھ پڑنے سے پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اسی طرح ناخن یا کوئی حصہ عضو کے پڑنے سے بھی پانی مستعمل ہو جائے گا (۱۲) برتن میں پانی ہے اس میں بے وضو یا جنب کا پاؤں پڑ گیا (۱۳) یا کنویں یا حوض صغیر میں محض ٹھنڈ حاصل کرنے کے لیے غوطہ لگایا یا صرف ہاتھ پاؤں ڈالا یا ایک پورا ہی بلا حلا ڈال دیا، پانی مستعمل ہو گیا۔ اسی طرح غسل کرنے کی نیت سے جنب نے کنویں میں غوطہ لگایا پانی مستعمل ہو گیا۔

ان صورتوں میں پانی مستعمل نہیں ہوتا (۱) وضو کرنے کے بعد پانی لوٹے میں نہ ج گیا۔ وہ ماستعمل نہیں ہے بلکہ پینے میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ (۲) جو شخص با وضو نہیں ہے اور پانی ٹپکے وغیرہ میں ہے جس کو چھکا کر نہیں نکال سکتا تو ٹوٹے وغیرہ سے لے کر ہاتھ دھوئے یا کسی با وضو شخص یا نابالغ بچے سے ٹکڑے اور اگر یہ بھی مہیا نہ ہو تو چٹورے لے کر ہاتھ دھوئے۔

یہ کسی با وضو شخص یا نابالغ بچہ نے نکلائے اور اگر یہ بھی میمانہ ہو تو چٹو سے لے کر ہاتھ دھوئے۔ پانی اس ضرورت کے سبب مستعمل نہ ہوگا، بے ضرورت ہو تو مستعمل ہو جاتا ہے (۳) آپ کثیر یعنی وہ دروہ پانی یا جاری پانی جیسے نہر، سمندر، دریا میں بے وضو جنم کرے یا جنب غسل کرے یا کوئی نجاست ہی دھوئی جائے تو یہ پانی نجس نہ ہوگا اور نہ مستعمل ہوگا (۴) با وضو آدمی نے بلا نیت وضو، اعضا ٹھنڈے کرنے یا میل ڈھونڈنے کے لیے وضو کیا (۵) یا با وضو آدمی نے بلا نیت ثواب و بار وضو کیا (۶) معلوم تھا کہ حضور تین بار دھر چکا اور ہنوز پانی خشک نہ ہوا تھا۔ بلا وجہ پوچھی بار اور پانی اعضا پر ڈالا۔ (۷) جسے حاجت غسل نہیں ہے، اس پر غسل فرض نہ تھا۔ اس نے اعضا وضو کے سوا مثلاً پیچھے پر یا ران پر یا سینہ یا پیٹ کو دھویا (۸) با وضو آدمی نے کھانا کھانے یا کھانے کے بعد یا ویسے ہی ہاتھ من صاف کرنے کو ہاتھ دھوئے کھانے کی اور ادا کے سنت کی نیت نہ کی تو ان سب صورتوں میں وہ پانی جو اعضا سے بہہ کر چھا ہوا یا مستعمل نہ ہوگا (۹) با وضو آدمی نے کوئی پاک چیز ادھویا (۱۰) با وضو آدمی نے کسی جانور یا نابالغ بچے کو نہلایا اور بچے یا جانور کے بدن پر نجاست نہ پھٹی (پاک تھی)۔ اگرچہ وہ جانور غیر ماکول اللحم ہو جیسے بلی چوہا اگرچہ بہ نیت ثواب نہلایا پانی مستعمل نہ ہوگا (۱۱) عورت ابھی حیض و نفاس میں ہے۔ خون بند نہیں ہوا۔ اس حالت میں اس کا ہاتھ یا کوئی عضو پانی میں چڑ جائے وہ پانی مستعمل نہ ہوگا کہ ابھی اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ (والمسكتُ في الغائبة والخلصة والمحصن)۔ (۱۲) عورت ابھی حیض و نفاس میں ہے، خون بند نہیں ہوا، بے نیت قرابت (عبادت و ثواب) غسل کیا پانی مستعمل نہ ہوگا (۱۳) ناسمجھ بچے نے وضو کیا، جس طرح دو تین سال کے بچے ماں باپ کو دیکھ کر بطور نقل و حکایت افعال وضو و نماز کرنے لگتے ہیں پانی مستعمل نہ ہوگا۔ (۱۴) با وضو شخص کا گرمی کے سبب عبادت یا مطالعہ کتاب میں دل نہیں جتا۔ اس نیت سے ٹھنڈک پہنچنے کو نہلایا یا ہاتھ دھوئے پانی مستعمل نہ ہوگا (۱۵) بے وضو نابالغ کا ہاتھ پانی میں ڈوب جانے سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔ اس سے وضو روا ہے ہاں اگر شک ہو کہ بچہ کا ہاتھ ناپاک تھا تو بہتر یہ ہے کہ اس پانی سے وضو نہ کیا جائے لیکن اگر کر لیا وضو ہو گیا کیونکہ محض شک سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی جب تک کہ یقین نہ ہو۔ (۱۶) بے وضو یا جنب نے کنوئیں یا حوض صغیر میں ڈول یا نگاوس وغیرہ نہلائے کے بے غوطہ مارا، پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہ غوطہ مارنا ضرورت کے لیے ہے اور بضرورت ہاتھ ڈالنے اور غوطہ مارنے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا۔

توضیح ضروری | جس عضو کا جہاں تک پانی ڈالنا بضرورت ہے اتنا صاف ہے یعنی بضرورت اتنا ہاتھ پانی میں ڈالے پانی مستعمل نہ ہوگا۔ مثلاً پانی بڑے ٹکے میں ہے اور کوئی برتن ایسا نہیں ہے جس سے پانی نکال کر استعمال کیا جائے تو چٹو لینے کے لیے جنب یا بے وضو ہاتھ ڈالا یا پانی مستعمل نہ ہوگا۔ لیکن اگر اسی صورت میں ہاتھ مثلاً کہتی یا نصف کھائی تک ڈال کر چٹو یا نرپانی مستعمل ہو جائے گا کیونکہ چٹو پھر پانی لینے کے لیے ہاتھ کو نصت کھائی یا کہتی تک ڈالنے کی ضرورت نہ تھی۔ (۲) ٹکے میں کنوئیا یا نگاوس گر گیا اس کو نہلائے کے لیے جنب یا بے وضو نہ جتنے ہاتھ ڈالنے کی ضرورت تھی ڈالا اور کنوئیا یا نگاوس باقیل تک ہاتھ ڈالنا پڑا پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہاں ضرورت ہے۔ ۳۱۔ عورت کے بھرنے والی۔ ان طہ عورت کے غسل با وضو کرنے کے بعد جو باری برتن یا ٹوٹے میں باقی رہ گیا مرد کو وضو غسل کرنا جائز ہے۔ یعنی مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کو جانا ہے۔ (۴) کنوئیں میں غسل یا وضو کر پانی خواہ کتنا ہی ڈال دیا

مانے بشرطیکہ اس وضو و غسل کے پانی میں نجاست نہ ہو کمزور پال رہے ہو اور عین کا پانی مستعمل بھی نہ ہوگا۔ ہاں اگر مستعمل پانی کی مقدار زیادہ ہو جائے تو پھر کنوئیں کا پانی مستعمل ہو جائے گا۔ مثلاً کنوئیں کا کل پانی فرض کیجیے ایک سو ڈل ہے۔ اب اس میں سے ایک سو آٹھ ڈل پانی مستعمل ڈال دیا، اب کنوئیں کا پانی بھی مستعمل ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

ماستعمل کا حکم

تحقیق یہ ہے کہ ہمارے سب ائمہ کے نزدیک ماستعمل پال ہے وحدث نے پال کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی خود رو پاک ہے مگر نجاست حلیہ کو زائل نہیں کرتا۔ اس لیے ماستعمل سے وضو و غسل نہیں ہو سکتا۔ ہاں نجاست تحقیق اس سے دھو سکتے ہیں (۲) ماستعمل کو مسجد میں ڈالنا یا چھڑکنا حرام ہے (۳) ماستعمل سے کپڑے دھو کے ہیں۔ کسی چیز پر نجاست لگ جائے تو اس سے اس کو زائل کر سکتے ہیں۔ کپڑا اور وہ چیز پاک ہو جائے گی لیکن ماستعمل کو پینا اور اس سے آٹا ٹوندنا مکروہ ہے (۴) مستعمل پانی سے محض بدن ٹھنڈا کرنے یا بدن سے مسل کچل زائل کرنے کے لیے نہ دھو سکتے ہیں (۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو یکہ غسل جنابت کا پانی ہمارے حق میں طیب و طاهر ہے حضور علیہ السلام کے آثار شریفہ مثل جبہ اقدس و نعل مبارک کا غسل شفا و برکت ہے قابل وضو و غسل طاعت ہے۔ مگر اس مقدس پانی سے اگر وضو کرے تو پاؤں پر ڈٹا لے، پاؤں کسی دوسرے پاک پانی سے دھو لے۔ ادب کا تقاضا یہ ہے (۶) ماستعمل کو قابل غسل وضو بنانے کے دو طریقے ہیں۔ اول یہ کہ مستعمل پانی کی مقدار سے زائد اس میں طہر و مطہر پانی ملا دیا جائے مثلاً ایک سیر پانی مستعمل ہے تو اس میں دوسیر پانی غیر مستعمل ملا دینے سے سب کا سب طہر و مطہر ہو جائیگا۔ وضو و غسل اب اس پانی سے کر سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ جس برتن میں مستعمل پانی ہے اس میں غیر مستعمل پانی ڈال لے یا اس تک کہ برتن اہل برتن اور پانی برتن سے اہل کر بننے لگے۔ اب سب پانی طہر و مطہر ہو جائے گا۔

وَأَمَرَ جَبْرِ بْنُ سَعْدٍ اللَّهِ أَنْ يَتَوَضَّعُوا | اور حضرت جریر ابن عبد اللہ نے اپنے اہل سے کہا کہ
بِفَضْلِ مَيِّوَاكِهِ (بخاری شریف) مسواک کے نیچے ہوئے پانی سے وضو کریں۔

اس اثر کو دارقطنی اور ابن شیبہ نے قیس ابن ابی حازم سے انھوں نے سن کر جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت جریر اپنی مسواک کا سر پانی میں ڈبو دیتے پھر اپنے گھر والوں سے کہتے اس پانی سے جو بیچ رہا ہے وضو کر لو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابوطالب نے امام احمد فضل سے حضرت جریر کے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت جریر اپنی مسواک برتن میں ڈال دیتے پھر اسی پانی سے وضو فرما لیتے۔

مسواک استعمال کرنے سے پہلے نرم کرنے کے لیے پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ پانی جس میں مسواک جھگوٹی گئی ہے ماستعمل نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی پاک چیز پانی میں ڈال دی جائے تو وہ پانی کو مستعمل نہیں کرتی۔ پھر یہ بھی سنت ہے کہ مسواک کرنے سے پہلے اور کرنے کے بعد اس کو تین بار دھویا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ پانی جس سے مسواک کو دھویا گیا ماستعمل نہیں ہے کیونکہ ماستعمل ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس کا استعمال بدن انسانی پر ہو (خافم) ایسے اس اثر کا بہت تعلق سمجھ نہیں آتا۔ اس عنوان اور اس کے ماتحت اثر و احادیث کو ذکر کر کے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ماستعمل طہر و مطہر ہے لیکن اس عنوان کے ماتحت انھوں نے جس قدر حدیثیں ذکر کی ہیں وہ خاص حشر رسید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

توضیح

افدس سے متعلق ہیں کہ آپ کے اعضاء مبارک سے جو پانی ٹپکتا تھا صحابہ کرام اس کو تبرک سمجھتے تھے اور امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیہ السلام کے فضائل مبارک بھی طیب و طاهر ہیں تو آپ کے جسم پاک کے خصالہ کے طیب و طاهر ہونے میں کس کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس لیے ان احادیث سے عام لوگوں کے استعمال کئے ہوئے پانی کو طاهر و مطہر قرار دینا کیوں کہ صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۲) نیز ہمارے اہل خانہ بھی بائستقل کو بخش قرار نہیں دیتے البتہ وہ احادیث جن میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے اور فضل طہور امراۃ سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ان سے واضح مطلب ہے کہ بائستقل سے پرہیز کرنا شارع عبد السلام رحمہ اللہ کا مقصد

حضرت ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو چم پر برآمد ہوئے وضو کیا پانی آپ کے پاس لایا لایا گیا۔ آپ نے وضو کیا۔ پھر لوگ آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی لینے لگے۔ پھر آپ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور عصر کی دو رکعتیں (اس لیے کہ آپ مسافر تھے) اور آپ کے سامنے اب برچھی ٹوٹی تھی۔

اور ابو موسیٰ اشعری نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ پانی منگوایا اور اپنے منہ اور ہاتھ اس میں دھوئے اور اسی میں کھلی کی۔ پھر بلال اور ابو موسیٰ سے کہا اس میں سے دونوں پی لو اور اپنے منہ اور سینہ پر ڈالو۔

محمود بن زینح نے بیان کیا اور یہ محمود وہی ہیں جن کے منہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلی کر دی تھی جب وہ بچے تھے ان کے کنوئیں کے پانی سے اور عروہ نے مسور بن مخزوم وغیرہ (مروان) سے روایت کی ہارکب اپنے ساتھی کو سچا بتاتا تھا کہ (عروہ بن مسعود نے کہہ کے مشرکوں سے کہا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے ہیں تو آپ کے وضو کے غبار کہلے لوگ لڑنے پر مستعد ہو جاتے ہیں۔

باب ، ہم نے عبدالرحمن بن یونس نے بیان کیا۔ کہا ہم سے حاتم بن اسفیل نے انھوں نے جعد بن عبدالرحمن سے انھوں نے کہا میں نے سائب بن یزید سے سنا وہ کہتے تھے میری خالہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ

١٨٦- يَقُولُ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَأَتَى بِوُضُوئِهِمْ فَتَوَضَّأُوا فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ مِنْ فَضْلِ وَضُوئِهِ فَيَمْسَحُونَ بِهِ وَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّرُوسَ رَكَعَتَيْنِ وَالْعُسْرَ رَكَعَتَيْنِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ

١٦. وَقَالَ أَبُو مُوسَى دَعَا الشَّيْءَ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ فَغَسَلَ
بِيَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ وَمَجَّ فِيهِ شَعْرًا
لَهُمَا اسْتَرْبَأَ مِنْهُ وَافْرَعَا عَلَى وَجْهِمَا

١٨٤- (٣) قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الرَّبِيعِ
قَالَ وَهُوَ الَّذِي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ
بَيْرِهِمْ وَقَالَ عُرْوَةُ عَنْ الْبُخَارِيِّ وَغَيْرِهِ
يَصْدُقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَةً وَإِذَا
تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادُوا
يَقْتُلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ

١٨٨-٢١) بَابُ حَدِّ شَأْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
بْنِ يُولُسَ قَالَ حَدِّ شَأْنِ حَاتِمِ ابْنِ
إِسْمَاعِيلَ عَنِ الْجَعْفِيِّ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ
بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ ذَهَبْتُ فِي حَالَتِي إِلَى الشَّيْءِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ
ابْنُ أُخْتِي وَجِعَ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَانِي
بِالْبُرْكَهْ شَمْرُ تَوْصَا فَشَرَبْتُ مِنْ
وَصُوتِهِ شَمْرُ حَمْتُ خَلَفْتُ ظَهْرَهُ فَنَظَرْتُ
إِلَى خَاتَمِ السُّبُوقِ بَيْنَ كَفَيْهِ مِثْلَ
زِرِّ الْحَجَلَةِ

علیہ وسلم کے پاس سے گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ
میرا بھانجا بیمار ہے اپاؤں کے درد سے آپ نے میرے
سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی پھر سب
نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو سے پی بوا پانی پی لیا پھر
آپ کی پیٹھ کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ میں نے مہربوت کو دیکھا
آپ کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایسی تھی جیسے چھپر کٹ
کی گھنٹی۔

فوائد و مسائل | اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے یہ چند حدیثیں ذکر کر دی ہیں۔ ہم نمبر وار ہر حدیث کے فوائد و مسائل
بیان کرتے ہیں۔ حدیث اول کو امام بخاری نے صلوٰۃ و باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور امام
مسلم نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے ماتحت لکھا کہ :-

فِيهِ جَوَارُ التَّبَرُّكِ بِأَشَارِ الصَّالِحِينَ
(یعنی ج ۱ ص ۸۲۴)

کہ اس حدیث سے بزرگمان دین کے آثار کو تبرک
بنانے کا جواز نکلتا ہے۔

یہ واقعہ سفر کا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں ٹھہرو عصر کی نمازیں قصر پڑھیں۔ جس سے واضح ہوا
کہ بحال سفر چار رکعتی فرض دو پڑھے جائیں اور یہ بھی کہ جب سحر اور وغیرہ میں نماز پڑھی جائے تو کوئی چیز ایسی سامنے رکھی
جائے یا گاڑ دی جائے جو سترہ کا کام دے سکے۔ حضور علیہ السلام کے سامنے نیزہ کھڑا ہوا تھا ۲۔ پھر کے لغوی معنی ترک کرنے
اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ ہاجرہ وقت نصف النہار کو کہتے ہیں کیونکہ عرب اس وقت گرمی کی وجہ سے رات میں چلنا ترک
کر دیتے تھے اور گھروں میں بیٹھ رہتے تھے۔ لہذا نصف النہار کے وقت کو ہاجرہ کہنے لگے۔

حدیث دوم، کے ماتحت علامہ کرمانی نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا لعاب مبارک مشک و عنبر سے زیادہ خوشبو
تھا۔ (یعنی ۲)۔ بدو خوش نصیب حضرات، ابو موسیٰ و حضرت بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تھے جنہیں حضور علیہ السلام نے
اپنی گل کا پانی عطا فرمایا اور فرمایا اس کو پی لو اور اپنے چہرہ پر ڈال لو۔ معلوم ہوا کہ بزرگمان دین کے استعمال کئے ہوئے پانی کو
منبرک سمجھنا اور برکت کے لیے اپنے بدن پر ڈالنا جائز ہے۔

حدیث سوم، کو امام بخاری نے کتاب العلم باب منیٰ یصح سماع الصغیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت حمزہ ابن ربیع
کو بھی یہ سعادت حاصل ہوئی کہ حضور علیہ السلام نے ان کے چہرہ پر لگی فرمادی۔ اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی۔

حدیث چہارم، علی حدیث سے متعلق ہے۔ یہ ایک طویل حدیث کا خلاصہ ہے۔ حدیث میں کے موقع پر حضرت مردہ
بن مسعود ثقفی کفارہ کی طرف سے تفتیش حال کے لئے آئے تھے وہاں انھوں نے صحابہ کرام کی حضور علیہ السلام سے دلالت
محبت و عقیدت کو دیکھا۔ انھوں نے نظارہ کیا کہ جب حضور ناک ٹٹکتے تو صحابہ بڑھ کر آپ کے فضلہ کو اپنے ہاتھ میں لے
لیتے اور اپنے چہروں پر لے لیتے۔ جب حضور علیہ السلام وضو فرماتے تو صحابہ کرام وضو کے علاوہ کو حاصل کرنے کے لیے سخت

کو شش کرتے تھے۔ حضرت سرور نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس فعل کو کا دو ابستون علی وضو کے انسانا سے تعبیر کیا۔ حدیث پیچم، کو امام نے طب، دولت، حصہ، انبی میں ذکر کیا۔ سلم نے حصہ، انبی میں، ترمذی نے مناقب میں اور نسائی نے طب میں ذکر کیا۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے حدیث ہذا کے تحت ایک اعتراض کا جواب دینے ہوئے لکھا ہے کہ وَهُوَ يَقُولُ بِطَرِيقَةٍ بَلَوِيَّ وَمَسْأَلِيَّ (یعنی ج ۱ ص ۸۲) اور تمام فضیلت کو پاک قرار دیتے ہیں۔

ان احادیث سے بلا کسی کیفیات تان کے امور ذیل پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت مبارک اور حرم پاک کا وجود طیب و طاهر، باعث برکت موجب حجت ہے۔ صحابہ کرام بھی اس سے برکت حاصل کرتے اور اس کو تبرک جانتے تھے اور اس سے نفع کی امید رکھتے تھے۔ ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے آثار کو تبرک بنانا، تبرک سمجھنا اور نفع کی امید رکھنا بدعت و شرک نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور سنت صحابہ ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تقریری ہے۔

مہربوت یہ حضور سید عالم علیہ السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان گوشت کا اُبھار سا تھا جس کے ارد گرد سیاہ بال تھے۔ صحابہ کرام نے اس کو مختلف الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ مسلم میں میضہ حمامہ کے لفظ آئے۔ یعنی وہ گوشت کا اُبھار کمبوتر کے انڈے کی طرح تھا۔ ترمذی میں کا تنناحہ کا لفظ آیا ہے (یعنی سبب کی طرح تھا خاتم نبوت) میں محمد رسول اللہ کے لفظ دکھائی دیتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاتم نبوت دیکھ کر ہی حضور علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ عیسائی رومیوں اور دین مسیحی کے عالموں نے انہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نشانیاں بتائی تھیں۔ اول یہ کہ خود صدمہ نہ کھائیں۔ دوم یہ کہ بدیہ خود بھی تناول فرمائیں گے۔ سوم یہ کہ ان کے کندھوں کے درمیان مہربوت ہوگی۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ پہلی دو علامتیں تو میں نے حضور میں پائی تھیں مگر تیسری علامت مہربوت نے دیکھنے کا میں شائق تھا اور اسی کے مشاہدہ کے لیے ایک دن میں حضور کی پشت کھڑا ہو گیا کہ کسی طرح مجھے خاتم نبوت نظر آئے۔ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھ کر چار مبارک کو پشت سے علیحدہ کر دیا۔ جونہی مجھے مہربوت نظر آئی میں نے اسے چوم لیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین۔ ابن سعد، یسہقی وابن نعیم)

عیسائی رومیوں کا اپنے مبلغین کو نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کی علامت سے خاتم نبوت کو شمار کرنا اس امر کا اشارہ کرتا ہے کہ شاید کتب سماویہ میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی علامات کا جو ذکر تھا ان میں مہربوت کا بھی ذکر ہو، (واللہ اعلم) بخاری کی زیر تعلیم حدیث میں حبشہ زبر الحجلۃ کے لفظ آئے ہیں۔ جلد و اصل گنبد نما عمارت کو لکھتے ہیں اور چھپر کھٹ کو بھی جملہ کہتے ہیں۔ لکڑی کے تخت کے چاروں طرف بانس باندھ کر اس کو کپڑے سے آراستہ کرتے ہیں اور اس میں بچہ نہ لگا دیتے ہیں، مطلب صرف یہ ہے وہ گوشت کا اُبھار چھپر کھٹ کے بچہ نہ لگنے کی طرح تھا۔

بَابُ مَنْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ عُرْفَةِ وَاحِدَةٍ
باب ایک ہی پتکوں سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا

اس باب کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ بتانا ہے کہ ٹکلی اور ناک میں پانی لینا ایک ہی چلو پانی سے سنت ہے اور امام نے حدیث عبداللہ بن زید سے استدلال کیا ہے جو یہ ہے کہ انھوں نے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا۔

۱۸۹- وَمَضْمَعٌ وَاسْتَنْشَقٌ مِنْ كَفَّةٍ | پھر ٹکلی اور ناک میں پانی ڈالا ایک ہی چلو پانی سے
(بخاری) | تین بار ایسا کیا۔

پھر انھوں نے ہاتھ کنبیوں تک دھوئے (دو دو بار) اور سر کا مسح کیا اور ٹخنوں تک پاؤں دھوئے اور پھر کہا میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔

یہ حدیث امام بخاری نے پانچ مرتبہ ذکر کی ہے اور تین جملے عربی عبارت کے ہم نے یہاں لکھے ہیں یہ ترجمہ باب، احناف کا مسلک یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنے اور ٹکلی کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ پانی کا چلو لینا سنت ہے۔ البتہ ایک ہی چلو سے ٹکلی کی جائے اور ناک میں پانی ڈال لیا جائے تو جائز ہے۔ یہ حدیث اسلاف کے مسلک کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک ہی چلو سے ناک میں پانی ڈالنے اور ٹکلی کرنے کا جو ذکر ہے وہ میان جواز کے لیے ہے اور احناف اس کے منکر نہیں ہے۔ البتہ ان کے نزدیک ناک میں پانی ڈالنے کے لیے علیحدہ پانی کا چلو لینا اور ٹکلی کے لیے علیحدہ پانی لینا سنت ہے جیسا کہ حدیث داؤد میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہر دو کے لیے علیحدہ علیحدہ پانی کا چلو لیا۔ شیخ ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے من کفۃ واحدہ کی ایک اور ہی توجیہ کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ راوی کا مقصود اس جملے سے فصل و رسل نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ مضضمہ واستنشاق کے لیے ایک کف استعمال ہو فقیہ نہیں یعنی وضو کے لیے دیگر اعضا کے دھونے کے لیے دونوں ہاتھ استعمال ہوتے ہیں تو راوی حدیث مذکورہ بالا سے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ٹکلی کرنے اور ناک میں پانی کے لیے ایک ہاتھ استعمال کیا جائے تو نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیلی گفتگو باب الوضو مرتبہ (باب وضو میں ایک ایک بار دھونا) میں ہو چکی ہے۔ فارمین یہ مقام دوبارہ دیکھ لیں۔

بَابُ مَسْحِ الرَّاسِ مَرَّةً

باب سر کا مسح ایک بار کرنا

اس عنوان کے ماتحت بھی امام بخاری نے حدیث عبداللہ بن زید ہی کو ذکر کیا ہے جس میں یہ لفظ آئے ہیں۔

۱۹۰، ۱۹۱- تَمَسَّحَ بِرَأْسِهِ (بخاری) | پھر انہوں نے سر پر مسح کیا۔

یہ حدیث باب غسل الرجلین الى الکعبین (یعنی پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں) حدیث ۱۸۵ گزر چکی ہے

حدیث کے مذکورہ بالا جملہ سے واضح ہوتا ہے کہ سر کا مسح ایک بار کرنا سنت ہے۔ چنانچہ وجیب کی روایت میں مَسَّحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً کے لفظ موجود ہیں (بخاری)۔ واضح ہو کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سر کا مسح تین بار کرنا مکمل ہے وہ حدیث علی و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں یہ مذکور ہے کہ ان دونوں حضرات نے تین بار سر کا مسح کیا لیکن ان دونوں حدیثوں میں کلام ہے اور مجاہد، حسن بصری، امام ابو حنیفہ و محمد بن یوسف و ابو نصر جراح صحابہ شافعی

تے ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے نزدیک ایک بار مسح کرنا سنت ہے۔ ان حضرات کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) بخاری و مسلم میں حضرت عثمان و عبداللہ بن زید کی حدیث میں مسح کا عدد مذکور نہیں ہے۔ حالانکہ باقی اعضاء کے تخلیق بن تین بار کا ذکر ہے (۲) حدیث علی و ابن ابی اوفی و ابن عباس و سلمہ بن اکوع و یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب میں ایک بار ہی مسح کرنے کی تصریح ہے۔ حدیث علی کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا حسن صحیح ہے (۳) امام بیہقی نے فرمایا کہ حضرت عثمان سے بخیرین بار مسح کرنا مروی ہے غریب ہے اور حفاظ ثقات کے خلاف ہے اس لیے حجت نہیں (۴) امام ابوداؤد نے فرمایا کہ حضرت عثمان سے اس بارے میں جو صحیح حدیثیں ہیں وہ اس پر دال ہیں کہ سر کا مسح ایک بار ہی ہے (نیل الاوطار) ابن خزیمہ نے حدیث عبداللہ بن عمر و ابن عباس کو صحیح کہا۔ اس میں یہ آیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو سے فارغ ہو کر مسح فرمایا اور روایت سعید بن منصور میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے ایک بار سر کا مسح کیا تھا۔

من نراد علی هذا فقد اساء وظلّموا (یعنی جڑاؤ) جس نے اس پر زیادتی کی اس نے برا کیا اور ظلم کیا اس حدیث سے بھی تین بار مسح کرنے کی سنوینت کی نفی ہوتی ہے اور اس سلسلہ کی حدیثوں کے الفاظ یہ ہیں:-

- (۱) حدیث عبداللہ بن زید: مسح راسہ بیدیه (بخاری) (۲) حدیث حضرت عثمان غنی: مسح مسح براسہ (بخاری) (۳) حدیث عبداللہ بن زید: مسح راسہ فا قبل بهما وادبر مرة واحده (بخاری) (۴) حدیث ویب: مسح راسہ مرة (بخاری) (۵) حدیث علی و مسح براسہ مرة (ترمذی و صحیح) (۶) حدیث علی مسح براسہ واحدة (ابوداؤد) (۷) حدیث عائشہ: مسحت راسها مسحاً واحدة (نسائی) (۸) حدیث حضرت انس: مسح براسہ مرة (طبرانی) (۹) حدیث سلمہ بن اکوع: و مسح براسہ مرة (۱۰) حدیث ربیع: مسح راسہ ما قبل منه و ما ادبر و صد عنیه و اذنیہ مرة واحدة (ترمذی) (۱۱) حدیث حسین بن علی مسح براسہ مرة واحده (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

توضیح یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک تین بار مسح کرنا اور ہر بار نبٹے پانی سے ہاتھ کو تر کر کے مسح کرنا سنت ہے۔ اب اس سلسلہ کی جھڑھ حدیثیں ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کس پایہ کی ہیں۔ ان میں جو لفظ ملتے ہیں وہ صرف یہ ہیں:-

مسح ثلاثہ مراتب

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار مسح کیا

میرا مقصد یہ بتانا ہے کہ ہر بار مسح کی حدیثوں میں تین بار مسح کا ذکر تو ہے مگر اس کی تصریح کسی روایت میں بھی نہیں ہے کہ تین بار مسح ہر بار نبٹے پانی سے ہاتھ تر کر کے کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی تین بار مسح کرنا جائز تو ہے۔ بشرطیکہ ایک دفعہ ہاتھ تر کر کے کیا جائے۔ ہر بار ہاتھ کو نبٹے پانی سے تر کر دیا جائے چنانچہ صاحب ہدایہ نے تصریح کی واللہ یدوی من التلیث محمول علیہ بماء واحد (ہدایہ) (۱) اویس (۲) غریبہ تثلیث مسح کی حدیثوں کا مطلب سمات مستفاد نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد استیعاب اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی سنون ہے۔ فافہم۔

بَابُ وُضُوءِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ وَفَضْلُ وُضُوءٍ

باب مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ مل کر وضو کرنا اور عورت کے وضو سے جو پانی بچ جائے

اس کا استعمال کرنا

الْمَرْأَةِ وَتَوَضَّاءُ

عَمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِالْحَمِيدِ

وَمِنْ بَيْتِ نَصْرَانِيَّةٍ

اور حصر۔ عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی سے وضو کیا اور ایک نصرانی عورت نے گھڑے میں لے کر استعمال کیا۔

عنوان ہذا کا مقصد یہ ہے کہ عورت و مرد مل کر اگر کسی برتن سے وضو کریں تو جو پانی بچے، اسی طرح گرم پانی سے وضو کرنا بھی جائز ہے، نیز کافر نے گھر کا پانی جب کہ اس کے ناپاک ہونے پر دلیل نہ ہو استعمال کیا جاسکتا ہے اور قرآن میں جو "انما المشرکون نجس" آیا ہے اس سے نجاست اعتقادی مراد ہے۔

فوائد مسائل

کفار کے کنوئیں اور برتن کے پانی کا حکم علامہ عینی نے فرمایا کہ اس اثر سے کفار کے کنوئیں اور برتنوں سے پانی کے استعمال کا جواز نکلتا ہے لیکن ان کے برتنوں، کپڑوں، خواہ اہل کتاب یہودی و نصاریٰ ہی ہوں نہ ہو استعمال کرنا مکروہ ہے (عینی ج ۱) اسی لیے فقہار احناف نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اور ہنود کے برتن اگر کسی مسلمان نے خرید لیے تو ان کو دھونے سے پہلے استعمال کرنا مکروہ ہے (ذخیرہ)

گرم پانی سے وضو غسل کرنے کے مسائل (۱) اتنے گرم پانی یا اتنے سرد پانی سے وضو و غسل مکروہ ہے جو بدن پر اچھی طرح نہ ڈالا جاسکے اور تکمیل سنت نہ کرنے سے اور اگر ایسا

پانی گرم یا سرد ہے کہ فرض پورا کرنے سے روکے تو پھر ظاہر ہے کہ وضو و غسل ہو گا جب نہیں (۲) اوپلوں سے گرم کئے ہوئے پانی سے وضو و غسل سے احتیال برص ہے، اس سلسلہ میں اختلافات بکثرت ہیں مگر قول صحیح و ارجح یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ علیحدت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب منتہی الآمال میں ثابت کیا ہے (۴) اپنی بیوی کے بچے ہوئے پانی سے وضو و غسل کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ ہاں غیر حرم عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو و غسل کرنے کو ہمارے فقہائے مکروہ لکھا ہے کیونکہ اس میں فساد و نیت کا خطر ہے۔

۱۹۲- اَسْتَأْذَنُكَ اَنَّ الرَّجَالَ وَالنِّسَاءَ

يَتَوَضَّأُونَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيعًا (بخاری)

حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ مرد اور عورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک برتن سے وضو کیا کرتے تھے (یعنی پر دو کا حکم آنے سے پہلے)

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) صحابا جب کسی فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرف نسبت کرے تو اس کو رفع کا حکم دیا جائے گا۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے (۲) عورت اور

فوائد مسائل

مرد مل کر اگر ایک ہی برتن سے وضو کریں تو جائز ہے (۳) عورت وضو کر چکی اب برتن میں جو پانی باقی ہے اس سے وضو کرنا جائز ہے (۴) بعض شارحین نے حدیث زیر بحث کا مطلب یہ لیا ہے کہ پانی تو ایک ہی برتن میں ہوتا تھا اور پہلے عورتیں وضو کر کے فارغ ہو جاتی تھیں۔ پھر مرد آتے اور وضو کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ یکدم اکٹھے عورتیں و مرد ایک

ہی برتن سے وضو نہیں کرتے تھے یا اگر کرتے بھی تھے تو یہ واقعہ پر وہ کے مکم کے نزول سے پہلے کا ہوگا۔

بَابُ حَبَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وسلم نے

اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ایک بیہوش آدمی پر ڈالا حضرت جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیماری پر سی کے لیے تشریف لائے میں ایسا بیمار تھا کہ بالکل بیہوش تھا۔ آپ نے وضو کیا اور اپنے وضو کے بچے ہوئے پانی کو مجھ پر ڈال دیا۔ مجھے ہوش آگیا۔ میں نے عرض میرا وارث کون ہوگا میں تو کالا ہوں تب آیت فرائض نازل ہوئی۔

وَصُورُهُ عَلَى النَّعْلِ عَلَيْهِ
۱۹۳۔ يَقُولُ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعُو دُفِي وَأَنَا مَرِيضٌ لَا أَعْقِلُ فَتَوَضَّأَ وَحَبَّ عَلَى مَنْ وَصُورِيهِ فَعَقَلْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنِ الْمِيرَاثُ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ فَفَرَكَتْ أَيْتَةَ الْفَرَائِضِ

فوائد ومسائل

اس حدیث کو امام نے طب و فرائض میں ذکر کیا۔ مسلم نے فرائض میں۔ نسائی نے طب، طہارۃ اور تفسیر میں (۲) علامہ ابن بطلان نے کہا۔ اس حدیث سے ماہستعل کے پال ہونے کا ثبوت ملتا ہے لیکن ظاہر ہے یہ بات اس حدیث سے قطعی طور پر ثابت نہیں ہوئی۔ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو پانی برتن میں وضو کرنے کے بعد باقی رہ گیا تھا وہ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) پر ڈالا ہو اور اس کا پاک ہونا مسلم ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ حضور علیہ السلام کے جسم پاک کا دھوون ہی تھا تو اس کے طیب و طاهر ہونے میں کس کو کلام ہے (۳) علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا صالحین کے جھوٹے پانی سے برکت کی امید رکھنا جائز ہے۔ (دفعہ دلیل) علیٰ ان بركة بيد رسول الله عليه وسلم نزول كل علة (۴) اس میں اس امر پر بھی دلیل ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کی برکت سے ہر بیماری دور ہو جاتی ہے (یعنی ج ۱ ص ۸۳) (۵) مسلمان اور خصوصاً مغرب مسلمان کی عیادت کرنا مسنون ہے اور باعث ثواب ہے (۵) بڑے چھوٹوں کی عیادت کو جائز ہے۔

کلالہ کے معنی | فرائض جمع ہے فریضہ کی اور یہاں اس سے مراد ورثہ کے وہ حصے ہیں جو قرآن مجید میں مقرر فرمائے گئے ہیں۔ کلالہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے بعد نہ باپ کو چھوڑے نہ اولاد کو۔ آیت یہ ہے۔ يَسْتَفْتُونَكَ

قُلِ اللَّهُ يَفْتَكُمُ فِي الْكَلَالَةِ الخ اس آیت کا شان نزول حدیث زیر بحث ہی ہے، جب حضور علیہ السلام نے حضرت جابر پر اپنا آب وضو ڈالا تو وہ صحت یاب ہو گئے۔ دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حلوہ فرما ہیں۔ عرض کی سرکاری اپنے مال کا کیا انتظام کروں۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (بخاری والرداؤد) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور اکرم نے حضرت جابر سے فرمایا۔ میرے علم میں تمہاری موت اس بیماری سے نہیں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کا آپ خدمت تبرک ہے اور اس کو حصول شفا کے لیے استعمال کرنا سنت ہے۔ مریضوں کی عیادت بھی سنت ہے۔

بَابُ الْغُسْلِ وَالْوُضُوءِ فِي الْمَخْضَبِ

باب مگن پیالے اور لکڑی اور پتھر

وَالْفَتْحِ وَالْحَشْبِ وَالْحِجَارَةِ | کے برتن سے غسل اور وضو کرنا (جائز ہے)

مخضب۔ اس برتن کو کہتے ہیں جس میں کپڑے دھوئے جائیں یعنی مرن۔ قدح کی جمع اقداح ہے جس میں پیاجائے یعنی پیالہ۔ خشب لکڑی کو کہتے ہیں۔ حجارة سے مراد تمام جواہر ارض جیسے لوہا، پیتل، تانبا، پتھر اور تمام وہ اشیاء جن کے برتن وغیرہ بنتے ہیں۔

۱۹۴۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَخَافَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ إِلَى أَهْلِهِمْ وَبَقِيَ قَوْمٌ فَخَافُوا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ فَصَغُرَ الْمَخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ فَنَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ قُلُتَا كَمْ كُنْتُمْ قَالَ ثَمَانِينَ وَزِيَادَةً

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ (عصر کی) نماز کا وقت آگیا تو جس کا گھر قریب تھا وہ تو اپنے گھر (وضو کرنے) کو گیا اور کچھ لوگ رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پتھر کی ایک لگن لائی گئی جس میں پانی تھا، وہ اتنی چھوٹی تھی کہ حضور علیہ السلام اپنی ہتھیلی اس میں پھیلا نہ سکے لیکن باوجود اس کے سب لوگوں نے اسی سے وضو کیا۔ حضرت انس رضی اللہ

تو پوچھا کہ اس وقت وضو کرنے والے کتنے تھے فرمایا اتنی سے کچھ زیادہ (بخاری)

قوائد و مسائل | (۱) اس حدیث کو امام نے علامات نبوة میں بھی ذکر کیا۔ امام سلم نے یوں روایت کیا کہ حضور علیہ السلام مقام زوراء میں تھے۔ وضو کرنے کے لیے پانی کی ضرورت ہوئی تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک پیالہ لایا گیا جس میں پانی تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس میں رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی نکلنے لگا اور اسی پانی سے تمام صحابہ کرام نے وضو کیا (۲) یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) انگلیوں سے پانی نکلنا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم و جلیل معجزہ ہے (۲) برتن خواہ لکڑی کا ہو یا کسی اور دھات کا تانبا، پیتل، پتھر وغیرہ کا استعمال کرنا بلا کر اہمیت جائز ہے۔ البتہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال حرام دنا جائز ہے۔

۱۹۵۔ عَنْ أَبِي مُرْسَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا يَفْتَدِحُ فِيهِ مَاءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ وَجَّعَ فِيهِ (بخاری شریف)

قوائد و مسائل | (۱) یہ حدیث باب استعمال فضل وضو اناس میں حدیث ۸۶ میں مع تقسیم کے گزر چکی ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پانی کو تبرک کرنے کے لیے کبھی اس میں کلی فرمادیا کرتے تھے اور کبھی ہاتھ اور چہرہ مبارک دھو دیا کرتے تھے۔ یہ پانی صحابہ کرام بطور تبرک حاصل کرتے۔ بیماروں کو پلایا جاتا ترصحت یاب ہو جایا کرتے تھے۔ (۲) اس حدیث ۱۹۶ کے بعد امام نے ایک حدیث لکھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم نے (ماء فی

تَوَرُّمٌ صَغِيرٌ، پتیل کی لگن میں پانی پیش کیا۔ آپ نے اس سے وضو فرمایا۔

واضح ہو کہ امام بخاری نے اس مضمون کی جتنی حدیثیں لکھی ہیں۔ ان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ تانبے پتیل وغیرہ جواہر ارض کے برتن سے وضو کرنا، اس میں کھانا پینا سب بلا کراہت جائز ہے۔ ایسے برتنوں سے وضو کرنے میں کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ ہاں بغیر قلعی کے برتن میں کھانا پینا مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قلعی کا برتن جہاں ضرر کا باعث ہے اور مٹی کا برتن تانبے پتیل کے برتن سے اچھل ہے۔ علمائے وضو کے آداب و مستحبات سے یہ بھی شمار کیا ہے کہ مٹی کے برتن سے وضو کیا جائے۔ اسی طرح مٹی کے برتن میں کھانا کھانا توضیح کے قریب تر ہے۔ (رد المحتار)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سخت ہو گئی تو آپ نے اپنی ازواج سے میرے گھر میں تیمار داری ہونے کی اجازت لی۔ سب نے اجازت دیدی۔ آپ دو آدمیوں (عباس و علی) کے سہارے تشریف لائے۔ آپ کے دونوں پاؤں سے زمین پر کھیر کھینچتی جا رہی تھی۔ وہ دو آدمی عباس تھے اور ایک اور۔ عبید اللہ نے کہا میں نے یہ حدیث عبد اللہ بن عباس سے بیان کی۔ انھوں نے کہا تو جانتا ہے کہ وہ دوسرے شخص کون تھے۔ میں نے کہا نہیں فرمایا وہ علی ابن ابی طالب تھے اور حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں آگئے اور آپ کی بیماری زیادہ ہو گئی تو آپ نے فرمایا مجھ پر ایسی سات مشکیں بہاؤ جن کے مٹہ نہ کھوسے گئے ہوں تاکہ میں لوگوں کو وصیت کر سکوں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک لگن میں جو جوڑنا بنے کی تھی، بٹھایا گیا اور ہم نے آپ پر مشکیں بھانا شروع کیں۔ یہاں تک آپ نے اشارہ سے فرمایا۔ تم

۱۹۷۔ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُتِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَدْبِرَهُ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَرْوَاحُهُ فِي أَنْ يَمْرُضَ فِي بَيْتِي فَاذْنُ لَهُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخْطُرُ رَحْلَاهُ فِي الْوُضْئِ بَيْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ أَحَدٌ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ اسْتَدْبِرَ مِنَ الرَّجُلِ الْأَخَرِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلَى بَابِي طَالِبٌ وَكَانَتْ عَائِشَةُ تُحَدِّثُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَعْدَ مَا وَخَلَ بَيْتَهُ وَاسْتَدْبِرَهُ وَجَعُهُ هَرَيْعُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قَدَرٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْ كَيْفَ تَهْنَأُ لِكُلِّ أَحَدِهِ إِلَى الشَّاهِدِ وَأُجْلِسَ فِي مَحْضَبٍ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَفِقْنَا نَضْبُ عَلَيْهِ تِلْكَ حَتَّى طَفِقَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ قَدْ فَعَلْنَا ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَنَاسِبِ (بخاری)

اپنا کام پورا کر چکیں۔ پھر آپ لوگوں پر برآمد ہوئے۔

نوائد و مسائل | اس حدیث کو امام مسلم نے صلوٰۃ میں نساء نے عشرۃ النساء و وفات میں، ترمذی نے جنازہ میں اور امام بخاری نے اس حدیث کو تقریباً سات جگہ ذکر کیا ہے۔ یہاں ہم نے پوری حدیث لکھ دی ہے۔ آئندہ جس عزمان کے ماتحت یہ حدیث آئے گی ہم پوری حدیث نہیں لکھیں گے بلکہ عنوان کے مناسب الفاظ نقل کریں گے۔ یہ

حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) شوہر کو اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل کرنا واجب ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے باری مقرر فرمادی تھی لیکن اس مرض میں حضور اکرم کا فطری رجحان یہ تھا کہ جناب عائشہ صدیقہ کے ہاں یہ ایام گزاریں۔ اس لیے آپ نے اپنی باقی ازواج سے اجازت مانگی اور انھوں نے جوہی اجازت دیدی تب حضور علیہ السلام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں آگئے (۲) خاندان کے فرد اعلیٰ یا حاکم کو بوقت وفات ضروری امور کی وصیت کرنا اور ان کی طرف خصوصی توجہ دلانا مستحب ہے (۳) بیتل، تانبے وغیرہ کے برتن میں بیٹھ کر نہانا جائز ہے (۴) مریض پر برہنیت دوار و شفا پانی بہانا جائز ہے۔ اس سے بزرگوں کے ٹوٹکوں کے جواز کا ثبوت بھی ملتا ہے، بشرطیکہ وہ خلاف شریعت نہ ہوں (۵) سات مشک پانی ڈالنے کے حکم کی اصل حکمت تو اللہ کا رسول ہی جانتا ہے۔ ویسے شارحین نے لکھا ہے کہ سات کا عدد متبرک ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہت سی اشیا سات پیدا کی ہیں اور سات کا عدد تو رحیمی ہے اور جدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وتر پسند ہے (۶) حضور علیہ السلام نے ایسی سات مشکبیں ڈالنے کا حکم فرمایا ہے جن کے مٹنے نہ کھولے گئے ہوں۔ اس کی حکمت یہ ہوگی کہ پانی بالکل صاف و پاک ہو اور دست و برد سے محفوظ ہو (۷) اس حدیث سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں قیام فرمانا محبوب جانا (۸) یہ سات عدد مشک ڈالنے سے حضور شفا یاب ہو گئے۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ حضور علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اس طریقہ سے میں شفا یاب ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عینی ج ۱ ص ۸۲ (۹) طبرانی کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام نے سات عدد کنوؤں کا پانی طلب فرمایا تھا۔ اس نوع کی شرطیں بزرگوں کے عملیات و تعویذات میں بھی ہوتی ہیں جو غالباً اسی حدیث مانور ہیں فافہم

بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ الشَّوْرِ

باب تود سے وضو کرنے کے بیان میں

واقف معراج کے متعلق جو حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں یہ لفظ ہیں۔ فانی بطشت من ذہب۔ اس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ تود کے معنی لوٹنے کے ہیں کیونکہ طشت کے ساتھ لوٹنے کی طرز کا ایک برتن ہوتا ہے۔ اس باب کے ماتحت امام نے حدیث عبداللہ بن زید ذکر کی ہے۔ جس میں وضو کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ حدیث گوشہ ۱۹۸۔ اور ان میں مع تفہیم کے ترجمہ بھی ہے اس میں یہ ہے۔ فدعا تود کہ انھوں نے پانی کا ایک لونا منگوا یا۔ یہی ترجمہ باب ہے اور اس سے تانہا بیتل وغیرہ کے لوٹنے سے وضو کرنے کا جواز نکلتا ہے (۲) امام نے اس باب میں حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ذکر کی ہے جس میں یہ لفظ ہیں :-

۱۹۹۔ دَعَا بِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ فَتَنَاحٍ بِعَدَجٍ
(بخاری شریف)

حضور علیہ السلام نے پانی کا ایک برتن منگوا یا تو ایک ایسے پیالہ میں آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا جس کا منہ چوڑا تھا اور اس میں تھوڑا سا پانی بھی تھا۔

اس کے بعد مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس پیالہ میں رکھ دیا۔ حضرت

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی انگلیوں سے پانی جوش مارتے ہوئے دیکھا۔ اس ایک پیالہ سے وضو کرنے والے صحابہ منتر یا اتنی کے قریب تھے۔ اس مضمون کی حدیث پہلے گزری ہے۔ اس سے بھی پیالہ سے وضو کر نیک جواز ٹھکانا۔

بَابُ الْوُضُوءِ بِالْمُدِّ

باب ایک مد پانی سے وضو کر نیک بیان

مُحَمَّدٌ: اِمَامُ شَافِعِي عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ وَاهْلُ حِجَازٍ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ حَدَّثَنَا رِجَالٌ مِنْ رِجَالِهِ عَنْ اِمَامِ عِظَمِ ابُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ كَيْ نَزْدِيكَ مُدَّ وَرِطْلٍ كَا بَعْزٍ - اِمَامُ عِظَمِ حَدِيثُ ذِيْلٍ سَعِ اسْتِدْلَالُ كَرْتِي هِي -

۲۰۰ - كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِمُدِّ رَطْلَيْنِ وَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ شَانِيَةً ارْطَالٍ (واقطنی وابن عدی)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مد پانی سے وضو فرمایا۔ ایک مد دو رطل کا تھا اور ایک صاع پانی سے غسل فرمایا جو آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

مد اور صاع کا وزن | صاع کا ایک پیالہ ہے۔ چار مد کا، اور مد جس کو تن بھی کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک دو رطل ہے اور رطل شرعی (غیر منقسم ہندوستان میں جو چاندی کا روپیہ رائج تھا) چھتیس روپے بھر ہے کہ رطل میں استرا کا ہوتا ہے اور استرا ساڑھے مہ مثقال کا۔ ایک مثقال ساڑھے مہ ماشہ کا اور چاندی کا سابقہ مروجہ روپیہ سو اسی گیارہ ماشہ یعنی ڈھائی مثقال ہے تو رطل شرعی کہ توئے مثقال ہوا۔ ڈھائی پونچھتیس سے چھتیس آئے تو صاع کہ ہمارے نزدیک آٹھ رطل ہے۔ دو سو اسی روپے بھر ہوا۔ لہذا اسی تولہ کے سیر کے حساب سے صاع کا وزن ۳/۴ سیرہ تولہ ہوا اور دو رطل کا ہے۔ ایک رطل چھتیس روپے بھر ہوا۔ اس حساب سے مد کا وزن ۱۰ تولہ سیر کے مطابق تین پاؤ ۲ چھٹانک دو تولہ ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے لے کر پانچ مد پانی کی (مقدار) تک غسل فرماتے اور ایک مد پانی سے وضو کرتے۔

يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ أَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ الْحِمْصَةِ أَمْدَادٍ وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ (بخاری شریف)

قَوَامِدُ وَمَسَائِلُ | یہاں چند امور قابل غور و فکر ہیں۔ ۱۔ اول، حدیث مذکورہ میں مد و صاع سے پانی کا اندازہ بنایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ پیمانے اناج کے لیے ہوتے ہیں۔ پانی کیل نہیں کہ اس کے لیے کوئی مد یا صاع علیحدہ مقرر ہو۔ فقہاء احناف نے تصریح کی۔ پانی قیہی ہے کیل و موزوں نہیں۔ لہذا صاع اور مد سے پانی کا جو اندازہ بتایا گیا ہے۔ اس سے یہ منہم نہیں لیا جائے گا کہ صاع یا مد میں جب قدر اناج آجائے اس کے وزن کے برابر پانی ہو بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ صاع یا مد بھر پانی سے وضو اور غسل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ پانی اناج سے بھاری ہوتا ہے۔ ایک صاع یا مد میں جس قدر اناج کے دانے سمائیں گے ان کا وزن یقیناً ایک صاع یا مد میں جو پانی

آئے گا، اے کم ہی ہوگا۔ اسی لیے شارحین کرام علامہ عینی و علامہ قسطلانی علیہما الرحمۃ نے باب الغسل من الصاع کی تفسیر ان لفظوں سے کی۔ ”ای بالما قد وصل الصاع“ فافهم

دوہر، یہ صاع کس اناج کا تھا؟ ظاہر ہے کہ اناج ہلکے بھاری ہوتے ہیں۔ جس پیمانے میں تین سیر جو آئیں گے، گیسوں تین سیر سے زائد آئیں گے اور ماش اور بھی زائد، اسی طرح دو قم کے گیسوں اگرچہ ایک ہی پیمانے میں لیے جائیں وزن میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ امام صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں صاع سے گیسوں کا صاع مراد لیا ہے اور علامہ شامی نے رد المحتار میں جو کا صاع احط قرار دیا اور یہ ہونا بھی چاہئے۔ اس لیے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جو ہی عام طور پر پائے جاتے تھے۔ گیسوں کی کثرت زمانہ امیر معاویہ میں ہوئی۔ صحیح ابن خزیمہ میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ۔

”لَوْ تَنَكَّنَ الْمَصَدَقَةُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْمَتَسِرَ وَالْمَذْبِيبَ وَالشَّعِيرَ وَلَمْ تَنَكَّنِ الْحَنْظَلَةَ“

بخاری شریف میں جناب ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ کان طعام يومئذ الشعير۔ قطع نظر اس کے یہ تو ظاہر ہے کہ نہ و صاع کا اطلاق نہ و صاع جو کو بھی شامل تو اس پر عمل ضرور اتباع حدیث کی حد میں داخل۔ مسوہ، اس باب میں جو حدیثیں آتی ہیں وہ یہ ہیں: (۱) حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مد سے وضو فرماتے اور ایک صاع سے لے کر پانچ مذک غسل فرماتے (بخاری) ۲۔ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں ہے۔ ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع سے غسل فرماتے (مسلم و ترمذی، طحاوی وغیرہ) ۳۔ حدیث عبد اللہ بن زید میں ہے۔ تو وضو شکلت، المد۔ حضور علیہ السلام نے ایک تنائی مد سے وضو فرمایا (حاکم) ۴۔ حدیث ام عکروہ میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا چاہا تو ایک برتن لایا گیا جس میں دو تنائی مد کے برابر پانی تھا (قدرد شکی المد) ابو داؤد و نسائی۔ اور وضو میں حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ یہ تھی کہ ہر وضو کو تین تین بار دھوئے اور کبھی دو بار بھی اعضاء دھوئے اور کبھی ایک ہی بار دھونے پر اکتفا فرمایا تو غالباً جب ایک بار اعضاء کریمہ و صو کے تو تنائی مد پانی اور دو دو بار میں دو دو تنائی مد اور تین تین بار پورا مد پانی خرچ ہوتا ہوگا۔ ۵۔ اور ابو داؤد، نسائی و طحاوی و مسلم و بخاری میں نہ نہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت یوں ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِمَلُوكٍ وَيَفْتَسِلُ بِخَمْسَةِ مَلَاكٍ

قاموس صحاح وغیرہ کتب لغت میں بتایا گیا کہ کوک تین کیلہ کا ہوتا ہے اور کیلہ نصف صاع کا تو کوک ڈیڑھ صاع کا ہوا۔ اس حساب سے وضو کے لیے چھ مد پانی ہوا۔ لیکن امام طحاوی نے فرمایا کہ احتمال ہے کہ حدیث مذکور میں کوک سے مراد مد ہے کیونکہ مد کو کوک سے بھی مرسوم کیا جاتا ہے۔ تاہم ابن اثیر جزیری میں ہے کہ کوک سے مراد مد ہے اور کہا گیا کہ کوک سے مراد صاع ہے لیکن مراد لینا اثبہ ہے کیونکہ دوسری حدیث میں کوک کی تفسیر مد سے مروی ہے۔ لہذا راجح یہ ہے کہ حدیث

مذکورہ میں کوکب سے مدد ملا دیا جائے۔ غرضیکہ وضوء کے پانی کے متعلق جو آثار وارد ہوئے ہیں ان میں پانی کی کم سے کم مقدار بتائی
مذکورہ زیادہ سے زیادہ مقدار ایک مد ہے۔ اور ایک مد کی تصریح تو متعدد احادیث مرفوعہ میں موجود ہے مثلاً حضور علیہ السلام
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یَجْزِي مِنَ الْمَسْنُونِ مَد (طبرانی، احمد، حاکم، بیہقی) | کہ وضوء کے لیے ایک مد پانی کافی ہے
غسل کے متعلق اب غسل کے متعلق روایات و آثار پر غور کیجئے۔ جناب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:-

(۱) انھا تَفَسَّلُ هِيَ وَالتَّبَيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِسَاءَةٍ وَاحِدٍ يَسْغِي ثَلَاثَةً
وَمَدًا أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ (مسلم شریف)

وہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے
غسل فرماتے جس میں تین مد یا اس کے قریب
پانی کی گنجائش ہوتی۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ دونوں کا غسل اسی تین مد
پانی سے ہو جاتا تو ایک غسل کو گویا ڈیڑھ مد پانی رہا۔ ظاہر ہے کہ ڈیڑھ مد پانی سے غسل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے علمائے
اس کی متعدد وجوہیں کہیں۔ علامہ قاضی عیاض نے فرمایا کہ اس حدیث میں ہر ایک کے مجزاء غسل کا بیان ہے
کہ حضور علیہ السلام اسی ایک برتن سے جس میں تین مد پانی آتا تھا، غسل فرماتے اور اسی طرح حضرت عائشہ بھی فرماتیں
یعنی برتن تو ایک ہوتا تھا مگر پانی کی مقدار ہر غسل کے لیے تین تین مد ہوتی تھی لیکن اس توجہ پر یہ معقول اعتراض پڑتا
ہے کہ بخاری و مسلم کی دوسری روایتوں میں یہ لفظ بھی موجود ہیں کہ مِنْ إِسَاءَةٍ وَاحِدَةٍ وَبَيْنَهُ وَاحِدٌ فَيَسَاءُ دَرَفِي
حَتَّى أَقُولَ دَعْنِي۔ اور سنائی کے یہ لفظ ہیں کہ مِنْ إِسَاءَةٍ وَاحِدَةٍ يَسَاءُ دَرَفِي وَابَادِرْهُ حَتَّى يَقُولَ دَعْنِي وَ
أَنَا أَقُولُ دَعْنِي کہ جب حضور علیہ السلام اور میں ایک ہی برتن سے نہاتے تو میں کہتی میرے لیے پانی چھوڑ دیجئے اور حضور
افس فرماتے میرے لیے چھوڑ دینا۔ حدیث میں یہ تصریح مذکورہ بالا توجہ کو بالکل ثابت کر دیتی ہے اور اس سے یہ
واضح ہوتا ہے کہ صرف تین مد پانی ہی سے حضور علیہ السلام اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غسل فرماتے تھے۔

بعض شراح حدیث نے فرمایا کہ یہاں مد سے مراد صاع ہے۔ لیکن مد بمعنی صاع آنا مختلف دلیل ہے اور کتب
لغت صراح، قاموس، تاج العروس، مختار، ہایہ، مختصر السیوطی، مختار، صحاح، مصباح المنیر، لغات
حدیث و طلبہ الطلبہ۔ حتیٰ کہ مجمع البحار میں بھی اس کی تصریح نہیں ملتی کہ مد کا اطلاق صاع پر بھی آتا ہے۔

علامہ نووی نے فرمایا کہ حدیث میں زیادہ کا انکار نہیں ہے۔ حضور اکرم و ام المؤمنین متاثر تین جہ پانی سے نہاتے ہوں
اور جب پانی ختم ہو چکا تو اور بے لیا ہو۔ لیکن اس توجہ پر ذکر مقدار فرمانا کہ برتن میں تین مد پانی آتا تھا، عبث و بیکار
ہوا جاتا ہے (واللہ اعلم)

فنا شدہ۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شوہر اور بیوی دونوں ایک برتن سے ایک ساتھ غسل جنابت کریں اگرچہ
باہم مترد ہو اور اس وقت غسل سے تخلیقات کریں۔ مثلاً یہ کہیں کہ میرے لیے پانی رہنے دو یا صابن اٹھا دو یا

یا تولیہ پکڑا دو وغیرہ وغیرہ تو جائز ہے۔

(۲) موطا امام مالک۔ وصحیح مسلم و ابوداؤد میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

کہ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرق برتن سے غسل جنابت فرماتے۔

اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ هُوَ الْفِرَقُ مِنَ الْجَنَابَةِ

فرق میں اختلاف ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عقیلین نے فرمایا۔ الفرق ثلثہ: اصح۔ فرق صرف تین صاع کا ہوتا ہے۔ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ جہور کے نزدیک فرق تین صاع کا ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ بعض کا قول یہ ہے کہ فرق دو صاع کا ہے۔ علامہ نجم الدین نسفی نے طلبہ الطہرین نہابہ ابن اثیر و صحاح الجوهری اور ابوداؤد نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا کہ فرق تسوکر رطل کا ہوتا مگر درحقیقت یہ اختلاف نہیں ہے کیونکہ دو صاع عراقی تسوکر رطل کا ہوتا ہے۔ اور تین صاع حجازی بھی تسوکر رطل کا ہوتا ہے۔ بہر حال غسل کے لیے پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار جو وضو صریح ہے وہ حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی میں ہے۔ جس میں پانچ مد پانی تک سے غسل فرمائے گا ذکر ہے اور غسل کے باب میں ارشاد و قولی ایک صاع ہے۔

امام اجل طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ غسل کے لیے جو صاع بھر پانی مقرر ہے اس میں وہ وضو مراد نہیں ہے **فائدہ** جو غسل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعنی صاع بھر پانی صرف غسل کے لیے ہے اور وہ جو اکثر احادیث میں ایک صاع اور حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانچ مد آیا ہے اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ ایک مد پانی وضو کا ایک صاع غسل کا۔ برتن غسل کے لیے کل پانچ مد ہونے۔ طحاوی، مؤرخین یہ وہ امور تحقیق ہیں جو شراحین حدیث نے وضو و غسل کی حدیثوں سے متعلق ارشاد فرمائے ہیں۔

کیا وضو و غسل کے لیے پانی کی مقدار متعین ہے؟ ان تمام حدیثوں پر غور و فکر کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ وضو و غسل کے لیے پانی کی مقدار معین نہیں ہے

اور غسل بھی یہی چاہتی ہے کہ مقدار معین نہ ہو، کیونکہ ایک لمبا چوڑا دوسرا ڈبلا پیتلا، ایک کے تمام اعضاء پر بال، دوسرے کا بدن صاف، ایک گھنی ڈاڑھی والا، دوسرا بے لیش، ایک کے سر پر گھنے بال، دوسرے کا سر منڈھا ہوا، اعلیٰ ہذا لیاک سب کے لیے ایک مقدار مقرر کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے وضو و غسل میں جس مقدار میں پانی استعمال فرمایا اس میں بھی اختلاف ہے اور اس کا پایا جانا بدیہی ہے اور اس کی وجہ حالات کا تفاوت ہے اور حدیث میں جو صاع اور مد کا ذکر آیا اس سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے غسل ہو سکتا ہے (یعنی ادنیٰ قدر سنت مد و صاع سے ادا ہو سکتی ہے) چنانچہ ائمہ دین و علماء متقین مثل امام زکریا یوئی امام محمد و بدر عینی، امام محمد بن امیر الحانج و ملا علی قاری نے فوی شرح مسلم، عینی شرح بخاری، شرح مینہ و شرح مشکوٰۃ میں اجماع امت میں نقل فرمایا کہ ان مقادیر پر قصر نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ پانی بلا وجہ محض زیادہ خرچ نہ ہو اور نہ ادا کے سنت میں نقصان ہے

یعنی اتنا پانی جس سے وضو غسل کے فرائض و واجبات و ضمن اور ہوجائیں استعمال کیا جائے خواہ وہ مَرْد و صَاع سے برابر ہی کیوں نہ ہو جائے۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

باب موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں

اس باب میں امام بخاری نے چند حدیثیں لکھی ہیں جو یہ ہیں :-

اولی :- حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :-

۲۰۱ - إِنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ (بخاری) | حضور علیہ السلام نے موزوں پر مسح کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا، آپ نے کہا - فَتَأَلَّيْنِمْ - ہاں! حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا ہے اور حضرت سعد جب تم سے کوئی حدیث بیان کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے (بخاری)

۲۰۲ - دُومر: حضرت میسرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام حاجت کے لیے نکلے میسرہ ایک ٹل پانی لے کر آپ کے پیچھے چلے۔ جب آپ حاجت سے فارغ ہوئے تو میسرہ نے آپ پر پانی ڈالا۔

فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ (بخاری) | حضور علیہ السلام نے وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا۔

۲۰۳ - سومر: حضرت عمرو بن أمیہ ضمہری نے اپنے والد سے سنا کہ انھوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ

يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ (بخاری) | کہ آپ نے موزوں پر مسح فرمایا۔

۲۰۴ - چہسارم: انھیں سے روایت ہے کہتے ہیں -

رَأَيْتُ الْمَسِيحَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ | کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمامہ پر اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

مسح علی الخفین کی مکمل بحث اور ضروری مسائل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔ اب نمبر وار

فوائد و مسائل | مذکورہ حدیثوں سے فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) حدیث اول افراد بخاری سے ہے۔ امام نے صرف ایک دفعہ ہی ذکر کی ہے۔ اس حدیث سے مسح علی الخفین کا جائز ہونا کتاب نیمروز کی طرح واضح ہوتا ہے۔ عامہ فقہاء و عامہ صحابہ کرام جواز کے حق میں ہیں۔ ائمہ شیعہ حضرت اس کے سخت خلاف ہیں۔ علامہ عینی نے لکھا کہ حضرت ابن عباس کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ وہ مسح علی الخفین کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ پیشہ حضرات کا قول ہے۔ ابن عباس کا نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالبر نے فرمایا کہ تمام بدری صحابہ اور اہل مدینہ، مہاجرین و انصار تمام صحابہ کرام تابعین اور فقہائے مسلمین مسح علی الخف کے قائل ہیں اور اس سلسلہ میں صحابہ کرام سے ۵۳ حدیثیں مروی ہیں۔ امام طحاوی نے ان حدیثوں کو شرح معانی الآثار میں جمع فرمایا ہے (۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابی حبیل اللہ و قدیم الصحبتہ پر بھی بعض اوقات کوئی اہم مسئلہ شرعی مخفی رہ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب عبداللہ بن

نے حضرت سعد سے مسح علی الخنثین کی حدیث سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ مسئلہ ٹھیک ہے؟ حدیث دوم کو امام نے طہارۃ، مغازی اور لباس میں ذکر کیا اور مسلم و ابوداؤد نے طہارۃ و مسنونہ میں اور ابن ماجہ و نسائی نے طہارۃ میں ذکر کیا۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) مسح علی الخنثین بلا تسبیح جائز ہے (۲) حضور میں دوسرے سے مد لبینا جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت مغیرہ سے مد لی۔ وہ پانی ڈال رہے تھے اور حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے۔ البتہ وضو میں کسی طرح کی مد نہ لینا مستحب ہے اور کسی دوسرے سے اعضا وضو کو دھارنا ممنوع ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ وضو کے لیے کسی سے پانی منگوا یا جائے اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اور پانی ڈالنے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ مکروہ ہے اور ایک یہ کہ جائز ہے لیکن پانی ڈالنا تو حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔ یہ مکروہ نہیں ہو سکتا البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ کسی قسم کی مد نہ لی جائے۔ (۳) حدیث زیر بحث کا واقعہ جبکہ بتول کا ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو مسح علی الخنثین کو آیت وضو سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ کہ مکروہ سورہ مائدہ میں وضو کا بیان ہے وہ غزوہ مدینہ میں نازل ہوئی اور غزوہ تبوک اس کے بعد واقع ہوا (۴) خبر واحد یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ جب کہ قرآن مجید میں (۵) اور یہ کہ خبر واحد احکام میں مقبول ہے (۶) ہمیشہ با وضو رہنا مستحب ہے (۷) قضاء حاجت کے لیے پوشیدہ مقام تلاش کرنا چاہیے۔

عمامہ پر مسح کی بحث | حدیث چہارم سے مسح علی الخنثین کا جواز ثابت ہوا اور اس میں عمامہ پر مسح کا بھی ذکر ہے۔ خود صحابہ کرام میں پر مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم و انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم جواز کے حق میں ہیں۔ اور اناسی، احمد بن حنبل، ابونور، داؤد بن علی و ستہ بن مالک و ابودرداء و عمر بن عبد العزیز، حسن، قتادہ، مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جواز کے قائل ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ عمامہ پر مسح کی حدیث صحیح ہو جائے تو میں بھی اس کا قائل ہوں۔ پھر مجوزین کے درمیان ایک اختلاف یہ پیدا ہوا کہ عمامہ پر مسح کے لیے کوئی شرط ہے یا نہیں؟ ابونور کے نزدیک عمامہ پر مسح اس صورت میں جائز ہے، جب کہ با وضو یا نہ تھا ہو۔ بعض نے نزدیک مطلقاً عمامہ پر مسح جائز ہے اور ابونور نے عمامہ پر مسح کے لیے وہی میعاد بھی مقرر کی جو مسح علی الخنثین کے لیے ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۱ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مجہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ عمامہ پر مسح اس صورت میں جائز ہے جب کہ (ناصبہ) ہاتھ کا مسح بھی ساتھ کیا جائے۔ امام سفیان ثوری، مالک ابن انس، ابن المبارک، شافعی اور حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نزدیک عمامہ پر مسح جائز نہیں۔ یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں سر کا مسح فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور عمامہ پر مسح کی حدیثوں کی تائید صحیح ہو سکتی ہے تو یہی امر کو احتمال کے لیے ترک نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی وہ حدیثیں جن میں علمہ پر مسح کا ذکر ہے ان کا مطلب ہے کہ حضور علیہ السلام نے مسح کے وقت عمامہ مبارک اتارنا نہیں، بلکہ ناصبہ چڑھائی سر کا مسح فرمایا اور عمامہ پر بھی ہاتھ پھیر لیا۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں آیا۔

تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْإِحْمَامَةِ وَالْخَنْثَيْنِ (مسلم)

کہ حضور علیہ السلام نے پیشانی پر مسح کرنے کے بعد عمامہ پر مسح کیا۔

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ صرف عمامہ پر مسح کرنا کافی نہیں، البتہ حدیث مسلم میں جو صورت مسح کرنے کی مذکور ہے ایسے کیا جائے تو درست ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) (۲) یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں عمامہ پر مسح کا بھی ذکر ہے مگر انھوں نے عمامہ پر مسح کا عنوان قائم نہیں کیا۔ جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ عمامہ پر مسح کے سلسلہ میں ضعف ہے۔ کیونکہ امام کا انداز فکر یہ ہے کہ جب روایت قوی ہو اور اس میں کوئی لفظ ایسا ہو جس میں فکر تو تردد ہو تو اس کا نہ عنوان باندھتے ہیں اور نہ اس سے استنباط کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہوتا ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

بَابُ إِذَا ادَّخَلَ رَجُلٌ يَدَهُ فِي مَاءٍ طَاهِرٍ

باب موزوں کو با وضو پینے کے بیان میں

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر (غزوہ تبوک) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ (آپ وضو کرنے گئے) میں جھکانا کہ آپ کے موزے اُتار دوں اس پر آپ نے فرمایا موزے میں نے با وضو پینے ہیں پھر آپ نے موزوں پر مسح کیا۔

۲۰۵۔ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَهْوَيْتُ لِذُنْبَعٍ خَبِيثَةٍ فَقَالَ دَعِيْهُمَا فَايْتَدِ ادَّخَلْتَهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا (بخاری)

فوائد و مسائل

یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ قدم اقدس سے موزے اُتار دوں تاکہ حضور علیہ السلام پاؤں دھولیں اس پر آپ نے فرمایا۔ موزے اُتارنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں نے ان کو با وضو پہنا ہے۔ اسی صورت میں مسح کافی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسح علی الخفین جائز ہے جب کہ موزے وضو کے پینے ہوں۔ اس سلسلہ میں ایک اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی، مالک، احمد و اسحاق کے نزدیک بوقت لبس طہارۃ کاملہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس مسئلہ کو آپ مثال سے سمجھ لیجئے۔ (۱) اگر کسی شخص نے پورا وضو کر کے موزے پہن لیے۔ (دیکھئے بوقت لبس موزہ طہارۃ کاملہ موجود ہے) اس کے بعد اس کو حدیث ہوا وضو جانا رہا۔ اس نے اب وضو پورا کیا۔ (دیکھئے اس صورت میں بوقت لبس طہارۃ کاملہ نہ تھی)۔ مگر بوقت حدیث طہارۃ کاملہ موجود ہے۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں موزوں مسح جائز نہ ہوگا کیونکہ پینے کے وقت طہارۃ کاملہ نہیں تھی۔ (۳) اگر کسی نے سارا وضو ترتیب کے ساتھ کیا اور ایک پاؤں دھو کر ایک موزہ پہن لیا۔ پھر دوسرا پاؤں دھو کر دوسرا موزہ پہن لیا۔ اس صورت میں بھی جب اس کا وضو جائز آگیا اور وہ شخص وضو کر کے گا۔ امام اعظم کے نزدیک اس کو مسح علی الخفین جائز ہوگا۔ کیونکہ بوقت حدیث طہارۃ کاملہ پائی گئی۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ بوقت لبس طہارۃ کاملہ نہ تھی اور یہ ظاہر ہے کہ حدیث زیر بحث پر اگر غور کیا جائے تو اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ بوقت لبس طہارۃ کاملہ کا ہونا شرط نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے عینی ج ۱ ص ۵۵ دیکھئے)

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوْلِقِ

باب بکری کا گوشت اور سترکھانے کے بعد وضو نہ کرنے کے بیان میں

(۱) وَ أَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ لَحْمًا فَلَمْ يَتَوَضَّؤْا

۲۰۶ - (۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ شَمَ صَلًى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

۲۰۷ - (۳) أَنَّهُ رَأَى لَيْثِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُحَاتِزُ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَدَعَى إِلَى الصَّلَاةِ

فَأَلْفَقَ السَّكِينُ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

(بخاری)

اور حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بکری کا پکا ہوا گوشت کھایا اور وضو نہیں کیا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ تناول فرمایا (اور نماز پڑھی) لیکن وضو نہ کیا۔

عمر بن ابی اسلمہؓ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے شانہ کا گوشت کاٹ کر کھا رہے تھے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا اور بلائے۔ آپ نے پھرنی رکھ دی پھر نماز پڑھائی اور وضو نہ کیا۔

فوائد ومسائل (۱) اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے جو حدیثیں ذکر کی ہیں ان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ آگ گفتگو کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اوائل اسلام میں یہ حکم تھا کہ آگ کی چھوٹی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

كَانَ آخِرُ الْأَمْرِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ تَرَكَ الْوَضُوءَ مِمَّا

مَسَّتِ النَّارَ (طحاوی، ابو داؤد، نسائی، ابن حبان)

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حکم یہی تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے کے بعد وضو نہ کیا جائے۔

حدیث نمبر ۳ کو امام بخاری نے صلوة، جہاد، اطعمہ و طہارت میں بھی ذکر کیا ہے اور نسائی نے ولیمہ میں اور ابن ماجہ نے طہارۃ میں۔ حدیث نمبر ۳ مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا (۲) گوشت چھری سے کاٹ کر کھانا جائز ہے۔ مماثلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے (۳) امام مسجد کو نماز کے لیے بلانا جائز ہے حضور علیہ السلام کو بلانے والے جناب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

بَابُ مَنْ قَضَى مِنَ السَّوْلِقِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

باب سترکھانے کے بعد بکری کے نماز پڑھنا اور وضو نہ کرنے کے بیان میں

۲۰۹ - أَخْبَرَنَا أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَيْبِ بْنِ حَاشٍ إِذَا

كَانُوا بِالنَّهْجِ بَاءً وَهِيَ أَدْنَى خَيْبِ فَصَلَّى

سید بن لقمان نے خبر دی کہ جس سال خیبر فتح ہوا۔ وہ

فتح ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

جب مقام صہبا پر آئے وہاں آپ نے نماز عصر ادا کی۔

الْعُسْرُ شَمَّ دَعَا بِاَلَا رَدَّ وَاَدْفَعْلَمْ يَكُنْ ت
اَلَا بِالسَّوْلِيْنَ فَاَمَرَبِهِ فَتَرْتِيْ خَا كَل
رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآكَلْنَا
شَمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا
شَمَّ صَلَّى وَكَمْ يَتَوَضَّأُ (بخاری)

پھر کھانے کا توشہ وان منگایا تو اس میں صرف ستر تھیلے
آپ کے حکم سے وہ جگڑے گئے۔ پھر آپ نے اور سب
حاضرین نے کھائے۔ اس کے بعد نماز مغرب کے لیے
کھڑے ہوئے۔ آپ نے ٹہنی کی اور ہم نے بھی گلی کی اور آپ
نے نماز پڑھائی۔ (وضو نہ کیا)

اس عنوان کے تحت امام نے آٹھ اور حدیث بھی ذکر کی ہے جس کا سننوں میں ہے (۲) کہ حضور علیہ السلام نے
بقوی کا شانہ تناول فرمایا اور غزوہ یمانہ دونوں حدیثیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ ان سے یہ ثابت
ہوتا ہے (۱) آگ سے پکی ہوئی چیز کا کھانا تفضی و ضرر نہیں ہے اور یہ کہ کھانے پینے کے بعد جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو گلی کر لینا
مستحب ہے تاکہ چکنائی وغیرہ سے مضر صفت ہو جائے۔ ویسے بھی کھانے کے بعد متہ کو صاف کرنا صحت کے لیے مفید ہے۔ کھانے
پینے کے بعد ہاتھ منہ کو صاف کر لینے کو ضروری طعام سے مرسوم کیا جاتا ہے۔

فائدہ | حدیث اول کو امام نے سات جگہ ذکر کیا ہے۔ طہارۃ، منافی، جماد، الطہر وغیرہ میں اور نسائی وابن ماجہ نے
طہارۃ وولیمہ میں اور حدیث دوم کو مسلم نے طہارۃ میں ذکر فرمایا (۲) صہب و ہی جید ہے جہاں سورج کے پٹنے کا
مجروحہ ظہور میں آیا۔ صہب مدینہ وغیرہ کے درمیان ایک منزل ہے۔ امام طحاوی قدس سرہ العزیز نے شکل الآثار میں اپنے شیخ سے نقل کیا
کہ انہوں نے اصحاب محمدیہ کو وصیت کی ہے کہ وہ اس مجروحہ کو بابرہ کو جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ظہور پذیر ہوا خوب
اچھی طرح یاد رکھیں۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

وقد حکى على بن عبيد الرحمن بن المغيرة عن احمد بن مالمح اسند كان لسنول لا يذبحى لمن
كان سبيله الماء المتخلف عن حفلة حديث اسماء الذى روى لساعته لانه من اجل
علائم النبوة (مشکل الآثار ج ۲ ص ۱)

۳۔ البتہ احناف کے نزدیک بھی مس ذکر و امراء اور اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کر لینا مستحب ہے۔ امام شاف
ولی اللہ قدس سرہ العزیز بھی اس کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ طبرانی میں ہے کہ وہ جو بحالت جنابت سو جائے اور مر جائے تو
ان الماء لا شك لا تحضر جنازة | ملائکہ اس کے جنازے میں نہیں آتے
اور وضو سے یہ مضرت چلی جاتی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے فقہاء احناف نے تصریح کی کہ اجنبی عورت پر اگر
نظر پڑ جائے تو وضو مستحب ہے نومس ذکر و امراء تو اس سے بھی زیادہ اخص ہیں۔ لہذا اس کے لیے استحباب وضو کا قول
بہت مناسب ہے۔

(۴) اور درجہ حدیث میں آیا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کیا جائے تو یہ امر بھی استحبالی ہے اور
اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملائکہ کھانے پینے سے پاک ہیں تو کھانے کے بعد وضو کی ہدایت اس لیے
دی گئی تاکہ طبائع ملائکہ سے بچنے کے لیے۔

بَابُ هَلْ يَمْضِي مِنْ اللَّبَنِ

باب کیا دودھ پینے کے بعد کھلی کی جائے

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا پھر کھلی کی اور فرمایا دودھ میں چٹائی ہوتی ہے

۲۱۰۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضَى مِنْهُ وَقَالَ إِنَّ لَهُ دَسْمًا۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد و نسائی نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا۔ اس حدیث سے چٹائی واریت کھانے کے بعد کھلی کر لینے کا استحباب ثابت ہوا ہے نیز حضرت انس سے باسناد حسن ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے دودھ نوش فرمایا اور کھلی نہ کی اور وضو بھی نہ کیا۔ اس سے ان لوگوں کی رائے کی تردید ہو جاتی ہے جو کھانے پینے کے بعد کھلی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ (مصنی ج ۱ ص ۸۶)

بَابُ الرُّضُوعِ مِنَ النُّومِ

باب نیند سے وضو کے بیان میں

وَمَنْ نَامَ يَدٍ مِنَ النُّعْسَةِ وَالنَّفْسَيْنِ
أَوِ الْخَفَقَةِ وَضُوعًا (بخاری)

۲۱۱۔ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يَصَلِّي فَلْيَرْفُضْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النُّومُ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِي لَعَلَّهُ يَسْتَنْفِرُ فَيَسْبُ لِنَفْسِهِ (بخاری)

۲۱۲۔ ۲۔ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَعَسَ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَتَنَفَّسْ حَتَّى يَسْلَمْ مَا يَقْرَأُ (بخاری)

اور جو لوگ ایک دو بار اونگھنے یا ایک آدھ جھونکنا لینے سے وضو لازم نہیں سمجھتے اس کی دلیل کے بیان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتے ہیں اونگھ کر دودھ سو رہے۔ یہاں تک کہ نیند کا غلبہ اس پر نہ جاتا رہے کیونکہ اونگھتے ہیں اگر کوئی نماز پڑھے تو ممکن ہے کہ وہ اپنے لیے بخشش مانگے اور زبان پر برائی کے کلمے جاری ہو جائیں۔

حضرت انس سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نماز میں اونگھے تو چاہیے کہ سو جائے یہاں تک کہ جو پڑھے وہ سمجھنے لگے۔

فوائد و مسائل (۱) حدیث اول کو امام ابو داؤد و مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ ۲۔ فاسس یعنی اونگھ نیند کی ایک ایسی قسم ہے جس میں آدمی ایسا ہوشیار رہتا ہے کہ پاس کے لوگ جو باتیں کریں وہ اکثر پر مطلع رہتا ہے اور ایسی ہوشیاری نہ رہے تو پھر وہ نیند ہے۔ نیند ناقص وضو ہے اور اونگھ ناقص وضو نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیل مکتبہ کوشنہ اور اق میں ہو چکی ہے۔ اس حدیث سے مسائل ذیل معلوم ہو گئے (۱) یہ جو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو نماز میں اونگھے تو اسے چاہیے کہ سو جائے۔ پھر نیند پوری کرنے کے بعد نماز پڑھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو ایسا کرے تاکہ نماز

خستہ وضع کے ساتھ چڑھی جائے۔ اوجھ کی حالت میں حضور قلب نہیں ہوگا۔ بعض علمائے اس جہت کرات کے فوائد کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن حدیث میں صلوٰۃ کا لفظ عام ہے تمام نمازوں کا شامل ہے۔ (۲) اسی سے اس امر کی وضاحت بھی ہوگئی کہ اوجھ ناقض وضو نہیں ہے ورنہ حضور علیہ السلام نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم فرماتے اور حدیث دوم کو نسائی نے طہارۃ میں ذکر کیا ہے۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اوجھ ناقض وضو نہیں ہے۔

بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ

باب بغیر حدث کے وضو کرنا

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے۔ عمر بن عامر نے انس سے پوچھا تم لوگ کرتے تھے؟ یعنی تم بھی ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے حضرت انس نے جواب دیا ہم کو تو ابک ہی وضو کافی ہوتا جب تک کہ حدث نہ ہو۔

۲۱۳۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ حِينَ كُلَّ صَلَاةٍ قُلْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ قَالَ يُجْزِي أَحَدَنَا الْوُضُوءُ مَا لَمْ يَكُنْ حَدَثٌ (بخاری)

اس کے بعد امام نے وہی حدیث ۲۰۹ ذکر کی ہے جواب: من مضمض من السَّوْغِیِّ میں گزر جائے یعنی خیر سے وہی پر مقام صہارہ پر حضور علیہ السلام نے قیام کیا اور ستر تہ تاول فرمائے۔ پھر مغرب کی نماز کا وقت آیا۔

۲۱۴۔ ۲۔ ثُمَّ صَلَّى لَنَا الْمَغْرِبَ وَ لَمْ يَتَوَضَّأْ

پڑھا

حدیث اول نو ترمذی و نسائی و ابن ماجہ طہارۃ میں ذکر کیا۔ (۲) اس عنوان کے قیام سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے دو حدیثیں اس عنوان کے ماتحت لکھیں۔ پہلی حدیث سے یہ نکلتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر نماز کے لیے تازہ وضو فرمایا کرتے تھے۔ جس سے ہر نماز کے لیے تازہ وضو کر لینا مستحب قرار پایا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وضو سے دو نمازیں پڑھیں یعنی دوسری نماز کے لیے تازہ وضو نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تازہ وضو کر کے نماز پڑھنا واجب نہیں ہے۔

امام احمد علیہ الرحمہ نے اسناد حسن جناب ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنے اور ہر وضو کے لیے سوال کرنے کا حکم کرتا۔ اس معنی کی احادیث سے اس امر کی وضاحت ہوئی ہے کہ وضو ہونے کے باوجود تازہ وضو کر کے نماز پڑھنا موجب خیر و برکت اور باعث رحمت ہے۔ لیکن یہ بات واجب نہیں ہے۔

بَابُ مِنَ الْكِبَائِرِ أَنْ لَا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهِ

باب پیشاب سے نہ بچنا کبیرہ گناہ ہے

حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے کسی باغ پر گزرے وہاں دو آدمیوں کی آوارہ سنی جنہیں قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے کسی بڑے گناہ میں نہیں پھر فرمایا البتہ بڑا گناہ ہے ان میں ایک تو اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چنل غوری کرتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک جڑی ٹہنی سنگولی۔ اس کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں قبروں پر ایک ایک ٹکڑا ڈال دیا۔ صابہ کرام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟

۲۱۵- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَاطِطٍ مِّنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ فَسَمِعَ صَوْتَ الْمَسَاتِينِ يُعَذِّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَذِّبَانِ فَقَالَ وَمَا يُعَذِّبَانِ فِي كَيْفٍ فَقَالَ كُلُّ أَحَدٍ هُمَا لَا يَسْتَتِرُ مَعْنٍ بَعْلِهِ وَكَانَ الْآخِرُ يُمِشِي بِالْبَيْتِ ثُمَّ دَمَا بِحِجْرَيْدَةٍ فَكَسَرَهَا كَسْرَتَيْنِ فَوَضَعَ عَلَى كُلِّ قَبْرِ مِثْلَهَا كِسْرَةً فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ فَعَلْتَ هَذَا قَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يَخْفَفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَتَبَسَّ (بخاری)

فرمایا۔ اس لیے کہ جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہو۔

۱- حدیث۔ ہذا کو نام بخاری نے طہارۃ و جناز میں بھی ذکر کیا۔ مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد و ترمذی نے طہارۃ میں اور نسائی نے طہارۃ، جنازہ و تفسیر میں درج کیا (۲) مختصر و مطوٰن یہ بتانا تھا کہ پیشاب سے اپنے جسم و ریشہوں کو محفوظ نہ رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ حدیث ہذا میں پیشاب سے بچنے والے پر عذاب کا بیان ہوا جس سے اس گناہ کا استدلال ہر جونا ثابت ہوا۔

گناہ کبیرہ (۱) حدیث بخاری عن ابوبریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سات گناہ دیے گئے۔ اور حدیث حاکم میں نو اور کسی میں اس سے بھی زیادہ۔ جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اس گنتی سے حصر مقصود نہیں ہے۔ اسی لیے بعض علمائے فرمایا۔ ہر وہ گناہ جس سے ارتکاب پر شارع علیہ السلام نے وعید سنائی یا لعنت فرمائی یا عذاب و غضب کا بیان آیا وہ کبیرہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا گناہ کبیرہ سات ہیں؟ آپ نے کہا سات سو بہک ہیں مطلب یہ ہے کہ جیسے ایک چھوٹی سی ٹہنی اگر خلوص و طبیعت کے ساتھ کی جائے تو اس کا جڑ بڑھ جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک ذرا سا گناہ اگر مزوہل سے جس قہرے خونی اور جراثیم کے ساتھ کیا جائیگا۔ اسی قدر اس کی سنگینیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ علامہ ابن عساکر نے فرمایا۔ کبیرہ مرضی ہے ایک گناہ دوسرے گناہ کی نسبت کم درجہ کا ہوتا ہے تو اسی نسبت سے صغیرہ و کبیرہ کی تقسیم ہوگی۔ (یعنی ج ۱ ص ۸۶) (۲) حاطط کی جمع حیطان ہے کھجور کے باغ کو کہتے ہیں۔ جو چار دیواری میں ہو۔ دارقطنی کی روایت میں یہ نسخہ ہے کہ یہ باغ جس میں حضور علیہ السلام کا نہر ہوا۔ ام ابی بکر انصاریہ کا تھا ۳۔ روایت آتش میں مرثدین کے لفظ ہیں۔ اور روایت ابن ماجہ میں بغیر جدیدین کے لفظ آئے ہیں۔ یعنی وہ قریبی نہی تھیں۔ اس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ مقبور مسلمان تھے۔ ۴۔ لایستقر بعض روایت میں لَآ یُسْتَبْرَیْ اور لَآ یُسْتَبْرَیْ دُہی آیا۔ یہ نام قریب یعنی ہیں اور البیہم کی روایت میں لایبونی (نہیں بچتا تھا) آیا ہے۔

فَسَمِعَ كَمُوتِ الْمُسْلِمِينَ كَهَيْئَةِ رَمْلِ الْمَرِيحِ عَلَى شَجَرٍ خَشْيَ أَنْ يَزَالَ عَنْهُ عَذَابُ جَهَنَّمَ
 ۱۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں جو کائنات ہیں ان پر آدمی مطلع ہو سکتا ہے اور یہ کہ آیت وما انت بسبع
 مکن فی القبر کے یہ بات منافی نہیں ہے کیونکہ آیت میں خود بخود دھنسنے کی نفی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ مٹنا چاہے یا کسی کو
 ایسے حواس ہی عطا فرمادے جو احوال برزخ کا مشاہدہ کربن تو یہ ممکن ہے اور آیت کے منافی نہیں ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کے لیے تو اس کا وقوع ہو گیا اور حضور علیہ السلام نے عالم برزخ کے احوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔
 ۵۔ فیدہ کے معنی کسی بات کو دوسرے تک نقصان دینے کے لیے پہنچانے کے ہیں اور یہ فعل نہایت مکرر ہے اور اشد
 کہا ترے ہے کہ بڑھ چل کی وجہ سے دو مسلمانوں میں ناچاقی پیدا ہوتی ہے۔ بعض روایات میں آیا کہ شیطان دو مسلمانوں میں ناچاقی
 سے بہت خوش ہوتا ہے ۶۔ یعد بان۔ عذاب قبر حق ہے اور اس کے ثبوت میں جلیل القدر صحابہ سے احادیث وارد ہوئی
 ہیں مابعد بان فی کسبیر کے ایک معنی شاربین نے یہ کیے کہ وہ ایک ایسے کام سے نہیں بچتے جس سے پہچان ان کے لیے
 کوئی مشکل نہ تھا (شرح السنہ)

فی کسبیر: علامہ نووی نے فرمایا: پیشاب سے پرہیز نہ کرنا فی نفسہ گناہ نہیں ہے۔ یہ کبیرہ اس لیے یں جاتا ہے کہ یہ
 ضار و صلاۃ کا سبب بن جائیگا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ پاک رہنا ہر حال میں شارع علیہ السلام کو مطلوب ہے اور نجاست سے طہارت
 رہنا مکروہ ہے تو پیشاب سے پرہیز نہ کرنا اگرچہ صغیرہ ہے لیکن صغیرہ پر جب اصرار کیا جائے تو وہ کبیرہ ہو جاتا ہے (۲) اگرچہ شد
 میں مذاب قبر کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب کی کوئی خصوصیت
 نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی نجاست سے بچنا عذاب قبر کا سبب بن سکتا ہے (الدیلمی و ابی داؤد) کیونکہ ملائکہ کو ہر قسم کی نجاست سے ایذا ہوتی
 ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس گھر میں کتیا یا جاندار کی تصویر مردوں ملائکہ رحمت کا نزول نہیں ہوتا۔ پھر نجاست خواہ حتی جو جیسے پیشاب
 یا مٹی جیسے چل خوری ان سے بھی ملائکہ کو ایذا ہوتا ہے۔

اور حدیث میں بہ پیشاب کو حاس کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ باخاندہ کر برادر دوسری نجاستیں ایسی ہیں جن سے عام طور پر
 لوگ پرہیز کرتے ہیں خواہ جاہل ہوں یا عالم۔ اس کے برعکس پیشاب ایک ایسی نجاست ہے کہ لوگ اس کی پروا نہیں کرتے
 آپ مطہران کرام کو دیکھ لیجئے کہ ان کی پتلونوں میں چھینٹیکوں پیشاب ہوتا ہے۔ عرب بھی پیشاب سے پرہیز کرنے کا خیال نہیں
 نہیں رکھا کرتے تھے ہمیشہ کہ شاربین نے قصہ بول اعرابی فی المسجد کے ضمن میں تصریح کی ہے۔ لیکن جب اسلام آیا تو حضور علیہ السلام
 نے ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ چھرا سی مزلوں کا یہ حال ہو گیا کہ خود قرآن مجید میں ان کی طہارت دیکھ کر ہی کوسرا ہوا۔

۲۔ حدیث: جس آیا رہیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال ہو گا تو مناسب ہوا کہ قبر میں طہارت کے متعلق
 بھی سوال ہو کیونکہ برزخ حشر پر مقدم ہے اور طہارت نماز پر مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیشاب سے نہ بچنے کے سبب قبر میں عذاب ہوا۔

۴۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تو یہ آیا ہے کہ ان من شیء الا یسبح بحمده کہ کائنات کی
 ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ جب تک یہ کھجور کی شاخیں تر ہیں تو تسبیح کریں گی۔ جواب یہ
 ہے کہ آیت میں من شے سے مراد شیء ہی ہے اور ہر چیز کی حیات اس کے حسب حال ہوتی ہے تو زمینوں کی زندگی اسی وقت

نہایت ہے جب تک وہ سبزیں ہیں۔ لیکن جواب کچھ یوں ہی سہی کہ چونکہ آیت کا لوم و اطلاق تو یہ بتاتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز خواہ وہ خشک ہو یا تر وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور محققین کرام نے بھی آیت کو اس کے لوم پر دکھا ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ آیت حدیث میں تضاد ہے ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ بتایا ہے کہ کھجور کی ان شاخوں کا بحالت تر تازگی تسبیح سے عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ خشک ہو جانے کے بعد بھی یہ تسبیح کرتی ہیں؟ تو حدیث میں اس کی نفی نہیں ہے اور جب قرآن مجید میں یہ بات ہے تو حدیث میں اس کی نفی کیسے ہو سکتی ہے۔

کیا ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے | حقیقت یہ ہے کہ دُنیا میں ہر چیز اللہ عز و جل کی تسبیح کرتی ہے خواہ وہ خشک ہو یا تر۔ اب یہ جو بعض آثار میں وارد ہوا کہ:-

۱۔ کچرا جب تک سفید رہے اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور جب میلا ہو جائے تو نہیں کرتا ۲۔ پانی جب تک جاری رہے تسبیح کرتا ہے اور جب میلا ہو جائے تو نہیں کرتا ۳۔ پتھر جب تک اپنی جگہ پر ہے تسبیح کرتا ہے اور جب پہاڑ سے کاٹ دیا جائے تو نہیں کرتا ۴۔ تو نہیں کرتا ۵۔ کا مطلب صرف یہ ہے کہ تسبیح تو ہر چیز ہر حال میں کرتی ہے مگر حال میں جب تغیر ہوتا ہے تو اس کی تسبیح میں بھی تغیر ہوتا ہے۔ دیکھئے انسان کو خوشی کی حالت میں بھی جھوک لگتی ہے اور غم کی حالت میں بھی لیکن خوشی کی حالت میں جھوک لگتی ہے وہ اس جھوک سے مختلف ہوتی ہے جو اس کو غم کی حالت میں لگتی ہے۔

چنانچہ خود قرآن مجید نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ **كُلُّ شَيْءٍ عِلْمٌ صَلَواتٌ وَ تَسْبِيحٌ** کہ ہر چیز کی تسبیح اس کے حال کے مطابق ہوتی ہے۔ درخت جب تک تر و تازہ ہے تسبیح کرتا ہے مگر جب سوکھ جاتا ہے تو بھی تسبیح کرتا ہے مگر یہ تسبیح اس نوع کی نہیں ہوتی جیسی کہ وہ بحالت تر و تازگی تسبیح کرتا تھا۔ پتھر جل جانے کے بعد بھی تسبیح کرتا ہے مگر بے پستلے اس کی تسبیح اور نوع کی تھی اور آکھ ہو جانے کے بعد اور نوع کی ہے۔ آدمی زندہ ہے تو تسبیح کرتا ہے اور مرنے کے بعد جب عناصر سے مل جاتا ہے جب بھی تسبیح کرتا ہے مگر پہلی تسبیح، تسبیح حیات ہے اور دوسری تسبیح، تسبیح عناصر ہے۔ مگر چونکہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ کڑی سڑکنے کے بعد تسبیح نہیں کرتی تو نفی اس تسبیح کی جاتی ہے جو وہ بحالت تر و تازگی کرتی تھی محض تسبیح کی نفی نہیں کی جاتی۔

قبر پر پھول ڈالنا جائز ہے | یہ ارشاد فرمائی کہ مرنے والی تسبیح سے ان کے عذاب میں تخفیف کی امید ہے۔ اس سے

قبروں پر سبزہ ڈالنے کے جواز کا ثبوت ہوا اور جو سبزہ ڈالنے کو بدعت کہتے ہیں ان کے خیال کی تردید ہو گئی۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو معلوم ہو گیا تھا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اس لیے آپ نے سبز شاخیں ڈال دیں لیکن اور اگر یہ معلوم نہیں ہوتا تو اس کا جواب علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے یہ دیا کہ کسی مقبور کے متعلق ہمیں یہ معلوم نہ ہونا کہ قبر میں اس کا کیا حال ہے؟ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ہم وہ کام نہ کریں جو تخفیف عذاب کا سبب ہے۔ جیسے دھرم کا معلوم نہ ہونا، اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ ہم مقبور کے لیے رحمت کی دعا بھی نہ کریں؟ فتح الباری یعنی ج ۱ صفحہ ۱۸۷ بخاری کتاب الجنائز میں ہے کہ حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت وصال یہ وصیت فرمائی کہ میری قبر پر سبز شاخیں لگائی جائیں تو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ امر منقول ہے تو اس کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سبزو کی تسبیح تخفیف عذاب کا سبب بنتی ہے اور قبر پر سبزہ ڈالنے میں فائدہ ہی کی امید ہے نقصان کی نہیں۔ اگر فی الواقع صاحب قبر کو عذاب نہیں ہو رہا تو بھی سبزو کی تسبیح و تمیل اس کے لیے باعث برکت و موجب مزید رحمت ہی ہوگی۔

۹۔ علامہ خطابی نے فرمایا۔ جب سبزو شخو کی تسبیح سے میت کے عذاب میں تخفیف کی امید کی جاسکتی ہے تو قبر پر قرآن مجید کی تلاوت توسط طریق اعلیٰ مستحب ہوئی چاہئے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:-

قبر کے پاس تلاوت قرآن پاک جائز ہے

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ قبر پر قرآن مجید کی تلاوت مستحب ہے کیونکہ جب ترش خوں کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو قرآن عزیز کی تلاوت سے تو بہت سی برکت کی امید ہے۔

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى اسْتِحْبَابِ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ الْعَزِيزِ عَلَى الْقُبُورِ لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ يَرْجَى عَنْ الْمَيِّتِ التَّخْفِيفُ بِتَسْبِيحِ الشَّجَرِ فَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ اعْظَمُ وَجَاءَ وَبُوكَةُ (یعنی ج ۱ ص ۹۷)

(۱۰) علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ و احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسلک یہ ہے کہ میت کو قرآن عزیم پڑھنے کا ثواب پہنچتا ہے اور اس باب میں احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً ابو یوسف النخاری نے کتاب السنن میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زوایہ اچھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو کوئی قبرستان پر گزرے اور گیسارہ بار قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب اموات کو بخش دے اللہ تعالیٰ مردوں کے برابر ثواب عطا فرمائے۔

هَكَذَا مَرَّ بَيْنَ الْمَقَابِرِ فَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ أَحَدٌ عَشْرَ مَرَّةٍ ثُمَّ وَهَبَ أَجْرَهَا لِأَمْوَاتٍ أَعْطَى اللَّهُ تَعَالَى بِسَدِّدِ أَمْوَاتٍ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو قبرستان میں جائے اور سورۃ یسین پڑھ کر میت کو پہنچا دے اللہ تعالیٰ عذاب میں تخفیف فرمائے

مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ فَقَرَأَ سُورَةَ يَسِينَ يَخْفَفُ اللَّهُ عَنْهُمْ يَوْمَئِذٍ (عن انس بن)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

جو شخص اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرے یا فقط باپ کی قبر پر جائے اور وہاں سورۃ یسین پڑھے تو اللہ

مَنْ زَارَ مَقْبَرَةَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدِهِمَا فَتَرَدَّدَ مِنْهُ أَوْ عَنَدَهُ هُمَا يَسِينٌ عَمِلَ لَهُ

ان کی بخشش فرمائے۔

اور تمام علماء اسلام نے اجماع کیا کہ دعا سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے اور یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ
رَبِّهِمْ اغْنُرْ كُنَّا وَإِلَّا خَوَّاتِلْنَا
سَبَّحْنَاهُ بِأَلْسِنَانِ

جو ان کے بعد آئے وہ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے رب ہمارے
ہماری مغفرت فرما اور ان کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے
پہلے ایمان لائے (اور وفات پا چکے)

اور بہت سی آیات و اسناد سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ دعا کرنے سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ خود حضور
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ اغْنِرْ لِي هَلْ يَتَّبِعُ الْعَرْشَ
اسی طرح نماز جنازہ میں حضور علیہ السلام نے یہ تعلیم دی کہ میت کے لیے اللہ صغیر لحینا و میتنا کے الفاظ
کے ساتھ دعا مانگی جائے۔ اسی طرح ہر نیک عمل کا ثواب میت کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ جس کے متعلق چند حدیثیں یہ ہیں۔ ایک
شخص نے عرض لیا یا رسول اللہ میں اپنے والد کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیا نیکی کر سکتا ہوں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ
نیکی کر سکتے ہو۔

أَنْ تَصَلِّيَ لَهَا مَعَ صَلَاتِكَ وَأَنْ تَصُومُوا
لَهَا مَعَ صِيَامِكَ وَأَنْ تَصَدَّقَ عَنْهَا
صَدَقَتِكَ

کہ ان کے ایصالِ ثواب کی نیت سے اپنی نماز کے ساتھ
اور نماز پڑھ لو اور روزہ کے ساتھ روزہ رکھ لو اور صدقہ
کے ساتھ ان کے نام پر بھی صدقہ دے دو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ اگر ہم اپنے وفات شدہ افراد
کے ثواب پہنچانے کی نیت سے صدقہ دیں یا حج کریں تو ان کو پہنچے گا؟ حضور علیہ السلام نے جواب دیا۔
ہاں ثواب پہنچے گا اور تمہارے صدقہ سے میت ایسے
خوش ہوں گی جیسے تم کو کوئی ایک طشت کھانا وغیرہ
ہدیہ میں دے۔

(کتاب القاضی الامام ابو الحسن)

اسی طرح حضرت سعد نے عرض کی میں اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے غلام آزاد کروں؟ حضور علیہ السلام نے
فرمایا نعم ہاں اور بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک صاحب نے عرض کی حضور میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے تو میں صدقہ
کروں تو ان کو نفع ہوگا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا نعم ہاں! حضرت ابو جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
فرماتے ہیں کہ حضرات حسین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ذاتِ پاک کو ایصالِ ثواب
کے لیے غلام آزاد فرمایا کرتے (یعنی ج ۱ ص ۶۷۷)

فنا شدہ :- (۱۱) اسی مضمون کی حدیث جابر کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے انھیں کھجور کی شاخ کے دو

مکڑے کر کے قبروں پر ڈالنے کا حکم دیا اور اس میں عذاب کے سبب کا ذکر نہیں ہے اور کلمہ ترجی بھی نہیں ہے اور حدیث ابو ہریرہ میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ایک قبر پر سے گزرے اور کچھ رکی دو شاخیں منگوا لیں ایک قبر کے سر ہانے گاڑ دی اور دوسری پائنتی پر گاڑ دی۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ایک ہی واقعہ کی حکایت نہیں بلکہ ہر ایک مستقل واقعہ ہے (واللہ اعلم)

(۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جعفری ایک نہایت ہی مذموم فعل ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور ایسا گناہ ہے کہ اس کے سبب آدمی عذاب قبر میں مبتلا ہو سکتا ہے اور یہی حال اپنے جسم اور کپڑوں کو پیشاب سے نہ بچانے کا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے حواس کی کیفیت (۱۳) حدیث زیر بحث میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے اندر کی کیفیت کو دیکھ لیا اور وہاں جو آواز پیدا ہو رہی تھی اس کو سُن لیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے قوائے بدنیہ عام انسانوں کے قوی سے بالکل الگ حیثیت رکھتے ہوئے ہیں۔ اسی لیے وہ وہ کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں جو عام انسان دیکھ اور سن نہیں سکتے۔ ابوالبنار نے "تغریبات" میں نبوت پر بحث کرتے ہوئے بوعلی سینا کے حوالہ سے کیا خوب لکھا ہے کہ:-

فتحن نری الاشیاء بواسطۃ المحس والذہنی
بیری الاشیاء بواسطۃ القوى الباطنۃ
ونحن نری شمع نعلم والنبی یعلم ثم یرى
ہم لوگ عام انسان (اشیاء کو حواس کے ذریعے دیکھتے ہیں اور نبی قوائے باطنہ کے ذریعے دیکھتا ہے ہم لوگ ایک چیز دیکھتے ہیں پھر جانتے ہیں اور نبی پہلے جانتا ہے اور پھر دیکھتا ہے۔

حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے اس حقیقت کا یوں اظہار فرمایا ہے:-

فاسفی کو مشکر حانہ است
نطقی خاک و نطقی آب و نطقی گل
از حواس انبیاء بیگناہ است
ہست محسوس حواس اہل دل
اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے ہماری تالیف "جامع الصفات" کا مطالعہ کیجئے جو مکتبہ خزان لاہور سے قیام لکھی گئی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي غَسْلِ الْبَوْلِ

باب پیشاب کو دھونے کے بیان میں

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَصَابِيبِ
الْفُضْبَرِ كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ وَلَكِنْ
يَذْكُرُ سِوَى بَوْلِ النَّاسِ
اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (سابقہ حدیث) میں یہ بھی فرمایا کہ وہ قرد الاغصاب ہو رہا تھا۔ پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا تو آپ نے آدمی ہی کے پیشاب کا ذکر کیا

یعنی حدیث سابقہ میں مرنے والہ کے لفظ آئے ہیں۔ یعنی جس کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا اس کے متعلق حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا معلوم ہوا کہ مراد اس سے خاص آدمی کا پیشاب ہے لیکن

یہ بالکل ظاہر ہے کہ بولہ کے جملہ سے یہ استدلال کرنا کہ آدمی کے علاوہ جانوروں اور شیر خوار بچوں کا پیشاب پاک ہے کسی طرح بھی درست نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے من بولہ تو صرف اس لیے فرمایا کہ اس شخص کا قبر میں عذاب پانے کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب حاجت کے لیے جاتے تو میں پانی لے کر آتا آپ اس سے استنجار فرماتے۔ (بخاری)

۲۱۶- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبَرَّزَ لِحَاجَتِهِ أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فَيَغْسِلُ بِهِ

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) قضاء حاجت کے لیے دور پوشیدہ مقام پر جانا۔ چھوٹے بچوں سے خدمت لینا اور پانی سے استنجا کے متعلق تفصیل نفسو کرشمۃ اوراق میں ہو چکی ہے۔

۲۱۷- اس کے بعد امام بخاری نے باب کا لفظ لکھ کر بس کے ماتحت وہی حدیث لکھی ہے۔ جس میں عذاب قبر کا بیان ہے۔ یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے پیش کی جا چکی ہے۔ اس لیے ہم نے یہاں نہیں لکھی۔

باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس منور کمرے نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تھا۔ چھوٹے رکھا۔ یہاں تک کہ وہ خارج ہو گیا۔

۲۱۸- (۱۱) بَابُ شَرْكَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ الْأَعْرَابِيِّ حَتَّى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهِ فِي الْمَسْجِدِ

باب مسجد میں پیشاب پر پانی ڈالنے کے بیان میں۔

۲۱۹- ۲۲۰- (۲) بَابُ صَبِّ الْمَاءِ عَلَى الْبَوْلِ فِي الْمَسْجِدِ

(۳) بَابُ يَهْرِيقُ الْمَاءَ عَلَى الْبَوْلِ (بخاری)

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) امام بخاری نے یہ تین عنوان قائم کئے ہیں۔ بخاری کے بعض نسخوں میں عنوان اول و دوم تو ہے۔ مگر عنوان سوم نہیں ہے۔ ان تینوں کے بعد عنوانوں کے ماتحت امام نے تین حدیثیں لکھی ہیں، مگر چونکہ تینوں کا مضمون ایک ہے اس لیے ہم بوجہ اختصار صرف ایک حدیث لکھیں گے (۲) گذشتہ باب میں پیشاب کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرنے کا بیان تھا۔ اب اس باب میں پیشاب کو زمین سے پانی کے ساتھ دھونے کا بیان ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک غول کھڑا ہوا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کو پکڑنا چاہا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رنجے دو اور جہاں اس نے پیشاب کیا ہے ایک ڈول پانی بہا دو۔ تم لوگوں پر نرمی کے لیے بھیجے گئے ہو۔ سختی کے لیے نہیں۔ (بخاری مشریف)

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَّاوَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهُ وَهَرِّبُوهُ عَلَى بَوْلِهِ سَحَابًا مِّنْ مَّاءٍ أَوْ ذُنُوبًا مِّنْ مَّاءٍ فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُبْسِرِينَ وَلَمْ تَبْعَثُوا مُعْسِرِينَ

فوائد و مسائل

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) آدمی کا پیشاب نجس ہے (۲) مسجد کو نجس چیزوں سے پاک و صاف رکھنا ضروری ہے (۳) اگر کسی نے کچھ آدمی سے کوئی خلاف شرع کام صادر ہو جائے تو اسے زنی کے ساتھ سمجھا دینا چاہیئے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے صحابہ کو روک دیا کہ وہ اسے کچھ نہ کہیں چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے کہ جب وہ اعزالی پیشاب کر چکے تو حضور علیہ السلام نے ان کو بلایا اور فرمایا مسجدیں پیشاب و پاخانہ کے لیے نہیں ہیں بلکہ اللہ کے ذکر، نماز اور قرأت قرآن کے لیے ہیں (۴) اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زمین کی طہارت صرف پانی سے ہو سکتی ہے۔ سو کھنے یا ہوا سے خشک ہونے سے نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں امام شافعی و امام مالک کا یہی مسلک ہے لیکن ظاہر ہے یہ استدلال درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس حدیث کے کسی حرق میں بھی حصر و تخصیص نہیں ہے یعنی اس امر کی قید نہیں ہے کہ زمین صرف پانی بہانے سے ہی پاک ہوگی۔ کسی دوسرے طریقہ سے نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں مصنف عبد الرزاق و ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

خفاف الارض طهرها اذا جنت الارض | زمین کا سوکھ جانا اس کی طہارت ہے جب زمین فقہ زکات سوکھ جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔

اسی لیے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ زمین دھوپ کی گرمی یا ہوائے سوکھ جائے اور نجاست کا اثر یعنی رُکاب و بوجا تا رہے پاک ہو جاتی ہے۔ غرض کہ حدیث زیر بحث میں تو صرف اس امر کا بیان ہے کہ اگر زمین نجاست سے مٹ جائے تو اس پر پانی بہا دیا جائے کہ نجاست کا اثر زائل ہو جائے تو زمین پاک ہو جائے گی۔ رہا یہ امر کہ زمین سوکھنے سے بھی پاک ہوتی ہے یا نہیں؛ تو حدیث زیر بحث میں نہ اس کی نفی ہے اور نہ اثبات (۲) ایک استدلال اس حدیث سے یہ کیا گیا کہ وہ پانی جس سے نجاست دھوئی گئی وہ پاک ہے کیونکہ وہ پانی جو زمین پر بہا یا گیا ہے زمین میں جذب ہو گا لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہر لفظ الی بولہ کے لفظ موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب پانی بہا یا جائے گا تو نجاست اس کے ساتھ بہ جائے گی اور ہر لفظ کا مطلب یہ ہے کہ اس طریقہ سے پانی ڈالا جائے کہ نجاست کو ساتھ لے کر بہ جائے۔ لہذا وہ پانی جو نجاست لے کر بہا جائے گی پاک ہو سکتا ہے (۵) اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا کہ کپڑوں کو دھوئے وقت پتھر یا ضروری نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ زمین کو کپڑے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کپڑے کو پتھر یا نجاست پر اور زمین کو پتھر یا نجاست پر نہیں ہے۔

بَابُ بَوْلِ الصَّبْيَانِ

باب بچوں کے پیشاب کے حکم کے بیان میں

۲۲۲- (۱) عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبْيٍ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاتْبَعَهُ إِيَّاهُ (بخاری)

(۱) حضرت عائشہ ام المؤمنین سے روایت ہے کہ ایک بچہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا تو اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی منگایا اور کپڑے پر جہاں جہاں پیشاب تھا اس پر ڈال دیا۔

۲۲۳- (۲) عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مَحْصَبٍ
أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَهَا كَلْبُ
الطَّعَامِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَاجْلَسَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِي حُجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا
بِمَاءٍ فَغَسَّغَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ

(بخاری)

(۲) ام قیس بنت محصین اپنے لڑکے کو جو ابھی دونی وغیرہ
نہ کھاتا تھا (شیر خوار تھا) بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آئیں
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی گود میں بٹھایا اس
نے پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگایا اور اس کو
بہا دیا (دھریا نہیں)

فوائد و مسائل

۱- حدیث اول کو امام نسائی نے طیارۃ میں ذکر کیا ہے اور حدیث دوم کو امام مسلم نے طب و طیارۃ میں
اور ترمذی ابن ماجہ و نسائی نے طیارۃ میں ذکر کیا (۲) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے
شیر خوار بچوں کو بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لاتے تھے، تاکہ حضور علیہ السلام بچہ کے لیے دعا فرمائیں اور تحنیک کریں اور حضور کی شفقت و
محبت کا یہ عالم تھا کہ بچہ کو گود میں لیتے تھے اور دست رحمت پھیر دیتے تھے۔ علامہ عینی نے لکھا کہ جس کے لیے حضور علیہ السلام
دعا فرمادیں :-

يسعد في الدنيا والاخره (یعنی ج ۱ ص ۹۹) | وہ دین و دنیا میں سعید ہو جاتا ہے۔

کیا شیر خوار بچہ کا پیشاب پاک ہے | ان دونوں حدیثوں سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ شیر خوار لڑکے
کا پیشاب پاک ہے۔ کہتے ہیں کہ ان حدیثوں میں شیر خوار لڑکے کے
پیشاب پر پانی چھڑکنے اور شیر خوار لڑکی کے پیشاب کو دھونے کا بیان آیا۔ اس تفریق سے یہ واضح ہوا کہ شیر خوار لڑکے کا پیشاب
پاک ہے اور شیر خوار لڑکی کا پیشاب نجس ہے لیکن ایسا مکنا باطل محض ہے اور اس کے باطل ہونے پر یہی بات کافی ہے کہ اگر
شیر خوار لڑکے کا پیشاب پاک ہوتا تو پھر اس پر پانی بہانے کا حکم کیوں دیا جاتا۔ اسی سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ جن حدیثوں
میں فریشہ علیہ - فصہ علی البول اور فغصیہ کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے دراصل غسل دھونا ہی مراد
ہے اور لغت میں نہ سہی مگر کلام شارع میں صلب ریش اور فغ پانی بہانے کے معنی میں آیا ہے۔ نیز خالہ و شوافع کی طرف جو نسبت
کی جاتی ہے کہ وہ شیر خوار بچے کے پیشاب کو پاک قرار دیتے ہیں یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ خود امام نووی علیہ الرحمۃ نے اس کی تردید
فرمادی اور اس کو نقل باطل قرار دیا اور فرمایا :-

الخلافة في كيفية تطهير الذي
بال عليه الصبي ولا خلاف في نجاسته
(یعنی ج ۱ ص ۹۹)

کہ حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اختلاف اس امر میں ہے
کہ اگر شیر خوار لڑکا پیشاب کر دے تو اس چیز کو کیسے پاک
کیا جائے اور شیر خوار لڑکے کے پیشاب کے نجس ہونے میں
اختلاف نہیں ہے (نووی شرح مسلم)

اس سے واضح ہو گیا کہ امام شافعی و امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے متعلق جو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شیر خوار لڑکے
لڑکے کے پیشاب کو پاک قرار دیتے ہیں تو اس شہرت کی وجہ یہ ہوتی کہ یہ دونوں حضرات شیر خوار لڑکے کے پیشاب پر بخیر پانی

چھڑک دینے سے طہارت کا حکم کر دیتے ہیں۔ اس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان حضرات کے نزدیک لڑکے کا پیشاب پاک ہوگا جبھی تو صرف پانی چھڑک دینے کے حکم پر اکتفا کیا۔ بہر حال یہ بات بالکل یقینی ہے کہ یہ حضرات بھی شیرخوار بچے کے پیشاب کو نجس ہی قرار دیتے ہیں البتہ تعبیر میں اختلاف ہے۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ صرف پانی چھڑکنے سے طہارت ہو جائے گی اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ دھوئے سے پاک ہوگا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان میں فرشتہ، فاتحہ، فصوص کے لفظ آئے ہیں۔ اس سے مراد معمولی طور پر دھونا ہے اور بعض احادیث میں تو بول غلام و جامدہ میں بظاہر تفریق کی طرف اشارہ یا دلالت بھی موجود ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ ۱۔ حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ تعالیٰ کے لفظ یہ ہیں :-

۱۔ اِنَّهُ قَالَ فِي الرُّضِيعِ يَغْسِلُ بِلَوْلِ
الْمَجَارِيَةِ وَيَنْضِجُ بِلَوْلِ الْغُلَامِ (ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ)
(۲) حدیث ابی اسحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہے -

يَغْسِلُ مِنْ بَوْلِ الْمَجَارِيَةِ وَيُرْسِشُ مِنْ بَوْلِ
الْغُلَامِ (ابوداؤد)

شیرخوار لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے اور لڑکے کے
پیشاب پر پانی چھڑکا جائے۔

شیرخوار لڑکی کا پیشاب دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب
پر پانی چھڑکا جائے۔

(۳) حدیث حضرت ابن عباس میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے کپڑوں یا جسم پر شیرخوار بچہ کا پیشاب
بول صبی و هو صغیر فصب عليه من
الماء بقدر البول (دارقطنی)
(۴) حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ :-

يَصْبُ عَلَى بَوْلِ الْغُلَامِ وَيَغْسِلُ بَوْلِ
الْمَجَارِيَةِ (طبرانی)

ان احادیث کے پیش نظر امام شافعی علیہ الرحمۃ نے یہ رائے قائم کی کہ شیرخوار بچہ کا پیشاب اگر کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو
اُتنی جگہ جہاں پیشاب لگے پانی چھڑک دیا جائے پاک ہو جائے گا۔ پانی چھڑکنے کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ پر اتنا پانی ڈال دے
جو ٹپکے نہیں بلکہ کپڑے میں ہی جذب ہو جائے اور شیرخوار لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے اور دھونے کا مطلب یہی ہے کہ پانی
کپڑے سے ٹپک پڑے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شیرخوار لڑکی اور لڑکا جب روٹی کھائے لگ جائے تو اس کا پیشاب
دھونے ہی سے کپڑا وغیرہ پاک ہوگا۔ صرف پانی چھڑکنے سے طہارت نہ ہوگی۔ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک چھوٹے اور
بڑے سب کے پیشاب کا ایک ہی حکم ہے یعنی دھونے ہی سے کپڑا وغیرہ پاک ہوگا اور غسل بھی یہی چاہتی ہے کیونکہ جب
لڑکا اور لڑکی شیرخوار نہ ہوں تو ان کے پیشاب میں کوئی تفریق نہیں ہے لہذا رائے شیرخوارگی میں بھی تفریق نہیں ہونی چاہیئے۔
اور احادیث میں جو ریش و نضج کے لفظ آئے ہیں تو کلام شافع علیہ السلام میں یہ لفظ غسل خفیف کے معنی میں بھی استعمال
ہوئے ہیں۔ لہذا یہاں بھی دھونے کے معنی ہی مراد لیے جائیں گے۔ چنانچہ اس امر کے دلائل کہ ریش و نضج غسل کے معنی میں آیا ہے یہی

(۱) شرمگاہ کو مذی لگ جائے تو اس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

فَلْيَنْضَحْ فَرْجَهُ وَلْيَتَوَضَّأْ (ابوداؤد) | چاہئے کہ وہ اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لے اور پھر وضو کرے۔

۲- دوسری حدیث میں فرمایا:-

يَغْسِلْ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأْ | چاہیے کہ شرمگاہ کو دھوئے پھر وضو کرے۔

یہ دونوں حدیثیں ایک ہی سوال کے جواب میں ہیں۔ قصہ بھی ایک ہی ہے اور راوی بھی دونوں کے حضرت علی و مقداد ابن اسود ہیں۔ ان میں سے ایک میں نضح کا لفظ آیا ہے اور دوسری میں غسل کا۔ معلوم ہوا کہ نضح (چھڑکنے) سے مراد دھونا ہی ہے۔ اسی طرح حدیث سہل بن حنیف میں ہے کہ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ کپڑے کو مذی لگ جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا:-

(۳) يَكْفِيكَ اِنْ تَاَخَذْتَ كَفَا مِنْ مَاءٍ فَتَنْضَحْ | ایک کف پانی کا لے کر وہاں چھڑک دے جہاں جہاں بلہ ثوبک حیث یرئی انہ اصابہ (ترجمہ) | تجھے کپڑے پر مذی لگی ہوئی نظر آئے۔
دیکھو یہاں بھی نضح سے مراد دھونا ہے صرف چھڑکنا نہیں ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور علیہ السلام کے وضو کی کیفیت، ان لفظوں میں بیان فرمائی ہے:-

(۴) اخذ غرفة من ماء فرش علی رجلہ | حضور علیہ السلام نے ایک چلو پانی کا لیا اور اپنے سیدھے پاؤں پر چھڑکا یہاں تک کہ وہ دھو دیا۔
دیکھئے یہاں بھی رش بمعنی غسل کے ہے اسی طرح نضح و رش غسل کے معنی میں ان دو حدیثوں میں بھی وارد ہوا۔
جو یہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:- ثم تنضح ثم تغطي فيه ثمر دثیہ

وصلی فیہ (بخاری ترمذی)

ان سے ثابت ہوا کہ کلام شارع میں رش و نضح دھونے کے معنی میں آیا۔ پس بول غلام کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں۔ ان میں بھی رش و نضح دھونے کے معنی میں لینا چاہیے۔ اس کے علاوہ سیدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مسلک پر ایک سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ جب ان کے نزدیک کبھی شیر خوار لڑکے کا پیشاب نچس ہے تو صرف اس پر پانی چھڑک دینے سے فائدہ؟ خصوصاً ایسی صورت میں جب ان کے نزدیک صرف اتنا پانی چھڑکنا چاہیے جو کپڑے کی اتنی جگہ پر پڑ کر جذب ہو جائے جتنی جگہ کہ پیشاب نے گھیرا ہے (۲) یہاں اہل علم کے لیے یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ خون حیض کے متعلق بھی حدیث میں تشخص کے لفظ آئے ہیں بخاری کتاب الحيض اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ خون حیض ناپاک ہے لہذا شیر خوار بچہ کا پیشاب کے لفظ نضح سے اس کی طہارت کا قول کرنے والوں کو یہ چاہیے کہ وہ خون حیض کی طہارت کا بھی قول کریں فانہم۔

بَابُ الْيَوْلِ قَائِمًا وَقَاعِدًا

باب کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیشاب کرکھ کے بیان میں

۲۳۴- عَنْ حَدِيثٍ قَالَ آتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَاحَةً قَوْمٍ قَبَالَ قَاتِلًا
شَرًّا دَعَا بِمَاءٍ فَنَوَضَّاهُ
(بخاری)

کوڑا جمع ہونے کی جگہ پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر
پیشاب کیا۔ پھر پانی منگایا۔ آپ نے وضو
فرمایا۔

۱۔ امام بخاری نے متعدد بار اس حدیث کو کتاب الطہارۃ میں لکھا ہے۔ ترمذی، مسلم، ابن ماجہ، نسائی
نے بھی کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے۔ یہ اور اس مضمون کی دو ایک حدیثیں اور بھی بخاری میں ہیں جن
میں حضور علیہ السلام کا کھڑے ہو کر پیشاب فرمانے کا ذکر ہے۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

۱۔ حضرت عتیبہ ابن مسیب، عروہ، محمد بن سیرین، زید ابن اسم، عتیبہ المسلمانی، امام بخاری، حاکم، شعبی و امام احمد کھڑے
ہو کر پیشاب کرنے کو مباح قرار دیتے ہیں۔ حضرت علی و انس و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا
مروی ہے ۲۔ امام مالک علیہ الرحمۃ کی رائے یہ ہے کہ اگر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں چھینٹیں لگیں تو حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے۔
۳۔ ابن المنذر نے کہا بیٹھ کر پیشاب کرنا اچھا ہے اور کھڑے ہو کر کھجماں ہے، حضور علیہ السلام سے دونوں طرح ثابت ہے۔
(۴) عامر علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ ترمذیہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مسلک
ہے۔ (یعنی ج ۱ ص ۶۴)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز نہیں ہے؟ | اس کی چند حدیثیں یہ ہیں :-

جو قوم یہ بیان کرے کہ حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ اس کی تصدیق مت کرو۔ حکامان یسویٰ الا قاعدۃ
(رواہ الترمذی) (۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فہی رسولی اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان یسویٰ الرجل قاتلًا۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ابن ماجہ لیکن اس حدیث کی اسناد
میں عدی بن الفضل ہے جو متروک ہے۔ (۳) حدیث بریدہ جس کو ہزار نے بسند صحیح روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے
فرمایا۔ تین باتیں جھٹل سے ہیں۔ ان پرول الرجل قاتلًا (یہ کہ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے)۔ علامہ بیہقی علیہ الرحمۃ نے
لکھا ہے کہ اس حدیث کو غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے مگر ہزار صحیح روایت کیا ہے (یعنی ج ۱ ص ۶۴) ۴۔ حضرت عمر فاروق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا۔

یا عمر لا تبطل قاتلًا فما بطل قاتلًا
بند (بیہقی)

اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب مت کرو۔ تو پھر میں نے اس
کے بعد کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

لیکن امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن جریر، عبد الکرم بن امیہ سے روایت کرتے ہیں اور بیہقی
ہیں۔ عبد الکرم نے اس حدیث کا دفع کیا ہے مگر ایوب نے ان میں کلام کیا اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے ۵۔ حضرت عائشہ
صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ :-

مَلِكًا لَّيْسَ لَكَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | كَذَوْبُ قَرَّانِ كَيْ بَدْرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لے بیہقی عروہ و سیرین کے متعارض ہیں کیونکہ حضرت عائشہ اپنا مشاہد بیان فرما رہی ہیں اور ان کا مشاہد ظاہر ہے کہ بکھری تھیں ہو

قَابِلًا مِّنْ ذَا انْزِلَ عَلَيْهِ الْفَرَسَانِ

کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

حدیث نہ کو ابو حوازہ نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا اور دارقطنی وغیرہ نے اس کو صحیح کہا۔ (۷۰) ابن ماجہ نے بعض مشائخ سے نقل کیا کہ عربوں کی عادت کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی تھی اور نسائی وابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر پیشاب کیا تو ہم نے کہا۔

فَقُلْنَا انْظُرْ وَالْيَهُ يَبُولُ كَمَا تَبُولُ

دیکھو حضور تو ایسے پیشاب کر رہے ہیں جیسے عورتیں کرتی ہیں (یعنی بیٹھ کر)

الْمَرْءَةِ

حافظ ابن جریر علیہ الرحمۃ نے فرمایا اس حدیث کو عبد الرحمن بن حسن نے روایت کیا اور یہ صحیح ہے دارقطنی نے اس کو صحیح کہا۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۸۵) (۷۱) اور حضرت ابو موسیٰ سے منقول ہے انھوں نے ایک شخص کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا۔

وَيَحْكُ اضْطَاعًا

برائی ہو بیٹھ کر کیوں نہیں کرتا

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے ان تمام توضیحات کے بعد فرمایا کہ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح پیشاب کرنا جائز ہے اور اکثر علمائے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لوجود احادیث الہی و اکثر ہا غیریہ ثابتہ فافہم۔ غرض کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت کی حدیث صحیح ہو جائے تو پھر تو یہ فعل مکروہ تحریمی ہوگا اور اس کا قول نہیں بلکہ امام نسائی علیہ الرحمۃ نے تو باب الرخصة فی البول فی الصحراء قائم کیا کا عنوان قائم ہے اور علامہ سندھی نے دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق دی ہے۔ (۷۲) حدیث، حذیفہ محمول ہے خارج بیت۔ پر اور حدیث، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس میں یہ آیا کہ حضور علیہ السلام بیٹھ کر پیشاب فرماتے تھے یہ محمول ہے بیت پر فافہم۔ (۷۳) ہاں بعض علمائے حدیث مستدرک لعلام میں آیا کان لوجع فی حضور علیہ السلام کا کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا کسی مذکر کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ حدیث مستدرک لعلام میں آیا کان لوجع فی مابطنہ یعنی گھٹنوں کے اندر وہی حصہ میں حضور کو تکلیف تھی۔ اس لیے بحالت قیام پیشاب فرمایا۔ یہ حدیث اگر ضعیف ہے لیکن بیان احتمالات کا فائدہ دے سکتی ہے۔ (۷۴) البتہ بعض صحابہ امت نے اس معاملہ میں سختی بھی کی ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ہمارے زمانہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا نصاریٰ کا شعار ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر اس معاملہ میں سختی کی جائے تو پھر بھی مکروہ تنزیہی سے زیادہ کا حکم نہیں دیا جاسکتا (واللہ تعالیٰ اعلم)

بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ صَاحِبِهِ وَالشَّتْرِ بِالْحَائِطِ

باب اپنے ساتھی کے نزدیک پیشاب کرنا اور دیوار کی آڑ کرنا

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چہل قدمی کر رہے تھے تو آپ قوم کی کوڑا ڈالنے کی جگہ پہنچے اور دیوار کے پیچھے ایسے کھڑے ہوئے جیسے تم

۲۲۵ - عَنْ حَذِيفَةَ قَالَ رَأَيْتُنِي آتَا وَالنَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتَمَّاشِي فَأَنَّى سَبَاطَةً فَوَيْرَحَلْتُ حَائِطًا فَتَمَّ

کھٹا ہے اور گھرتا باہر کا حال نہیں معلوم نہیں ہے۔ منہ

کَمَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ فَبَالَ فَإِنْتَبِذْ مِنْهُ | میں سے کوئی کھڑا ہوتا ہے پھر آپ نے پیشاب کیا اور
فَأَسَادَ إِلَيَّ فَجِئْتُهُ فَقُمْتُ عِنْدَ | میں الگ ہو گیا۔ آپ نے اشارہ سے مجھے بلایا تو میں
عَقِبِهِ حَتَّى قَدَحَ (بخاری) | آپ کی ایڑی کے قریب کھڑا ہو گیا یہاں تک آپ فارغ ہو گئے

فوائد ومسائل (۱) حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کبار صحابہ کرام سے ہیں۔ مسلم میں ہے کہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک جوئے والے واقعات بتا دیے تھے۔ حضرت حذیفہ کے والد بھی صحابی تھے جو جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور حضرت حذیفہ نے جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت کی ابتدا خلافتِ ثلاثہ میں وفات پائی۔ آپ سے بخاری میں بائیس حدیثیں مروی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) (۲) یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:-
(۱) اگر ساختی نزدیک ہی بایں طور کھڑا ہو کہ شرمگاہ اس کی نظروں سے پوشیدہ رہے تو ایسی حالت میں پیشاب کرنا جائز ہے حضور علیہ السلام نے اپنی حفاظت کے لیے یہ بھی کیا اور وجہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے نزدیک کھڑا کر لیا ہو۔ اور وہ حضور علیہ السلام کی ایڑیوں کے قریب کھڑے ہو گئے تھے یا یہ کہ آپ نے ان کو اس لیے کھڑا کیا ہو کہ ایک طرف تو دیوار کا پردہ ہو جائے اور دوسری طرف حذیفہ حائل ہو جائیں جیسا کہ طبرانی کی حدیث میں یا حذیفہ! استرنی کے لفظ آئے ہیں۔
(۲) اس سے بعض نے یہ استدلال کیا کہ پیشاب کرتے ہوئے کہ باتیں کرنا جائز ہے مگر یہ استدلال باطل ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے حضرت حذیفہ کو اشارہ سے بلایا تھا اور حدیث میں اشارہ کا لفظ بھی موجود ہے۔ البتہ مسلم میں (اور نہ) کا لفظ آیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ روایت بالحنی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ وہ داؤمی ایسا نہ کریں جب کہ وہ اپنی شرمگاہوں کو کھولے ہوئے قضا حاجت کر رہے ہوں۔

يَعْتَدُ ثَانِي فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَمِيقُ عَلَى ذَلِكَ (ابن ماجہ) | اور باتیں کر لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے
اس حدیث میں مذکورہ بالا صورت میں بات کرنے سے منع فرمایا۔ ہاں اگر ضرورت شرعی ہو تو بات کرنے میں حرج نہیں۔ علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہی تھی کہ قضا حاجت آبادی سے دور جا کر فرماتے لیکن یہاں آبادی کے قریب قضا حاجت فرمانا اس وجہ سے ہوگا کہ آپ امورِ مسلمین میں مشغول رہے تو حاجت ہو گئی اور آبادی سے دور جانے میں دشواری محسوس ہوئی۔ اس لیے قریب ہی رفع حاجت فرمائی۔

بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ سَبَاطَةٍ قَوْمٍ

باب سباط قوم کے نزدیک پیشاب کرنے کے بیان میں

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انداز فکر یہ ہے کہ حدیث کے ایک ایک فقرے کا عنوان باندھ دیتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت بھی امام نے مذکورہ بالا مضمون کی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے سباط قوم پر پیشاب فرمایا۔ سباط اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لستی والے بستی کا کوڑا کرکٹ ڈالتے ہیں۔ ویسے سباط کے اصل معنی اس جگہ کے ہیں جہاں مٹی کا ڈھیر لگا ہوا ہو اور وہ ٹیلے کی صورت ہو جائے۔

۲۲۶- عَنْ أَبِي وَاسِيلٍ قَالَ كَانَ أَبُو مُوسَى | حضرت ابوداؤد سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ

لَا شَعْرِيَّ يَسْدُدُ فِي السُّبُولِ وَيَقُولُ اِلَيْكَ
بِحَيِّ اسْرَءِيلَ كَانَ اِذَا اَصَابَتْ ثُوبَكَ
اَحَدُهُمْ قَرَضَهُ فَقَالَ حَدِيقَةُ كَيْفَتْهُ
اَمْسَكَ اَنْتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ سَبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَاتِلَانَا
(بخاری)

اشعری پیشاب کرنے والے کے ساتھ سختی کرتے (منع کرتے) اور فرماتے (بنی اسرائیل کی شریت میں یہ مسئلہ تھا کہ کپڑے کو پیشاب لگ جائے تو اس کو کتر ڈالتے) حدیقہ نے کہا کاش ابوموسیٰ اس سختی سے باز رہتے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سباطہ قوم پر آتے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

اصل واقعہ یہ تھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھینٹوں سے بچنے کے لیے قارورہ میں پیشاب کیا کرتے تھے، کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں عموماً چھینٹیں آتی ہیں۔ اس لیے وہ لوگوں کو خصوصی طور پر تنبیہ فرمایا کرتے کہ کھڑے ہو کر پیشاب مت کرو اور ظاہر ہے کہ اگر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کپڑوں اور جسم پر چھینٹیں لگیں تو یہ صورت ممنوع قرار پائے گی اور اس کی علت قیام نہیں بلکہ تلویث ثوب و بدن ہوگی۔ تاہم۔ اسی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ ایسی ہیئت سے قضاء حاجت کرنا کہ کپڑے یا بدن لموث ہوں ممنوع ہے۔

بَابُ غَسْلِ الدَّرِّ

باب غون (حیض) دھونے کے بیان میں

۲۲۷۔ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ جَاءَتْ امْرَأَةً
إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ
أَدْعَيْتُ أَحَدَنَا نَحِيضُ فِي الثُّوبِ كَيْفَ
تَصْنَعُ قَالَ نَحْنُهُ ثُمَّ نَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ وَ
نَنْصَحُهُ بِالْمَاءِ وَنُصَلِّي فِيهِ (بخاری)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی ہم میں سے اگر کسی عورت کو کپڑے میں حیض آجائے تو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا۔ پہلے اس کو کھڑچ ڈال پھر پانی ڈال کر گڑھے اور پانی سے دھو ڈالے۔

۱۔ امام نے اس حدیث کو صلوٰۃ اور بیوع میں ذکر کیا۔ مسلم، ترمذی، نسائی وابن ماجہ نے ہمدانہ میں ذکر کیا (۲) حضرت اسماء سیدنا صلیب اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ ماجدہ ہیں۔ آپ کو ذات النطاقین بھی کہتے ہیں۔ مہاجرات میں سے ہیں۔ علم تعبیر کی ماہر تھیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابن سیرین نے علم تعبیر حضرت ابن مسیب سے اور انھوں نے جناب اسماء سے حاصل کیا تھا۔ ۳۔ میں سو برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ بخاری میں حضرت اسماء سے سولہ حدیثیں مروی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ۴۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ اگر کپڑے کو خون حیض لگ جائے تو اس کو اچھی طرح دگر دھو دیا جائے پاک ہو جائے گا۔ دیکھئے۔ تنفیخ کا لفظ یہاں دھونے کے معنی میں ہے۔ نیز اس سلسلہ کی دوسری حدیثوں کے الفاظ یہ ہیں۔

(۱) نمیری کے پتوں سے دھو ڈال

(۲) پہلے کپڑے پر نمک ڈال دے پھر پانی سے دھو ڈال۔

(۱) اغسلہ بالماء والسد

(۲) واطرحی فیہ ملحاً ثم اغسلی

(۳) شعر تفرص المدح من ثوبها عند طهر

ھا وتغسله

(۴) فاعسلی موضع حیضک ثم صلی فیہ

قالت یا رسول اللہ اری لہ یخرج اثرہ

قال یکفیک الماء ولا یضرک اثرہ

(مسند احمد، ابن ماجہ)

(۳) کپڑے سے خون کو کھڑج پھر دھو ڈال

(۴) جس جگہ کپڑے پر خون حیض لگا ہے اس کو دھو ڈال

(۴) جس جگہ کپڑے پر خون حیض لگا ہے اس کو دھو ڈال

عرض کی یا رسول اللہ اگرچہ خون کا دھبہ نہ جائے فرمایا۔

تیرے لیے پانی سے دھونا کافی ہے، دھبہ نقصان نہیں لگتا۔

۱۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے کو خون حیض لگ جائے تو پیری کے پتوں یا ناک یا صابن لگا کر دھولیا جائے تاکہ خوب اچھی طرح دھل جائے خوب دھونے کے باوجود بھی اگر دھبہ باقی رہ جائے تو ممانہ ہے (۲) یہ کہ خون ناپاک ہے (۳) ناپاک چیز کو دھونے کے لیے کوئی عدد مقرر نہیں رہا مگر کرام نے جو عدد مقرر کیا ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے۔ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ تین دفعہ دھونے سے یقین ہو جائے کہ نجاست زائل ہو گئی ورنہ اگر واقعی ایک دفعہ دھونے سے نجاست دور ہو جائے تو طہارت حاصل ہو جائے گی۔ غرضیکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ نجاست زائل ہونے کا جب ظن غالب ہو جائے تو نجس چیز پاک ہو جائے گی، خواہ یہ ظن ایک دفعہ دھونے سے حاصل ہو یا دو یا تین دفعہ دھونے سے۔ البتہ جو شخص دوسرے کے مرض میں مبتلا ہو اسے تین بار سے زائد دھونا چاہئے کہ دوسرے کا بعض ہزار بار بھی دھرے تو بھی اس کی تسلی نہیں ہوتی۔

۱۔ علامہ خطابی و بیہقی نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ نجاست کا زائل صرف پانی ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور دوسری رفیق و سیال چیزوں مثلاً عرق گلاب، کبوترہ وغیرہ سے دھونے سے طہارت نہ ہوگی لیکن

کیا عرق گلاب و کبوترہ سے ناپاک کپڑا وغیرہ دھونے سے پاک ہو جائے گا؟

یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں پانی کی قید تو محض اس لیے ہے کہ عموماً پانی موجود ہوتا ہے یعنی حدیث میں پانی کو زائل نجاست کے لیے شرط قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اس لیے احناف کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ پاک رفیق بسنے والی چیز جس سے نجاست دور ہو جائے۔ مثلاً عرق کبوترہ یا سرکہ اگر اس سے نجس چیز کو دھویا گیا تو پاک ہو جائے گی۔ لیکن بلا ضرورت گلاب و سرکہ وغیرہ سے اشیاء کو پاک کرنا ناجائز ہے کہ فضول خرچی ہے اور دودھ گھی تیل ایسی چکنی سیال چیزوں سے دھونے سے طہارت نہیں ہوگی۔ کیونکہ بوجہ چکنی ہٹ یہ چیزیں نجاست کو دور نہیں کرتیں۔

ایک درہم سے کم نجاست کا حکم واضح ہو کہ نجاست دو قسم پر ہے۔ غلیظہ جیسے پاخانہ، پیشاب، ہستاقون، پیپ، مٹہ بھرتے، حیض و نفاس و استخادہ کا خون، منی، ودی اس کا

حکم یہ ہے کہ اگر کپڑے یا بدن میں ایک درہم سے زیادہ لگ جائے تو اس کا پاک کرنا فرض ہے۔ بے پاک کیے نماز پڑھی نہ ہوگی اور قصداً پڑھی گناہ بھی ہوا اور اگر نیت توہین پڑھی تو کفر ہوا اور اگر دو درہم کے برابر بے تو پاک کرنا واجب ہے۔ بے پاک کیے نماز پڑھی، ہوگی مگر خلاف سنت ہوئی اور اس کا دوبارہ پڑھ لینا بہتر ہے لیکن اگر دوبارہ نہ لوائی تو گنہگار نہ ہوگا۔

(۲) احناف کی دلیل اس مسئلہ میں حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ ان حضرات نے ایک درہم

بخاری میں کی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے انگوٹھے کے ناخن کے برابر مقدار میں کی (کمانی محیط) اور حضرت عمر کے انگوٹھے کا ناخن عرض کف کے برابر تھا۔ صاحب محیط نے فرمایا۔ درہم کبیر عرض کف کے برابر ہے البتہ ام سرخی نے یہ کہا کہ درہم راجح الوقت مراد لیا جائے۔ فانہم

حضرت عائشہ صدیقہ فراقی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حیثم بھنور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے استحاضہ کی بیماری ہے پاک نہیں رہتی کیا نماز چھوڑ دوں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نماز چھوڑنے کی ضرورت نہیں، یہ ایک رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے۔ جب حسب معمول حیض کے دن آئیں تو نماز نہ پڑھو اور جب حیض کی مدت پوری ہو جائے تو بدن پاک کر کے پھر خون لگا ہو تو اس کو دھو ڈالو اور وضو کر کے نماز پڑھو میرے باپ عروہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا پھر ہر نماز کے لیے وضو کرتی رہ یہاں تک کہ پھر حیض کے دن آئیں

۲۲۸۔ عَنْ عَائِشَةَ فَتَأْتِ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَمْرَأَةٌ اسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهَرُ أَفَادَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَمَّا ذَلِكَ عِرْفٌ وَلَكِنَّ بِحَيْضٍ فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكَ فَادْعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَذْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكَ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّ قَالَتْ وَفَالِ رَبِّ شُمَّ تَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ حَتَّى يَجِيءَ ذَالِكَ الْوَقْتُ. (بخاری)

اس حدیث کو سلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں درج کیا۔ حدیث ہذا مسائل قبل پر مشتمل ہے ۱۔ مستورات کا اپنے مخصوص مسائل کا دریافت کرنا جائز ہے (۲) غیر حرم سے بضرورت شرعی گفتگو جائز ہے (۳) حالت عورت کو نماز پڑھنا خواہ نفل ہوں یا فرض حرام ہے۔ اسی طرح عائشہ کو طواف کعبہ، نماز جنازہ مسجدہ شکر بھی جائز نہیں (۴) خون نجس ہے (۵) جب حیض کا خون بند ہو جائے تو مجرد انقطاع سے نماز واجب ہو جاتی ہے۔ (۶) استحاضہ ایک بیماری ہے جس کی وجہ سے عورت کو خون آتا ہے اور کبھی یہ مرض شدت اختیار کر جائے تو پھر ہر وقت آتا رہتا ہے۔ اسی مسئلہ کو حضرت فاطمہ نے حضور علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ خون جاری رہتا ہے اور میں پاک نہیں رہتی، نماز کے متعلق کیا حکم ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جتنے دن حیض آنے کی عادت ہے اس مدت میں تو نماز نہ پڑھی جائے۔ پھر جب حیض کی مدت ختم ہو جائے تو غسل کر (جیسا کہ دوسری روایت میں تصریح ہے) اور ہر نماز کے وقت کے لیے تازہ وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔ گویا مسئلہ یہ ہوا کہ فرض کیجئے کسی عورت کو استحاضہ کی بیماری لاحق ہے اور اس کو ہر ماہ دس دن یکم سے لے کر ۱۰ تا تاریخ تک حیض آنے کی عادت ہے تو یہ دس دن حیض کے ہوں گے۔ ان دنوں میں نماز نہ پڑھے۔ گیارہویں دن غسل کرے اور اس کے بعد سے ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرے اور نماز پڑھتی رہے اور کبڑا وغیرہ رکھ لیا جائے تاکہ خون اس میں نہ پڑے۔ جب تک نماز کا وقت باقی رہے گا وضو باقی رہے گا۔ خواہ خون جاری رہے۔ اس کے بعد جب دوسری نماز کا وقت آئے پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کرے اسی طرح نماز پڑھتی رہے۔

بَابُ غَسْلِ الْمَنَى وَفَرْجِهِ وَ

(۱) باب منی کا دھونا (۲) اور اس کا کھرچنا (۳) اور عورت کی

غسل مایصیب من المداؤ | شہرگاہ سے (کپڑے یا بدن) جو رطوبت لگ جائے اسکا دھونا
امام نے اس عنوان کو تین امور میں کیا ہے۔ منی کا دھونا، منی کا کھرچنا، رطوبت فرج کا دھونا۔ مگر اس عنوان کے
ماتحت سے حدیث درج کی ہے۔ اس میں صرف منی کے دھونے کا بیان ہے۔ شراحین نے اس اعتراض کے متعدد
جواب دیے ہیں اور گرامر کم بیش کی ہیں مگر سب کے سب غدر بار ہیں۔ دیکھو عینی، قسطلانی، فتح الباری۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھو دیتی
تھی اور حضور علیہ السلام وہ کپڑا اپنے نماز کے لیے جاتے
دراں خلیکہ پانی کے دھبے آپ کے کپڑے پر ہوتے۔

(۱) امام نے اس حدیث کو اسی باب میں متعدد بار ذکر کیا ہے۔ سلم، ترمذی، البوداؤد، نسائی، ابن ماجہ
نے اس حدیث کو روایت کیا ہے (۲) تسمیۃ الشی باسم سببیہ کے ماتحت یہاں جنابت
کے لفظ سے متنی مراد ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دوسروں کی منی نجس ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضور علیہ السلام
کے کپڑوں سے منی دھوتی تھیں۔ حضور علیہ السلام اسی کپڑے کو پہن کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور دھونے کا اثر اس پر باقی
ہوتا تھا یعنی کپڑا گیلیا ہی ہوتا تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک بھی منی نجس ہے۔ واضح ہوا کہ اگر کپڑے کو
منی لگ جائے اور ابھی جمیل ہو تو دھونے سے ہی کپڑا پاک ہوگا اور اگر غلیظ ہو اور سوکھ جائے اور اس کو خوب اچھی طرح رگڑا
جائے کہ اس کے اجزاء کپڑے سے بکھر جائیں تو اس کپڑے کے ساتھ بغیر دھونے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ
کی چند حدیثیں یہ ہیں :-

منی کا حکم اور پاک کرنا کا طریقہ (۱) رہما فوکرۃ
من ثوب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصابی

(۲) وَاِذَا رَاحِلَهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَبَا بِي
عليه وسلم يا بسا بظفري (ترمذی)

(۳) انھا كانت تحت المنى من ثوب رسول الله
صلى الله عليه وسلم وهو يصلى (بیہقی، دارقطنی)

(۴) كنت اخرت المنى من ثوب رسول الله صلى
الله عليه وسلم اذا كان يا بسا واغسله اذا

حضرت عائشہ صدیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے
منی کو کھرچ دیتی تھیں اور حضور اسی کپڑے میں نماز ادا فرماتے۔
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی
کو کھرچتی تھی جب کہ وہ سوکھی ہوتی اور اگر تر ہوتی

کان مطلباً - (بزار و ابو عوانہ) | تو وہ قوی تھی۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ منی ٹوٹ کر دیا جائے تو اس کپڑے میں نماز جائز ہے اور اگر منی زبردست دھونا ضروری ہے۔ کیونکہ کھڑچنے سے وہ زائل نہیں ہوگی۔

بَابُ اَبْوَالِ الْاِبْلِ وَالِدِّ وَآبِ

باب اونٹوں، بکریوں اور چڑیاؤں کے پیشاب

اور وہاں نماز پڑھنے کے بیان میں

اور ابو موسیٰ نے وار لبرید میں نماز پڑھی جہاں بید اور گوبر پڑا تھا حالانکہ جنگل ان کے پہلو میں تھا اور کہا کہ

اس مقام میں اور صاف مقام میں کوئی فرق نہیں۔

اس اثر کو شیخ بخاری، ابونعیم نے کتاب الصلوٰۃ میں وصل کیا۔ صلیٰ کا مطلب یہ لیا گیا کہ حضرت ابو موسیٰ نے اس بکد نماز پڑھی جہاں لید اور گوبر پڑا ہوا تھا کیونکہ ان کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب و

پاشا نہ پاک ہے۔ لیکن اس مفہوم کو لینے میں نظر ہے کیونکہ عموماً جب نماز پڑھتے ہیں تو مصلیٰ یا چٹائی یا کپڑا بچھا کر پڑھتے ہیں تو نہایت ابو موسیٰ نے بھی چٹائی بچھا کر ہی نماز پڑھی ہوگی اور ناپاک زمین پر ٹوٹا کپڑا یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے اور اگر یہ مان ہی لیا جائے کہ ان کے نزدیک حلال جانور کا لید اور گوبر پاک تھا۔ اس لیے انھوں نے چٹائی وغیرہ بچھا کر بغیر نماز پڑھ لی تو یہ صرف ان کا ایک فعل ہے اور حضرت ابن عمر و دیگر صحابہ کرام اس کے خلاف ہیں۔

۲۳۴- عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلُ أَنْ يَبْنِيَ الْمَسْجِدَ فِي بَرَاءِ بْنِ الْعَاصِمِ (بخاری)

اس حدیث سے امام بخاری، ازہری، امام مالک، احمد و محمد و زفران غزالیہ و ابن حبان نے یہ استدلال کیا کہ جن جانوروں کا کھانا حلال ہے ان کا پیشاب و گوبر بھی پاک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بکریوں کے پاؤں سے نماز پڑھی اور ہاتھ عموماً لید، گوبر، پیشاب سے صاف نہیں ہوتا لیکن امام شافعی، ابو حنیفہ، جماعت سلف و جمہور علماء (کما فی الفتح) کا مسلک یہ ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب اور گوبر بھی نجس ہے البتہ نجاست خفیہ ہے۔ رہی یہ بات کہ حضور علیہ السلام نے بکریوں کے پاؤں سے نماز پڑھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ نے چٹائی بچھا کر پڑھی ہو چنانچہ حضرت عاکشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

کَانَ يَسْلِي عَلَى الْخَمْرَةِ | حضور علیہ السلام اور حنیٰ پر نماز پڑھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے گھر میں حضور علیہ السلام نے علی حصیر فی دارہم (بخاری و مسلم) | چٹائی پر نماز پڑھی

اس کے علاوہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام ہدایت یہ تھی کہ گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے صاف ستھری جگہ مقرر کی جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو گھر میں نماز پڑھنے کے لیے جگہ بنانے کا حکم دیا اور فرمایا:-

وَان تَغْلِفْ وَتَغْلِبْ (ابوداؤد و احمد) | کہ اس جگہ کو پاک و صاف رکھا جائے۔
نیز بیہقی کی حدیث میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَنْ لَمْ يَجِدْ وَالْاَمْرَ بَعْضُ الْغَسَمِ و | اگر سوائے بکریوں کے باڑہ اور اونٹوں کے باڑہ کے
اعطَانِ الْاَبْلِ فَصَلُوا فِي مِرَابِضِ الْغَسَمِ نماز کے لیے کوئی اور جگہ نہ ملے تو بکریوں کے باڑہ میں نماز
وَلَا تَصَلُوا فِي اعْطَانِ الْاَبْلِ پڑھو، اونٹوں کے باڑہ میں نہیں۔

(ابن حبان و قال الترمذی حسن صحیح)

ان روایات کے پیش نظر اس امر کو تقویت پہنچتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے بکریوں کے باڑہ میں جو نماز پڑھی وہ چٹائی بچھا کر ادا فرمائی ہوگی۔

وضاحت | اس سلسلہ میں امور ذیل بھی قابل ذکر ہیں۔ ۱۔ جن احادیث میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا ذکر آیا ہے تو ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شارع علیہ السلام کو یہ امر مطلوب ہے کہ لوگ یہاں نماز پڑھ کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ لفظ ہیں اِذَا لَمْ يَجِدْ وَاجِبٌ تَمَّ نَمَازُكَ سِوَا بَكْرِيٍّ کے باڑے کے سوا اور کوئی جگہ نہ پاؤ تو پھر وہاں نماز پڑھو۔ اس سے مطبوعہ بیت کی نفی ہوگئی۔ ثانیاً حضور علیہ السلام کا یہ امر ابتدائی بھی نہیں ہے کہ مستقل طور پر آپ نے از خود یہ مسئلہ بیان فرمایا ہو بلکہ طحاوی میں تو یہ تصریح ہے کہ حضور سے کسی نے سوال کیا کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ ہاں! معلوم ہوا کہ یہ امر ابتدائی نہیں ہے بلکہ مسائل کے جواب میں ہے۔ ثالثاً، بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا اور اونٹوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرمانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عرب کا محبوب ترین مال بکریاں تھیں اور وہ ان کے قیام و طعام کا انتظام اپنے گھروں ہی میں کرتے تھے جہاں بکریاں رہتی تھیں وہیں بیٹھتے، اُٹھتے، کھاتے پیتے تھے تو وہ ضرور ایک حصہ زمین کو نماز پڑھنے اور اپنے بیٹھنے کے لیے صاف ستھرا رکھتے ہوں گے چنانچہ حدیث مطا امام مالک کے یہ لفظ احسن موابض الغنم واطب مراجعہا واصل فی ماحیہ اس خیال کی تائید و توثیق کرتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی۔ بکریوں کے باڑے کے ایک اکڑ میں نماز پڑھتے تھے جو صاف ستھرا رکھا جاتا تھا چنانچہ عینی میں سند البزار کی یہ حدیث ہے کہ لفظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں اَسْتَوَالِيهَا وَامِيَطُوا نَهَا الْاَذَى۔ پس ثابت ہوا کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے یہ استدلال کرنا کہ للال جانوروں کا پیشاب اور لید کو بریاب ہے صحیح نہیں ہے۔ فافهم

۴۴۴۔ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ صَلَّى فِي بَيْتٍ كَانَ لَهُ ثَلَاثُونَ حَسَنَةً» | حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی گھر میں نماز پڑھے گا اسے ثلاثون نیکوئی ملیں گی۔

کی آب دہرائیں موانع نہ آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیتے رہیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ قہقہہ ہونگے اور انھوں نے حضور علیہ السلام کے گلہ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹیاں بھگا کر لے گئے۔ صبح کو یہ خبر حضور علیہ السلام کو پہنچی۔ آپ نے ان کے تعاقب کا حکم دیا دن چڑھے وہ پکڑے گئے اور آپ نے حکم دیا تو ان کے ہاتھ کاٹے گئے آنکھیں پھوٹی گئیں اور پتھریلی زمین پر دھوپ میں ڈال دیئے گئے۔ وہ پیاس کی وجہ سے پانی مانگتے تھے لیکن کوئی پانی نہیں دیتا تھا۔ ابو قلابہ نے کہا یہ سزا انہیں

هَمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلْعَاحُ
وَأَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أُبْوَالِهَا وَالْبَائِهَا فَأَنْطَلَقُوا
فَلَمَّا صَحَوْا قَتَلُوا رَاعِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَاسْتَأْذَنُوا النَّعَمَ فَنَجَاءَ الْخَبَرُ فِي
أَوَّلِ النَّهَارِ فَبُعِثَ فِي أَشَارِهِمْ فَلَمَّا ارْتَفَعَ
النَّهَارُ جِئَ بِهِمْ فَأَمَرَ فَقُطِعَ أَيْدِيهِمْ وَ
أَرْجُلُهُمْ وَأُلْقُوا فِي الْحَرِّ يَسْتَقُونَ فَلَمَّا
يَسْقُونَ قَالَ أَبُو قَلَابَةَ فَهَوَّ لَدَى سَرِّقُوا
فَقَتَلُوا وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَحَارَبُوا اللَّهَ
وَرَسُولَهُ (بخاری)

اس لیے دی گئی کہ انھوں نے چوری کی قتل ناحق کیا۔ مرتد ہوئے اور اللہ و رسول سے لڑے۔

فوائد مسائل اس حدیث کو امام بخاری نے آٹھ جگہ ذکر کیا۔ جہاد، دیانت، حدود، تغیر، محاذی، حجاز میں اور مسلم نے حدود میں، ابو داؤد نے طہارۃ میں، نسائی نے محاربہ میں (۲) طبرانی کی حدیث میں ہے کہ یہ قبیلہ عک کے آٹھ اور عرب کے چار آدمی تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور اندلس صلی اللہ علیہ وسلم نے کرز بن جابر الغنوی کی قیادت میں دس گھوڑ سواروں کو ان کے تعاقب میں بھیجا تھا۔ انھوں نے مقام ذی ہمدرد کو قبار کے قریب مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے، حضور علیہ السلام کے غلام حضرت یسار کو مع ان کے ساتھیوں کے بیدروی سے شہید کیا تھا۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے تھے۔ زبان میں کانٹے چھب دیئے تھے اور اونٹیاں لے کر فرار ہو گئے تھے۔ مسلم شریف میں یہ تشریح ہے کہ ان لوگوں کے رنگ زرد ہو گئے تھے اور پیٹ پھول گئے تھے اس لیے حضور علیہ السلام نے ان کو اونٹوں کے پیشاب اور دودھ پینے کی ہدایت دی انھوں نے ایسا ہی کیا اور صحت یاب ہونے پر مرتد ہو گئے اور اونٹوں کے محافظوں کو قتل کر دیا اور اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ پھر جب یہ لوگ پکڑ کر لائے گئے تو حضور سید عالم نے سزا دینے میں وہی سختی اختیار فرمائی جس کے وہ ترکب ہوئے تھے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کی آنکھیں پھوڑنے کا حکم ایسے دیا۔ انھو سملوا عین الرحا (۲) اس حدیث سے حضرت مالک علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال فرمایا کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حلال جانور کا پیشاب بطور دوا یا پینا حلال ہے لیکن امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ جانور خواہ حلال ہو یا حرام سب کا پیشاب نجس ہے اور بطور دوا بھی اس کا پینا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور وہ جو حضور علیہ السلام نے قبیلہ غزیین کے آدمیوں کو اونٹ کا پیشاب پینے کی ہدایت دی تھی وہ منسوخ ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے۔ استزہرا عن البول فان عامة عذاب | پیشاب سے بچو، عذاب قبر کا سبب عام طور پر پیشاب سے

الفتبر مہ

۱ | نہ پہنچنا بھی ہے۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کو اونٹوں کے پیشاب پینے کی ہدایت وحی کی بنا پر دی تھی۔ حضور علیہ السلام کو بندہ یہ وحی یہ بنا دیا گیا کہ یہ مرتد ہو کر مریں گے اور ان کے مرض کی دوا اونٹوں کا پیشاب ہے۔ پس اگر کسی کو قطعی حتمی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں مریض کی شفا اسی میں ہے کہ حرام چیز کھائے یا پئے تو الا مٹا اضططررت ہوا البیہ کے تحت اس کو حرام چیز کا استعمال جائز ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ بڑے سے بڑا نفع اور ڈاکٹر قطعی فیصد نہیں دے سکتا کہ فلاں دوا سے فلاں مریض ضرور اچھا ہو جائے گا اس لیے بطور دوا بھی حرام چیزوں کا کھانا جائز ہی قرار پائے گا۔ (یعنی ج ۱ ص ۲) اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں :-

(۱) لا مشفاء فی المحدثہ رعاشیہ نور اللافوائد | حرام چیزوں میں شفا نہیں ہے

(۲) بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کسی نے عرض کی حضور! شراب بطور دوا استعمال کرنی جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

اس نے دوبارہ پوچھا۔ فرمایا نہیں! تیسری بار اس نے عرض کی حضور! شراب میں شفا ہے، فرمایا :-

فَقَالَ لَا وَلَكِنْهَا دَاوُ (یعنی ج ۱ ص ۲۹۰) | نہیں اس میں شفا نہیں ہے اس میں بیماری ہے۔

(۳) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ كَم فِي

حرام (ان جان)

اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہارے لیے

شفا نہیں رکھی

ان احادیث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حرام چیزوں میں بدن کو نفع پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ شراب کے متعلق تو نہ تو قرآن مجید نے تصریح کی ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے منافع ہیں۔ فیہا اشد کبیر و منافع للناس اور منافع کو بھی قرآن نے مطلق رکھا ہے۔ اس میں کسی خاص نفع کی قید نہیں لگائی۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

شارع علیہ اسلام نے اس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے کوئی نفع ہی باقی نہ رہے بلکہ

منافع للناس فرما کر تو قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ باوجود اس کے کہ کسی چیز میں نفع ہو مگر وہ بھی حرام کی جاسکتی ہے جیسے

شراب ہی کو لے لیجئے کہ اس میں نفع بھی ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کو حرام قرار دیا گیا۔ مگر اس کے ساتھ قرآن مجید نے یہ

نفع بعض علمائے یہ تاویل کی ہے کہ آیت میں منافع سے منافع تجارت مراد ہے۔ لیکن اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ

اول تو قرآن مجید نے منافع کو مطلق رکھا ہے۔ خواہ وہ منافع تجارت ہوں یا منافع بدن۔ ثانیاً کھانے پینے کی چیزیں مطلوب بنفسہ

ہوتی ہیں تو اگر ہم منافع تجارت مراد لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایک مطلوب بنفسہ چیز کو کسی دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ

اور نہ کار قرار دیدیں تو اس صورت میں وہ چیز مطلوب بنفسہ نہ رہے گی بلکہ آدہ ذریعہ ہو جائے گا، جیسے کہ لغو درو پیہ، پیسہ کی

ذات مطلوب نہیں ہوتی کہ یہ دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں۔ فاقم

تصریح بھی کی کہ شراب کا نقصان اس کے منفع سے زیادہ ہے و اشمہا اکبر من نفعہا۔ جس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ صراحتہً تو یہ جو چیز حرام ہے یہ ضروری نہیں کہ اس میں نفع نہ ہو اور بطور اشارہ یہ کہ جو چیز حرام کی جاتی ہے اس کا نقصان اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں حضور سید عالم طیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا احادیث پر غور کیجئے۔ فرماتے۔ ”اللہ نے حرام چیز میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی۔“

دیکھو حضور علیہ السلام نے شفا کی نفی فرمائی۔ یہ نہیں فرمایا کہ حرام چیز میں نفع ہوتا ہی نہیں تو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وہی بات ظاہر ہوئی۔ جس کا اشارہ آیت میں موجود ہے کہ حرام چیز کے استعمال سے نفع ہو سکتا ہے مگر اس کے نقصان سے نفع سے زیادہ ہوتے ہیں اور جس دوا میں نفع کم ہو اور نقصان زیادہ اس کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ وہ دوا شفا کا وسیلہ ہے۔

توضیح

اول، وہ جانور جن کا گوشت کھانا حلال ہے۔ ان کا پیشاب پاک ہے یا نہیں؟ تو امام مالک، اس حدیث سے استدلال فرماتے ہوئے بولیاں لکھ لو پاک۔ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگرنا پاک ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ معینہ کے لوگوں کو اونٹن کے پیشاب کو پینا مباح قرار نہ دیتے۔ اب یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام قبیلہ معینہ کے افراد کو اونٹن کے پیشاب پینے کی اجازت دے کر فرماتے ہیں کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے یا یہ اجازت محض نداوی کے لیے تھی۔ اگر پہلی بات ثابت ہو جائے تو ہر امام مالک کا یہ استدلال صحیح ہو جاتا ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے اور اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ اجازت محض دوا کے طور پر پینے کے لیے تھی تو اس صورت میں امام مالک کا استدلال صحیح قرار نہیں پائے گا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ ایک شئی فی نفسہ حرام ہو۔ مگر شارع علیہ السلام کسی ضرورت کی بنا پر اس کو حلال قرار دے دیں، جیسا کہ اضطرار کی حالت میں شراب و خمر کے استعمال کی اجازت خود قرآن پاک میں موجود ہے اور یہ بات خود اس سلسلہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے انہیں اونٹنوں کا پیشاب پینے کی اجازت بطور دوا کے دی تھی، جس کا اظہار حدیث کے یہ الفاظ ناجتو ولا المدینہ کر رہے ہیں۔ نیز بخاری باب البان الاثن میں ہے کہ کان المسلمون یسند اوون جہا کہ مسلمان اونٹوں کے پیشاب سے دوا کرتے تھے۔ بعض روایات میں آیا کہ انھیں استسقاء کی بیماری ہو گئی تھی۔ ابن سینا نے لکھا ہے کہ استسقاء کی بیماری کے لیے اونٹن کا پیشاب مفید ہے۔ ہر حال یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضور علیہ السلام نے انھیں اونٹنوں کا پیشاب پینے کی اجازت بطور دوا کے دی تھی۔ لہذا اس اجازت سے حلال جانوروں کے ہمارے ثابت نہیں ہو سکتی۔ پھر یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اگر اس حدیث سے طہارۃ ابوال کا استنباط کیا جائے تو پھر مسئلہ نداوی بالمرم کا استنباط نہیں ہو سکے گا اور اگر اس کو نداوی پر محمول کیا جائے۔ تو پھر مسئلہ طہارۃ ابوال کا استنباط درست نہ ہوگا۔ فاقم۔

دوہم، حرام اشیاء کو بطور دوا پینا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس پر ہم ابھی بحث کر چکے ہیں ثانیاً، اس معاملہ میں جب لغوی صریحہ صحیحہ موجود ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ حرام چیز میں مسلمانوں کے لیے شفا نہیں ہے تو اس نہی کے ہوتے ہوئے تاویلات کے ذریعہ جواز کا ناسن نہیں سمجھتا۔ (واللہ اعلم)

سورہ: یہ کہ مثلاً کرنا جائز ہے یا نہیں؛ تو نسائی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے ہر خطبہ میں مشرک کرنے سے منع فرماتے تھے اور حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واقعہ عزمین احکام حدود نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ حدیث سے مشرک کرنے کا ہوا ثابت نہ ہوگا۔

بَابُ مَا يَقَعُ مِنَ الْخَبَاسَاتِ فِي

بَابُ مَعَى يَافَانِي فِي خَبَاسَاتِ مَرَجَاتِ

تراس کا کیا حکم ہے

- (۱) زہری نے کہا پانی کا جب تک رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے وہ پاک ہے
(۲) اور حماد بن ابی سلیمان نے کہا مرد کے بال اور پردہ پاک ہیں۔

(۳) اور زہری نے کہا مردار کی ہڈیوں اور بارے میں نے کئی عاملوں کو دیکھا وہ ان سے کتنی کرتے اور ان میں تیسل رکھتے تھے۔ اور اسمیں کوئی عرج نہ جانتے۔ اور محمد بن سیرین و ابراہیم نخعی نے کہا، ہاتھی دانت کی تجارت درست ہے۔

ہم نے نمبر لگا دیئے ہیں۔ اب ہر مسئلہ پر غبر وار بحث کی جاتی ہے۔

فوائد ومسائل

(۱) امام زہری علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر نجاست کے گرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ جب تک کہ اس کا رنگ، بو یا مزے میں تبدیلی پیدا نہ ہو۔ اس پر ابراہیم نے کتاب الطہور میں اعتراض کیا کہ زہری کے مذہب کے مطابق تو یہ لازم آتا ہے کہ اگر کوئی ایک پیالہ پانی میں پیشاب کر دے اور پانی کا رنگ و بو و مزہ بدلے تو وہ پانی پاک رہنا چاہئے۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اس اعتراض کو نقل کیا مگر جواب نہیں دیا۔ بہر حال کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر جب تک نجاست اس کا کوئی وصف رنگ یا بو یا مزہ بدل دے۔ اس وقت تک وہ پانی پاک نہ ہوگا۔ میلوگ احادیث ذیل سے استدلال کرتے ہیں۔

اول۔ حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ بیضاۃ کنویں سے وضو کر سکتے ہیں۔ بیضاۃ ایسا کنواں تھا کہ جس میں مینہ کے لوگ کوڑا کرکٹ حتیٰ کہ مردار جانور کتے، بلی، حیض کے کپڑے ڈال دیا کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ** (ترمذی) | کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔
یہ حضرات کہتے ہیں کہ دیکھو اس کنویں میں ہر قسم کی نجاست ڈالی جاتی تھی مگر اس کے باوجود حضور علیہ السلام نے اس کے پانی کو پاک قرار دیا۔

کیا پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی؟

استناف اس استدلال کے متعدد الزامی و تحقیقی جواب دیتے ہیں جو یہ ہیں۔ اولاً: حدیث ہذا میں پانی کی مقدار کا بیان نہیں ہے اور نہ رنگ

بروز مڑے کی تبدیلی کا بیان ہے بلکہ مطلقاً یہ بتایا گیا ہے کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی تو نفس حدیث کے مضمون سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک لٹے پانی میں حیض کا کپڑا پڑ جائے تو وہ ناپاک نہ ہو۔ اسی طرح کنویں میں کیسی ہی نجاست گر جائے اور اس کے اوصاف رنگ و بومڑے میں کوئی وصف بھی بدل جائے تو بھی کنواں ناپاک نہ ہو گا کیونکہ حدیث میں وصف بدلنے کی قید بھی تو نہیں ہے۔ یہ بات ذہری کا مسلک رکھنے والوں کے خلاف ہے۔ ثانیاً: یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ کنویں میں اگر ایک مرغی پھٹ اچھول جائے تو پانی میں بو پیدا ہو جاتی ہے اور بیربضاعہ میں تو کتنے تک ڈال دیتے جاتے تھے، مگر لوگ اس فحشے باوجود اس کا پانی استعمال کرتے تھے۔ عقل بھی یہ چاہتی ہے کہ وہ لوگ ایسے وحشی نہیں تھے کہ پانی میں باوجود بدبو پیدا ہو جانے کے استعمال کرتے ہوں؟ جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ بیربضاعہ کنویں کی شکل میں تھا مگر دراصل وہ کنواں نہ تھا بلکہ جاری پانی کی نہر تھی جس میں اس قدر پانی تھا اور اس کی روانی ایسی تھی کہ اس قدر غلیظ اشیا ڈال دینے کے باوجود پانی میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوتا تھا اور گندگی وغیرہ بہر جاتی تھی۔ جیسے جاری نہر یا دریا میں گندگی ٹھہرتی نہیں بلکہ بہر جاتی ہے۔ چنانچہ آج بھی کہ معظمہ کے کنویں نہر زرقا پر جو بضا ہر نہریں معلوم ہوتے ہیں مگر وہ حقیقت آب رواں کی نہریں ہیں اور انجینئرنگ کا کمال یہ ہے کہ نہر زبیدہ منی و وفات تک کو سیراب کرتی ہے اور سعودی حکومت نے اسی نہر سے آج کل جگہ جگہ راستے میں ٹنکے لگا دیئے ہیں۔ یہی حال بیربضاعہ کا تھا کہ وہ دراصل بہتے پانی کی نہر تھی۔ چنانچہ واقدی نے یہ تصریح کی۔

آن بئر بضاۃ کانت حلویاً للماء الح | البساتین فکان الماء لا یستقر دینھا (طحاوی)

گویا اس نہر کے ایک مقام پر کنویں کی شکل بنا دی گئی تھی تاکہ لوگ آسانی سے پانی بھر سکیں اور چونکہ یہ جاری نہر تھی ایسے اس میں گندگی وغیرہ بھی ڈال دی جاتی تھی جو ٹھہرتی نہ تھی۔ حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ اَنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ کہ اس بیربضاۃ کا پانی پاک ہے اس کو کوئی نجاست ناپاک نہیں کر سکتی کیونکہ یہ جاری پانی ہے۔ عن سفینک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو خاص اس بیربضاعہ سے لیے تھا جو ایک نہر جاری تھی مگر بعض علمائے ارشاد نبوی کے مرفوعہ نقل کو بشیرانظر نہ کھا تو پھر انھوں نے وہی نتیجہ نکالا جو امام ذہری کا مسلک ہے۔ اسی طرح اس حدیث سے بھی یہ استدلال کیا جیسے کہ حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا جو تالاب جنگلوں میں ہوتا ہے اور جس سے درندے و دیگر جانور پانی پیبتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث (ترمذی) | کہ پانی قلتین ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا

تو کنویں کا پانی کیونکر نجس ہو سکے گا جب کہ اس میں سینکڑوں مشک پانی موجود ہے۔ اس استدلال کے بھی منہد جواب دیے گئے ہیں۔ اولاً: یہ حدیث ذہری کے مسلک کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قد پانی کی حالت میں بھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ اس کے وصف میں بھی تبدیلی آجائے کیونکہ رنگ و بومڑے کی تبدیلی کی قید اس میں بھی نہیں ہے۔ ثانیاً:

تھہر بھل الخیث کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دو قلعہ پانی نجاست کو برداشت نہیں کرتا یعنی نجس ہو جاتا ہے۔ ثانیاً لفظ قد خرد مجمل ہے۔ اس کے معنی ملنے کے بھی آتے ہیں۔ پانچ مشکیزہ پانی کے بھی، انسان کی قد وقامت کے بھی اور پہاڑ کی چوٹی کے بھی۔ لہذا ایسا معنی متین کرنے چاہئیں جو اس باب کی دوسری احادیث کی تصریحات کے مطابق ہوں اور اس کی مقدار ایسی ہو سکتی ہے کہ وہ درود ہوں جیسا کہ فقہار اخاف نے مقرر کیا ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ قلعہ سے مراد آب رواں ہے جیسے نہروں کا پانی جاری ہوتا ہے۔ یہ جاری پانی یا بارگاہ کثیرہ درودہ نجاست پڑنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ یہاں ہم نے مختصر کسی بحث کی ہے۔ جو صاحب تفصیل بحث دیکھنا چاہیں وہ فتح الباری، عینی، قسطلانی، نیل الاوطار و لمحادی شریعت کا مطالعہ کریں۔ غرض کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک، یہ ہے کہ آب قلیل وہ عوض و نالاب جو درودہ نہ ہو، نجاست گرنے سے ناپاک ہو جائے گا۔ اسی سلسلہ کی چند احادیث یہ ہیں :-

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے

انہ فہی ان بیالی فی المساء الواحد | ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے، پھر اس سے
شعر بتوضاء فینہ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی) | وضو کرنے سے منع فرمایا۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل جنابت نہ کرے ان سے پوچھا گیا پھر پانی کیسے استعمال کرے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا۔

یتناولہ تناولاً (طحاوی) | علیحدہ کسی برتن وغیرہ میں پانی لے کر استعمال کرے

ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے اور پیشاب کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ اگر ایسا کیا گیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا تو اگر آب قلیل نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو حضور علیہ السلام اس سے وضو کرنے سے منع نہ فرماتے۔ (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

ان غلاما وضع فی سیر زہم زہم تحت | کہ صحابہ کے زمانے میں زہم کے کنویں میں ایک لڑکا
(دارقطنی و طحاوی) | گر گیا تو اس کا پانی نکالا گیا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ زہم کے کنویں میں ایک حبشی گر کر مر گیا (فات) تو آپ نے ایک آدمی کو کنویں میں اتارا جس نے لاش نکالی اس کے بعد فرمایا۔

انزلواھا فینہا من الماء (بیہقی) | کہ کنویں میں جس قدر پانی ہے سب نکال دو۔

نیز طحاوی میں یہ تصریح بھی ہے کہ جب زہم کا پانی نکالنے لگے تو اس کا پانی ختم نہ ہوتا تھا۔ جب دیکھا تو معلوم ہوا

(۵) فاذا عین تجری من قبیل الحنجر | کہ اس کنویں میں پانی کا چشمہ ہے جو سبب اسودکی
الاسود فقال الزبیر حنجرکم (طحاوی) | طرف سے آ رہا ہے حضرت ابن الزبیر نے فرمایا کافی ہے۔

ان احادیث سے مسائل ذیل معلوم ہوتے۔ اگر آدمی کنویں میں گر جائے تو کنواں نجس ہو جائے گا اور کل پانی نکالنے سے پاک ہوگا۔ کل پانی نکالنے کے بعد کنویں کی طہارت بھی ہو جائے گی اور کنوئیں کی دیواریں اور دیگر لوازمات دول، رسی وغیرہ

بھی پاک ہو جائے گی اور اگر کوئی ایسا ہو کہ اس کا پانی نہ ٹوٹ سکے تو پھر اندازہ سے پانی نکال لیا جائے گا۔ یعنی پہلی بار پانی معلوم ہوا کہ کنوئیں کا کل پانی دس ہاتھ ہے۔ پھر تیزی کے ساتھ سو ڈول نکال لیے اور ناپ تو معلوم ہوا کہ اب نو ہاتھ پانی رہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سو ڈول نکالنے سے ایک ہاتھ پانی کم ہوتا ہے تو دس ہاتھ والے کنوئیں کے لیے ایک ہزار ڈول ہوتے۔ یعنی ایک ہزار ڈول نکالنے سے کل پانی نکل جاتے گا۔ نیز امام شعبی نے فرمایا کہ جب باقی وغیرہ اگر کنوئیں میں گر کر مر جائیں تو چالیس ڈول پانی نکالا جائے۔ حضرت حماد ابن سلیمان تابعی نے فرمایا۔ مرغی گر کر مر جائے تو چالیس سے پچاس ڈول تک نکلے جائیں۔ حضرت میسرہ نے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔ جب چڑھا اور اس کی مثل کوئی اور جانور گر جائے تو کنوئیں کا پانی نکالو۔ یہاں تک کہ پانی تم پر غالب آجائے (طحاوی شریف)۔ یہ اور اس مضمون کے اور بھی آثار ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کنوئیں یا مائیں میں نجاست گر جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔ اور جب پانی حسب مقدار نکالا جائے گا تب پاک ہوگا۔

مردار جانور کے بال و پر (۲) حضرت حماد بن ابی سلیمان علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مردار جانور کے پر ہیں کوئی حرج نہیں یعنی مردار جانور خواہ حلال ہو یا حرام اس کے بال و پر پاک ہیں ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ پانی میں گر جائیں تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ مردار جانور کے بالوں اور پروں کو دھو کر استعمال کرنا بہتر ہے۔ سینا امام اعظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ (۳) امام زہری نے فرمایا کہ مردار کی ہڈی میں کوئی حرج نہیں۔ یعنی مردار کی ہڈی جب کہ اس پر گوشت اور چکنائی باقی نہ رہے پاک ہے۔ جیسے ہتھی دانت وغیرہ کی کنگھی اور تیل وانی بنائی جاتی ہیں ان سب کا استعمال جائز ہے (۴) حضرت ابن سیرین نے فرمایا ہتھی دانت کی تجارت بھی جائز ہے۔

واضح ہو کہ مردار جانور خواہ حلال ہو یا حرام (سوائے خنزیر کے) سب کی ہڈی، بال، پر، اون جب کہ گوشت اور چربی سے صاف ہوں پاک ہیں اور ان کا استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ قرآن پاک میں مردار کا کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔
انہما حرم من المیتۃ ما یدخل عنہا | مردار کی وہ چیز حرام کی گئی ہے جو کھائی جاتی ہے
اسی طرح مردار کی کھال بھی استعمال کی جاسکتی ہے جب کہ اس کو دھو لیا گیا ہو۔ جس کو نکلتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چند حدیثیں یہ ہیں۔ حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔
ایما اھاب ذبغ فقد طهر | دم دھو لیا گیا ہو تو پھر بھی رنگ لیا جائے وہ پاک ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

امران ینتفع بجلود المیتۃ اذا دبغت | اجازت دی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مردار کی کھال کے متعلق پوچھا گیا نے فرمایا اس کی دباغت (رنگنا) اس کی طہارت ہے۔
سَلِّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جُلُودِ الْمَيِّتَةِ فَقَالَ ذَكَاتُهَا (نسائی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت مسود بنث زمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بکری مر گئی۔ حضور علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اُتدلی۔ کیا گیا مردار کی کھال؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مردار کا گوشت کھانا حرام قرار دیا ہے۔

واستعلا تطعمونہ ان تبدلوا و
تتفقوا (رواہ بائند صحیح) نیل الاطوار ج ۱ ص ۳۴

اور تم تو اس کا گوشت نہیں کھاتے۔ اس کو رنگتے ہو اور نفع اٹھاتے ہو۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مردار کی کھال کو پکایا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ مردار سے مراد غیر مذبح ہے یعنی جس کو بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ جو جانور خود مر گیا یا لگا گھونٹ کر مار ڈالا گیا یا کسی جانور نے اس کو مار دیا مردار ہے۔ اس کی کھال کو رنگنے سے پہلے بیچنا، استعمال کرنا حرام ہے اور باغث کے بعد جائز ہے۔ مردار کا پچھا، بال، ہڈی، چونچ، کھڑ، ناخن ان سب کو بیچ بھی سکتے ہیں اور کام میں بھی لاسکتے ہیں اور اس کی بیجی ہوئی اشیاء استعمال کر سکتے ہیں۔ خنزیر کے تمام اجزاء ناپاک و نجس ہیں۔ خنزیر کے بال اور کسی جز کی بیج باطل ہے اور اس کی کھال و بال کسی صورت بھی استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ خنزیر کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا۔ فاند جس خنزیر کے تمام اجزاء نجس ہیں۔

۲۳۵، ۲۳۶۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلَّ
عَنْ فَنَاءٍ سَفَقَطَتْ فِي سَمْنٍ فَقَالَ أَلْفَوْهَا
وَمَا حَوْلَهَا وَكَلُوا اسْتَمْتَكُمُ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت مایمونہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ چوہ لگھی میں گر پڑے تو کیا کریں۔ فرمایا اس کو پھینک دو اور اس پاس کے گھی کو بھی پھینک دو اور باقی گھی کھاؤ۔

فوائد و مسائل | امام نے اس حدیث کو کتاب الذبائح میں بھی ذکر کیا ہے۔ ابو داؤد و ترمذی نے اطلع میں، نسائی نے ذبائح میں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھی ہوتی چیز جیسے شہد یا گھی وغیرہ میں اگر چوہ لگ گیا اس کی مثل کوئی جانور گر جائے تو اس کو نکال کر پھینک دیں اور اس پاس سے تھوڑا تھوڑا گھی جہاں تک اس کی نجاست سرایت کرنے کا ظن ہو پھینک دیں باقی پاک ہے استعمال کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جوئے کی وجہ سے نجاست سارے گھی میں سرایت نہیں کر سکتی بلکہ صرف اس حصہ میں سرایت کرے گی جو اس سے ملا ہوا ہوگا۔ اسی لیے اس پاس کے گھی کو نکال پھینکے گا حکم دیا گیا اور اگر گھی جما ہوا نہیں ہے تو پھر سارا گھی ناپاک ہو جائے گا اور اس کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس برتن میں ناپاک گھی ہے اسی میں پاک گھی ڈالتے رہیں۔ یہاں تک کہ برتن کے کناروں تک اُبل کر بیسے لگے۔ جو گھی بے گاؤہ ناپاک ہے اور جو برتن کے اندر رہ گیا وہ پاک ہو جائے گا۔

(۲) جو گھی یا تیل ناپاک ہو جائے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ البتہ جلانے یا اسی نوع کے دوسرے کاموں میں استعمال کر

کہتے ہیں۔ چنانچہ یہی حق میں ہے کہ:-

إِنْ كَانَ الْمَسْنَمُ مَا يَمُوتُ أَنْتَفَعُوا بِهِ وَلَا تَأْكُلُوا

اگر وہ پتلا ہو تو اس کو استعمال کر لو کھاؤ نہیں۔

(کتاب الاطعمہ، فتح الباری ج ۹ ص ۵۳)

روز قیامت مجاہد فی سبیل اللہ کے زخموں کی کیفیت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راو خدا میں مسلمان کو جو زخم لگتا ہے۔ قیامت کے دن اسی حالت میں آجائے گا جیسے کہ لگا تھا (بخاری شریف)

۲۳۷- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ عِلْمٍ يَكْتَسِبُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا إِذَا طُعِنَتْ فَتَجْعَدُ وَمَا لِلَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالْعَرَفُ عَرَفُ الْمَسْكِ

اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الجہاد میں بھی ذکر کیا۔ مسلم نے بھی جہاد میں۔ ابن عساکر نے روایت کے لفظ یہ ہیں کہ اللہ عز وجل کو خون کا وہ قطرہ بہت محبوب ہے جو راو خدا میں گرے اور چشم مسلم کا وہ آنسو بھی جو اندھیری رات میں بسے کیونکہ اللہ عز وجل مجاہد سے خوفِ خشیت کے وقت تنہائی میں جو اشکباری ہوگی وہ خلوص و ولایت ہی پر مشتمل ہوگی اور اسلام میں ہر کام کی مقبولیت خلوص پر موقوف ہے۔ یہ حدیث امور ذیل پر ہے (۱) راو خدا میں کھائے ہوئے زخم آخرت کا بہترین سرمایہ ہیں (۲) بروزِ حشر یہ زخم ہرے ہو جائیں گے تاکہ شہید کے فضل کا انظار ہو اور عالم کے ظلم کا (۳) زخموں کے غون میں مشک و عنبر کی سی خوشبو ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ شہید فقہی کو نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ اس کے بدن کا خون دھویا جاتا ہے (۴) سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کا باب سے کیا تعلق ہے۔ شافعیین کلام نے عمران سے مناسبت کے متعلق گرامر جمشید کی ہیں۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے ہر مناسبت کو صحیح قرار دیا ہے۔ اہل علم عینی ج ۹ ص ۹۳ کا مطالعہ کریں۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے یہ مناسبت بیان فرمائی ہے کہ اس حدیث سے مشک کا پاک ہونا ثابت ہوتا ہے تو اگر مشک گھی وغیرہ میں گر جائے تو گھی وغیرہ ناپاک نہ ہوگا (فیہ نظر)

بَابُ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ

باب ٹھہرے پھرتے پانی میں پیشاب کرنے کے بیان میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم دنیا میں پچھلے ہیں۔ آخرت میں پہلے ہوں گے (اداری اسناد سے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں غسل کرے۔

۲۳۸- أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ وَالْأَوَّلُونَ خَالٍ لَا يَبْرُكُنْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي شَرٌّ يَغْتَسِلُ فِيهِ (بخاری)

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام مسلم نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی طبرانی و مطاوی نے بھی ذکر کیا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں شہریتو ضاء منہ۔ اور باقی دوسری روایتوں میں ثم یغتسل منہ۔

اور مطاوی کی روایت میں شہریتو ضاء منہ اور لیشر ب منہ کے لفظ بھی آئے ہیں۔ یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، پھر اس سے غسل کرے یا پئے۔ مطلب یہ کہ پیشاب کرنے سے وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ پھر اس سے وضو غسل کرنا کیونکر روا ہوگا۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) شہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کیا جائے۔ اسی طرح جاری پانی میں بھی پیشاب کرنا مکروہ ہے (۲) ناپاک پانی سے وضو غسل کرنا حرام ہے (۳) جو پانی کہ وہ درود نہ ہو نجاست پڑنے سے ناپاک ہو جائے گا (۴) حدیث کے خط کشیدہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ امت سب سے اخیر میں دفن ہوگی اور سب سے پہلے اٹھائی جائے گی کیونکہ زمین برتن کی طرح ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز برتن میں سب سے اخیر رکھی جائے وہ پہلے اٹھائی جاتی ہے۔

بَابُ إِذَا أُلْقِيَ عَلَى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ أَوْ جَفَّةٌ لَمْ يَفْسُدْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا تَأَمَّى فِي ثَوْبِهِ دَمًا وَهُوَ يُصَلِّي وَضَعَهُ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ وَقَالَ ابْنُ مُسَيَّبٍ وَالشَّعْبِيُّ إِذَا أَصْلَى فِي ثَوْبِهِ دَمٌ أَوْ جَنَابَةٌ أَوْ لَغِيْلٌ أَوْ قَبْلَةٌ أَوْ تَيْسَمٌ فَصَلَّى ثُمَّ أَدْرَكَ الْمَاءَ فِيهِ فِي وَقْتِهِ لَا يُعِيدُ (بخاری)

باب (۱) جب نمازی کی پیٹھ پر نجاست یا مردار ڈال دیا جائے تو نماز میں فساد نہ آئے گا (۲) اور حضرت عبداللہ بن عمر جب نماز کے اندر اپنے کپڑے پر خون دیکھتے تو اس کپڑے کو ناز دیتے اور ناز پڑھ جاتے (۳) ابن المسیب اور عامر شیبی نے کہا کوئی شخص نماز پڑھ لے اس کے کپڑے میں خون لگا ہو، یا مٹی لگی ہو، یا قبیلے کے سوا اور کسی طرف ناز پڑھی ہو، یا تیمم سے پڑھی ہو پھر وقت کے اندر پانی پالے تب بھی نماز نہ ٹوٹے۔

ہم نے نمبر دیدیے ہیں، ہر مسئلہ غیر وار بیان کیا جاتا ہے۔

فوائد و مسائل

مسئلہ اول، امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے پاک ہونا ضروری ہے۔ پھر اگر دوران نماز نجاست لگ جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی لیکن احناف کے نزدیک دوران نماز بدن پاک یا کپڑا ناپاک ہو جائے تو نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

مسئلہ دوم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قفل حور روایت ہوا، یہ صریحاً امام بخاری کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ اس میں نویر تصریح ہے کہ دوران نماز اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ کپڑے پر نجاست ہے تو وہ کپڑے کو ناز دیتے تھے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر دوران نماز اگر کپڑا ناپاک ہو جائے تو وہ نماز جائز نہیں سمجھتے تھے۔

مسئلہ سوم، نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ کپڑے پر مٹی یا خون لگا ہوا تھا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ خون اور مٹی درہم سے کم تھی یا برابر اور اس اثر میں اس کا بھی ذکر نہیں لہذا یہ بھی امام بخاری کے مسلک کی دلیل نہیں بن سکتی۔ بہر حال حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر درہم سے کم تھی تو نماز درست ہو جیسی اور اگر قدر درہم تھی تو نماز دوبارہ پڑھنا واجب ہے البتہ تیمم کے مسئلہ

میں اندر اور باہر کا اتفاق ہے یعنی اگر پانی پر قدرت نہ تھی تو پھر تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر وقت کے اندر اندر ہی پانی پر قدرت ہوگئی تو اب نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اور قبلہ کے مسئلہ میں بھی امام اعظم ابو حنیفہ و امام مالک و احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ کا اتفاق ہے۔ اگر کسی نے کسی سمت کو قبلہ جان کر (تحری کے بعد) نماز پڑھ لی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سمت قبلہ وہ نہیں تھی جس طرف نماز پڑھی ہے تو اگر ثلاثہ کے نزدیک دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں اور اگر بغیر تحری کے بلا سوچے سمجھے نماز پڑھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سمت قبلہ اور طرف تھا تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز ادا کر رہے تھے۔ ابوبہل اور اس کے ساتھی بھی وہاں بیٹھے تھے پھر آپس میں کہنے لگے تم میں سے کون ہے جو فلاں لوگوں نے جو اونٹنی کاٹی ہے اس کا بچہ وہاں لائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر رکھ دے یہ سن کر ان میں سے سب سے بڑا شقی (عقبن ابی معیط) اس کو اٹھا لایا تو اس نے اونٹ کا سلا آپ کی پشت مبارک پر رکھ دیا۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کاش! میرا بھی زور ہوتا تو ان کو بتلاتا یہ لوگ ہنسنے لگے۔ ایک پر ایک گرے جاتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے۔ سر مبارک بوجھ کی وجہ سے نہ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ الزہرا آئیں اور آپ کی پشت مبارک سے اس کو اٹار کر کھینک دیا۔ تب آپ نے سر اٹھایا اور دعا کی یا اللہ قریش سے سمجھ لے۔ تین بار یہ فرمایا۔ جب آپ نے ان کے لیے بددعا کی تو ان پر یہ گراں گزری کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ میں دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ پھر آپ نے نام لے لے کر بددعا سرائیں (ذیل کے نام لیے) ابوبہل، عقبہ بن ابی ربیعہ، شعیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، اُبیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، ساتویں کا نام لیا جو ہمیں یاد نہ رہا۔ ابن مسعود کہتے ہیں۔ مجھے اس ذات مقدس

۲۳۹۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ وَابُوبُ جَهْلٍ وَ أَصْحَابُ لَهُ جُلُوسٌ إِذْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَيْكُمْ يَجِيءُ بِسَلَاةٍ وَرَبِّي فَنَلَايَ فَيَضَعُ عَلَى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ فَمَا نَبَعَتْ أَشَقَى الْقَوْمِ فَجَاءَ بِهِ فَنَظَرُ حَتَّى إِذَا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ عَلَى ظَهْرِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَأَنَا أَنْظُرُ لَا أَغْنِي شَيْئًا لَوْ كَانَتْ لِي مَنَعَةٌ قَالَ فَجَعَلُوا يَضْحَكُونَ وَفِيْلُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ لَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ حَتَّى جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ فَنَظَرَتْ عَنْ ظَهْرِهِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ كُنْتُ مَرَاتٍ فَسَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ إِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ قَالَ وَكَانُوا يَرُدُّونَ آتِ الدَّعْوَةَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ مُسْتَجَابَةً ثُمَّ سَأَلَ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ يَا كِبَى جَهْلٍ وَعَلَيْكَ بِعُشْبَةِ ابْنِ أَبِي رَبِيعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدِ بْنِ عُشْبَةَ وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلْفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ وَعَدَدَ السَّابِغِ فَلَمْ يَخْفُظْهُ فَوَالَّذِي لَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِي نَعَدُ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَرَحَ فِي الْقَلَيْبِ قَلَيْبٍ بَدْرٍ (بخاری)

کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جن
لوگوں کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیا تھا

میں نے دیکھا کہ وہ بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور قلیب بدر میں ان کی لاشیں ڈالی گئیں۔
(۱۱) امام بخاری نے اس حدیث کو جزئیہ، مغازی، صلوة، ہماؤ میں بھی ذکر کیا اور سلم نے مغازی
قائد و مسائل میں اور نسائی نے سیر و طارۃ میں ذکر کیا (۲) یہ واقعہ قبل ہجرت کا ہے۔

اس حدیث سے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال فرمایا کہ باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک
پر کفار نے اونٹنی کی سلا رکھ دی تھی مگر حضور علیہ السلام بدستور سجدہ میں رہے۔ معلوم ہوا کہ دوران نماز اگر بدن یا
کپڑے کو نجاست لگ جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن ظاہر ہے کہ سجدہ میں حضور اس لیے بدستور مصروف رہے کہ
بوجہ کی وجہ سے سر مبارک نہ اٹھا سکتے تھے۔ ثانیاً، حدیث میں حضور علیہ السلام کا بدستور نماز میں مشغول رہنے کی تصریح نہیں
ہے۔ صرف اتنا ہے کہ سلا رکھ دینے کے بعد حضور سجدہ ہی میں رہے تا آنکہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے آکر اس کو
بٹھایا اور جب تک ان امور کی وضاحت نہ ہو یہ استدلال صحیح نہیں قرار پاسکتا۔ اس کے علاوہ حدیث ہذا میں ان امور
کی بھی تصریح نہیں ہے کہ وہ نفل تھی یا فرض۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس نماز کو دوبارہ پڑھایا یا نہیں۔ پھر جو دعا حضور نے
فرمائی وہ سلام پھیر کر فرمائی یا سرائٹھا تھے ہی فرمائی۔ ظاہر ہے کہ یہ دعا ایسے کلمات پر مشتمل ہے جو نماز کو فاسد کر دیتی ہے تو
اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب کفار نے سلا رکھ دیا تو آپ کو نماز کے فاسد ہونے کا رنج ہوا اس لیے آپ نے ان کے
لیے بدو عافروائی — فتح الباری میں علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے یہ تصریح بھی کی ہے۔ یہ واقعہ آیت ثیابک فطر
کے نزول سے قبل کا ہے چنانچہ اصل الفاظ یہ ہیں :-

احنوج ابن المنذر فی سبب نزولها من طریق زید ابن مرشد قال قال العقی علی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلا جزوہ فنزلت (و ثیابک فطر) فتح الباری ج ۸ ص ۴۸
اس حدیث سے بات بالکل واضح ہوتی کہ حضور علیہ السلام کا یہ فعل ثیابک فطر کے نزول سے قبل کا ہے۔ لہذا
اس واقعہ سے یہ استدلال نہ کہ دوران نماز کپڑے وغیرہ کو نجاست لگ جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، کسی طرح بھی
درست نہیں ہے (واللہ اعلم)

بَابُ الْبُرَاقِ وَالْمُخَاطِ وَخَوْرِهِ فِي الثَّوْبِ

باب تموک اور رینٹ وغیرہ کپڑے لگ جانے کے بیان میں

عوف بن مسعود اور مروان بن مکہ نے نقل کیا کہ حضور علیہ السلام صلح حدیبیہ کے زمانہ میں نکلے۔ پھر پوری ٹیٹ

بیان کی :-

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتے تو لوگ آپ
کے لباس مبارک کو اپنے ہاتھوں پر لیتے اور منہ

وَمَا نَنْحَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
نُحَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَحِيلٍ

مِنْهُمْ فَذَلِكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ
۲۴۰- عَنْ أَنَسٍ قَالَ بَرَزَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبِهِ

(بخاری)

اور بہن پر ملے۔

(بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (نسا) میں اپنے
دو مال میں تھوکا۔

مقصود عنوان یہ ہے کہ تھوک اور ریٹ پاک ہے اگر کپڑے کو لگ جائے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح پانی
میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ صلح حدیبیہ کا پورا واقعہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔ اس حدیث سے یہ ہدایت بھی ملتی
ہے کہ نماز میں اگر تھوک یا ناک آجائے تو دو مال وغیرہ میں ڈال دے۔ مسجد میں نہ تھوکے کیونکہ مسجد میں تھوکے سے حضور نے
منع فرمایا۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ آدمی کا لعاب دہن اور ناک کے فضلات اور آنسو پاک ہیں۔ لیکن حدیث ہذا
کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تھوک چونکہ پاک ہے۔ اس لیے کپڑے یا پانی میں تھوک دیا کرو۔ بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ اگر کپڑے یا
پانی میں تھوک گر جائے تو وہ ناپاک نہ ہوگا۔ اس سے یہ مسئلہ بھی نکلے گا کہ اگر بالفرض کسی کے پاس صرف ایسا پانی ہے جس
میں لعاب دہن پڑا ہوا ہے تو اس پانی کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہ ہوگا۔

بَابُ لَا يَجُوزُ الْوُضُوءُ بِالنَّيِّذِ

باب نبیذ نماز اور نشہ والی مشاب سے وضوء جائز

وَلَا بِالْمُسْكِرِ وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ وَابْنُ الْعَلَاءِ
وَقَالَ عَطَاءُ النَّيِّمُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ
الْوُضُوءِ بِالنَّيِّذِ وَاللَّيْنِ (بخاری)

نہیں اور حسن و ابن العالیہ نے نبیذ نماز سے وضوء کو مکروہ
قرار دیا اور عطاء نے کہا دو دھوا یا نبیذ نماز سے وضوء کے
بجائے تیمم میرے نزدیک اچھا ہے۔

پانی میں چند کھجوریں جھگو دی جائیں کہ اس میں کھجوروں کی مٹھاس
سی آجائے اور نشہ پیدا نہ ہو، اس کو نبیذ نماز کہتے ہیں۔ عرب کے
پانی عموماً کھاری ہوا کرتے ہیں اس لیے لوگ چند سوکھی کھجوریں پانی میں جھگو دیتے جس سے پانی میں ذرا مٹھاس سی پیدا
ہو جاتی تھی تو نبیذ نماز جس میں قطعاً نشہ نہ ہو اور رفت سیلان بھی باقی رہے۔ اگر کسی کے پاس صرف یہی پانی ہو تو اس صورت
میں اس کو نبیذ نماز سے وضوء کرنا چاہیے یا تیمم؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

(۱) امام بخاری کے نزدیک نبیذ نماز سے وضوء جائز نہیں لیکن امام نے اپنی تائید میں جو حضرت حسن بصری و ابن العالیہ کا
قول نقل کیا ہے۔ یہ ان کو مفید نہیں ہے کیونکہ حضرت حسن بصری سے جو روایت ہے اس میں لا باس کے لفظ ہیں۔ جس
سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری کے نزدیک نبیذ نماز سے وضوء جائز ہے۔ مگر وہ تشریح ہے۔ اسی طرح حضرت عطاء
ابن یح کا قول بھی ان کے موافق نہیں کیونکہ حضرت عطاء یہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تیمم کر لینا زیادہ اچھا ہے گویا وہ بھی عدم
جواز کے قائل نہیں ہیں۔ فافہم۔

۲- امام شافعی و مالک و امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک کسی حال میں نبیذ نماز سے وضوء جائز نہیں۔

۳۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ سے تین قول منسوب ہیں — اول، نبیذ مکر سے وضو کرے تیمم نہ کرے، امام زفر کا بھی یہی مسلک ہے دوم، تیمم کرے اور نبیذ مکر سے وضو نہ کرے۔ اس کو نوح بن مریم و حسن بن زیاد نے روایت کیا۔ قاضی خان نے فرمایا یہی صحیح ہے۔ اکثر علماء امام ابو یوسف کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام حماد نے بھی اسی کو اختیار کیا سوم، یہ کہ تیمم بھی کرے اور نبیذ مکر سے وضو بھی کرے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کا یہی مسلک ہے (احکام القرآن لابن کبر اللہ) صاحب محیط نے فرمایا۔ نبیذ مکر کا مطلب یہ ہے کہ پانی میں چند کھجوریں ڈال دی جائیں۔ یہاں تک کہ پانی میں مٹھا سی پیدا ہو جائے لیکن وہ گاڑھا نہ ہو اور نشہ بھی نہ پیدا ہو۔ اگر نشہ پیدا ہو جائے تو اس کا پینا بھی حرام ہے وضو کیونکر جائز ہوگا۔ وضاحت :- حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبیذ مکر جس سے حضور علیہ السلام نے وضو کر لیا۔

تمرات الفیتھا فی المساء لان عادة العرب
انہا تطرح التمر فی المساء لیحلوا
(یعنی ج ۱ ص ۹۴)

دو چند کھجوریں بقیں جو پانی میں ڈال دی بقیں کیونکہ
عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ پانی میں کھجوریں ڈال دیتے
تاکہ پانی میٹھا ہو جائے۔

اور لیلۃ الجن کی حدیث میں آیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا، تمہارے ڈول میں کیا ہے انھوں نے عرض کی نبیذ ہے۔ حضور نے فرمایا۔

تَمْرٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ طَهُورٌ فَتَوَضَّأُوا
بِهَا وَصَلَّى الْفَجْرَ (ترمذی، ابوداؤد)

کھجوریں ہیں طیب اور پانی پاک ہے پھر آپ نے اس سے وضو فرمایا اور فجر کی نماز پڑھی۔

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے کہا اس حدیث کے راویوں میں ابو زید ہے جو مجہول ہے۔ اس بنا پر علماء سلف نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ ابن العربی نے فرمایا کہ ابو زید مولیٰ عمر بن حریث رومی عنہ راشد بن کیسان اور ابو روق اور یہ بات ابو زید کو حدیث سے نکال دیتی ہے۔ ہاں ابو زید کا اصل نام معلوم نہیں تو جانتے ہیں کہ امام ترمذی نے جو فرمایا کہ وہ مجہول ہے۔ اس سے مراد مجہول الاسم ہو کیونکہ اسی حدیث کو چودہ افراد نے حضرت امین مسعود سے روایت کیا ہے جیسا کہ ابو زید نے روایت کیا ہے۔ علامہ عینی نے ان چودہ افراد کے نام بھی گنائے ہیں دیکھو عینی ج ۱ ص ۹۴) — بہر حال اس حدیث کے پیش نظر سیدنا امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ نبیذ مکر سے وضو جائز ہے، جبکہ وہ رقیق ہو اور اگر شہد کی طرح گاڑھا ہو جائے تو وضو جائز نہیں ہوگا اور اگر اس میں نشہ پیدا ہو جائے تو پھر وضو کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر تو اس کا پینا بھی حرام ہے۔

(۲) اور دودھ سے وضو بالاتفاق جائز نہیں ہے — اسی طرح جس پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی کہ بول چال میں (عرف میں) اس کو پانی نہ کہیں جیسے شربت، شوربا، چائے، عرق کلاب، کیڑہ وغیرہ اس سے وضو و غسل جائز نہیں ہے — لہٰذا سے بھی وضو جائز نہیں یعنی جب تک یہ کہا جائے کہ یہ تو پانی ہے، جس میں کچھ دودھ مل گیا ہے تو وضو جائز ہے اور جب دیکھنے والا اسے دودھ یا دہی کی لسی کے تو اس سے وضو و غسل جائز نہ ہوگا۔

۲۴۱۔ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ

وَسَكَمَ قَالَتْ كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَمَ قَيْمُو
(بخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر پینے کی وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔

فوائد ومسائل

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الاشرہ میں اور مسلم نے بھی اشرہ میں ذکر کیا۔ ترمذی و نسائی نے اشرہ دو ولید میں اور ابن ماجہ نے اشرہ میں ذکر کیا۔ مگر شراب کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ پینے کی چیز جس میں نشہ جو حرام ہے کیونکہ کلمہ ”مگر“ جب نکرہ کی طرف مضاف ہو تو عموم افراد کا فائدہ دیتا ہے اور جب معرکہ کی طرف ہو تو عموم الاجزاء کا فائدہ دیتا ہے۔ واضح ہو کہ نمر جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے جس کو ہم اردو زبان میں شراب کہتے ہیں اس کا پینا بہر صورت حرام ہے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو۔ تھوڑا پیا جائے یا زیادہ لیکن جو پینے کی چیز نمر نہیں ہے جیسے پوست، افیون، چرس، بھنگ اور اسی نوع کی اور چیزیں، ان کا اس مقدار میں پینا اور کھانا حرام ہے جب کہ نشہ لائیں اور اگر اتنی قلیل مقدار میں استعمال کی گئیں کہ نشہ نہ ہو تو پھر حرج نہیں جیسے ادویہ میں استعمال کی جاتی ہیں۔

بَابُ غَسْلِ الْمَرْأَةِ أَبَاهَا الدَّمُ عَنْ وَجْهِهِ

باب عورت کا اپنے والدہ کے چہرہ سے خون کا دھونا

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ أَهَسَّحُوا عَلَى رِجْلِي
(بخاری)

اور ابو العالیہ نے کہا جب ان کے پاؤں میں تکلیف تھی میرے پاؤں پر مس کر دو اس میں تکلیف ہے۔
عنوان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ نجاست کے دور کرنے میں کسی دوسرے سے مدد لینا جائز ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احد کی لڑائی میں جو زخم آئے تو جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنے ہاتھوں سے حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک سے خون صاف کیا اور یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ عورت کے چہرے سے وضو نہیں جاتا۔ اسی طرح بضرورت اگر اعضاء وضو کے دھونے میں دوسرے سے مدد لی جاتے تو جائز ہے۔ جیسا کہ ابو العالیہ نے اپنے پاؤں پر مس کرایا، کیونکہ اس میں تکلیف تھی اور مس اس لیے کیا کہ پانی نقصان دیتا تھا۔ اس اثر کو عبد الرزاق نے معمر سے انھوں نے عاصم بن سلیمان سے انھوں نے کہا کہ میں ابو العالیہ کی عیادت کو گیا کہ وہ بیمار تھے۔ لوگوں نے ان کو وضو کرایا۔ جب ایک پاؤں باقی رہ گیا تو کہا۔ اس پر مس کر دو۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ اس پاؤں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

۲۴۲- يَا سَيِّدِي دُرِّي حَبْرُحَ السَّيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَقِيَ أَحَدٌ
أَعْلَمُ بِهِ مَيِّتٍ كَانَ عَلَى يَدَيْهِ عِبْرَتُهُ
فَبِهِ مَاءٌ وَنَاطِمَةٌ تُقْسِلُ عَنْ وَجْهِهِ
الدَّمُ فَتَأْخُذُ حَبْرُحَ فَاحْرِقْ فَحَبْرُحُ
بِهِ جُرْحُهُ (بخاری)

سہل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو زخم احد کی لڑائی میں لگا تھا اس کو کیا دوا لگائی گئی انھوں نے کہا اب اس واقعہ کا جاننے والا مجھ سے زیادہ کوئی اور باقی نہیں رہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنی ڈھال میں پانی لاتے تھے اور جناب فاطمہ حضور کے چہرہ مبارک سے خون دھو رہی تھیں

تو ایک بوریا بلایا اور آپ کے زخم میں مہر دیا گیا۔

فوائد و مسائل

(۱) اس حدیث کو امام نے منافی اور نکاح میں بھی ذکر کیا۔ مسلم نے منافی میں۔ ترمذی و ابن ماجہ نے طب میں ذکر فرمایا (۲) یہ واقعہ کتاب المنافی میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ حضرت

سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدنی انصاری صحابی جلیل القدر ہیں۔ ان کا اصل نام حزن تھا۔ حضور علیہ السلام نے سہل نام تجویز فرمایا۔ سو برس کی عمر چوٹی۔ ۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ سے کل ایک سو تراسی حدیث مروی ہیں بخاری میں آپ سے اکتالیس حدیث مروی ہیں۔ مدینہ میں انتقال کرنے والے صحابہ میں سب سے آخری آپ ہی ہیں (۳) یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) چرلے بوریے کی راکھ زخم کے لیے مفید ہے اور خون فوراً بند کر دیتی ہے یہ ایک پرانا طریق علاج ہے جو بہت ہی مفید ہے (۲) دوا۔ و علاج کرنے کا جواز ثابت ہوا۔ یہ کہ دوا کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے (۴) محام سے خدمت لینا جائز ہے

بَابُ السَّوَالِ

باب مسواک کرنے کے بیان میں

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزاری۔ آپ نے (سوکر) اٹھ کر مسواک فرمائی۔

ابو بردہ اپنے والد سے راوی وہ کہتے ہیں میں نے دیکھا حضور علیہ السلام مسواک کر رہے تھے جو آپ کے ہاتھ میں تھی۔ آپ اُخ اُخ کی آواز نکال رہے تھے اور مسواک آپ کے منہ میں تھی۔ گریا آپ نے کر رہے تھے۔

حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوکر اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے دگر ٹٹے (صاف) کرتے۔

۱- وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاسْتَنَ

۲۴۳ (۱) عَنْ أَبِي بَرْزَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ بِسَوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُولُ اُخْ اُخْ وَالسَّوَاكُ فِي فَمِهِ كَأَنَّهُ يَنْتَهَوُّ (بخاری)

۲۴۴ (۲) عَنْ أَبِي حَذِيفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُشَوِّصَ فَاهُ بِالسَّوَاكِ

فوائد و مسائل

حدیثوں پر نمبر لگا دیے ہیں۔ نمبر واران کے احکام و مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔ ۱۔ یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو آئندہ بیان ہوگی ۲۔ حدیث دوم کو امام مسلم و نسائی و ابوداؤد

کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے۔ استئذان کے معنی مسواک کرنے کے ہیں۔ یتھووع کے معنی نئے کرنے کے ہیں لیکن بتکلف مطلب یہ ہے کہ مسواک اس طرح فرما رہے تھے کہ تھکی سی آواز نکال رہی تھی جیسے حلق میں انگلی یا برش سے صغلی کرتے ہیں تاکہ منہ اور گھٹے کی آلائش خارج ہو جائے ۳۔ حدیث سوم کو امام نے صلوۃ اللیل میں بھی ذکر کیا ہے اور ابوداؤد و مسلم و ابن ماجہ نے طہارۃ میں اور نسائی نے طہارۃ و صلوۃ میں ذکر کیا ہے۔ لیشووع کے معنی دھونے، صاف کرنے کے ہیں۔ ابن وقیف العید نے فرمایا کہ اس حدیث سے سوکر اٹھنے کے بعد مسواک کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے

فیندیں معدہ کے انجرات صمود کرتے ہیں اس لیے سوکر اٹھنے کے بعد مسواک کی حدیث دی گئی تاکہ مسواک کے ذریعے منہ ان آلائشوں سے پاک و صاف ہو جائے — علامہ عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ حدیثیں اس امر پر دال ہیں کہ مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طہیبتِ فرمائی۔ حتیٰ کہ اس کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ عین وفات شریف کے وقت بھی حضور علیہ السلام نے مسواک استعمال فرمائی ہے (بخاری)

مسواک کے فضائل ۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری امت پر شاق ہوگا تو میں ان کو ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا امر فرماتا (طبرانی) ۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم جب باہر سے تشریف لاتے تو پہلا کام آپ کا مسواک کرنا ہوتا۔ (مسلم شریف) ۳۔ مسواک کا التزام رکھو یہ سبب ہے منہ کی صفائی اور اللہ عزوجل کی رضا کا ۴۔ دو رکعتیں جو مسواک کر کے پڑھی جائیں افضل ہیں بے مسواک کی ستر رکعتوں سے (ابن قیم) ۵۔ دس چیزیں فطرت سے ہیں یعنی ان کا حکم ہر شریعت میں تھا۔ مونچھیں کترنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، انگلیوں کی چپتیں دھونا، بغل کے بال دور کرنا، مونے زیر ناف مونڈنا، استنجا کرنا، نکلی کرنا — یہ اور اس سلسلہ کی دیگر احادیث سے مسائل ذیل پر روشنی پڑتی ہے۔

مسواک کرنے کے مسائل ۱۔ کم سے کم تین مرتبہ دہانے، باتیں، اوپر نیچے دانتوں میں مسواک کرے اور ہر مرتبہ مسواک کو دھوئے، مسواک نہ بہت نرم جو نہ بہت سخت، پیلو یا زیتون یا تیم وغیرہ کی کڑی لکڑی کی جو چھنگلیا کے برابر موٹی اور زیادہ سے زیادہ ایک بالشت لمبی ہو اور اتنی چھوٹی بھی نہ ہو کہ مسواک کرنا دشوار ہو جائے۔ مسواک دہانے کے لیے اور اس طرح ہاتھ میں لے کہ چھنگلیا مسواک کے نیچے اور پیچ کی تین انگلیوں اوپر اور انگوٹھا سرے پر نیچے ہو اور مٹھی نہ باندھے۔ دانتوں کی چوڑائی میں مسواک کرے لبائی میں نہیں، چت لیٹ کر مسواک نہ کرے، پہلے داہنی جانب کے دانت مانجھے پھر بائیں جانب کے اوپر کے پھر داہنی جانب کے نیچے کے۔ پھر بائیں جانب کے نیچے کے۔ جب مسواک کرنا ہو تو اسے دھوئے یونہی فارغ ہونے کے بعد دھو ڈالے اور زمین پر پڑی نہ چھوڑے بلکہ کھڑی رکھے اور ریشہ کی جانب اوپر ہو۔ مسواک جب قابل استعمال نہ رہے تو اسے دفن کر دیا جائے یا کسی پاک جگہ رکھ دی جائے گندگی میں نہ ڈالی جائے۔ احناف کے نزدیک مسواک سنتِ وضو ہے سنتِ نماز نہیں ہے۔

بَابُ دَفْعِ السَّوَاكِ إِلَى الْأَكْبَرِ

باب جو عمر میں بڑا ہو پہلے اس کو مسواک دینے کے بیان میں

۲۴۵۔ اِبْنُ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرَأَيْتَ أَتَسَوَّكَ بِسَوَاكِ فَجَاءَ لَكَ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ فَنَازَلْتُ السَّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيلَ لِي كَبِيرُ فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مسواک کر رہا ہوں۔ اتنے میں دو شخص میرے پاس آئے۔ ایک عمر میں دوسرے سے بڑا تھا۔ میں نے پہلے اس کو مسواک دی جو عمر میں چھوٹا

تھا۔ تب مجھ سے کہا گیا کہ پہلے بڑے کو دو۔ میں نے بڑے کو دیدی۔

اِخْتَصَرَهُ نَعِيمٌ عَنِ ابْنِ مَبَارَكٍ عَنْ اَسَامَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ (بخاری)

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ بڑوں کا حق مقدم ہے لیکن جب کوئی چیز باقی جاتے تو چھوٹوں سے ابتدا کی جائے اور یہ طریقہ ہر بات میں سلام، تحیہ، کھانے، پینے میں اختیار کیا جائے کہ یہی سنت ہے۔ حضرت حنبل علیہ الرحمہ نے فرمایا: بڑی عمر والے کو ہر بات میں مقدم رکھنا اولیٰ ہے لیکن جب ترتیب کے ساتھ بیٹھیں تو پھر ابتدا واپسی طرف والے سے کی جائے۔ ۲۔ دوسرے کی مسواک استعمال کرنا جائز ہے البتہ مناسب یہ ہے کہ دھو کر استعمال کرے ۳۔ اس حدیث سے مسواک کی فضیلت نکلتی ہے کہ اس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے مسواک کے متعلق جو خواب دیکھا وہ وحی ہی تو تھا! (۴) عنوان کا مفہور مسواک کی فضیلت کا اثبات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ اگر کوئی ایسی چیز آپ کے پاس ہوتی جو عند اللہ فضیلت والی ہے تو اس کی تقسیم بڑی عمر والے سے شروع فرمایا کرتے۔ مسواک چونکہ ایک فضیلت والی چیز تھی اسی لیے خواب میں آپ کو بڑی عمر والے کو دینے کی ہدایت دی گئی۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوءِ

باب با وضو سونے کی فضیلت کے بیان میں

بار بن عازب سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جب تو اپنے سونے کی جگہ پر آجائے تو نماز کا سا وضو کرے پھر داہنے کروٹ پر لیٹ کر یوں دعا کر۔ یا اللہ! تیرے ثواب کے شوق میں اور تیرے عذاب کے ڈر سے میں نے اپنے تئیں تیسرے سپرد کر دیا اور اپنا کام تجھ کو سونپ دیا اور اپنی پیٹھ تجھ پر ٹپک دی یعنی تجھ پر بھروسہ کیا! تجھ سے بھاگ کر کہیں پناہ اور کہیں بھگانا نہیں۔ مگر تیرے ہی پاس یا اللہ میں تیری کتاب (قرآن پاک) پر ایمان لایا جس کو تو نے اتارا اور تیرے نبی پر جس کو تو نے بھیجا۔ اب اگر تو اسی رات مر جائے تو اسلام پر رہے گا اور ایسا کر کہ یہ دعا تیرا آخری کلام ہو۔ بار نے کہا۔ میں نے

۲۴۶۔ عَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَيْتَ مَضْجِعَكَ فَتَوَضَّأْ وَضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللَّهُمَّ اسَلِّمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَالْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ وَرَغِبْتُ وَرَهْبْتُ إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مُنْجَاةَ إِلَّا إِلَيْكَ اللَّهُمَّ أَمِنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أُنْزِلَتْ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أُرْسِلْتُ فَإِنْ مِتُّ مِنْ لَيْلَتِكَ فَآتِنَا عَلَى الْفِطْرَةِ وَاجْعَلْهُنَّ أَحَدًا مَا تَشْكُرُنَّ بِهِ قَالَ فَرَدَّدْنَاهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا بَلَفْتُ اللَّهُمَّ أَمِنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي قُلْتُ

وَرَسُولِكَ فَالَ لَوْ أَنِّي رَأَيْتُ
أَرْسَلْتُ (بخاری)

اس دُعا کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
(یا دکر کرنے کے لیے) دہرایا۔ جب اس جگہ پہنچا "آمنت
بکتابک الذی انزلت" اس کے بعد میں نے یوں کہہ دیا "ورسولک" آپ نے فرمایا نہیں، (بلکہ) یوں کہہ دینیٹ
الذی ارسلت۔

قائد مسائل

اس حدیث کو امام نے دعوات میں بھی ذکر کیا ہے۔ مسلم نے دعاء میں ابو داؤد نے ادب میں
ترمذی نے دعوات میں اور نسائی نے فی الجہوم ولبیلہ میں — با وضو سونے کی دیگر احادیث
میں بھی فضیلت آئی ہے۔ ۲۔ سوتے وقت وضو کر لینا مستحب ہے اور اسی طرح دُعا کرنا ۳۔ داہنی کروٹ سونا حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا۔ کیونکہ آپ ہر کام میں سیدھی طرف کو پسند فرماتے تھے۔ نیز داہنی کروٹ سونے سے زیادہ
غفلت نہیں ہوتی اور تہجد کے لیے آنکھ کھل جاتی ہے ۴۔ اگر پہلے سے کسی کو وضو ہو تو سونے کے لیے دوبارہ وضو کرنے
کی ضرورت نہیں ہے وہی وضو کافی ہے اور با وضو سونے کی حکمت یہ ہے کہ ممکن ہے اسی رات موت آجائے تو وضو کی
برکت سے شیطان سے محفوظ رہے گا۔ ۵۔ سوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور کوئی دنیاوی بات نہ کرنا مستحب ہے۔
اسی طرح مذکورہ بالا دُعا پڑھنا بھی تو اگر اسی نیند میں موت آگئی تو اس کے اعمال کا انتقام وضو پر اور دُعا پر جو فضل الاعمال
ہے، ہوگا ۶۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الرضوخ کے اخیر میں یہ حدیث درج کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ
جیسے آدمی وضو سیداری کے اخیر میں کرنا ہے۔ اسی طرح یہ حدیث کتاب الرضوخ کا خاتمہ ہے۔

خاتمہ

اس حدیث مقدسہ پر کتاب الموضوء ختم ہوئی۔ پارہ دوم انشاء اللہ العزیز کتاب الغسل
سے شروع ہوگا — کتاب الرضوخ میں کل مرفوع حدیثیں ۱۵۴ ہیں۔ ان میں سے موصول ۱۱۶ اور
بصیغہ مطابقت و تعلیق ۸۸ حدیثیں ہیں اور مکرران میں ۷۳ حدیثیں گویا بلا تکرار کل ۸۱ حدیثیں ہیں جن میں سے معلق ہیں اور
باقی موصول۔ کتاب الرضوخ میں صحابہ و تابعین کے آثار موقوف ۴۸ ہیں۔ ان میں نین موصول ہیں باقی معلق ہیں۔

واللہ الموفق والمعين

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ
وَبَارَكَ وَسَلَّم وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

سید محمد احمد رضوی غفرلہ

دارالعلوم عربیہ لاحاف لاہور

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۵ء

وَمَنْ يَنْتِمْ عِزَّ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ

دینِ مصطفیٰ

عَلَيْهَا الْحَيَّةُ وَالشَّيْءُ



عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق
معاشرت سے متعلق قرآن و حدیث اور
فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کا
قابل مطالعہ مجموعہ

حسب فرمائش

جناب محترم الحاج امیر بخش مسما

مخدوم کارپوریشن میٹروپولیٹن راجہ

تالیف

علامہ سید محمود احمد ضوی

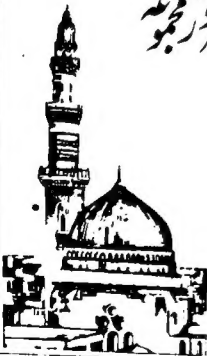
ناظم شعبہ تبلیغ و احکام العلماء و العوام
مجمع بخش روڈ لاہور



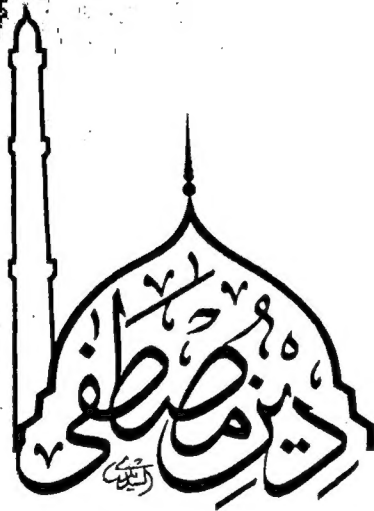
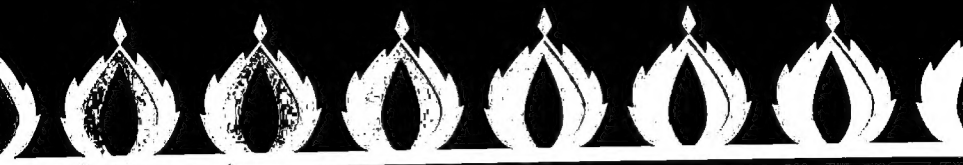
حضور ہادی عالم نور مجسم حبیبِ کبریا
سرور انبیا، حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الہیۃ والنسب

کے
ارشادات کا ایمان افروز مجموعہ

مکتبہ مولانا محمد رفیع
سکسٹون احمد ضلع



تبعیہ مبلغ دار العلوم حزبِ خائف لاہور



عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ

بِالْمَعْتَمَدِ

صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی

